مقالہ بعنوان (۱)

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ

بحیثیت

ماہر معاشیات

علوم اسلامیہ میں پی ایچ ڈی کی ڈگری کے حصول کے لئے پیش کیا گیا

مقالہ نگار

منور حسین چیمہ

اسسٹنٹ پروفیسر

شعبہ علوم اسلامیہ

گورنمنٹ اسلامیہ کالج سمبڑیال (سیالکوٹ)

نگران تحقیق

پروفیسر ڈاکٹر جمیلہ شوکت

چیئرپرسن

ادارہ علوم اسلامیہ جامعہ پنجاب

لاہور

ادارہ علوم اسلامیہ جامعہ پنجاب لاہور

رجب المرجب ۱۴۱۸ھ نومبر ۱۹۹۷ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ
وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ ط

(الاعراف : ۱۰)

مولای صل وسلم دائماً ابداً
علی حبیبك خیر الخلق کلھم

محمد سید الکونین والثقلین
والفریقین من عرب و من عجم

ھو الحبیب الذی ترجیٰ شفاعته
لکل ھول من الاھوال مقتحم

فاق النبیین فی خلق وفی خلق
ولم یدانوہ فی علم ولا کرم

ثم الرضا عن ابی بکرؓ وعن عمرؓ
وعن علیؓ وعن عثمانؓ ذی الکرم

(البوصیریؒ)

"اے مالک میرے درود اور سلام بھیج ہمیشہ ہمیشہ
تک اپنے دوست پر جو بہتر ہیں ساری خلقت سے۔
سو وہ کون محمد صلی اللہ علیہ وسلم دنیا اور آخرت کے
سردار اور جن وانسان کے سردار اور دونوں
فریقوں عرب اور عجم کے سردار۔
وہی ہیں اللہ کے ایسے حبیب کہ ان کی شفاعت کی
امید ہے۔ ہر ایک خوف کے وقت جو آنے والے
خوف ہیں۔
نبیوں پر فوقیت لے گئے خلقت اور خلق میں اور دوسرے
نبی نہ ان کے علم کو پہنچ سکے اور نہ کرم کو۔
پھر راضی ہو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سے اور حضرت علیؓ
اور حضرت عثمانؓ سے کہ وہ صاحب کرم ہیں۔

انتساب

مخدوم امم

ابوالحسن سید علی بن عثمان ہجویریؒ

کے نام

خاک پنجاب از دمِ او زندہ گشت
صبح ما از مہر او تابندہ گشت
(اقبالؒ)

حضرت غلام حسن قادری نوشاہیؒ
کٹھیالہ (گجرات)
منجانب: مُترجم

ولید بن عبدالملک کے
دور کے سکے

ہشام بن عبدالملک
کے دور کے سکے

بنوامیہ کے دور کا دینار

ہارون الرشید کے دور کے سکے

اظہار تشکر

سب سے پہلے میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہوں جس نے مجھ ایسے بے کار شخص کو جو علم و عمل میں کوئی مقام نہیں رکھتا امام ابو یوسف ایسی بلند پایہ شخصیت پر تحقیقی کام کرنے کی توفیق دی۔ اگر خالق کائنات کا خصوصی فضل و کرم راقم پر نہ ہوتا تو ایک لفظ بھی تحریر کرنا ناممکن تھا۔ یہ محض رب ذوالجلال کی عطا کردہ ہمت اور توفیق ہی کا نتیجہ ہے کہ یہ کام مقررہ مدت میں پایہ تکمیل کو پہنچ سکا۔

نگران تحقیق، محترمہ ڈاکٹر جمیلہ شوکت نے جس طرح مشفقانہ انداز میں راہنمائی کی وہ بھی میرے لیے بہت بڑا اعزاز ہے۔ محترمہ نے انتظامی اور علمی مصروفیات کے باوجود اپنا قیمتی وقت صرف کر کے دین اسلام اور علم کی ترویج و ترقی سے گہری وابستگی کا اظہار فرمایا۔

اس مقالہ میں اگر کوئی خوبی ہے تو وہ نگران تحقیق کی بہترین راہنمائی کا نتیجہ ہے اور جو خامیاں رہ گئی ہیں ان کا ذمہ دار صرف مقالہ نگار ہے۔

محترمہ نے محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لیے اس تحقیقی کام کی نگرانی کی ہے۔ اس لیے اس محنت کا صلہ بھی اللہ تعالیٰ ہی انہیں دنیا و آخرت میں عطا فرمائے گا۔ میری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے علم، عمل اور عمر میں برکت پیدا فرمائے۔

محترم پروفیسر غلام رسول عدیم صاحب کا احسان مند ہوں کہ جن کی راہنمائی کے بغیر راقم یہ ذمہ داری ادا نہ کر سکتا۔ راقم الحروف سات سال کے عرصہ میں متعدد بار ان کے در دولت پر حاضر ہوا تو موصوف نے جس خلوص بھرے انداز میں معاونت فرمائی اس کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ مجھے یہ اعتراف ہے کہ راقم ان کی علمی مصروفیت میں مخل ہوا امید ہے وہ در گزر فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں دنیا اور آخرت میں اس نیکی کا انعام عطا فرمائے۔

ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی صاحب کا ممنون ہوں ۔ جنہوں نے مقالہ کے خاکہ کی تیاری میں ہمدردانہ انداز میں راہنمائی فرمائی۔ ان کی ہدایات کی روشنی ہی میں مقالہ کے ابواب و فصول کی ترتیب ممکن ہوئی۔

محترم پروفیسر حافظ محمد ارشد صاحب کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے نہ صرف موضوع کی منظوری کے لیے جدوجہد فرمائی بلکہ اس کام کی تکمیل کے لیے راقم کو وقتاً "فوقتاً" تلقین کرتے رہے۔

ادارہ علوم اسلامیہ کے اساتذہ کرام، پروفیسر ڈاکٹر امان اللہ خاں، ڈاکٹر خالد علوی صاحب پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمود اختر صاحب، پروفیسر ممتاز احمد سالک صاحب، پروفیسر شبیر احمد منصوری صاحب پروفیسر ڈاکٹر حمید اللہ صاحب اور پروفیسر محمد رفیق چوہدری صاحب ایسی علم و عمل سے مزین شخصیات سے بحیثیت طالب علم بہت کچھ سیکھا اس لیے ان کے احسانات کو بھی نہیں بھول سکتا۔

برادرم سجاد صاحب (سجاد کمپوزنگ سنٹر گوجرانوالہ) نے جس محنت اور خلوص سے اس مقالہ کی کمپوزنگ کی وہ بھی قابل تحسین ہے۔

منور حسین چیمہ

گورنمنٹ اسلامیہ کالج سمبڑیال

تحقیقی کام کا آغاز ۱۰ دسمبر ۱۹۹۰

تکمیل ۲۲ نومبر ۱۹۹۷

عمومی اشارات

1 حواشی و حوالہ جات ہر باب کے آخر میں دیئے گئے ہیں

2 مقالہ میں پہلی بار کسی کتاب کا حوالہ تحریر کرتے وقت مکمل نام مع نام مصنف مقام اشاعت وغیرہ کا التزام کیا گیا ہے۔ بعد ازاں کتاب اور مصنف کا مختصر نام لکھا گیا ہے۔

3 کتب حدیث کے حوالہ جات تقریباً ہر جگہ مکمل تحریر کئے گئے ہیں

4 مقالہ میں حوالہ دیتے ہوئے "الخراج" سے مراد امام ابو یوسف کی کتاب الخراج ہے۔ خراج کے موضوع پر دیگر کتب کے حوالہ جات لکھتے وقت مصنف کا نام بھی تحریر کیا گیا ہے۔

5 ہر باب میں پہلی بار کسی شخصیت کا مکمل نام مع سن وفات دیا گیا ہے۔

(6) مقالہ میں جن کتب کے ایک سے زائد ایڈیشن استعمال کئے گئے ہیں۔ ان کی صراحت مصادر و مراجع کی فہرست میں کر دی گئی ہے

فہرست مضامین

عنوان: امام ابو یوسف بحیثیت ماہر معاشیات

مقدمہ

جدید دور میں انسان کی دنیوی زندگی میں معاشیت کو جو اہمیت حاصل ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ تاریخ کے ہر دور میں یہ علم ارتقاء پذیر رہا ہے۔ مختلف مصنفین اپنی کتب میں مختلف موضوعات مثلاً زراعت' تجارت' صنعت و حرفت اشیاء کے مبادلے' زر کے استعمال اور دیگر معاشی امور سے متعلق بحثیں کرتے رہے ہیں۔ اور اب یہ مباحث ایک مرتب اور منضبط علم کی شکل اختیار کر چکے ہیں۔

دور حاضر میں اس علم کی تعلیم و تدریس کا انتظام تقریباً ہر ملک کے تعلیمی اداروں میں ہے۔ اسی ضرورت کو مد نظر رکھتے ہوئے یورپ میں معاشی تجزیہ (Economic Analysis) کی تاریخ پر کئی کتب تحریر کی گئیں۔ آج ہمارے کتب خانوں میں معاشی نظریات کی تاریخ پر "History of Economic Thought" اور "History of Economic Analysis" کے نام سے درجنوں کتب ملتی ہیں۔(1)

ان میں مورخین نے جدید دور سے پہلے کے زمانہ کو چار ادوار میں تقسیم کیا ہے۔

(1) قدیم مشرقی دور (The Ancient Oriental Age)

(2) یونانی دور (The Greek Age)

(3) رومن دور (The Roman Age)

(4) قرون مظلمہ کا عیسائی دور (The Christian Medieval Age)

یہ کس قدر حیرت آفریں بات ہے کہ تمام مورخین معاشی فکر کی تاریخ مرتب کرتے وقت یونانی فلاسفر افلاطون (Plato) (م 347 ق-م) اور ارسطو' (Aristotle) (م 322 ق-م) سے آغاز کرتے ہوئے دور حاضر تک کے ماہرین معاشیات کا تذکرہ کرتے ہیں۔ لیکن مسلم مفکرین کو یکسر نظرانداز کر دیا جاتا ہے۔(2)

625ء تا 1550ء کے زمانہ کو انہوں نے تاریک دور "Dark Age" قرار دیا ہے۔ جوزف۔ اے شمپیٹر (Joseph A.Schumpeter) نے اپنی کتاب "History of Economic Analysis" میں یونانی' رومی معاشیات پر بحث کرنے کے بعد دوسرے باب میں "The Great Gap" کے عنوان کے تحت یہ لکھا ہے۔

> So far as our subject is concerned we may safely leap over 500 years to the epoch of St. Thomas Aquinas (1225-74), whose summa theologica is in the history of thought what the south western spire of the cathedral of chartres is in the history of architecture. (3)

"جہاں تک ہمارے موضوع کا تعلق ہے ہم بآسانی سینٹ ٹامس اکوئی ناس (74-1225) 500 سال کے زمانے تک بیک جست پہنچ سکتے ہیں۔ جس کی جامع لاہوتی تحریر تاریخ فکر میں وہی مقام رکھتی ہے جو چارتری (Chartres) 3/2 کے کلیسا کے جنوب مغربی منار کا فن تعمیر کی تاریخ میں ہے۔"

شمپیٹر (Schumpeter) کے اس بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ پانچ سو سال تک تحریری یا عملی شکل میں معاشیات پر کوئی کام نہیں ہوا۔ اور پھر اس کی پیروی کرتے ہوئے دیگر مورخین نے بھی مسلم علماء کو قابل التفات نہیں سمجھا۔

ہمارے نزدیک معاشی تجزیہ کی تاریخ میں مسلم ماہرین معاشیات کو نظر انداز کرنے کے تین بڑے اسباب ہیں۔

(ا) پہلا اور بنیادی سبب تو وہ تعصب اور عناد ہے جو یورپ کو اسلام سے ہر دور میں رہا ہے۔

(ب) دوسرا سبب یہ ہے کہ مغرب میں مختلف علوم کا ارتقاء ایک مخصوص ماحول میں ہوا ہے۔ اس کے نتیجے میں مغربی دانشور مسلمانوں کے معاشی افکار و نظریات سے آگاہ نہ ہو سکے۔ (4)

(ج) خود مسلمان مصنفین نے بھی اپنے اسلاف کے معاشی فکر اور مسلم علماء و مفکرین کے یہاں معاشی تجزیے کی تاریخ مرتب کرنے کی کوشش نہیں کی۔ (5)

حقیقت یہ ہے کہ مغربی مورخین معاشیات نے معاشی فکر کی تاریخ کی جو تقسیم کی ہے وہ نامکمل ہے۔ کیونکہ اس طرح مسلمانوں یا عربوں کا تقریباً ایک ہزار سال کا طویل دور حذف کر دیا گیا ہے۔ انہوں نے جس تاریک دور (Dark Age) کی طرف اشارہ کیا ہے وہ یورپ کی تاریخ پر تو منطبق ہو سکتا ہے (6) لیکن اسے مسلمانوں کی تاریخ پر کسی طرح بھی چسپاں نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ یہ تو مسلمانوں کی تاریخ کا وہ دور ہے جو تعلیمی، معاشرتی، تہذیبی اور معاشی لحاظ سے دنیا کی سب قوموں سے اعلیٰ تھا۔ اس وقت مسلمانوں کی عظیم سلطنت تھی جو یورپ اور افریقہ کے مغربی ساحلوں اور ایشیا کے جنوب مشرقی ساحلوں تک پھیلی ہوئی تھی۔ مسلمان قوم زندگی کے ہر میدان میں ترقی کی اعلیٰ منازل طے کر رہی تھی۔ ایک عام قاری بھی اس بات کو تسلیم نہیں کر سکتا کہ مغربی تہذیب سے پہلے جس عظیم قوم نے کئی سو سال دنیا کے ایک بڑے حصے پر حکومت کی ہو اور جس کے علمی کاموں سے آج یورپ بھی استفادہ کر رہا ہے۔ اس نے معاشی فکر و تجزیے کے باب میں کوئی قابل ذکر کام نہ کیا ہو گا۔ (7) اے۔ گلیوم (A-Guillaume) کہتا ہے۔

At the height of Abbasid power their subjects enjoyed a period of unexampled economic prosperity Trade by land and sea was developed by an amazing degree; agriculture and irrigation were developed and arts

and sciences were cultivated as never before (8)

"عباسیہ کے زمانہ عروج میں ان کی رعایا عدیم المثال قسم کی خوشحالی سے بہرہ ور ہوئی۔ خشکی اور سمندر کے راستوں سے تجارت نے حیران کن حد تک ترقی کی۔ زراعت' آب پاشی' فنون لطیفہ اور سائنس کی مختلف شاخوں نے اس قدر ترقی کی کہ اس سے قبل ان علوم میں ایسی ترقی نہ ہوئی تھی۔"

معاشی تجزیہ سے ہماری مراد یہ ہے کہ ان قوتوں اور ان انسانی اعمال و رجحانات کا پتہ چلایا جائے جن کے تعامل کے نتیجے میں سطح زندگی پر نمایاں معاشی مظاہر وجود میں آتے ہیں یا ان اثرات و نتائج کی نشاندہی کی جائے جو کسی معاشی عمل یا اقدام سے متعلقہ افراد یا اداروں پر مرتب ہوتے ہیں۔ تجزیہ کا اطلاق اسباب و عوامل کی دریافت پر بھی ہوتا ہے اور اثرات و نتائج کی تحقیق پر بھی۔ معاشی تجزیہ پیچیدہ اور مرکب معاشی امور کے پیچھے کام کرنے والی سادہ اور مفرد قوتوں کو دریافت کرتا ہے یا معاشی اعمال کے پیچیدہ اثرات کے مختلف اجزاء کو ایک دوسرے سے الگ کرکے دکھاتا ہے۔ قیمتوں کے تعین کو طلب و رسد کے تعامل کا نتیجہ قرار دینا۔ پھر طلب کی تعیین کرنے والے عوامل... افراد کے ذوق اور ان کی ترجیحات' ان کی آمدنی وغیرہ... کی نشاندہی کرنا معاشی تجزیے کی ایک مثال ہے۔ اس طرح کسی محصول کا تجزیہ یہ متعین کرے گا کہ اس کے اثرات محصول ادا کرنے والوں پر کیا پڑتے ہیں۔ اور اس سے وصول کرنے والوں کو کیا حاصل ہوتا ہے۔ ان اثرات اور اس حاصل کا' محصول کی نوعیت' اس کی شرح یا طریق تحصیل سے کیا تعلق ہے اور ان میں کوئی ترمیم ان اثرات و نتائج کو کس طرح متاثر کرسکتی ہے۔

معاشی فکر کا دائرہ زیادہ وسیع ہے۔ اس سے مراد وہ تمام افکار و خیالات ہیں جو معاشی امور سے متعلق ہوں۔ معاشی مسائل کے حل کے لئے کئے جانے والے اقدامات' اور معاشی بہبود کے لئے پیش کی جانے والی تجاویز اس کے دائرے میں شامل ہیں۔ اور وہ تمام امور و مباحث جن کا مطالعہ موجودہ علماء معاشیات معاشی پالیسی (Economic Policy) کے عنوان کے تحت کرتے ہیں۔ کسی معاشی مظہر کے پسندیدہ یا ناپسندیدہ ہونے یا کسی معاشی نتیجے کے مطلوب یا غیر مطلوب ہونے کی بابت ظاہر کئے جانے والے خیالات بھی معاشی فکر کے ترجمان ہوتے ہیں۔ معاشی افکار کے مطالعہ سے ان کے پیچھے کام کرنے والی تجزیاتی بصیرت کا با آسانی پتہ لگایا جاسکتا ہے۔ (9)

ایک ماہر معاشیات جب کسی ٹیکس کے بارے میں یہ رائے دیتا ہے کہ یہ کیوں ضروری ہے؟ اس کے فوائد کیا ہیں اور اس کے اثرات ٹیکس دہندگان پر کیا پڑتے ہیں؟ کون سے ٹیکس عوام پر محض بوجھ ہیں اور ان کے کیا نقصانات ہیں؟ تو اس سے اس کی تجزیاتی بصیرت نکھر کر سامنے آتی ہے۔ ماہر معاشیات کا فریضہ ہے کہ ملک جن معاشی مسائل سے دوچار ہو ان کی نشاندہی کرے اور ان کے حل کے لئے تجاویز بھی پیش کرے۔

معاشی فلاح و بہبود کیوں ضروری ہے؟ وہ کون سی بنیادیں ہیں جن پر معاشی ترقی استوار ہوتی ہے اور اس کے حصول کے کیا طریقے ہیں؟ ان سب امور کے بارے میں حکومت کو مکمل راہنمائی دینا بھی ماہر معاشیات ہی کی ذمہ داری ہے۔

اس حوالے سے جب ہم اسلامی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ یورپی مورخین نے جس دور کو معاشی فکر و تجزیہ کی تاریخ میں خلا قرار دیا ہے اس میں مسلم علماء، فقہاء اور مفسرین نے مختلف معاشی موضوعات پر فلاسفہ یونان افلاطون (م 347 ق-م) اور ارسطو (م 322 ق-م) سے بڑھ کر بحثیں کی ہیں۔ امام ابو حنیفہ النعمان بن ثابت (م 150ھ / 767ء) امام مالک بن انس (م 179ھ / 795ء)، امام محمد بن ادریس الشافعی (م 204ھ / 820ء)، امام احمد بن حنبل (م 241ھ / 855ء) ایسے مسلم فقہاء کی آراء سے ان کے معاشی فکر (Economic Thinking) اور تجزیاتی رسائی (Analytical approach) کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی ابتدائی دو صدیوں میں، جبکہ یونانی فلاسفہ کی کتابیں ابھی عربی زبان میں منتقل نہیں ہوئی تھیں، اسلامی دنیا میں درج ذیل معاشی موضوعات ترقی پا چکے تھے۔

حکومت کی ٹیکسیشن پالیسی (Taxation Policy of Government) پیداوار بڑھانے اور ارتکاز دولت کی حوصلہ شکنی کے لئے ٹیکسوں کا استعمال (Use of taxation as a tool to encourage production and discourage accumulation of wealth)

ٹیکسوں کی شرحیں (Rates of Taxes) سرکاری مصارف (Government expenditures)

نظام زر کے متعلق پالیسی اور ادارے (Monetary policy and Institutions)

ہنڈی اور اس کی دستاویزات (Credit and credit instruments)

قیمت کا تعین اور قیمت کی پالیسی (Price determination and Price policy)

گورنمنٹ بجٹ (Government budgets)

گورنمنٹ بجٹ کے توازن کے طریقے (Methods of balancing government budget)

تجارت اور کامرس (Trade and commerce) تجارتی مال کا مبادلہ (Commodity exchange)

پیداواری استعداد (Productive capacity) احیاء موات (Cultivation of virgin land)

مزارعت (Partnership to cultivate land) مساقات (Partnership to cultivate trees)

زرعی اصلاحات (Agrarian reforms) شرکت (Partnership)

اراضی کی مختلف اقسام (Different kinds of land) زرعی ملکیت (Agricultural ownership)

بیت المال (Public treasury) منڈی کے قواعد (Market regulations)

ذخیرہ اندوزی(Hoarding)منافع(Profit)سود(Interest)سود خواری ر (Usur)

حوالہ(Transfer of debt)نفقہ(Maintenance)میراث(Heritage)اجرہ ر(Rent)

رسد اور طلب(Supply and demand)معاشی حاجات(Economic needs)

ظلم واستبداد کے معاشی نتائج(Economic consequences of oppression)

عدل کے معاشی نتائج(Economic consequences of justice)

حسابات کی جانچ پڑتال اور بحث(Checking and saving accounts)

وہ کتب جن میں مسلم علماء نے معاشی امور سے بحث کی ہے۔ ان کو ہم درج ذیل اقسام میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

(1) مختلف مفسرین کی کتب مثلاً ابو جعفر محمد بن جریر الطبری (م 310ھ / 923ء) کی تفسیر جامع البیان فی تفسیر القرآن' فخر الدین الرازی (م 606ھ / 1210ء) کی تفسیر "التفسیر الکبیر"۔

(2) فقہی تالیفات' مثلاً ابو بکر احمد بن علی الجصاص (م 370ھ / 981ء) کی احکام القرآن۔ ابو محمد علی بن احمد ابن حزم (م 456ھ / 1064ء) کی کتاب المحلیٰ۔

(3) مسلم فلاسفہ کی کتابیں مثلاً ابو نصر محمد الفارابی (م 339ھ / 950ء) کی کتاب "السیاسۃ المدنیۃ"۔

(4) تاریخ کے موضوع پر تصانیف مثلاً عبد الرحمٰن بن محمد ابن خلدون (م 808ھ / 1406ء) کی کتاب "مقدمۃ"

(5) اخلاقیات کے موضوع پر کتب مثلاً ابو حامد محمد بن محمد الغزالی (م 505ھ / 1111ء) کی کتاب احیاء علوم الدین اور کیمیائے سعادت۔ اسی طرح محمد بن حسن طوسی (م 673ھ / 1274ء) کی کتاب "اخلاق ناصری"۔

(6) وہ کتب جو جغرافیہ کے موضوع پر تحریر کی گئیں۔ مثلاً احمد بن عمر' ابن رستہ (م 290ھ / 903ء) کی کتاب الاعلاق النفیسۃ... ابو القاسم محمد بن علی' ابن حوقل (م بعد 367ھ / بعد 977ء) کی تصنیف کتاب صورۃ الارض ـــ ابو عبد اللہ محمد بن ابی طالب' شیخ الربوہ (م 727ھ / 1327ء) کی کتب نخبۃ الدھر فی عجائب البر والبحر۔

(7) مسلم علماء کی وہ کتب جو تاریخ کے مختلف ادوار میں سرکاری محکموں میں کام کرنے منشیوں کے لئے دستور العمل کا کام دیتی رہیں۔ مثلاً ابو بکر احمد بن یحییٰ (م 335ھ / 946ء) کی کتاب ادب الکتاب... ابو العباس احمد بن علی القلقشندی (م 821ھ / 1419ء) کی تصنیف کتاب صبح الاعشیٰ فی صناعۃ الانشاء۔

(8) مختلف سفرنامے۔ مثلاً محمد بن احمد' ابن جبیر (م 614ھ / 1217ء) کی کتاب رحلۃ ابن جبیر ....

محمد بن عبد اللہ ابن بطوطہ (م 777ھ / 1377ء) کی کتاب رحلۃ ابن بطوطۃ المسماۃ تحفۃ النظار فی غرائب الامصار و عجائب الاسفار۔

(9) وہ کتب جو مسلم علماء نے حکمرانوں کی راہنمائی کے لئے تحریر کرکے انہیں پیش کیں۔ مثلاً عبدالرحمٰن بن نصر الشیزری (م 589ھ / 1192ء) کی کتاب "النہج المسلوک فی سیاسۃ الملوک" (10)

ان کتب کے علاوہ کچھ تصانیف وہ ہیں جو خالص معاشی موضوعات کا احاطہ کرتی ہیں۔ اور مسلم علماء نے یہ کتب اس دور میں تحریر کی ہیں جس کو مورخین معاشیات تاریک دور "Dark Age" قرار دیتے ہیں۔ یہاں ان کتب کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

مصنف	کتاب	اہم مضامین	مقام اور سن اشاعت
ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم (م 182ھ / 798ء)	کتاب الخراج	(i) اسلامی حکومت کے ذرائع آمدن (ii) بیت المال کے مصارف (iii) اسلامی ریاست کی معاشی ذمہ داریاں	بولاق = 1302ھ
محمد بن الحسن الشیبانی (م 189ھ / 805ء)	الاکتساب فی الرزق المستطاب	(i) کسب کی اقسام — غنی — معاشی ترقی کی اقسام — معاشی حاجات — زراعت اور تجارت کی ترغیب — زرعی آلات — رزق حاصل کرنے کی ترغیب	دمشق، مطبعۃ الانوار 1938ء (تقدیم و تحقیق محمد عرنوس)
یحییٰ بن آدم القرشی (م 203ھ / 818ء)	کتاب الخراج	— اسلامی حکومت کے ذرائع آمدن — اراضی کی اقسام اور ان کے احکام — تجارت اور زراعت	لاہور = المکتبۃ العلمیۃ = 1395ھ (تحقیق = ابوالاشبال احمد محمد شاکر)
ابو عبید القاسم	کتاب الاموال	— ذرائع آمدن اور	سلنگس - المکسہ

بن سلام (م 224ھ / 838ء)		مصارف ـ ملک وزن کے پیمانوں مثلاً صاع، رطل وغیرہ کی تحقیق ـ مشترکہ ملکیت	الاثریة (تصحیح و تعلیق محمد حامد الفقی)
حمید بن مخلد ابن زنجویہ (م 251ھ / 865ء)	کتاب الاموال	ـ اسلامی حکومت کے ذرائع آمدن ـ مصارف ـ اراضی کی اقسام ـ سود ـ اوقاف ـ عدل اجتماعی	الریاض = المرکز الملک فیصل للبحوث والدراسات الاسلامیة / 1406ھ (تحقیق = الدکتور شاکر ذیب فیاض)
ابو زکریا یحیٰی بن عمر الکنانی (م 289ھ / 902ء)	کتاب النظر والاحکام فی جمیع احوال السوق	ـ اوزان اور پیمانوں کی تحقیق ـ اقتصادی آزادی ـ اقتصادی ترقی کی بنیاد تقویٰ ہے۔ ـ قیمتوں کا تعین کس طرح ہوتا ہے؟ ـ ذخیرہ اندوزی کا مفہوم اسباب اور تفصیلات ـ تجارت کی اقسام ـ زرعی اجناس کی خرید فروخت ـ معاشی قوانین (یہ عالم اسلام کی پہلی کتاب ہے جس میں بازار اور فرد کے معاملات کے بارے میں بحث کی گئی ہے۔)	تونس = الشرکة التونسیة للتوزیع، طبع 1975ء (تحقیق = حسن حسنی عبدالوهاب)

مصنف	کتاب	موضوعات	مطبع
ابو بکر احمد بن محمد بن ہارون الخلال (م 312ھ / 924ء)	الحث علی التجارۃ والصناعۃ والعمل	— تجارت اور بازار — تجارت کس طرح حصول معیشت کا ایک اہم ذریعہ ہے — مال اور اس کے فوائد — محنت کی اہمیت	الریاض، دار العاصمۃ طبع، 1407ھ
قدامہ بن جعفر الکاتب (م 337ھ / 948ء)	نبذ من کتاب الخراج وصنعۃ الکتابۃ	— ذرائع آمدن — کل سکے سواد عراق کے مختلف علاقوں سے حاصل ہونے والی آمدنی کا گوشوارہ — حجاج بن یوسف اور مامون الرشید کے دور میں عراق میں مختلف اشیاء کے نرخ کیا تھے؟	لیدن = مطبع بریل 1306ھ
ابو عبد اللہ محمد بن ابراہیم ابن بصال (م چوتھی صدی ہجری / دسویں صدی عیسوی)	کتاب الفلاحۃ	— زرعی اراضی کی اقسام — زراعت کے مختلف طریقے — زرعی آلات — مختلف زرعی اجناس اور ان کی کاشت کا صحیح موسم — مختلف پھلوں کے خواص	المغرب = معہد کریمالیس، 1955ء (تحقیق = خوسی ماریہ میاس)
ابو الحسن علی بن محمد الماوردی (م 450ھ / 1058ء)	الاحکام السلطانیۃ والولایات الدینیۃ	— اسلامی حکومت کے ذرائع آمدن — مصارف	مصر = دار الفکر للطباعۃ والنشر، 1404ھ
احمد بن محمد ابن حجاج الاشبیلی (م پانچویں صدی ہجری / گیارہویں صدی عیسوی)	المقنع فی الفلاحۃ	— اس دور کے کاشت کاروں کی معاشی حالت — زرعی اراضی کی مختلف اقسام — زراعت کے	عمان = مجمع اللغۃ العربیۃ الاردنی 1982ء (تحقیق صلاح جرار جاسر ابو صفیۃ عبد العزیز

		مختلف طریقے — زرعی آلات — مختلف زرعی اجناس اور ان کی کاشت کا صحیح موسم	الدوری
ابوالخیر الاندلسی	کتاب فی الفلاحة	— اس دور کے کاشتکاروں کی معاشی حالت — مختلف علاقوں کے محاصل — زرعی اراضی کی مختلف اقسام — زراعت کے مختلف طریقے — مختلف قسم کی زمینیں کن کن اجناس کے لئے زیادہ مفید ہیں — زرعی اجناس — مختلف قسم کی فصلیں اور ان کی کاشت کا صحیح موسم — زرعی آلات	فاس = المطبعة الجديدة 1357ھ
عبدالرحمن بن نصر الشیزری (م 589ھ / 1192ء)	کتاب نهاية الرتبة فی طلب الحسبة	محتسب بننے کیلئے ضروری شرائط — محتسب کے فرائض — مختلف پیشوں کا ذکر — تجارت کی اقسام — سود — مختلف اشیاء کے نرخ — ذخیرہ اندوزی — مختلف سکے	بیروت = دار الثقافة تحقیق = الدکتور السید الباز العرینی
ابوالفضل جعفر ابن علی الدمشقی (م چھٹی صدی ہجری /	الاشارة الی محاسن التجارة	— مختلف اشیاء کی لاگت اور قیمت کا تعین کس طرح ہو گا؟	القاهرة = مكتبة الكليات الازهرية 1977م

بارھویں صدی عیسوی)		... قیمتیں کیوں بڑھتی ہیں؟ ... نظریہ قدر ... مختلف اشیاء کے نرخ اور بازار پر ان کا اثر ... کام کی تقسیم ... سونے اور چاندی کے سکے ... تجارت اور اس کے اسلوب ... محنت کے پھیلاؤ کے اسباب اور اس کی ضرورت	(تحقیق البشری الشورنجی)
اسعد بن المہذب ابن مماتی (م 606ھ / 1209ء)	قوانین الدواوین	... مصر میں عہد آل ایوب کا زرعی نظام ... زرعی محاصل ... زرعی اجناس ... زرعی سرگرمیاں ... جزیہ ... قبالہ ... وراثت کے احکام ... مصری اوزان اور پیمانوں کی تحقیق	القاہرۃ = 1943م (تحقیق = عزیز سوریال عطیہ)
ابو زکریا یحییٰ بن محمد ابن العوام الاشبیلی (م ساتویں صدی ہجری / تیرھویں صدی عیسوی	کتاب الفلاحۃ	... زرعی اراضی کی اقسام ... زراعت کے مختلف طریقے ... مختلف زرعی اجناس اور ان کی کاشت کا صحیح موسم ... اس دور کے کاشتکاروں کی معاشی حالت	میڈرڈ = 1802م
ابو العباس احمد بن عبدالحلیم ابن تیمیہ (م 728ھ / 1328ء)	الحسبۃ فی الاسلام او وظیفۃ الحکومۃ الاسلامیۃ	... محتسب کے فرائض ... معاملات کی مختلف اقسام ... ذخیرہ اندوزی ... زخیرہ اندوز	مطبعۃ المؤید 1318ھ

		کیسے عمل کرتا ہے۔ ۔۔ خرید و فروخت ۔۔ تسعیر کا جواز اور عدم جواز ۔۔ زراعت ۔۔ شراکت ۔۔ اجارہ	
محمد بن محمد بن احمد القرشی ابن الاخوۃ (م 729ھ / 1329ء)	معالم القربۃ فی احکام الحسبۃ	۔۔ محتسب بننے کیلئے شرائط ۔۔ محتسب کے فرائض ۔۔ مختلف اشیاء کے نرخ ۔۔ بازار اور ان کی تنظیم ۔۔ زکوٰۃ ۔۔ مختلف پیشے رکھنے والے افراد کا ذکر ۔۔ سود ۔۔ تجارت کی اقسام ۔۔ اجارہ ۔۔ اوزان اور پیمانوں کی تحقیق	کیمبرج، مطبعۃ دار الفنون، 1937 (تصحیح روبن لیوی)
ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر ابن قیم (م 751ھ / 1350ء)	الطرق الحکمیۃ فی السیاسۃ الشرعیۃ	الحسبۃ تسعیر (قیمتوں کا تعین) ۔۔ ذخیرہ اندوزی ۔۔ مزارعت ۔۔ مختلف صنعتوں کی تربیت اور ان کا نظم	بیروت، دار الکتب العلمیۃ
ابو عبد اللہ محمد بن عبد الرحمن الوصابی الحبشی الیمنی (م 782ھ / 1380ء)	البرکۃ فی فضل السعی والحرکۃ	عبادات کا معاشی پہلو ۔۔ محنت کی عظمت ۔۔ کاہلی کے نقصانات	القاہرۃ، المکتبۃ التجاریۃ

ابو الفرج عبد الرحمن بن احمد، ابن رجب (م 795ھ / 1393ء)	الاستخراج لاحکام الخراج	۔ قبل از اسلام سواد کے علاقے میں خراج ۔ خراج وظیفہ اور خراج مقاسمہ ۔ اراضی کی مختلف اقسام ۔ مزارعت ۔ مساقات ۔ جزیہ ۔ اقطاع ۔ مصارف زکوٰۃ کی تحدید ۔ حکومت ٹیکسوں سے حاصل کردہ رقوم کو کن مصالح پر خرچ کرے۔	بیروت، دار الکتب العلمیۃ، 1405ھ
شہاب الدین احمد بن علی الدلجی (م 838ھ / 1435ء)	الفلاکۃ والمفلوکون	۔ معاش کے طریقے ۔ تجارت ۔ کاشتکاری ۔ صنعت و حرفت ۔ آمد و خرچ اور ان کے مابین تعلق ۔ معاشی سرگرمیوں کی اہمیت	القاہرۃ، مطبعۃ الشعب، 1322ھ
تقی الدین احمد بن علی المقریزی (م 845ھ / 1441ء)	المواعظ والاعتبار فی ذکر الخطط والآثار	۔ مصر کی معاشی تاریخ ۔ بازار اور ان کی تاریخ بجٹ (آمد و خرچ کا تخمینہ) ۔ بجٹ بنانے کے اصول ۔ مختلف ادوار میں بجٹ سازی کس طرح ہوئی؟ ۔ کرنسی اور اس کے مختلف ادوار	لبنان، مکتبۃ احیاء العلوم
ایضاً	کتاب النقود الاسلامیۃ المسمی بشذور العقود	۔ اسلام سے قبل اور اس کے بعد ضرب شدہ	قم، منشورات الشریف الرضی،

	فی ذکر النقود	میں کرنسی کے استعمال کی تاریخ — قدیم کرنسی — وہ کرنسی جو مختلف مسلم حکمرانوں کے ادوار میں زیر استعمال رہی — مصری کرنسی	1387ھ (تحقیق محمد السید علی بحر العلوم)
ابن بسام، محمد (م نویں صدی ہجری / پندرھویں صدی عیسوی)	نہایۃ الرتبۃ فی طلب الحسبۃ	— محتسب بننے کیلئے شرائط — محتسب کے فرائض — ذخیرہ اندوزی — مختلف اشیاء کے نرخ — مختلف پیشے رکھنے والے افراد — اوزان اور پیمانوں کی تحقیق — دلال کی اجرت	بغداد، مطبعۃ المعارف، 1968ء (تحقیق حسام الدین السامرائی)
عبدالغنی النابلسی (م ۱۱۴۳ھ / ۱۷۳۰ء)	علم الملاحۃ فی علم الفلاحۃ	— زرعی اراضی کی مختلف اقسام — زراعت کے مختلف طریقے — زراعت کے فوائد — مختلف پھلوں کو محفوظ کرنے کے طریقے — مختلف زرعی اجناس اور ان کی کاشت کا صحیح موسم	بیروت، دار الآفاق الجدیدۃ، طبع 1979ء

یہ تو ان کتب کی فہرست ہے جو طبع ہو چکی ہیں اور مختلف کتب خانوں میں دستیاب ہیں لیکن ان کے علاوہ بھی معاشیات کے موضوع پر درجنوں کتب (12) ہیں جو ہنوز زیور طبع سے آراستہ نہیں ہو سکیں۔

راقم الحروف نے اپنے تحقیقی مقالہ کے لئے مذکورہ بالا علماء و مفکرین میں سے ایک ایسی شخصیت کا انتخاب کیا ہے جن

کے معاشی افکار و نظریات کے اثرات نہ صرف عباسی خلیفہ ہارون الرشید (170-193ھ / 786-809ء) کی حکومت پر پڑے بلکہ بعد میں آنے والی مسلم حکومتوں نے بھی آپ کے افکار سے استفادہ کیا۔

ابو یوسف 'یعقوب بن ابراہیم (م 182ھ / 798ء) کی مشہور تصنیف کتاب الخراج ہے جو ان کے معاشی فکر کا آئینہ ہے۔ آپ نے یہ کتاب ہارون الرشید کے دور میں اسلامی سلطنت کے وزیر قانون اور قاضی القضاۃ کی حیثیت سے تحریر کی تھی۔ یہ کتاب اپنی جامعیت 'افادیت اور اہمیت کے اعتبار سے منفرد ہے۔ اتنی صدیاں گزرنے کے باوجود کتاب الخراج کی عظمت قائم ہے۔ جس نے بھی اس کتاب کا 'اور اس موضوع پر دوسری کتب کا مطالعہ کیا ہے وہ اس اعتراف پر مجبور ہے کہ یہ کتاب اپنے موضوع مغز اور مواد کے اعتبار سے لاثانی اور بے مثل ہے۔

زیر نظر مقالہ کی بنیادی یہی کتاب ہے۔ تاہم اس کے علاوہ راقم نے حنفی فقہ کی مستند کتب سے بھی استفادہ کیا ہے۔ کیونکہ ان میں بعض قانونی مسائل (Legal problems) پر امام ابو یوسف کی ایسی آراء ملتی ہیں جن کا ذکر کتاب الخراج میں نہیں ہے۔ ان آراء کے جائزے سے بھی آپ کے معاشی فکر اور تجزیاتی بصیرت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

16

حواشی و حوالہ جات

(1) مثال کے طور پر دیکھیے

---- *Bach, George Leland Economics An introduction to Analysis and policy. New Jersey, prentice hall inc.*(یہ کتاب سات سو بیس صفحات پر مشتمل ہے۔)

---- *Gide, charles — Rist, charles. A History of Economic Doctrines. London, George G. Harrap*(یہ کتاب سات سو چھیانوے صفحات پر مشتمل ہے) *company, 1950.*

- - *Haney, Lewish History of Economic Thought. New York, The Macimillan company, 1965*(یہ کتاب 1 سو چھیانوے صفحات پر مشتمل ہے۔)

---- *Schumpeter Joseph A. History of Economic Analysis London, George Allen - Unwin Ltd.*(یہ کتاب بارہ سو ساٹھ صفحات پر مشتمل ہے۔)

---- *Schumpeter, Joseph A. The Great Economists, London. George Allen - Unwin Ltd* (یہ کتاب تین سو پانچ صفحات پر مشتمل ہے۔)

-- - *Taylor, Overton H A History of Economic thought. Tokyo, Kogakusha company, Ltd* (یہ کتاب پانچ سو چوبیس صفحات پر مشتمل ہے۔)

Weber, Max, General Economic History. (Translated by Frank H. Knight) London, George Allen Unwin Ltd.(یہ کتاب چار سو ایک صفحات پر مشتمل ہے۔)

---- *Wilson, E.M Carus. Essays in Economic History. London, Edward Arnold (Publishers) Ltd, 1962* (یہ کتاب تین جلدوں میں ہے۔ صفحات گیارہ سو اسٹھ)

(2) اگرچہ بعض مستشرقین نے عبدالرحمٰن بن محمد ابن خلدون (م 808ھ / 1406ء) کے معاشی فکر کا اعتراف کیا ہے۔ مثال کے طور پر سپینگلر (Spengler) نے اپنے ایک تحقیقی مقالہ میں ابن خلدون کے معاشی تصورات پر بحث کی ہے۔ مقالہ کا عنوان یہ ہے

> *"Economic thought of Islam = Ibn Khaldun compartive studies in society and History."*

یہ مقالہ 1964ء میں شائع ہو چکا ہے۔ اس مقالہ میں مستشرقین کے رویہ کی جھلک نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔ کیونکہ اس نے اس بات پر زور دیا ہے کہ مسلم علماء کے افکار پر یونانی فلاسفہ کے اثرات ملتے ہیں۔ تاہم یہ ایک قابل قدر کوشش ہے اس مقالہ کی

اشاعت سے یہ حقیقت تو واضح ہو گئی ہے کہ مورخین نے معاشی نظریات کی تاریخ بیان کرتے ہوئے مسلم علماء کے کام کو نظرانداز ضرور کیا ہے۔ سپنگلر (Spengler) نے ابن خلدون کے کام کا جائزہ لینے سے پہلے جن دیگر مسلم علماء کے معاشی افکار پر مختصر بحث کی ہے۔ ان میں یہ نام نمایاں ہیں۔ ابو نصر محمد الفارابی (م 339ھ / 950ء)' ابو علی الحسین بن عبداللہ' ابن سینا (م 428ھ / 1037ء)' ابو حامد محمد بن محمد الغزالی (م 505ھ / 1111ء)' ابوبکر محمد ابن یحیٰ' ابن باجہ (م 533ھ / 1138ء)' ابوالفضل جعفر بن علی الدمشقی (م چھٹی صدی ہجری / بارھویں صدی عیسوی)' ابو الولید محمد بن احمد' ابن رشد (م 595ھ / 1198ء)' محمد بن حسن طوسی (م 673ھ / 1274ء)' محمد بن محمد' ابن الاخوۃ (م 729ھ / 1329ء).

سپینگلر (Spengler) نے مسلم علماء کے جن نظریات پر بحث کی ہے وہ درج ذیل موضوعات سے متعلق ہیں محاصل (Taxation)' سود (Interest)' اجرتیں (Wages)' قیمتیں (Prices)' تقسیم کار (Division of labour)' دولت بطور مبادلہ کا ذریعہ (Money as medium of exchange)' سکے (Coinage)' قیمت کا اتار چڑھاؤ (Price fluctuations) وغیرہ۔ دیکھئے:

Mirakhor, Abbas Dr., The Muslim scholars and the History of Economics A Need for consideration. The American Journal of Islamic Social Sciences. Vol.4, No:2, 1987/249,250.

(3) *Schumpeter, History of Economic Analysis/74.*

(3/2) چارتری (Chartres) فرانس میں دریائے یورے (Eure) کے کنارے پیرس سے 53 میل جنوب مغرب میں واقع ایک شہر کا نام ہے۔ رومیوں کے ہاں بشپ فلبرٹ (Fulbart) کے کلیسائی مدرسہ کی وجہ سے مشہور ہے جو بارھویں صدی میں قائم ہوا (پروفیسر غلام رسول عدیم)

(4) معروف مورخین معاشیات نے معاشی فکر کی تاریخ بیان کرتے ہوئے ابویوسف اور ابن خلدون ایسے ماہرین معاشیات کو بھی کوئی جگہ نہیں دی۔ شمپیٹر (Schumpeter) نے اگرچہ اپنی کتاب میں ابن خلدون کا ذکر کیا ہے لیکن وہ صرف ایک عالم عمرانیات اور مورخ کی حیثیت سے ہے۔ دیکھئے:

Schumpeter, History of Economic Analysis/788

ابن خلدون کے معاشی فکر و تجزیے سے یہ مستند مورخ معاشیات بھی آگاہ نہیں ہے۔

(5) اس وقت ہمارے سامنے ایک عرب مصنف ابراہیم کبہ کی کتاب "دراسات فی تاریخ الاقتصاد والفکر الاقتصادی" ہے۔ یہ کتاب بغداد' مطبعہ الارشاد سے 1970ء میں شائع ہوئی۔ یہ پانچ سو ساٹھ صفحہ کی کتاب ہے۔ اور اس میں مسلم علماء کا کہیں بھی ذکر نہیں کیا گیا۔

(6) تفصیل کے لئے دیکھئے:

الموصلی' رفعت السید الدکتور' رویۃ فی منهج الاقتصاد الوضعی کلیۃ الشریعۃ والدراسات الاسلامیۃ' الدوحۃ' جامعۃ قطر' العدد الثانی 1984م / 350-355)

(7) ممتاز مسلم ماہر معاشیات ڈاکٹر رفیق احمد (سابق وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی لاہور) نے ایک فکر انگیز مقالہ انگریزی زبان میں تحریر کیا ہے۔ ہم نے یہاں اس مقالہ سے استفادہ کیا ہے۔ دیکھئے:

Ahmad, Rafiq; the origin of Economics and the Muslims ... A preliminary survey (Journal, The Punjab University Economist Lahore, University of the Punjab.) P. 19 , 20.

(۸) *Ibid / 33*

(9) نجات اللہ صدیقی "ڈاکٹر" امام ابو یوسف کا معاشی فکر" ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور" شمارہ اگست 1964ء / 56,55

(10) اس کتاب کے مصنف الشیرزی' الملک الناصر سلطان صلاح الدین الایوبی (م 589ھ / 1192ء) کے ہمعصر تھے۔ دونوں کا سال وفات ایک ہی ہے۔ مصنف نے یہ کتاب تحریر کر کے سلطان کی خدمت میں پیش کی تھی۔ دیکھئے

الشیرزی' عبدالرحمن بن نصر" کتاب نہایة الرتبة فی طلب الحسبة (تحقیق السید الباز العرینی) بیروت = دار الثقافة مقدمة الناشر / ی ایضاً" کتاب المنهج المسلوک فی سیاسة الملوک' القاهرة مطبعة الطاهر ,1326ھ (13/

(11) ۔ ۔ امر عالم ثابت ہے جسے ابن خلدون (م 808ھ / 1406ء) نے اپنے مقدمہ میں قابل حوالہ سمجھا ہے۔ دیکھئے۔

ابن خلدون' عبدالرحمن بن محمد' مقدمة الباب السادس من الکتاب الاول' الفصل العشرون - فی الفلاحة مصر = مطبعة مصطفیٰ محمد صاحب المکتبة التجاریة/ 494

(12) ان کتب میں سے کچھ نام اس مقالہ کے باب "امام ابو یوسف کی اقتصادی بصیرت کے اثرات" کے آغاز میں عنوان "خراج کے موضوع پر کتب" کے تحت دیے گئے ہیں۔

بابِ اوّل

عہد امام ابو یوسف اور ان کے مختصر سوانح حیات

فصول

فصل اوّل — عہدِ امام ابو یوسف کا تاریخی پس منظر

فصل دوم — امام ابو یوسف کے مختصر سوانح حیات

فصل اوّل

عہد امام ابو یوسف کا تاریخی پس منظر

عہد ابو یوسف

امام ابو یوسف نے جب اس جہاں میں آنکھ کھولی تو بنو امیہ کا عہد عروج ختم ہو چکا تھا اور ان کی حکومت زوال پذیر تھی۔ آپ کے عہد شباب میں بنو عباس اقتدار حاصل کر چکے تھے۔ اور آپ کی وفات کے وقت عباسی خلافت دنیا کی ایک عظیم قوت بن چکی تھی۔

اس طرح آپ نے اموی خلافت کا عہد زوال اور بنو عباس کا عہد عروج دونوں مشاہدہ کئے۔ تاہم آپ کی حیات کا ایک طویل عرصہ جو پچاس سال پر محیط ہے عباسی خلافت میں بسر ہوا۔ یہ وہ دور ہے جس میں علم کی بلندیوں پر فائز ہوئے اور آپ کے افکار و نظریات میں پختگی پیدا ہوئی۔

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس عہد کی سیاسی، تمدنی و معاشرتی، علمی اور معاشی حالت کا جائزہ لیں تاکہ اس دور کے حالات کو سامنے رکھتے ہوئے آپ کے معاشی افکار و نظریات کی قدر و قیمت کا تعین کر سکیں۔

سیاسی حالت

عہد رسالت و خلافت راشدہ کے مثالی نظام حکومت کے بعد بنو امیہ نے مملکت اسلامیہ کی بھاگ ڈور سنبھالی۔ یہ خالص ملوکیت پر مبنی نظام حکومت تھا جس میں اہل اسلام عموماً اور اہل بیت خصوصاً ظلم و ستم کا شکار رہے اور ان کے دل میں بنو امیہ کے خلاف نفرت کے جذبات پروان چڑھتے رہے۔ سانحہ کربلا کے بعد جب اہل بیت پر مظالم اور مصائب میں اضافہ ہو گیا تو امت مسلمہ کے ایک گروہ نے بنو امیہ کے خلاف خفیہ تحریک چلانے اور انہیں اقتدار سے محروم کرنے کے منصوبے بنانے شروع کئے۔ حضرت علیؓ بن ابی طالب (35-40ھ / 656-661ء) کے غیر فاطمی فرزند یعنی حضرت امام حسینؓ (م 61ھ / 681ء) کے پدری بھائی محمد بن الحنفیہ (محمد بن علی) (م 81ھ / 700ء) منسوب خفیہ تحریک کا سربراہ بنایا گیا۔ (1) بعد ازاں ان کے بیٹے ابو ہاشم عبداللہ (م 100ھ / 718ء) جانشین مقرر ہوئے۔ انہوں نے وفات سے پہلے تحریک کی قیادت و سیادت حضرت عبداللہ بن عباسؓ (م 68ھ / 687ء) کے پوتے محمد بن علی (م 126ھ / 744ء) کے سپرد کر دی۔ (2) ابو ہاشم عبداللہ کا یہ اقدام کہ جس کے ذریعے انہوں نے خلافت کا دعویٰ اپنے خاندان سے عباسی خاندان میں منتقل کر دیا بڑی اہمیت اور دور رس نتائج کا حامل ثابت ہوا کیونکہ اس سے نہ صرف یہ کہ اس خفیہ تحریک میں نئی جان پڑ گئی بلکہ اس سے امامت کا منصب علویوں سے عباسیوں میں منتقل ہو گیا۔

اس تحریک کے سربراہ اور داعی مختلف ادوار میں مختلف اموی حکمرانوں کے ہاتھوں قتل ہوتے رہے اور آخر کار 132ھ میں زاب کے خونریز معرکہ کے بعد اموی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا اور اس کی جگہ عباسی خلافت قائم ہو گئی۔ (3)

خلافت عباسیہ کے قیام کے لئے اہل ایران کی بہت خدمات تھیں اس لئے سیاسی معاملات میں ان کا عمل دخل بہت

بڑھ گیا۔ اس دور میں وزارت کے اہم منصب پر اکثر و بیشتر اہل فارس ہی فائز رہے وزیر کو حجابت کے سوا مملکت کے تمام داخلی و خارجی اختیارات حاصل ہوتے تھے۔ (۴) وزارت کی دو قسمیں تھیں۔ (ا) وزارت تفویض (ب) وزارت تنفیذ۔ (۵) بنو امیہ کی طرح بنو عباس کی حکومت میں بھی بادشاہت کا تصور تھا۔ اپنے بعد ولی عہد بنانے کا طریقہ اس طرح جاری رہا۔ تاہم عباسی خلفاء نے استحقاق حکومت کے لئے مذہب کا بھی سہارا لیا۔ انہوں نے عقیدہ کے طور پر عوام کے ذہنوں میں یہ بات بٹھانے کی کامیاب کوشش کی کہ انہیں فرمانروائی کا حق خدا کی طرف سے عطا ہوا ہے۔ محمد بن علی بن طباطبا ابن الطقطقی (م 709ھ / 1309ء) لکھتے ہیں۔

و اعلم لن هذه دولة من كبار الدول. ساست العالم سياسة ممزوجة بالدين والملک' فكان اخيار الناس و صلحاوهم يطيعونها تدينا؟ والباقون يطيعونها رهبة اور غبة(۶)

"اور جان لو کہ اس سلطنت کا شمار بڑی سلطنتوں میں ہوتا تھا اس کی عالمگیر حکومت کی سیاست کا امتزاج دین اور ملوکیت دونوں سے تھا۔ پس نیک اور صالح افراد اس کی اطاعت اس کی دین داری کی وجہ سے کرتے تھے اور باقی لوگ ڈر یا لالچ کی وجہ سے اس کی اطاعت کرتے تھے۔"

سلطنت اسلامیہ کا مرکز بغداد تھا جہاں سے تمام صوبوں کے گورنروں کو فرامین جاری ہوتے تھے۔ حکومت کا نظم و نسق تقسیم کار کے لحاظ سے نہایت اعلیٰ تھا۔ اس دور میں اہم دفاتر درج ذیل تھے۔

(1) دیوان خراج۔ (خراج اور جزیہ وغیرہ کے حسابات رکھنا)

(2) دیوان جند۔ (فوج کے سپاہیوں کے نام اور ان کی تنخواہ کے حسابات رکھنا)

(3) دیوان برید۔ (ڈاک کا محکمہ)

(4) دیوان مظالم۔ (یعنی محکمہ قضاء)

(5) دیوان شرطہ۔ (محکمہ پولیس جو ملک میں نظم و ضبط کا ذمہ دار تھا)

(6) دیوان زاکہ (زراعت اور کاشتکاری سے متعلق امور کی دیکھ بھال)

ہارون الرشید بن محمد (مہدی) (170-193ھ / 786-809ء) اپنے وقت کا ایک عظیم حکمران تھا۔ سرزمین اندلس کے سوا تمام اسلامی دنیا اس کی فرمانبردار تھی۔ تھامس واکر آرنلڈ Thomas Walker Arnold (م 1349ھ / 1930ء) نے 800ء (184ھ) کو دولت اسلامیہ کے انتہائی عروج کا زمانہ بتایا ہے۔ (7) اس کے خارجہ تعلقات یورپ اور ہندوستان سے بھی تھے۔ روم و یونان ایسے ترقی یافتہ ممالک اس بامور خلیفہ کو خراج دینے پر مجبور تھے۔ (8)
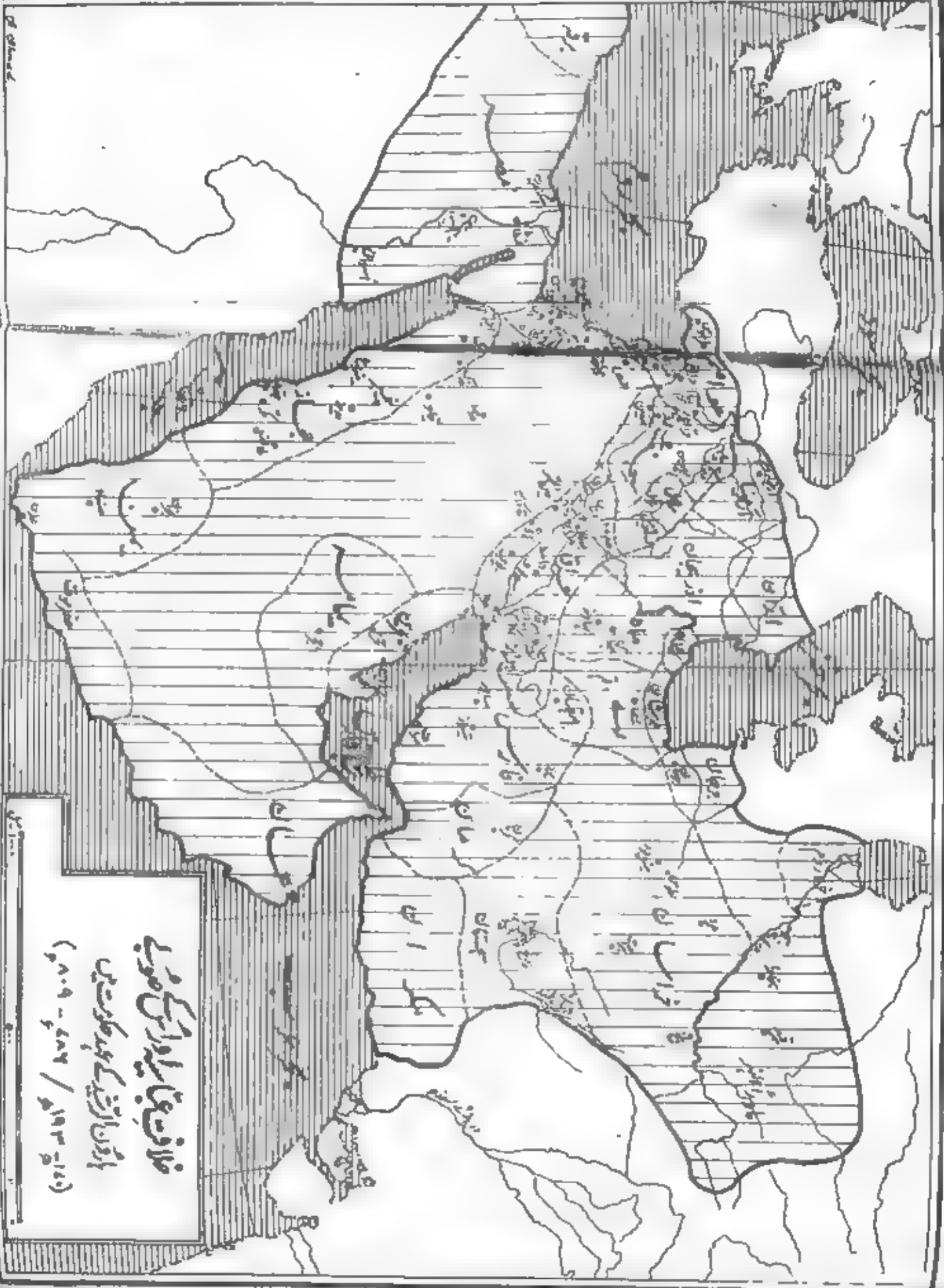
خلافت عباسیہ اور اس کے صوبے
ہارون الرشید کے عہد حکومت میں
(۱۷۰ھ تا ۱۹۳ھ / ۷۸۶ء - ۸۰۹ء)
خراسان
فارس
مکران
یمامہ
عمان
حجاز
مصر
برقہ
آذربیجان
جرجان
کرمان
سجستان
یمن
حضرموت

تمدنی و معاشرتی حالت

عہد رسالت اور خلافت راشدہ میں قرآن و سنت کی تعلیمات کے مطابق مسلمانوں کا طرز زندگی بنیادی طور پر سادہ ہی تھا۔ لیکن بنو امیہ اور بالخصوص بنو عباس کے دور میں مختلف قوموں اور تمدنوں کے اختلاط کی وجہ سے اسلامی معاشرہ پر عجمی اثرات مرتب ہونا شروع ہو گئے۔

امراء کا طبقہ پر تعیش زندگی گزارنے کا عادی ہو چکا تھا۔ ایرانی طرز تعمیر سے متاثر ہو کر عالی شان محلات پر بے دریغ رقم صرف کی جاتی۔ ہارون الرشید خصوصاً اس کے برمکی وزراء نے بڑے بڑے محل تعمیر کرائے برامکہ کے محلات کی عظمت و شان کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ بعض محلات کی تعمیر پر دو دو کروڑ درہم صرف ہوئے۔(9)

بیاہ شادی کی رسموں پر غیر معمولی اہتمام کیا جاتا۔ امراء کے یہاں پر تکلف کھانوں کے لئے جو مرغ پکائے جاتے تھے ان کو کچھ دنوں تک پہلے دانے اور پانی کے بجائے خشک میوے کھلاتے اور عرق گلاب پلایا جاتا تاکہ گوشت لذیذ ہو۔(10)

ابو العباس احمد بن محمد ابن خلکان (م 681ھ / 1282ء) کے بیان کے مطابق اس دور میں امام ابو یوسف نے سب سے پہلے علماء کا ایک امتیازی لباس قرار دیا۔(11)

ابو بکر احمد بن علی 'الخطیب البغدادی (م 463ھ / 1071ء) کے بیان کے مطابق ہارون الرشید کے عہد میں بغداد کی معاشرت اس قدر ترقی یافتہ تھی کہ دنیا کا کوئی شہر اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔(12)

اس دور کے اسلامی معاشرہ میں مختلف فرقوں شیعہ 'خوارج' جہمیہ قدریہ اور معتزلہ کا بھی بہت زور تھا۔ ان فرقوں کے درمیان کشمکش عباسیوں کے دور اول میں نہ صرف جاری رہی بلکہ اس میں تنوع پیدا ہوتا رہا۔

اہل ذمہ میں یہود و نصاریٰ' ہندو اور اہل چین قابل ذکر ہیں۔ ایک معمولی تعداد مجوسیوں کی تھی جو زرادشت بن اسپیمان کے پیروکار تھے۔ یہ لوگ فارس سے عراق کی طرف منتقل ہوئے تھے۔(13)

اس عہد میں اہل ذمہ اپنے مذہبی شعائر امن و سلامتی سے ادا کر سکتے تھے۔ حکومت کے معاملات میں ان کو شریک کیا جاتا تھا۔ اہل ذمہ کا لباس مسلمانوں سے مختلف ہوتا تھا۔ ابن الاثیر کے الفاظ ہیں۔

"و امر الرشید ... و اخذ اهل الذمة بمخالفة هیئة المسلمین فی لباسهم و رکوبهم"(14)

"اور (ہارون) الرشید نے حکم دیا کہ اہل ذمہ اپنے لباس اور سواریوں میں مسلمانوں کی ظاہری حالت سے اختلاف رکھیں۔"

یہودی آبادی سودی کاروبار کرتی تھی۔ ایرانی مجوسیوں کا پیشہ شیشوں پر نقش و نگار بنانا اور اسلحہ تیار کرنا تھا۔ ہندو اور

اہل چین تجارت پیشہ تھے۔(15)

اس معاشرہ میں غلاموں کا ایک بہت بڑا گروہ تھا۔ مختلف شہروں میں ان کی خرید و فروخت ہوتی تھی۔ تاہم غلاموں کو بہ نظر حقارت نہیں دیکھا جاتا تھا۔(16)

علمی حالت

علوم و فنون کی ترقی و ترویج کے اعتبار سے اس دور کو خاص اہمیت حاصل ہے مسجدیں ایسے علمی مراکز کی حیثیت رکھتی تھیں جہاں قرآن و سنت اور ان سے متعلق دوسرے علوم کی تعلیم دی جاتی تھی۔ سلطنت اسلام کے مرکز بغداد کی حیثیت "مدینۃ العلم" کی تھی جہاں ہر فن کے صاحب کمال موجود تھے اور جہاں سے تمام دنیائے اسلام کے تشنگان علم سیراب ہوتے تھے۔ امام محمد بن ادریس الشافعی (م 204ھ / 820ء) فرمایا کرتے کہ جس نے بغداد نہیں دیکھا اس نے دنیا نہیں دیکھی۔(17) آپ اگرچہ مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے تھے لیکن اس شہر کو اپنا وطن جانتے تھے۔ ابو الفداء اسماعیل' ابن کثیر (م 774ھ / 1373ء) نے "البدایۃ والنہایۃ" میں امام شافعی کا یہ قول نقل کیا ہے۔

ما دخلت بلداً قط الا عددته سفراً الا بغداد فاني حين دخلتها عددتها وطناً (18)

"میں جب بھی کسی شہر میں گیا تو اس کو سفر شمار کیا۔ سوائے بغداد کے کہ میں جب بھی وہاں گیا اس کو اپنا وطن سمجھا"

خطیب بغدادی کہتے ہیں ہمارے بعض مشائخ کا یہ قول ہے کہ بغداد میں جمعہ کا دن عید کی مانند ہے۔

لان مشايخنا كانوا يقولون يوم الجمعة ببغداد كيوم العيد (19)

"یہ اس لئے کہ ہمارے مشائخ کہا کرتے تھے کہ بغداد میں جمعہ کا دن عید کے دن کی طرح ہے۔"

ابراہیم بن السری' ابو اسحاق الزجاج (م 311ھ / 923ء) فرماتے تھے۔

بغداد حاضرة الدنيا و ما عداها بادية (20)

ہارون الرشید علماء کا بڑا قدردان تھا۔ اس کی علماء نوازی اور علم پروری کے واقعات کتب تاریخ میں موجود ہیں۔ اس نے "بیت الحکمۃ" کے نام سے تصنیف و تالیف و تراجم کا ایک ادارہ قائم کیا اور علماء کو کثیر تنخواہیں دے کر یونانی' فارسی اور دوسری متعدد زبانوں سے مفید اور علمی و تحقیقی کتابوں کے تراجم کرائے۔(21)

مسلمانوں نے علوم کو دو اقسام میں تقسیم کیا تھا۔ علوم نقلیہ' یعنی وہ علوم جن کا تعلق قرآن کی تفہیم سے تھا مثلاً

امام ابو یوسف کے دور میں بغداد شہر کا نقشہ

علم تفسیر' علم حدیث' علم فقہ' علم کلام' علم نحو' علم لغت' علم بیان و ادب۔ دوسری قسم علوم عقلیہ کی تھی مثلاً فلسفہ' ہندسہ' نجوم' طب اور کیمیا کے علوم۔

ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی کے الفاظ میں "علمائے تفسیر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم' صحابہ کرامؓ اور تابعین سے منقول روایات کی روشنی میں مستند تفسیریں مرتب کیں۔ محدثین نے سنت کے مجموعے مرتب کئے۔ فتنہ وضع حدیث کا مقابلہ کیا اور احادیث میں صحیح اور موضوع' قوی اور ضعیف کو پرکھنے کے معیار مقرر کئے۔ فقہاء نے کتاب و سنت سے احکام شریعت کے استنباط کے اصول وضع کئے۔ اور زمانہ کی بڑھتی ہوئی ضروریات اور روز مرہ پیش آنے والے نئے مسائل میں اجتہاد و استنباط' استصلاح اور استحسان کے ذریعہ شریعت کے احکام معلوم کئے۔ یہ دور ائمہ مجتہدین کا دور تھا۔ ائمہ اربعہ کے فقہی اسکول زیر تشکیل تھے۔" (22)

اسی عہد میں تصوف نے اپنا ایک مقام پیدا کیا اس کی دعوت یہ تھی کہ نفس کے باطن کی اصلاح و انقلاب کی طرف پوری توجہ دی جائے نہ کہ ساری توجہ ظواہر پر مبذول کی جائے۔

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم مختصر طور پر کوفہ کی علمی حالت کا خصوصی ذکر کریں کیونکہ امام ابو یوسف نے یہاں اپنی زندگی کے ابتدائی پچاس سال بسر کئے۔ کوفہ حضرت عمر بن الخطاب (13-24ھ / 634-645ء) کے زمانہ خلافت میں تعمیر ہوا۔ (23) یہاں مختلف قبائل نے اقامت اختیار کرلی۔ ابو عبداللہ محمد ابن سعد (م 230ھ / 844ء) نے طبقات کی چھٹی (24) جلد میں 150 صحابہ کے بارے میں ذکر کیا ہے۔ جنہوں نے یہاں کافی عرصہ قیام فرمایا۔ خاص طور پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (م 32ھ / 653ء) سے حدیث و فقہ کی تعلیم حاصل کرنے والوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی تھی۔ روایت ہے کہ جب حضرت علی بن ابی طالبؓ (35-40ھ / 656-661ء) کوفہ میں داخل ہوئے تو یہاں کے لوگوں کی تحصیل علم میں دلچسپی اور علم کی قدر و منزلت کو دیکھ کر فرمانے لگے۔

رحم اللہ ابن ام عبد قد ملا ھذہ القریۃ علما (25)

"اللہ تعالیٰ ام عبد کے بیٹے (یعنی عبداللہ بن مسعودؓ) پر رحمت نازل فرمائے تحقیق انہوں نے اس بستی کو علم سے بھر دیا ہے۔"

فن اسماء الرجال پر جو کتب لکھی گئی ہیں ان میں ہزاروں راوی ایسے ملتے ہیں جن کا تعلق کوفہ کی سرزمین سے تھا۔ صحاح ستہ میں ان کی روایات موجود ہیں۔ ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری (م 256ھ / 870ء) فرماتے ہیں۔

لا احصی کم دخلت الی الکوفۃ و بغداد مع المحدثین (26)

میں (حصول حدیث کے لئے) محدثین کے ہمراہ کوفہ و بغداد کتنی بار گیا؟ اس کو میں شمار نہیں کر سکتا۔

ابو عبداللہ شمس الدین محمد الذہبی (م 748ھ / 1348ء) نے تذکرۃ الحفاظ جلد اول میں کوفہ کے ستانوے

محدثین کرام کے نام مع تاریخ وفات وغیرہ درج کئے ہیں۔ (27) فقہی مسائل کے بارے میں اہل کوفہ کو نمایاں مقام حاصل تھا۔ سفیان بن عیینہ (م 198ھ / 814ء) کہتے ہیں۔

خذوا الحلال والحرام عن اهل الكوفة (28)

"حلال و حرام (کے مسائل) اہل کوفہ سے حاصل کرو۔"

شاید یہی وجہ ہے کہ ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی (م 279ھ / 892ء) نے اپنی کتاب جامع الترمذی کے فقہ سے متعلق ابواب میں اہل کوفہ کے تعامل کو بھی نقل کیا ہے۔ (29) حضرت علیؓ کا یہ قول بھی کوفہ کی علمی حیثیت کو واضح کرتا ہے۔

الكوفة كنز الايمان و حجة الاسلام (30)

کوفہ ایمان کا خزانہ اور اسلام کی دلیل ہے۔

محمد بن عبداللہ ابن بطوطہ (م 777ھ / 1377ء) نے اپنے سفرنامہ میں کوفہ کے بارے میں لکھا ہے۔

" مثوى الصحابة والتابعين و منزل العلماء والصالحين " (31)

یہ ہے امام ابو یوسف کا مولد و مسکن جہاں کے خاص علمی ماحول میں انہوں نے تعلیم و تربیت حاصل کی اور ترقی کی منازل طے کیں۔

معاشی حالت

زراعت، صنعت و حرفت اور تجارتی ترقی کی بناء پر معاشی لحاظ سے اس دور کو عہد زریں کہا جا سکتا ہے۔ مختلف غذائی اشیاء مثلاً گوشت، غلے اور پھلوں کی اس قدر بہتات تھی کہ ہر کسی کو ارزاں نرخوں پر دستیاب ہو جاتے تھے۔ خطیب بغدادی کے بیان کے مطابق ابو جعفر منصور (136-158ھ / 754-775ء) کے زمانے میں ایک مینڈھا ایک درہم میں فروخت ہوتا تھا اور ایک بار شتر غلہ 3 / 2 درہم میں ملتا تھا۔ کھجوریں ایک درہم میں 60 (ساٹھ) رطل (پونڈ) ملتی تھیں۔ زیتون کا تیل ایک درہم میں 16 رطل اور گھی ایک درہم میں 8 رطل ملتا تھا۔ (32)

اس دور میں بیت المال کے ذرائع آمدن کثیر تھے۔ خراج، جزیہ، زکوٰۃ، عشر، مال غنیمت اور عشور وغیرہ محاصل سے سرکاری خزانہ ہر وقت معمور رہتا تھا۔ روایت ہے کہ ایک مرتبہ ہارون الرشید بن محمد (مہدی) (170-193ھ / 786-809ء) نے ابر کے ایک ٹکڑے کو دیکھ کر بڑے اطمینان سے کہا۔

اذهبي الى حيث شئت ياتني خراجك (33)

"تو جہاں چاہتا ہے چلا جا تیرا خراج میرے ہی پاس آئے گا۔"

عبدالرحمٰن بن محمد، ابن خلدون (م 808ھ / 1406ء) کے بیان کے مطابق ہارون الرشید کے زمانے میں سلطنت

عباسیہ کی سالانہ آمدنی سات ہزار پانچ سو قنطار (سات کروڑ ڈیڑھ لاکھ دینار) سے زیادہ تھی۔ (34) یعنی اکتیس کروڑ پچاس لاکھ روپیہ (31,5000000) سالانہ سے زائد جو اس زمانہ کے اعتبار سے بہت بڑی مالیت تھی۔ محمد بن جریر الطبری (م 310ھ / 923ء) نے لکھا ہے کہ جب ہارون الرشید کی وفات ہوئی تو بیت المال میں 90 کروڑ (900000000) درہم تھے۔ (35)

ذیل میں ہم آمدنی (Income) کا وہ گوشوارہ (Schedule) پیش کرتے ہیں جو ہارون الرشید کے دور میں عمر بن مطرف کاتب (م 207ھ / 822ء) نے وزیر یحییٰ بن خالد البرمکی (م 190ھ / 806ء) کے ملاحظہ کے لئے تیار کیا تھا۔ اس میں بیت المال (Pulbic Treasury) کی ایک سال کی آمدنی نقد اور مال کی صورت میں دکھائی گئی ہے۔ اس آمدنی کی تفصیل یہ تھی۔

اقلیم	آمدنی (درہم و دینار میں)	اموال
(1) ارض سواد	آٹھ کروڑ سات لاکھ اسی ہزار درہم (80780000)	نجرانی کپڑے کے تھان = ایک سو مہر لگانے کی لاکھ - دو سو چالیس رطل (240)
(2) کسکر	ایک کروڑ سولہ لاکھ درہم (11600000	ــــ
(3) اضلاع دجلہ	دو کروڑ آٹھ لاکھ درہم (20800000)	ــــ
(4) حلوان	اڑتالیس لاکھ درہم (4800000)	ــــ
(5) الاھواز	دو کروڑ پچاس لاکھ درہم (25000000)	شکر = تیس ہزار رطل (30000)
(6) فارس	دو کروڑ ستر لاکھ درہم (27000000)	سیاہ منقوں کا عرق = بیس ہزار رطل (20000) انار اور بہی = اڑھائی لاکھ عدد (250000) گلاب کا عرق = تیس ہزار بوتلیں (30000) آم کا مربہ = پندرہ ہزار رطل (15000) سیرانی مٹی پچاس ہزار رطل (50000)

		روغن زیتون=پچاس ہزار ماند (50000)
(7) کرمان	بیالیس لاکھ درہم	یمنی اور شہر خبیص کے تھان=پانچ سو (500)
	(4200000)	کھجور=بیس ہزار رطل (20000)
		زیرہ سیاہ=سو رطل (100)
(8) مکران	چار لاکھ درہم (400000)	...
(9) سندھ اور	ایک کروڑ پندرہ لاکھ درہم	ہاتھی=تین عدد (3)
متعلقہ علاقے	(11500000)	مصنوعی ریشم اور حشیش کپڑے کے تھان=
		بیس ہزار (20000)
		لنگیاں=چار ہزار (4000)
		عود ہندی=ڈیڑھ سو من (150)
		عود کی مختلف قسمیں=ڈیڑھ سو من (150)
		جوتے=دو ہزار جوڑے (2000)
		گندم=دس لاکھ قفیز (ایک پیمانہ) (10,00000)
(10) بجستان	چھیالیس لاکھ درہم	خاص قسم کے کپڑے کے تھان=تین سو (300)
	(4600000)	فانیذ (ایک قسم کا حلوہ)=بیس ہزار رطل (20000)
(11) خراسان	دو کروڑ اسی لاکھ درہم	خالص چاندی=دو ہزار نقرہ (2000)
	(28000000)	ترکی نسل کے گھوڑے=چار ہزار (4000)
		غلام=ایک ہزار (1000)
		کپڑے کے تھان=ستائیس ہزار (27000)
		ہڑ=تین سو رطل (300)
		فانیذ (حلوا)=بیس ہزار پونڈ (20000)
(12) جرجان	ایک کروڑ بیس لاکھ درہم	ریشم=دس ہزار من (10000)
	(12000000)	
(13) قومس	پندرہ لاکھ درہم	خالص چاندی=ایک ہزار نقرہ (1000)
	(1500000)	کپڑے کے تھان=ستر (70)

		انار = چالیس ہزار عدد (40000)
(14) طبرستان	تریسٹھ لاکھ درہم (6300000)	طبری فرش = چھ سو قطعہ (600)
الرویان		چادر = دو سو (200)
دہاوند		کپڑے کے تھان = پانچ سو (500)
		رومال = تین سو عدد (300)
		پیالے = چھ سو (600)
(15) رے	ایک کروڑ بیس لاکھ درہم	انار = دس کروڑ عدد (100000000)
	(12000000)	شفتالو = ایک ہزار رطل (1000)
(16) اصفہان	ایک کروڑ دس لاکھ درہم	شہد = بیس ہزار رطل (20000)
(ہمتش اور عیسیٰ	(11000000)	موم = بیس ہزار رطل (20000)
رلویس کے علاقوں کے سوا)		
(17) ہمدان اور دستبی	ایک کروڑ اٹھارہ لاکھ درہم	شیرہ = ایک ہزار پونڈ (1000)
	(11800000)	اروندی شہد = بیس ہزار رطل (20000)
(18) بصرہ و کوفہ	دو کروڑ سات لاکھ درہم	
	(20700000)	
(19) شہرزور اور	دو کروڑ چالیس لاکھ درہم	
اس کے متصلات	(24000000)	
(20) موصل اور	دو کروڑ چالیس لاکھ درہم	سفید شہد = بیس ہزار رطل (20000)
اس کے مضافات	(24000000)	
(21) الجزیرہ	تین کروڑ چالیس لاکھ درہم	
دیارلت اور فرات	(34000000)	
(22) آذربائیجان	چالیس لاکھ درہم (4000000)	
(23) موقان کرخ جیلان	تین لاکھ درہم (300000)	غلام = ایک سو (100)
		ریشم = (مقدار نہیں دی گئی)
		شہد = بارہ مشکیزے

(24) آرمینیا	ایک کروڑ بیس لاکھ درہم (12000000)	باز=دس عدد کپڑے کے تھان=بیس(20) زرد رنگ کی ترکی دریاں=20 دھاری دار چادریں=سات سو پچاس(750) نمک لیموں=دس ہزار رطل(10000) چھوٹی مچھلیاں=دس ہزار رطل(10000) باز=تیس عدد(30) خچر=دو سو(200)
(25) قنسرین و عواصم	چار لاکھ نوے ہزار دینار (490000)	
(26) حمص	تین لاکھ بیس ہزار دینار (320000)	منقے=ایک ہزار گاڑیاں
(27) دمشق	چار لاکھ بیس ہزار دینار (420000)	—
(28) اردن	چھہتر ہزار دینار (76000)	—
(29) فلسطین	تین لاکھ بیس ہزار دینار (320000)	مختلف قسم کے منقے=تین لاکھ رطل (300000)
(30) مصر	دس لاکھ درہم (1000000) اور تین لاکھ دینار (300000)	
(31) برقہ	دس لاکھ درہم (1000000)	
(32) افریقہ	ایک کروڑ تیس لاکھ درہم (13000000)	
(33) یمن	آٹھ لاکھ ستر ہزار دینار (870000)	

(34) مکہ و مدینہ — تین لاکھ دینار (300000)

ابو عبد اللہ محمد بن عبدوس الجہشیاری (م 331ھ / 942ء) نے اس گوشوارہ (Schedule) کو نقل کرنے کے بعد اشیاء (Goods) اور پیداوار (Production) کی قیمت (Price) کا تخمینہ لگایا ہے اور دینار کو درہم میں تبدیل کر کے جملہ آمدنی یہ بتائی ہے۔

قیمت اشیاء پیداوار	=	125,532,000
نقد	=	404,708,000
		============
جملہ میزان	=	530,240,000 درہم (36)

بغداد کے محل وقوع کی مناسبت اور آمد و رفت کے بہترین ذرائع کی بدولت یہ دور کاروباری اور تجارتی لحاظ سے بھی بہت اہم ہے۔ اس دور میں تاجر طبقہ زیادہ تر مسلم آبادی پر مشتمل تھا۔ ذمی تاجر اقلیت میں تھے اور ان میں یہود کی ایک بڑی تعداد تھی۔ (37) تجارت پیشہ لوگ دو طبقوں میں منقسم تھے۔ ایک طبقہ تو وسیع کاروبار کا مالک تھا۔ جبکہ دوسرے چھوٹے چھوٹے تاجر بھی معاشی لحاظ سے خوشحال تھے۔ (38)

ہندوستان' چین' یورپ' شمالی افریقہ اور مغربی ساحلوں سے سوداگر اپنا سازو سامان لے کر بغداد جاتے تھے۔ ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی کے الفاظ میں "بغداد کے بازاروں میں چین سے ریشم' مشک اور چینی برتن' ہندوستان اور ملایا سے مسالے' رنگ اور معدنی اشیاء وسط ایشیا کے ترک علاقوں سے کپڑے' غلام اور ہیرے جواہرات' روس سے شہد' موم' اسمور اور سفید غلام' مشرقی افریقہ سے ہاتھی دانت' سونا اور سیاہ غلام درآمد کئے جاتے تھے۔ خود سلطنت کے مختلف صوبوں سے وہاں کی مقامی پیداوار دار الخلافہ کے بازاروں میں آتی تھی۔ مثلاً مصر سے چاول' دوسرے غلے اور کپڑا' شام سے پھل' شیشہ اور دھات کے برتن' عرب سے اسلحے' موتی اور قیمتی کپڑے اور ایران سے ریشم' عطر اور ترکاریاں۔ بغداد برآمدی تجارت کا مرکز تھا۔ یہاں سے تاجر خام اشیاء دوسرے ممالک سے درآمد کئے ہوئے سامان' اور خاص بغداد کی مصنوعات لے کر یورپ اور افریقہ جاتے تھے۔ (39)

خلافت عباسیہ کے قیام کے بعد اراضی کے بارے میں اہم تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ صوافی (40) زمینوں کی کثرت ہو گئی۔ سلطنت کے اعلیٰ عہدیدار اور سرکردہ افراد نے ان زمینوں میں سے بڑے بڑے رقبے خرید کر اپنے لئے خاص کر لئے تھے۔ جیسا کہ طبرستان کے والی نے ہارون الرشید کو زمین کا ایک بڑا رقبہ ہدیہ کے طور پر دیا تھا۔ (41)

اس دور میں جو سکے رائج تھے وہ پانچ درجات پر منقسم تھے۔

(ا) دینار (ب) درہم (ج) قیراط (د) حبہ (ر) دانق (42)

الف سکوں کی شرح تبادلہ وقتاً فوقتاً بدلتی رہتی تھی۔ کیونکہ وزن میں کمی بیشی ہوتی رہتی تھی۔

اس دور میں زراعت کی ترقی کو خاص اہمیت دی گئی۔(43) ہارون الرشید نے جنس کی بجائے نقدی صورت میں مالیہ وصول کرنے کا حکم دیا۔ اسی دور میں کاشتکاروں سے آبیانہ بھی وصول کیا جانے لگا۔ ہارون الرشید نے آب پاشی کی خاطر سرکاری طور پر سہولتیں فراہم کرنے کا اہتمام کیا تھا۔ اگر کاشتکاروں کو اقتصادی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا تو ان کے ٹیکس میں مناسب تخفیف کردی جاتی۔(44)

تاہم امام ابویوسف کی کتاب الخراج کے مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں مختلف طریقوں سے کاشتکار طبقہ کا معاشی استحصال بھی ہوتا تھا۔ انہی مظالم اور ناانصافیوں کی بناء پر آپ نے معاشی اصلاحات پیش کیں۔ یہاں ان حالات کی تفصیل بیان کرنا مناسب نہیں کیونکہ باب "امام ابویوسف کے معاشی افکار و نظریات" میں ابویوسف کی معاشی اصلاحات پیش کرتے ہوئے۔ ہم ان حالات پر شرح و بسط سے روشنی ڈالیں گے۔

فصل دوم

امام ابو یوسف کے مختصر سوانح حیات

نام ونسب

ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم بن حبیب بن خنیس بن سعد بن حبتہؓ انصاری۔ آپ کے جد اعلیٰ حضرت سعد بن حبتہؓ (م 66ھ / 685ء) صحابی رسولؐ تھے۔ حبتہ آپ کی والدہ کا نام ہے جو بنو عمرو بن عوف سے تعلق رکھتی تھیں۔ اور والد بجیر بن معاویہ 'بنو عمرو بن عوف کے حلیف قبیلہ 'بجیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت سعد تاریخ میں والدہ کے نام سے مشہور ہوئے۔(45)

حضرت سعد بن حبتہؓ ان صحابہ کرام (46) میں سے ایک ہیں جنہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ احد کے موقع پر صغر سنی کی وجہ سے جہاد میں شرکت کی اجازت نہ دی۔ (47) بعد ازاں غزوہ خندق میں حصہ لیا اور نہایت بہادری سے لڑے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب آپ کو یوں داد شجاعت دیتے ہوئے دیکھا تو اپنے پاس بلا لیا۔ اور فرمایا اے نوجوان تم کون ہو؟ حضرت سعد نے عرض کیا سعد بن حبتہ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے قریب آ جاؤ حضرت سعد قریب ہوئے تو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر اور پیشانی پر اپنا دست اقدس پھیرا اور اولاد و نسل میں خیر و برکت کے لئے دعا فرمائی۔(48)

امام ابو یوسف اس واقعہ پر فخر کرتے ہوئے فرماتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کے چھونے کی برکات آج بھی میں محسوس کرتا ہوں۔ (49) متعدد محققین نے اپنی کتب میں لکھا ہے کہ جب کوئی شخص ابو یوسف کے چہرہ کی طرف دیکھتا تو آپ کی پیشانی کا نور چمکتا ہوا نظر آتا تھا۔ اور چہرہ ایسے چمکتا دکھائی دیتا گویا کسی نے تیل لگا دیا ہے۔(50)

حضرت سعد بن حبتہؓ نے کوفہ میں رہائش اختیار کر لی تھی۔ اور اسی شہر میں ان کا انتقال ہوا۔ حضرت زید بن ارقم (م 68ھ / 687ء) نے نماز جنازہ پڑھائی۔(51)

ولادت

اہم تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ ابو یوسف کی ولادت 113ھ میں کوفہ میں ہوئی۔(52)

تحصیل علم

امام ابو یوسف کو بچپن ہی سے تحصیل علم کا شوق تھا۔ ابتداء میں اصحاب حدیث کی طرف میلان تھا۔ حدیث کی روایت منجملہ دیگر مشائخ کے یحییٰ بن سعید الانصاری (م 143ھ / 760ء) سلیمان بن مہران الاعمش (م 148ھ / 765ء)' ہشام بن عروہ (م 149ھ / 766ء) عطاء بن السائب (م 153ھ / 770ء)' محمد بن اسحاق بن یسار (م 151ھ / 768ء) اور لیث بن سعد (م 175ھ / 792ء) سے کی۔ مشہور فقیہہ اور قاضی' محمد بن عبدالرحمن ابن ابی لیلیٰ (م 148ھ / 765ء) کے حلقہ درس میں نو برس تک حدیث اور فقہ کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد امام ابو حنیفہ النعمان

بن ثابت (م 150ھ / 767ء) کے درس میں شامل ہو گئے۔ (54) خطیب بغدادی نے "تاریخ بغداد" میں اور ابن خلکان نے "وفیات الاعیان" میں ایک طویل اور دلچسپ واقعہ لکھا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے والدین معاشی تنگدستی کی بناء پر اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے کہ ان کا بیٹا محنت مزدوری کرنے کے بجائے تعلیم حاصل کرنے میں وقت صرف کرے۔ امام ابو حنیفہ کی ذاتی خواہش اور جدوجہد سے آپ نے تحصیل علم کا سلسلہ جاری رکھا۔ (55) آپ نے علم کی طلب میں غیر معمولی محنت کی۔ ابو یوسف کا اپنا قول ہے کہ "العلم شئی لا یعطیک بعضہ حتی تعطیہ کلک" (علم ایک ایسی چیز ہے کہ جب تک آپ اسے اپنا سب کچھ نہ دے دیں یہ آپ کو اپنا کچھ حصہ نہیں دے گا۔)

آپ اپنا اکثر وقت امام ابو حنیفہ کی رفاقت میں گزارتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے۔

> ما کان فی الدنیا احب الی من مجلس اجلسہ مع ابی حنیفۃ و ابن ابی لیلیٰ فانی مارایت فقیہا افقہ من ابی حنیفۃ و لا قاضیا خیرا من ابن ابی لیلیٰ (57)
>
> "دنیا میں کوئی چیز مجھ کو ابو حنیفہ اور ابن ابی لیلیٰ کی مجلس سے زیادہ محبوب نہ تھی۔ پس بے شک میں نے ابو حنیفہ سے بڑھ کر فقیہ اور ابن ابی لیلیٰ سے بہتر قاضی نہیں دیکھا۔"

اپنے مربی و محسن استاد ابو حنیفہ سے جو علمی استفادہ کیا تھا اس کا اعتراف وہ تمام زندگی کرتے رہے۔ علی بن حرملہ کہتے ہیں۔

> کان ابو یوسف القاضی یقول فی دبر کل صلاۃ اللھم اغفرلی و لابی حنیفۃ (58)
>
> "قاضی ابو یوسف ہر نماز کے بعد یہ دعا کیا کرتے تھے۔ اے اللہ مجھے اور ابو حنیفہ کو بخش دے۔"

آپ نے اپنی خداداد ذہانت اور مسلسل جدوجہد سے آخر کار وہ علمی مقام حاصل کیا کہ امام ابو حنیفہ کو اپنے تمام تلامذہ میں آپ سے بڑھ کر کوئی عزیز نہ رہا۔ ایک بار جب ابو یوسف بیمار ہو گئے اور زندگی کی امید نہ رہی تو امام ابو حنیفہ نے آپ کی عیادت کرنے کے بعد فرمایا۔

> لئن مات ھذا الغلام لم یخلفہ احد علی وجہ الارض (59)
>
> "اگر یہ لڑکا وفات پا گیا تو روئے زمین پر کوئی اس کا قائم مقام نہ ہو گا۔"

علم کے ساتھ آپ کو جو لگاؤ تھا اس کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ حالت نزع میں بھی علمی مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئی جان دی۔ ابراہیم بن الجراح (م 217ھ / 832ء) کہتے ہیں۔ میں ابو یوسف کے مرض وفات میں ان کی

عیادت کے لئے پہنچا تو دیکھا کہ ان پر غشی طاری ہے۔ تھوڑی دیر بعد انہوں نے آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ میں ان کے پاس بیٹھا ہوں۔ مجھے دیکھتے ہی انہوں نے سوال کیا۔

ابراہیم بتایئے حاجی کے لئے افضل طریقہ کون سا ہے؟ وہ پیدل رمی کرے یا سوار ہو کر؟

میں نے عرض کیا پیدل کرنا افضل ہے۔

ابویوسف نے فرمایا یہ درست نہیں۔

میں نے عرض کیا سوار ہو کر افضل ہے۔

آپ نے ارشاد فرمایا یہ بھی غلط ہے۔

پھر ابویوسف نے خود ہی فرمایا جس رمی کے بعد کوئی اور رمی کرنی ہو اس کا پیدل کرنا افضل ہے اور جس کے بعد کوئی اور رمی نہ ہو اسے سوار ہو کر کرنا افضل ہے۔

ابراہیم کہتے ہیں کہ مجھے مسئلہ معلوم ہونے سے زیادہ اس بات پر تعجب ہوا کہ امام ابویوسف ایسی بیماری کی حالت میں بھی علمی مذاکرے کے کتنے شائق ہیں۔ اس کے بعد میں ان کے پاس سے اٹھا اور ابھی دروازے تک بھی نہیں پہنچا تھا کہ گھر سے عورتوں کے رونے کی آواز آئی۔ معلوم ہوا کہ ابویوسف اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔(60)

خصوصی تربیت

امام ابوحنیفہ کے منفرد طرز تعلیم اور خاص علمی مجلس نے آپ کی علمی تربیت میں نمایاں کردار ادا کیا۔ اس مجلس کی خاص خوبی یہ تھی کہ شرکاء کسی پیش آمدہ مسئلہ پر آزادانہ بحث کرتے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ امام ابویوسف دوسرے فقہاء سے علمی بحث کرتے امام ابوحنیفہ خاموشی سے سنتے رہتے اور آخر میں دلائل کے ساتھ اپنی رائے پیش کر دیتے۔ پھر اس رائے پر بحث ہوتی۔ بسا اوقات ایک ہی مسئلہ پر کئی کئی دن بلکہ مہینہ بھر تک گفتگو جاری رہتی۔ اس طرح امام ابوحنیفہ کی تربیت نے آپ میں اجتہادی صلاحیتیں پیدا کر دیں' حتیٰ کہ آپ اجتہاد کے اعلیٰ منصب پر فائز ہوئے۔

علمی مقام و مرتبہ

فقہ حنفی میں امام ابوحنیفہ کے بعد آپ ہی کا مقام ہے۔ امام محمد بن الحسن الشیبانی (م 189ھ / 805ء) نے بھی آپ سے استفادہ کیا۔ علمی مجلس میں آپ کو یہ خصوصیت حاصل تھی کہ تحریر کا فریضہ آپ ہی انجام دیتے تھے۔ بلکہ بعض معاملات مثلاً قضاء و شہادت وغیرہ کے سلسلہ میں آپ کی رائے سب سے زیادہ قوی ہوتی تھی۔ آپ ہی نے سب سے پہلے امام ابوحنیفہ کے مذہب پر کتب تحریر کیں۔(61)

خطیب بغدادی نے اپنی کتاب "تاریخ بغداد" میں طلحہ بن محمد کا یہ قول نقل کیا ہے۔

ابو یوسف ـ و اول من وضع الکتب فی اصول الفقه علی مذھب ابی حنیفة و املی المسائل و نشرھا و بث علم ابی حنیفة فی اقطار الارض

(62)

"ابو یوسف ـ اور وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے ابو حنیفہ کے مذہب پر اصول فقہ میں کتب تحریر کیں اور مسائل تحریر کئے اور ان کی نشرو اشاعت کی اور ابو حنیفہ کے علم کو پوری دنیا میں پھیلا دیا۔"

حماد بن ابی حنیفہ کہتے ہیں۔

رایت ابا حنیفة یوما و عن یمینه ابو یوسف و عن یساره زفر وھما یتجادلان فی مسالة فلا یقول ابو یوسف قولا الا افسده زفر بن الھذیل و لا یقول زفر قولا الا افسده ابو یوسف الی وقت الظھر فلما اذن المؤذن رفع ابو حنیفة یده فضرب بھا علی فخذ زفر و قال = لا تطمع فی ریاسة ببلدة فیھا ابو یوسف۔ قال و قضی لابی یوسف علی زفر (63)

"ایک دن میں نے (امام) ابو حنیفہ کو دیکھا کہ آپ کے دائیں طرف ابو یوسف اور آپ کے بائیں جانب زفر تھے اور وہ کسی مسئلہ پر بحث کر رہے تھے۔ (نماز) ظہر تک (یہ حالت رہی) ابو یوسف جو بات کہتے زفر بن الھذیل اس کو رد کر دیتے اور زفر جو بات کہتے ابو یوسف اس کو رد کر دیتے۔ پھر جب موذن نے اذان دی تو (امام) ابو حنیفہ نے زفر کی (ران) پر ہاتھ مار کر کہا، جس شہر میں ابو یوسف ہوں اس کی ریاست کی ہوس مت کرو۔ (حماد نے) کہا (ابو حنیفہ نے) زفر کے مقابلہ میں ابو یوسف کے حق میں فیصلہ دیا۔

اسماعیل بن حماد بن ابی حنیفہ (م 212ھ / 827ء) کہتے ہیں۔

کان اصحاب ابی حنیفة عشرة ـ و لم یکن فیھم مثل ابی یوسف و زفر

(64)

"(امام) ابو حنیفہ کے اصحاب دس تھے۔۔۔ اور ان میں ابو یوسف و زفر کی مانند کوئی نہ تھا۔"

ابن خلکان نے اپنی کتاب "وفیات الاعیان" میں عمار بن ابی مالک کا یہ قول تحریر کیا ہے۔

ما کان فی اصحاب ابی حنیفة مثل ابی یوسف، لو لا ابو یوسف ما ذکر ابو حنیفة و لا محمد بن ابی لیلیٰ و لکنه ھو نشر قولھما و بث علمھما (65)

"ابو حنیفہ کے اصحاب میں ابو یوسف کی مانند کوئی بھی نہ تھا۔ اگر ابو یوسف نہ ہوتے تو ابو حنیفہ اور محمد بن ابی لیلیٰ کو بھی کوئی نہ جانتا۔ یہی ہیں جنہوں نے ان دونوں کے اقوال کی نشرو اشاعت کی اور ان کا علم پھیلایا۔"

یہ بیان اگرچہ مبالغہ سے خالی نہیں ہے مگر اس سے اسلامی قانون میں امام ابو یوسف کے رسوخ اور کمال کا اندازہ ہوتا ہے۔ امام احمد بن حنبل (م 241ھ / 855ء) یحییٰ بن معین (م 233ھ / 847ء) اور علی بن المدینی (م 234ھ / 848ء) نے آپ کی ثقاہت نقل فی الحدیث میں کچھ اختلاف نہیں کیا۔ (66) محمد بن ابی یعقوب اسحاق ابن الندیم (م 438ھ / 1047ء) نے آپ کو حافظ حدیث لکھا ہے (67) مغازی ایام العرب اور تفسیر پر ان کو کامل دسترس حاصل تھی۔ (68) ابن خلکان آپ کے بارے میں یہ لکھتے ہیں۔

کان فقیہا عالما حافظا (69)

(یعنی آپ فقیہ، عالم (اور) حافظ تھے۔)

ابو حنیفہ ایسے مردم شناس فقیہ اپنے ہر شاگرد کی اہلیت دیکھ کر اس کے لئے منصب تجویز فرماتے تھے۔ چنانچہ امام ابو یوسف کے ذمہ قاضیوں اور مفتیوں کی تربیت تھی۔ (70)

ابو عثمان عمرو بن بحر الجاحظ (م 255ھ / 869ء) نے لکھا ہے کہ حسن اتفاق سے ہارون الرشید کے دربار میں جس قدر بلند پایہ اہل علم جمع ہوئے، وہ کسی اور اسلامی حکمران کے ہاں یکجا نہیں ملتے اور ان میں ایک قاضی ابو یوسف تھے۔ (71)

ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی ابن الجوزی (م 597ھ / 1201ء) نے ابو یوسف کو قوت حفظ کے اعتبار سے ان اناسی (79) افراد میں شمار کیا ہے جو اس امت کے مخصوص و بے نظیر صاحب حفظ ہوئے ہیں۔ ابو یوسف کے بارے میں لکھتے ہیں۔

کان یعرف بحفظ الحدیث، یحضر مجلس المحدث یحفظ خمسین و ستین حدیثا فیقوم فیملیہا علی الناس (72)

"آپ حافظ حدیث مشہور تھے۔ کسی محدث کی مجلس میں حاضر ہوتے۔ اور پچاس ساٹھ احادیث یاد کر لیتے۔ پھر کھڑے ہوتے۔ پھر لوگوں کو املاء کرا دیتے۔"

درس و تدریس اور تلامذہ

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہ کی زندگی ہی میں آپ نے اپنا الگ حلقہ درس قائم کر لیا تھا۔ امام صاحب نے امتحان لینے کی غرض سے چند سوالات آپ کے پاس بھیجے۔ لیکن امام ابو یوسف صحیح جوابات نہ دے سکے۔ (73) اس سے آپ کو احساس ہوا کہ ابھی مجھے استاد سے علمی استفادے کی ضرورت ہے۔ 150ھ میں امام ابو حنیفہ کا وصال ہوا اور 166ھ میں امام ابو یوسف منصب قضاء پر فائز ہوئے۔ اس درمیانی عرصہ میں آپ نے درس و تدریس کا

سلسلہ جاری رکھا بلکہ قاضی بننے کے بعد بھی تشنگانِ علم آپ سے استفادہ کرتے رہے۔ خطیب بغدادی کے بیان کے مطابق آپ دوبار بصرہ تشریف لے گئے۔ پہلی بار 176ھ اور دوسری بار 180ھ میں۔ دونوں بار متعدد علماء نے آپ سے حدیث و فقہ میں استفادہ کیا۔(۷۴) امام ابو یوسف کے تلامذہ کی تعداد کثیر ہے۔ ان میں وہ محدثین و فقہاء بھی شامل ہیں جن کی روایات صحاح ستہ کے مولفین نے اپنی اپنی کتب میں نقل کی ہیں۔ ہم یہاں چند محدثین و فقہاء کے نام نقل کرتے ہیں جنھوں نے امام ابو یوسف سے استفادہ کیا اور علم کی روشنی کو پھیلایا۔

ابراہیم بن الجراح الکوفی (م 217ھ / 832ء)' ابراہیم بن یوسف بن میمون البلخی (م 241ھ / 855ء)' احمد بن حنبل (م 241ھ / 855ء)' احمد بن منیع (م 244ھ / 858)' اسحاق بن الفرات بن الجعد الکندی (م 204ھ / 820ء)' اسماعیل بن حماد بن ابی حنیفہ (م 212ھ / 827ء)' بشار بن موسیٰ الخفاف (م 228ھ / 842ء)' بشر بن ابی الازھر النیسابوری (م 213ھ / 828ء)' بشر بن غیاث المریسی (م 218ھ / 833ء)' بشر بن الولید الکندی (م 238ھ / 852ء)' جعفر بن یحیٰی البرمکی (م 187ھ / 803ء)' حبان بن بشر (م 238ھ / 852ء)' الحسن بن زیاد اللولوی (م 204ھ / 819ء)' الحسن بن شبیب (م 209ھ / 824ء)' الحسین بن ابراہیم (م 210ھ / 825ء)' ابن حفص (م 212ھ / 827ء)' الحسین بن الولید (م 202ھ / 818ء) حفص بن غیاث الکوفی (م 194ھ / 810ء)' حماد بن دلیل (م 198ھ / 814ء)' خلف بن ایوب العامری البلخی (م 220ھ / 835ء)' داؤد بن رشید الخوارزمی (م 230ھ / 844ء)' شجاع بن مخلد (م 235ھ / 849ء)' شعیب بن سلیمان الکیسانی (م 204ھ / 819ء)' عبدالرحمٰن بن عبداللہ العمری (م 194ھ / 810ء)' عبدالرحمٰن بن مسہر (م 199ھ / 815ء)' عبدالرحمٰن بن مھدی (م 198ھ / 814ء)' عبداللہ بن غانم الافریقی (م بعد 200ھ / بعد 816ء)' عصام بن یوسف البلخی (م 210ھ / 825ء)' عکرمہ بن طارق السلمقانی (م 215ھ / 830ء) علی بن الجعد الجوھری (م 230ھ / 844ء)' علی بن حجر المروزی (م 244ھ / 858ء)' علی بن حرملہ الکوفی (م بعد 200ھ / بعد 816ء)' علی الرازی (م بعد 200ھ / 816ء)' عمار بن عبدالملک المروزی (م 205ھ / 820ء)' عمرو بن ابی عمرو الحرانی (م بعد 200ھ / بعد 816ء)' عمرو بن بحر الجاحظ (م 255ھ / 869ء)' عمرو بن محمد الناقد (م 202ھ / 818ء)' فرات بن نصر الھروی (م 236ھ / 850ء)' الفضل بن غانم (م 236 / 850ء)' الفضیل بن عیاض (م 187ھ / 803ء)' القاسم بن الحکم (م 208ھ / 823ء)' محمد بن ابی رجاء الخراسانی (م 207ھ / 822ء)' محمد بن الحسن الشیبانی (م 189ھ / 805ء)' محمد بن خالد الحنظلی الرازی (م 213ھ / 828ء)' محمد بن سماعہ التمیمی (م 233ھ / 847ء)' محمد بن الصباح (م 227ھ / 841ء)' المعلی بن منصور الرازی (م 211ھ / 826ء)' موسیٰ بن سلیمان الجوزجانی (م بعد 200ھ / بعد 816ء)' نصر بن عبدالکریم البلخی (م 169ھ / 785ء)' وکیع بن الجراح (م 192ھ / 808ء)' ہشام بن عبیداللہ الرازی (م 201ھ / 817ء)' ہشام بن

معد ان کاتب ابی یوسف (م 213ھ / 828ء) ہلال بن یحیٰی بن مسلم البصری (م 245ھ / 859ء) الہیثم بن خارجہ (م 227ھ / 841ء) یحیٰی بن آدم القرشی (م 203ھ / 818ء) یحیٰی بن معین (م 233ھ / 847ء) یزید بن ہارون الواسطی (م 206ھ / 821ء)(75)

عہدہ قضاء

امام ابویوسف مشہور عباسی خلفاء محمد مہدی بن منصور (158-169ھ / 775-785ء) موسیٰ ہادی بن مہدی (169-170ھ / 785-786ء) اور ہارون الرشید بن محمد مہدی (170-193ھ / 786-809ء) کے ادوار میں منصب قضاء پر فائز رہے۔ (76) ہارون الرشید کے دور میں تمام سلطنت عباسیہ کے قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) مقرر ہوئے۔ آپ اسلام میں پہلے شخص ہیں جنہیں قاضی القضاۃ کا منصب دیا گیا۔ (77) اور آپ وفات تک اس عہدہ پر فائز رہے۔ آپ کو "قاضی قضاۃ الدنیا" بھی کہا جاتا تھا۔ (78) ابو الفداء اسماعیل ابن کثیر (م 774ھ / 1373ء) لکھتے ہیں۔

وکان یقال لہ - قاضی قضاۃ الدنیا لانہ کان یستنیب فی سائر الاقالیم التی یحکم فیھا الخلیفۃ (79)

"اور آپ کو قاضی قضاۃ الدنیا کہا جاتا تھا۔ یہ اس لئے کہ ان کی قضاء ان تمام ریاستوں میں نافذ العمل تھی جہاں خلیفہ کا حکم چلتا تھا۔"

عباسی دور میں قاضی القضاۃ کا عہدہ موجودہ زمانے کے تصور کے مطابق محض عدالت عالیہ (ہائی کورٹ) کے حاکم اعلیٰ کا نہ تھا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ وزیر قانون کے فرائض بھی اس میں شامل تھے بلکہ سلطنت کے تمام داخلی و خارجی معاملات میں قانونی راہنمائی کرنا بھی آپ کا کام تھا۔ (80) ہارون الرشید نے آپ کو اس بات کا کلی اختیار دیا تھا کہ دیار و امصار کے جملہ قاضیوں کا تقرر وہ خود کیا کریں اور جسے جہاں مناسب خیال کریں مقرر کر دیں۔ ابو الفلاح عبدالحی ابن العماد (م 1089ھ / 1678ء) نے اپنی کتاب "شذرات الذھب فی اخبار من ذھب" میں ابو عمر یوسف بن عبداللہ ابن عبدالبر (م 463ھ / 1071ء) کا یہ قول نقل کیا ہے۔

کان الیہ تولیۃ القضاء فی الآفاق من المشرق الی المغرب (81)

"ابویوسف کے اختیار میں تھا کہ مشرق سے مغرب تک (سارے) آفاق میں قاضیوں کا تقرر کریں۔"

الموفق المکی (م 568ھ / 1172ء) نے اپنی کتاب "مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ" میں ابویوسف کا یہ قول نقل کیا ہے۔

فولانی قضاء البلاد کلھا (82)

"پھر مجھ کو تمام شہروں کی قضاء کی ذمہ داری سونپ دی گئی۔"

تصانیف

امام ابو یوسف نے خداداد علمی و فکری صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے تصنیف و تالیف کے سلسلہ میں کافی کام کیا۔ آپ کی چند تصانیف طبع ہو چکی ہیں۔ بعض کتب وہ بھی ہیں جو ہم تک نہیں پہنچ سکیں۔ اس لئے ہم آپ کی کتب کی فہرست کو دو اقسام میں تقسیم کریں گے۔

(ا) کتب مفقودہ

(ب) کتب موجودہ

(ا) کتب مفقودہ

امام ابو یوسف کی وہ کتب جو حوادث زمانہ کی وجہ سے ناپید ہو چکی ہیں، درج ذیل ہیں۔

(1) کتاب فی اصول الفقہ

خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد (83) میں، عبدالکریم بن محمد السمعانی (م 562ھ / 1166ء) نے "الانساب" (84) میں، ابن خلکان نے وفیات الاعیان (85) میں، زین الدین قاسم ابن قطلوبغا (م 879ھ / 1474ء) نے "تاج التراجم" (86) میں، احمد بن مصطفیٰ طاش کبریٰ زادہ (م 968ھ / 1561ء) نے اپنی دو کتب مفتاح السعادۃ اور "طبقات الفقہاء" (88) میں اور ابن العماد الحنبلی نے شذرات الذھب" (89) میں اس کتاب کو ابو یوسف کی طرف منسوب کیا ہے۔

(2) کتاب فی ادب القاضی

مصطفیٰ بن عبداللہ، حاجی خلیفہ (م 1067ھ / 1657ء) نے کشف الظنون (90) میں اور عمر رضا کحالہ نے معجم المولفین (91) میں لکھا ہے کہ ابو یوسف نے یہ کتاب تحریر کی۔

راقم نے اس کتاب کا ایک مخطوطہ مکتب خانہ پیر محمد اعظم، خانقاہ فاضلیہ گڑھی افغاناں (راولپنڈی) میں دیکھا ہے اس پر بھی مصنف کے طور پر ابو یوسف کا نام تحریر ہے۔ لیکن اس مخطوطہ کی ورق گردانی کے بعد یہ بات پورے وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ یہ ابو یوسف کی تصنیف نہیں ہے۔ کسی اور مصنف نے لکھ کر ابو یوسف کی طرف منسوب کر دی ہے۔ اس امر کی واضح دلیل یہ ہے کہ اس کتاب میں بعض متاخرین مثلاً ابو بکر احمد بن عمر الخصاف (م 261ھ / 875ء) ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی (م 321ھ / 933ء) ابو بکر الرازی (م 370ھ / 981ء) اور ابو بکر محمد بن احمد السرخسی (م 483ھ / 1439ء) وغیرہ کی آراء بھی نقل کی گئی ہیں۔

(3) كتاب المبسوط

حاجی خلیفہ نے کشف الظنون (92) میں' اسماعیل پاشا البغدادی (م 1339ھ / 1920ء) نے ھدیۃ العارفین (93) میں اور محمد امین 'ابن عابدین (م 1252ھ / 1836ء) نے اپنے رسائل (94) میں لکھا ہے کہ ابو یوسف نے یہ کتاب تحریر کی تھی۔

(4) كتاب الجوامع

امام ابو یوسف نے یہ کتاب یحییٰ بن خالد البرکی (م 190ھ / 806ء) کے لئے تالیف کی تھی۔ یہ چالیس بحثوں پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے فقہاء کے درمیان اختلاف کا اور ہر مختلف فیہ مسئلہ میں مختار رائے کا ذکر کیا ہے۔

(95) ابن الندیم نے الفہرست (96) میں اور اسماعیل پاشا البغدادی نے ھدیۃ العارفین (97) میں اس کا ذکر کیا ہے۔

(5) كتاب الرد على مالك بن انس

ابن الندیم نے الفہرست (98) میں' اسماعیل پاشا البغدادی نے "ھدیۃ العارفین" (99) میں' محمد زاہد بن الحسن الکوثری (م 1371ھ / 1952ء) نے "حسن التقاضی" (100) میں لکھا ہے کہ ابو یوسف نے یہ کتاب تحریر کی۔

(6) كتاب اختلاف الامصار

ابن الندیم نے الفہرست (101) میں اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔

(7) كتاب الامالى

یہ چھتیس کتبوں پر مشتمل ہے۔ جسے بشر بن الولید الکندی (م 238ھ / 852ء) نے روایت کیا ہے۔ اس کے اہم مباحث یہ ہیں۔

کتاب الصلوۃ' کتاب الزکوۃ' کتاب الصیام' کتاب الفرائض' کتاب البیوع' کتاب الحدود' کتاب الوکالۃ' کتاب الوصایا' کتاب الصید والذبائح' کتاب الغصب والاستبراء۔ (102)

ابن الندیم نے الفہرست (103) میں' ابو محمد عبد القادر' ابن ابی الوفاء القرشی (م 775ھ / 1374ء) نے "الجواھر المضیۃ" میں' طاش کبری زادہ نے طبقات الفقہاء (105) میں' ملا علی القاری (م 1014ھ / 1606ء) نے "ذیل الجواھر المضیۃ" (106) میں اور ابن عابدین نے اپنے رسائل (107) میں لکھا ہے کہ یہ ابو یوسف کی تصنیف ہے۔ حاجی خلیفہ نے "کشف الظنون" (108) میں لکھا ہے کہ ابو یوسف کے امالی تین سو سے زائد جلدوں پر مشتمل تھے۔ زاہد الکوثری نے اپنی کتاب "حسن التقاضی" میں لکھا ہے کہ شیخ یحییٰ الغزی جو مسجد حرام میں منصب

وعظ پر فائز تھے اور حجراسود کے مواجہہ میں کعبہ مشرفہ کے میزاب کے سامنے وعظ کیا کرتے تھے۔ 908ھ کا واقعہ ہے کہ وہ شہر زبید میں تشریف لائے تھے۔ انہوں نے کہا تھا۔

> "میں نے بچشم خود تین سو مجلدات میں "امالی ابویوسف" شہر غزہ (جو ارض شام میں واقع ہے) کے ایک کتب خانے میں دیکھے ہیں اور جس کتب خانے میں یہ بے مثل علمی سرمایہ دیکھنے میں آیا وہ صرف امام ابویوسف کی کتابوں کے لئے مخصوص تھا۔" (109)

(8) کتاب النوادر

ابن ابی الوفاء القرشی نے "الجواهر المضية" (110) میں اور ابوالحسنات محمد عبدالحی (م 1304ھ / 1887ء) نے "الفوائد البهية" (111) میں اس کتاب کا ذکر ابویوسف کی تصانیف میں کیا ہے۔

(9) کتاب الخارج فی الحیل

الجاحظ نے اپنی کتاب "الحیوان" (112) میں اس کا ذکر کیا ہے۔ اس کا مخطوطہ دارالکتب المصریہ میں موجود ہے۔ (113)

یہی کتاب الخارج فی الحیل کے نام سے جوزف شاخت (Joseph Schacht) نے ایڈٹ کر کے 1930ء میں لیپزگ سے شائع کی ہے۔ جوزف شاخت نے اس کتاب کو امام محمد کی تصنیف ظاہر کیا ہے۔ (114)

جوزف شاخت نے لکھا ہے کہ امام محمد نے اس کتاب میں ابویوسف کی کتاب الحیل کے بعض حصے شامل کر لئے ہیں۔ (115)

راقم کی رائے یہ ہے کہ صاحبین میں سے کسی نے بھی کتاب الخارج فی الحیل کے نام سے کتاب تحریر نہیں کی۔ ابو سلیمان موسیٰ بن سلیمان الجوزجانی جو امام محمد کے تلمیذ خاص ہیں، وہ کہتے ہیں کہ جو شخص یہ کہے کہ امام محمد نے "کتاب الحیل" نامی کتاب تصنیف کی تھی، اس کی تصدیق نہ کیجئے۔ لوگوں کے پاس جو اس قسم کی کتاب ہے وہ دراصل بغداد کے کتب فروشوں میں سے کسی کی تصنیف ہے۔ کتابیں فروخت کرنے والے بعض کتب کو شہرت دینے کے لئے ہمارے علماء کی جانب منسوب کر دیتے ہیں۔ یہ کیونکر ممکن ہے کہ امام محمد نے اپنی کسی تصنیف کو اس نام سے موسوم فرمایا ہو تاکہ جاہلوں کو اپنی من مانی کاروائیاں کرنے کے لئے حربہ ہاتھ آئے۔ (116) حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں الخصاف (م 261ھ / 875ء) کی کتاب الحیل کا ذکر کیا ہے۔ لیکن امام ابویوسف کی طرف اس موضوع پر کوئی کتاب منسوب نہیں کی۔ (117)

(10) مسند الامام ابی یوسف

حاجی خلیفہ نے کشف الظنون (118) میں اور استاذ محمد سلام مدکور نے المدخل للفقہ الاسلامی (119) میں اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔

(ب) کتب موجودہ

امام ابو یوسف کی وہ تصانیف جو شائع ہو چکی ہیں اور آسانی سے دستیاب ہیں، درج ذیل ہیں۔

(1) کتاب الآثار

یہ کتاب امام ابو حنیفہ کی روایت کی ہوئی احادیث پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کو "مسند ابی حنیفہ" بھی کہا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ فقہاء کوفہ کے فتاویٰ بھی اس میں موجود ہیں۔ جنہیں امام ابو یوسف نے پسند کیا یا ان کی مخالفت کی اور سبب اختلاف بھی ذکر کر دیا ہے۔ کتاب فقہی ابواب کے مطابق ترتیب دی گئی ہے۔ (120)

(2) الرد علیٰ سیر الاوزاعی

اس کتاب میں امام ابو یوسف نے جہاد، غنیمت اور صلح و جنگ کے احکام و مسائل بیان کئے ہیں۔ اور اس سلسلہ میں عبد الرحمٰن بن عمرو بن یحمد الاوزاعی (م 157ھ / 774ء) کے اقوال نقل کر کے ان پر نقد و تبصرہ اور امام ابو حنیفہ کے مذہب سے ان کا موازنہ کر کے ان کی تردید بھی کی ہے۔ (121)

(3) اختلاف ابی حنیفۃ و ابن ابی لیلیٰ

امام ابو یوسف نے اس کتاب میں اپنے دونوں اساتذہ کے فقہی اختلافات کو نقل کیا ہے۔ اور حضرت علی بن ابی طالبؓ (م 40ھ / 661ء) حضرت عبد اللہ بن عباسؓ (م 68ھ / 687ء) اور حضرت قاضی شریحؒ (م 78ھ / 697ء) وغیرہ ائمہ سلف کے اقوال کی روشنی میں ان کا جائزہ لیا ہے اور جس مسلک کو انہوں نے بہتر اور صحیح سمجھا ہے اس کو بیان کیا ہے۔ مگر اس میں بیشتر بلکہ تمام تر امام ابو حنیفہ ہی سے اتفاق کیا ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے امام ابو حنیفہ کی وقت نظر، علمی تبحر، واقعات و حقائق سے گہری واقفیت، اور علمی تجربہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ فقہاء کے اختلافات اور مذاہب و شرائع کے تقابلی مطالعہ کے نقطہ نظر سے یہ نہایت مفید اور بیش قیمت کتاب ہے۔ (122)

(4) کتاب الخراج

آپ نے یہ کتاب عباسی خلیفہ ہارون الرشید (170-193ھ / 786-809ء) کے سوالات کے جوابات میں تحریر

کی۔ اس میں زکوٰۃ و صدقات ' جزیہ ' عشر وغیرہ حکومت کے تمام مالی امور اور ٹیکسوں وغیرہ کا مفصل اور تاوان وغیرہ کے احکام کا مختصر ذکر ہے۔

کتاب الخراج پہلی دفعہ قاہرہ میں 1302ھ میں شائع ہوئی۔ پھر مطبعہ سلفیہ قاہرہ سے تین بار یعنی 1932ء' 1933ء اور 1962ء میں شائع ہوئی۔

Carl کتاب الخراج کے مخطوطات دنیا کے مختلف کتب خانوں میں موجود ہیں۔ کارل بروکلمان (Brockelmann) (م 1375ھ / 1956ء) نے بہت سے ایسے قلمی نسخوں کا ذکر کیا ہے جو برلن ' آیا صوفیہ ' لندن ' رام پور ' پشاور ' پیرس اور سلیمانیہ کے کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔ (123)

کتاب الخراج کے فرانسیسی مترجم ای۔ فاگنان (E-Fagnan) نے کتب خانہ پیرس میں موجود چار مختلف نسخوں کا ذکر کیا ہے۔ (124) ای۔ فاگنان (E-Fagnan) کا ترجمہ 1921ء میں پیرس سے شائع ہوا۔ (125) انگریزی زبان میں کتاب الخراج کا ترجمہ اے بن شمش A Ben Shemesh نے کیا ہے جو 1969ء میں شائع ہوا۔ (126) اس کا اردو ترجمہ محمد نجات اللہ صدیقی نے کیا ہے جو مکتبہ چراغ راہ کراچی سے 1966ء میں شائع ہوا۔ (127) اس کے علاوہ اطالوی اور ترکی زبانوں میں بھی اس کے تراجم ہو چکے ہیں۔

عبدالعزیز بن محمد الرحبی (م بعد 1184ھ / بعد 1770ء) نے عربی زبان میں کتاب الخراج کی شرح تحریر کی ہے۔ اس شرح کا نام "فقہ الملوک و مفتاح الرتاج المرصد علی خزانۃ کتاب الخراج" ہے۔ یہ دو جلدوں میں ہے۔ اس کی پہلی جلد 1176ھ میں ' اور دوسری جلد 1180ھ میں مکمل ہوئی۔ (128) یہ شرح بغداد کے مطبعہ الارشاد سے 1973ء میں الدکتور احمد عبید الکبیسی کی تحقیق کے ساتھ شائع ہو چکی ہے۔ (129)

وفات

آپ نے 5 ربیع الاول 182ھ کو جمعرات کے دن ظہر کے وقت بغداد میں وفات پائی۔ (130) خطیب بغدادی کا بیان ہے کہ آخری وقت آپ کی زبان پر یہ الفاظ تھے۔

> اللھم انک تعلم انی لم اطا فرجا حراما قط و انا اعلم' اللھم انک تعلم انی لم آکل درھما حراما قط و انا اعلم(131)
>
> "اے اللہ تو جانتا ہے کہ میں نے کبھی بدکاری نہیں کی اور یہ بات مجھے معلوم ہے۔ اے اللہ تو جانتا ہے کہ میں نے کبھی ایک درہم بھی حرام کا نہیں کھایا اور یہ بات مجھے معلوم ہے۔"

وفات سے پہلے یہ وصیت کی تھی کہ میرے مال میں سے چار لاکھ درہم مکہ ' مدینہ ' کوفہ اور بغداد کے محتاجوں میں تقسیم کر دیئے جائیں۔ (132) آپ کی وفات عالم اسلام کے لئے ایک سانحہ تھی۔ خود خلیفہ ہارون الرشید بہت غمگین

تھا۔ مشہور صوفی، حضرت معروف بن فیروز الکرخی (م 200ھ / 816ء) کو آپ کی وفات کی خبر سن کر سخت صدمہ پہنچا۔ (133) جب ابو یوسف کا جنازہ گھر سے چلا تو مشایعت کرنے والوں میں ابو یعقوب الخریمی اسحاق، مشہور شاعر بھی تھا۔ اس نے لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ آج فقہ کا خاتمہ ہو گیا۔ ابن خلکان کے الفاظ ہیں۔

فلما توفی ابو یوسف سمع الخریمی رجلا یقول = الیوم مات الفقه (134)

"پس جب ابو یوسف نے وفات پائی تو (ابو یعقوب) الخریمی نے ایک آدمی کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ "آج فقہ ختم ہو گئی۔"

یہ الفاظ سن کر ابو یعقوب الخریمی نے برجستہ ایک رقت انگیز مرثیہ کہا جس کے چند اشعار یہ ہیں۔

یاناعی الفقه الی اهله ان مات یعقوب ولایدری

لم یمت الفقه و لکنه حول من صدر الی صدر

القاه یعقوب الی یوسف فزل من طیب الی طهر

فهو مقیم فاذا ما ثوی حل و حل الفقه فی قبر (135)

"اے اہل فقہ کو فقہ کی موت کی خبر دینے والے یہ کہ یعقوب فوت ہو گئے اور وہ (موت کی خبر دینے والے) کو معلوم نہیں کہ فقہ ختم نہیں ہوئی بلکہ یہ ایک سینہ سے دوسرے سینہ تک منتقل ہوئی ہے۔ یعقوب نے اسے یوسف تک پہنچا دیا ہے پس یہ عمدہ سے پاکیزہ ہو گئی ہے۔ پس وہ (ابو یوسف) اقامت گزیں ہے مگر جب اسے دفن کیا جائے گا تو وہ اتر جائے گا۔ اور فقہ بھی (ابو یوسف کے ساتھ) قبر میں اتر جائے گی۔"

ہارون الرشید خود جنازہ کے ساتھ تھا۔ اسی نے نماز پڑھائی اور اپنے خاص قبرستان میں دفن کیا۔ (136) شجاع بن مخلد (م 235ھ / 849ء) کا قول ہے کہ ہم امام ابو یوسف کے جنازہ میں شریک ہوئے۔ عباد بن العوام (م 216ھ / 831ء) بھی ہمارے ساتھ تھے۔ میں نے ان کو یہ کہتے ہوئے سنا۔

ینبغی لاهل الاسلام ان یعزی بعضهم بعضا بابی یوسف (137)

"اہل اسلام کو چاہیے کہ ابو یوسف کی وفات پر ایک دوسرے کے ساتھ تعزیت کریں۔"

مناقب و محاسن

ایک عظیم انسان میں جن خوبیوں کا ہونا ضروری ہے وہ تمام ابو یوسف کی سیرت میں موجود تھیں۔ امام ابو حنیفہ نے وفات سے قبل آپ کو ایک وصیت نامہ دیا تھا۔ (138) حقیقت یہ ہے کہ امام ابو یوسف کی زندگی کا ایک ایک ورق اس وصیت نامہ کی عملی شکل تھا۔ علم و دانش، تفقہ اور ایک اعلیٰ منصب پر فائز ہونے کے باوجود آپ کی زندگی میں فخر و غرور

اور نمود و نمائش کا شائبہ تک نہ تھا۔ دوست دشمن سب کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے۔ کسی کا دل نہیں دکھاتے تھے۔ اگر کسی کے کام آسکتے تو ذرا تامل نہ کرتے۔ عبادت و ریاضت اور زہد و تقویٰ میں قدم راسخ رکھتے تھے۔ محمد بن سماعہ التمیمی (م 233ھ / 847ء) فرماتے ہیں۔

کان ابو یوسف یصلی بعد ما ولی القضاء فی کل یوم مائتی رکعۃ (139)

"ابو یوسف (منصب) قضاء پر فائز ہونے کے بعد ہر روز سو رکعت (نفل) پڑھتے تھے۔"

حکومت کی طرف سے آپ کو کچھ زمین دی گئی تھی جس کا خراج معاف تھا لیکن آپ ہر سال ایک رقم بقدر محصول صدقہ کر دیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ بھی اپنی دولت سے حاجت مندوں کی مدد کرتے۔ عدل و انصاف کے معاملے میں کسی کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ خلیفہ کے سامنے حق گوئی آپ کا شیوہ تھا۔ خطیب بغدادی نے "تاریخ بغداد" اور ابن خلکان نے "وفیات الاعیان" میں ایسے کئی واقعات نقل کئے ہیں۔ جنہیں طوالت سے بچنے کے لئے قلم انداز کیا جاتا ہے۔

اعتراضات اور ان کا تحقیقی جائزہ

خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد جلد 14 میں امام ابو یوسف کے حالات زندگی، علمی مقام و مرتبہ اور مناقب و محاسن بیان کرنے کے بعد آپ پر جرح سے متعلق بعض لوگوں کے اقوال نقل کئے ہیں۔ اس جرح کا بعض حصہ عقائد سے متعلق ہے۔ اور کچھ اعمال سے۔ ان اقوال کا خلاصہ یہ ہے۔

(ا) آپ خلق قرآن کے قائل تھے، فاسق اور زندیق تھے۔

(ب) حدیث کا علم نہیں رکھتے تھے۔

(ج) یتیموں کا مال مضاربت پر دے دیا کرتے تھے تاکہ اس سے جو نفع ہو اس سے خود فائدہ اٹھائیں۔

(د) ہارون الرشید کو خوش کرنے کے لئے اس کی مرضی کے مطابق فتوے دیتے تھے۔

(ر) آپ نے دنیا کو دین پر ترجیح دی اور ایسے فقہی حیلے وضع کئے جن کے ذریعہ انسان قانون کو دھوکا دے سکتا ہے۔ (140)

خطیب بغدادی نے ایک مورخ کی حیثیت سے امام ابو یوسف کے متعلق ہر قسم کے اقوال کو نقل کر دیا ہے۔ جرح کے بیان کرنے والے راویوں کی توثیق اور تعدیل کی نہ جرح کا سبب بیان کیا۔ حالانکہ یہ دونوں باتیں اصولاً لازم ہیں حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے اس طرح اپنے اسلوب کتاب کی پابندی کی ہے ورنہ وہ بذاتہ امام ابو یوسف کی عظمت و علمیت کے قائل تھے۔ اگر مذکورہ بالا جرحوں میں سے عقائد یا اعمال کے متعلق ایک جرح بھی ان کے نزدیک ثابت ہوتی

تو وہ آپ کے مناقب و محاسن سے متعلق اقوال نقل نہ کرتے۔

اصول حدیث پر لکھی گئی اکثر کتب میں یہ اصول ملتا ہے کہ جس شخص کی امامت و عدالت ثابت ہو' جرح کے مقابلے میں اس کی تعدیل و تزکیہ کرنے والے کثیر ہوں اور جرح کا سبب بھی بیان نہ کیا گیا ہو تو اس کے متعلق جرح کی طرف توجہ نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ بعض اوقات حسد یا مذہبی تعصب کی بناء پر بھی ایسا کیا جاتا ہے۔

اس اصول کی بنیاد پر ائمہ رجال نے اپنی کتب میں امام ابو یوسف کے متعلق جرح کو غیر مقبول قرار دے کر اس کو نقل نہیں کیا اور وہ آپ کی تعریف میں رطب اللسان نظر آتے ہیں چنانچہ ذیل کے مستند ائمہ رجال کی کتابیں اس کی شاہد ہیں۔

(ا) شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن احمد' الذہبی (م 748ھ / 1348ء) کی کتاب "تذکرۃ الحفاظ" (141)

(ب) ابو الفضل شہاب الدین احمد بن علی' ابن حجر العسقلانی (م 852ھ / 1448ء) کی کتاب "تهذيب التهذيب" (142) اور تقریب التھذیب (143)

(ج) ابو حاتم محمد' ابن حبان (م 354ھ / 965ء) کی تصنیف "کتاب الثقات" (144)

صفی الدین احمد بن عبداللہ' الخزرجی (م بعد 923ھ / بعد 1517ء) نے "خلاصۃ تذھیب تھذیب الکمال فی اسماء الرجال" (145) میں صرف مناقب لکھے ہیں جرح کا ذکر نہیں کیا۔ ابو زکریا محی الدین یحیٰ بن شرف النووی (م 676ھ / 1277ء) نے "تھذیب الاسماء و اللغات" (146) میں' ابو محمد عبداللہ بن اسعد' الیافعی (م 768ھ / 1366ء) نے "مرآۃ الجنان و عبرۃ الیقظان" (147) میں' ابن العماد الحنبلی نے "شذرات الذھب" (148) میں اور ابو محمد عبداللہ بن مسلم ابن قتیبۃ (م 276ھ / 889ء) نے اپنی کتاب "المعارف" (149) میں امام ابو یوسف کے صرف مناقب لکھے ہیں' جرح کا ایک لفظ بھی نقل نہیں کیا۔

اہل علم نے امام ابو یوسف کے مناقب و فضائل بھی کثرت سے بیان کئے ہیں۔ مثلاً شمس الدین الذھبی نے مناقب ابی یوسف میں ایک رسالہ لکھا جو طبع ہو چکا ہے اس میں ایک عنوان ہے "ثناء الائمۃ علی ابو یوسف" موفق بن احمد المکی نے "مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ" میں' ابن البزاز الکردری نے "مناقب الامام الاعظم" میں' ابو عبداللہ الصیمری نے اخبار ابی حنیفۃ و اصحابہ میں اور ابو القاسم بن ابی العوام نے اپنی کتاب فضائل ابی حنیفۃ و اصحابہ میں بڑے شرح و بسط سے آپ کے مناقب بیان کئے ہیں۔

امام ابو یوسف کی طرف جو خلق قرآن و زندقہ وغیرہ کی نسبت کی گئی ہے اس کے ابطال کے لئے یہی کافی ہے کہ علمائے احناف کی آج سینکڑوں کتب عقائد اور فروع میں موجود ہیں ان کی بنیاد پر یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جو عقائد و مسائل امام ابو یوسف کی طرف منسوب کئے گئے ہیں وہ درست ہیں۔ آج کروڑوں کی تعداد میں حنفی مختلف ممالک میں موجود ہیں

کیاان میں کوئی خلق قرآن' زندقہ وغیرہ عقائد یا حلت رباؤ غیرہ مسائل فروعی کا قائل ہے؟ اس سے صاف ظاہر ہے کہ بنیاد جرح غلط فہمی ہے یا حسد۔ زاہد الکوثری نے اپنی کتاب "حسن التقاضی فی سیرۃ الامام ابی یوسف القاضی" میں دو روایتیں نقل کی ہیں۔ (150) جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ایسے شخص کو قید کرنے اور کوڑے مارنے کا فتویٰ دیتے ہیں جو کہتا ہے کہ قرآن مخلوق ہے۔ بشار بن موسیٰ الخفاف (م 228ھ / 842ء) کہتے ہیں کہ میں نے امام ابو یوسف کو یہ کہتے ہوئے سنا

من قال القرآن مخلوق فحرام کلامہ (151)

"جس نے کہا قرآن مخلوق ہے اس کی بات حرام ہے۔"

ابو یوسف کے علم حدیث کے بارے میں جس رائے کا اظہار کیا گیا ہے وہ محض تعصب اور کم علمی کی بناء پر ہے۔ عمر الناقد (152)' یحییٰ بن معین (153) ابو حاتم (154)' مزنی (155)' ابن عدی (156)' امام نسائی (157) اور امام احمد بن حنبل (158) 'محمد بن احمد الدولابی (159) (م 310ھ / 922ء) ایسے جلیل القدر محدثین نے آپ کے ثقہ فی الحدیث ہونے پر شہادت دی ہے۔ ابو بکر احمد بن الحسین البیہقی (م 458ھ / 1066ء) نے السنن الکبریٰ میں ان کا ذکر اچھے الفاظ میں کیا ہے۔ (160) ابن حبان نے کتاب الثقات میں آپ کے حالات و سوانح کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

و نقول فی کل انسان ما کان یستحقہ من العدالۃ والجرح' لادخلنا زفر او ابا یوسف بین الثقات لما تبین عندنا من عدالتہما فی الاخبار (161)

"اور ہم ہر انسان کے بارے میں وہی اعتقاد رکھتے ہیں جس عدالت اور جرح کا وہ مستحق ہوتا ہے۔ (چنانچہ) ہم نے زفر اور ابو یوسف کو ثقات میں داخل کیا ہے کیونکہ روایت حدیث کے سلسلہ میں ان دونوں کی عدالت ہم پر ظاہر ہو چکی ہے۔"

یتیموں کے مال سے ذاتی نفع لینے کے بارے میں جو روایت نقل کی گئی ہے اس روایت کی سند میں احمد بن علی الابار کا نام ہے جو امام ابو حنیفہ اور آپ کے اصحاب سے سخت تعصب رکھتا تھا۔ ظاہر ہے کہ متعصب اور مخالف کی روایت کس طرح قبول کی جا سکتی ہے۔ ابن حجر العسقلانی نے اپنی کتاب لسان المیزان میں یزید بن ہارون کا قول نقل کیا ہے جس کے مطابق اس روایت میں کوئی صداقت نہیں۔ (162)

امام ابو یوسف نے کتاب الخراج کے مقدمہ میں ہارون الرشید کو جس طرح مخاطب کیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ خلیفہ سے قطعاً" مرعوب نہ تھے بلکہ پند و موعظت میں اس کے جلال و جبروت کی بالکل پرواہ نہیں کرتے تھے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ اسے اللہ تعالیٰ سے ڈراتے ہوئے عدل و احسان پر زور دیتے ہیں' ظلم سے روکتے ہیں۔ اور خلق خدا کے ساتھ نرمی اور ملاطفت کا برتاؤ کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ امام ابو یوسف نے کئی مواقع پر ہارون

الرشید کو جادہ حق سے منحرف نہ ہونے دیا۔

منصب قضاء کا فریضہ آپ نے جس دیانت داری سے ادا کیا اس کا اندازہ آپ کے ان الفاظ سے ہوتا ہے جو وفات سے کچھ دیر پہلے آپ کی زبان پر جاری تھے۔ القاسم بن الحکم (م 208ھ / 823ء) کہتے ہیں میں نے اس موقع پر آپ سے یہ الفاظ سنے۔

یا لیتنی مت علی ما کنت علیہ من الفقر ' و انی لم ادخل فی القضاء علی انی ما تعمدت بحمداللہ و نعمتہ جورا و لا حابیت خصما علی خصم من سلطان و لا سوقۃ (163)

"اے کاش اس فقرو فاقہ کی حالت میں مجھ کو موت آتی جو شروع میں تھی اور قضاء کے کام میں نہ پھنستا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا شکر ہے اور اس کی یہ نعمت ہے کہ میں نے قصداً کسی پر ظلم نہیں کیا۔ اور نہ ایک فریق کو دوسرے پر ترجیح دی۔ خواہ وہ بادشاہ تھا یا عام آدمی۔"

ابو یوسف کے یہ الفاظ بھی نقل کئے گئے ہیں۔

"اللھم انک تعلم انی ولیت ھذا الامر فلم امل الی احد الخصمین الا فی خصومۃ النصرانی مع الرشید فقد قضیت للنصرانی علی الرشید' و لکن کنت اتمنی ان یکون الحق بجانب الرشید' فاستغفرک اللھم علی ھذا المیل وبکی" (164)

"اے اللہ تو جانتا ہے کہ یہ کام (یعنی منصب قضاء) میرے سپرد کیا گیا۔ پس دو جھگڑا کرنے والوں میں سے کسی کی طرف بھی میرا رجحان نہ رہا۔ ہاں ایک جھگڑے میں جو ایک عیسائی کا (ہارون) الرشید کے ساتھ تھا اور میں نے (ہارون) الرشید کے خلاف نصرانی کے حق میں فیصلہ دیا تھا۔ لیکن میری آرزو یہ تھی کہ حق (ہارون) الرشید کی طرف ہو تو۔ اے اللہ اس دلی میلان پر (جو مجھے ہارون الرشید کے ساتھ تھا) میں تجھ سے معافی مانگتا ہوں۔ اور آپ رونے لگے۔"

امام ابو یوسف پر فقہی حیلے وضع کرنے کا الزام بھی غلط فہمی پر مبنی ہے۔ آپ نے کبھی کوئی ایسا فتویٰ نہیں دیا جس سے شریعت کے احکام کی خلاف ورزی ہوتی ہو۔ البتہ "یسر" یعنی عوام کی سہولت اور آسانی کو ضرور پیش نظر رکھا اور شریعت کا منشا بھی یہی ہے۔

محمد بن احمد' ابو زہرہ (م 1394ھ / 1974ء) نے حیلوں کے بارے میں امام ابو یوسف کے مسلک کی تحقیق کی ہے۔ ان کی بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ابو یوسف کی طرف جن حیلوں کی نسبت صحیح ہو سکتی ہے وہ ایسے حیلے نہیں جن سے

کسی ایسی چیز کا جائز کرنا مقصود ہو جو فی نفسہ حرام ہے۔ ان حیلوں کے ذریعہ مباح طریقہ سے دفع ظلم یا حصول حق چاہا گیا ہے۔ (165)

ابو بکر احمد بن الحسین ' البیہقی (م 458ھ / 1066ء) نے امام شافعی کے حالات میں ایک کتاب تحریر کی ہے اس میں لکھا ہے کہ امام شافعی جب ہارون الرشید کے دربار میں گرفتار ہو کر آئے تو امام ابو یوسف اور امام محمد نے خلیفہ کو مشورہ دیا کہ امام صاحب کو قتل کر دیا جائے ورنہ یہ شخص سلطنت کے لئے خطرہ ثابت ہو گا۔ (166) لیکن محققین نے اس روایت کو قبول کرنے سے انکار کیا ہے کیونکہ امام ابو یوسف اس زمانے سے بہت پہلے انتقال کر چکے تھے۔ ابن حجر العسقلانی اپنی کتاب "توالی التاسیس لمعالی محمد بن ادریس" میں اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

و ھی مکذوبۃ و غالب فیھا موضوع و بعضھا ملفق من روایات ملفقۃ و اوضح ما فیھا من الکذب قولہ فیھا . ان ابا یوسف و محمد بن الحسن حرضا الرشید علی قتل الشافعی و ھذا باطل من وجھین احدھما ان ابا یوسف لما دخل الشافعی بغداد کان (قد) مات و لم یجتمع بہ الشافعی والثانی - انھما کانا اتقی للہ من ان یسعیا فی قتل رجل مسلم لا سیما و قد اشتھر بالعلم و لیس لہ الیھما ذنب الا الحسد لہ علی ما اتاہ اللہ من العلم۔ و ھذا مما لا یظن بھما و ان منصبھما و جلالتھما و ما اشتھر من دینھما لیصد عن ذلک' والذی تحرر لنا بالطرق الصحیحۃ - ان قدوم الشافعی بغداد اول ما قدم کان سنۃ اربع و ثمانین و کان ابو یوسف قدمات قبل ذلک بسنتین و انہ لقی محمد بن الحسن فی تلک القدمۃ و کان یعرفہ قبل ذلک من الحجاز واخذ عنہ و لازمہ (167)

"اور یہ (روایت) جھوٹی ہے۔ اور اس کا اکثر حصہ موضوع ہے۔ اور اس کا کچھ حصہ دوسری جھوٹی روایات کی طرح کذب پر مبنی ہے اور جو صریح جھوٹ اس میں ہے وہ یہ ہے کہ ابو یوسف اور محمد بن الحسن نے ہارون الرشید کو (امام) شافعی کے قتل کی ترغیب دی۔ اور یہ بات دو وجوہ کی بنیاد پر غلط ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب (امام) شافعی بغداد آئے تو اس وقت ابو یوسف وفات پا چکے تھے۔ اور (امام) شافعی کی ان سے ملاقات ہی نہیں ہوئی۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ دونوں اس بات سے اللہ سے ڈرتے تھے کہ وہ کسی مسلمان کو قتل کرنے کی کوشش کریں' خصوصاً ایسا شخص جو علم میں خاص شہرت کا حامل ہو اور اس شخص نے ان کا کچھ بگاڑا بھی نہ ہو اور اس حسد کی وجہ سے (اسے قتل کر دیں) کہ وہ ایک بہت بڑا عالم ہے۔

اور اس بات کا ان پر گمان نہیں ہو سکتا اس لئے کہ ان کا منصب' ان کی جلالت شان اور دین میں ان کی جو شہرت ہے (یہ سب باتیں) ان کو اس سے روکتی تھیں۔ اور صحیح طریق' سے جو بات ہمارے سامنے ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ (امام) شافعی پہلی بار 184ھ میں بغداد آئے اور ابو یوسف اس سے دو سال پہلے وفات پا چکے تھے۔ اور بے شک آپ نے اس آمد پر محمد بن الحسن سے ملاقات کی۔ اور آپ اس سے پہلے حجاز میں ان سے جان پہچان کر چکے تھے' اور ان سے علم حاصل کر چکے اور وہ ان سے وابستہ رہ چکے تھے۔"

ابن کثیر نے اپنی کتاب "البدایۃ والنہایۃ" میں لکھا ہے۔

"و من زعم من الرواة ان الشافعی اجتمع بابی یوسف کما یقوله عبداللہ بن محمد البلوی الکذاب فی الرحلة التی ساقها الشافعی فقد اخطا فی ذلک و انما اجتمع الشافعی بمحمد بن الحسن الشیبانی فاحسن الیه و اقبل علیه' و لم یکن بینهما شنآن کما یذکره بعض من لا خبرة له فی هذا الشان واللہ اعلم" (168)

"اور رواۃ میں سے جس شخص کا خیال ہے کہ امام شافعی نے امام ابو یوسف سے ملاقات کی ہے' جیسا کہ عبداللہ بن محمد البلوی کذاب اس سفر کے بارے میں لکھتا ہے جسے امام شافعی نے اختیار کیا تھا' اس نے غلطی کی ہے.... امام شافعی نے محمد بن الحسن الشیبانی سے ملاقات کی ہے اور انہوں نے آپ سے حسن سلوک کیا اور آپ کے پاس آئے۔ اور ان دونوں کے درمیان کوئی عداوت نہ تھی جیسا کہ بعض لوگوں نے بیان کیا ہے۔ جنہیں اس کے بارے میں کچھ خبر نہیں ہے۔ واللہ اعلم"

حواشی و حوالہ جات

(1) الدینوری، ابو حنیفہ احمد بن داؤد "کتاب الاخبار الطوال" (تحقیق = عبدالمنعم عامر - الدکتور جمال الدین الشیال) بیروت، دار المسیرۃ / 332

(2) ابن الاثیر، عزالدین ابوالحسن علی بن محمد "الکامل فی التاریخ" بیروت، دار الکتب العربیہ الطبعۃ الثانیہ 1387ھ، 4 / 159

(3) ابن کثیر، عماد الدین ابوالفداء اسماعیل، البدایۃ والنہایۃ، بیروت، مکتبۃ المعارف الطبعۃ الاولیٰ 1966م - 10 / 38، 39

(4) ابن خلدون، مقدمۃ 238

(5) الماوردی، ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب، قوانین الوزارۃ (تحقیق و دراسۃ = الدکتور فواد عبدالمنعم احمد - الدکتور محمد سلیمان داؤد) موسسۃ الجامعۃ . الاسکندریۃ طبعۃ 1398ھ / 62

(6) ابن الطقطقی، محمد بن علی، الفخری فی الآداب السلطانیۃ والدول الاسلامیۃ مصر المکتبۃ التجاریۃ 1319ھ، 125 بحوالہ حسن ابراہیم حسن وعلی ابراہیم حسن، النظم الاسلامیۃ، مصر، مکتبۃ النہضۃ المصریۃ، الطبعۃ الاولیٰ 1358ھ / 63

(7) Arnold, Thomas W. Caliphate. London, 1965/80.

(8) ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ 10 / 194

(9) ابن الاثیر الکامل فی التاریخ 5 / 114

احمد موسیٰ، الفن الاسلامی، بیروت، دار النفائس - / 39

(10) ابن ابی اصیبعۃ ابو العباس احمد بن القاسم، عیون الانباء فی طبقات الاطباء، الطبعۃ الاولیٰ بالمطبعۃ الوھبیۃ 1299ھ / 1882ء، 1 / 140

(11) ابن خلکان، ابوالعباس شمس الدین احمد بن محمد، وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان، بیروت، دار الثقافۃ، 6 / 379

(12) الخطیب البغدادی، ابوبکر احمد بن علی، تاریخ بغداد او مدینۃ السلام، بیروت، دار الکتب العلمیہ، 1 / 110

(13) المسعودی، ابوالحسن علی بن الحسین بن علی، مروج الذھب و معادن الجوھر، (تحقیق و تعلیق = یوسف اسعد داغر) بیروت = دار الاندلس الطبعۃ الاولیٰ 1965ء - 2 / 243

(14) ابن اثیر، الکامل فی التاریخ 5 / 127

کتاب الخراج کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہارون الرشید کو یہ مشورہ امام ابویوسف ہی نے دیا تھا۔ آپ لکھتے ہیں۔

و ان یتقدم فی ان لا یترک احد منھم یتشبہ بالمسلمین فی لباسہ و لا فی مرکبہ و لا فی ھیئتہ و یوخذوا بان یجعلوا فی اوساطھم الزنارات۔ مثل الخیط الغلیظ یعقدہ فی وسطہ کل واحد منھم و بان تکون قلانسھم مضربۃ و ان یتخذوا علی سروجھم فی موضع القرابیس مثل الرمانۃ من خشب، و بان یجعلوا شراک نعالھم مثنیۃ و لا یحذوا علی حذو المسلمین، و تمنع نساؤھم من رکوب الرحائل. (ابویوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج بولاق، 1302ھ / 137)

"یہ حکم جاری کر دیا جائے کہ کوئی ذمی اپنے لباس، وضع قطع اور سواری میں مسلمانوں سے مشابہت اختیار نہ کرے۔ ان سے مطالبہ کیا جائے کہ یہ اپنی کمر پر زنار باندھیں۔ ایک موٹا دھاگا جسے یہ لوگ اپنی کمر کے گرد لپیٹ لیتے ہیں۔ اور ان کی ٹوپیاں مخروطی شکل کی ہوں۔ ان سے کہا جائے کہ گدے اور زین کی جگہ لکڑی کی کاٹھیاں استعمال کریں۔ اپنی جوتیوں میں دوہرے تسمے لگایا کریں۔ اور مسلمانوں جیسے جوتے نہ پہنیں۔ ان کی عورتوں کو چمڑے کی زینوں پر بیٹھنے سے روک دیا جائے۔"

(15) الجومرد، عبدالجبار الدکتور، ہارون الرشید (مترجم، سید رئیس احمد جعفری) لاہور = اردو سائنس بورڈ، طبع دوم 1986 / 297، 298

(16) ایضاً، 287

(17) ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ 10 / 102

(18) ایضاً

(19) الخطیب، تاریخ 1 / 47

(20) النویری، احمد بن عبدالوہاب، نہایۃ الارب فی فنون الادب۔ القاہرۃ = وزارۃ الثقافۃ والارشاد القومی المؤسسۃ المصریۃ، طبع 1955، 1 / 360

(21) ابن ابی اصیبعۃ، عیون الانباء 1 / 175

(22) محمد نجات اللہ صدیقی، اسلام کا نظام محاصل (ترجمہ کتاب الخراج) کراچی، مکتبہ چراغ راہ / 26-

(23) یاقوت، شہاب الدین ابو عبداللہ یاقوت بن عبداللہ الحموی، معجم البلدان، بیروت دار صادر للطباعۃ والنشر 1376ھ / 1957ء، 4 / 491

(24) ابن سعد، ابو عبداللہ محمد ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، بیروت، دار صادر للطباعۃ والنشر 1377ھ۔ 5/6 تا 65

(25) الزیلعی، جمال الدین ابو محمد عبداللہ بن یوسف الحنفی، نصب الرایۃ لاحادیث الہدایۃ، سورت المجلس العلمی، الطبعۃ الاولیٰ 1357ھ / 1938م۔ 1 / 30

(26) ابن حجر، احمد بن علی، ہدی الساری مقدمہ فتح الباری، کراچی قدیمی کتب خانہ مقابل آرام باغ / 1 / 443

(27) الذہبی، شمس الدین ابو عبداللہ، تذکرۃ الحفاظ، حیدر آباد دکن، مطبعۃ دائرۃ المعارف النظامیہ جلد 1،

(28) یاقوت، معجم البلدان، 4 / 493

(29) ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ، جامع الترمذی (مع شرح) کراچی، ایچ ایم سعید کمپنی۔ 1988

(30) یاقوت، معجم البلدان 4 / 492، البراقی، حسین بن احمد، تاریخ الکوفہ، النجف المکتبۃ المرتضویہ / 1

(31) ابن بطوطہ، محمد بن عبداللہ، رحلۃ ابن بطوطۃ المسماۃ تحفۃ النظار فی غرائب الامصار و عجائب الاسفار۔ بیروت دار الکتاب اللبنانی / 146

(32) الخطیب، تاریخ 1 / 70

(33) القلقشندی، ابو العباس احمد، کتاب صبح الاعشیٰ فی صناعۃ الانشاء، القاہرۃ مطبعۃ الامیریۃ 1332ھ، 3

/270

صبحی الصالح' الدکتور' النظم الاسلامیة نشاتها و تطورها' بیروت دار العلم للملایین' الطبعة الثانیة ۱388ھ / 390

(صبحی الصالح نے ہارون الرشید کے الفاظ اس طرح نقل کئے ہیں "امطری حیث شئت فسیاتینی خراجک

حسن ابراہیم حسن' تاریخ اسلام' بیروت - دار احیاء التراث العربی' الطبعة السابعة 1964ء، 2 / 62

(34) ابن خلدون' مقدمہ 181

(35) الطبری' ابو جعفر محمد بن جریر' تاریخ الرسل والملوک' (تحقیق - محمد ابو الفضل ابراہیم) القاہرۃ دار المعارف' 8 / 364

(36) الجہشیاری' ابو عبداللہ محمد بن عبدوس' کتاب الوزراء والکتاب' (تحقیق: مصطفیٰ السقا - ابراہیم الابیاری - عبدالحفیظ شلبی) القاہرۃ مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی و اولادہ' الطبعة الاولیٰ 1357ھ / 281، 288

(37) الشحیلی' صباح ابراھیم سعید' الاصناف فی العصر العباسی نشاتها و تطورها' وزارۃ الاعلام - الجمهوریة العراقیة' 1976 / 27 الدوری' الدکتور عبدالعزیز' نشوء الاصناف والحرف فی الاسلام' بغداد' مطبعة المعارف / 13

(38) ملیحة' الدکتورۃ' بناء المجتمع العراقی فی العصر العباسی' مجلة حولیة کلیة البنات بجامعة عین شمس' العدد السادس / 191

(39) نجات اللہ صدیقی' اسلام کا نظام محاصل / 23

(40) صوبائی دو رقمیں ہیں جن کا بیور (ناصح) کیا جاتا

(41) العرینی' الدکتور السید الباز' الاقطاع فی الشرق الاوسط (منذ القرن السابع حتی القرن الثالث عشر المیلادی) مجلة حولیات کلیة الاداب المجلد الرابع ینایر 1957ء القاهرة' مطبعة جامعة 1957 / 124

Lambton, Ann K.S, "Landlord and peasant in persia"

Oxford 1953 / 25.

(42) الجومرد' ہارون الرشید (ترجمہ) / 583

(43) الشیرازی' السید محمد بن المهدی الحسینی' من التمدن الاسلامی' بیروت - دار الصادق' الطبعة الاولی 1397ھ / 118، 119

(44) الجومرد' ہارون الرشید / 586، 587

کحالہ عمر رضا مباحث اجتماعیة فی عالمی العرب والاسلام' دمشق مطبعة الحجاز' 1394ھ / 137

(45) دیکھئے۔ ابن عبدالبر' ابو عمر یوسف بن عبداللہ' الاستیعاب فی معرفة الاصحاب (مع

الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ) بیروت' دار احیاء التراث العربی الطبعۃ الاولی 1328ھ / 2/ 51
ابن ماکولا' ابو نصر علی بن ھبۃ اللہ' الاکمال فی رفع الارتیاب عن المؤتلف والمختلف من الاسماء والکنی والانساب (تصحیح و تعلیق' عبدالرحمٰن الیمانی) الھند حیدر آباد الدکن' الطبعۃ الاولی' 1382ھ-2 / 340

السمعانی' عبدالکریم بن محمد' کتاب الانساب' بغداد - مکتبۃ المثنی / 439

السھیلی' ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن احمد' الروض الانف' (فی تفسیر ما اشتمل علیہ احادیث السیرۃ النبویۃ لابن ھشام) و بھامشہ السیرۃ النبویۃ' ملتان' عبدالتواب اکیڈمی' 2 / 120

ابن اثیر' عزالدین ابو الحسن علی بن محمد' اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابہ طھران المکتبۃ الاسلامیۃ 2/ 271

مصنف مجہول' مناقب الامام ابی یوسف و مناقب الامام محمد بن الحسن الشیبانی' (مخطوطہ' کتب خانہ پیر محمد اعظم' خانقاہ فاضلیہ گڑھی افغاناں (راولپنڈی) نمبر 227 / ورق 2

مصنف مجہول' رسالۃ فی بیان السلف من العلماء الراسخین' (مخطوطہ' کتب خانہ پیر محمد اعظم' خانقاہ فاضلیہ گڑھی افغاناں (راولپنڈی) نمبر 213' ورق 8 الدجیلی' عبدالصاحب بن عمران' اعلام العرب فی العلوم والفنون النجف' مطبعۃ النعمان' طبع 1386ھ-1 / 78

ابن سعد' الطبقات الکبری 6/ 52

(46) ان صحابہ کرام کے نام یہ ہیں۔

البراء بن عازب (م 71ھ / 690ء)' زید بن ارقم (م 68ھ / 687ء)' سعد بن مالک بن سنان' ابو سعید الخدری (م 74ھ / 697ء)' زید بن حارثۃ الانصاری (م 44ھ / 664ء) زید بن ثابت (م 45ھ / 665ء) اسید بن ظہیر (م 20 / 641ء) دیکھئے۔

ابن سعد' طبقات 6/ 52)

ابن عبدالبر' الاستیعاب' 2 / 52

ابن العماد' ابو الفلاح عبدالحی' شذرات الذھب فی اخبار من ذھب بیروت' دار احیاء التراث' العربی' 1 / 299

السہیلی' الروض الانف' 2 / 120

(47) طاش کبری زادہ' ابو الخیر احمد بن مصطفی' مفتاح السعادۃ و مصباح السیادۃ حیدر آباد الدکن' الطبعۃ الثانیۃ 1397ھ / 2 / 100

الصیمری' ابو عبداللہ حسین بن علی' اخبار ابی حنیفۃ واصحابہ لاھور' ادارہ ترجمان السنۃ / 91

(48) ابن عبدالبر' ابو عمر یوسف' الانتقاء فی فضائل الثلاثۃ الائمۃ الفقہاء قاہرہ' مکتبۃ القدسی 1350ھ /

172

طاش کبری زادہ' مفتاح السعادۃ' 2 / 100

ابن اثیر' اسد الغابۃ' 2 / 270

السہیلی' الروض الانف 2 / 129

(49) طاش کبری زادہ' مفتاح السعادۃ' 2 / 100

(50) الموفق المکی' بن احمد' مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ' حیدر آباد الدکن الہند' مطبعۃ مجلس دائرۃ المعارف النظامیۃ

1321ھ / -2 / 210

طاش کبری زادہ' مفتاح السعادۃ 2 / 100

مناقب الامام ابی یوسف و مناقب الامام محمد بن الحسن الشیبانی 1/

(51) ابن حجر العسقلانی' ابو الفضل احمد بن علی' الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ' مع الاستیعاب

مصر = المکتبۃ التجاریۃ الکبری- طبع 1358ھ-2 / 21

ابن سعد' الطبقات الکبری' 6 / 52

الصیمری' اخبار ابی حنیفۃ و اصحابہ / 91

طاش کبری زادہ' مفتاح السعادۃ' 2 / 100

(52) الذہبی' شمس الدین ابو عبداللّٰہ' مناقب الامام ابی حنیفۃ و صاحبیہ ابی یوسف و محمد بن الحسن (تحقیق محمد زاہد الکوثری و ابو الوفا الافغانی) کراتشی' ایچ ایم سعید / 35

الشیرازی' ابو اسحاق ابراہیم بن علی طبقات الفقہاء بغداد المکتبۃ العربیۃ 1356ھ / 113

ابن البزاز الکردری' حافظ الدین محمد بن محمد' مناقب الامام الاعظم' حیدر آباد الدکن ۔ الہند' مطبعۃ مجلس دائرۃ المعارف النظامیۃ' الطبعۃ الاولی' 1321ھ-2 / 117

الثعالبی' محمد بن الحسن' الفکر السامی فی تاریخ الفقہ الاسلامی' بیروت - دار الکتب العلمیۃ الطبعۃ الاولی 1416ھ - القسم الثانی / 512

اسماعیل باشا' البغدادی' ہدیۃ العارفین اسماء المولفین و آثار المصنفین' بیروت مکتبۃ المثنی' 1955ء-2 / 536

کحالہ' عمر رضا' معجم المولفین' دمشق' مطبعۃ الترقی' 1380ھ-11 / 240

احمد امین' ابن الشیخ ابراہیم' ضحی الاسلام' القاہرۃ' مکتبۃ النہضۃ المصریۃ-2 / 198

الخطیب' تاریخ' 14 / 243

الملا علی القاری' علی بن (سلطان) محمد' ذیل الجواہر المضیۃ' حیدر آباد الدکن' الہند

1332ھ / 519

ایضاً" طبقات الحنفیۃ (مخطوطہ قائداعظم لائبریری لاہور نمبر 1117 ص 13)

(53) ابن خلکان' وفیات الاعیان 6 / 379

(54) ابن عرنوس' محمود بن محمد' تاریخ القضاۃ فی الاسلام' قاہرہ' المطبعۃ المصریۃ الاھلیۃ الحدیثۃ 1352ھ / 176

(55) الخطیب' تاریخ 14 / 244

ابن خلکان' وفیات الاعیان 6 / 380' 381

ابو علی المحسن بن علی' التنوخی (م 384ھ / 994ء) نے لکھا ہے کہ قاضی ابو یوسف نے شدید افلاس کی حالت میں تعلیم حاصل کی' شادی ہو چکی تھی اور یہ امام ابو حنیفہ کے حلقہ میں بڑی مستعدی سے تعلیم کے لئے جاتے تھے۔ کھانے کے لئے بالکل وقت نہ ملتا تھا۔ ان کی بیوی کسی نہ کسی طرح گھر چلاتی تھی۔ ایک رات جب یہ پڑھ کر گھر واپس آئے' اور کھانا مانگا تو بیوی نے ایک ڈھکی تھالی سامنے لا کر رکھ دی۔ ابو یوسف نے کھولا تو اس میں اپنے نوٹس اور کاپیوں کا انبار دیکھا۔ کھانے کے لئے کچھ نہ تھا۔ آپ نے بیوی سے پوچھا یہ کیا ہے؟ اس نے کہا یہ وہی کچھ ہے جس کے لئے تم دن رات مشغول رہتے ہو۔ یہ سن کر آپ رونے لگے اور اس رات بھوکے سو رہے۔ صبح کو کھانے کا کچھ انتظام کیا اور اس وجہ سے امام ابو حنیفہ کے درس میں تاخیر سے پہنچے۔ جب امام صاحب نے دیر سے آنے کی وجہ پوچھی تو آپ نے تمام واقعہ بتا دیا۔ انہوں نے کہا میں کچھ نہ کچھ تمہاری مدد کر دیا کروں گا۔ غم نہ کرو اگر تم جیتے رہے تو فقہ کی بدولت اخروٹ اور پستہ کے کیک کھاؤ گے۔ دیکھئے۔

التنوخی ابو علی المحسن بن علی۔ نشوار المحاضرۃ و اخبار المذاکرۃ (تحقیق عبود الشالجی المحامی' طبع 1393ھ - 1 / 251

ایضاً" کتاب الفرج بعد الشدۃ (تحقیق = عبود الشالجی) بیروت' دار صادر' طبع 1398ھ - 2 / 387' 388

(56) الخطیب' تاریخ 14 / 249

الموفق المکی' مناقب 2 / 230

الجندی' عبدالحلیم' ابو حنیفۃ بطل الحریۃ والتسامح فی الاسلام' القاہرۃ دار المعارف / 96

(57) الخطیب' تاریخ 14 / 245

(58) ابن عبدالبر' الانتقاء / 173

(59) ابن حجر الهیتمی' شہاب الدین احمد بن حجر الهیتمی المکی' الخیرات الحسان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان (مع تعلیق محمد عاشق الٰہی البرنی)' کراتشی' ایچ ایم سعید کمپنی ادب منزل' 1414ھ / 107

الذہبی' شمس الدین محمد بن احمد' تاریخ الاسلام و وفیات المشاہیر والاعلام' (تحقیق - الدکتور عمر عبدالسلام تدمری) بیروت = دار الکتاب العربی الطبعۃ الثانیۃ 1410ھ / حوادث و وفیات 181-190ھ / 498

(60) ابن ہمام، کمال الدین محمد بن عبدالواحد، فتح القدیر شرح ھدایۃ کوئٹہ المکتبۃ الرشیدیۃ 2 / 395

الزرنوجی، برہان الدین، تعلیم المتعلم آداب التعلم فی جمیع العلوم الاخرویۃ الدنیویۃ، کراچی،

کتب خانہ ہمدرد دواخانہ نمبر 1482 / 12)

الموفق المکی، مناقب 2 / 223

ابن البزاز الکردری، مناقب 2 / 133

مناقب الامام ابی یوسف و مناقب الامام محمد بن الحسن الشیبانی / 6

الکوثری، محمد زاہد بن الحسن، حسن التقاضی فی سیرۃ الامام ابی یوسف القاضی، کراتشی، شرکۃ ایچ ایم۔ سعید (ادارا نشر الکتب)

طبع ثانی 1403ھ / 19، 20

(61) ابراہیم البنا، الدکتور محمد "من عیون التراث" = وصیۃ ابی یوسف لھارون الرشید دار الاعتصام ص 5، الخضری بک، محمد بن عفیفی،

تاریخ التشریع الاسلامی۔ بیروت ۔ دار الکتب العلمیۃ۔ 1390ھ / 171

(62) الخطیب، تاریخ 14 / 245، 246

(63) ابن خلکان، وفیات 6 / 383

الخطیب، تاریخ 14 / 247

الکوثری، محمد زاہد بن الحسن، لمحات النظر فی سیرۃ الامام زفر،

کراتشی، شرکۃ ایچ۔ ایم۔ سعید (ادارۃ نشر الکتب) طبع ثانی 1397ھ / 11

(64) الخطیب، تاریخ 14 / 245

(65) ابن خلکان، وفیات الاعیان 6 / 382

الذھبی، مناقب / 39

(66) ابن خلکان، وفیات الاعیان 6 / 379

(67) ابن الندیم، ابو الفرج محمد بن اسحاق، الفھرست، مصر المکتبۃ التجاریۃ الکبری / 286

(68) ابن خلکان، وفیات الاعیان 6 / 382

(69) ایضاً، 6 / 379

(70) الخطیب، تاریخ، 14 / 247، 248

(71) القرمانی، ابو العباس احمد بن یوسف، اخبار الدول و آثار الاول فی التاریخ ۔ بیروت عالم الکتب / 149

الدیار بکری، حسین بن محمد، تاریخ الخمیس فی احوال انفس نفیس، بیروت، موسسہ شعبان للنشر و التوزیع 2 / 331

(72) ابن الجوزی، ابو الفرج عبدالرحمن بن علی، الحث علی حفظ العلم و ذکر کبار الحفاظ (تحقیق: الدکتور فواد عبدالمنعم

احمد) الاسکندریۃ، دار الدعوۃ الطبعۃ الاولی 1403ھ / 87

(73) اس قسم کے سوالات کے لئے دیکھئے۔

ابن حجر الهیثمی' الخیرات الحسان / 107

(74) الخطیب' تاریخ' 14 / 255

(75) دیکھئے۔

ابن ابی الوفاء' محی الدین ابو محمد عبدالقادر - الجواهر المضیئة فی طبقات الحنفیة حیدر آباد الدکن الهند' مطبعة مجلس دائرة المعارف النظامیة' الطبعة الاولی' 1332ھ 1 / 36'131 132' 138'148'149'164 تا 168'207'210'221'225'228'237'257'258'310'347 تا 349'355'356'400'405' 409 410'2 / 42'44'53'54'58'177'186'187'195'205' تا 209'220'عبدالحی' ابوالحسنات محمد' الفوائد البهیة فی تراجم الحنفیة (تصحیح محمد بدرالدین ابو فراس النعسانی) القاهرة۔ الطبعة الاولی 1324ھ / 11'12'46'54'55'60'61'68'71 تا 73'119'120'144'163'170'171'215'216' 222'223'ابن حجر العسقلانی' ابو الفضل شہاب الدین احمد بن علی' لسان المیزان' حیدر آباد الدکن الہند۔ مطبعة مجلس دائرة المعارف النظامیة' الطبعة الاولی' 1331ھ - 2 / 29'4 / 355'5 / 121'6 / 195'300 الذهبی' شمس الدین ابو عبداللّٰہ محمد بن احمد' میزان الاعتدال فی نقد الرجال (تحقیق علی محمد البجاوی) سانگلہ ہل - المکتبة الاثریة 1 / 150'228'442'3 / 186'254۔

ایضاً العبر فی خبر من غبر (تحقیق صلاح الدین المنجد) الکویت۔ التراث العربی' الطبعة الاولی' 1960ء' 1 / 414'427'429'456

ایضاً تذکرة الحفاظ حیدر آباد الدکن - الهند' دائرة المعارف النظامیه' 2 / 66 ابن حجر العسقلانی' ابو الفضل شہاب الدین احمد بن علی' تهذیب التهذیب' لاهور' نشر السنة۔ 1 / 84'4 / 412'7 / 289'293'9 / 204'229'10 / 238'11 / 175 الکندی' ابو عمر محمد بن یوسف' الولاة و کتاب القضاة' بیروت' 1908ء / 393'394

ابن الاثیر' عزالدین ابو الحسن علی بن محمد' اللباب فی تهذیب الانساب' بغداد مکتبة المثنی 2 / 219

ابن تغری بردی' ابو المحاسن جمال الدین یوسف' النجوم الزاهرة فی ملوک مصر والقاهرة مصر۔ وزارة الثقافة' 2 / 123'130'228

السهمی' حمزة بن یوسف بن ابراهیم' تاریخ جرجان حیدر آباد الدکن الهند 1369ھ / 1950ء / 364' 365

الاصفهانی' احمد بن عبداللّٰہ' حلیة الاولیاء و طبقات الاصفیاء' القاهرة۔ مطبعة السعادة 1357ھ 9 / 3'161

العراقی' زین الدین عبدالرحمٰن بن الحسین' شرح الفیة العراقی المسماة بالتبصرة والتذکرة

(تصحیح و تعلیق = محمد بن الحسین العراقی الحسینی فاس - 1354ھ - 1 / 28

عبدالحی' ابوالحسنات محمد - السعایہ فی کشف ما فی شرح الوقایۃ لاہور سہیل اکیڈمی 1 / 30

ابن الجوزی' ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی' مناقب الامام احمد بن حنبل (تصحیح و تعلیق = محمد امین الخانجی الکتبی) القاہرۃ 1349ھ الطبعۃ الاولی / 22'23

حاجی خلیفہ مصطفی بن عبداللہ' کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون' بیروت' مکتبۃ المثنی - 2 / 1081

الخطیب' تاریخ' 2 / 172 / 4'172 / 5'412 / 6'341'360 / 7'243 / 8'328'314'152'118 / 9'143 / 10'251 / 11'240 / 12'360 / 14'357'212 / 242'177'58'47

مصنف مجہول' معجم المصنفین' بیروت - مطبعۃ و زنکو غراف طبارہ 2 / 58 تا 116

ابن کثیر' البدایۃ والنہایۃ 10 / 189'202'325

ابن الندیم' الفہرست (بہ تحقیق رضا تجدد - کتاب پر ناشر کا نام تحریر نہیں) 256'257

ابن سعد' طبقات' 6 / 402'7 / 87'354'358

ابن الاثیر' اسد الغابۃ 5 / 69

ابن البزاز الکردری' مناقب' 2 / 125

الموفق المکی' مناقب' 2 / 61

ابن عبدالبر' الانتقاء' / 60'174

فقیر محمد جہلمی' حدائق الحنفیہ' (مرتبہ مع حواشی و تکملہ خورشید احمد خان) لاہور مکتبہ حسن سہیل طبع سوم 1906ء / 143

ابراہیم البنا' الدکتور محمد' تحقیق و تعلیق کتاب الخراج لابی یوسف' دار الاصلاح للطبع والنشر / 17

الکوثری' محمد زاہد بن الحسن' الامتاع بسیرۃ الامامین الحسن بن زیاد و صاحبہ محمد بن شجاع کراتشی ادارۃ نشر الکتب / 12

(76) ابن خلکان' وفیات الاعیان' 6 / 379

(77) الصیمری' ابو عبداللہ حسین بن علی' اخبار ابی حنیفۃ و اصحابہ' لاہور' ادارہ ترجمان السنۃ / 90

الزرکلی' خیر الدین' الاعلام' بیروت' دار العلم للملایین' 8 / 191

ابن اثیر' الکامل فی التاریخ' 5 / 107

ابن خلکان' وفیات الاعیان' 6 / 379

الخطیب' تاریخ' 14 / 243

اللغۃ

جرجی زیدان' جرجی بن حبیب' تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ بیروت' منشورات دار المکتبۃ

الحیاۃ الطبعۃ الثانیۃ 1978ء - 2 / 449

(78) ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ 10 / 180

(79) ایضاً

(80) الشکعۃ، مصطفیٰ، الدکتور، الائمۃ الاربعۃ، القاہرۃ - دار الکتاب المصری الطبعۃ الثانیۃ 1403ھ / 1983ء / 205

احمد شلبی، الدکتور، تاریخ التشریع الاسلامی و تاریخ النظم القضائیۃ فی الاسلام القاہرۃ مکتبۃ النہضۃ المصریۃ الطبعۃ الثانیۃ 1981ء / 284

(81) ابن العماد، شذرات الذہب 1 / 300

(82) الموفق المکی، مناقب 2 / 225

(83) 14 / 246 (الخطیب، تاریخ)

(84) 439 (السمعانی، الانساب)

(85) 6 / 382 (ابن خلکان، وفیات الاعیان)

(86) 81 (ابن قطلوبغا، زین الدین قاسم، تاج التراجم فی طبقات الحنفیۃ، کراچی، ایچ ایم سعید

(87) 2 / 105 (طاش کبری زادہ، مفتاح السعادۃ)

(88) 16 (طاش کبری زادہ، ابو الخیر احمد بن مصطفیٰ، طبقات الفقہاء، الموصل 1961ء

(89) 1 / 301 (ابن العماد، شذرات الذہب)

(90) 1 / 46 حاجی خلیفہ نے اس کتاب کا نام ادب القاضی علی مذہب ابی حنیفۃ لکھا ہے۔

(91) 13 / 240 (کحالہ، عمر رضا، معجم المؤلفین)

(92) 2 / 1581 حاجی خلیفہ نے اس کتاب کا نام "المبسوط فی فروع الحنفیۃ" لکھا ہے۔

(93) 2 / 536 (اسماعیل پاشا البغدادی، ھدیۃ العارفین)

(94) 1 / 21 (ابن عابدین، محمد امین، مجموعۃ رسائل ابن عابدین لاہور، سہیل اکیڈمی، 1400ھ

(95) الکوثری، حسن التقاضی / 33

(96) 257 (یہ تحقیق - تجدد رضا) کتب پر ناشر کا نام تحریر نہیں۔ (ابن الندیم، الفہرست)

(97) 2 / 536 (اسماعیل پاشا البغدادی، ھدیۃ العارفین)

(98) 257 (یہ تحقیق - تجدد رضا) کتب پر ناشر کا نام تحریر نہیں۔ (ابن الندیم، الفہرست)

(99) 2 / 536 (اسماعیل پاشا البغدادی، ھدیۃ العارفین)

(100) 33 (الکوثری، حسن التقاضی)

(101) 257 (تحقیق تجدد رضا) ابن الندیم، الفہرست

(102) ابن الندیم' الفہرست' 257 (بہ تحقیق = تجدد رضا) کتاب پر ناشر کا نام درج نہیں۔

(103) 256 (ابن الندیم' الفہرست)

(104) 2 / 220 (ابن ابی الوفاء' الجواہر المضیئۃ)

(105) 16 (طاش کبریٰ زادہ' طبقات الفقہاء)

(106) 524 (ملا علی القاری' ذیل الجواہر المضیئۃ)

(107) 1 / 17 (ابن عابدین' رسائل)

(108) 1 / 164 (حاجی خلیفہ' کشف الظنون)

(109) الکوثری' حسن التقاضی / 34

زاہد الکوثری نے لکھا ہے کہ کتب خانے سے مراد شاید راوی نے الماریاں لی ہیں کیونکہ اس زمانے میں یہ دستور تھا کہ خاص خاص اصحاب کی کتب کے لئے الماریاں مخصوص کر دیتے تھے۔ انہی میں ان کی کتابیں رکھی جاتی تھیں۔ امام ابو یوسف کی تین سو مجلدات پر مشتمل اس عظیم کتاب کے بارے میں اب کچھ معلوم نہیں۔ غالباً یہ کتاب بھی دسویں صدی ہجری کی اس خانہ جنگی میں ضائع ہو گئی جو مصر میں جرکس حکومت کے زمانہ میں ہوئی۔ جس سے بہت سے نادر و نایاب کتابیں ضائع ہو گئیں۔

دیکھئے' الکوثری' حسن التقاضی / 34

(110) 2 / 220 (ابن ابی الوفاء القرشی) الجواہر المضیئۃ

(111) 225 (عبدالحی لکھنوی' الفوائد البہیۃ)

(112) الجاحظ' ابو عثمان عمرو بن بحر' کتاب البیان' (تحقیق و شرح = عبدالسلام محمد ہارون) مصر = مکتبہ مصطفیٰ البابی الحلبی' 1356ھ - 3 / 11

(113) الکوثری' حسن التقاضی / 33

(114) دیکھئے الشیبانی' محمد بن الحسن' کتاب المخارج فی الحیل' (تصحیح = جوزف شاخت) لیپزگ 1930ء

(115) Schacht, J. Abu Yusuf. Encyclopaedia of Islam.

(New Edition) Leiden, E.J.brill. Volume I, Page 164.

(116) السرخسی' المبسوط' 30 / 209

(117) حاجی خلیفہ' کشف الظنون 1 / 695

(118) ایضاً - 2 / 1680

(119) محمد سلام مدکور - المدخل للفقہ الاسلامی' القاہرہ = 1380ھ / 302

(120) دیکھئے۔

ابو یوسف' یعقوب بن ابراہیم' کتاب الآثار' (تصحیح و تعلیق = ابو الوفاء الافغانی) بیروت = دار الکتب العلمیہ۔

(121) دیکھئے۔

ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، الرد علی سیر الاوزاعی (تصحیح و تعلیق ابو الوفاء الافغانی) حیدر آباد دکن، الہند۔ لجنۃ احیاء المعارف النعمانیۃ

(122) دیکھئے۔

ابو یوسف، یعقوب بن ابراھیم، اختلاف ابی حنیفۃ و ابن ابی لیلیٰ (تصحیح و تعلیق = ابو الوفاء الافغانی) مطبعۃ الوفاء= 1357ھ

(123) کارل بروکلمان، تاریخ الادب العربی۔ (نقلہ الی العربیۃ = الدکتور عبدالحلیم النجار) القاہرۃ، دار المعارف، طبع 1962ء 3/246

(124) دیکھئے۔

E. Faqnan livre de limpot foncier (Kitab-El-Kharadj)

paris, Librairie orientaliste paul geuthner, 1921 / II

(125) *Ibid*

(126) *A. Ben shemesh. Taxation in Islam - volume III, Leiden*

E.J. Brill, 1969

(127) نجات اللہ صدیقی، اسلام کا نظام محاصل (ترجمہ کتاب الخراج) کراچی، مکتبہ چراغ راہ، 1966ء

(128) دیکھئے۔

الکبیسی، احمد عبید الدکتور، مقدمۃ التحقیق۔ مفتاح الرتاج / ق

(129) الرحبی، عبدالعزیز بن محمد، فقہ الملوک و مفتاح الرتاج المرصد علی خزانۃ کتاب الخراج، (تحقیق = الدکتور احمد عبید الکبیسی)

بغداد۔ مطبعۃ الارشاد، 1973ء

(130) ابن خلکان، وفیات الاعیان، 6/ 388، الدیار بکری، تاریخ 2/ 332

ابن عبدالبر، الانتقاء، 173

السمنانی، ابو القاسم علی بن محمد، روضۃ القضاۃ مصر، مطبعۃ السعادۃ (سن اشاعت درج نہیں)

(131) الخطیب، تاریخ، 14/ 255، موفق کی، مناقب 2/ 242

(132) ابن قطلوبغا، ابو العدل زین الدین قاسم، تاج التراجم فی طبقات الحنفیۃ، طبع اول بغداد، مکتبۃ المثنیٰ، مطبعۃ العانی 1962ء طبع ثانی کراتشی۔ ایچ ایم سعید / 81

ابن ابی الوفاء ابو محمد عبدالقادر، الجواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ، حیدر آباد الدکن، مطبعۃ مجلس دائرۃ المعارف النظامیۃ، الطبعۃ الاولی 1332ھ، 2/ 222

عبدالحلیم الجندی ابو حنیفۃ، 108

(133) الخطیب، تاریخ 14/ 261

خطیب بغدادی نے لکھا ہے کہ جب ابو یوسف بستر مرگ پر تھے تو حضرت معروف کرخی نے اپنے ایک رفیق سے کہا کہ میں نے

سنا ہے' ابو یوسف زیادہ علیل ہیں' تم ان کی وفات کی خبر مجھ کو دینا' راوی کا بیان ہے کہ میں دار الرقیق کے دروازہ پر پہنچا تو ابو یوسف کا جنازہ نکل رہا تھا' دل میں کہا کہ اب اگر معروف کرخی کو خبر کرنے جاتا ہوں تو نماز جنازہ نہ ملے گی' چنانچہ نماز میں شریک ہو کر ان کے پاس پہنچا اور وفات کی خبر سنائی' ان کو سخت صدمہ ہوا' بار بار اناللہ پڑھتے تھے۔ میں نے کہا یا ابا محفوظ! آپ کو نماز جنازہ میں شریک نہ ہونے کا اس قدر صدمہ کیوں ہے؟ کہا میں نے خواب میں دیکھا کہ میں جنت میں داخل ہوا ہوں' دیکھتا ہوں کہ ایک محل تیار ہوا ہے' اس کا بالائی حصہ مکمل ہو چکا' پردے آویزاں کر دیئے گئے۔ غرض ہر طرح پورا ہو چکا' میں نے پوچھا یہ کس کے لئے تیار ہوا ہے' لوگوں نے کہا' ابو یوسف کے لئے ہے۔ میں نے کہا یہ مرتبہ انہوں نے کس طرح حاصل کیا۔ جواب ملا' اچھی تعلیم دینے اور اس کے شوق کے صلے میں' اور لوگوں نے انہیں جو اذیت پہنچائی' اس پر صبر کرنے کے صلے میں۔ (14 / 260' 261)

(134) ابن خلکان' وفیات الاعیان 6 / 389

(135) وکیع' محمد بن خلف بن حیان' اخبار القضاۃ' بیروت' عالم الکتب-3 / 257

ابن خلکان' وفیات الاعیان' 6 / 389' الشکعۃ' الائمۃ الاربعۃ / 216

(136) ابن البزاز الکردری' حافظ الدین محمد بن محمد بن شہاب' مناقب الامام الاعظم' حیدر آباد الدکن' مطبعۃ مجلس دائرۃ المعارف النظامیۃ' الطبعۃ الاولیٰ 1321ھ۔ 2 / 120

ابن العماد الحنبلی' ابوالفلاح عبدالحی' شذرات الذہب فی اخبار من ذہب' بیروت' دار احیاء التراث العربی' 1 / 301

(137) الخطیب' تاریخ-14 / 262

(138) اس وصیت کے لئے دیکھئے۔ الشرباصی' احمد' الائمۃ الاربعۃ موسسۃ دار الہلال / 43 تا 51

التمیمی' تقی الدین بن عبدالقادر' الطبقات السنیۃ فی تراجم الحنفیۃ' تحقیق عبدالفتاح محمد الحلو' الریاض' دار الرفاعی للنشر والطباعۃ' الطبعۃ الاولیٰ 1403ھ 1 / 160 تا 169

(139) الخطیب' تاریخ' 14 / 255' الذہبی' تذکرۃ الحفاظ' 1 / 267

(140) الخطیب' تاریخ' 14 / 256 تا 261

جلال الدین السیوطی نے تاریخ الخلفاء میں امام ابو یوسف کی طرف منسوب بعض حیلے نقل کئے ہیں۔ دیکھئے۔

السیوطی' عبدالرحمٰن جلال الدین' تاریخ الخلفاء (تحقیق - محمد محی الدین عبدالحمید) کراچی' نور محمد تجارت کتب' / 291

(141) الذہبی' تذکرۃ الحفاظ' 1 / 267' 268

(147) ابن حجر' احمد بن علی' تہذیب التہذیب' ملتان' عبدالتواب اکیڈمی' 11 / 334

(143) ابن حجر' احمد بن علی' تقریب التہذیب' لاہور' دار نشر الکتب الاسلامیہ' 386

(144) ابن حبان' محمد بن حبان بن احمد التمیمی' کتاب الثقات' حیدر آباد الدکن' مطبعۃ مجلس دائرۃ المعارف العثمانیۃ' الطبعۃ الاولیٰ 1401ھ۔ 7 / 646

(145) الخزرجی' حافظ صفی الدین احمد بن عبداللہ' خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال فی

اسماء الرجال (تحقیق - محمود عبدالوھاب) سانگلہ ہل' المکتبۃ الاثریہ' 3 / 180 / 181

(146) النووی' ابو زکریا محی الدین بن شرف النووی' تھذیب الاسماء واللغات' بیروت' دار الکتب العلمیۃ 2 / 273

(147) الیافعی' ابو محمد عبداللہ بن اسعد' مرآۃ الجنان و عبرۃ الیقظان فی معرفۃ ما یعتبر منہ حوادث الزمان' بیروت' موسسۃ الاعلمی للمطبوعات الطبعۃ الثانیۃ 1390ھ، 1 / 382-388

(148) ابن العماد الحنبلی' شذرات الذھب 1 / 298 تا 301

(149) ابن قتیبہ' ابو محمد عبداللہ بن مسلم' المعارف' کراچی' قدیمی کتب خانہ ص 218' 210

(150) الکوثری' حسن التقاضی / 36' 37

(151) النسفی' عبداللہ بن احمد' کشف الاسرار فی شرح المنار' بولاق - المطبعۃ الامیریۃ الکبری' الطبعۃ الاولی 1316ھ - 1 / 5

ابن الجوزی' ابو الفرج عبدالرحمٰن بن علی' المنتظم فی تاریخ الامم والملوک (دراسہ و تحقیق - محمد عبدالقادر عطا - مصطفیٰ عبدالقادر عطا) بیروت - دار الکتب العلمیۃ 9 / 75

ابن کثیر' البدایۃ والنھایۃ 10 / 180

الخطیب' تاریخ 14 / 253

(152) ابن البزاز الکردری' مناقب' 2 / 125'

(153) زاھد الکوثری' حسن التقاضی' 29

(154) الذھبی' ابو عبداللہ محمد بن احمد بن عثمان' میزان الاعتدال فی نقد الرجال' (تحقیق علی محمد البجاوی) سانگلہ ہل' المکتبۃ الاثریۃ' 4 / 447

(155) ابن حجر' احمد بن علی' لسان المیزان حیدر آباد الدکن' مطبعۃ مجلس دائرۃ المعارف النظامیۃ' الطبعۃ الاولی 1331ھ - 6 / 300

(156) ایضاً' 6 / 301

(157) الجوزجانی' ابو اسحاق ابراہیم بن یعقوب' احوال الرجال' سانگلہ ہل' المکتبۃ الاثریۃ' 77

(158) الخطیب' تاریخ' 14 / 255

(159) الدولابی' محمد بن احمد' کتاب الکنیٰ والاسماء' حیدر آباد الدکن' دائرۃ المعارف النظامیۃ' 1322ھ - 2 / 159' 160

(160) الجوزجانی' احوال الرجال' 77

(161) ابن حبان' کتاب الثقات' 7 / 646

(162) ابن حجر' لسان المیزان' 6 / 301

(163) الخطیب' تاریخ' 14 / 252

(164) محمد شبیر ارسلان' القضاء والقضاۃ' بیروت - دار الارشاد' الطبعۃ الاولیٰ' 1389ھ / 79' 80

(165) ابوزهره، محمد بن احمد، ابو حنیفة حیاته و عصره، آراوه و فقهه، دار الفکر العربی

(166) بیهقی، ابوبکر احمد بن حسین، مناقب الشافعی، (تحقیق السید احمد صقر) قاهرة مکتبة دار التراث، 1/ 143، 144

(167) ابن حجر، احمد بن علی، توالی التاسیس لمعالی محمد بن ادریس (حققه ابو الفداء عبداللہ القاضی) بیروت، دار الکتب العلمیة، الطبعة الاولی 1406ھ / 131

(168) ابن کثیر، البدایة والنهایة 10/ 182

باب دوم

امام ابو یوسف کے معاشی افکار کے منابع

فصول

فصل اوّل ـــــ اجتہادی مقام

فصل دوم ـــــ معاشی افکار کے منابع

فصل اوّل

اجتہادی مقام

امام ابو یوسف کے معاشی افکار کے مباحث پر بحث کرنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم آپ کے اجتہادی مقام کا تعین کریں تاکہ آپ کے افکار و نظریات کی قدر و قیمت کا صحیح ادراک ہو سکے۔

بعض علماء کا موقف یہ ہے کہ حنفی مذہب میں جملہ افکار و آراء کا اصل منبع امام ابو حنیفہ النعمان بن ثابت (م 150ھ / 767ء) ہیں۔ اس لئے یہ کہنا درست ہے کہ امام ابو یوسف کے افکار 'امام ابو حنیفہ کے اقوال سے ماخوذ ہیں۔ چنانچہ امام ابو یوسف کی طرف ایک قول یہ منسوب کیا جاتا ہے۔

ما خالفت ابا حنیفة فی شئی قط فتد برته الا رایت مذهبه الذی ذهب الیه انجی فی الآخرة(1)

علماء کی ایک جماعت نے یہ رائے بھی دی ہے کہ امام ابو یوسف مجتہد مطلق نہیں تھے بلکہ آپ مجتہد فی المذہب (یا مجتہد منتسب) تھے۔ آپ نے امام ابو حنیفہ کے وضع کردہ قواعد پر مسائل کا استنباط کیا ہے۔ گویا امام ابو یوسف نے اصول و قواعد میں اپنے استاذ کے ساتھ اختلاف نہیں کیا البتہ فروعات میں اپنے اجتہاد کی بناء پر مختلف آراء دی ہیں۔ چنانچہ اس گروہ نے آپ کا شمار دوسرے طبقہ میں کیا ہے۔ ان لوگوں میں ایک احمد بن سلیمان' ابن کمال (م 940ھ / 1534ء) ہیں۔ انہوں نے فقہاء کو سات طبقات میں تقسیم کیا ہے۔ اس تقسیم کو محمود بن سلیمان کفوی (م 1014ھ / 1606ء) نے اپنے طبقات "اعلام الاخیار من فقہاء مذہب النعمان المختار" میں اور السید احمد بن محمد' الطحطاوی (م 1231ھ / 1816ء) نے ابن کمال کے رسالہ "وقف بنات" سے مختصراً روایت کیا ہے۔ ابن کمال لکھتے ہیں۔

اعلم ان الفقهاء علی سبع طبقات - الاولی طبقة المجتهدین فی الشرع کالائمة الاربعة رضی الله عنهم و من سلک مسلکهم فی تاسیس قواعد الاصول و استنباط احکام الفروع عن الادلة الاربعة = الکتاب والسنة والاجماع والقیاس علی حسب تلک القواعد من غیر تقلید لاحد فی الفروع و لا فی الاصول - والثانیة - طبقة المجتهدین فی المذهب کابی یوسف و محمد و سائر اصحاب ابی حنیفة القادرین علی استخراج الاحکام من الادلة المذکورة علی مقتضی القواعد التی قررها استاذهم ابو حنیفة فی الاحکام و ان خالفوه فی بعض احکام الفروع لکن یقلدونه فی قواعد الاصول(2)

"جان لیجئے کہ فقہاء کے سات طبقات ہیں۔ پہلا طبقہ شریعت میں مجتہدین کا ہے جیسا کہ ائمہ اربعہ رضی اللہ عنہم جنہوں نے اپنے مسلک کی بنیاد ان اصول قواعد اور احکام فروع پر رکھی جو ادلہ اربعہ یعنی قرآن' سنت' اجماع اور

قیاس سے اخذ کیے گئے ان قواعد میں وہ کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے نہ فروع میں اور نہ اصول میں۔ اور دوسرا طبقہ مجتہدین فی المذہب کا ہے۔ مثلاً ابو یوسف و محمد اور امام ابو حنیفہ کے تمام شاگرد جنہوں نے ادلہ اربعہ سے ان قواعد کی بنیاد پر احکام اخذ کیے جو ان کے استاد ابو حنیفہ نے احکام میں مقرر کیے تھے۔ اگرچہ انہوں نے بعض احکام فروع میں ان کی مخالفت کی لیکن اصول قواعد میں وہ ان کی پیروی کرتے تھے۔"

ابو عبداللہ محمد بن ابی بکر' ابن قیم (م 751ھ / 1350ء) نے اپنی کتاب " اعلام الموقعین عن رب العالمین" میں یہی رائے پیش کی ہے۔(3)

حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ بالا دونوں آراء امام ابو یوسف کے صحیح مقام سے لاعلمی کا نتیجہ ہیں۔ سب سے پہلے ہم اس غلط فہمی کو دور کرنا چاہتے ہیں کہ مذہب حنفی صرف امام ابو حنیفہ کے اقوال کا نام ہے اور تلامذہ کی اپنی کوئی رائے نہیں ہے۔

یہ امر ذہن نشین رہے کہ فقہ حنفی کسی ایک مجتہد کی فقہ نہیں ہے بلکہ اس کے اخذ و تدوین میں ایک پوری جماعت کا حصہ ہے۔

امام ابو حنیفہ کی یہ جماعت شوریٰ چالیس افراد پر مشتمل تھی۔ طریق کار یہ ہوتا تھا کہ امام ابو حنیفہ ایک مسئلہ کو اپنے اصحاب کے سامنے پیش کرتے۔ تلامذہ گہرے غور و فکر کے بعد آزادانہ ماحول میں جواب دیتے پھر اس جواب پر بحث و تمحیص ہوتی کبھی امام صاحب ان کی رائے کے موافق ہوتے اور کبھی مخالف۔ پھر اس کی تدوین کا حکم دیتے۔ اسد بن فرات (م 213ھ / 828ء) نے اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے۔

كانوا يختلفون عند ابی حنيفة فی جواب المسالة فياتی هذا بجواب و هذا بجواب ثم يرفعونها اليه و يسالونه عنها فياتی الجواب من كثب ای من قرب و كانوا يقيمون فی المسالة ثلاثة ايام او اكثر ثم يكتبونها فی الديوان

(4)

"کسی مسئلہ کے جواب میں وہ (تلامذہ) ابو حنیفہ سے اختلاف کرتے۔ کوئی کچھ جواب دیتا' کوئی کچھ۔ پھر اس (مسئلے) کو آپ کے سامنے پیش کرتے اور اس کے بارے میں آپ سے پوچھتے۔ آپ فی الفور جواب دیتے ایک مسئلہ میں تین تین دن یا اس سے زائد عرصہ گزر جاتا پھر وہ اس کو دیوان میں لکھ لیتے۔"

الموفق بن احمد المکی (م 568ھ / 1172ء) اپنی کتاب "مناقب الامام الاعظم ابی حنیفة" میں 'امام ابو حنیفہ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

فوضع ابو حنيفة رحمه الله مذهبه شورى بينهم لم يستبد فيه بنفسه

دونهم اجتهادا منه فی الدین، و مبالغة فی النصیحة للّٰہ و رسوله والمومنین

(۲)

" آپ نے اپنے مسلک کی اساس اپنے تلامذہ کی شوریٰ پر رکھی اور اپنے آپ کو ان پر ترجیح نہ دیتے۔ ان پر اپنی رائے ٹھونستے نہ تھے۔ اس سے آپ کا مقصد دینی کاوش اور خدا اور رسول اور مومنین سے تعلق خلوص میں زیادہ سے زیادہ کوشاں رہنا تھا۔"

امام ابو یوسف نے قواعد کی تشکیل میں کافی کردار ادا کیا ہے۔ ہم کتب احناف میں کسی ایک فقہی مسئلہ کے بارے میں امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور دیگر ائمہ کی مختلف آراء دیکھتے ہیں۔ اور پھر مولف کسی ایک رائے کو ان الفاظ میں ترجیح دیتے نظر آتے ہیں۔ یعنی

" و علیه المذهب " " و علیه الفتویٰ " اور " و به ناخذ " امام ابو یوسف کے افکار کا بہ نظر غائر جائزہ لینے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ آپ کو نہ صرف کتاب و سنت کے نصوص کا کامل علم تھا بلکہ مسائل اجماعیہ سے بھی پوری واقفیت تھی۔ مزید بر آں علوم لسانی، ناسخ و منسوخ اور اس دور کے دیگر موجہ علوم سے آگاہی حاصل رکھنے کے ساتھ ساتھ غیر معمولی ذہین بھی تھے اور یہی خوبیاں ایک مجتہد میں ہونا ضروری ہیں۔

امام ابو یوسف کی فقہی بصیرت پر مختلف علماء کے اقوال دلالت کرتے ہیں۔ علی بن صالح (م 220ھ / 835ء) آپ کو "افقہ الفقہاء" کہتے ہیں۔ (۶) طلحہ بن محمد بن جعفر (م 215ھ / 830ء) کے نزدیک آپ اپنے زمانے کے سب سے بڑے فقیہ تھے۔ (7) شہاب الدین احمد بن حجر الھیتمی (م 974ھ / 1567ء) نے اپنی کتاب "الخیرات الحسان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفة النعمان" میں یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک آدمی نے کسی مسئلہ میں مشہور محدث وکیع بن الجراح (م 192ھ / 808ء) کے سامنے یہ الفاظ کہے کہ امام ابو حنیفہ نے خطا کی۔ حضرت وکیع نے اس کو تنبیہہ کی اور فرمایا۔

کیف یخطئی و عنده ائمة الفقة کابی یوسف و محمد (۸)

"وہ خطا کس طرح کر سکتے ہیں؟ جبکہ ان کے پاس ابو یوسف اور محمد جیسے فقہ کے امام ہیں"

امام ابو یوسف کی وہ آراء جن میں وہ امام ابو حنیفہ کے ساتھ موافقت رکھتے ہیں وہ محض تقلید کی بناء پر نہیں بلکہ ان کی آزادانہ سوچ کا نتیجہ ہیں۔ آپ اگر اپنے استاد کے ساتھ اتفاق کرتے تھے تو یہ اتفاق دلائل کی روشنی میں ہوتا تھا اور انہوں نے بہت سے مسائل میں امام صاحب سے اختلاف بھی کیا ہے۔ فقہ حنفی کے متعلق علماء کا خیال ہے کہ اس میں ایک تہائی مسائل امام ابو حنیفہ کے اپنے ہیں اور باقی دو تہائی صاحبین کی کاوش کا نتیجہ ہیں۔ ابو حامد محمد بن محمد الغزالی (م 505ھ / 1111ء) فرماتے ہیں۔

انهما خالفا ابا حنیفۃ فی ثلثی مذہبہ(9)

"ان دونوں نے دو تہائی مذہب میں ابو حنیفہ سے اختلاف کیا ہے"

امام ابو یوسف نے اپنے استاد کے ساتھ جو بہت سے مسائل میں اختلاف کیا ہے اس کے تین بڑے اسباب ہیں۔

(ا) مختلف محدثین سے ملاقات کر کے ان سے حدیث کا علم حاصل کیا۔ آپ نے ان احادیث سے استدلال کیا جو امام ابو حنیفہ کے زمانے میں مشہور نہ ہو سکیں۔

(ب) آپ نے مدینہ کا سفر کیا اور وہاں امام مالک بن انس (م 179ھ / 795ء) سے ملاقات کی۔ مختلف مسائل پر دونوں ائمہ کے درمیان بحث و مباحثہ ہوا۔ (10) اور اس کے نتیجے میں آپ نے ان بعض آراء سے رجوع کر لیا جن میں وہ پہلے امام ابو حنیفہ کے ساتھ متفق تھے۔ اس طرح امام ابو یوسف فقہ کے عراقی اور حجازی مکاتب فکر کے مابین کسی حد تک اتصال کا سبب بنے۔

(ج) قاضی القضاۃ کے منصب پر فائز ہونے کی وجہ سے آپ کو انفرادی زندگی کے مسائل اور عام معاملات کے علاوہ حکومت کے نظم و نسق اور مالیات عامہ کے پیچیدہ امور و مسائل کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔

محمد بن احمد ابو زہرہ (م 1394ھ / 1974ء) اپنی کتاب "اصول الفقہ" میں امام ابو یوسف کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"فابو یوسف لزم اهل الحدیث' و اخذ عنهم احادیث کثیرۃ لعل ابا حنیفۃ لم یطلع علیها' ثم هو قد اختبر القضاء و عرف احوال الناس' فصقل ما وافق فیه شیخه بصقل قضائی' و خالف شیخه متسلحا بما هداه الیه اختیاره للحکم والقضاء بین الناس"(11)

"پس ابو یوسف اہل حدیث کے ساتھ رہے اور ان سے بہت سی احادیث حاصل کیں۔ جو شاید ابو حنیفہ کو (اس حسن میں) معلوم نہ تھیں۔ پھر یہ کہ وہ قضاء کے عہدہ پر فائز کر دیئے گئے تھے اور لوگوں کے احوال سے واقف تھے۔ پس جن مسائل میں وہ اپنے استاد سے موافقت رکھتے تھے اپنے قضاء کے تجربہ سے انہیں مزید جلا دی۔ اور لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے تجربہ کی بناء پر بہت سے مسائل میں اپنے استاد سے اختلاف بھی کیا۔"

آپ نے اپنے بعض اجتہادات سے بعد میں رجوع کر لیا جن میں وہ امام ابو حنیفہ کے ساتھ موافقت رکھتے تھے۔ آپ کے مرجوع مسائل کو مفتی مہدی حسن نے امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے مرجوع مسائل کے ساتھ ایک رسالہ میں جمع کر دیا ہے۔

وہ علماء جو امام ابو یوسف کو مجتہد فی المذہب کہتے ہیں اور مجتہد مطلق کا مقام نہیں دیتے ان کی ایک دلیل یہ بھی ہے

کہ امام ابو یوسف نے اپنے استاد امام ابو حنیفہ سے علم حاصل کیا تھا اور بحیثیت شاگرد رشید ایک طویل عرصہ ان کی رفاقت میں گزارا۔ اس لئے وہ انہی کے اصول و قواعد کی پابندی کرتے رہے۔ ابو زہرہ نے اپنی کتاب اصول الفقہ میں اس دلیل کو بڑے خوبصورت انداز میں رد کیا ہے۔ ان کی طویل بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ جس منطق کی رو سے امام ابو یوسف کو مجتہد مطلق ماننے سے انکار کیا جاتا ہے وہی منطق امام ابو حنیفہ پر بھی صادق آسکتی ہے کیونکہ انہوں نے بھی تو اپنے استاد حماد بن ابی سلیمان (م 120ھ / 738ء) کے ذریعہ ابراہیم نخعی (م 96ھ / 715ء) کی فقہ سیکھی تھی اور اکثر مسائل میں ان سے اتفاق کرتے تھے۔ اگر یہ بات امام ابو حنیفہ کے مجتہد مطلق ہونے میں مانع نہیں ہے تو پھر امام ابو یوسف کے بارے میں اس کو کیوں اہمیت دی جائے۔(12)

بعض لوگوں کی یہ رائے بھی درست نہیں ہے کہ امام ابو یوسف نے اصول میں اختلاف نہیں کیا بلکہ فروع میں کیا ہے کیونکہ امام ابو حنیفہ کے دور میں اصول و قواعد مکمل صورت میں احاطہ تحریر میں نہیں آئے تھے کہ یہ کہا جائے کہ انہوں نے اپنے استاد کے اصولوں کی پیروی کی۔ اگر انہوں نے بعض اصولوں میں امام ابو حنیفہ کے ساتھ اتفاق کیا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ محض تقلید کی وجہ سے تھا بلکہ انہوں نے دلائل کے ذریعہ اتفاق کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ امام ابو یوسف نے بعض ایسے قواعد میں بھی امام ابو حنیفہ سے اختلاف کیا ہے جو اصول استنباط کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حنفی مذہب میں امام ابو یوسف کے اقوال امام ابو حنیفہ کے اقوال کے برابر تصور کئے جاتے ہیں۔ اکثر حنفی علماء نے یہ کہا ہے کہ عبادات میں ابو حنیفہ کے قول پر اور وقف و قضاء میں ابو یوسف کے قول پر فتویٰ دیا جائے۔ محمد امین ابن عابدین (م 1252ھ / 1836ء) لکھتے ہیں۔

الفتوی علی قول ابی یوسف فیما یتعلق بالقضاء لزیادة تجربته(13)

"قضاء کے معاملات میں ان کے زیادہ تجربہ کی بناء پر ابو یوسف کے قول پر فتویٰ دیا جائے گا۔"

اصول و قواعد میں اپنے استاذ کے ساتھ امام ابو یوسف کے اختلاف کے ضمن میں ابن عابدین 'امام الحرمین (ابو المعالی الجوینی 'عبد الملک بن عبداللہ (م 478ھ / 1085ء) کا قول نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

و قال امام الحرمین اری کل اختیار المزنی تخریجا فانه لا یخالف اصول الشافعی لا کابی یوسف و محمد فانهما یخالفان صاحبهما(14)

"اور امام الحرمین کا قول ہے کہ میں مزنی (15) کا ہر اختیار کردہ قول تخریج پاتا ہوں کیونکہ وہ امام شافعی کے اصول کے خلاف نہیں کرتے۔ ابو یوسف اور محمد کی طرح نہیں کہ وہ اپنے امام کے خلاف بھی کرتے ہیں۔"

ابن عابدین مجتہد مطلق ہونے کی توضیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

و اما المسائل التی قال بها ابو یوسف و نحوه من اصحاب الامام فکثیر منها مبنی

علی قواعد لهم خالفوا فیها قواعد الامام لانهم لم یلتزموا قواعده کلها کما یعرفه من له معرفة بکتب الاصول (16)

"اور وہ مسائل جن سے متعلق ابو یوسف اور دیگر اصحاب امام نے بات کی ہے تو ان میں سے بہت سے خود ان کے اپنے قواعد پر مبنی ہیں کہ جن میں انہوں نے امام کے قواعد کی مخالفت کی۔ کیونکہ انہوں نے امام کے تمام قواعد کا التزام نہیں کیا جیسا کہ کتب اصول سے واقفیت رکھنے والا شخص جانتا ہے۔"

ابو نصر عبد الوہاب بن علی' تاج الدین السبکی (م 771ھ / 1370ء) اپنی کتاب "طبقات الشافعیة الکبری" میں لکھتے ہیں۔

ان المزنی لا یخالف اصول الشافعی و انه لیس کابی یوسف و محمد فانهما یخالفان اصول صاحبهما (17)

"یہ کہ مزنی (امام) شافعی کے اصول کی مخالفت نہیں کرتے۔ اور وہ ابو یوسف و محمد کی طرح نہیں ہیں۔ وہ دونوں اصول میں بھی اپنے استاد کی مخالفت کرتے تھے۔"

ابو زید عبید اللہ بن عمر بن عیسیٰ' الدبوسی (م 430ھ / 1039ء) جو سمرقند و بخارا کے ایک عظیم فقیہ تھے۔ انہوں نے اپنی کتاب "تاسیس النظر" (18) میں بڑی شرح و بسط سے وہ اصول مختلفہ بیان کیے ہیں جو امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے مابین مختلف ہیں۔ ہم یہاں اپنے الفاظ میں ان کی طویل بحث کی صرف تلخیص بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

(1) امام ابو حنیفہ کے یہاں اصل یہ ہے کہ جب شئے غالب الوجود ہو تو اس کو موجود ہی کی طرح سمجھا جائے گا اگرچہ نفس الامر میں ابھی موجود نہ ہوئی ہو جبکہ امام ابو یوسف کے نزدیک اس کا نفس الامر میں موجود ہو جانا ضروری ہے اس کی مثال یہ ہے کہ اگر کوئی بچہ پندرہ برس کا ہو جائے اور ابھی آثار رشد ظاہر نہ ہوئے ہوں تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کا مال اس کے حوالہ کر دیا جائے گا لیکن امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ مال اس وقت تک نہیں دیا جائے گا جب تک کہ آثار رشد ظاہر نہ ہو جائیں۔

(2) امام ابو حنیفہ کے نزدیک اصل یہ ہے کہ جب اذن مطلق ہو تو وہ عرف کے ساتھ مخصوص نہیں ہوتا لیکن امام ابو یوسف کے نزدیک مختص بالعرف ہوتا ہے۔ مثلاً اگر موکل نے وکیل کو خرید و فروخت کی اجازت دی اور اس نے کوئی چیز فروخت کی تو اس کی فروخت جائز ہو گی چاہے جس قیمت پر بھی ہو کیونکہ اذن مطلق ہے لیکن امام ابو یوسف کے نزدیک یہ جائز نہ ہو گی۔

(3) امام ابو حنیفہ کے یہاں اصل یہ ہے کہ موجب عقد کی نفی جائز نہیں اور موجب شرط کی نفی جائز ہے۔ جبکہ امام

ابو یوسف کے نزدیک موجب عقد کی نفی بھی جائز ہے۔ مثلاً اگر کسی نے درزی سے یہ کہا کہ اگر تو نے یہ کپڑا آج ہی بنادیا تو ایک درہم ملے گا اور اگر کل بنایا تو نصف درہم ملے گا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک شرط اول جائز ہو گی اور شرط ثانی باطل کیونکہ شرط ثانی موجب عقد کی نفی ہے جو جائز نہیں۔ اب اگر درزی نے کپڑا کل بنایا تو اس کو اجرت مثل دی جائے گی امام ابو یوسف کا موقف یہ ہے کہ دونوں شرطیں جائز ہیں۔

(4) امام ابو یوسف کے یہاں اصل یہ ہے کہ جب اصل شے صحیح نہ ہو تو جو اس کے ضمن میں ہو وہ صحیح نہ ہو گی۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک اصل یہ ہے کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ جو شے کے ضمن میں ہو وہ ثابت ہو جائے اگرچہ خود شے صحیح نہ ہو مثلاً ایک شخص نے صبی محجور علیہ کے پاس کچھ مال ودیعت رکھا اور بچہ نے اس کو ضائع کر دیا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس پر ضمان نہ ہو گا کیونکہ یہاں گو عقد ودیعت صحیح نہیں مگر اس کے ضمن میں جو اس نے بچہ کو مال تلف کرنے پر مسلط کیا ہے وہ صحیح ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک ضمان واجب ہو گا کیونکہ جب عقد ہی صحیح نہیں جو اصل شے ہے تو جو اس کے ضمن میں ہے یعنی بچہ کو مال تلف کرنے پر مسلط کرنا وہ بھی صحیح نہیں۔

(5) امام ابو یوسف کے یہاں اصل یہ ہے کہ عقد موقوف میں جو چیز قبل از تمام عقد عارض ہو اس کو اس شے کی مانند نہیں کیا جاتا جو بوقت عقد موجود ہو۔ امام ابو حنیفہ کے یہاں اصل یہ ہے کہ عارض مذکور اسی کے مانند ہوتا ہے جو بوقت عقد موجود ہو۔ مثلاً ایک بچہ بالغ ہوا جس کے وصی نے اس کے لئے بشرط خیار کوئی چیز خریدی یا فروخت کی تھی تو امام ابو یوسف کے نزدیک بیع تام ہو گی اور خیار باطل ہو جائے گا۔ امام ابو حنیفہ اس کے خلاف ہیں۔

(6) امام ابو حنیفہ کے یہاں اصل یہ ہے کہ جب تسمیہ صحیح ہو تو مقتضیٰ تسمیہ کا اعتبار نہیں ہوتا اور اگر تسمیہ صحیح نہ ہو تو مقتضیٰ کا اعتبار ہوتا ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک دونوں صورتوں میں مقتضیٰ کا اعتبار ہوتا ہے۔ مثلاً ایک شخص نے بکریوں کا ایک گلہ اس طرح فروخت کیا کہ اس کی ہر بکری سو روپے میں ہے اور کل تعداد بیان نہیں کی تو عقد صحیح نہ ہو گا۔ پس یہاں مقتضیٰ یعنی جہالت کا اعتبار ہوا' اور اگر کوئی یہ کہے کہ میں نے تجھ سے یہ بکریاں جو ایک سو ہیں خرید لیں اس طرح کہ ہر بکری سو روپیہ میں ہے اور کل قیمت دس ہزار ہے اس کے بعد وہ بکریاں نوے ہوں تو بیع جائز ہو گی کیونکہ تسمیہ صحیح ہو چکا لہٰذا مقتضیٰ کا اعتبار نہ ہو گا اور عقد کو فاسد نہ کہیں گے۔ اگرچہ جہالت اس صورت میں بھی موجود ہے۔

(7) امام ابو حنیفہ کے یہاں اصل یہ ہے کہ مملوک جو کچھ کمائے یا اس کو کوئی چیز ہبہ کی جائے تو وہ کمائی اور موہوب چیز اس کے آقا کی ہوتی ہے خواہ اس کی ملک تام ہو یا ناقص ہو۔ نیز وہ مالک کے ضمان میں ہو یا غیر مالک کے ضمان میں ہو۔ امام ابو یوسف کے نزدیک اصل یہ ہے کہ اگر وہ مالک کے ضمان میں ہو۔ تو اس کی کمائی مالک کی ہو گی ملک تام ہو یا ناقص۔ اور اگر وہ غیر مالک کے ضمان میں ہو تو کمائی کی ملک موقوف ہو گی۔

(8) امام ابو حنیفہ کے نزدیک اصل یہ ہے کہ جب عقد میں ایسا قوی فساد داخل ہو جائے جو مجمع علیہ ہو تو وہ فساد کل معقود

علیہ میں ساری ہو جاتا ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک ایسا نہیں ہے۔ مثلاً اگر کسی نے نقد و ادھار بعوض دینار سونے کی ایک انگوٹھی خریدی جس میں جوہر کا نگینہ بھی ہے اور وہ بلا نقصان اس سے علیحدہ کیا جا سکتا ہے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک انگوٹھی اور جوہر دونوں میں عقد فاسد ہو گا۔ امام ابو یوسف کے نزدیک جوہر کے حصہ میں جائز ہو گا۔

(9) امام ابو حنیفہ کے یہاں اصل یہ ہے کہ مرتد کی ملک نفس ردۃ کی وجہ سے زائل ہو جاتی ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک اس وقت تک زائل نہیں ہوتی جب تک قاضی فیصلہ نہ کر دے۔ چنانچہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک مرتد کا وہ مال جو اس نے بحالت اسلام کمایا تھا میراث ہو گا کیونکہ نفس ردۃ کی وجہ سے اس کی ملکیت زائل ہو گئی اور ورثہ کی طرف منتقل ہو گئی اور جو مال اس نے ردت کی حالت میں کمایا ہے وہ فئی ہو گا۔ امام ابو یوسف کے نزدیک دونوں حالتوں کا مال ورثہ کا ہو گا کیونکہ قاضی جب تک فیصلہ نہ کرے اس کی ملکیت زائل نہیں ہوتی۔

(10) امام ابو حنیفہ کے نزدیک اصل یہ ہے کہ جب نص (یعنی قرآن و حدیث) سے کوئی چیز ثابت ہو جائے تو پھر عرف و عادت میں تبدیلی کی بناء پر اس میں رد و بدل نہیں کیا جا سکتا۔ امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ اگر نص کی بنیاد عرف و عادت پر ہو تو عادت میں تبدیلی کی بناء پر عرف کو ترجیح دی جائے گی۔ مثلاً اگر حاکم خراج میں اضافہ کرنا چاہے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کو اختیار نہیں۔ لیکن امام ابو یوسف کے نزدیک یہ جائز ہو گا۔(19)

اصول و قواعد میں اس اختلاف کی بناء پر امام ابو یوسف اور امام ابو حنیفہ کے مابین اسی نوعیت کے فروعی اختلافات شریعت کے ہر باب میں نظر آتے ہیں جس طرح کہ امام ابو حنیفہ اور ائمہ ثلاثہ (امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل) میں پائے جاتے ہیں۔ ایک تاتاری عالم دین ہارون شہاب الدین المرجانی (م 1306ھ) کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اگر ائمہ ثلاثہ کو امام ابو حنیفہ کے مقابلہ میں مجتہد مطلق کا درجہ دیا جاتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ امام ابو یوسف اور امام محمد کو اجتہاد مطلق کے منصب سے ہٹا کر مجتہد مقلد ٹھہرایا جائے۔ دیگر ائمہ کی فقاہت و اجتہاد اپنی جگہ مسلم اور ان کی جلالت شان اپنی جگہ ثابت لیکن امام ابو یوسف و امام محمد کے بارے میں یہ تاثر رکھنا کہ وہ ائمہ ثلاثہ سے کمتر تھے درست نہیں ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

و حالهم في الفقه ان لم يكن ارفع من مالك والشافعي و امثالهما فليسوا بدونهما(20)

"اور فقہ میں ان کی حیثیت یہ ہے کہ اگر وہ امام مالک، امام شافعی اور ان جیسے (ائمہ) سے بڑھ کر نہیں ہیں تو ان سے کمتر بھی نہیں ہیں۔"

امام ابو یوسف کے شاگرد(21) امام محمد کے بارے میں خود امام شافعی فرماتے ہیں۔

واللہ ما صرت فقيها الا بكتب محمد بن الحسن (يعني ازداد فقاهة واطلع

واطلع علی مسائل لم یکن مطلعا علیها فان محمدا ابدع فی کثیر (22)

"اللہ کی قسم میں محمد بن الحسن کی کتابوں سے تفقہ پا (یعنی فقاہت میں زیادہ ہوئے اور ایسے مسائل سے باخبر ہوئے جن سے پہلے آگاہی نہ تھی کیونکہ محمد بن الحسن نے بہت سے نئے مسائل نکالے۔"

ایک اور موقع پر آپ نے فرمایا۔

حملت من علم محمد بن الحسن و قر بعیر کتبا۔ و قال امن الناس علی فی الفقه محمد بن الحسن (23)

"میں نے محمد بن الحسن کے علم سے اونٹ کا بوجھ کتابوں کا حاصل کیا ہے۔ اور فرمایا فقہ میں لوگوں میں سب سے زیادہ احسان مجھ پر محمد بن الحسن کا ہے۔"

ایک موقع پر امام محمد کی عظمت بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

ما رایت اعلم بکتاب اللہ عز و جل من محمد بن الحسن کانه علیه نزل (24)

"میں نے محمد بن الحسن سے بڑھ کر کتاب اللہ کو زیادہ جاننے والا نہیں دیکھا ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے یہ کتاب انہی پر نازل ہوئی ہے۔"

ہارون شہاب الدین المرجانی کا خیال یہ ہے کہ امام ابو یوسف چونکہ امام ابو حنیفہ کے شاگرد تھے اس لئے خود کو تلمذاً امام ابو حنیفہ ہی کی طرف منسوب کرتے رہے اس لئے کسی مستقل مکتب خیال کی حیثیت سے ان کے نظریات و اجتہادات نے شہرت حاصل نہیں کی۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

و لو انهم لو لعوا ینشر آرائهم بین الخلق لکان کل ذلک منهبا منفردا عن مذهب ابی حنیفة (25)

"اور اگر یہ لوگ (یعنی صاحبین) بھی عام لوگوں میں اپنی آراء کی اشاعت کے گرویدہ ہوتے تو ان کا بھی ایک مستقل مذہب ابو حنیفہ کے مذہب سے جدا ہو جاتا۔"

انہوں نے امام ابو یوسف کا شمار اس طبقہ میں کیا ہے جس میں امام مالک امام شافعی اور امام احمد بن حنبل وغیرہ فقہاء ہیں اور جن کے مجتہد مطلق ہونے میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں۔ موصوف اپنی کتاب "ناظورۃ الحق" میں لکھتے ہیں۔

"اعلم ان المجتهد ضربان - احدهما المجتهد المطلق" و هو صاحب الملکة الکاملة فی الفقه' والنباهة و فرط البصیرة والتمکن من الاستنباط المستقل به من ادلته' کابی حنیفة و ابی یوسف و محمد و زفر و مالک والشافعی و احمد والثوری والاوزاعی" (26)

"جان لیجئے کہ مجتہد دو قسم کے ہیں۔ ان میں سے ایک قسم مجتہد مطلق کی ہے ان کو فقہ میں کامل دسترس حاصل ہوتی ہے۔ شہرت گہری بصیرت اور استنباط احکام میں ان کا بلند مرتبہ ہوتا ہے۔ ماخذ میں ان کے مستقل (قواعد) ہوتے ہیں۔ مثلاً ابو حنیفہ اور ابو یوسف اور محمد اور زفر اور مالک اور شافعی اور احمد اور ثوری اور اوزاعی۔

شبلی نعمانی 'محمد (م 1332ھ / 1914ء) اپنی کتاب "سیرۃ النعمان" میں لکھتے ہیں۔

"انصاف یہ ہے کہ امام صاحب کے بعض شاگرد خصوصاً قاضی ابو یوسف و امام محمد اس رتبہ کے عالم تھے کہ اگر امام ابو حنیفہ کی طبیعت سے الگ ہو کر مستقل اجتہاد کا دعویٰ کرتے تو ان کا جدا طریقہ قائم ہو جاتا اور امام مالک و امام شافعی کی طرح ان کے بھی ہزاروں 'لاکھوں مقلدین بن جاتے۔" (27)

اسلامی فقہ کے وہ جید علماء جنہوں نے اصول فقہ پر کتب تحریر کی ہیں ان کی بھی یہی رائے ہے کہ امام ابو یوسف مجتہد مطلق کے مقام پر فائز ہیں کیونکہ مجتہد مطلق کے لئے جن شرائط کا پایا جانا ضروری ہے وہ تمام امام ابو یوسف کی ذات میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ انہوں نے فروع اور اصول میں امام ابو حنیفہ کی تقلید نہیں کی۔ ابو بکر محمد بن احمد السرخسی (م 483ھ / 1090ء) لکھتے ہیں۔

"غیر ان تمام الفقه لا یکون الا باجتماع ثلاثة اشیاء - العلم بالمشروعات' والاتقان فی معرفة ذلک بالوقوف علی النصوص بمعانیها و ضبط الاصول بفروعها' ثم العمل بذلک' فتمام المقصود لا یکون الا بعد العمل بالعلم' و من کان حافظا للمشروعات من غیر اتقان فی المعرفه فهو من جملة الرواة' و بعد الاتقان اذا لم یکن عاملا بما یعلم فهو فقیه من وجه دون وجه' فاما اذا کان عاملا بما یعلم فهو الفقیه المطلق ۔ و هو صفة المتقدمین من ائمتنا - ابی حنیفة و ابی یوسف و محمد رضی الله عنهم" (28)

"سوائے اس کے کہ تمام فقہ تین چیزوں کے مجموعے کا نام ہے۔ شریعت کی رو سے جائز چیزوں کا علم' اس (علم) کی پہچان میں مفاہیم سمیت نصوص کو جاننے میں پختگی اور اس کی فروع کے ساتھ ساتھ اصول پر دسترس' پھر اس پر عمل پیرا ہونا۔ کیونکہ علم پر عمل کے بغیر پورا مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور جو مشروعات کا حافظ ہو لیکن گہری بصیرت نہ رکھتا ہو تو وہ محض راویوں میں سے ایک راوی ہو گا۔ اور (مشروعات) پر گہری بصیرت کے ساتھ اگر وہ اپنے علم پر عمل پیرا نہ ہو تو وہ صرف ایک طرح کا فقیہ ہے۔ لیکن اگر وہ اپنے علم پر عمل کرنے والا بھی ہو تو وہ فقیہ مطلق ہے۔ اور یہ صفت ہمارے پہلے ائمہ ابو حنیفہ 'ابو یوسف اور محمد رضی اللہ عنہم کی تھی۔"

ابو محمد علی بن احمد' ابن حزم (م 456ھ / 1064ء) بھی امام ابو یوسف کو مجتہد مطلق ہی قرار دیتے ہیں۔ آپ رقم

طراز ہیں۔

و اصحاب ابی حنیفۃ کابی یوسف القاضی و زفر بن الھذیل ۔ لانھم لم یستھلکوا فی التقلید' بل خالفوہ باختیارھم فی کثیر من الفقہ' فدخلوا من اجل ذلک فی جملۃ الفقھاء(29)

"اور ابو حنیفہ کے اصحاب مثلاً قاضی ابو یوسف اور زفر بن الہذیل ۔ وہ صرف تقلید ہی میں مشغول نہیں رہے بلکہ انہوں نے بہت سے فقہی مسائل میں اپنی مرضی و منشاء سے ان کی مخالفت بھی کی ہے۔ اس طرح انہوں نے اپنے آپ کو بڑے بڑے فقہاء میں شامل کرلیا۔"

استاذ علی الخفیف مذہب حنفی پر گفتگو کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

و انما نسب المذھب الی ابی حنیفۃ لانہ کان عمیدھم و استاذھم و ان کانوا جمیعا من اھل الاجتھاد المطلق یستوون فیہ(30)

"اور یہ کہ انہوں نے اس مذہب کو ابو حنیفہ کی طرف منسوب کیا اس لئے کہ وہ ان کے سردار اور استاذ تھے۔ اگرچہ وہ سب اجتہاد مطلق کے منصب پر فائز تھے اور اس میں برابر تھے۔"

ابو الحسنات محمد عبدالحی (م 1304ھ / 1887ء) لکھتے ہیں۔

انھما مجتھدان مستقلان (31)

"وہ دونوں مجتہد مستقل تھے۔"

مشہور مستشرق جوزف شاخت (J. Schacht) نے بھی اسی رائے کا اظہار کیا ہے۔(32)

مختصر یہ کہ امام ابو یوسف کے افکار کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ رائے قائم کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے کہ امام ابو یوسف کو مجتہد فی المذہب کہا جائے۔ یہ خیال کرنا گویا ان کو ان کے اصل مقام و مرتبہ سے محروم کرنا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ امام ابو یوسف کو اپنے استاد سے حد درجہ محبت تھی۔ ان کی جلالت شان اور ادب و احترام کی وجہ سے آپ انہی کے مذہب کی نشر و اشاعت کرکے اس کی تائید و نصرت کرتے رہے اس لئے راقم کے نزدیک اس گروہ کا موقف زیادہ قرین صواب ہے جو آپ کو مجتہد مطلق کا مقام دیتے ہیں۔ ہم اس بحث کو استاذ ابو زہرہ کے ان الفاظ پر ختم کرتے ہیں جو انہوں نے اپنی کتاب "اصول الفقہ" میں محمد بن الحسن الشیبانی کے بارے میں کہے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں۔

ان الانصاف والمنطق یوجبان ان نقول انہ لا محالۃ کان ھو و شیخہ ابو یوسف و زفر مجتھدین مطلقین لا یقلدون لا فی الفروع و لا فی الاصول(33)

"بے شک انصاف اور منطق' دونوں کی وجہ سے ہم کہیں گے کہ وہ (یعنی امام محمد) اور ان کے استاد ابو یوسف اور زفر مجتہد مطلق تھے۔ اصول و فروع میں کسی کے مقلد نہیں تھے۔"

فصل دوم

معاشی افکار کے منابع

امام ابو یوسف کو احکام و مسائل کا سامنا کرنے اور قضاء کو انجام دینے کی بناء پر اجتہاد و مسائل کی تفریع اور رائے میں توسع سے کام لینے اور لوگوں کے لئے آسانی پیدا کرنے کے زیادہ مواقع ملے مگر ان کا دارومدار دلائل نقلیہ و شرعیہ یعنی قرآن و سنت' اقوال صحابہ اور اجماع و قیاس ہی پر رہا۔ آپ وفات سے قبل اپنے رب کی بارگاہ میں یہ التجا کر رہے تھے۔

اللهم انک تعلم انی نظرت فی کل حادثة وقعت فی کتابک فان وجدت الفرج والانظرت فی سنة نبیک ۔ علیه السلام ۔ فان وجدت الفرج والانظرت فی اقاویل الصحابة(34)

"اے اللہ بے شک تو جانتا ہے کہ میں نے تیری کتاب میں ہر پیش آمدہ مسئلہ کو دیکھا۔ پس اگر اس کا حل تیری کتاب میں نہ پایا تو تیرے نبی کی سنت میں دیکھا۔ اگر اس میں بھی نہ پایا تو پھر صحابہ کے اقوال میں غور کیا۔"

اصول فقہ میں امام ابو یوسف کا منہج اور نقطہ نظر گو عموماً" اہل عراق اور اصحاب الرائے کے مکتب فکر کے مطابق ہے لیکن انہوں نے بہت سی ایسی احادیث کو جو ان کے معیار کے مطابق صحیح تھیں اور جن کو ان کے اصحاب نے تسلیم نہیں کیا تھا قبول کر لیا ہے۔ اس طرح ائمہ احناف میں امام ابو یوسف پہلے فقیہ ہیں جنہوں نے اصحاب الرائے اور اہل حدیث کے درمیان بعد کو کافی حد تک کم کر دیا۔

تاہم حدیث کی جانب اس میلان و التفات کے باوجود ان کا طریقہ اور منہج دراصل وہی ہے جو اہل الرائے کا تھا۔ اس لئے ان کے یہاں بھی اہل الرائے کی طرح عقلی دلائل استحسان' عرف وغیرہ کی بنیاد پر اجتہاد و رائے کی کثرت ہے بلکہ ان سے ایسے فتوے اور فیصلے بھی منقول ہیں جو ان کے اصحاب کے فتوؤں اور فیصلوں کے مقابلہ میں زیادہ آزادی اور وسعت پر مبنی ہیں۔ اس کا اندازہ ان مثالوں سے ہو جائے گا جن کو ہم آگے بیان کریں گے۔ ذیل میں ہم ان نقلی و عقلی دلائل کو مع امثلہ بیان کرتے ہیں جن پر امام ابو یوسف کے معاشی افکار کی بنیاد ہے۔

قرآن حکیم

فقہ اسلامی کا پہلا ماخذ کتاب اللہ ہے۔ اس کی اصطلاحی تعریف یہ کی گئی ہے۔

هو القرآن المنزل علی رسول الله صلی الله علیه وسلم المکتوب فی المصاحف' المنقول عن النبی صلی الله علیه وسلم نقلا متواترا بلا شبهة و هو النظم والمعنی (35)

"قرآن وہ ہے جو (محمد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر (خدا کی طرف سے) نازل ہوا۔ (اور جو) مصاحف میں لکھا ہوا ہے (اور جو) بغیر کسی شک و شبہ متواتر طور پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول چلا آ رہا ہے اور وہ الفاظ اور معانی (دونوں) کا مجموعہ ہے۔)"

قرآن حکیم کے بارے میں یہ امر ذہن نشین رہے کہ یہ اصطلاحی معنوں میں کوئی قانونی ضابطہ (Legal code) نہیں ہے۔ بلکہ یہ اسلامی قانون کا اصل الاصول ہے۔ اسلامی شریعت میں اس کی حیثیت وہی ہے جو ملکی قوانین میں دستور کی ہوتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن حکیم میں قانونی نوعیت کے کچھ اصول اور قواعد و ضوابط موجود ہیں اور چند مسائل میں قرآن نے بعض جزئیات کے احکام بھی بتائے ہیں لیکن قرآن کریم کا اصل مقصد بنی نوع انسان کو ایک ایسا طریق حیات دینا ہے جو بنی نوع انسان کے آپس میں اور بندے کے خالق کے ساتھ تعلق کو استوار کرے۔

قرآن حکیم کی متعدد آیات اس کے اولین ماخذ ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ یہاں صرف ایک آیت پیش کی جاتی ہے

إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ (36)

"یقیناً ہم نے آپ پر کتاب حق کے ساتھ اتاری ہے۔ تاکہ آپ لوگوں کے درمیان فیصلہ اس کے مطابق کریں جو اللہ نے آپ کو بتادیا ہے۔"

فقہائے کرام نے قرآن کے اسی حصہ سے بحث کی ہے جس کا تعلق فقہی احکام سے ہے اس غرض کے لئے انہوں نے قرآن حکیم سے استدلال اور استنباط احکام کے اصول مدون کئے۔

امام ابو یوسف کی وہ آراء جو اس ماخذ پر مبنی ہیں

ہم یہاں صرف دو مثالیں پیش کرنے پر اکتفا کریں گے۔

(1) جو بچہ بالغ ہو جائے لیکن کم عقل ہو اس کو مال سپرد کرنے کے بارے میں فقہاء کے مابین اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ پچیس برس کا ہو جائے تو اس کو اس کا مال سپرد کر دیا جائے گا اگرچہ اس سے سلیقہ ظاہر نہ ہو لیکن امام ابو یوسف کے نزدیک کم عقل بالغ کو اس وقت تک مال نہیں دیا جائے گا جب تک کہ وہ خوش سلیقہ نہیں ہو جاتا۔ (37)

امام ابو یوسف نے یہاں قرآن کی اس آیت سے استدلال کیا ہے۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا ... الخ (38)

"اور بے عقلوں کو ان کا مال جسے خدا نے تم لوگوں کے لئے سبب معیشت بنایا ہے مت دو۔"

(2) امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ عدل و انصاف کی حکمرانی اور معاشی ترقی لازم و ملزوم ہیں۔ (39) آپ نے یہاں قرآن حکیم ہی کی تعلیم کو پیش کیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُم بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ○ (40)

"اور اگر آپ فیصلہ کریں تو ان کے درمیان (قانون) عدل کے مطابق فیصلہ کریں۔ بے شک اللہ عدل کرنے

والوں سے محبت رکھتا ہے۔"

حدیث

لغت میں حدیث کے معنی خبر، بات یا گفتگو کے ہیں۔ علمائے اصول کی اصطلاح میں حدیث اس خبر کو کہتے ہیں جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی قول و فعل، تقریر یا صفت بیان ہو۔ اس تعریف کے لحاظ سے بعض محدثین کے نزدیک حدیث اور سنت مترادف ہیں۔ قرآن حکیم کے بعد حدیث و سنت دوسرا بڑا ماخذ قانون ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

وَ اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ۔ (41)

"اور ہم نے آپ پر یہ نصیحت نامہ اتارا ہے تاکہ آپ لوگوں پر ظاہر کردیں جو کچھ ان کے پاس بھیجا گیا ہے۔"

فہم حدیث میں امام ابو یوسف کا مقام

امام ابو یوسف نے فقہ کی تعلیم سے قبل حدیث کا علم حاصل کیا اور یہ سلسلہ امام ابو حنیفہ کی وفات کے بعد بھی جاری رہا۔ علم حدیث میں کثرت معلومات کی وجہ سے ہی آپ کو "کثیر الحدیث" "سریع الحفظ" اور "حافظ حدیث" کہا گیا ہے۔ یحییٰ بن معین (م 233ھ / 847ء) آپ کے بارے میں فرماتے ہیں۔

ما رأيت في اصحاب الرأي اثبت في الحديث و لا احفظ و لا اصح رواية من ابي يوسف (42)

"میں نے اصحاب رائے میں ابو یوسف کے مقابلہ میں علم حدیث میں پختہ، حدیث کا حافظ، اور صحیح روایت کرنے والا کسی کو نہیں دیکھا۔"

عمرو بن محمد الناقد (م 202ھ / 818ء) فرمایا کرتے تھے۔

ما احب ان اروي عن احد من اصحاب الرأي الا عن ابي يوسف فانه كان صاحب سنة (43)

"میں اصحاب الرائے سے روایت کرنا پسند نہیں کرتا سوائے ابو یوسف کے کیونکہ وہ صاحب سنت ہیں۔"

امام احمد بن حنبل (م 241ھ / 855ء) کہتے ہیں کہ جب میں نے علم حدیث حاصل کرنا چاہا تو سب سے پہلے امام ابو یوسف ہی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا تھا۔

اول ما طلبت الحديث ذهبت الى ابي يوسف القاضي (44)

"آغاز میں جب میں نے حدیث کا علم حاصل کرنا شروع کیا تو میں قاضی ابو یوسف کی خدمت میں حاضر ہوا۔"

امام ابو یوسف صرف حفظ حدیث ہی پر اکتفا نہیں کرتے تھے۔ بلکہ آپ احادیث کی تاویل و تفسیر کے بہت بڑے ماہر

تھے۔ سلیمان بن مہران الاعمش (م 148ھ / 765ء) ایسے جلیل القدر محدث نے حدیث کے بارے میں امام ابو یوسف کی دقت نظر پر مہر تصدیق ثبت کی ہے۔ امام ابو یوسف خود فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ اعمش نے مجھ سے ایک مسئلہ دریافت کیا۔ میں نے ان کو اس کا جواب دے دیا۔ انہوں نے مجھے کہا یہ مسئلہ تم نے کہاں سے نکالا ہے؟ میں نے کہا اسی حدیث سے جو آپ نے ایک موقع پر ہمارے سامنے بیان کی تھی۔ پھر میں نے ان کو وہ حدیث سنادی۔ یہ سن کر انہوں نے مجھ سے کہا اے یعقوب یہ حدیث تو مجھے تمہاری پیدائش سے بھی پہلے یاد تھی لیکن اس کا صحیح مفہوم میں آج تک نہیں سمجھ سکا تھا۔ (45) امام محمد بن الحسن الشیبانی جب اپنی تصانیف میں یہ کہتے ہیں کہ "اخبرنی الثقة" تو اس سے ان کی مراد امام ابو یوسف ہوتے ہیں۔ (46)

حدیث کے بارے میں امام ابو یوسف کا نظریہ

امام ابو یوسف کا موقف یہ ہے کہ حدیث قرآن کی تشریح و توضیح کے لئے بہت ضروری ہے۔ لیکن وہ کہتے ہیں کہ حدیث کی داخلی و خارجی حیثیت کو پرکھنے کے بعد ہی اس سے استدلال ممکن ہے۔ وہ اس بات کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہر بات کو آنکھیں بند کر کے قبول کر لیا جائے۔ چنانچہ امام ابو یوسف کا قول ہے کہ تین قسم کے علماء تین قسم کی خرابیوں سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔

(ا) جس نے فلسفہ کے ذریعہ دین کے عقائد حاصل کرنے کی کوشش کی وہ زندیق بنا۔

(ب) جس نے کیمیا کے ذریعہ مال طلب کیا وہ غریب و محتاج ہوا۔

(ج) جس نے بے سمجھے سوچے احادیث کو قبول کر لیا وہ جھوٹ میں مبتلا ہوا۔ (47)

امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں تقریباً چار سو احادیث کے حوالے دیئے ہیں۔ کتاب کے شروع میں ہارون الرشید بن محمد (مہدی) (170-193ھ / 786-809ء) کو نصیحت کرنے کے بعد وہ فرماتے ہیں۔

فانی قد اجتھدت لک فی ذلک و لم آلک والمسلمین نصحا ... و کتبت لک احادیث حسنة (48)

"آپ کی خاطر میں نے اس سلسلہ میں کافی محنت کی ہے اور آپ کی اور عام مسلمانوں کی خیر خواہی میں دقیقہ اٹھا نہیں رکھا ہے۔ اور میں نے آپ کے لئے کچھ اچھی احادیث بھی لکھ دی ہیں"

امام ابو یوسف کے نزدیک خبر واحد حجت ہے۔ آپ نے مرسل (49) حدیث کو بھی قبول کیا ہے۔ آپ کی تصنیف کتاب الآثار میں بہت سی مرسل احادیث نظر آتی ہیں۔ (50) قیاس اور خبر واحد میں تعارض کی صورت میں آپ خبر واحد کو مطلقاً ترجیح دیتے ہیں۔ (51) اگر کسی مسئلہ میں ان کو صحیح حدیث مل جاتی ہے تو قیاس کو ترک کرنے یا امام ابو حنیفہ

سے اختلاف کرنے میں ذرا بھی تامل نہیں ہوتا۔ ہم یہاں چند مثالیں پیش کرتے ہیں۔

مثالیں

(1) امام ابو یوسف نے مسئلہ "مصراۃ" میں حدیث کے مقابلہ میں قیاس کو ترک کر دیا۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من اشتری غنما مصراة فحتلبها فان رضیها امسکها وان سخطها ففی حلبتها صاع من تمر (52)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے "مصراۃ" بکری خریدی اور اسے دوھا تو اگر وہ اس معاملہ پر راضی ہے تو اسے اپنے لئے روک لے اور اگر راضی نہیں ہے تو (واپس کر دے اور) اس کے دودھ کے بدلہ میں ایک صاع کھجور دینا چاہئے۔"

امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ عیب نہیں اور مشتری (Purchaser) اسے رد نہیں کر سکتا لیکن امام ابو یوسف نے حدیث کے ظاہر پر عمل کیا ہے۔ ابو زکریا محی الدین یحیٰ بن شرف النووی (م676ھ / 1277ء) نے شرح صحیح مسلم میں امام ابو یوسف کا یہ مسلک تحریر کیا ہے۔(53)

(2) امام ابو حنیفہ کے نزدیک وقف "عاریت" کا درجہ رکھتا ہے۔ اس لئے واقف کو اپنی زندگی میں اس سے رجوع کرنے، دوسروں کو ہبہ کرنے یا فروخت کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے۔ ان کے نزدیک وقف اس وقت لازم ہوتا ہے جب حکم حاکم ہو جائے یا بذریعہ وصیت ہو۔(54)

لیکن امام ابو یوسف کا نظریہ یہ ہے کہ وقف کے الفاظ استعمال کرنے کے بعد ہی سے واقف کو رجوع کا حق حاصل نہیں رہتا۔ چنانچہ واقف شے موقوفہ کو ہبہ کر سکتا ہے، نہ فروخت کر سکتا ہے اور نہ اس میں وراثت جاری ہو سکتی ہے۔

(55)

امام ابو یوسف نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے یہ موقف اختیار کیا ہے، جو محدث ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی (م 279ھ / 892ء) نے باب "ماجاء فی الوقف" میں حضرت عمرؓ سے روایت کی ہے۔ اس حدیث میں وقف کے ضمن میں یہ الفاظ ملتے ہیں۔

لا یباع، ولا یوھب ولا یورث (56)

"نہ اسے فروخت کیا جائے گا، نہ اس کا ہبہ کیا جائے گا اور نہ اس میں وراثت چلے گی۔"

(3) احیائے موات کے ضمن میں امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ ضروری ہے کہ پہلے حکومت سے اجازت لی جائے۔(57)

لیکن امام ابو یوسف حدیث سے استدلال کرتے ہوئے یہ رائے دیتے ہیں کہ حاکم کی اجازت ضروری نہیں۔ حدیث کے

الفاظ یہ ہیں۔

من احیی ارضا میتة فھی له(58)

"یعنی جس نے کسی بنجر زمین کو آباد کیا۔ پس وہ اسی کی ہے۔"

اپنے استاذ سے اختلاف کرتے ہوئے امام ابو یوسف فرماتے ہیں۔

ان اذن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جائز الی یوم القیامة(59)

"یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی (دی ہوئی) اجازت قیامت تک جائز ہے۔"

(4) زمین کی پیداوار کی زکوۃ کے سلسلہ میں امام ابو حنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ پیداوار کم ہو یا زیادہ' عشر ہر صورت میں وصول کیا جائے گا۔ لیکن امام ابو یوسف کے نزدیک اگر پیداوار پانچ وسق (تقریباً 948 کلو گرام) سے کم ہو تو عشر واجب نہیں ہو گا۔

امام ابو یوسف نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال۔ لیس فیما دون خمسة اوسق من التمر صدقة(60)

"حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ پانچ وسق سے کم کھجور میں زکوۃ نہیں ہے۔"

(5) امام ابو حنیفہ کے نزدیک زمین کی ہر پیداوار پر عشر واجب ہے لیکن امام ابو یوسف کے نزدیک صرف ان اجناس پر عشر لیا جائے گا جو ذخیرہ کر کے رکھی جا سکیں۔ ان کے نزدیک ترکاریوں' پھلوں وغیرہ پر عشر نہیں۔ چنانچہ وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔

عن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لیس فی الخضروات صدقة(61)

(6) مال غنیمت کی تقسیم میں گھوڑوں کے حصہ کے مسئلہ میں بھی انہوں نے امام ابو حنیفہ کی رائے سے اختلاف کیا ہے۔ ان کی دی ہوئی قیاسی دلیل کا جواب دیا ہے اور انہوں نے جن احادیث سے استناد کیا ہے ان کے بالمقابل اپنی رائے کے حق میں دوسری حدیثیں نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ۔

و ما جاء من الاحادیث والآثار ان للفرس سھمین و للرجل سھما اکثر من ذلک و اوثق والعامة علیہ(62)

"اور جن احادیث و آثار میں گھوڑے کے لئے دو حصے اور آدمی کے لئے ایک حصہ مذکور ہے ان کی تعداد زیادہ ہے اور وہ اس حدیث سے زیادہ ثقہ ہیں اور اسی مسلک کو عام طور پر اختیار کیا گیا ہے۔"

(7) امام ابو یوسف کو جب کسی مسئلہ میں ایسی حدیثیں مل جاتی ہیں جو زیادہ مشہور اور مخالف مفہوم والی حدیثوں سے تعداد میں بھی زیادہ ہوں تو وہ ان کے مطابق رائے اختیار کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس کی ایک مثال پرتی زمینوں کے سلسلہ میں مزارعت اور مساقات کا معاملہ ہے۔ اس مسئلہ میں بھی انہوں نے امام ابو حنیفہ سے 'جن کے نزدیک یہ معاملہ ناجائز ہے اختلاف کیا ہے اور اپنے پہلے استاد محمد بن عبد الرحمٰن' ابن ابی لیلیٰ (م 148ھ / 765ء) کی رائے سے اتفاق کیا ہے جو اس کے جواز کے قائل ہیں۔ آپ کتاب الخراج میں لکھتے ہیں۔

انما الاحادیث التی جاءت عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی مساقاۃ خیبر لانھا اوثق عندنا واکثر واعم مما جاء فی خلافھا من الاحادیث (63)

"ہم نے ان احادیث کی پیروی کی ہے جو خیبر کی مساقاۃ کے سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں کیونکہ جو حدیثیں ان کے خلاف جاتی ہیں ان سے یہ احادیث ہماری نظر میں زیادہ قابل اعتماد' زیادہ عموم کی حامل اور تعداد میں بھی زیادہ ہیں۔"

اقوال صحابہؓ

صحابہ کرام کے اقوال کو اصطلاح میں آثار سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ اگرچہ بعض علماء نے اقوال صحابہؓ کے حجت ہونے میں اختلاف کیا ہے لیکن صحیح رائے یہی ہے کہ اقوال صحابہ دین میں حجت ہیں اور اس کے نقلی و عقلی دلائل موجود ہیں۔ ارشاد ربانی ہے۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ (64)

"اور جن لوگوں نے سبقت کی (یعنی سب سے) پہلے (ایمان لائے) مہاجرین سے بھی اور انصار میں سے بھی اور جنہوں نے نیکو کاری کے ساتھ ان کی پیروی کی خدا ان سے خوش ہے اور وہ خدا سے خوش ہیں۔"

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اصحابی کالنجوم فبایھم اقتدیتم اھتدیتم (65)

"میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں۔ ان میں سے جس کی پیروی کرو گے تو ہدایت ہی پاؤ گے۔"

خصوصاً خلفائے راشدین کے بارے میں آپ نے فرمایا۔

فعلیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المهدیین (66)

"پس تم پر میری اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت لازم ہے۔"

چونکہ صحابہ کرامؓ نے نزول وحی کا زمانہ پایا اور ان کے دل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے سرشار تھے اس لئے وہ شریعت کے احکام اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی منشاء و مراد سے سب سے زیادہ واقف اور اس کو سمجھنے والے تھے اس لئے ان کے اقوال و افعال بھی حجت ہیں۔

اقوال صحابہؓ کے بارے میں امام ابو یوسف کا نظریہ

اقوال صحابہ کے بارے میں امام ابو یوسف کا موقف یہ ہے کہ اگر صحابی کا قول قرآن و سنت کے خلاف نہ ہو اور ایسے معاملات میں ہو جہاں اجتہاد اور رائے جاری نہ ہو تو اس صورت میں شرعی حجت ہے کیونکہ وہ مسئلہ جس کا تعلق نہ اور رائے سے نہ ہو اس کے بارے میں کوئی جلیل القدر صحابی اس وقت تک فتویٰ نہیں دے سکتا جب تک کہ اس کے پاس کوئی شرعی سند نہ ہو۔

اسی طرح اگر کسی عام ضرورت کے وقت کسی بڑے صحابی نے کوئی فتویٰ دیا ہو اور دیگر صحابہ نے اس کا انکار نہ کیا بلکہ وہ خاموش رہے ہوں تو یہ بھی امام ابو یوسف کے نزدیک شرعی حجت ہے کیونکہ یہ ایسے اجماع کے مانند ہے جسے سب لوگوں نے اپنی خاموشی کے ذریعے تسلیم کرلیا ہو۔(67)

امام ابو یوسف جب کسی مسئلہ میں اجتہاد کرتے اور اس میں صحابہ کرام کے اقوال بھی ہوتے تو ان میں سے کسی قول کا انتخاب کرتے۔ خاص طور پر انہوں نے حضرت علی بن ابی طالبؓ (م 40ھ / 661ء) حضرت عمر بن الخطابؓ (م 24ھ / 645ء)، حضرت عبداللہ بن عباسؓ (م 68ھ / 687ء) اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (م 32ھ / 653ء) کے اقوال و فتاویٰ سے استناد کیا ہے۔

امام ابو یوسف قول صحابی کو قیاس پر مقدم کرتے تھے۔ امام سرخسی لکھتے ہیں۔

> و ذکر ابوبکر الرازی عن ابی الحسن الکرخی رحمه الله انه کان یقول رای ابا یوسف یقول فی بعض مسائله - القیاس کذا الا انی ترکته للاثر و ذلک الاثر قول واحد من الصحابة فهذه دلالة بینة من مذهبه علی تقدیم قول الصحابی علی القیاس (68)

"اور ابو بکر الرازی نے ابو الحسن کرخی سے (نقل کرتے ہوئے) ذکر کیا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ میں نے ابو یوسف کو بعض مسائل میں یہ کہتے ہوئے دیکھا کہ قیاس اس طرح ہے لیکن میں اسے اثر کی وجہ سے چھوڑتا ہوں اور یہ

اثر (بعض اوقات) کسی ایک صحابی کا قول ہو تا۔ پس یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ابو یوسف کے مذہب میں صحابی کے قول کو قیاس پر فوقیت حاصل ہے۔"

قول صحابی کو قیاس پر مقدم کرنے کی مثال امام ابو یوسف کا وہ موقف ہے جو انہوں نے بصرہ کی اراضی کے بارے میں اختیار کیا۔ احیائے موات کے بعد متعلقہ اراضی پر عشر یا خراج عائد کرنے کے بارے میں امام ابو یوسف کا اصولی نظریہ تو یہ ہے کہ اس کا محل وقوع دیکھا جائے گا۔ اگر اس کا محل وقوع خراجی زمین کے متصل ہے تو یہ خراجی ہو گی۔ اگر عشری زمین کے قرب و جوار میں ہے تو یہ عشری ہو گی۔

امام ابو یوسف کے نزدیک بصرہ کی اراضی کے بارے میں قیاس یہ تھا کہ وہ خراجی ہو کیونکہ وہ خراجی اراضی کے قرب و جوار میں ہے لیکن چونکہ صحابہ کرام نے اس پر عشر مقرر کیا تھا تو ان کے اجماع کے پیش نظر قیاس کو ترک کر دیا۔ چنانچہ امام ابو یوسف کے نزدیک بصرہ کی ساری زمین عشری ہے۔ (69)

آثار صحابہؓ سے استدلال کی مثالیں

امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں کئی مقامات پر آثار صحابہ سے استدلال کیا ہے۔ ذیل میں چند ایک مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

(1) امام ابو حنیفہ اور ابن ابی لیلیٰ کے نزدیک سمندر سے نکالے جانے والے عنبر اور زیور بنانے کے لائق چیزوں میں خمس (5/1) واجب نہیں ہے۔ (70) لیکن امام ابو یوسف نے اپنے دونوں اساتذہ سے اختلاف کرتے ہوئے یہ رائے دی ہے کہ ان دونوں چیزوں سے خمس لیا جائے گا۔ آپ کتاب الخراج میں لکھتے ہیں۔

واما انا فانی اری فی ذلک الخمس واربعة اخماسه لمن اخرجه لانا قد روینا فیه حدیثا عن عمر رضی الله عنه ووافقه علیه عبدالله بن عباس فاتبعنا الاثر ولم نر خلافه (71)

"مگر جہاں تک میرا تعلق ہے، میرا خیال یہ ہے کہ اس میں خمس لیا جائے گا اور باقی 4/5 حصہ اس کے لئے ہے جس نے اسے نکالا ہو۔ (یہ رائے رکھنے کی) وجہ یہ ہے کہ اس باب میں ہم سے عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث بیان کی گئی ہے اور اس پر عبد اللہ ابن عباس نے عمر سے اتفاق رائے ظاہر کیا ہے۔ چنانچہ ہم نے اس اثر کا اتباع کیا ہے اور اس کے خلاف جانا مناسب نہیں سمجھا۔"

اس کے بعد امام ابو یوسف حضرت عمرؓ کے اس اثر کو نقل کرتے ہیں۔

(2) امام ابو یوسف کے نزدیک حاکم کو زمین پر خراج عائد کرتے وقت کمی بیشی کا اختیار حاصل ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے عمل سے استناد کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

ان عمر رضی اللہ عنہ جعل علی اہل السواد (72)

"یہ کہ حضرت عمرؓ نے باشندگان سواد کے سلسلہ میں یہ طرز عمل اختیار کیا تھا۔"

(3) مویشیوں پر زکوٰۃ کے ضمن میں امام ابویوسف کا فکر یہ ہے کہ محنت کرنے والے اونٹوں اور بیلوں میں صدقہ واجب نہیں۔ کتاب الخراج میں اپنے رائے پیش کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

و ھو قول علی رضی اللہ عنہ (73)

"اور یہی حضرت علیؓ کی رائے بھی ہے۔"

(4) مصارف زکوٰۃ کے ضمن میں اس بات پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بہت سے لوگوں کو تالیف قلب کے لئے زکوٰۃ دی جاتی تھی۔ لیکن اس امر میں اختلاف ہے کہ کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی یہ مد باقی ہے یا نہیں؟

امام ابویوسف نے حضرت عمرؓ کی رائے سے استدلال کرتے ہوئے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ اب یہ مد ساقط ہو گئی۔ (74) انہوں نے حضرت عمرؓ کے ان الفاظ سے استدلال کیا جو انہوں نے عیینہ بن حصن اور اقرع بن حابس کو کہے تھے۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یتا لفکما والاسلام یومئذ قلیل و ان اللہ قد اغنی الاسلام (75)

"بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم لوگوں کو تالیف قلب کے لئے دیتے تھے مگر وہ اسلام کی کمزوری کا زمانہ تھا اور (اب) بے شک اللہ تعالیٰ نے اسلام کو (تم جیسے لوگوں سے) بے نیاز کر دیا ہے۔"

اجماع

لغت میں اجماع کے معنی پختہ ارادہ کرنا اور کسی چیز پر متفق ہونا ہے۔ (76) اصطلاح شرع میں اس کی تعریف یہ کی گئی ہے۔

ھو اتفاق المجتھدین من ھذہ الامۃ فی عصر علی امر من الامور (77)

"وہ اس امت کے مجتہدین کا اتفاق ہے کسی بھی زمانہ میں امور مہمہ میں سے کسی امر پر۔"

اجماع کی حجیت کے دلائل قرآن و حدیث اور اقوال صحابہ سے ملتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے۔

وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا (78)

"اور جو شخص سیدھا راستہ معلوم ہونے کے بعد رسول کی مخالفت کرے اور مومنوں کے راستے کے سوا اور راستے پر چلے تو جدھر وہ چلتا ہے ہم اسے ادھر ہی چلنے دیں گے اور (قیامت کے دن) اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بری جگہ ہے۔"

اس ضمن میں ایک اہم روایت وہ ہے جسے مجمع الزوائد میں حضرت علیؓ سے نقل کیا گیا ہے۔ حضرت علیؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اگر کوئی ایسا معاملہ پیش آ جائے جس میں قرآن وسنت میں حکم نہ ہو تو کیا کروں؟ آپؐ نے فرمایا۔

شاوروا فیه الفقهاء والعابدین ولا تمضوا فیه رای خاصة(79)

"اس معاملہ میں فقہاء اور عابدین سے مشورہ کرلو اور اس میں کسی کی شخصی رائے نافذ نہ کرو۔"

حضرت عبداللہؓ بن مسعود کا یہ ارشاد بھی اجماع کے حجت ہونے پر شاہد ہے۔

مارآہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن(80)

"جس چیز کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے۔"

قرآن وحدیث کے ان واضح فرامین کی روشنی میں علماء کی اکثریت اجماع کو حجت شرعیہ تسلیم کرتی ہے۔ یعنی اس کے ذریعہ جو بات ثابت ہو اس پر عمل کرنا ہر مسلمان پر لازم ہے۔ البتہ ابراہیم بن سیار النظام (م 231ھ / 843ء) نے حجیت اجماع کا انکار کیا ہے۔ اور شیعہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اجماع کرنے والوں میں جب تک ائمہ معصومین میں سے کوئی ایک شامل نہ ہو اس وقت تک اجماع معتبر نہیں ہے۔(81)

اجماع، امام ابو یوسف کی نظر میں

امام ابو یوسف کے نزدیک اجماع کی دونوں اقسام (یعنی قولی و سکوتی) دین میں حجت ہیں۔ انہوں نے کتاب الخراج میں صحابہ کرام کے اجماع کو نقل کیا ہے آپ بعض اوقات فقہائے عراق کے اجماع سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ کتاب الخراج میں "وعلیه اصحابنا" اور "علیه فقهاؤنا" یا "علیه جماعة اهل العلم" کے الفاظ ملتے ہیں۔

امام ابو یوسف اس اجماع کو حجت تسلیم کرتے ہیں جس کے شرکاء قرآن وسنت کی گہری بصیرت رکھتے ہوں۔ اور وہ اہل بدعت سے نہ ہوں۔ علم و عمل سے عاری لوگوں کا اجماع آپ کے نزدیک حجت نہیں۔ اس کی دلیل ہمیں اس اختلاف سے ملتی ہے جو آپ نے ایک مسئلہ میں اجماع کے منعقد ہونے پر عبدالرحمن بن عمرو بن محمد الاوزاعی (م 157ھ / 774ء) کے ساتھ کیا ہے۔ الاوزاعی یہ رائے دیتے ہیں کہ جہاد میں گھوڑے کو مال غنیمت میں سے دو حصے

دیے جائیں گے لیکن اس کا اطلاق صرف عربی گھوڑے پر ہو گا۔ ترکی گھوڑے کو حصہ نہیں دیا جائے گا۔ کیونکہ ان کے نزدیک ترکی گھوڑا معروف نہیں ہے۔ پھر وہ اپنے موقف کی تائید میں کہتے ہیں کہ گذشتہ زمانے میں ائمہ اسلام ترکی گھوڑے کو حصہ نہیں دیتے تھے۔ امام ابویوسف اپنی کتاب "الرد علی سیر الاوزاعی" میں ان کی تردید کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

فما كنت احسب احدا يجهل هذا و لا يميز بين الفرس والبرذون و من كلام العرب المعروف الذى لا تختلف فيه العرب ان تقول = هذه الخيل و لعلها براذين كلها او جلها و يكون فيها المقاريف ايضا و مما يعرف نحن فى الحرب ان البراذين اوفق لكثير من الفرسان مين الخيل في لين عطفها و قودها و جودتها مما لم يبطل الغاية و اما قول الاوزاعى = " على هذا كانت ائمة المسلمين فيما سلف " فهذا كما وصف من اهل الحجاز او راى بعض مشائخ الشام ممن لا يحسن الوضوء و لا التشهد و لا اصول الفقه(82)

"میں نہیں سمجھتا تھا کہ کوئی شخص (یعنی امام اوزاعی) اس بات سے بھی بے خبر ہوں گے اور وہ فرس (گھوڑا) اور برذون (ترکی گھوڑا) میں فرق نہیں کریں گے۔ حالانکہ عرب کے معروف کلام' جس میں عرب (ذرہ بھر) اختلاف نہیں کرتے (اس طرح ہے) وہ بولتے ہیں کہ هذا الخیل (یہ گھوڑے ہیں) اور ہو سکتا ہے کہ وہ سب ترکی گھوڑے ہوں یا اکثر ان میں سے ترکی ہوں اور اس میں مرغ گھوڑے بھی شامل ہوں اور ہمیں معلوم ہے کہ لڑائی میں ترکی گھوڑے بہت سے (عربی) گھوڑوں کی نسبت' بڑی آسانی سے پھر جانے میں' اور آگے بڑھنے میں اور عمدگی میں برتر ہوتے ہیں اس طرح (عربی گھوڑوں) کی غرض پوری ہو جاتی ہے۔ باقی رہا امام اوزاعی کا یہ کہنا کہ "سلف (صالحین) میں مسلمانوں کے ائمہ کا نظریہ یہی تھا" ہو سکتا ہے کہ یہ اہل حجاز میں سے کسی کا وصف ہو۔ یا آپ نے مشائخ شام میں سے کسی ایسے شخص کو دیکھا جسے نہ اچھی طرح وضو کرنا آتا ہو' نہ تشہد سے آشنا ہو اور نہ اصول فقہ سے (اسے کوئی دلچسپی ہو)۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں امام ابویوسف نے انعقاد اجماع کا انکار کیا ہے کیونکہ یہ ان لوگوں کا خیال ہے جو علماء شمار نہیں ہوتے۔

مثالیں

(1) امام ابویوسف نے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ کسی شخص کا مال اس کی مرضی کے بغیر نہیں لیا جا سکتا۔(83) انفرادی

حق ملکیت کے بارے میں انہوں نے جو رائے دی ہے اس پر امت کے فقہاء کا اجماع ہے۔ ابو الولید محمد بن احمد ابن رشد (م 595ھ / 1199ء) اپنی کتاب "بدایۃ المجتہد و نہایۃ المقتصد" میں لکھتے ہیں۔

لا یحل مال احد الا بطیب نفس منہ کما قال علیہ الصلاۃ والسلام وانعقد علیہ الاجماع (84)

"کسی شخص کا مال اس کی خوش دلی کے بغیر حلال نہیں ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے اور اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔"

(2) وقف کے لازم ہونے کے سلسلہ میں امام ابو یوسف نے اپنے استاد امام ابو حنیفہ سے اختلاف کیا ہے۔ ان کی یہ اختلافی رائے صحابہ کرام کے اجماع سے ماخوذ ہے۔ امام ترمذی نے "جامع الترمذی" میں لکھا ہے کہ وقف کے لازم ہونے پر صحابہ کرام کا اجماع ہے۔ (85)

(3) امام ابو یوسف نے جزیرۃ العرب کی تمام زمینوں کو عشری قرار دیا ہے۔ عرب کی بعض زمینوں پر اصولاً" خراج ہونے کا اطلاق ہونا چاہئے اس لئے کہ قہراً" اور عنوۃ فتح ہوئی تھیں اور وہ زمینیں بدستور مالکان کے قبضہ میں رہیں۔ مثلاً مکہ مکرمہ کی زمین حسب دستور مالکان کے قبضہ میں رہی جس کا تقاضا یہ تھا کہ وہاں کی زمین خراجی ہو۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ کی زمین کو عشری قرار دیتے ہوئے اس سے عشر وصول کرایا۔ آپؐ کے بعد خلفائے راشدین نے بھی عرب کی تمام زمینوں کو عشری قرار دیا۔

امام ابو یوسف کے نزدیک اس بات پر صحابہ کا اجماع ہے کہ عرب کی تمام زمینیں عشری ہیں۔ آپ کتاب الخراج میں لکھتے ہیں۔

و اما الخوارج فانھم اخطاوا الحجۃ و جعلوا قری عربیۃ بمنزلۃ قری عجمیۃ و لم یاخذوا بما اجتمع علیہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و قول عمر و علی و من اجتمع من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھم احسن تاویلا و توفیقا من الخوارج (86)

"خوارج راہ راست سے بھٹک گئے اور انہوں نے عرب کی بستیوں کو وہی مقام دیا جو عجم کی بستیوں کو حاصل ہے۔ ان لوگوں نے اس بات کو اختیار نہیں کیا جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں کا اجماع ہو چکا ہے۔ اور جو کہ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کی رائے ہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جن صحابیوں کا اجماع ہے وہ تحقیق کرنے اور توفیق پانے دونوں اعتبار سے خوارج سے بہتر تھے۔"

(4) امام ابو یوسف کے قول کے مطابق بصرہ کی زمین خراجی ہونی چاہئے اس لئے کہ بصرہ ایک نئی آبادی ہے۔ مسلمانوں

نے وہاں کی زمین کو امام وقت کی اجازت سے قابل کاشت بنایا اور وہ خراجی زمین سے متصل بھی ہے۔ لیکن صحابہ کرام نے بصرہ کی زمین کو عشری قرار دیا۔ اس لئے اجماع کی وجہ سے قیاس کو ترک کر دیا گیا۔ ابو بکر بن مسعود الکاسانی (م 587ھ / 1191ء) لکھتے ہیں۔

و قیاس قول ابی یوسف ان تکون البصرة خراجیة لانها من حیز ارض الخراج و ان احیاها المسلمون الا انه ترک القیاس باجماع الصحابة رضی الله عنهم حیث وضعوا علیها العشر (87)

قیاس

لغت میں اس کے معنی تقدیر (اندازہ لگانے) کے ہیں۔ کہا جاتا ہے "قست الارض بالقصبة" (میں نے زمین کو ناپنے کی لکڑی سے ناپا) لغوی اعتبار سے قیاس میں اصل اور فرع کے درمیان "تساوی" ضروری ہے۔ نیز یہ بھی ضروری ہے کہ اصل اور فرع کے درمیان اصل کے حکم سے جو علت مستنبط ہو رہی ہے ان کے مابین استواء ہو۔ (88)

مختلف علماء نے قیاس کی تعریف کا تعین کیا ہے لیکن راقم الحروف کی رائے میں ابو زہرہ کی تعریف جامع ترین ہے۔ لکھتے ہیں۔

بانه الحاق امر غیر منصوص علی حکمه بامر آخر منصوص علی حکمه للاشتراک بینهما فی علة الحکم (89)

"یعنی علت حکم میں مشارکت کے باعث امر غیر منصوص کا حکم امر منصوص کے مطابق بیان کیا جائے۔"

قیاس کا مرتبہ اگرچہ کتاب و سنت اور اجماع کے بعد ہے لیکن یہ اپنے دائرہ اثر کے لحاظ سے اجماع کے مقابلہ میں کہیں زیادہ وسیع ہے۔ کیونکہ اجماعی مسائل عملاً محدود اور معدودے چند ہیں۔ بخلاف قیاس کے کہ اس میں تمام مجتہدین کا اتفاق شرط نہیں بلکہ ہر مجتہد کتاب و سنت میں اپنی بصیرت سے کام لیتے ہوئے ہر ایسے مسئلہ میں قیاس کرتا ہے جس کا کوئی حکم کتاب و سنت میں موجود نہ ہو اور نہ اس کے کسی حکم پر اجماع ہو چکا ہو۔

النظام معتزلی' داؤد ظاہری اور کچھ شیعہ فرقوں نے قیاس کی حجیت کا انکار کیا ہے۔ (90) لیکن جمہور علماء اس کے قائل ہیں اور اس ضمن میں ان کے پاس قرآن و سنت اور صحابہ کرام کے عمل سے کثیر دلائل موجود ہیں۔ ارشاد ربانی ہے۔

فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ ۔ (91)

"پھر اگر تم میں باہم اختلاف ہو جائے کسی چیز میں تو اس کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف پھیر دیا کرو۔"

حدیث معاذؓ میں جس اجتہاد کا ذکر ہے اس سے یہی قیاس ہی مراد ہے۔

قیاس' امام ابو یوسف کے فکر میں

دیگر ائمہ احناف کی طرح امام ابو یوسف کے فکر میں بھی قیاس کی مثالیں کثرت سے ملتی ہیں۔ قرآن و سنت اور آثار صحابہ میں اگر کسی مسئلہ کا حل نہ ملتا ہو تو آپ اجتہاد فرماتے۔ آپ کی دو مطبوعہ تصانیف "کتاب الخراج" اور "الرد علی سیر الاوزاعی" میں قیاس کی مثالیں کثرت سے ملتی ہیں۔

امام ابو یوسف کے نزدیک مقیس علیہ کے لئے نص (کوئی آیت یا حدیث) ہونا ضروری نہیں۔ آپ قیاس سے ماخوذ حکم پر بھی قیاس کرتے ہیں۔ جس طرح کہ انہوں نے کتاب الخراج میں مزارعت کے مسئلہ میں دلیل دیتے ہوئے یہ کہا ہے کہ یہ معاملہ مضاربت کی طرح ہے۔ کیونکہ دونوں قسم کے معاہدوں (یعنی مزارعت اور مضاربت) میں نفع معلوم نہیں ہے۔ (92)

کتاب الخراج کے مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر آپ کے قیاس اور اقوال صحابہ کے مابین ظاہری تعارض نظر آتا ہے تو آپ اس کی وضاحت فرماتے ہیں۔ مثلاً امام ابو یوسف نے خلیفہ ہارون الرشید کو اہل خراج سے جس نسبت سے محاصل لینے کی تاکید کی وہ حضرت عمرؓ کی مقرر کردہ شرح سے کم تھی۔ چنانچہ آپ سے سوال کیا گیا کہ آپ نے حضرت عمرؓ کی شرح کو بدل کر اپنی طرف سے خراج کی شرحیں کیوں تجویز کی ہیں۔ آپ اس کے جواب میں لکھتے ہیں۔

ان عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ رای الارض فی ذلک الوقت محتملة لما وضع علیها و لم یقل حین وضع علیها ما وضع من الخراج ان هذا الخراج لازم لاهل الخراج و حتم علیها و لا یجوز لی و لمن بعدی من الخلفاء ان ینقص منه ولا یزید فیه (93)

"حضرت عمرؓ نے جب یہ محاصل عائد کئے تھے اس وقت آپ کی نظر میں زمین ان کو برداشت کرنے کے قابل تھی' لیکن یہ خراج عائد کرتے وقت آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ اہل خراج پر ہمیشہ اسی مقدار خراج کی ادائیگی لازم رہے گی اور میرے بعد آنے والے خلفاء کو اس میں کمی بیشی کا اختیار نہ ہوگا۔"

مثالیں

ہم یہاں امام ابو یوسف کی چند وہ آراء پیش کرتے ہیں جن میں آپ نے قیاس کیا ہے۔

(1) جمہور علماء کے نزدیک شہد پر عشر واجب نہیں۔ (94) کیونکہ اس ضمن میں تمام روایات سند کے لحاظ سے ضعیف

ہیں۔ امام ابو یوسف کے نزدیک شہد میں عشر ہے ان کا استدلال یہ ہے کہ شہد درختوں اور پھلوں سے حاصل ہوتا ہے اور یہ تولا جاتا ہے اور اس کا ذخیرہ ہو سکتا ہے۔ اس لئے قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ اس پر عشر واجب ہو۔

(2) امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں اقطاع پر بحث کرتے ہوئے خلیفہ کو یہ حق دیا ہے کہ وہ کسی کو زمین کا کوئی ٹکڑا بطور جاگیر دے۔ وہ زمین کو مال و دولت پر قیاس کرتے ہیں۔ چنانچہ کتاب الخراج میں رقم طراز ہیں۔

والارض عندی بمنزلۃ المال (95)

"اور زمین میرے نزدیک مال کی طرح ہے۔"

(3) موات زمینوں کی آبادکاری کے لئے امام ابو حنیفہ حکومت کی اجازت ضروری قرار دیتے ہیں۔ لیکن امام ابو یوسف نے احادیث کی روشنی میں یہ رائے قائم کی ہے کہ حکومت کی اجازت کے بغیر بھی موات زمینوں کو آباد کرنے والا مالک بن جاتا ہے وہ کہتے ہیں کہ ان کے موقف کی تائید قیاس سے بھی ہوتی ہے۔ مثلاً ایک شخص اگر سمندر یا نہر سے پانی لے لیتا ہے تو ایسا کرنے سے وہ مالک بن جاتا ہے۔ اگرچہ حاکم اس کو لینے کی اجازت نہ دے اور نہ اس کو اس کی ملک قرار دے۔ اسی طرح اگر ایک شخص شکار کرتا ہے تو وہ اس کی ملکیت ہو جاتا ہے۔ وہ حاکم کی اجازت کا محتاج نہیں ہوتا۔ وہ کہتے ہیں کہ یہی حال موات زمینوں کا ہے کہ ان پر کسی کی ملکیت نہیں ہے۔ لہٰذا اگر کوئی ایسی زمینوں کا کوئی ٹکڑا آباد کرے تو وہ اس کی ملکیت ہو جائے گا۔ (96)

استحسان

لغت میں اس کے معنی "بہتر خیال کرنا" (97) ہے۔ شرعی اصطلاح میں اس کو قیاس جلی کے مقابلہ میں قیاس خفی پر محمول کیا جاتا ہے۔ امام سرخسی اپنی کتاب "المبسوط" میں لکھتے ہیں۔

الاستحسان ترک القیاس والاخذ بما ھو اوفق للناس (98)

"استحسان قیاس کو چھوڑ کر لوگوں کے حالات سے موافقت رکھنے والے احکام کو اپنانے کا نام ہے۔"

دوسرے لفظوں میں استحسان اس دلیل شرعی کو کہتے ہیں جس کا مقصد قیاس کو چھوڑ کر ایسی راہ اختیار کرنا ہے جس کی عرف، مصلحت یا ضرورت و حاجت متقاضی ہو۔ استحسان کے جواز میں قرآن حکیم کی درج ذیل آیت پیش کی جا سکتی ہے۔

يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (99)

"اللہ تمہارے حق میں سہولت چاہتا ہے اور تمہارے حق میں دشواری نہیں چاہتا۔"

امام ابو یوسف اور استحسان

استحسان کا مفہوم ہم امام ابو یوسف کے اس قول سے بھی اخذ کر سکتے ہیں۔ کتاب الخراج میں فرماتے ہیں۔

القیاس کان ۔۔۔ الا انی لستحسنت (100)

"قیاس چاہتا تھا کہ ایسا ہو لیکن میں نے اسے بہتر جانا۔"

استحسان کی اصطلاح سب سے پہلے کس نے رائج کی؟ اس کا فیصلہ کرنا مشکل ہے۔ گولڈزیہر (Goldziher) کی رائے یہ ہے کہ استحسان جیسا تصور اور طرز عمل امام ابو حنیفہ سے پہلے بھی موجود تھا لیکن خاص استحسان کی اصطلاح کو سب سے پہلے امام ابو یوسف نے استعمال کیا ہے۔ (101) تاہم امام محمد متعدد مسائل میں استحسان کی اصطلاح کو امام ابو حنیفہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ (102)

امام ابو یوسف طریق استحسان پر عملدر آمد اور استحسان کی رو سے اخذ احکام کے باب میں بڑی شہرت رکھتے ہیں۔ استنباط استحسان کے باب میں ان کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ چنانچہ بکثرت مسائل ایسے ہیں جہاں اگر قیاس ظاہری کی بناء پر احکام کا اثبات کیا جاتا تو کئی الجھنیں پیدا ہوتیں۔ اس لئے مصلحت دینی اور داعیہ ضرورت کے پیش نظران معاملات میں ظاہری قیاس پر اصرار کرنے سے اعراض کرتے ہوئے انہوں نے استحسان کا طریقہ اختیار کر کے مسائل حل کئے ہیں۔ اور بڑے نادر استحسانی استنباط کے نمونے پیش کئے ہیں۔

آپ جب بھی قیاس سے انحراف کر کے استحسان کو اختیار کرتے ہیں تو کسی ذاتی رجحان یا رائے کی وجہ سے نہیں بلکہ بعض ایسے مضبوط اور ٹھوس دلائل کی بناء پر جن کی گنجائش قانون میں موجود ہوتی ہے۔

مثالیں

ہم یہاں استحسان کی چند مثالیں بیان کرتے ہیں تاکہ امام ابو یوسف کے بعض اقوال میں اس کے اثر کا اندازہ ہو سکے۔

(1) بیوی کے نان و نفقہ کا ذمہ دار شوہر ہے۔ اس لئے اگر شوہر کے سفر کا اندیشہ ہو تو امام ابو یوسف نے استحسان کی بناء پر عورت کو یہ حق دیا ہے کہ وہ ایک مہینہ کے نفقہ کے لئے شوہر سے سفر سے پہلے ہی کوئی کفیل مقرر کرالے۔ (103)

(2) اگر کوئی عورت مرض وفات میں مرتد ہو جائے تو قیاس ظاہر کی رو سے شوہر اس کا وارث قرار نہیں پاتا لیکن امام ابو یوسف نے بربنائے استحسان شوہر کو اس کی میراث کا حقدار ٹھہرایا ہے۔ (104)

(3) اجیر مشترک کو اگر کوئی چیز بننے کے لئے دی جائے اور اس کے پاس وہ چیز ضائع ہو جائے جس میں اس کا کوئی عمل دخل نہ ہو تو امام ابو حنیفہ کی رائے یہ ہے کہ اس سے تاوان نہیں لیا جائے گا۔ (105) کیونکہ وہ چیز جو تلف ہوئی ہے اجیر کے ہاتھ میں امانت تھی اور امانت کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ ضائع ہو جائے تو اس کا تاوان اس پر نہیں ہے۔

لیکن امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ اس سے تاوان لیا جائے گا۔(106) اس لئے کہ اس کے اوپر یہ ذمہ داری تھی کہ وہ اس چیز کی حفاظت کرے جس کو اس نے اپنے ذمہ اور قبضہ میں لیا ہے۔ قیاس کی رو سے تو یہی بات درست ہے کہ تاوان نہ لیا جائے لیکن امام ابو یوسف نے استحسان کی رو سے تاوان عائد کرنے کی رائے دی ہے تاکہ لوگوں کی چیزوں اور اموال کی حفاظت ہو سکے۔ اور اجیر اپنی ذمہ داری کا احساس کرے اور اپنے فائدہ کے لالچ میں دوسروں کا نقصان نہ کرے۔

(4) اگر کوئی آدمی کسی مزدور کے ذریعہ مسلمانوں کی عام راہ گزر میں کنواں کھدوائے اور اس کے لئے حکومت کی اجازت حاصل نہ کی گئی ہو۔ پھر اس کنوئیں میں کوئی آدمی گر کر ہلاک ہو جائے تو قیاس کی رو سے اس کی دیت کنواں کھودنے والے مزدور کے عاقلہ کے ذمہ ہونی چاہئے لیکن امام ابو یوسف استحسان کی رو سے دیت مستاجر کے عاقلہ کے ذمہ عائد کرتے ہیں۔ آپ کتاب الخراج میں قیاس کو ترک کرنے کی وجہ بتاتے ہوئے کہتے ہیں۔

فالقیاس ان یکون الضمان علی الاجیر، و لکنا ترکنا القیاس فی ذلک لان الاجراء لا یعرفون لتقادم ذلک فالضمان علی عاقلۃ المستاجر (107)

"پس قیاس کی رو سے اس کی ضمان مزدور کے سر ہونی چاہئے لیکن ہم نے اس مسئلہ میں قیاس کو نہیں اختیار کیا ہے کیونکہ جب اس (کنوئیں کی تعمیر) پر زیادہ عرصہ گزر جاتا ہے تو مزدوروں کا پتہ نہیں ملتا چنانچہ مرنے والے کی ضمان مستاجر کے عاقلہ کے ذمہ ہوگی۔"

(5) بازیافتہ اموال مسروقہ کے سلسلہ میں امام ابو یوسف کی رائے یہ ہے کہ اگر کوئی شخص یہ دعویٰ لے کر آئے کہ فلاں مال اس کا ہے اور وہ ثقہ، امانت دار اور راست باز ہو تو اسے وہ مال دے دیا جائے۔ البتہ اس سے اس بات کی ضمانت حاصل کر لی جائے کہ اگر بعد میں کوئی دوسرا فرد اس مال کا حقدار ثابت ہو گیا تو وہ اس کو واپس کر دے۔ قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ جب تک مدعی اپنے دعویٰ کا ثبوت فراہم نہ کرے اس کا دعویٰ تسلیم نہ کیا جائے۔ لیکن امام ابو یوسف استحسان کی رو سے ایسا کہتے ہیں۔ کتاب الخراج میں لکھتے ہیں۔

و ھذا استحسان لانہ ربما لا یمکن الرجل البینۃ علی متاع او مال انہ لہ و ھو فی نفسہ ثقۃ لیس ممن یدعی ما لیس لہ (108)

"اور یہ حکم بطور استحسان تجویز کیا جا رہا ہے کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کے لئے اپنے کسی سامان یا رقم کے سلسلہ میں اس بات کا ثبوت پیش کرنا ممکن نہیں ہوتا کہ وہ اس کی ملکیت ہے لیکن بذات خود وہ قابل اعتماد ہوتا ہے اور ان لوگوں میں سے نہیں ہوتا جو ملکیت کا جھوٹا دعویٰ لے کر کھڑے ہوں۔"

عرف

لغت میں عرف کے معنی "بلند اور نمایاں چیز" نیز "اچھا قول و عمل" کے ہیں۔ (109) (110) عادت کسی چیز کے بار بار ہونے

یا کرنے کو کہتے ہیں۔ یہ عود و معاودت سے ماخوذ ہے۔(111) اسی لئے کہا جاتا ہے "العادة طبيعة ثانية" یعنی عادت طبیعت ثانیہ ہے۔

فقہاء نے عرف و عادت کی جو تعریفیں متعین کی ہیں ان کے مطابق یہ دونوں الفاظ ہم معنی ہیں۔ ابو بکر احمد بن علی' الجصاص (م 370ھ / 981ء) "احکام القرآن" میں عرف کی تعریف یہ کرتے ہیں۔

والمعروف هو ما حسن فى العقل فعله و لم يكن منكرا عند ذوى العقول الصحيحة (112)

"اور معروف (عرف) وہ ہے جس کا کرنا عقلی طور پر پسندیدہ بھی ہو اور وہ عقل سلیم رکھنے والوں کے نزدیک ناپسندیدہ بھی نہ ہو۔"

زین العابدین بن ابراہیم' ابن نجیم (م 970ھ / 1562ء) نے اپنی کتاب "الاشباہ والنظائر" میں عادت کی یہ تعریف نقل کی ہے۔

العادة عبارة عما يستقر فى النفوس من الامور المتكررة المقبولة عند الطباع السليمة و هى انواع ثلثة العرفية والعامة كوضع القدم والعرفية الخاصة كاصطلاح كل طائفة مخصوصة والعرفية الشرعية كالصلوة والزكوة (113)

"عادت سے مراد وہ امور ہیں جو بار بار کے تعامل سے سلیم الفطرت لوگوں کے دلوں میں راسخ ہو جاتے ہیں اور مقبول ہو جاتے ہیں۔ اس کی تین قسمیں ہیں (ایک) عرفیت عامہ جیسے قدم رکھنے (کے معنی ہر شخص جانتا ہے)۔ (دوسرے) عرفیت خاصہ جیسے ہر گروہ کی مخصوص اصطلاحیں ہیں اور (تیسرے) عرفیت شرعیہ جیسے صلوۃ اور زکوۃ (کا لفظ ہے۔)"

اس قسم کا عرف اسلامی قانون سازی میں ایک ماخذ کی حیثیت رکھتا ہے۔ قرآن و حدیث میں اس کے باقاعدہ دلائل موجود ہیں۔ ارشاد ربانی ہے۔

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ۝ (114)

"درگزر اختیار کیجئے اور نیک کام کا حکم دیتے رہیے اور جاہلوں سے کنارہ کر لو۔"

قرآن حکیم کی بہت سی آیات احکام جو نکاح' طلاق' وصیت' رضاعت وغیرہ ایسے موضوعات سے متعلق ہیں اُن میں اللہ تعالیٰ نے معروف کا لفظ استعمال کیا ہے۔

قرآنی آیات کے علاوہ متعدد احادیث میں بھی معروف کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ امام بخاری نے اپنی "صحیح"

میں عرف سے متعلق ایک مستقل باب قائم کیا ہے۔ جس کا عنوان یہ ہے۔

"باب من اجری امر الامصار علی ما یتعارفون بینھم فی البیوع والاجارۃ والمکیال والوزن' و سننھم علی نیاتھم و مذاھبھم المشھورۃ"(115)

"خرید و فروخت' ٹھیکہ اور ناپ تول میں ہر شہر کے لوگوں کے عرف ان کے رسم و رواج' نیتوں' اور مشہور طریقوں پر حکم جاری ہوگا"

آپ نے اس باب میں یہ روایت نقل کی ہے۔

"عن عائشۃ رضی اللہ عنھا تقول (و من کان غنیا فلیستعفف و من کان فقیرا فلیاکل بالمعروف) انزلت فی والی الیتیم الذی یقیم علیہ و یصلح فی مالہ ان کان فقیرا اکل منہ بالمعروف"(116)

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے فلیاکل بالمعروف کی تفسیر میں فرمایا کہ یہ یتیم کے سرپرست کے بارے میں نازل ہوئی جو اس کی تربیت کرے اور اس کے مال کی دیکھ بھال کرے۔ اگر وہ تنگ دست ہو تو دستور کے مطابق اس کے مال میں سے کھالے۔"

اس حدیث کو بیان کرنے سے پہلے امام بخاری نے "ترجمۃ الباب" (باب کے عنوان) میں بعض آثار ذکر کئے ہیں۔ ان آثار کے ضمن میں حضرت شریحؒ (م 78ھ / 697ء) کا یہ قول نقل کیا ہے کہ آپ نے سوت فروخت کرنے والوں سے فرمایا کہ تمہارے رسم و رواج ہی کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا (سنتکم بینکم) (117)

استنباط احکام میں امام ابو یوسف نے جن شرعی اصولوں پر انحصار کیا ہے ان میں ایک عرف بھی ہے۔

امام ابو یوسف کی ایک خصوصیت

مجتہد میں جن شرائط اور اوصاف کا پایا جانا ضروری ہے ان میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ زمانے کے حالات اور رسم و رواج سے بخوبی آگاہ ہو۔

امام ابو یوسف عمیق علمی تجربہ اور وسعت نظر کے ساتھ ساتھ وسیع عملی تجربات بھی رکھتے تھے۔ انہوں نے فقہ کے اصول و مبادی کو امام ابو حنیفہ سے اور قضاء کے مبادی کو ابن ابی لیلیٰ سے حاصل کیا تھا اور اپنی قابلیت اور محنت و کاوش سے ان پر اضافے کئے۔ عہدہ قضاء اور حکومتی معاملات میں عمل دخل کی وجہ سے وہ زمانے کے بدلتے ہوئے حالات سے بخوبی واقف تھے۔ ابن عابدین فرماتے ہیں۔

یفتی بقول ابی یوسف فیما یتعلق بالقضاء لکونہ جرب الوقائع و عرف احوال الناس(118)

"وہ معاملات جو قضاء سے متعلق ہیں ان میں ابو یوسف کے قول کے مطابق فتویٰ دیا جائے گا اس لئے کہ انہیں نئے نئے حادثات اور واقعات کا تجربہ تھا اور وہ لوگوں کے حالات سے بخوبی واقف تھے۔"

نص خاص اور عرف میں تضاد کے بارے میں امام ابو یوسف کا موقف

امام ابو یوسف کی یہ خواہش تھی کہ احکام و مسائل کے اصل منشاء میں غور و فکر کر کے لوگوں کی عادات کے مطابق ان کے تعامل کو برقرار رکھا جائے۔ جمہور فقہاء تو نص خاص اور عرف میں تعارض کی صورت میں نص کو عرف پر ترجیح دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک خواہ عرف و عادت کتنے ہی بدل جائیں نص کا اتباع ضروری ہے کیونکہ نص عرف و عادت اور اجتہاد وغیرہ سے زیادہ اہم اور مقدم ہے اور نص کی موجودگی میں اجتہاد کا سرے سے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ویسے تو امام ابو یوسف کا موقف بھی یہی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے ایک استثنائی صورت کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ آپ کی رائے یہ ہے کہ کتاب و سنت کی بعض نصوص عرف پر مبنی ہیں۔ یعنی اس زمانے میں جو عرف تھا اس کے حکم کے بارے میں نص وارد ہوئی اور اس قسم کی نص کو "النصوص العرفیہ" میں شمار کیا جاتا ہے اس قسم کی نصوص کے بارے میں امام ابو یوسف کا نظریہ یہ ہے کہ اگر بعد ازاں کسی زمانے میں عرف تبدیل ہو جائے تو پھر اس حکم میں بھی تبدیلی آجائے گی۔ اور اس کا حکم نئے عرف کے مطابق نافذ ہو گا۔ اور اس سے مراد یہ نہیں کہ نص کو ترک کر دیا گیا ہے۔ (۱۱۹)

دوسرے الفاظ میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ امام ابو یوسف کا نظریہ یہ ہے کہ زمان و مکان کے اختلاف اور حالات کی تبدیلی سے اجتہادات، احکام اور فتووں میں بھی تغیر و تبدل ہو جاتا ہے اور اس کا سبب علت یا عادت کی تبدیلی یا ضرورت و مصلحت کا تقاضا ہوتا ہے۔ ابو الحسن علی بن الحسین، المسعودی (م 346ھ / 957ء) نے اپنی کتاب "مروج الذھب" میں اور خطیب بغدادی نے "تاریخ بغداد" میں ایک واقعہ نقل کیا ہے۔ جس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ امام ابو یوسف کے نزدیک زمان و مکان کے اختلاف اور حالات و عادات کی تبدیلی کی وجہ سے احکام میں بھی تغیر و تبدل ہو جاتا ہے۔

"ام جعفر (ہارون الرشید کی بیوی، اصل نام امۃ العزیز، لقب زبیدہ م 216ھ / 831ء) نے ایک مسئلہ کے بارے میں امام ابو یوسف سے استفسار کیا۔ آپ نے شریعت کے مطابق اور اپنے اجتہاد کی رو سے جو فتویٰ دیا وہ اتفاق سے اس کی خواہش کے مطابق تھا۔ اس کے صلہ میں اس نے ایک گرانقدر ہدیہ جس میں سونا، چاندی، گھوڑے اور درہم و دینار بھی تھے۔ امام صاحب کے پاس بھیجا۔ حاضرین مجلس میں سے ایک آدمی نے کہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس شخص کو ہدیہ ملے تو اس کے ہم نشین بھی اس میں اس کے شریک ہوتے ہیں۔ امام ابو یوسف نے برجستہ جواب دیا کہ یہ ارشاد نبوی اس موقع کے لئے تھا جب لوگوں کے پاس دودھ اور کھجوریں ہدیہ میں آتے تھے اور اب وہ عادت جس پر

اس حدیث کی بنیاد تھی اور جس میں اس کا لحاظ کیا گیا تھا بدل چکی ہے۔ اب لوگوں کے بدیے سونا اور چاندی وغیرہ ہوتے ہیں لہٰذا اب ہدیہ میں حاضرین کا حصہ ضروری نہیں رہا۔" (120)

یعنی امام ابو یوسف اپنے شعور (Common Sense) کو استعمال کرتے ہیں۔ عرف کی تبدیلی کی وجہ سے احکام میں تغیر و تبدل کی ایک عمدہ مثال امام ابو یوسف کا وہ نظریہ ہے جو انہوں نے سونا' چاندی' گندم' جو اور کھجور کے باہمی مبادلہ (Mutual exchange) اور قرض لینے دینے کے بارے میں اختیار کیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

الذهب بالذهب والفضة بالفضة والبر بالبر والشعير بالشعير والتمر بالتمر والملح بالملح مثلا بمثل سواء بسواء يدا بيد فاذا اختلفت هذه الاصناف فبيعوا كيف شئتم اذا كان يدا بيد (121)

"سونا سونے کے بدلہ میں' چاندی' چاندی کے بدلہ میں' گندم' گندم کے بدلہ میں' جو' جو کے بدلہ میں' کھجور' کھجور کے بدلہ میں اور نمک' نمک کے بدلہ میں برابر برابر اور دست بدست بیچا جائے۔ پس جب اجناس مختلف ہوں تو جس طرح چاہو فروخت کرو لیکن بیع دست بدست ہو۔"

اس حدیث کی روشنی میں جمہور فقہاء کی رائے یہ ہے کہ جس زمانے میں بھی ان چیزوں کا مبادلہ ہوگا یا یہ چیزیں قرض میں لی یا دی جائیں گی تو تول کر یا ناپ کر' مثلاً آپ نے سونے اور چاندی کو تول کر اور بقیہ چیزوں کو ناپ کر مبادلہ کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ اس لئے اب جب بھی ان چیزوں کا مبادلہ ہوگا تو ہم مثل برابر اور دست بدست ہونے کے ساتھ ناپنے والی چیزوں کو ناپ کر مبادلہ ہوگا اور وزن کرنے والی چیزوں کا وزن کر کے مبادلہ ہوگا خواہ وہ چیزیں جو آپ کے زمانے میں تول کر فروخت ہوتی تھیں' ناپ کر فروخت ہونے لگیں۔ اور جو ناپ کر فروخت ہوتی تھیں وہ تول کر بکنے لگیں۔ ان کے نزدیک ان منصوص اشیاء میں مبادلہ کی کوئی دوسری صورت ممکن ہی نہیں ہے۔

لیکن امام ابو یوسف کی رائے یہ ہے کہ تمام قابل مبادلہ' قابل قرض اور قابل فروخت چیزوں میں اعتبار عرف کا کیا جائے گا۔ یعنی خرید و فروخت اور مبادلہ میں جو طریقہ بھی عام طور پر رائج ہوگا اس کے مطابق ہم جنس چیزوں کا مبادلہ ہوگا۔ اس طرح وہ چیزیں۔ جن کے بارے میں حدیث موجود ہے ان کے مبادلہ میں بھی عرف ہی کا اعتبار کیا جائے گا۔

وہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں گندم اور جو کیلی چیزوں میں سے تھے اور ان کو پیمانہ سے ناپ کر فروخت کیا جاتا تھا جس کا ذکر احادیث میں اسی حیثیت سے موجود ہے۔ لیکن اب ہمارے زمانے میں اختلاف عادت کی وجہ سے یہ وزنی چیزوں میں شامل ہیں اور ان کو تول کر فروخت کیا جانے لگا ہے۔ اس لئے نص شرعی کے مقابلہ میں اس نئی علت اور موجودہ صورت حال کا لحاظ کیا جائے گا۔ کیونکہ عادت ہی دراصل نص کی علت اور اس کی مطابقت کی شرط

تھی۔ اور اب جب کہ علت میں تبدیلی ہو گئی تو اس حکم میں بھی جو اس علت پر مبنی تھا مطابقت کی شرط باقی نہیں رہی۔

امام ابو یوسف کی رائے پر بعض لوگوں نے یہ سمجھ کر اعتراض کیا تھا کہ اس سے ترک نص لازم آتا ہے۔ اور ربوٰ کے جواز کی بھی صورت پیدا ہوتی ہے۔ ان لوگوں کا جواب دیتے ہوئے ابن عابدین لکھتے ہیں۔

حاشا اللہ ان یکون مراد ابی یوسف ذلک ـ فلیس فی اعتبار العادۃ المتغیرۃ الحادثۃ مخالفۃ للنص بل فیہ اتباع النص ـ فاللہ تعالی یجزی الامام ابایوسف عن اھل ھذا الزمان خیر الجزاء فقد سد عنھم بابا عظیما من الربا (122)

"اللہ کی پناہ کہ ابو یوسف کی مراد اس سے یہ ہو۔ نئی اور بدلنے والی عادت کے اعتبار اور لحاظ کرنے سے نص کی مخالفت نہیں ہوتی بلکہ اس سے نص کا اتباع ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اہل دنیا کی طرف سے امام ابو یوسف کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے سود کے بہت بڑے دروازے کو لوگوں کے لئے بند کر دیا۔"

حقیقت بھی یہی ہے کہ امام ابو یوسف کی رائے پر عمل کرنے سے نص میں تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔ دیگر ائمہ کی طرح ان کے نزدیک بھی نص نہایت مقدس اور قابل احترام ہے۔ احکام میں تبدیلی کے سلسلہ میں ان کے پیش نظر نص ہی کا اتباع ہے۔

امام ابو یوسف کی اس رائے کو فقہائے احناف میں ابن ہمام اور سعدی آفندی وغیرہ نے ترجیح دی ہے اور تعامل پوری امت کا اسی پر ہے۔ فقہ کی تمام اہم کتب میں تفصیل موجود ہے۔ صاحب در المختار لکھتے ہیں۔

و عن الثانی اعتبار العرف مطلقا و رجحہ الکمال و خرج علیہ سعدی افندی (123)

"اور دوسرے (یعنی امام ابو یوسف) مطلقاً عرف کا اعتبار کرتے ہیں اسی کو الکمال (ابن ہمام) نے ترجیح دی ہے اور سعدی آفندی نے اس کے مطابق (بہت سے دلائل) کی تخریج کی ہے۔"

ابن عابدین، صاحب در مختار اور ابن ہمام کی رائے کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

و حاصلہ توجیہ قول ابی یوسف ان المعتبر العرف الطاری بانہ لا یخالف النص بل یوافقہ لان النص علی کیلیۃ الاربعۃ و وزنیۃ الذھب والفضۃ مبنی علی ما کان فی زمنہ صلی اللہ علیہ وسلم من کون العرف کذلک حتی لو کان العرف اذ ذاک بالعکس لورد النص موافقا لہ و لو تغیر العرف فی حیاتہ صلی اللہ علیہ وسلم لنص علی تغیر الحکم و ملخصہ ان النص

معلول بالعرف فیکون المعتبر هو العرف فی ای زمن کان' ولا یخفی ان

هذا فیه تقویۃ لقول ابی یوسف فافهم (124)

"ابو یوسف کے قول کی توجیہ کا ماحصل یہ ہے کہ وہ عرف طاری معتبر ہے کیونکہ نص کے خلاف ہونے کے

بجائے اس کے موافق ہوتا ہے۔ اس لئے کہ نص کی رو سے چار چیزوں کی ماپ اور سونے اور چاندی کا وزن اس

پر مبنی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہی عرف تھا۔ چنانچہ اگر عرف اس کے برعکس ہوتا تو آپ کا

حکم اس کے مطابق ہوتا اور اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں یہ عرف بدل جاتا تو آپ اس بدلے ہوئے

عرف کے مطابق حکم فرماتے۔ خلاصہ یہ ہے کہ منصوص حکم کی علت عرف ہے۔ اس لئے اس میں عرف ہی کا

اعتبار کیا جائے گا۔ خواہ کوئی بھی زمانہ ہو۔ اس سے یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ ابو یوسف کا قول ہی قوی ہے پس اس کو

سمجھ لیجئے۔"

امام ابو یوسف کی اس رائے سے معلوم ہوا کہ اگر شریعت کا کوئی حکم خاص معلول بالعرف ہو تو عرف کے بدلنے سے اس کی صورت بدل جائے گی۔

جب منصوص حکم کے بارے میں امام ابو یوسف کی رائے یہ ہے تو پھر اجتہادی مسائل میں تو بدرجہ اولیٰ عرف و رواج کا لحاظ کرتے ہوں گے۔

چند مزید مثالیں

(1) امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں مختلف قسم کی زمینوں کے لئے خراج مقاسمہ کی جو شرحیں تجویز کی ہیں وہ عباسی خلیفہ مہدی (158-169ھ / 775-785ء) کے وزیر ابو عبید اللہ معاویہ بن یسار (م 170ھ / 786ء) کی تجویز کردہ شرحوں سے مختلف ہیں۔ کیونکہ آپ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ زمانے کے حالات کی تبدیلی کی وجہ سے نظام المقاسمہ کی سابق شرحیں قابل عمل نہیں رہیں۔

(2) بیع بالتعاطی کے بارے میں رائے دیتے ہوئے امام ابو یوسف نے عرف ہی کی بناء پر اس کو جائز قرار دیا ہے۔

(125) اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا ہے لیکن اس کی کیفیت کو بیان نہیں کیا۔ لہذا کیفیت میں عرف و رواج ہی کا اعتبار ہو گا۔

(3) اگر کسی شخص نے سفید کپڑے کا ایک تھان چوری کر لیا اور پھر اس کو سیاہ رنگ میں رنگ دیا۔ بعد ازاں وہ کپڑا چور سے برآمد ہو جائے تو اس کی واپسی کی شکل کیا ہو گی؟ اس بارے میں ائمہ احناف میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ سیاہ رنگ ہو جانے کی وجہ سے اب اس کپڑے کی قیمت کم ہو گئی ہے۔ لہذا کپڑے کے مالک کو یہ اختیار حاصل ہے کہ چاہے تو وہ اس کو چور کے پاس ہی رہنے دے اور اس سے اپنے سفید کپڑے کی قیمت لے لے' یا پھر دوسری صورت یہ ہے کہ سیاہ رنگ کا کپڑا لے لے اور اس کے ساتھ قاضی کپڑے کے مالک کو چور سے نقصان

کے برابر مالیت کا جرمانہ بھی دلائے گا۔

لیکن امام ابو یوسف فرماتے ہیں (اور امام محمد کی رائے بھی یہی ہے) کہ مالک کو صرف کپڑا واپس کیا جائے گا اور جرمانہ نہیں دلایا جائے گا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ سیاہ رنگ بھی دوسرے رنگوں کی طرح اضافہ ہے۔ اس لئے کپڑے کی قیمت کم نہیں ہوئی بلکہ زیادہ ہو گئی ہے۔

امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے مابین اس اختلاف کی وجہ عرف ہی ہے۔ امام ابو حنیفہ کے دور میں یعنی بنو امیہ کے دور میں سیاہ رنگ کو بہتر نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اس لئے امام ابو حنیفہ نے اس کو نقصان سے تعبیر کیا۔ (127) لیکن امام ابو یوسف کے دور یعنی بنو عباس کے دور میں سیاہ رنگ کو فضیلت حاصل ہو گئی تھی۔ اس لئے آپ نے اس کو اصل کپڑے پر اضافہ قرار دیا۔ (128)

حواشی وحوالہ جات

(1) الخطیب' تاریخ' 13 / 340

(2) ابن عابدین' محمد امین' حاشیة ردالمحتار علی الدرالمختار' مصر' شرکة مکتبة و مطبعة مصطفی البابی الحلبی و لولاده' الطبعة الثانیة 1386ھ' 1 / 77

(3) ابن قیم' شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن ابی بکر' اعلام الموقعین عن رب العالمین' قاھرۃ' دار الحدیث خلف الجامع الازھر' 4 / 185

(4) الکوثری' حسن التقاضی' 12

(5) الموفق المکی' مناقب' 2 / 133' 134

(6) الکوثری' حسن التقاضی' 30

(7) ایضاً

(8) ابن حجر الھیتمی' الخیرات الحسان' 72' الخطیب' تاریخ' 14 / 247

(9) عبدالحی' ابوالحسنات محمد' النافع الکبیر لمن یطالع الجامع الصغیر (مقدمۃ الجامع الصغیر) کراتشی' ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیة 6

(10) ابن قتیبه' ابو محمد عبداللہ بن مسلم' الامامة والسیاسة و هو المعروف بتاریخ الخلفاء (تحقیق = الدکتور طه محمد الزینی) موسسة الحلبی و شرکاہ النشر والتوزیع 2 / 183 تا 185

(11) ابو زہرہ' محمد بن احمد' اصول الفقہ' دار الفکر العربی' / 391

(12) ابو زہرہ' اصول الفقہ' 390

(13) ابن عابدین' مجموعۃ رسائل 1 / 35

(14) ایضاً' 1 / 31' 32

عبدالحی' النافع الکبیر / 6

(15) یہ امام شافعی کے شاگرد ہیں۔ آپ کا نام اسماعیل بن یحییٰ' ابو ابراہیم المزنی ہے۔ سال وفات 264ھ / 878ء ہے۔

(16) ابن عابدین' مجموعۃ رسائل 1 / 25

(17) السبکی' تاج الدین ابو نصر عبدالوھاب بن علی' الطبقات الشافعیة الکبریٰ' بیروت = دار المعرفة 1 / 243

(18) ابن خلدون نے مقدمہ میں اس کتاب کی تعریف کی ہے۔ دیکھئے۔
الباب السادس من الکتاب الاول' الفصل التاسع - فی اصول الفقه و ما یتعلق به من الجدل و الخلافیات / 455

(19) الدبوسی' عبیداللہ بن عمر بن عیسیٰ' تاسیس النظر' قاہرۃ المطبعة الادبیة' / 29' 37' 76
السرخسی' ابوبکر محمد بن احمد بن ابی سہل' المبسوط' کراتشی' ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیة' الطبعة الاولی 1407' 11 / 118' 12 / 154' 19 / 170' 171' 24 / 163

الکاسانی' علاء الدین ابوبکر بن مسعود' بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع' کراتشی ایچ' ایم' سعید' الطبعة الاولی 1328ھ-3 / 6'11 / 207

(20) عبدالحی لکھنوی' التعلیق الکبیر / 5

الکوثری' حسن التقاضی / 25

(21) امام ابوحنیفہ کے وصال کے بعد امام محمد نے امام ابویوسف سے تلمذ کیا تھا۔ دیکھئے۔

الکوثری' محمد زاہد بن الحسن' بلوغ الامانی فی سیرة الامام محمد بن الحسن الشیبانی' کراتشی' ایچ' ایم' سعید' الطبعة الاولی 1355ھ / 6'7 / 35

الحنلی' ابوحنیفہ / 108

(22) المولف مجہول' مناقب الامام ابی یوسف و مناقب الامام محمد بن الحسن الشیبانی / 57

(23) الکوثری' بلوغ الامانی / 22'23

الذہبی' مناقب / 48

(24) الذہبی' مناقب / 48

الکوثری' بلوغ الامانی / 55

(25) عبدالحی' التعلیق الکبیر (ایڈیشن پشاور - مکتبہ نشر القرآن والحدیث) / 7

(26) الکوثری' حسن التقاضی 83'84

(27) شبلی نعمانی' محمد' سیرة النعمان لاہور' اسلامی اکیڈمی' 315

(28) السرخسی' ابوبکر محمد بن احمد بن ابی سہل' اصول السرخسی' (حقق اصولہ ابو الوفاء الافغانی) لاہور' دار المعارف النعمان الجامعة المدنیة الطبعة الاولی 1401ھ 1 / 10

(29) ابن حزم' حافظ ابو محمد علی بن حزم' الاحکام فی اصول الاحکام (تحقیق احمد محمد شاکر) کراچی' جامعہ الاسلامیہ' الطبعة الثانیة 1408ھ' 5 / 100'101

(30) الخفیف' علی' اسباب اختلاف الفقہاء' قاہرہ' مطبعة الرسالة 1375ھ' 269

(31) عبدالحی' التعلیق الکبیر (ایڈیشن - پشاور مکتبہ نشر القرآن والحدیث) / 11

(32) Schacht, J. Abu Yusuf. Encyclopoedia of Islam. (New Edition)
Leiden. E. J. Brill. 1 / 164, 165.

(33) ابوزہرہ' اصول الفقہ' 391

(34) الموفق المکی' مناقب' 2 / 242

ابوبکر بن ایوب' السہم المصیب فی الرد علی الخطیب' المکتبة الاعزازیة / 45

(35) علاؤالدین عبدالعزیز' کشف الاسرار علی اصول الامام فخر الاسلام علی بن محمد البزدوی' شرکت صحافیہ' عثمانیہ' طبع اول 1308ھ

23،22/1

(36) النساء: 105

(37) المرغینانی، ابوالحسن علی بن ابی بکر، الهدایة (مع الدرایة فی منتخب تخریج احادیث الهدایة) ملتان، مکتبہ شرکۃ علمیة، کتاب الحجر۔ 3/ 351، 352

(38) النساء: 5

(39) دیکھئے۔ الخراج/ 120، 121

(40) المائدۃ: 42

(41) النحل: 44

(42) الکوثری، حسن التقاضی/ 29

ابن حجر، لسان المیزان 6/ 301

ابن تغری بردی، ابوالمحاسن جمال الدین یوسف، النجوم الزاھرۃ فی ملوک مصر والقاھرۃ، مصر، وزارۃ الثقافۃ والارشاد القومی للتالیف والترجمۃ والطباعۃ والنشر 2/ 108

(43) ابن البزاز الکردری، مناقب، 2/ 125

(44) الخطیب، تاریخ، 14/ 255

(45) ابن خلکان، وفیات الاعیان 6/ 382

الخطیب، تاریخ، 14/ 246،

ابن البزاز الکردری، مناقب، 2/ 133

(46) یہ قول امام سرخسی کا ہے۔ آپ لکھتے ہیں۔

و لهذا لم یذکر اسم ابی یوسف رحمه الله فی شیء منه ... و کلما احتاج الی روایة حدیث عنه قال: اخبرنی الثقة و هو مراده حیث یذکر هذا اللفظ۔

دیکھئے۔ السرخسی، ابوبکر محمد بن احمد بن ابی سہل۔ شرح کتاب السیر الکبیر لمحمد بن الحسن الشیبانی (تحقیق: صلاح الدین المنجد عبدالعزیز احمد)

المکتب للحرکۃ للشرکۃ الاسلامیة 1/

(47) ابن عبد ربه، ابو عمر احمد بن محمد، کتاب العقد الفرید (شرحه احمد امین) بیروت، دارالاندلس للطباعة والنشر والتوزیع، الطبعة الاولی 1408ھ، 2/ 4،5

ظفر العثمانی، مولانا احمد التھانوی، مقدمة اعلاء السنن (ابوحنیفة و اصحابه المحدثون) (حققه و راجع نصوصه و علق علیه - عبدالفتاح ابو غدہ) کراتشی، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیة، 3/ 70، الخطیب، تاریخ، 14/ 253

ابن عبد ربہ (م 328ھ / 940ء) نے یہ الفاظ نقل کیے ہیں۔

قال ابو یوسف القاضی : ثلاثة لا یسلمون من ثلاثة : من طلب الدین بالفلسفه لم یسلم من الزندقة' و من طلب المال بالکیمیاء لم یسلم من الفقر' و من طلب غرائب الحدیث لم یسلم من الکذب (2 / 54)

(48) الخراج / 6

(49) مرسل وہ حدیث ہے جس سے صحابی کا نام ساقط ہو گیا ہو۔

(50) دیکھئے۔

ابو یوسف 'کتاب الآثار / 1-267

(51) عبد العلی' محمد بن نظام الدین' فواتح الرحموت بشرح مسلم الثبوت' قم : منشورات الشریف الرضی' المطبعة الثانیة' 2 / 177'136

(52) البخاری' ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل' صحیح البخاری' کتاب البیوع باب ان شاء رد المصراة (ایڈیشن' کراچی' نور محمد' اصح المطابع' الطبعة الثانیة 1381ھ) 1 / 288

(53) مسلم' بن حجاج قشیری' الصحیح لمسلم (مع شرح الکامل للنووی) کتاب البیوع' باب حکم بیع المصراة' (ایڈیشن' کراچی' قدیمی کتب خانہ الطبعة الثانیة 1357ھ / 1956ء) 2 / 4

(54) ابن عابدین' حاشیہ ردالمحتار' 4 / 338

داماد آفندی' عبد اللہ بن محمد بن سلیمان' مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر بیروت' دار احیاء التراث العربی' 1 / 731

(55) علاء الدین الحصکفی' محمد بن علی' الدر المختار فی شرح تنویر الابصار لکھنؤ' منشی نو لکشور' طبع 1294ھ - 2 / 298

(56) الترمذی' ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ' جامع الترمذی (مع شرح) ابواب الاحکام باب ماجاء فی الوقف (ایڈیشن' کراچی' قدیمی کتب خانہ) 1 / 218

(57) الخراج / 69

(58) الترمذی' ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ' جامع الترمذی (مع شرح)' ابواب الاحکام' باب ما ذکر فی احیاء ارض الموات 1 / 218 (ایڈیشن' کراچی' قدیمی کتب خانہ)

(59) الخراج / 70

(60) البخاری' ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل' صحیح البخاری' کتاب الزکوٰة' باب "لیس فیما دون خمس ذود صدقة" (ایڈیشن بیروت' دار ابن کثیر' مع فہارس الدکتور مصطفیٰ دیب البغا) 2 / 529

(61) الدار قطنی' ابو الحسین علی بن عمر' سنن الدار قطنی (مع تعلیق المغنی) کتاب الزکوٰة' باب لیس فی الخضراوات صدقہ " مثال'

نشر السنة، 2 / 95

(62) الخراج / 20

(63) ایضاً" / 96

(64) التوبۃ / 100

(65) الخطیب، ولی الدین محمد بن عبداللہ، مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الرؤیا، باب مناقب الصحابۃ، الفصل الثالث / 554، ایڈیشن کراتشی، قدیمی کتب خانہ)

(66) ابن ماجہ، ابو عبداللہ محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، المقدمۃ، بحث اتباع سنۃ الخلفاء الراشدین المهدیین، / 5 (ایڈیشن کراتشی، نور محمد اصح المطابع)

(67) الخطیب، حسن احمد، فقہ الاسلام (ترجمہ سید رشید احمد ارشد)

نفیس اکیڈمی، کراچی، طبع سوم، اگست 82 / 251-252

(68) السرخسی، اصول السرخسی، 2 / 105

(69) المرغینانی، الهدایۃ، 2 / 591

(70) الخراج، 75

(71) ایضاً" 75، 76

(72) الخراج، 92

(73) الخراج، 84

(74) ایضاً" 87

(75) الجصاص، ابوبکر احمد بن علی، احکام القرآن، (تحقیق محمد صادق قمحاوی)

دار احیاء التراث العربی، 4 / 325

(76) الکیرانوی، محمد نظام الدین، السطامی شرح الحسامی، کراتشی، ایچ ایم سعید / 94

عبدالعلی، محمد بن نظام الدین، فواتح الرحموت بشرح مسلم الثبوت، (مع المستصفی من علم الاصول)، قم، منشورات الشریف الرضی، الطبعۃ الثانیۃ، 2 / 211

(77) الدوالیبی، محمد معروف، المدخل الی علم اصول الفقہ، مطابع دار العلم للملایین، الطبعۃ الخامسۃ، 1385ھ / 49

(78) النساء، 115

(79) الهیثمی، نور الدین علی بن ابی بکر، مجمع الزوائد و منبع الفوائد، بیروت، موسسۃ المعارف 1406ھ، 1 / 183

(80) ابن حنبل، احمد بن محمد، المسند (شرحہ و وضع فهارسہ احمد محمد شاکر) مصر، دار المعارف للطباعۃ والنشر 1367ھ، 5 / 211

الھیثمی' مجمع الزوائد 1 / 182

(81) صبحی الصالح' النظم الاسلامیۃ / 238

(82) ابو یوسف' یعقوب بن ابراہیم' کتاب الرد علی سیر الاوزاعی و یلیہ کتاب اختلاف ابی حنیفہ و ابن ابی لیلیٰ (تحقیق و تعلیق ابو الوفاء الافغانی) حیدر آباد دکن' احیاء المعارف النعمانیہ' / 21

(83) الخراج / 71

(84) ابن رشد ابو ولید محمد بن احمد بن محمد بن احمد' بدایۃ المجتھد و نھایۃ المقتصد' لاھور' المکتبۃ العلمیۃ' الطبعۃ الاولی 1396ھ - 2 / 126

(85) الترمذی' ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ' جامع الترمذی (مع شرح) ابواب الاحکام' باب ماجاء فی الوقف 1 / 218 (ایڈیشن' کراتشی' قدیمی کتب خانہ)

(86) الخراج / 64

(87) الکاسانی' بدائع الصنائع 2 / 58

المرغینانی نے بھی الھدایۃ جلد 2' صفحہ 591 پر یہ الفاظ نقل کئے ہیں۔

(88) الآمدی' ابو الحسن علی بن محمد' الاحکام فی اصول الاحکام' (کتاب پر ناشر کا نام اور سن اشاعت درج نہیں) 3 / 167

(89) ابو زھرہ' اصول الفقہ' 218

(90) عبد العزیز البخاری' علاؤ الدین' کشف الاسرار علی اصول الامام فخر الاسلام علی بن محمد البزدوی' شرکت صحافیہ عثمانیہ' طبع اولیٰ 1308ھ 3 / 270

(91) النساء = 59

(92) الخراج' 96

(93) ایضاً" 91

(94) الشوکانی' محمد بن علی بن محمد' نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار من احادیث سید الاخیار صلی اللہ علیہ وسلم' کتاب الزکاۃ' باب ماجاء فی زکوٰۃ العسل' لاھور' انصار السنۃ المحمدیۃ' 4 / 156

(95) الخراج' 66

(96) الطحاوی' ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ' شرح معانی الآثار (عربی متن مع اردو ترجمہ) لاھور' قانونی کتب خانہ' ۲ / ۲۰۹

(97) الزبیدی' محب الدین ابو فیض محمد مرتضیٰ' تاج العروس من جواھر القاموس' دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع' ۷ / ۱۷۰

(98) السرخسی' المبسوط 10 / 145

(99) البقرۃ = 185

(100) الخراج' 174' 197

(101) *Schacht, J. The origins of Muhammadan jurisprudence, London, 1965, P. 112.*

(102) الشیبانی، محمد بن الحسن، کتاب الاصل المعروف بالمبسوط (مع التعلیق ابوالوفا الافغانی) کراتشی، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ، 1 / 212

الشیبانی، محمد بن الحسن، الجامع الصغیر مع شرحہ النافع الکبیر، کراتشی، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ، / 90

(103) السرخسی، المبسوط، 5 / 195

(104) الخراج، 107

(105) السرخسی، المبسوط، 16 / 10

(106) ایضاً، 16 / 14

(107) الخراج / 174

(108) ایضاً، 198، 199

(109) ابن منظور، ابوالفضل جمال الدین محمد بن مکرم، لسان العرب، قم، نشر ادب الحوزۃ 1405ھ، 9 / 241

(110) ایضاً، 9 / 239

(111) ایضاً، 3 / 316، 317

(112) ابوبکر جصاص، احکام القرآن، 4 / 214

(113) ابن نجیم، زین العابدین بن ابراھیم، الاشباہ والنظائر (مع شرح للحموی) کراتشی، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ، 1 / 127

(114) الاعراف، 199

(115) البخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، کتاب البیوع (ایڈیشن بیروت، دار ابن کثیر، مع فہارس الدکتور مصطفیٰ دیب البغا) 2 / 769

(116) ایضاً، 2 / 770

(117) ایضاً، 2 / 769

(118) ابن عابدین، مجموعۃ رسائل، 2 / 130

(119) صبحی محمصانی، المحامی، فلسفۃ التشریع فی الاسلام، بیروت، دار الکشاف للنشر والطباعۃ والتوزیع، الطبعۃ الثانیۃ 1371ھ / 160

الشاطبی، ابو اسحاق، ابراھیم بن موسیٰ، الموافقات فی اصول الشریعۃ، تحقیق الشیخ عبداللہ دراز، دار الفکر العربی، 2 / 283

(120) المسعودی، ابوالحسن علی بن الحسین بن علی، مروج الذھب و معادن الجوہر، (تحقیق محمد محی الدین عبدالحمید) مصر المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ، الطبعۃ الثانیۃ 1367ھ، 3/351

الخطیب، تاریخ، 14/252

(121) مسلم بن حجاج قشیری، الصحیح لمسلم (مع شرح الکامل للنووی) کتاب المساقاۃ والمزارعۃ، باب الربا (ایڈیشن کراتشی، قدیمی کتب خانہ الطبعۃ الثانیۃ 1375ھ / 1956ء) 2/25

(122) ابن عابدین، مجموعۃ رسائل 2/118

(123) علاءالدین الحنفی، الدرالمختار 3/351

(124) ابن عابدین، حاشیہ ردالمحتار، 5/176، 177

(125) بیع التعاطی سے مراد ہے زبان سے ایجاب و قبول کے کلمات ادا کئے بغیر بائع کا مشتری کو مبیع پکڑانا اور مشتری کا بائع کو ثمن دینا۔ یہ ایک خاموش لین دین کا معاملہ ہے۔

(126) ابن عابدین، حاشیہ ردالمحتار 6/6

(127) امام ابوحنیفہ نے بنوعباس کے دور (یعنی 150ھ) میں انتقال کیا۔ ممکن ہے آپ کا یہ قول اس دور کا ہو جب بنوامیہ اقتدار پر قابض تھے۔

(128) الکاسانی، بدائع الصنائع 7/161

باب سوم

امام ابو یوسف کے معاشی افکار و نظریات

فصول

فصل اوّل ــــ معاشی فکر کی مختصر تاریخ ـ عہد ابو یوسف تک

فصل دوم ــــ ٹیکسوں کے بارے میں امام ابو یوسف کی اصُولی بحث

فصل سوم ــــ بیت المال کے مداخل کے بارے میں ابو یوسف کا معاشی فکر

فصل چہارم ــــ بیت المال کے مصارف امام ابو یوسف کی نظر میں

فصل پنجم ــــ ابو یوسف کے فکر کی روشنی میں

اسلامی ریاست کی معاشی ذمہ داریاں

فصل ششم ——— امام ابو یوسف کی معاشی اصلاحات

فصل ہفتم ——— امام ابو یوسف اور مسائل زمین

فصل ہشتم ——— جاگیروں کے بارے میں امام ابو یوسف کا نظریہ

فصل نہم ——— مسائل تجارت سے متعلق امام ابو یوسف کا معاشی فکر

فصل دہم ——— امام ابو یوسف اور مسائل محنت واُجرت!

فصل یازدہم ——— نفقات واجبہ اور امام ابو یوسف کا معاشی فکر

فصل دوازدہم ——— امام ابو یوسف کے متفرق معاشی افکار

فصل اوّل

معاشی فکر کی مختصر تاریخ۔ عہد ابو یوسف تک

معاشیات کا مفہوم

اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی ضروریات کی تکمیل کے لئے اس کائنات میں لاتعداد نعمتیں پیدا کی ہیں۔ انسان اس دنیوی حیات میں وسائل قدرت سے کام لے کر اپنی بے شمار مادی خواہشات و حاجات (Demands) کی تکمیل کے لئے جو جدوجہد کرتا ہے اس کے بیان کو ہم معاشیات کہتے ہیں۔ اس علم میں اجتماع انسانی کے ان تمام اعمال و افعال سے بحث کی جاتی ہے جو حصول دولت اور استعمال دولت سے متعلق ہیں۔ نیز اس میں انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو درپیش معاشی مسائل کی نشاندہی کی جاتی ہے اور ماہرین معاشیات ان کے حل کے لئے تجاویز پیش کرتے ہیں۔

دور جدید میں اس علم کے لئے اکنامکس (Economics) کی جو اصطلاح استعمال کی جاتی ہے وہ قدیم اہل یونان کی زبان کے ایک لفظ اوئی کونوموس (Oikonomos) سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی ہیں منزل یا گھربار۔ مسلم مفکرین نے اپنی کتب میں علم معاشیات کے لئے تدبیر منزل (Management of households and business)، سیاست مدن (Political Economy) اور المعاش (Economics) ایسی اصطلاحات استعمال کی ہیں۔

مختلف مسلم ماہرین معاشیات نے اپنی کتب میں معاشیات کی تعریف کا تعین کیا ہے۔ عبدالرحمن بن محمد ابن خلدون (م 808ھ / 1406ء) نے "مقدمہ" میں المعاش اور سیاست مدن ایسی اصطلاحات کی جو وضاحت کی ہے اس سے اس علم کی غرض و غایت واضح ہو جاتی ہے۔ ابن خلدون رقم طراز ہے۔

اعلم ان المعاش هو عبارة عن ابتغاء الرزق والسعي في تحصيله(1)

"جان لیجئے کہ معاش رزق ڈھونڈنے اور اسے حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کا نام ہے۔"

وہ سیاست مدن (Political Economy) کی اصطلاح کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

علم السياسة المدنية ـ السياسة المدنية هي تدبير المنزل او المدينة بما يجب بمقتضى الاخلاق والحكمة ليحمل الجمهور على منهاج يكون فيه حفظ النوع و بقاوه(2)

"علم سیاست مدن۔ سیاست مدن سے مراد گھربار یا شہر کی دیکھ بھال ہے۔ وہ امور کہ اخلاق اور حکمت جن کا تقاضا کرتے ہیں تاکہ جمہور اس راستہ پر چل سکیں جس میں ان کی حفاظت اور بقا ہو۔"

یعنی ابن خلدون کے نظریہ کے مطابق معاشیات اور انسانی فلاح و بہبود میں گہرا تعلق ہے۔ اس علم کے مطالعہ کا مقصد انسان کی انفرادی زندگی سے زیادہ اجتماعی زندگی کی فلاح سے ہے۔

معاشی فکر کی مختصر تاریخ

معاشی فکر کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی انسانی معاشرے کی۔ انسان نے آغاز حیات ہی سے معاشی طور طریقے

اپنانے شروع کر دیے تھے۔ حالانکہ اس دور میں ابھی معاشیات کے اصول و نظریات کی تشکیل نہیں ہوئی تھی۔ ابتدائی انسانی دور میں چونکہ لوگوں کا طرز زندگی سادہ تھا اس لئے وہ معاشی مسائل سے زیادہ دوچار نہیں تھے۔ اسی لئے اس زمانہ میں معاشی تجزیہ کی ضرورت کو بھی محسوس نہیں کیا گیا۔ تاہم مختلف معروف معاشی اصطلاحات مثلاً روپیہ (Money) قیمتیں (Prices)' منڈیاں (Markets)' نفع (Profit)' سود (Interest)' اجرت (Wage)' محاصل (Taxes) وغیرہ مختلف قدیم معاشروں میں رائج رہی ہیں۔ مختلف ادوار میں جو مذہبی تعلیمات قانونی ضوابط' اور اخلاقی مواعظ متعارف رہے ہیں ان میں معاشی افکار بھی ملتے ہیں۔ چنانچہ حمورابی کے بابلی ضابطوں میں معاشی امور سے متعلق تفصیلی احکام ملتے ہیں۔ بائیبل میں بھی چند معاشی امور کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ (3)

امام ابو یوسف کے دور تک معاشی فکر کی تاریخ بیان کرنے کے لئے ہم اس کو دو حصوں میں تقسیم کریں گے۔

(ا) غیر اسلامی معاشی فکر کی تاریخ

(ب) اسلامی معاشی فکر کی تاریخ

(ا) غیر اسلامی معاشی فکر

معاشی افکار و نظریات کی تاریخ پر جو مستند کتب موجود ہیں ان کی روشنی میں ہم یہ رائے قائم کر سکتے ہیں کہ معاشی تجزیہ و تحلیل کا باقاعدہ آغاز فلاسفہ یونان نے کیا ہے۔ شمپیٹر (Schumpeter) رقم طراز ہے۔

> *"The history of economic thought starts from the records of the national theocracies of antiquity whose economics presented phenomena that were not entirely dissimilar to our own, and problems which they managed in a spirit that was, in fundamentals, not so very dissimilar either. But the history of economic analysis begins only with the Greeks."* (4)

> "معاشی تصور کی تاریخ عہد پارینہ کی قومی دینی حکومتوں سے شروع ہوتی ہے۔ جن کی معاشیات نے ایسے مظاہر پیش کئے جو ہمارے (معاشی) مظاہر سے کلیتہً مختلف نہ تھے اور وہ مسائل جنہیں انہوں نے اپنے بنیادی دینی جوہر سے حل کیا وہ (مسائل) بھی ہمارے مسائل سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھے۔ لیکن معاشی تجزیہ کی تاریخ یونانیوں سے شروع ہوتی ہے۔"

سب سے پہلے افلاطون (Plato) (م 347 ق-م) نے اپنی کتاب "The Republic" (جمہوریت) میں معاشی

افکار و نظریات پیش کیے ہیں۔ اس نے مذکورہ تصنیف میں اپنے تصور کے مطابق مثالی ریاست (Ideal state) کا ایک خاکہ پیش کیا ہے وہ کہتا ہے کہ حکمرانوں کو بچپن ہی سے پیش آنے والی ذمہ داریوں کی تعلیم دینی چاہیے۔

اس کے نزدیک دستکاری کا پیشہ 'کام کی نوعیت کے لحاظ سے دماغ کو ناکارہ اور جسمانی حالت کو کمزور کر دیتا ہے۔ یہ پیشہ اختیار کرنے والا بحیثیت انسان اور شہری ہونے کے اعلیٰ فرائض کو انجام دینے سے قاصر رہتا ہے۔ اس لئے دستکاروں کو سیاسی حقوق سے محروم رکھنا چاہیے۔(5)

اس نے پیشوں کے تنوع پر بھی بہت زور دیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ مختلف پیشوں کا وجود معاشرے کی ترقی کے لئے انتہائی ضروری ہے۔ اس لئے کہ ہر شخص کی ضروریات زندگی اس قدر زیادہ ہوتی ہیں کہ وہ تنہا ان کی تکمیل نہیں کر سکتا۔ اگر ہر آدمی اپنی طبیعت اور مزاج کے مطابق کسی ایک پیشہ میں مشغول ہو اور باقی پیشوں سے الگ رہے تو اس طرح اشیاء بکثرت پیدا ہوں گی اور ان کا معیار بھی بہتر ہو گا۔(6)

معاشی فکر کی تاریخ میں ارسطو (Aristotle) (م 322-ق-م) کو ایک نمایاں مقام حاصل ہے۔ اس نے مبادلہ اشیاء (Exchange of goods) کو ضروری قرار دیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ مبادلہ ابتداء میں حالات کی بناء پر ایک فطری انداز میں شروع ہوتا ہے' اس لئے کہ بعض لوگوں کے پاس ایک خاص چیز بہت زیادہ مقدار میں ہوتی ہے' اور بعض کے پاس بہت کم مقدار میں۔ (7) اس کے نزدیک کاریگر' مزدور اور کسان ریاست کی بنیادی معاشی ضرورتوں کو پورا کرتے ہیں۔ اس نے زراعت (Agriculture) کی اہمیت پر بھی زور دیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ عامیانہ اور بازاری فنون سے لوگ تن آسانی اور کاہلی کا شکار ہو جاتے ہیں۔(8)

اس نے سودی کاروبار کو پسند نہیں کیا کیونکہ اس طرح روپیہ غیر نفع بخش بن جاتا ہے۔ اس سے دولت Wealth میں عدم توازن (Non balance) کو فروغ حاصل ہوتا ہے اور مالی بے قاعدگیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔(9)

افلاطون کے برعکس اس نے یہ رائے دی کہ انفرادی حق ملکیت انسان کا فطری تقاضا ہے اور مشترکہ ملکیت کا نظریہ قومی مفاد کے لئے نقصان دہ ہے۔(10)

یونانی فلسفی زینوفن (Xenophon) کے معاشی افکار و نظریات بھی نمایاں اہمیت کے حامل ہیں۔ اس نے خانہ داری (Home Economics) کے انتظامات پر ایک رسالہ (11) تحریر کیا۔

وہ زراعت کو معاشی دولت (Economic wealth) کی بنیاد قرار دیتا ہے۔ اس نے کانوں سے چاندی نکالنے پر بہت زور دیا ہے۔ تاکہ عام دولت میں اضافہ ہو۔ تجارت کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے وہ کہتا ہے کہ مشترکہ سرمائے سے کمپنیاں بنائی جائیں۔ اس طرح مختلف افراد کی صلاحیتوں سے بہتر طریقہ سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔(12)

اگرچہ ہندوؤں کی مذہبی کتب اور رومی لٹریچر میں معاشی امور پر بحثیں ملتی ہیں لیکن اہل یونان کے مقابلہ میں ان کو

خاص اہمیت حاصل نہیں۔

(ب) اسلامی معاشی فکر

جدید دور میں معاشی افکار و نظریات کی تاریخ پر متداول کتب میں اسلامی معاشی فکر کی تاریخ نہیں ملتی۔ اس لئے ہم قرآن و سنت اور مسلم علماء کی ان کتب کا مطالعہ کریں گے جن میں معاشی امور پر بحثیں کی گئی ہیں۔

قرآن حکیم میں انسانی زندگی کے اخلاقی اور روحانی پہلو کے ساتھ ساتھ معاشی پہلو پر بھی کافی توجہ دی گئی ہے۔ چونکہ یہ بنیادی طور پر کوئی معاشیات کی کتاب نہیں بلکہ انسان کی ہدایت اور فلاح کے لئے نازل ہوئی ہے اس لئے اس میں علیحدہ ابواب کی صورت میں علم معاشیات پر مباحث تو نہیں ملتے لیکن اس موضوع پر کئی آیات مل جاتی ہیں۔

قرآن حکیم میں جتنے بھی معاشی قواعد ہیں ان کا تعلق کسی نہ کسی طرح معاشرتی انصاف (Social justice) کے اصول سے ہے۔ قرآن حکیم میں معاشی انصاف (Economic justice) پر بہت زور دیا گیا ہے جو کہ معاشرتی انصاف (Social justice) کی بنیاد ہے۔

قرآن حکیم انسانی زندگی کے معاشی اور مادی پہلو پر بھی زور دیتا ہے۔ دولت (wealth) کو "خیر" اور "فضل اللہ" کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ معاشیات' اسلام کے معاشرتی نظام کی بنیاد ہے۔ قرآن کی رو سے وہ مسلمان جو پیداوار بڑھانے کے عمل میں مصروف ہے وہ گویا کہ عبادت میں مصروف ہے۔

قرآن حکیم اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی روشنی میں ملکیت کا تصور واضح ہوا۔ انسان کو بتایا گیا کہ کائنات کی جملہ اشیاء اس کے لئے تخلیق کی گئی ہیں۔ اس لئے وہ ان سے بھرپور استفادہ کرے۔ معاشی جدوجہد کی اہمیت بتائی گئی اور معاشی ترقی (Economic development) کے لئے جو ذرائع اختیار کئے جا سکتے ہیں ان کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ وہ امور جو انسان کی مادی فلاح میں رکاوٹ بنتے ہیں ان کی مذمت کی گئی۔ مختصر یہ کہ قرآن و سنت نے پیدائش دولت (Production of wealth)' صرف دولت (Consumption of wealth)' مبادلہ دولت (Exchange of wealth)' اور تقسیم دولت (Distribution of wealth) کے بارے میں انسان کی مکمل راہ نمائی کرتے ہوئے مثبت اور منفی معاشی اقدار تفصیل سے بیان کر دی ہیں۔

اسلامی معاشی فکر کی تاریخ میں حضرت عمرؓ بن الخطاب (13-24ھ / 634-645ء) ایک عظیم معاشی مفکر کی حیثیت سے سامنے آتے ہیں کیونکہ آپ کو اپنے دور حکومت میں بعض ایسے اقتصادی مسائل (Economic problems) سے دوچار ہونا پڑا جو عہد رسالت اور حضرت ابوبکر الصدیق (عبداللہ بن ابی قحافہ عثمان) (11-13ھ / 633 634ء) کے دور میں موجود نہیں تھے۔

آپؓ نے اپنی اقتصادی بصیرت (Economic discernment) کی بدولت ان کو احسن طریقہ سے حل فرمایا۔

امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں شام و عراق کی مفتوحہ زمینوں کے بارے میں حضرت عمرؓ کی اختیار کردہ پالیسی (Policy) پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ آپ کی بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ صحابہ کرام میں سے ایک جماعت کا مطالبہ یہ تھا کہ مفتوحہ زمینیں فاتحین کو بطور جاگیر دے دی جائیں لیکن حضرت عمرؓ نے بعض قومی مصالح کی بناء پر زمینیں تقسیم کرنے سے انکار کر دیا۔ آپ نے یہ رائے دی کہ زمینوں کو سرکاری ملکیت قرار دیا جائے اور سابق مالک ہی ان کو کاشت کریں اور کاشتکاروں پر خراج عائد کر دیا جائے۔(13)

حضرت عمرؓ کے اس فیصلے سے مفتوحہ اراضی کے بارے میں ان کے معاشی فکر کے درج ذیل اصول و مبادی اخذ کئے جا سکتے ہیں۔

(ا) زمین کاشت کرنے کا اصل حقدار صاحب زمین ہی ہے۔ بہتر پیداوار کے حصول کے لئے زمین اس کے اصل مالک کے پاس ہی رہنی چاہیے۔

(ب) بہت زیادہ وسیع رقبے کا مالک زمین سے وہ فوائد حاصل نہیں کر سکتا جو چھوٹے رقبے کا مالک محدود زمین سے محنت کر کے حاصل کرتا ہے۔

(ج) اگر مفتوحہ اراضی فاتحین کے درمیان تقسیم کر دی گئی تو یہ وسیع و عریض رقبہ چند ہاتھوں میں محدود ہو جائے گا اور اس طرح حکومت کو محاصل و خراج میں خسارہ (Loss) برداشت کرنا پڑے گا۔

(د) مفتوحہ اراضی فاتح جرنیلوں میں تقسیم کرنے سے امت میں اغنیاء (The upper classes) کا ایک بڑا طبقہ پیدا ہو جائے گا اور اس سے ان کے مزاج اور عادات میں خلل پیدا ہو گا۔

(ر) فوج کا فریضہ زراعت اور کاشتکاری نہیں بلکہ جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

حضرت عمرؓ نے مصر کی زمینیں بھی ان کے اصل مالکوں کے پاس ہی رہنے دیں اور ان کو مسلمانوں کے قبضے سے بچانے کے لئے یہ قانون بنادیا کہ کوئی مسلمان خرید کر بھی زمین حاصل نہیں کر سکتا۔ کئی صدیوں تک یہ قانون جاری رہا۔

حضرت عمرؓ کو بہبود عامہ کی فکر ہر وقت رہتی تھی۔ ابو جعفر محمد بن جریر الطبری (م 310ھ / 923ء) کی روایت کے مطابق حضرت عمرؓ نے ایک دفعہ فرمایا تھا کہ میں جمہور کی خوشحالی کا جائزہ لینے کے لئے تمام ملک کا دورہ کروں گا۔(14) امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ اپنے عمال کو رخصت کرتے وقت جو نصیحتیں فرماتے تھے ان میں یہ الفاظ بھی ہوتے تھے کہ مسلمانوں کی سہولت اور خوشحالی کے لئے ہر طرح کا اہتمام کرتے رہنا۔(15)

حضرت عمرؓ نے سب سے پہلے عشور (Custom Duty) کی ابتداء کی۔(16)

آپ بیت المال (Pbulictreasury) کے مداخل و مخارج کے بارے میں عمال کے نام احکام بھیجتے رہتے تھے۔ صاحب کنز العمال 'علاء الدین علی المتقی (م 975ھ / 1567ء) نے حضرت عمرؓ کے ان فرامین کو نقل کیا ہے۔ جو انہوں نے اپنے عہد حکومت میں مختلف عمال کے نام تحریر کئے تھے۔(17)

اسلام سے قبل عربوں کے ہاں رومی' فارسی اور یمن کے سکے (Coins) رائج تھے۔ اسلام کے ابتدائی دور میں انہی سکوں کے ذریعے لین دین ہوتا تھا۔ تقی الدین احمد بن علی المقریزی (م 845ھ / 1441ء) کے بیان کے مطابق اسلام میں سب سے پہلے حضرت عمرؓ کے دور میں سکے بنائے گئے۔(18) آپؓ نے 18 ہجری میں یہ حکم دیا تھا کہ ساسانی طرز کے سکوں پر نئے سکے بنائے جائیں۔ آپ نے بعض سکوں پر الحمدللہ' کچھ پر "محمد رسول اللہ" اور بعض پر "لاالہ الا اللہ وحدہ" کے الفاظ کندہ کروائے۔(19) اس دور کے بعض سکوں میں سے کچھ عراقی عجائب گھر میں اب بھی موجود ہیں۔(20)

اسلامی معاشی فکر کے ارتقاء میں حضرت علیؓ بن ابی طالب (35-40ھ / 656-661ء) کا کردار بھی نمایاں ہے۔ آپ نے اپنے دور حکومت میں مختلف صوبوں کے عمال کو جو خطوط تحریر کئے ان میں آپ کے معاشی فکر کی جھلک واضح طور پر ملتی ہے۔ محمد بن الحسین 'الشریف الرضی (م 406ھ / 1015ء) نے حضرت علیؓ کے خطبات 'مکتوبات اور اقوال کو "نہج البلاغہ" کی شکل میں جمع کردیا ہے۔

حضرت علیؓ "التنمیۃ" کی جگہ "العمارۃ" کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔ یعنی آپ کے نزدیک معاشی ترقی (Economic development) سے مراد "عدل اجتماعی" (Social Justice) ہے۔ آپ کے مکتوبات میں "العمارۃ" کی اصطلاح قرآن حکیم کی اس آیت سے ماخوذ نظر آتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

هو انشاكم من الارض واستعمر كم فيها۔(21)

"اسی نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور تمہیں اس زمین میں آباد کردیا۔"

(ا) معاشی ترقی کی بنیادیں

حضرت علیؓ نے اپنے خطبات و مکتوبات میں ان بنیادوں کی طرف اشارہ کیا ہے جن پر کسی ملک کی معاشی تعمیر و ترقی کی عمارت قائم ہوتی ہے۔

(1) تقویٰ

آپ کے نزدیک تقویٰ معاشی ترقی کی بنیاد ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ انسان زر و مال کی پرستش کی بجائے خوف الٰہی کو اپنی زندگی کا شعار بنائے۔ وہ ذات جو مسبب الاسباب ہے اس کی رضا و خوشنودی کے حصول کے لئے ہر وقت کوشاں رہے۔ وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے ہوتے ہیں ان کو رزق ایسے ذرائع سے ملتا ہے جو کسی کے وہم و گمان میں

بھی نہیں ہوتے۔ آپؓ نے محمد بن ابی بکر (م 62ھ / 682ء) کو مصر کا گورنر بناتے وقت یہ فرمان دیا۔

و اعلموا عباد اللہ' ان المتقین ذھبوا بعاجل الدنیا و اجل الاخرۃ فشارکوا اھل الدنیا فی دنیاھم و لم یشارکھم اھل الدنیا فی آخرتھم' سکنوا الدنیا بافضل ما سکنت و اکلوھا بافضل ما اکلت' فحظوا من الدنیا بما حظی بہ المترفون و اخذوا منھا ما اخذہ الجبابرۃ المتکبرون ثم انقلبوا عنھا بالزاد المبلغ والمتجر الرابح(22)

"اللہ کے بندو جان لو! پرہیزگار لوگ دنیا کے قریبی اجر اور آخرت کے دور والے ثواب دونوں کو لے گئے' وہ دنیا والوں کے ساتھ ان کی دنیا میں بھی شریک رہے مگر دنیا والے ان کی آخرت میں شریک نہ ہوئے وہ دنیا میں افضل طریق پر رہے۔ انہوں نے دنیا کو بہتر سے بہتر برتا۔ انہیں دنیا سے وہ سب کچھ ملا جو عیش نعمت میں رہنے والوں کو ملتا ہے۔ انہوں نے دنیا سے وہ سب حاصل کیا جو جبار و متکبر حاصل کیا کرتے ہیں۔ پھر وہ دنیا سے پورا پورا توشہ لے کر اور منافع بخش تجارت حاصل کر کے سدھار گئے۔"

(2) حقوق میں مساوات

معاشی جدوجہد کے لئے رعایا کو مساوی حقوق حاصل ہونے چاہیں تاکہ امراء غریب طبقہ کا استحصال (Extortion) نہ کر سکیں۔ آپ نے محمد بن ابی بکرؓ کے نام یہ لکھا۔

فاخفض لھم جناحک والن لھم جانبک وابسط لھم وجھک و آس بینھم فی اللحظۃ والنظرۃ' حتی لا یطمع العظماء فی حیفک لھم' و لا ییاس الضعفاء من عدلک بھم(23)

"اور اے محمد رعایا سے خاکساری برتنا' نرمی سے پیش آنا' بشاشت ظاہر کرنا' اپنے برتاؤ اور نظر میں سب کو مساوی رکھنا تاکہ نہ بڑے لوگ چھوٹوں پر تمہارے ظلم کی امید رکھیں۔ نہ چھوٹے لوگ بڑوں کے مقابلے میں تمہارے انصاف سے مایوس ہو جائیں۔"

آپؓ نے جب مالک بن الحارث الاشتر النخعی (م 37ھ / 657ء) کو مصر کا گورنر بنایا تو ایک بہترین دستور دیا۔ اس میں لکھتے ہیں۔

فافسح فی اٰمالھم' و واصل فی حسن الثناء علیھم' و تعدید ما ابلی ذو والبلاء منھم' فان کثرۃ الذکر لحسن افعالھم تھز الشجاع و تحرض الناکل

ان شاء اللہ(24)

"پس ان کی امیدوں میں وسعت و کشائش رکھنا انہیں اچھے لفظوں سے سراہتے رہنا اور ان کارناموں کا تذکرہ کرتے رہنا اس لئے کہ ان کے اچھے کارناموں کا ذکر بہادروں کو جوش میں لے آتا ہے اور پست ہمتوں کو ابھارتا ہے۔ ان شاء اللہ۔"

(3) حقوق و فرائض سے آگاہی

حضرت علیؑ کے نزدیک جب حکمران اور رعایا دونوں اپنے اپنے حقوق و فرائض سے آگاہ ہوں تو اس سے بھی معاشی ترقی کی نئی راہیں کھلتی ہیں۔ قومی یکجہتی اور حاکم و محکوم میں مکمل ہم آہنگی کا کسی ملک کی ترقی میں اہم کردار ہوتا ہے۔ ایک ایسا معاشرہ جہاں رعایا کے حقوق چھینے جاتے ہوں' حکمران طبقہ اور رعایا کے مابین شکوک و شبہات جنم لیتے ہوں' ترقی کی راہ پر گامزن نہیں ہو سکتا۔ آپؑ ایک خطبہ میں فرماتے ہیں۔

و اعظم ما افترض سبحانہ من تلک الحقوق حق الوالی علی الرعیۃ' و حق الرعیۃ علی الوالی' فریضۃ فرضھا اللہ سبحانہ لکل علی کل' فجعلھا نظاما لالفتھم' و عزا لدینھم' فلیست تصلح الرعیۃ الا بصلاح الولاۃ و لا تصلح الولاۃ الا باستقامۃ الرعیۃ - فاذا ادت الرعیۃ الی الوالی حقہ' و ادی الوالی الیھا حقھا' عز الحق بینھم' و قامت مناھج الدین' و اعتدلت معالم العدل(25)

"اور فرض شدہ حقوق میں سے ایک حاکم کا حق ہے رعایا پر۔ اور رعایا کا حق ہے حاکم پر۔ یہ خدا کا فرض (واجب) کردہ فریضہ ہے دونوں میں سے ہر ایک پر جسے عام انسانوں کی تنظیم اور ان کے دین کی عزت بنایا ہے۔ اب رعایا کی اصلاح حاکموں ہی کی اصلاح پر ہے اور ان کی اصلاح رعایا کی استقامت و استقلال پر موقوف ہے تو جب رعایا والی کا حق پورا کر دے اور حاکم محکوم کے حق ادا کر دے تو "حق" ان لوگوں میں معزز اور دین کے راستے واضح اور عدل کے نشانات اعتدال حاصل کر لیتے ہیں۔"

(4) معاشرہ کے محروم طبقات پر خصوصی توجہ

آپؑ زکوٰۃ کے ایک تحصیلدار کے نام اپنے مکتوب میں فرماتے ہیں۔

و ان لک فی ھذہ الصدقۃ نصیبا مفروضا و حقا معلوما و شرکاء اھل مسکنۃ وضعفاء ذوی فاقۃ و انا موفوک حقک فوفھم حقوقھم والا تفعل فانک من اکثر الناس خصوما یوم القیامۃ و بوسا لمن خصمہ عنداللہ

الفقراء والمساكين والسائلون والمدفوعون والغارم وابن السبیل (26)

"اس صدقے میں تمہارا حصہ مقرر اور حق معلوم ہے مگر اس میں اور لوگ بھی تمہارے شریک ہیں یہ کون ہیں؟ غریب' کمزور' فاقہ زدہ لوگ۔ ہم تمہیں تمہارا پورا پورا حق دیں گے لہٰذا تم بھی اپنے شریکوں کو ان کا پورا پورا حق دینا۔ ورنہ یاد رکھو قیامت کے دن تم سے زیادہ کسی آدمی کے دشمن نہ ہوں گے اور بدبختی ہے اس کے لیے جس سے اللہ کے حضور جھگڑا کریں گے 'فقیر' مسکین' سائل' محروم' مقروض' مسافر۔"

(5) امانت و دیانت

آپ کی رائے یہ ہے کہ امانت و دیانت معاشی ترقی کی بنیاد ہے۔ جس قوم کے افراد میں بدعنوانی اور خیانت کا عنصر سرایت کر جائے وہ اقتصادی طور پر تباہ ہو جاتی ہے۔ آپ کے الفاظ ہیں۔

و من استهان بالامانة و رتع فی الخيانة و لم ينزه نفسه و دينه عنها فقد احل بنفسه فی الدنيا الخزی و هو فی الاخرة اذل و اخزی و ان اعظم الخيانة خيانة الامة (27)

"اور جو کوئی امانت میں غفلت سے کام لیتا ہے خیانت کے میدان میں چرتا پھرتا ہے اور اپنے نفس و دین کو اس گندگی سے پاک نہیں رکھتا تو وہ اس دنیا میں بھی اپنے اوپر بلائیں نازل کراتا ہے اور آخرت میں وہ سب سے زیادہ گم کردہ راہ اور روسیاہ ہو گا۔ اور بے شک سب سے بڑی خیانت امت کی خیانت ہے۔"

عدل و انصاف کی حکمرانی

آپؑ کا نظریہ یہ ہے کہ جس معاشرہ میں عدل و انصاف (Justice) کی حکمرانی ہو' وہاں قومی آمدنی بڑھ جاتی ہے۔ جبکہ ظلم و ستم سے نتائج برعکس نکلتے ہیں۔ آپ نے جب اپنے عامل کو مصر کے خراج پر مقرر کیا تو تنبیہہ کی کہ خراج کی وصولی میں عدل کو پیش نظر رکھنا اس سے خراج کی رقم میں بھی اضافہ ہو گا اور آبادی کی فلاح و بہبود بھی ہو گی۔ آپؑ نے فرمایا۔

و ليكن نظرک فی عمارة الارض ابلغ من نظرک فی استجلاب الخراج لان ذلک لا يدرک الا بالعمارة و من طلب الخراج بغير عمارة اخرب البلاد و اهلک العباد (28)

"اور خراج کی جمع آوری سے زیادہ زمین کی آبادی کا خیال رکھنا کیونکہ خراج بھی تو زمین کی آبادی ہی سے حاصل ہو سکتا ہے اور جو آباد کئے بغیر خراج چاہتا ہے وہ ملک کی بربادی اور بندگان خدا کی تباہی کا سامان کرتا ہے۔"

(ب) معاشی ترقی کس طرح ممکن ہے؟

آپؓ کے خطبات و مکتوبات سے ایسے اشارات بھی ملتے ہیں جن پر عمل کرنے سے معاشی ترقی کا حصول آسان ہو جاتا ہے۔

(1) غریب اور متوسط طبقہ کی فوقیت

آپ کی رائے یہ ہے کہ حکومت کو ایسے اقدامات کرنے چاہیں جن کے ذریعے امراء کی بجائے غریب اور متوسط طبقہ کی معاشی حالت بہتر ہو سکے۔ آپؓ اشتر النخعی کے نام لکھتے ہیں۔

و انما عماد الدین و جماع المسلمین والعدة للاعداء العامة من الامة فلیکن صغوک لهم و میلک معهم(29)

"دین کا اصل ستون' مسلمانوں کی اصل جمعیت' دشمن کے مقابلے میں اصل طاقت امت کے عوام ہی ہیں۔ لہذا عوام ہی کا تمہیں زیادہ سے زیادہ خیال رکھنا چاہیے۔"

(2) تمام اہل پیشہ کو یکساں اہمیت دی جائے

معاشی ترقی کے لئے ضروری ہے کہ حکومت تمام اہل پیشہ کو یکساں اہمیت دے۔ زراعت' تجارت اور صنعت و حرفت تمام شعبوں کی اہمیت کو تسلیم کیا جائے اور ان کی ترقی پر توجہ دی جائے۔ مصر کے گورنر اشتر النخعی کو لکھتے ہیں۔

ثم استوص بالتجار' و ذوی الصناعات و اوص بهم خیرا' المقیم منهم والمضطرب بماله والمترفق ببدنه' فانهم مواد المنافع واسباب المرافق و جلابها من المباعد والمطارح فی برک و بحرک و سهلک و جبلک و حیث لا یلتئم الناس لمواضعها(30)

"تجار اور اہل حرفت کا پورا خیال رکھنا ان کا بھی جو مقیم ہیں اور ان کا بھی جو پھیری کرتے ہیں کیونکہ یہ لوگ ملک کی دولت بڑھاتے ہیں۔ دور دور سے سامان لاتے ہیں' خشکیوں' تریوں' میدانوں' ریگستانوں' سمندروں' دریاؤں' پہاڑوں کو پار کر کے ضروریات زندگی مہیا کرتے ہیں۔ ایسی ایسی جگہوں سے مال ڈھو لاتے ہیں جہاں اور لوگ نہیں پہنچے۔"

حضرت علیؓ نے صیغہ مال میں بعض ایسی اصلاحات کیں جن سے اس کی آمدنی میں اضافہ ہو گیا۔ آپؓ کے عہد سے قبل جنگلات سے کوئی مالی فائدہ حاصل نہیں کیا جاتا تھا۔ امام ابو یوسف کے بیان کے مطابق آپ نے ان کو قابل ٹیکس قرار

دیا۔ چنانچہ صحرائے برس سے چار ہزار درہم سالانہ آمدنی ہوتی تھی۔(31) حضرت علیؓ نے اپنے دور میں بعض چیزوں پر ٹیکس ختم کردیا۔ حضرت عمرؓ کے دور میں گھوڑوں پر زکوۃ لی جاتی تھی لیکن حضرت علیؓ نے اسے منسوخ کردیا۔(32)

تجارتی معاملات میں ناپ تول کے پیمانوں کی درستگی پر آپ نے کافی توجہ دی۔ آپ درہ لے کر بازار نکل جاتے تھے اور اشیا فروخت کرنے والوں کو ناپ تول میں ایمانداری کی ہدایت کرتے۔ ابو عبداللہ محمد ابن سعد (م 230ھ / 844ء) اپنی کتاب "الطبقات الکبریٰ" میں لکھتے ہیں۔

قال - رایت علیا ۔۔۔ و معه درة له يمشي بها في الاسواق و يامرهم بتقوى الله و حسن البيع و يقول لوفو المكيل والميزان(33)

"کہا:- میں نے علیؓ کو اس حالت میں دیکھا۔ اور ان کے ہمراہ درہ (چمڑی ہنٹر) تھا جسے وہ بازاروں میں لے جاتے تھے اور لوگوں کو اللہ سے ڈرنے اور بیع میں خوبی کا حکم دیتے تھے اور کہتے تھے کہ کیل (پیمانہ) اور ترازو کو پورا کرو۔"

آپ نے اپنے دور خلافت میں متعدد اسلامی سکے (Coins) رائج کئے۔(34)

حضرت عمر بن عبدالعزیز (99-101ھ / 717-719ء) کا دور بھی ان کے معاشی فکر (Economic thinking) اور تجزیاتی رسائی (analytical approach) کے بارے میں کافی معلومات مہیا کرتا ہے۔ ٹیکسوں کی وصولی میں جو بے اعتدالیاں پائی جاتی تھیں آپ نے ان کو دور کیا۔ آپ نے خراج کی وصولی کے متعلق اپنے عامل عبدالحمید بن عبدالرحمن (م 107ھ / 725ء) کو یہ فرمان لکھا۔

ان انظر الارض و لا تحمل خرابا على عامر و لا عامرا على خراب، وانظر الخراب فان اطاق شيئا فخذ منه ما اطاق و اصلحه حتى يعمر، و لا تاخذ من عامر لا يعتمل شيئا و ما اجدب من العامر من الخراج فخذه في رفق و تسكين لاهل الارض و آمرك ان لا تاخذ في الخراج الا وزن سبعة ليس فيها تبر ولا اجور الضرابين ولا اذابة الفضة ولا هدية النيروز والمهرجان ولا ثمن الصحف و لا اجور الفيوج و لا اجور البيوت ولا دراهم النكاح، و لا خراج على من اسلم من اهل الارض(35)

"کہ زمین کا جائزہ لو۔ محاصل کی تعیین میں کسی ناکارہ زمین کو آباد زمین پر یا آباد زمین کو ناکارہ زمین پر نہ قیاس کرو۔ ناکارہ زمینوں کا جائزہ لینے پر اگر یہ اندازہ ہو کہ وہ کچھ محصول برداشت کر سکتی ہیں تو ان سے ان کی برداشت کے مطابق وصول کرو اور ان کی اصلاح کی تدبیر کرکے ان کو پوری طرح

قابل کاشت بنادو۔ ایسی کار آمد زمین پر کوئی محصول نہ عائد کرو جو زیر کاشت نہ ہو۔ جن قابل کاشت زمینوں سے خراج وصول ہونا بند ہو گیا ہو ان کے معاملہ کو زمین والوں کے ساتھ نرمی اور سہولت برتتے ہوئے سلجھاؤ۔ اور میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ خراج میں صرف وزن سبعہ والے درہم لیا کرو جن میں جعلی یا ردی سکے نہ ہوں۔ سکہ ڈھالنے والوں کی اجرت اور چاندی پگھلانے کی اجرت نہ وصول کرو۔ نوروز اور مہرجان کے تحفے نہ لو۔ کاغذات کی قیمت اور ہرکاروں کی اجرت نہ وصول کرو۔ شب باشی کے مکانوں کا کرایہ اور پیشہ زنا سے ہونے والی آمدنی پر (ٹیکس) نہ ہو۔ اور زمین والوں میں سے جو کوئی اسلام لائے اس پر خراج (یعنی جزیہ) نہیں عائد ہو گا۔"

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے عام فرمان جاری کیا کہ جو لوگ مسلمان ہو جائیں ان سے جزیہ نہ وصول کیا جائے۔ اس کی وجہ سے صرف مصر میں اتنے آدمی مسلمان ہوئے کہ جزیہ کی آمدنی گھٹ گئی۔ آپ کے ایک والی نے خط لکھ کر نو مسلموں سے جزیہ وصول کرنے کی اجازت مانگی تو آپ نے فرمایا۔

وان اللہ جل ثناوہ بعث محمدا صلی اللہ علیہ وسلم داعیا الی الاسلام ولم یبعثہ جابیا فمن اسلم من اہل تلک الملل فعلیہ فی مالہ الصدقۃ ولا جزیۃ علیہ(36)

"اور بے شک اللہ جل ثناوہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو داعی بنا کر بھیجا تھا نہ کہ محصل بنا کر۔ ان مذاہب کے پیروؤں میں سے جو لوگ اسلام لے آئیں ان کے ذمہ اپنے مال کی زکوۃ ہو گی۔ ان پر جزیہ نہیں عاید ہو گا۔"

آپ نے تو یہ فرمان بھی جاری کر دیا کہ اگر کسی غیر مسلم کا جزیہ ترازو میں رکھا جا چکا ہو اور اس حالت میں بھی وہ اسلام قبول کر لے تو اس سے جزیہ نہ لیا جائے۔(37)

حضرت عمر بن عبدالعزیز کے ایک عامل نے ٹیکس کی وصولی کے لئے لوگوں کو سزا دینے کی اجازت طلب کی تو آپ نے اسے ایسا کرنے سے منع کیا۔(38)

انہوں نے اپنے دور میں جس قدر ناجائز ٹیکس تھے سب موقوف کر دیئے۔ ابن سعد نے الطبقات الکبریٰ میں لکھا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے 'عدی بن ارطاۃ (م 102ھ / 720ء) کو ایک فرمان جاری کیا جس میں یہ الفاظ بھی تھے۔

ان ضع عن الناس المائدۃ والنوبۃ والمکس' ولعمری ما ھو بالمکس ولکنہ' البخس الذی قال اللہ ولا تبخسو الناس اشیاء ھم ولا تعثوا فی الارض مفسدین (39)

"کہ لوگوں سے مائدہ' نوبہ اور مکس (محصول کے اقسام) اٹھالو' میری جان کی قسم یہ مکس نہیں ہے بلکہ بخس

(نقصان) ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لوگوں کی چیزوں میں خیانت نہ کرو اور نہ زمین میں فساد کرتے پھرو۔"

آپ نے بیت المال (Public Treasury) کے مصارف (Expenditures) کی بھی اصلاح کی۔ تمام غیر ضروری مصارف بند کر کے انہیں مسلمانوں کے قومی مفادات (National Interests) کے لئے مخصوص کر دیا۔

بعض عمال چیزوں کا نرخ (Rate) گھٹا کر کم قیمت پر خرید لیتے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے یہ قانون بنا دیا کہ کوئی عامل کسی فرد کا مال کم قیمت پر نہیں خرید سکتا۔ فارس کے والی کو آپ نے لکھا۔

بلغنی ان عمالک بالفارس یخرصون الثمار علی اھلھا ثم یقومونھا بسعر دون سعر الناس الذی یتبایعون بہ فیاخذونہ ورقا علی قیمتھم التی قوموھا و ان طوائف من الاکراد یاخذون العشر من الطریق' و لو علمت انک امرت بشئی من ذلک او رضیتہ بعد علمک بہ ما ناظرتک ان شاء اللہ بما تکرہ(40)

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ فارس کے تمہارے ماتحت عہدہ دار پھلوں کو ان کے مالکوں کے پاس اندازہ کر کے قیمت ایسے نرخ سے لگاتے ہیں جس پر لوگ باہم خرید و فروخت نہیں کرتے۔ اس اندازہ کی ہوئی قیمت پر اس کی چاندی لیتے ہیں اور کردوں کے چند گروہ راستے سے عشر (آمدنی کا دسواں حصہ) وصول کرتے ہیں اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ ان امور میں سے تم نے کسی امر کا حکم دیا ہے یا اس کے معلوم ہونے کے بعد تم اس پر راضی ہو تو ان شاء اللہ میں کوئی ایسی بحث نہ کرتا جو تمہیں ناگوار معلوم ہوتی۔"

آپ نے اپنے دور میں کفالت عامہ کا بہترین انتظام کیا۔ آپ نے عدی بن ارطاۃ کو لکھا۔

فانظر اھل الذمۃ فارفق بھم' و اذا کبر الرجل منھم و لیس لہ مال فانفق علیہ' فان کان لہ حمیم فمر حمیمہ ینفق علیہ(41)

"ذمیوں کے حال پر نظر کرو اور ان کے ساتھ نرمی کرو۔ جب ان میں سے کوئی بوڑھا ہو جائے اور اس کے پاس مال نہ ہو تو اس پر تم خرچ کرو۔ اگر اس کا کوئی دوست ہو تو حکم دو کہ وہ اس پر خرچ کرے۔"

اسلامی تاریخ میں امام ابو حنیفہ النعمان بن ثابت (م 150ھ / 767ء) کے معاشی افکار و نظریات بھی بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ آپ چونکہ خود ایک بڑے تاجر تھے اس لئے فقہ کے مالی مسائل (Financial Problems) میں تاجرانہ انداز فکر سے متاثر نظر آتے ہیں۔ آپ نے ایک معاشی مفکر کی حیثیت سے خرید و فروخت کے معاملات میں راہنمائی دی ہے۔ تجارت سے متعلق آپ کے معاشی افکار حنفی فقہ کی کتب میں ملتے ہیں۔ آپ نے خرید و فروخت

(Shopping) کے چار اصول پیش کئے ہیں۔ جو درج ذیل ہیں۔

(ا) جو چیز بدل میں لی جائے اس سے واقفیت ضروری ہے۔

(ب) معاملہ کرتے وقت ہر قسم کے سود سے بچنا چاہیے۔

(ج) خرید و فروخت کے معاملات میں جہاں نص نہ ہو گی عرف کو معتبر سمجھا جائے گا۔

(د) تمام معاملات میں امانت داری اساس و بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے۔ (42)

لوگوں کو باہمی جھگڑوں سے بچانے کے لئے آپ نے بیع سلم میں چھ امور کی وضاحت ضروری قرار دی ہے۔

(1) تعریف و تعیین جنس

(2) تعیین نوع اگر اس کے مختلف انواع ہوں۔

(3) تعیین مقدار

(4) وضاحت اوصاف

(5) تعیین مدت

(6) اس مقام کی تعیین جہاں مسلم فیہ (وہ غلہ وغیرہ اشیاء جن کی بیع کی جائے) سپرد کیا جائے۔ (43)

امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں امام ابو حنیفہ کے معاشی افکار سے بھی بحث کی ہے مثلاً امام ابو حنیفہ دیگر فقہاء کے برعکس احیائے موات (Cultivation of virgin land) کے لئے حاکم کی اجازت ضروری قرار دیتے ہیں۔ (44) جدید دور کے ماہرین معاشیات آپ ہی کی رائے کو ترجیح دیتے ہیں۔ آپ نے مزارعت (Partnership to cultivate land) اور مساقات (Partnership to cultivate trees) کے معاملہ کو بھی ناجائز قرار دیا۔ (45) کیونکہ اس طرح کاشتکار طبقہ کا استحصال ہوتا ہے۔

عباسی خلیفہ محمد مہدی بن منصور (158-169ھ / 775-785ء) کے عہد خلافت میں اس کے وزیر ابو عبید اللہ معاویہ بن یسار (م 170ھ / 786ء) نے اسلامی حکومت کے ذرائع آمدن پر "کتاب الخراج" کے نام سے ایک کتاب تحریر کی۔ تاریخ اسلام میں اس موضوع پر یہ پہلی باقاعدہ تصنیف ہے۔

خلیفہ مہدی سے قبل خراج وظیفہ (A fixed land tax) کا طریقہ رائج تھا۔ ابو عبید اللہ معاویہ نے اس نظام کی خامیوں پر غور و خوض کیا اور اس کی بجائے یہ تجویز پیش کی کہ حکومت کاشتکاروں سے ان کی زمین کی پیداوار کی ایک متعین نسبت وصول کرنے کا طریقہ اختیار کرے۔ یہ طریقہ خراج المقاسمہ (Khirajul maquasamah) کہلاتا ہے۔ مہدی نے یہ اصلاح نافذ کر دی کیونکہ یہ طریقہ کاشتکار طبقہ اور بیت المال دونوں کے مفاد میں تھا۔

ابو عبید اللہ معاویہ کی یہ کتاب اب ناپید ہو چکی ہے۔ البتہ قدامہ بن جعفر الکاتب (م 337ھ / 948ء) کی تصنیف "

الخراج و صنعتہ الکتابۃ" میں اس کے کچھ مباحث ملتے ہیں۔

امام ابو یوسف کی مشہور تصنیف "کتاب الخراج" ان کے معاشی فکر کا آئینہ ہے۔ جب عباسی خلیفہ ہارون الرشید نے مالیاتی معاملات میں آپ سے راہنمائی چاہی تو آپ نے کافی محنت اور جانفشانی سے کام لیتے ہوئے ایک جامع اور مفصل کتاب تحریر کردی۔

اگر اس کتاب کا دقت نظر سے مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ یہ کتاب صرف بیت المال (Public Treasury) کے ذرائع آمدن ہی پر بحث نہیں کرتی بلکہ یہ متعدد معاشی مباحث کا احاطہ بھی کرتی ہے۔ امام ابو یوسف نے اس کتاب میں بہت سے اقتصادی افکار پیش کئے ہیں' خواہ وہ اسلام کے مالیاتی نظام سے تعلق رکھتے ہوں یا دیگر اقتصادی معاملات سے متعلق ہوں۔ اس کتاب کے مطالعہ سے اگر اس دور کے معاشی حالات و مسائل سے آگاہی ہوتی ہے تو اس کے ساتھ ہی امام ابو یوسف کی پیش کردہ اصلاحات کی قدر و قیمت کا اندازہ بھی ہوتا ہے۔ کتاب الخراج کے مقدمہ میں خود امام ابو یوسف لکھتے ہیں۔

> ان امیر المومنین ایدہ اللہ تعالی سالنی ان اضع لہ کتابا جامعا یعمل بہ فی جبایۃ الخراج والعشور والصدقات والجوالی' وغیر ذلک مما یجب علیہ النظر فیہ والعمل بہ(46)
>
> "امیر المومنین نے' اللہ ان کی مدد فرمائے' مجھے ایک جامع کتاب مرتب کرنے کے لئے کہا ہے جس کو وہ خراج' عشور' صدقات اور جوالی کی تحصیل میں اپنا دستور العمل بنا سکیں اور جو ان دوسرے امور میں بھی ان کی راہنمائی کرسکے جن پر غور و فکر کرنا اور عمل کرنا ان کی ذمہ داری ہے۔"

امام ابو یوسف کی دوسری مطبوعہ تصانیف کتاب الآثار' کتاب اختلاف ابی حنیفہ و ابن ابی لیلیٰ اور کتاب الرد علی سیر الاوزاعی بھی ہمارے سامنے ہیں لیکن ان میں امام ابو یوسف کی معاشی بحثیں نہ ہونے کے برابر ہیں۔

یہاں اس امر کی وضاحت کرنا بھی ضروری ہے کہ امام ابو یوسف کی تصنیف "کتاب الخراج" اگرچہ معاشیات کے موضوع پر ہے لیکن یہ آپ کے جملہ معاشی افکار کا احاطہ نہیں کرتی اس لئے لامحالہ ہمیں حنفی فقہ کی ان کتابوں کی ورق گردانی کرنا پڑے گی جن میں قانونی مسائل پر آپ کی بہت سی آراء نقل کی گئی ہیں' ان کا جائزہ آپ کے معاشی فکر اور تجزیاتی بصیرت پر مزید روشنی ڈال سکتا ہے۔

کتب اختلاف میں بکھرے ہوئے آپ کے معاشی افکار میں سے بعض اس قدر اہمیت کے حامل ہیں کہ ان کے پیش کرنے میں آپ نے تمام فقہاء سے زیادہ شہرت حاصل کی ہے اور بعد ازاں کوئی مسلم معاشی مفکر آپ پر سبقت نہ لے جا سکا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کے بعد جن مسلم مفکرین نے بھی ان موضوعات پر بحث کی ہے تو انہوں نے آپ کی پیروی

کرتے ہوئے آپ کی موافقت کی ہے یا پھر مخالفت۔ اس طرح کے معاشی افکار سے امام ابو یوسف کی وہ آراء ہیں جو افکار، صلح اور تجارت سے متعلق ہیں۔

امام ابو یوسف کے اقتصادی فکر کو صرف کتاب الخراج کے حوالہ سے بحث کرنا کافی نہیں ہے بلکہ اس ضمن میں ہمیں فقہ اسلامی کی عام کتب اور خصوصاً حنفی فقہ کی کتابوں کو بنیاد بنانا پڑے گا۔

امام ابو یوسف کے تجزیاتی نکات یا کسی خاص موضوع پر ان کے فکر کا جائزہ لینے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ان کی کتاب کی متعلقہ عبارتیں نقل کی جائیں لہٰذا اس باب کی مختلف فصول میں کتاب الخراج کی روشنی میں جو معاشی مباحث پیش کئے گئے ہیں ان میں آپ کے بیانات کی روشنی میں معاشی فکر کا مکمل اور جامع جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے۔

فصل دوم

ٹیکسوں کے بارے میں امام ابو یوسف کی اصولی بحث

امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں مختلف محاصل (Taxes) پر بڑی شرح و بسط سے بحث کی ہے۔ ٹیکسوں کے بارے میں ان کے معاشی فکر کو ہم درج ذیل عنوانات کی صورت میں بیان کر سکتے ہیں۔

(ا) ٹیکس عائد کرنے کے اصول

(ب) ٹیکس وصول کرنے کے عام اصول

(ا) ٹیکس عائد کرنے کے اصول

(ا) امام ابو یوسف کی رائے یہ ہے کہ ٹیکسوں کی تشخیص اور ان کی شرح کی تعیین میں اس بات کو مدنظر رکھا جائے کہ حکومت کی طرف سے کسی فرد پر ظلم نہ ہو۔ ہر فرد کی قوت برداشت سے زیادہ ٹیکس نہ لگایا جائے۔ امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو نقل کیا ہے جو آپؐ نے حضرت عبداللہ بن الارقم (م ۴۴ھ / 664ء) کو جزیہ کی وصولی کے بارے میں فرمایا تھا۔

الا من ظلم معاهدا او کلفه فوق طاقته او انتقصه او اخذ منه شیئا بغیر طیب نفسه فانا حجیجه یوم القیامة(۴۷)

"آگاہ رہو کہ جو کسی معاہد پر ظلم کرے گا یا اس پر اس کی برداشت سے زیادہ بوجھ ڈالے گا یا اس کو کم کرے گا یا اس سے اس کی رضامندی کے بغیر کچھ وصول کرے گا تو قیامت کے دن میں اس (مظلوم معاہد) کی طرف سے بحث کروں گا۔"

آپ نے کتاب الخراج میں حضرت عمرؓ اور حضرت عثمان بن حنیفؓ (م بعد ۴۱ھ / بعد 661ء) کی گفتگو بھی نقل کی ہے۔ حضرت عمرؓ نے، حضرت عثمان بن حنیفؓ سے فرمایا تھا "شاید تم نے زمین پر اتنا بوجھ ڈال دیا ہے۔ جسے وہ برداشت نہیں کر سکتی۔ حضرت عثمانؓ نے کہا تھا۔

حملت الارض امرا هی له مطیقة و لو شئت لاضعفت(۴۸)

"میں نے زمین پر جو بار ڈالا ہے اسے وہ برداشت کر سکتی ہے اگر میں چاہتا تو اس سے دوگنا بار ڈال سکتا تھا۔"

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے ایک گورنر کو یہ لکھا۔

ان انظر الارض و لا تحمل خرابا علی عامر و لا عامرا علی خراب، و انظر الخراب فان اطاق شیئا فخذ منه ما اطاق و اصلحه حتی یعمر، و لا تاخذ من عامر لا یحتمل شیئا و ما اجدب من العامر من الخراج فخذه فی رفق و تسکین لاهل الارض(۴۹)

"زمین کا جائزہ لو۔ محاصل کی تعیین میں کسی ناکارہ زمین کو آباد زمین پر یا آباد زمین کو ناکارہ زمین پر نہ قیاس کرو۔ ناکارہ زمینوں کا جائزہ لینے پر اگر یہ اندازہ ہو کہ وہ کچھ محصول برداشت کر سکتی ہیں تو ان سے ان کی برداشت کے مطابق وصول کرو اور ان کی اصلاح کی تدبیر کر کے ان کو پوری طرح قابل کاشت بنادو۔ ایسی کار آمد زمین پر کوئی محصول نہ عائد کرو جو زیر کاشت نہ ہو۔ جن قابل کاشت زمینوں سے خراج وصول ہونا بند ہو گیا ہو ان کے معاملہ کو زمین والوں کے ساتھ نرمی اور سہولت برتتے ہوئے سلجھاؤ۔"

امام ابویوسف لکھتے ہیں۔

اتبعنا ما امر به و تقدم فیه و رجونا ان یکون الرشد فی امتثال امره' فلم نحملهم مالا یطیقون ولم ناخذهم من الخراج الا بما تحتمله ارضهم(50)

"ان تمام باتوں کے پیش نظر ہم نے یہی مناسب سمجھا کہ اس باب میں اس اصول کی پیروی کریں جس کی تاکید خود عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کی ہے اور جس کی تلقین آپ نے (اپنے عمال کو) کی تھی۔ ہمیں توقع ہے کہ بھلائی آپ کی ہدایت کی پیروی میں مضمر ہے۔ چنانچہ ہم نے ان لوگوں پر وہ بوجھ نہیں ڈالا جس کو وہ برداشت نہیں کر سکتے اور ان سے صرف اسی قدر خراج وصول کرنے کی تجویز پیش کی جسے ان کی زمین برداشت کر سکے۔"

(2) امام ابویوسف کا نظریہ یہ ہے کہ لوگوں کے صرف زائد از ضرورت اموال پر ٹیکس عائد کیا جائے۔ مالداروں سے وصول کیا جائے اور غریب طبقات پر خرچ کیا جائے۔ غریب طبقہ پر ٹیکس کا بوجھ کسی صورت بھی نہیں پڑنا چاہیے۔(51)

(3) امام ابویوسف کا موقف یہ ہے کہ مسلمانوں اور غیر مسلموں پر ٹیکسوں کی نوعیت الگ الگ ہونی چاہیے۔ جو ذمی مسلمان ہو جائیں ان سے جزیہ نہ لیا جائے۔(52)

(4) امام ابویوسف کی رائے یہ ہے کہ شریعت نے جن ٹیکسوں کی شرح متعین کر دی ہے ان میں ردوبدل نہیں ہو سکتا۔ ان ٹیکسوں کے مصارف بھی وہی ہوں گے جو قرآن و سنت سے ثابت ہیں۔ چنانچہ انہوں نے کتاب الخراج میں نقد مال' سامان تجارت' مویشیوں کی زکوٰۃ' عشر' خمس اور جزیہ کی وہی شرحیں (Rates) اور مصارف (Expenditures) بتائے ہیں جو شریعت سے ثابت ہیں اور ان میں کسی قسم کی تبدیلی تجویز نہیں کی۔(53)

(5) امام ابویوسف اس بات پر زور دیتے ہیں کہ ٹیکسوں کی شرحیں مرکزی حکومت (Central Government) کی طرف سے متعین ہونی چاہیں اور مقامی عمال حکومت کو یہ حق نہیں ہونا چاہیے کہ وہ ان میں کسی قسم کی ترمیم کریں۔ (54) مقامی افسروں کو مزید محصول عائد کرنے یا کسی عنوان سے مزید رقمیں یا غلہ وصول کرنے کا کوئی حق نہیں۔ اس ضمن میں وہ عمال حکومت کے لئے رعایا سے تحفے قبول کرنے کو بھی سختی سے منع کرتے ہیں۔(55)

(6) امام ابویوسف کا نظریہ یہ ہے کہ ٹیکس دہندگان (Tax payers) سے اتنا ہی ٹیکس لیا جائے جو سرکاری اخراجات

کے لئے کافی ہو۔ اتنی ہی شرح سے ٹیکس لیا جائے جس سے نہ تو ٹیکس دہندگان سے ان کی حیثیت سے بڑھ کر وصول کرنا پڑے اور نہ ہی اتنی کم شرح ہو کہ حکومت اپنے اخراجات بھی پورے نہ کر سکے۔ ٹیکسوں کی وصولی پر اتنی رقم خرچ نہ کر دی جائے جس سے اصل رقم کا ایک بڑا حصہ ختم ہو جائے۔ امام ابو یوسف رقم طراز ہیں۔

لا یکون فیھا حمل علی اھل الخراج و لا یکون علی السلطان ضرر (56)

"اس میں نہ تو خراج ادا کرنے والوں پر کوئی زیادتی ہو، نہ حکومت کا کوئی نقصان۔"

و لا تحر علیھم ما یستغرق اکثر الصدقۃ (57)

"اور یہ تنخواہیں اتنی زیادہ نہ ہوں کہ صدقات سے ہونے والی بیشتر آمدنی اسی میں صرف ہو جائے۔"

(7) امام ابو یوسف یہ رائے دیتے ہیں کہ ٹیکس عائد کرتے وقت اصول عدل کو پیش نظر رکھا جائے۔ مسلمانوں اور غیر مسلموں سے ان کی مالی حیثیت کے مطابق ٹیکس لیا جائے۔ وہ افراد جو غریب، معذور اور نادار ہوں، ان سے ٹیکس نہ لیا جائے۔ (58)

(8) زمین کے خراج کے بارے میں امام ابو یوسف کا نظریہ یہ ہے کہ اس کا نظام اور اس کی شرح میں مختلف مصالح کے تحت تبدیلی کی جا سکتی ہیں۔ لیکن یہ شرح میں کاشتکاروں کے لئے قابل برداشت ہونی چاہیں۔ (59) ان کی رائے یہ ہے کہ شرح میں جس قدر کم ہوں گی، اس قدر ہی ملکی آبادی خوشحال ہو گی۔ (60)

(9) امام ابو یوسف کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اسلامی حکومت ایسے نئے ٹیکس بھی عائد کر سکتی ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں لگائے لیکن اس کے ساتھ ہی وہ اس بات پر بھی زور دیتے ہیں کہ نئے ٹیکسوں کی صورت میں عوام پر ظلم و ستم کا دروازہ نہیں کھلنا چاہیے۔ چنانچہ کتاب الخراج میں انہوں نے عشور (محاصل چنگی) پر جو بحث کی ہے۔ اس سے ان کے موقف کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ (61)

(10) امام ابو یوسف کا نظریہ یہ ہے کہ اسلامی ریاست حرام اشیاء پر بھی ٹیکس عائد کر سکتی ہے۔ آپ نے عشور پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے۔

و اذا مر اھل الذمۃ علی العاشر بخمر او خنازیر قوم ذلک علی اھل الذمۃ یقومہ اھل الذمۃ ثم یوخذ منھم نصف العشر، و کذلک اھل الحرب اذا مروا بالخنازیر والخمور فان ذلک یقوم علیھم ثم یوخذ منھم العشر (62)

"جب ذمی لوگ محصل چنگی کے ہاں شراب یا سور لے کر آئیں تو ان کی قیمت لگائی جائے گی۔ قیمت کا حساب ذمی لوگ خود لگائیں گے۔ اسی قیمت کے حساب سے ان سے بیسواں حصہ وصول کیا جائے گا۔ اسی طرح اگر حربی لوگ شراب یا سور لے کر گزریں تو ان کی قیمت کا حساب لگا کر اسی حساب سے دسواں حصہ وصول کیا جائے گا۔"

(11) امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ ٹیکس دہندگان سے ٹیکس اس وقت وصول کیا جائے جب وہ آسانی سے دے سکیں۔ ٹیکس دہندگان کی سہولت کو ہر صورت میں مدنظر رکھنا چاہیے۔(63)

(12) امام ابو یوسف مالی معاملات میں حاکم کو مکمل اختیارات دیتے ہیں۔ اسلامی ریاست کا سربراہ کاشتکاروں پر خراج کو گھٹا بھی سکتا ہے اور اضافہ بھی کر سکتا ہے۔ کاشتکاروں کی ادائیگی کی صلاحیت کے مطابق اسے ایسا کرنے کا اختیار ہے۔ امام ابو یوسف حضرت عمرؓ کے طرز عمل سے جواز پیش کرتے ہیں جنہوں نے ہر جریب پر ٹیکس عائد کیا تھا خواہ وہ آباد زمین ہو یا غیر آباد۔(64) امام ابو یوسف کے نزدیک حاکم کا مکمل مالی اختیار ریاست کے مالیاتی ڈھانچے کو باقاعدہ بناتا ہے۔

(13) امام ابو یوسف یہ رائے رکھتے ہیں کہ ٹیکسوں کا مقصد صرف حکومت کی ضروریات کو پورا کرنا نہیں ہونا چاہیے بلکہ اس کے ساتھ معاشرہ کی مجموعی فلاح و بہبود بھی پیش نظر ہونی چاہیے۔(65)

(ب) ٹیکس وصول کرنے کے عام اصول

امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں ٹیکس وصول کرنے کے اصول بھی بتائے ہیں اور اس ضمن میں سب سے زیادہ زور "معاشی عدل" (Economic Justice) پر دیا ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک کسی ریاست کی سالمیت کے لئے "معاشی عدل" کا ہونا بہت ضروری ہے۔ آپ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اقتصادی ظلم سے ملکی حالات خراب ہوتے ہیں اور خراج میں کمی واقع ہوتی ہے۔ چنانچہ کتاب الخراج میں فرماتے ہیں۔

و هذا كله ضرر على اهل الخراج و نقص للفئ مع ما فيه من الاثم(66)

"ان حرکتوں کے کار گناہ ہونے کے علاوہ ان سے اہل خراج کو بے جا تکلیف پہنچتی ہے اور مالیہ کی آمدنی میں بھی کمی آجاتی ہے۔

امام ابو یوسف نے ایک طرف تو آثار و احادیث سے استناد کیا ہے اور دوسری طرف مفاد عامہ اور انسانی حقوق کا حوالہ دے کر اس اصول کی اہمیت جتائی ہے۔ ساتھ ہی انہوں نے یہ خیال بھی ظاہر کیا ہے کہ اس اصول کی پابندی میں معاشرے کی مادی اور روحانی فلاح بھی مضمر ہے۔

انہوں نے اپنے اس موقف کی صحت پر استقرائی انداز سے علمی دلیل قائم کی ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے عہد مبارک سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ان العدل و انصاف المظلوم و تجنب الظلم مع ما فى ذلك من الاجر يزيد به الخراج و تكثر به عمارة البلاد والبركة مع العدل تكون و هى تفقد مع الجور' والخراج الماخوذ مع الجور تنقص البلاد به و تخرب هذا عمر بن

الخطاب رضی اللہ تعالی عنه کان یجبی السواد مع عدله فی اهل الخراج و انصافه لهم و رفعه الظلم عنهم مائة الف الف والدرهم اذ ذاک و زنه وزن المثقال(67)

"عدل و انصاف کرنے اور ظلم وجور سے پرہیز کرنے میں جو اخروی اجر ہے اس کے ماسوا اس سے علاقوں کی خوشحالی میں اضافہ ہوتا ہے اور خراج کی آمدنی بڑھتی ہے۔ برکت عدل سے وابستہ ہے' ظلم وجور سے برکت ختم ہو جاتی ہے۔ جو خراج ظلم وجور کے ذریعہ وصول کیا جاتا ہے اس سے ملک میں بدحالی اور تباہی مچتی ہے۔ عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالی عنہ کا عہد مبارک ملاحظہ ہو کہ باوجود اس کے کہ آپ اہل خراج کے ساتھ کامل عدل و انصاف کا معاملہ کرتے اور ان پر سے ہر طرح کے ظلم کا ازالہ کرتے رہتے تھے' آپ کے زمانہ میں سواد سے دس کروڑ درہم کی آمدنی ہوتی تھی جب کہ اس زمانہ میں درہم کا وزن ایک مثقال ہوتا تھا"

اس مندرجہ بالا اقتباس میں امام ابو یوسف جب یہ کہتے ہیں کہ ٹیکسوں کی وصولی میں عدل و انصاف کو پیش نظر رکھا جائے اور ظلم و ناانصافی سے پرہیز کیا جائے تو اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ:

(ا) ٹیکس کی شرح کم سے کم ہونی چاہیے۔

(ب) شرعی ٹیکس مقررہ مقدار سے زیادہ نہ وصول کئے جائیں۔

(ج) ہر شخص سے اس کی مالی حیثیت کے مطابق ٹیکس لیا جائے۔

(د) وہ لوگ جو ٹیکس کی ادائیگی نہ کر سکیں ان کو ظالمانہ سزائیں نہ دی جائیں۔

امام ابو یوسف کا نظریہ یہ ہے کہ جب اصول عدل کے تحت ٹیکس وصول کئے جائیں تو اس سے مجموعی طور پر وصول یابی زیادہ ہوتی ہے کیونکہ اس صورت میں ٹیکس دہندگان برضا و رغبت ٹیکس جمع کراتے ہیں۔ جبکہ دوسری صورت میں ٹیکسوں کی وصولی کم ہو جاتی ہے۔ مولانا حفظ الرحمن سیوحاروی' امام ابو یوسف کے اس فکر کی ترجمانی کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"عدل و ظلم کی حکومت کے درمیان ہمیشہ سے یہ امتیازی فرق چلا آتا ہے کہ عدل کی حکومت کا نصب العین رعایا اور عوام (پبلک) کی خدمت ہوتا ہے اور اس لئے عادل بادشاہ (حکمران) کا شاہی خزانہ رفاہ عام اور پبلک خدمات اور ان کی خوشحالی کے لئے ہوتا ہے اور وہ اپنی ذات پر ضروری حاجات سے زیادہ اس میں سے صرف نہیں کرتا اور نہ عوام کو ٹیکسوں کی کثرت سے پریشان حال بناتا ہے اس کے برعکس جبر و ظلم کی حکومت کا منشاء بادشاہ اور حکومت کا اقتدار' ذاتی تعیش اور اس کا استحکام ہوتا ہے۔ اس لئے وہ نہ رعایا کے دکھ درد کی پرواہ کرتا ہے اور نہ ان کی راحت و آرام کا خیال رکھتا ہے اور اس سلسلہ میں اگر کچھ ہو بھی جاتا ہے تو وہ حکومت کے مفاد و مصالح

کے پیش نظر مخفی ہوتا ہے نیز اس حکومت میں رعایا ہمیشہ ٹیکسوں کے بوجھ سے دبی رہتی اور اس ملک کی اکثریت افلاس و غربت ہی کا شکار رہتی ہے۔" (68)

حضرت عمرؓ جو خراج کے معاملہ میں موسس (بانی) کا درجہ رکھتے ہیں۔ انہوں نے اس تحصیل میں عدل کے پہلو کو خاص اہمیت دی ہے اور ہم یہ دیکھتے ہیں کہ امام ابو یوسف نے اس ضمن میں متعدد آثار نقل کئے ہیں۔ انہیں اقوال میں سے حضرت عمرؓ کا خراج پر مقرر اپنے دو عاملوں کے نام یہ قول ملتا ہے۔

کیف وصعتما علی الارض' لعلکما کلفتما اھل عملکما مالا یطیقون؟ فقال حذیفة = لقد ترکت فضلا" و قال عثمان = لقد ترکت الضعف' و لو شئت لاخذته(69)

"تم دونوں نے زمین پر لیہ کس حساب سے عائد کیا ہے؟ شاید تم نے اپنی عملداری کے باشندوں پر اتنا بوجھ ڈال دیا جسے وہ برداشت نہیں کر سکتے" حذیفہؓ نے جواب دیا "میں نے کچھ فاضل چھوڑ دیا ہے" اور عثمانؓ نے کہا "میں نے دوگنا چھوڑ دیا ہے اور میں چاہتا تو اسے بھی وصول کر لیتا۔"

امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں حضرت عمرؓ کا یہ عمل بھی نقل کیا ہے۔

ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنه کان یجبی العراق کل سنة مائة الف الف ثم یخرج الیه عشرة من اھل الکوفة و عشرة من اھل البصرة یشھدون اربع شھادات باللہ انه من طیب' ما فیه ظلم مسلم و لا معاھد(70)

"کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ عراق سے ہر سال دس کروڑ اوقیہ (چاندی) وصول کرتے تھے۔ پھر آپ کے پاس دس آدمی کوفہ سے اور دس بصرہ سے آتے اور ہر آدمی خدا کی قسم کھا کر چار بار یہ گواہی دیتا کہ یہ رقم پاکیزہ طریقہ سے وصول کی گئی ہے۔ اس میں سے کچھ کسی مسلم یا معاہد پر ظلم کر کے نہیں وصول کی گئی ہے۔"

حضرت عمرؓ نے جب حضرت ابو ہریرہؓ کو بحرین اور ہجر کا عامل بنا کر بھیجا تو وہ وہاں سے دو تھیلیاں لے کر آئے جن میں پانچ لاکھ درہم تھے۔ انہیں دیکھ کر عمرؓ نے ان سے کہا۔

ما رایت مالا مجتمعا قط اکثر من ھذا فیه دعوة مظلوم او مال یتیم او ارملة (71)

"میں نے آج تک اس سے زیادہ مال یک جا نہیں دیکھا اس میں کسی مظلوم کا مارا ہوا حق یا کسی یتیم و بیوہ کا (غصب کیا ہوا) مال تو نہیں شامل؟"

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے کہا۔

"نہیں خدا کی قسم' ایسا ہو تو سب سے برا آدمی میں ہی قرار پاؤں گا کہ سارا فائدہ تو آپ کے حصہ میں آئے اور
سارا وبال میرے سر پڑے۔"

امام ابو یوسف کا نظریہ یہ ہے کہ اگر عوام معاشی طور پر خوش حال و مطمئن ہوں' ان پر بے جا ٹیکس عائد کر کے سختی نہ کی جائے اور ٹیکسوں کا نظام عادلانہ و منصفانہ ہو تو اس سے حکومت بھی سیاسی طور پر مضبوط ہوتی ہے۔ آپ ہارون الرشید کو نصیحت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

و تقدم الی من ولیت ان لا یکون عسوفا لاهل عمله و لا محتقرا لهم و لا مستخفا بهم' و لکن یلبس لهم جلبابا من اللین یشوبه بطرف من الشدة ولا استقصاء من غیر ان یظلموا او یحملوا ما لا یجب علیهم' واللین للمسلم' والغلظة علی الفاجر' والعدل علی اهل الذمة و انصاف المظلوم' والشدة علی الظلم والعفو عن الناس' فان ذلک یدعوهم الی الطاعة و ان تکون جبایته للخراج کما یرسم له و ترک الابتداع فیما یعاملهم به' والمساواة بینهم فی مجلسه و وجهه حتی یکون القریب والبعید والشریف والوضیع عنده فی الحق سواء(73)

"جن لوگوں کو آپ مامور کریں انہیں پہلے ہی دن جتلا دیں کہ انہیں اپنی عمل داری کے باشندوں پر ظلم و زیادتی نہیں کرنی چاہیے نہ ان کی تحقیر و توہین کرنی چاہئے۔ بلکہ تھوڑی سختی اور ہلکی گرفت کے ساتھ مجموعی طور پر نرم خوئی سے کام لینا چاہیے۔ رعایا پر ظلم کرنے یا بے جا بار ڈالنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔ اے مسلمانوں کے ساتھ نرمی' بدکرداروں کے ساتھ سختی' اہل ذمہ سے عادلانہ برتاؤ' مظلوم کی داد خواہی' ظالموں پر سختی اور عام لوگوں کے ساتھ عفو و درگزر کی پالیسی اختیار کرنی چاہیے۔ یہی طریقہ لوگوں کو مطیع و فرماں بردار بنانے والا طریقہ ہے۔ خراج کی تحصیل اسی ضابطہ کے تحت عمل میں لائی جائے جو ان والیوں کے لئے مقرر کر دیا گیا ہو۔ یہ لوگ اپنی طرف سے نئے طریقے وضع کر کے رعایا کے ساتھ کوئی دوسرا سلوک نہ کریں۔ والی کو چاہیے کہ اپنی مجلس میں تمام لوگوں کے ساتھ مساوی سلوک کرے تاکہ نزدیک اور دور کے لوگ' معزز پست حیثیت افراد' سب حق کے معاملہ میں اس کے سامنے بالکل برابر ہوں۔"

امام ابو یوسف کے نزدیک ٹیکس کی وصولی کے لئے مارنا پیٹنا' اور تشدد کرنا انسانیت کی تذلیل ہے۔ آپ کتاب الخراج میں رقم طراز ہیں۔

و لا یضرب رجل فی دراهم خراج و لا یقال علی رجل فانه بلغنی انهم

يقيمون اهل الخراج فی الشمس و یضربونهم الضرب الشدید و یطلقون علیهم الجرار و یقیدونهم بمایمنعهم من الصلاة و هذا عظیم عنداللّٰه شنیع فی الاسلام(74)

"خراج کی رقم وصول کرنے کی خاطر کسی آدمی کو مارنا یا ایک ٹانگ پر کھڑا رکھنا بھی سراسر ظلم ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ افسران خراج لوگوں کو دھوپ میں کھڑا رکھتے ہیں' انہیں سخت مار مارتے ہیں' ان کی گردنوں میں گھڑے لٹکا دیتے ہیں اور انہیں اس طرح پابہ زنجیر کر دیتے ہیں کہ وہ نماز بھی نہیں ادا کر سکتے۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کی نظر میں بہت ہی بری ہے اور اسلام میں (ایسی سزائیں) انتہائی ناپسندیدہ ہیں۔"

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ ٹیکس وصول کرتے وقت کسی کی تفتیش نہ کی جائے۔ آپ نے کتاب الخراج میں حضرت زیاد بن حدیر کا یہ قول نقل کیا ہے۔

ان اول من بعث عمر بن الخطاب علی العشور الی ههنا انا قال - فامرنی ان لا افتش احدا و ما مر علی من شئی اخذت من حساب اربعین درهما درهما من المسلمین و اخذت من اهل الذمة من عشرین واحدا و ممن لا ذمة له العشر (75)

"کہ وہ پہلا آدمی جسے عمر بن الخطاب نے عشور کی تحصیل پر مامور کر کے یہاں بھیجا تھا میں ہوں۔ انہوں نے کہا کہ آپؓ نے مجھے ہدایت کی تھی کہ کسی کی تلاشی نہ لوں اور جو کچھ میرے سامنے سے گزرے اس میں سے میں مسلمانوں سے چالیس درہم میں سے ایک درہم' ذمیوں سے بیس درہم میں سے ایک درہم اور غیر ذمی افراد سے دس درہم میں سے ایک درہم کے حساب سے وصول کیا کروں۔"

آپ ہارون الرشید کو کہتے ہیں کہ اس بات کا خاص خیال رکھا جائے کہ جو مال رعایا سے محصول کی صورت میں وصول کیا جا رہا ہے' وہ طیب ہے یا نہیں؟ یعنی قرآن و سنت کے بتائے ہوئے ضابطوں کے مطابق وصول کیا جا رہا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کا طرز عمل یہی تھا کہ وہ اپنے عمال کو عدل و انصاف کی تعلیم دیتے تھے۔

فصل سوم

بیت المال کے مداخل کے بارے میں ابو یوسف کا معاشی فکر

○ اس فصل میں ہم بیت المال (Public Treasury) کے مختلف ذرائع آمدن کے بارے میں امام ابویوسف کے معاشی فکر کو بیان کریں گے۔

زکوٰۃ

امام ابویوسف نے کتاب الخراج میں اسلامی حکومت کے اہم ذریعہ آمدن "زکوٰۃ" پر بھی بحث کی ہے۔ اس کے مختلف پہلوؤں پر امام ابویوسف کی آراء معتبر کتب احناف میں بھی ملتی ہیں۔ ان کی روشنی میں زکوٰۃ کے بارے میں ابویوسف کے معاشی فکر کو ہم درج ذیل عنوانات کی صورت میں بیان کرتے ہیں۔

بچہ اور دیوانہ کے مال کی زکوٰۃ

امام مالک بن انس (م 179ھ / 795ء) امام محمد بن ادریس الشافعی (م 204ھ / 820ء) امام احمد بن حنبل (م 241ھ / 855ء) اور دیگر ائمہ کے نزدیک بچہ اور دیوانہ کے ہر قسم کے مال پر زکوٰۃ ہے۔ (76) لیکن امام ابویوسف کا نظریہ یہ ہے کہ یتیم اور مجنون کی زکوٰۃ صرف کھیتی اور پھلوں میں ہوگی۔ دیگر اموال میں نہیں۔ (77)

امام ابویوسف کی دلیل یہ ہے کہ زکوٰۃ نماز کی طرح عبادت ہے۔ جس طرح بچہ اور مجنون کو نماز معاف ہے اسی طرح ان کے اموال سے زکوٰۃ بھی نہیں لی جائے گی۔ (78) اگر سال کے کسی حصے میں مجنون کے ہوش و حواس درست ہو جائیں تو اس صورت کے بارے میں امام ابویوسف فرماتے ہیں کہ سال کے اکثر حصہ کے پیش نظر احکام کا اجراء ہوگا۔ اگر سال کا اکثر حصہ بیمار رہا تو زکوٰۃ ساقط ہوگی اور اگر اکثر حصہ صحت میں گزرا تو واجب ہوگی۔ (79)

وجوب زکوٰۃ سے انکار کا مسئلہ

امام ابویوسف فرماتے ہیں کہ اگر صدقہ لینے والا آئے اور مالک حلف اٹھا کر کہے کہ سائمہ (Cattle kept out at pasture) جانوروں پر سال مکمل نہیں گزرا یا کہے کہ ان جانوروں کی قیمت کے برابر مجھ پر قرض ہے یا کہے کہ یہ جانور میرے نہیں ہیں تو اس کی یہ بات تسلیم کر لی جائے گی۔ کیونکہ زکوٰۃ کی حیثیت خاص عبادت کی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان معاملہ ہے۔ (80)

خیرات شدہ حصہ کی زکوٰۃ

اگر کسی شخص نے نصاب (What is fixed) کے بعض حصہ کو خیرات کر دیا تو امام محمد بن الحسن الشیبانی (م 189ھ / 805ء) کے نزدیک اس خیرات شدہ حصہ کی زکوٰۃ اس سے ساقط ہو جائے گی۔ لیکن امام ابویوسف یہ رائے

دیتے ہیں کہ اس سے زکوٰۃ ساقط نہیں ہوگی بلکہ اس کو پورے مال کی زکوٰۃ دینی ہوگی۔ وہ یہ دلیل دیتے ہیں کہ اس کا بعض حصہ متعین نہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ رقم جو باقی بچی ہے اسی میں واجب شدہ زکوٰۃ ہو' تو اس طرح ادائیگی کیسے ممکن ہوگی؟(81)

زکوٰۃ کے مال سے یتیم کی پرورش

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اگر ایک شخص کسی یتیم کی پرورش کرتا ہو وہ اس کو اپنے مال سے کپڑا پہنائے اور کھانا کھلائے اور زکوٰۃ کی نیت کرے تو یہ جائز ہوگی۔ وہ کہتے ہیں کہ زکوٰۃ میں واجب چیز تملیک ہے۔ جب اس نے اس کو کھانا اور کپڑا سپرد کر دیا اور زکوٰۃ کی نیت کی تو یہ ادا ہو جائے گی۔(82)

تجارتی سامان پر زکوٰۃ

جب ایک آدمی نے تجارت کے لئے سامان خرید اور اس پر ایک سال گزر گیا تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اس کی قیمت کے بارے میں اختلاف کیا گیا ہے۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں اس کی قیمت وہ ہوگی جس پر وہ سامان خریدا گیا اگر درہم (Dirham, a coin of the value of two pence) یا دینار (Deenar, A golden coin) میں سے کسی ایک نقدی کے بدلے خریدا گیا تو اس کی قیمت اسی کے حساب سے ہوگی اور اگر نقدی کے بغیر خریدا گیا تو پھر اس صورت میں اس شہر میں غالب نقدی شمار ہوگی۔(83)

زیورات کی زکوٰۃ

تجارتی مقاصد یا مال کو محفوظ کرنے کی خاطر جو زیورات بنوائے گئے ہوں ان پر تو تمام فقہاء کے نزدیک زکوٰۃ واجب ہے۔ البتہ وہ زیورات جو عورتیں زیب و زینت کے لئے استعمال کرتی ہیں ان کی زکوٰۃ میں اختلاف ہے۔ امام مالک' امام احمد بن حنبل' اسحاق بن ابراہیم ابن راہویہ (م 238ھ / 852ء) اور امام شافعی کے نزدیک زیورات پر زکوٰۃ نہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ عورتوں کے لئے زیورات کی حیثیت وہی ہے' جو مختلف قسم کے خوبصورت کپڑوں' عمدہ ساز و سامان اور مختلف قسم کے سامان آرائش کی ہوتی ہے۔(84) چونکہ ان اشیاء پر جو ذاتی استعمال کے لئے ہوں بالاجماع زکوٰۃ نہیں ہے اس لئے وہ زیورات جو عورتیں پہنتی ہوں' ان پر زکوٰۃ نہیں۔

امام ابو یوسف کی رائے یہ ہے کہ عورتوں کے زیر استعمال زیورات پر زکوٰۃ ہے۔ امام ابو یوسف ان احادیث سے استدلال کرتے ہیں جن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر مختلف عورتوں کو سونے اور چاندی کے زیورات پر زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم دیا۔(85)

اونٹوں کی زکوٰۃ

امام ابو یوسف کے نزدیک اونٹوں پر زکوٰۃ درج ذیل جدول (Shedule) کے مطابق ہے۔

تعداد	زکوٰۃ
5 تا 9	ایک بکری جس کی عمر ایک سال سے کم نہ ہو
10 تا 14	دو بکریاں
15 تا 19	تین بکریاں
20 تا 24	چار بکریاں
25 تا 35	ایک بنت مخاض یعنی اونٹ کا مادہ بچہ جسے ایک سال پورا ہو گیا ہو اور دوسرے سال میں داخل ہوا ہو۔
36 تا 45	ایک بنت لبون یعنی اونٹ کا مادہ بچہ جسے دو سال پورے ہو گئے ہوں اور تیسرے سال میں داخل ہوا ہو۔
46 تا 60	ایک حقہ یعنی مکمل تین سال کی ایک اونٹنی جو چوتھے سال میں داخل ہو گئی ہو۔
61 تا 75	ایک جذعہ یعنی مکمل چار سال کی اونٹنی جو پانچویں سال میں داخل ہو گئی ہو۔
76 تا 90	دو ایسی اونٹنیاں جو عمر کے چوتھے سال میں ہوں۔

اگر تعداد ایک سو بیس سے زیادہ ہو تو ہر پچاس پر ایک ایسی اونٹنی جو عمر کے چوتھے سال میں ہو اور ہر چالیس پر ایک ایسی اونٹنی جو عمر کے تیسرے سال میں ہو۔(86)

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ صدقہ وصول کرنے میں حساب لگاتے وقت نہ تو مختلف گلوں کو یکجا کیا جائے گا نہ ایک گلہ کو مختلف گلوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ اور جو گلہ دو شریکوں کی ملکیت ہو اس کے صدقہ کا بار دونوں شریک برابر برداشت کریں گے۔(87)

گائے کی زکوٰۃ

امام ابو یوسف کے نزدیک گائے پر زکوٰۃ درج ذیل جدول (Schedule) کے مطابق ہے۔

تعداد	زکوٰۃ
1 تا 29	کوئی زکوٰۃ نہیں۔
30 تا 39	ایک سال سے زائد عمر کا نر یا مادہ بچھڑا۔

40 ایک بڑی عمر کی گائے۔

اگر تعداد چالیس سے زیادہ ہو تو ہر تیس پر ایک سال بھر سے زیادہ عمر کا بچھڑا اور چالیس پر ایک بڑی عمر کی گائے واجب ہے۔(88)

بھیڑ بکریوں کی زکوٰۃ

امام ابو یوسف کے نزدیک بھیڑ بکریاں جب زیادہ ہوں تو ہر سو بکری میں سے ایک بکری واجب ہے۔(89)

گھوڑوں کی زکوٰۃ

امام ابو حنیفہ اور زفر بن الہذیل (م 158ھ / 775ء) کہتے ہیں کہ باہر چرنے والے گھوڑوں پر زکوٰۃ واجب ہے۔ (90) لیکن امام ابو یوسف ان سے اختلاف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان گھوڑوں پر زکوٰۃ واجب نہیں۔(91) آپ نے کتاب الخراج میں متعدد ایسی روایات نقل کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ گھوڑوں اور غلاموں پر زکوٰۃ نہیں۔(92)

زکوٰۃ میں کیسے جانور لیے جائیں گے

امام ابو یوسف کی رائے یہ ہے کہ زکوٰۃ لیتے وقت وہی راسیں لی جائیں گی جن کے اگلے چار دانت نکل آئے ہوں یا جو اس سے بھی بڑی ہوں بوڑھی' اندھی' اور کانی راسیں یا ایسی جن کی ایک آنکھ بہت خراب ہو صدقہ میں نہیں لی جائیں گی۔

نیز بھیڑ یا بکرا' یا ایسی بھیڑ یا بکری جو بچہ جننے والی ہو' گابھن ہو' یا جسے دودھ کی خاطر گھر میں پال رکھا گیا ہو یا جسے ان مویشیوں کے مالک نے خود کھانے کی غرض سے کھلا کھلا کر موٹا کیا ہو اور ایسی بھیڑ یا بکری جو ابھی عمر کے دوسرے سال میں ہو یا اس سے بھی کم عمر کی ہو' نہیں لی جائے گی۔

جو راسیں سال بھر سے زیادہ عمر کی ہوں اور مذکورہ بالا چاروں قسموں میں نہ شامل ہوں انہیں محصل صدقہ قبول کر لیا کرے گا۔

محصل صدقہ کو چن چن کر عمدہ راسیں لینے کا حق نہیں نہ وہ سب سے گھٹیا یا اوسط سے گری ہوئی راسیں لے گا بلکہ سنت کے مطابق اور اس سلسلہ میں جو آثار منقول ہیں ان کی روشنی میں اسے چاہیے کہ اوسط قسم کی راسیں لے۔ محصل صدقہ کو ایک علاقہ سے وصول کردہ بھیڑ بکری دوسرے علاقہ میں نہیں لے جانا چاہیے۔ بلکہ اسی علاقہ کے مستحقین میں تقسیم کر دینی چاہیے۔(93)

سال پورا ہونے کی شرط

امام ابویوسف کہتے ہیں کہ اونٹوں، گایوں، اور بھیڑ بکریوں میں سے صدقہ اسی وقت وصول کیا جائے گا جبکہ ان پر پورا ایک سال گزر جائے۔ جب سال پورا ہو جائے تو اس میں سے (صدقہ) وصول کر لیا جائے گا۔ (۹۴)

مویشیوں کی گنتی

مویشیوں کو شمار کرنے میں چھوٹی اور بڑی راسوں، اور بھیڑ اور بکری کے بچوں، سب کو شامل کیا جائے گا۔ خواہ وہ اتنا چھوٹا ہو کہ چرواہا اسے اپنے ہاتھوں میں اٹھا کر لائے۔ بشرطیکہ یہ بچہ سال پورا ہونے سے قبل پیدا ہو چکا ہو۔ جو بچے سال پورا ہونے کے بعد پیدا ہوئے ہوں ان کو اس سال کے شمار میں نہیں بلکہ آئندہ سال کے شمار میں شامل کیا جائے گا۔ بشرطیکہ یہ اس سال کے پورا ہونے تک باقی رہیں۔ (۹۵)

امام ابویوسف کے نزدیک صدقہ کا حساب لگانے میں بھیڑوں اور بکریوں کی حیثیت یکساں ہے۔ (۹۶)

نصاب مکمل ہونے کی تشریح

اگر مالک کے پاس بچے اور بڑی راسیں ملا کر کل چالیس راسیں ہوں اور ان پر پورا سال گزر چکا ہو تو امام ابو حنیفہ کی رائے یہ ہے کہ ان میں سے کچھ بھی واجب نہیں لیکن امام ابویوسف یہ رائے دیتے ہیں کہ محصل صدقہ کو ان میں سے ایک راس لے لینی چاہیے۔

بچھڑوں اور اونٹ کے یک سالہ بچوں کے سلسلہ میں بھی جو دودھ چھوڑ چکے ہوں، امام ابویوسف اور امام ابو حنیفہ، دونوں کی رائے میں یہی فرق ہے۔

اگر مالک کے پاس پختہ عمر کو پہنچی ہوئی بھیڑ یا بکری ایک ہو، اور اس کے علاوہ چھوٹی بڑی سب راسیں ملا کر انتالیس (39) اور ہوں اور ان پر پورا سال گزر جائے تو ان میں سے ایک پختہ عمر والی بھیڑ یا بکری واجب ہو گی۔

اسی اصول کا اطلاق اونٹوں اور گائے بیلوں پر بھی ہو گا۔ (۹۷)

تخفیف کا طریقہ

اگر پوری عمر والی بھیڑ یا بکری سال پورا ہونے کے بعد مر جائے تو امام ابو حنیفہ کے قول کی رو سے مویشیوں کے اس گلہ میں کچھ نہیں واجب ہو گا لیکن امام ابویوسف کہتے ہیں کہ اس ناقص گلہ پر پورے گلہ کی زکوۃ کا 39/40 حصہ واجب ہو گا۔

اگر سال پورا ہونے پر گلہ کے مالک کے پاس چالیس گائیں ہوں لیکن محصل زکوۃ کے آنے سے قبل ان میں سے

بیس مر جائیں تو بقیہ گایوں میں سے پوری عمر کی ایک راس کا نصف واجب ہو گا۔ اگر اس سے کم گائیں مری ہوں تو زکوۃ بھی اسی حساب سے کم کی جائے گی۔ چالیس میں سے ایک تہائی گائیں مر جائیں تو بڑی راس کا 2/3 واجب رہ جائے گا۔ اور چوتھائی مر گئی ہوں تو ایک پوری عمر کی راس کا 3/4 واجب ہو گا۔ (98)

پوری عمر کی راس کا جتنا بھی حصہ واجب ہو اُسے محصل صدقہ ایک پورے بچھڑے کے برابر نہیں قرار دے سکتا۔ (99)

امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ اسی اصول کا اطلاق اونٹوں پر بھی ہو گا اگر مالک کے پاس پچیس اونٹ ہوں اور سال پورا ہو جائے تو اونٹ کا ایک ایسا بچہ واجب ہو گا جو عمر کے دوسرے سال میں ہو۔ اب اگر ایک اونٹ کے سوا یہ سارے اونٹ مر جائیں تو اس ایک میں سے سال بھر سے زیادہ عمر کے بچہ کا 1/25 واجب ہو گا۔ اگر بیس مر گئے ہوں اور پانچ باقی ہوں تو اس وقت ان اونٹوں کے مالک سے کچھ بھی نہیں وصول کیا جائے گا۔ بلکہ ان اونٹوں میں محصل صدقہ کا 1/5 بچہ اونٹ باقی سمجھا جائے گا۔ (100)

مالک کے پاس پچاس گائیں ہوں اور اس میں پوری عمر کی راس صرف ایک ہو تو تیس سے زیادہ پر' چالیس تک صرف ایک ایسا بچھڑا واجب ہوتا ہے جو عمر کے پہلے سال میں ہو۔ جب تعداد چالیس ہو جائے تو اس میں ایک پوری عمر کی گائے واجب ہوتی ہے۔ اور چالیس سے زائد پر جب تک کہ تعداد ساٹھ نہ ہو جائے' وہی ایک پوری عمر کی گائے واجب ہے۔ تعداد ساٹھ ہو جانے پر دو بچھڑے واجب ہوں گے۔ اور جب تعداد ستر ہو جائے تو پوری عمر کی ایک گائے اور ایک بچھڑا واجب ہو گا۔ جب گایوں کی تعداد اس سے بہت زیادہ ہو تو ہر چالیس پر ایک پوری عمر کی گائے اور ہر تیس پر ایک نر بچھڑا جو عمر کے پہلے سال میں ہو یا ایک گائے جو عمر کے دوسرے سال میں ہو واجب ہے۔ (101)

مالک کے پاس سال پورا ہونے پر پچاس گائیں رہی ہوں اور اس کے بعد ان میں سے دس مر جائیں تو ان گایوں میں سے 'حسب سابق' پوری عمر کی ایک گائے واجب ہو گی کیونکہ اتنی تعداد باقی رہ گئی ہے جس پر کہ ایک پوری عمر کی گائے واجب ہوتی ہے لیکن اگر بیس گائیں ہلاک ہو گئیں ہوں تو بقیہ میں ایک پوری عمر کی گائے کا 3/4 واجب ہو گا کیونکہ جتنی گایوں میں ایک پوری عمر کی گائے واجب ہوتی ہے' یعنی چالیس۔ اس میں سے 1/4 جاتی رہیں' لہٰذا پوری عمر کی ایک راس کا 1/4 ساقط ہو جائے گا۔ (102)

اگر سال پورا ہونے پر مالک کے پاس پچاس اونٹ ہوں تو اس پر ان اونٹوں میں سے ایک ایسی اونٹنی واجب ہے جو عمر کے چوتھے سال میں ہو۔ اب اگر ان اونٹوں میں سے تین یا چار محصل صدقہ کے آنے سے قبل ہی مر جاتے ہیں اور چھیالیس (46) اونٹ بچ رہتے ہیں تو بھی محصل صدقہ ان میں سے ایک ایسی اونٹنی لے لے گا جو عمر کے چوتھے سال میں ہو۔ لہٰذا مر جانے والے اونٹوں کا حساب پر کوئی اثر نہیں پڑے گا لیکن اگر بچ رہنے والے اونٹوں کی تعداد چھیالیس سے کم

ہو تو ایک چوتھے سال والی اونٹنی کو چھیالیس حصوں میں تقسیم کرکے یہ حساب لگایا جائے گا کہ جتنے اونٹ زندہ بچے ہیں ان کا حصہ ان حصوں میں سے کتنا ہوتا ہے۔ اور اسی حساب سے مالک پر ان اونٹوں کی زکوٰۃ واجب ہوگی (یعنی باقی ماندہ اونٹوں کی تعداد ضرب 1/46 اونٹنی)

اسی اصول کا اطلاق بھیڑوں اور بکریوں پر بھی ہوگا۔ مالک کے پاس ایک سو بیس راسیں ہوں تو ان میں سے ایک راس واجب ہوگی کیونکہ بھیڑ بکریوں کی تعداد جب تک چالیس نہ ہو ان میں کچھ نہیں واجب ہوتا۔ اور چالیس ہو جانے کے بعد ایک سو بیس کی تعداد تک ایک ہی بھیڑ یا بکری واجب ہوتی ہے۔ اب اگر ان ایک سو بیس میں سے بیس یا چالیس یا اسی راسیں ہلاک ہو جاتی ہیں تو بھی باقی چالیس میں ایک راس واجب ہوگی کیونکہ اتنی تعداد باقی بچ گئی ہے جس پر صدقہ واجب ہے۔ لیکن اگر ان میں سے سو مر جائیں اور بیس بچ رہیں تو ان میں صرف 1/2 راس واجب ہوگی۔ یعنی چالیس پر جو واجب ہوتا ہے اس کا نصف۔ تخفیف میں اس تعداد کا کوئی لحاظ نہ کیا جائے گا جو چالیس سے زیادہ رہی ہو بلکہ اس کی کے حساب سے تخفیف کی جائے گی جو چالیس کی تعداد میں واقع ہوئی ہو۔

اگر سال پورا ہونے پر ایک سو اکیس راسیں ہوں تو ان میں سے دو راسیں واجب ہوں گی۔ اب اگر محصل صدقہ کے آنے سے پہلے ان میں سے کچھ راسیں ہلاک ہو جاتی ہیں تو اسی حساب سے صدقہ میں تخفیف کر دی جائے گی مثلاً 1/6 تعداد ہلاک ہو جاتی ہے تو دو راسوں کا 1/6 (یعنی 1/3 راس) ساقط ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر 1/5 تعداد ہو جاتی ہے تو دو راسوں کا 1/5 یعنی 2/5 راس ساقط ہو جائے گی۔ اگر ان ایک سو اکیس میں سے صرف دو بکریاں یا بھیڑیں ہلاک ہوئی ہیں تو مالک پر دو راسوں کے ایک سو اکیس حصوں میں سے ایک سو انیس حصے (یعنی 2x119) راسیں واجب ہیں۔ (103)

مصارف زکوٰۃ

امام ابو یوسف نے مصارف زکوٰۃ کے ضمن میں بھی اجتہاد کیا ہے چنانچہ کتاب الخراج میں سورہ توبہ کی آیت نمبر (60) کا حوالہ دینے کے بعد اس کی تشریح بھی کرتے ہیں۔

آپ کے نزدیک سب سے پہلے اس رقم سے عاملین زکوٰۃ کی تنخواہیں دی جائیں گی۔ (104) آپ فرماتے ہیں کہ اس مد پر خرچ ہونے والی رقم زکوٰۃ میں وصول ہونے والے مال کے 1/8 حصہ سے کم بھی ہو سکتی ہے اور زیادہ بھی۔ ان کا نظریہ یہ ہے کہ عاملین کو اتنی تنخواہ دینی چاہیے جس سے وہ متوسط معیار زندگی (Middle quality of life) کے لوازمات پورے کر سکیں۔ (105)

عاملین کا حصہ نکالنے کے بعد وہ ایک حصہ فقراء اور مساکین کے لئے ضرور قرار دیتے ہیں۔ (106) آپ کے نزدیک

فقیر اور مسکین یکساں ہیں۔ (107) ابو عبداللہ محمد بن عمر الرازی (م 606ھ / 1209ء) "التفسیر الکبیر" میں لکھتے ہیں۔

لا فرق بین الفقراء و المساکین' واللہ تعالیٰ و صفهم بهذین الوصفین' والمقصود شئی واحد و هو قول ابی یوسف(108)

"فقراء اور مساکین کے مابین کوئی فرق نہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان دو الفاظ سے ایک ہی وصف بیان کیا ہے اور اس سے مقصود ایک ہی چیز ہے اور یہ قول (امام) ابو یوسف کا ہے۔"

ان کا نظریہ یہ ہے کہ تندرست و توانا فقیر کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ (109)

غنی کی حد کے بارے میں مختلف ائمہ کے درمیان اختلاف ہے۔ اگر ایک شخص کسی چیز کا مالک ہو جو نقدی تو نہ ہو لیکن اس سے اس کی ضرورت پوری ہو رہی ہو مثلاً ضرورت کے مطابق روزی یا مکان وغیرہ کا کرایہ تو امام احمد' امام شافعی' امام مالک اور بعض دیگر ائمہ کے نزدیک اسے زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ لیکن امام ابو یوسف کا نظریہ یہ ہے کہ ایسے شخص کو زکوٰۃ دینا غیر مناسب ہے البتہ اگر دے دی جائے تو ادا ہو جائے گی کیونکہ وہ بہر حال غنی نہیں ہے۔ (110)

امام ابو یوسف حضرت عمرؓ کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے "مولفتہ القلوب" کی مد (item) کو ساقط کرتے ہیں۔ (111) ان کے نزدیک غارمین (Debtors) وہ لوگ ہیں جو اپنے قرضے ادا کرنے کی استطاعت نہ رکھتے ہوں۔ (112) وہ کہتے ہیں کہ ایک حصہ گردنوں کو چھڑانے کے لئے ہو گا اور اسی حصہ میں سے ایسے لوگوں کو دیا جائے گا جن کا کوئی آدمی غلام ہو یا ان کے باپ' بھائی' بہن' ماں' بیٹی' بیوی' دادا' دادی' چچا' چچی' ماموں' ممانی اور ان جیسے دوسرے قریبی اعزا کسی کی ملکیت ہوں۔ ایسے لوگوں کی مدد کی جائے گی تاکہ وہ ان رشتہ داروں کو خرید کر آزاد کر سکیں۔ اسی حصہ میں سے مکاتب غلاموں کی بھی مدد کی جائے گی۔ (113) وہ کہتے ہیں کہ ایک حصہ غریب الوطن بے سہارا مسافروں کے لئے ہو گا۔ (114) امام ابو یوسف کے نزدیک "فی سبیل اللہ" سے مراد وہ مجاہدین ہیں جن کے پاس جنگ کا ساز و سامان نہ ہو۔ (115) ابو بکر محمد بن احمد السرخسی (م 483ھ / 1090ء) نے "المبسوط" میں لکھا ہے۔

"و فی سبیل اللہ فهم فقراء الغزاة هکذا قال ابو یوسف ... و ابو یوسف رحمه اللہ تعالی یقول الطاعات کلها فی سبیل اللہ تعالی و لکن عند اطلاق هذا اللفظ المقصود بهم الغزاة عند الناس و لا یصرف الی الاغنیاء من الغزاة عندنا.(116)

"اور "فی سبیل اللہ" سے مراد محتاج غازی ہیں۔ یہی رائے (امام) ابو یوسف کی ہے۔۔۔ اور ابو یوسف رحمتہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ نیکی کے سارے کام اگرچہ سبیل اللہ تعالیٰ میں داخل ہیں لیکن یہ لفظ جب مطلق ہو تو لوگوں

(یعنی اہل علم) کے نزدیک اس سے مقصود غازی ہوتے ہیں۔ اور ہمارے نزدیک (زکوٰۃ) ان غازیوں پر خرچ نہیں کی جاسکتی جو اغنیاء ہوں۔"

امام ابو یوسف کے نزدیک زکوٰۃ کی رقم میں سے سڑکوں کی مرمت بھی کی جاسکتی ہے۔ چنانچہ کتاب الخراج میں جب وہ مصارف زکوٰۃ (Expenditures of Zakat) پر گفتگو کرتے ہیں تو فرماتے ہیں۔

و سهم في إصلاح طرق المسلمين (117)

"اور ایک حصہ مسلمانوں کی سڑکوں کی مرمت کے لئے رکھا جائے گا۔"

امام ابو یوسف حاکم کو یہ اختیار دیتے ہیں کہ وہ فقراء اور مساکین کا حصہ نکالنے کے بعد زکوٰۃ کی بقیہ رقم کو کسی ایک مصرف (Use) پر بھی خرچ کر سکتا ہے۔ (118)

فقراء اور مساکین کے حصہ کے بارے میں وہ یہ شرط عائد کرتے ہیں کہ اسے اسی شہر اور آبادی کے باشندوں میں تقسیم کرنا چاہیے' جہاں سے زکوٰۃ وصول کی گئی ہے۔

وہاں سے لے جاکر دوسرے شہر کے مستحقین (Deserving Persons) میں تقسیم نہ کی جائے۔ (119)

امام ابو یوسف کا نظریہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کی رقم سے مصارف حکمرانی (Cost of Government) نہیں پورے کئے جاسکتے۔ اس آمدنی سے صرف اس محکمہ کے مصارف پورے کئے جاسکتے ہیں جو زکوٰۃ و عشر کی تحصیل اور تقسیم کا ذمہ دار ہو۔ دیگر محکموں کے ملازمین کو اس مد سے تنخواہیں نہیں دی جاسکتیں۔ چنانچہ امام ابو یوسف فرماتے ہیں۔

و لا نجري على الولاة والقضاة من مال الصدقة شيئا الا والي الصدقة فانه يجري عليه منها كما قال الله تبارك و تعالى (والعاملين عليها) (120)

"اور تحصیل صدقہ پر مامور والی کے علاوہ دوسرے والیوں اور قاضیوں کے مشاہرے صدقات کی مد سے نہیں دیئے جائیں گے۔ البتہ صدقہ کے والی کا مشاہرہ اس مد سے دیا جائے گا۔ جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے (مصارف زکوٰۃ کی آیت میں) والعاملین علیہا' فرما کر صراحت کر دی۔"

بنو ہاشم کو زکوٰۃ کی ادائیگی کا مسئلہ

بنو ہاشم کو زکوٰۃ کی ادائیگی کے ضمن میں امام ابو یوسف نے درج ذیل مسائل میں دیگر ائمہ سے اختلاف کیا ہے۔

(ا) کیا بنو ہاشم کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

(ب) کیا بنو ہاشم کے لئے صرف فرض صدقہ (زکوٰۃ) کا لینا ناجائز ہے یا نفلی صدقہ لینا بھی ناجائز ہے۔

(ج) کیا ہاشمی کو صدقات وصول کرنے پر مقرر کیا جاسکتا ہے؟

ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی (م 321ھ / 933ء) نے ابو یوسف کے امالی سے نقل کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے

نزدیک نظام خمس نہ ہونے کی صورت میں آل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو زکوٰۃ دینا درست ہو گی۔(121)

بعض احناف' شوافع اور حنابلہ کے نزدیک بنو ہاشم کے لئے نفلی صدقہ لینا جائز ہے۔(122)

بعض اہل علم کے نزدیک ہاشمی کو صدقات کی وصولی پر مقرر کیا جاسکتا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ اگر اغنیاء کو یہ فریضہ سونپا جاسکتا ہے۔ حالانکہ ان کو صدقہ لینا بھی حرام ہے تو قیاس کی رو سے بنو ہاشم کے لئے بھی صدقات کی تحصیل پر مقرر کرنا جائز ہونا چاہیے۔(123)

امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ بنو ہاشم کے لئے زکوٰۃ اور نفلی صدقہ دونوں ناجائز ہیں۔(124) وہ یہ دلیل دیتے ہیں کہ زکوٰۃ کو حدیث میں لوگوں کی میل کہا گیا ہے اور حدیث میں صدقہ کا لفظ استعمال ہوا ہے اس لئے فرض زکوٰۃ کی طرح نفلی صدقہ لینا بھی حرام ہے۔

اسی طرح امام ابو یوسف ہاشمی کو تحصیل زکوٰۃ کی ذمہ داری سونپنا بھی ناجائز سمجھتے ہیں۔(125) ابو جعفر الطحاوی اپنی کتاب "شرح معانی الآثار" میں رقم طراز ہیں۔

و قد کان ابو یوسف یکرہ لبنی ھاشم ان یعملوا علی الصدقة اذا کانت جعالتھم منھا قال لان الصدقة تخرج من مال المتصدق الی الاصناف التی سماھا اللہ تعالی فیملک المصدق بعضھا و ھی لا تحل له(126)

"اور تحقیق ابو یوسف بنو ہاشم کے لئے زکوٰۃ کی ملازمت ناپسند کرتے تھے۔ اس صورت میں کہ ان کو تنخواہ بھی اس مد سے دی جائے آپ نے فرمایا یہ اس لئے کہ صدقہ خیرات کرنے والے کے مال سے نکل کر ان اصناف کی طرف منتقل ہو جاتا ہے جن کے نام اللہ تعالی نے (اپنی کتاب میں) گنوائے ہیں۔ پس جس کو صدقہ دیا گیا وہ اس کا مالک ہو گا حالانکہ وہ اس کے لئے حلال نہیں ہے۔"

امام ابو یوسف نے حضرت ابو رافع کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بنی مخزوم کے عامل کے ساتھ جانے کی اجازت مانگی تھی۔ اور آپ نے انہیں اس کے ساتھ جانے سے منع کیا تھا۔ (127)

امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ بنو ہاشم آپس میں ایک دوسرے کی زکوٰۃ لے سکتے ہیں۔(128) و عن ابی یوسف' یحل من بعضھم لبعض لا من غیرھم(129)

کیا بیوی شوہر کو زکوٰۃ دے سکتی ہے

امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ جس طرح شوہر اپنے مال کی زکوٰۃ بیوی کو نہیں دے سکتا اس طرح عورت کے لئے بھی

جائز نہیں کہ وہ اپنے شوہر کو زکوٰۃ دے۔(130)

امام ابو یوسف کا نظریہ یہ ہے کہ عورت اپنے مال کی زکوٰۃ کا کچھ حصہ اپنے شوہر کو دے سکتی ہے۔(131)

امام ابو یوسف نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (م 32ھ / 653ء) کی بیوی کے استفسار پر فرمایا تھا کہ اگر تم اپنے شوہر کو صدقہ دو گی تو تمہارے لئے دو اجر ہیں۔ ایک اجر قرابت اور ایک اجر صدقہ۔(132)

زکوٰۃ کی ادائیگی کا ایک مسئلہ

اگر کسی نے ایک شخص کو زکوٰۃ کا مستحق سمجھ کر زکوٰۃ دے دی پھر اس کو معلوم ہوا کہ لینے والا دولتمند تھا یا وہ اس کا بیٹا تھا تو اس صورت میں امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک زکوٰۃ ادا ہو گئی۔ اور اس نے اپنی ذمہ داری پوری کر دی۔

امام ابو یوسف ان دونوں ائمہ سے اختلاف کرتے ہیں۔ ان کی رائے یہ ہے کہ اس طرح ادا کرنے سے وہ بری الذمہ نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کی غلطی یقینی طور پر ظاہر ہو چکی ہے۔

امام ابو یوسف کہتے ہیں' اس کی مثال اس طرح ہی ہے جیسے کوئی لاعلمی میں نجس پانی سے وضو کرے یا ناپاک کپڑے پہن کر نماز پڑھے۔ بعد میں علم ہو جانے پر اسے دوبارہ نماز پڑھنی پڑے گی۔

اسی طرح اگر ایک قاضی اپنی رائے اور اجتہاد سے فیصلہ کرے۔ بعد ازاں اسے اس کے خلاف نص شرعی کا علم ہو جائے تو اسے اپنے فیصلہ سے رجوع کرنا ہو گا۔(133)

امام ابو یوسف کی طرف منسوب ایک حیلہ اور اس کا تحقیقی جائزہ

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس حیلہ کا تحقیقی جائزہ پیش کریں جو زکوٰۃ کی ادائیگی سے بچنے کے لئے امام ابو یوسف کی طرف منسوب کیا جاتا ہے تاکہ اس ضمن میں امام ابو یوسف کا اصل نظر واضح ہو سکے۔

حیلہ کی صورت یہ ہے کہ حولان حول (سال گزرنے) (Completion of a year) سے کچھ وقت پہلے تھوڑا سا مال صدقہ کر دیا جائے تاکہ نصاب (What is fixed) سے کم رہ جائے۔ اور زکوٰۃ کی ادائیگی نہ کرنی پڑے۔ بعض فقہاء اور ائمہ دین نے لکھا ہے کہ امام ابو یوسف اس حیلہ کو جائز قرار دیتے ہیں۔ امام سرخسی اپنی کتاب المبسوط میں لکھتے ہیں۔

> و استدل ابو یوسف رحمہ اللہ علی ذلک فی الامالی قال ارایت لو کان لرجل مائتا درھم فلما کان قبل الحول بیوم تصدق بدرھم منھا کان ھذا مکروھا و انما تصدق بالدرھم حتی یتم الحول و لیس فی ملکہ نصاب

فلا يلزمه الزكاة و لا احد يقول بان هذا يكون مكروها او يكون هو فيه آثما(134)

"اور ابو یوسف نے املی میں اس کی دلیل پیش کی ہے۔ آپ نے فرمایا دیکھئے تو اگر کسی شخص کے پاس دو سو درہم ہوں جب سال گزرنے میں ایک دن باقی ہو تو وہ ایک درہم صدقہ کردے تو کیا یہ مکروہ ہو گا؟ حالانکہ اس نے صرف ایک درہم صدقہ کیا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ جب سال پورا ہو گا تو وہ نصاب کا مالک نہ رہے گا۔ لہٰذا زکوٰۃ فرض نہ ہو گی۔ کوئی شخص اس بارے میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ مکروہ ہے یا وہ ایسا کرنے سے گنہگار ہو گا۔"

زین العابدین بن ابراہیم' ابن نجیم (970ھ / 1562ء) نے اپنی کتاب "الاشباہ والنظائر" میں امام ابو یوسف سے اسقاط زکوٰۃ کا اسی قسم کا ایک حیلہ نقل کیا ہے۔(135) ابو العباس احمد' ابن تیمیہ نے "القواعد النورانية الفقهية" میں بیان کیا ہے کہ ابو حنیفہ زکوٰۃ کو ساقط کرنے کی غرض سے حیلہ سازی کو جائز قرار دیتے ہیں۔ البتہ امام محمد کے نزدیک مکروہ ہے لیکن ابو یوسف کے نزدیک مکروہ نہیں ہے۔(136) امام غزالی کے بیان کے مطابق قاضی ابو یوسف ہر سال اپنا تمام مال بیوی کے نام ہبہ کر دیتے اور وہ اختتام حول (End of year) سے پہلے ان کے نام واپس کر دیتی۔ اس طرح زکوٰۃ ساقط سمجھ لی جاتی اور اس پر طرہ یہ کہ جب امام ابو حنیفہ کے سامنے یہ واقعہ نقل کیا گیا تو انہوں نے ابو یوسف کی تعریف کی اور فرمایا۔ "ذلک من فقهه" (یہ ابو یوسف کی کمال فقاہت سے ہے)۔

امام غزالی یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اس میں شک نہیں کہ جمع دنیا کے لئے تو یہ بہت اچھی فقاہت تھی' لیکن آخرت میں اس سے بڑھ کر کوئی چیز نقصان پہنچانے والی نہیں ہو سکتی۔ اور یہی وہ علم ہے جو نافع ہونے کی جگہ ضار و مہلک ہے۔(137)

الاملی کی اس مشکوک روایت کو بنیاد بنا کر' امام ابو یوسف ایسی علم و عمل سے مزین شخصیت کے بارے میں اس طرح کی رائے قائم کرنا' دراصل انہیں ان کے اصل مقام و مرتبہ سے محروم کرنے کی ایک سعی لاحاصل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کا حیلہ بعد کے کسی نام نہاد فقیہ کی ذاتی اختراع ہے۔ اس نے اپنی اس باطل سوچ کو قبول عام دینے کے لئے' امام ابو یوسف کی طرف منسوب کر دیا ہے۔

آپ کے معاشی فکر کو سمجھنے کے لئے ہمارے پاس مستند ترین ذریعہ ان کی اپنی تصنیف "کتاب الخراج" ہے سب سے پہلے ہم کتاب الخراج کا مطالعہ کریں گے۔ اگر اس کتاب میں جس کی نسبت امام ابو یوسف کی طرف کسی شک و شبہ سے بالاتر ہے' ہمیں راہنمائی نہ ملے تو تب ہی حقیقت کی تلاش کے لئے ہم دیگر کتب فقہ کی ورق گردانی کریں گے۔

امام ابو یوسف نے "کتاب الخراج" میں بڑے واضح انداز میں اس قسم کے حیلہ کی سختی سے تردید کی ہے۔ وہ مالکان

مویشی کو اسقاط زکوۃ کے لئے انتقال ملک سے منع کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لا یحل لرجل یومن باللہ والیوم الاخر منع الصدقۃ ولا اخراجھا من ملکہ الی ملک جماعۃ غیرہ لیفرقھا بذلک فتبطل الصدقۃ عنھا بان یصیر لکل واحد منھم من الابل والبقر والغنم ما لا یجب فیہ الصدقۃ و لا یحتال فی ابطال الصدقۃ بوجہ و لا سبب (138)

"اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھنے والے کسی فرد کے لئے زکوۃ کی ادائیگی سے گریز جائز نہیں۔ یہ بھی جائز نہیں کہ قابل زکوۃ مال کو اپنی ملکیت سے نکال کر دوسروں کی ملکیت بنا دے تاکہ وہ متفرق ہو جائے۔ اور ہر ایک فرد کے پاس اونٹ، گایوں اور بھیڑ بکریوں کی ایسی تعداد جمع ہو جائے جن پر صدقہ واجب نہیں ہوتا اور اس طرح اس مال پر سے زکوۃ ساقط ہو جائے۔ کسی طریقہ سے اور کوئی وجہ پیدا کر کے بھی کسی مال کی زکوۃ کو ساقط کرنے کی ترکیب نہیں کرنا چاہیے۔"

امام ابو یوسف کے اس بیان سے، ان کے نظریہ کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ اور کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

ابوالفضل احمد بن علی، ابن حجر العسقلانی (م 852ھ / 1449ء) کی رائے یہ ہے کہ اگر اسقاط زکوۃ کے اس حیلہ کی نسبت ابو یوسف کی طرف درست ہے تو پھر تحقیقی بات یہ ہے کہ بعد میں انہوں نے اس فتویٰ سے رجوع کر لیا تھا۔ ان کے الفاظ یہ ہیں۔

و الاشبہ ان یکون ابو یوسف رجع عن ذلک (139)

"اور اغلب یہ ہے کہ ابو یوسف نے اس (حیلہ اسقاط زکوۃ کے فتویٰ) سے رجوع کر لیا تھا۔"

محمد بن احمد، ابو زہرہ (م 1394ھ / 1972ء) نے بھی اپنی کتاب "ابو حنیفۃ حیاتہ و عصرہ ... آراوہ و فقہہ" میں ابو یوسف کی طرف منسوب حیلہ اسقاط زکوۃ کی اس روایت کو قبول کرنے سے انکار کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

و انی اتردد کل التردد فی قبول روایۃ الامالی عن ابی یوسف رحمہ اللہ ... و الامالی لیست فی قوۃ ظاہر الروایۃ و لیست من کتب الدرجۃ الاولی التی لا یشک فی نسبۃ ما فیھا الی ابی یوسف رضی اللہ عنہ، و نستبعد کل الاستبعاد ان یکون ابو یوسف ممن یتحایل لمنع وجوب عبادۃ من العبادات (140)

"مجھے ابو یوسف سے الاملی کی روایت قبول کرنے میں شک ہے۔ اور الاملی ظاہر الروایۃ جیسی مستند نہیں۔ اور نہ ہی یہ اول درجہ کی ان کتب میں شمار ہوتی ہیں جن میں ابو یوسف کے اقوال کو بغیر کسی شک و شبہ کے نقل کیا گیا ہے۔ یہ بات بعید ہے کہ ابو یوسف ایک ایسا حیلہ وضع کریں کہ جس سے عبادات میں سے ایک عبادت واجب ہونے کی ممانعت ہو۔"

احمد بن خیر الدین' ابو الکلام آزاد (م 1377ھ / 1958ء) نے اس ضمن میں بڑی فیصلہ کن بات کہی ہے۔ منقولہ حیلہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"حضرت قاضی ابو یوسف اور امام ابو حنیفہ کا مقام اس سے کہیں ارفع و اعلیٰ ہے کہ ایسے منکرات و شنائع کا ان کی نسبت وہم بھی کیا جاسکے۔ یہ سارے حیلے بعد کے فقہائے حیل و علمائے دجل و فساد کے تراشے ہوئے ہیں اور یقیناً انہوں نے ہی اپنی بضاعت رویہ کے رواج دینے کے لئے ان کو ائمہ سلف و فقہائے امصار کے نام سے منسوب کردیا۔" (141)

عشر

زمین کی پیداوار کی زکوٰۃ کو عشر کہتے ہیں۔ عشر کے لفظی معنی ہیں دسواں حصہ۔ چونکہ اس کی شرح بالعموم کل پیداوار کا عشر (دسواں حصہ 1/10) اور بعض صورتوں میں نصف العشر (بیسواں حصہ 1/20) مقرر ہے۔ اس لئے زکوٰۃ کی اس قسم پر عشر کا اطلاق ہوتا ہے۔

امام ابو یوسف نے عشر کے درج ذیل مسائل میں دیگر ائمہ سے اختلاف کیا ہے۔

(ا) عشر کس قسم کی پیداوار پر ہے؟

(ب) عشر کا نصاب کیا ہے اور مختلف قسم کے اناج' سبزیوں اور پھلوں کو اکٹھا کر کے ایک نصاب بنایا جا سکتا ہے یا نہیں؟

(ج) پیداواری اخراجات عشر کی ادائیگی سے قبل منہا کئے جائیں گے یا نہیں؟

(د) اگر زمین ٹھیکہ (on rent) پر دی گئی ہے تو عشر صاحب زمین پر ہوگا یا ٹھیکہ دار پر۔

(ر) پھلوں کا عشر بذریعہ خرص جائز ہے یا نہیں؟

(ز) عشر کی ادائیگی کا وقت۔

(ا) عشر کس قسم کی پیداوار پر ہے؟

امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہر قسم کی پیداوار پر عشر واجب ہے۔ (142) ان کا استدلال قرآن حکیم کی اس آیت سے

ہے

وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ (143)

"اور اس میں سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالی ہیں۔"

امام ابو یوسف صرف اس پیداوار پر عشر کے قائل ہیں جو دو شرطیں پوری کرتی ہو۔

(ا) لوگ اس پیداوار کو ذخیرہ کر کے رکھ سکیں۔ لہٰذا ایسی سبزیاں جن کو ذخیرہ کر کے نہ رکھا جا سکے مثلاً کھیرا، کدو، بینگن، گاجر وغیرہ اور تربوز پر عشر نہیں۔

(ب) پیمانے سے ناپ تول سکیں مثلاً گندم، جو، مکئی، چاول، دوسرے غلے، پٹ سن، بادام، چلغوزہ، اخروٹ، پستہ، زعفران، زیتون، پیاز، لہسن اور اس قسم کی دوسری چیزیں۔ (144)

(ب) عشر کا نصاب کیا ہے؟

امام ابو حنیفہ کے نزدیک کھیتوں کی پیداوار کا کوئی نصاب نہیں۔ پیداوار تھوڑی ہو یا زیادہ عشر واجب ہو گا۔ (145)

امام ابو یوسف کی رائے یہ ہے کہ اگر عشری زمین کی پیداوار پانچ وسق (تقریباً 948 کلوگرام) تک ہو جائے تو عشر واجب ہو گا۔ اس سے کم پیداوار پر نہیں۔ آپ کے نزدیک مختلف قسم کے اناجوں اور پھلوں کو اکٹھا کر کے ایک نصاب بنایا جا سکتا ہے۔ (146)

(ج) پیداواری اخراجات عشر کی ادائیگی سے قبل منہا کئے جائینگے یا نہیں؟

امام ابو یوسف کے نزدیک عشر کل پیداوار کا وصول کیا جائے گا اور عشر ادا کرنے کے بعد باقی پیداوار سے ہل، بیل، سنچائی، نگرانی وغیرہ کے مصارف (Expendtures) ادا کئے جائیں گے۔ عشر کی ادائیگی سے قبل پیداواری اخراجات نہیں نکالے جا سکتے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ محنت اور زیادہ اخراجات والی پیداوار پر 1/20 اور کم محنت اور معمولی اخراجات سے ہونے والی پیداوار پر 1/10 بطور عشر واجب کر کے پہلے ہی سے اخراجات اور محنت کی رعایت فرما دی ہے اب مزید کمی بیشی کرنا شریعت میں اپنی رائے کو دخل دینا ہے۔ امام ابو یوسف "کتاب الخراج" میں فرماتے ہیں۔

ولا نحتسب منه اجرة العمال ولا نفقة البقر (147)

"اور (عشر کا حساب لگانے سے پہلے) اس میں سے محنت کاروں کی اجرت یا بیل پر آنے والا خرچہ نہیں وضع کیا جائے گا۔"

ٹھیکہ پر دی گئی زمین کا مسئلہ

اگر زمین ٹھیکہ پر دی گئی ہو تو اس صورت میں امام ابو یوسف کے نزدیک عشر کاشتکار پر واجب ہو گا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ عشر پیداوار پر لیا جاتا ہے۔ اور پیداوار کاشتکار کی ہوتی ہے' اس لئے وہی اس کی ادائیگی کا ذمہ دار ہو گا۔ (148)

مزارعت کی صورت میں عشر کس پر ہے؟

اگر زمین بٹائی پر دی گئی ہو اور بیج (Seed) کی فراہمی عامل (Worker) کے ذمہ ہو تو امام ابو یوسف کے نزدیک عشر مالک زمین (Land owner) اور عامل دونوں کے ذمہ ہو گا۔ محمد امین' ابن عابدین (م 1252ھ / 1836ء) لکھتے ہیں۔

ان العشر عند الامام علی رب الارض مطلقا و عندهما کذالک لو البذر منه و لو من العامل فعلیهما والفتوی علی قولهما (149)

"امام (ابو حنیفہ) کے نزدیک بیج خواہ رب الارض کی جانب سے ہو یا عامل کی جانب سے بہر دو صورت عشر رب الارض پر ہو گا۔ صاحبین فرماتے ہیں' اگر بیج رب الارض کی جانب سے ہو تو مسئلہ ایسا ہی ہے لیکن اگر عامل کی جانب سے ہے تو پھر دونوں پر ہے اور صاحبین کے قول پر فتویٰ ہے۔"

راقم الحروف کا خیال یہ ہے کہ مزارعت کی صورت میں عشر کی ادائیگی کے بارے میں ابن عابدین نے 'امام ابو حنیفہ کی جانب جو رائے منسوب کی ہے وہ درست نہیں ہے۔ یہ اس لئے کہ امام ابو حنیفہ تو عقد مزارعت کو سرے سے ہی باطل (void) کہتے ہیں۔ (150) اور اس صورت میں عشر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ علاء الدین ابو بکر الکاسانی (م 587ھ / 1191ء) نے بدائع الصنائع جلد دوم میں یہی رائے اختیار کی ہے۔ (151)

عشر کب واجب ہوتا ہے؟

امام ابو حنیفہ' اور امام زفر کی رائے یہ ہے کہ جب فصل پر پھل ظاہر ہو جائے اور اس سے فائدہ اٹھانا ممکن ہو' اس وقت عشر واجب ہو جاتا ہے۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ عشر کھیتی کٹنے کے وقت واجب ہوتا ہے۔ (152) آپ نے قرآن حکیم کی اس آیت سے استدلال کیا ہے۔

كُلُوا مِن ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ (153)

"اس کے پھلوں میں سے کھاؤ جب وہ نکل آئے اور اس کا حق (شرعی) اس کے کاٹنے کے دن ادا کر دیا کرو۔"

(ر) پھلوں کا عشر بذریعہ خرص

خرص کے لفظی معنی اندازہ اور تخمینہ کرنے کے ہیں۔ عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کم حرص ارضک (تمہاری زمین کا اندازہ اور تخمینہ کیا ہے) اصطلاح میں اس سے مراد یہ ہے کہ جب پھل پک جائیں اور ابھی توڑے نہ گئے ہوں تو حکومت کا عامل جاکر ان میں سے عشر کی مقدار کا اندازہ کرے۔(154)

امام مالک' امام احمد بن حنبل' اور امام شافعی کے نزدیک یہ جائز ہے۔(155) ان ائمہ کی دلیل یہ ہے کہ عہد رسالت اور خلفائے راشدین کے دور میں اس پر عمل رہا ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک خرص ناجائز ہے ہیں آپ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس کو ابوداؤد نے حضرت جابر بن عبداللہؓ کی روایت سے نقل کیا ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم ان تباع الثمرة حتى تشقح' قيل - و ما تشقح؟ قال تحمار و تصفار و يوكل منها(156)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا پھلوں کے فروخت کرنے سے' جب تک کہ وہ مشقح نہ ہو جائیں لوگوں نے آپؐ سے پوچھا کہ مشقح کیا چیز ہے؟ آپؐ نے فرمایا' سرخ ہو جائیں اور زرد ہو جائیں' اور وہ کھانے کے قابل ہو جائیں۔"

امام ابو یوسف یہ دلیل بھی دیتے ہیں کہ پھلوں کا عشر بذریعہ خرص وصول کرنا ایسا ہی ہے جیسے غیر موجود غلوں سے فروخت کرنا یا درخت پر لگے ہوئے پھلوں کو کٹے ہوئے پھلوں سے فروخت کرنا یا تر کھجوروں کو چھوہاروں سے ادھار فروخت کرنا۔ چونکہ یہ سب چیزیں شریعت میں حرام ہیں' اس لئے خرص کے ذریعے پھلوں کا عشر وصول کرنا بھی حرام ہوا۔ آپ کہتے ہیں کہ عہد رسالت اور خلفائے راشدین کے دور میں خرص کا جو جواز ملتا ہے وہ اس معنی میں ہے کہ اس وقت صرف یہ اندازہ کرنے کی کوشش کی جاتی تھی کہ لوگوں کے پاس پھلوں کی کتنی مقدار ہے تاکہ وہ بعد میں خیانت نہ کر سکیں اس معنی میں خرص جائز ہے لیکن اس معنی میں جائز نہیں ہے کہ اس سے کوئی شرعی حکم (یعنی اس کے بعد اسی کے مطابق عشر وصول کرنا) بھی لازم آتا ہو۔(157)

عشر کے چند مسائل

شہد پر عشر

امام مالک' امام شافعی اور محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰؒ (م 148ھ / 765ء) کے نزدیک شہد پر عشر نہیں۔(158) امام شافعی کہتے ہیں کہ شہد حیوان سے پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے اس کی مشابہت ریشم سے ہوگی۔ تمام ائمہ کرام کے نزدیک

ریشم پر عشر نہیں۔ اسی طرح شہد پر بھی عشر نہ ہو گا کیونکہ یہ شہد کی مکھی کی پیداوار ہے زمین کی نہیں۔ (159)

ان ائمہ نے ایک اور دلیل بھی دی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ شہد ایک مائع چیز ہے جو حیوان کے جسم سے خارج ہوتی ہے جس طرح کہ دودھ ہے اور فقہاء کا اس بات پر اجماع (consensus of opinion) ہے کہ دودھ پر زکوٰۃ نہیں۔ (160)

امام ابو یوسف کا نظریہ یہ ہے کہ اگر شہد عشری زمین (The land of Ushr) میں پایا جائے تو اس میں عشر واجب ہو گا لیکن اگر یہ شہد خراجی زمینوں (The lands of Khuraj) میں 'یا میدانوں' پہاڑوں' درختوں اور غاروں میں پایا جائے تو اس پر کچھ واجب نہ ہو گا کیونکہ اس صورت میں اس کی حیثیت جنگلی پھلوں جیسی ہو گی۔ جن پر نہ خراج واجب ہوتا ہے نہ عشر۔ (161)

امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں ایسی روایات نقل کی ہیں جن سے شہد پر عشر کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔ (162)

شہد پر عشر ہونے کے بارے میں امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ شہد کی مکھی پھلوں اور پھولوں سے رس حاصل کرتی ہے اور ان دونوں پر عشر واجب ہے۔ اس لئے ان کے رس سے پیدا شدہ چیز پر بھی عشر واجب ہو گا۔ البتہ ریشم کے کیڑے کی نوعیت اس سے مختلف ہے کیونکہ وہ پتوں سے غذا حاصل کرتا ہے۔ اور پتوں پر عشر واجب نہیں ہوتا۔ (163)

شہد کا نصاب

امام ابو حنیفہ کے نزدیک شہد کی مقدار کم ہو یا زیادہ اس پر عشر ہو گا۔ (164) لیکن امام ابو یوسف اس ضمن میں باقاعدہ نصاب کا تعین کرتے ہیں۔ چنانچہ اس ضمن میں ان سے تین آراء نقل کی گئی ہیں۔

(ا) ایک قول کے مطابق شہد کا نصاب وہ قیمت ہے جو ادنیٰ جنس کی پانچ وسق مقدار کی قیمت ہوتی ہے۔

(ب) دوسرے قول کے مطابق اس کی کم از کم مقدار دس مشکیزے ہے۔

(ج) تیسرے قول کے مطابق شہد کا نصاب دس رطل (تقریباً ۵ سیر) ہے۔ (165)

ناقابل پیمائش چیزوں کا نصاب

امام ابو یوسف کے نزدیک زرعی پیداوار کی قابل پیمائش چیزوں کا نصاب تو پانچ وسق ہے لیکن وہ چیزیں جو قابل پیمائش نہیں ہیں مثلاً روئی' زعفران وغیرہ تو ان کے بارے میں امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ ایسی چیزوں میں قیمت کا اعتبار کیا جائے گا اور اس کی صورت یہ ہے کہ جو اناج معمولی قیمت کا ہو مثلاً جو وغیرہ اس کے پانچ وسق کی قیمت کے مساوی قیمت کے بقدر روئی وغیرہ کی پیداوار ہو۔ لہذا روئی پر زکوٰۃ اس صورت میں واجب ہو گی جبکہ اس کی پیداوار پچاس کلو جو کی قیمت کے برابر ہو۔ (166)

مہندی پر عشر

امام ابویوسف فرماتے ہیں کہ مہندی میں عشر ہوگا اس لئے کہ پورا اصل اس سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔(167)

"وسمہ" نامی پتے کے بارے میں امام ابویوسف فرماتے ہیں کہ اس میں عشر ہے۔ امام محمد لکھتے ہیں۔

قلت : ارایت الوسمة هل فیها عشر اذا کانت فی ارض العشر ؟ قال نعم فی قول ابی حنیفة(168)

"میں نے پوچھا وسمہ (ایک رنگ دار پودا) میں عشر ہے۔ اگر عشری زمین میں ہو؟ امام ابویوسف نے کہا ہاں امام ابوحنیفہ کے قول پر۔"

فروخت شدہ زمین کا عشر

اگر ایک شخص نے زمین فروخت کی اور اس میں پیداوار ہو تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک فروخت کرنے والے (seller) پر عشر ہوگا۔ لیکن امام ابویوسف کہتے ہیں کہ خریدار (purchaser) پر ہوگا کیونکہ عشر پیداوار پر ہوتا ہے۔ (169)

صدقہ فطر

فطر کا لفظ افطار سے ہے۔ صدقہ فطر کو اسی لئے زکوٰۃ فطر کہا جاتا ہے کہ وہ رمضان کے روزے پورے ہونے کے بعد دی جاتی ہے۔ صدقہ فطر رمضان 2ھ میں فرض ہوا۔(170)

امام ابویوسف کے نزدیک صدقہ فطر کے لئے صاحب نصاب (دو سو درہم چاندی یا اس کی قیمت کا مالک) ہونا ضروری ہے۔(171)

امام ابویوسف کی رائے یہ ہے کہ نصف صاع گندم ادا کرنے سے صدقہ فطر کی ادائیگی ہو جائے گی۔ آپ کے نزدیک گندم، جو یا کھجور میں سے کسی چیز کی قیمت ادا کی جاسکتی ہے۔(172)

امام ابویوسف کا نظریہ یہ ہے کہ صدقہ فطر کی ادائیگی کے لئے آٹا گندم سے بہتر ہے اور نقدی آٹے سے افضل ہے۔ کیونکہ اصل مقصد فقیر کی ضرورت کو پورا کرنا ہے۔(173)

ابوجعفر الطحاوی نے امام ابویوسف کے قول کو پسند کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس کے مطابق غرباء اپنی ضرورت کو باآسانی پورا کر سکتے ہیں۔(174)

اہل ذمہ کو صدقہ فطر کی ادائیگی

کیا اہل ذمہ (Non Muslim citizens of an Islamic state) کو صدقہ فطر دینا جائز ہے۔ اس ضمن میں امام ابو یوسف سے تین روایات نقل کی گئی ہیں۔

پہلی روایت کے مطابق امام ابو یوسف کی رائے یہ ہے کہ ہر وہ صدقہ جس کا ذکر قرآن میں ہے وہ اہل ذمہ کو نہیں دیا جاسکتا۔ اس روایت کے مطابق صدقہ فطر ذمیوں کو دیا جاسکتا ہے۔

دوسری روایت یہ ہے کہ ابو یوسف فرماتے ہیں کہ ہر وہ صدقہ جو شریعت کے حکم سے واجب ہوتا ہے اور اس کی فرضیت میں بندے کا اپنا ذاتی دخل نہیں ہوتا' وہ اہل ذمہ کو نہیں دیا جاسکتا۔ چنانچہ اس روایت کے مطابق ان کو صدقہ فطر دینا جائز نہیں۔

تیسری روایت یہ ہے کہ ابو یوسف فرماتے ہیں' ہر واجب صدقہ اہل ذمہ کو دینا جائز نہیں۔ اور اس روایت کے مطابق ان کو صدقہ فطر دینا جائز نہ ہوگا اور اسی طرح مختلف کفارات بھی۔ البتہ نفلی صدقات ان کو دیئے جاسکیں گے۔ (175)

صاع کی مقدار

صاع کی مقدار کے بارے میں علمائے حجاز اور فقہائے عراق کے مابین اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ اور ان سے اتفاق رکھنے والے فقہاء صاع کی مقدار آٹھ رطل بتاتے ہیں۔ (176) جبکہ امام مالک' امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک اس کی مقدار 5 1/3 رطل ہے۔ (177)

امام ابو یوسف کی رائے بھی امام ابو حنیفہ کے موافق تھی لیکن جب سفر حج کے دوران میں انہوں نے خود اس کی تحقیق کی تو اپنی پہلی رائے سے رجوع کر لیا۔ (178) ابو بکر احمد بن الحسین البیہقی (م 458ھ / 1066ء) نے السنن الکبریٰ میں اور محمد بن عبدالواحد' ابن الہمام (م 861ھ / 1457ء) نے فتح القدیر شرح ھدایہ میں الحسین بن الولید (م 202ھ / 818ء) کی روایت سے یہ واقعہ نقل کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

> قدم علینا ابو یوسف من الحج فاتیناہ فقال انی ارید ان افتح علیکم بابا من العلم ھمنی تفحصت عنہ فقدمت المدینۃ فسالت عن الصاع فقالوا صاعنا ھذا صاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قلت لھم ما حجتکم فی ذلک فقالوا نانیک بالحجۃ غدا فلما اصبحت اتانی نحو من خمسین

شیخا من ابناء المهاجرین والانصار مع کل رجل منهم الصاع تحت ردائه کل رجل منهم یخبر عن ابیه او اهل بیته ان هذا صاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فنظرت فاذا هی سواء قال فعیرته فاذا هو خمسة ارطال و ثلث بنقصان معه یسیر فرایت امرا قویا فقد ترکت قول ابی حنیفة فی الصاع واخذت بقول اهل المدینة(179)

"(فریضہ حج کی تکمیل) کے بعد ابو یوسف ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا بے شک میں تم پر ایک اہم علم کا دروازہ کھولنا چاہتا ہوں جس کی میں نے خوب تحقیق کی ہے۔ جب میں مدینہ گیا تو میں نے صاع کے متعلق دریافت کیا۔ وہ کہنے لگے ہمارا یہ صاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صاع ہے۔ میں نے ان کو کہا کہ تمہارے پاس اس بارے میں کیا دلیل ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہم کل تجھے اس کی دلیل پیش کریں گے۔ پس جب صبح ہوئی تو مہاجرین و انصار کی اولاد میں سے پچاس بزرگ میرے پاس اس حالت میں آئے کہ ان میں سے ہر آدمی کی چادر کے نیچے صاع تھا۔ ان میں سے ہر آدمی اپنے باپ یا اپنے گھر والوں کے حوالے سے یہ خبر دے رہا تھا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صاع ہے۔ پس جب میں نے غور سے دیکھا تو وہ برابر تھے۔ آپ نے فرمایا جب میں نے وزن کیا تو ہر صاع تقریباً 5 1/3 رطل کا تھا۔ پس میں نے یہ رائے قائم کرلی کہ یہ موقف قوی ہے۔ پس میں نے صاع کے بارے میں ابو حنیفہ کا قول ترک کر دیا اور اہل مدینہ کے قول کو قبول کر لیا۔

ابو محمد علی بن احمد "ابن حزم" (م 456ھ / 1064ء) نے "المحلی" میں لکھا ہے۔

و قد رجع ابو یوسف الی الحق فی هذه المسألة اذ دخل المدینة و وقف علی امداد اهلها(180)

"جب ابو یوسف مدینہ گئے اور وہاں کے رہنے والے لوگوں کے مدوں کے بارے میں واقفیت حاصل کرلی تو اس مسئلہ میں (مسلک) حق کی طرف رجوع کر لیا۔"

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

بعض علمائے احناف نے امام ابو یوسف اور امام ابو حنیفہ کے اقوال میں تطبیق دینے کی کوشش کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب امام ابو یوسف نے صاع کا اندازہ لگایا تو وہ اہل مدینہ کے رطل کے حساب سے 5 1/3 رطل کا تھا۔ اور حقیقت میں یہی مقدار 8 بغدادی رطل کے برابر تھی۔ لیکن کتاب الخراج میں امام ابو یوسف نے صاع کے بارے میں جب یہ کہا کہ صاع 5 1/3 رطل کا ہوتا ہے تو اس سے مندرجہ بالا شبہ کی تردید ہو جاتی ہے۔ کیونکہ یہ بات تو تسلیم شدہ ہے کہ امام ابو یوسف نے یہ کتاب خلیفہ ہارون الرشید کی راہنمائی کے لئے مرتب کی تھی۔ اس کی سلطنت کا دار الخلافہ بغداد تھا۔ امام ابو یوسف

نے بھی اسی شہر میں یہ کتاب تالیف کی تو لامحالہ ان کی مراد بغدادی رطل ہی ہوگی۔

اور دوسری اہم بات یہ ہے کہ اگر ان دونوں کے درمیان فرق نہ ہوتا تو امام ابویوسف اپنی پہلی رائے سے رجوع کیوں کرتے۔؟

ابوالولید محمد بن احمد ابن رشد (م 595ھ / 1198ء) نے اپنی کتاب "بدایۃالمجتہد و نہایۃالمقتصد" میں لکھا ہے۔

و الیہ رجع ابویوسف حین ناظرہ مالک علی مذہب اہل العراق لشہادۃ اہل المدینۃ بذلک(181)

عشری اور خراجی زمینوں کی تحقیق

عشر اور خراج شریعت اسلام کے دو اصطلاحی الفاظ ہیں۔ ان دونوں میں یہ بات مشترک (Common) ہے کہ اسلامی حکومت کی طرف سے زمینوں پر عائد کردہ ٹیکس کی حیثیت ان دونوں میں ہے۔

عام فقہاء ان دونوں اصطلاحوں میں یہ فرق کرتے ہیں کہ عشر صرف ٹیکس نہیں بلکہ اس میں عبادت کا پہلو بھی موجود ہے جبکہ خراج ایک خالص ٹیکس ہے جس میں عبادت کا عنصر موجود نہیں۔ لیکن امام ابویوسف کا نظریہ یہ ہے کہ خراج زمین کی زکوٰۃ ہے اور وہ تمام مسلمانوں کے لئے فئے (Fai) کی حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ کتاب الخراج میں فرماتے ہیں۔

لان الخراج صدقۃ الارض و ھو فئی لجمیع المسلمین

(182)

"کیونکہ خراج زمین کی زکوٰۃ ہے اور سارے مسلمانوں کے لئے فئے کی نوعیت رکھتا ہے۔"

امام ابویوسف نے "کتاب الخراج" میں بڑے شرح وبسط سے مختلف علاقوں کی زمینوں کے بارے میں تحقیق کی ہے کہ آیا وہ عشری ہیں یا خراجی؟ اس ضمن میں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے عمل سے استشہاد کیا ہے۔

مشرکین کے وہ علاقے جو اسلامی ریاست کے تحت آجائیں اگر ان کے مالک مسلمان ہو جائیں تو امام ابویوسف کے نزدیک ان پر عشر لاگو ہوگا۔ اور وہ زمین ہمیشہ نسل در نسل ان کے قبضہ اور خاندان میں رہے گی اور وہ جس طرح چاہیں گے تصرف کر سکیں گے لیکن مشرکین میں سے جو اپنے سابق مذہب پر قائم رہیں وہ ذمی ہیں اور ان سے صرف اس قدر خراج لیا جائے گا جتنا ان سے طے ہوا ہے۔(183)

احیائے موات کے تحت جو زمینیں قابل کاشت بنائی جائیں۔ ان پر عشر عائد ہوگا یا خراج؟ اس ضمن میں امام

ابویوسف کا موقف یہ ہے کہ اگر آباد کرنے والے غیر مسلم ہیں تو ان کی یہ زمینیں بھی خراجی ہوں گی۔ اور اگر مسلمانوں نے ان کو قابل کاشت بنایا ہے تو پھر ان زمینوں کا محل وقوع دیکھا جائے گا۔ اگر ان کا محل وقوع خراجی زمین کے متصل ہے تو یہ خراجی ہوں گی۔ اور اگر عشری زمین کے قرب وجوار میں ہے تو یہ عشری ہوں گی۔ (۱۸۴) اگر قرب وجوار میں دونوں قسم کی زمینیں ہوں تو یہ آباد زمینیں عشری ہوں گی۔

یہاں اس بات کا ذکر کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ امام ابویوسف کے نزدیک بصرہ کی ساری زمین عشری ہے۔ صحابہ کرام کا اس پر اجماع ہے۔ امام ابویوسف کے نزدیک بصرہ کی اراضی کے بارے میں قیاس یہ تھا کہ وہ خراجی ہو۔ کیونکہ وہ خراجی اراضی کے قرب وجوار میں ہے۔ لیکن چونکہ صحابہ کرام نے اس پر عشر مقرر کیا تھا تو ان کے اجماع کے پیش نظر قیاس کو چھوڑ دیا گیا۔ (۱۸۵)

اگر کوئی خراجی زمین بذریعہ ہبہ' یا تجارت کسی مسلمان کے قبضے میں آجائے تو امام ابویوسف کے نزدیک اس پر صرف عشر عائد ہوگا۔ جبکہ جمہور فقہاء کے نزدیک عشر و خراج دونوں واجب ہوں گے۔ (۱۸۶)

اگر ایک مسلمان نے اپنے گھر کو باغ بنالیا یا کھیت کی شکل میں آباد کیا تو کیا اس پر عشر ہوگا یا خراج؟ ابویوسف فرماتے ہیں "اگر یہ اراضی عشری اراضی کے قریب ہو تو اس پر عشر ہوگا اور اگر یہ خراجی زمین کے قریب ہو تو اس پر خراج ہوگا کیونکہ اصل اعتبار قریب ہونے کا ہوتا ہے۔ کیا آپ یہ دیکھتے نہیں کہ جو بنجر زمین بستی کے قریب ہوتی ہے تو بستی والوں کے حق کی وجہ سے کسی کو اسے آباد کرنے کا حق نہیں ہوتا۔" (۱۸۷)

بڑے دریاؤں کے پانی کے بارے میں دیگر ائمہ احناف کے برعکس امام ابویوسف کی رائے یہ ہے کہ وہ بھی خراجی ہیں۔ (۱۸۸)

بزور قوت فتح کرنے والے علاقوں کے بارے میں امام ابویوسف کے نزدیک اصل تو یہی ہے کہ وہ زمین مجاہدین کے درمیان تقسیم کردی جائے اور اس صورت میں یہ زمین عشری قرار پائے گی لیکن اگر یہ طے ہو کہ وہ ذمیوں کے تسلط و قبضہ میں چھوڑ دی جائے جیسا کہ حضرت عمرؓ نے علاقہ سواد کے سلسلہ میں کیا تھا تو امام کو ایسا کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ اس صورت میں یہ زمین خراجی ہوگی۔ پھر امام کو یہ اختیار نہیں ہوتا کہ وہ زمین ان لوگوں سے واپس لے لے اب یہ ان کی ملکیت ہے وہ اسے آئندہ نسلوں تک منتقل کرسکیں گے۔ اور اس کی خرید و فروخت بھی کرسکیں گے۔ (۱۸۹) امام محمد کے نزدیک اس طرح کی زمین خراجی ہے۔ (۱۹۰)

اگر کوئی غیر تغلبی ذمی عشری زمین خریدے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس سے خراج وصول کیا جائے گا اور پھر وہ زمین دوبارہ عشری نہیں بن سکے گی (کیونکہ خراجی زمینوں کو عشری بنانا غلط ہے)۔ لیکن امام ابویوسف کے نزدیک اس زمین کی پیداوار میں سے عشر کا دوگنا (1/5) بطور خراج وصول کیا جائے گا۔ اور اگر وہ زمین فروخت وغیرہ کے ذریعہ

دوبارہ کسی مسلمان کی ملکیت ہو جاتی ہے تو اسے حسب سابق عشری زمین سمجھا جائے گا۔ اپنی رائے کے حق میں انہوں نے قیاسی دلیل بھی دی ہے اور حضرت حسن بصری (حسن بن یسار) (م 110ھ / 728ء) اور عطاء بن ابی رباح (م 115ھ / 733ء) کا قول بھی نقل کیا ہے۔ اور کہتے ہیں۔

فکان قول الحسن و عطاء احسن عندی من قول ابی حنیفة(191)

"میرے نزدیک حسن اور عطاء کی رائے ابو حنیفہ کی رائے سے بہتر ہے۔"

اسلامی ریاست کی طرف سے دی گئی جاگیروں پر عشر یا خراج عائد کرنے کے بارے میں امام ابو یوسف حاکم کو کلی اختیارات دیتے ہیں۔ ان کے نظریے کے مطابق وہ چاہے تو عشر عائد کرے اور اگر چاہے تو خراج 'بشرطیکہ ان کو خراجی نہروں سے سینچا جاتا ہو۔(192)

امام ابو یوسف کے نزدیک سرزمین عرب کی تمام مفتوحہ زمینوں پر عشر عائد ہو گا۔(193) امام ابو یوسف نے اس بات کو ناپسند کیا ہے کہ جزیرۃ العرب کی زمینوں سے خراج اکٹھا کیا جائے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس قسم کی زمینوں پر عشر عائد کر چکے تھی اور آپ نے ان پر کوئی دوسرا ٹیکس نہیں لیا۔ اور نہ ہی بعد ازاں اس میں کوئی تبدیلی کی گئی۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں۔

و اما ارض الحجاز و مکة والمدینة و ارض الیمن و ارض العرب التی افتتحها رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلا یزاد علیها و لا ینقص منها؟ لانه شئی قد جری علیه امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و حکمه' فلا یحل للامام ان یحوله الی غیر ذلک' و قد بلغنا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افتتح فتوحا من الارض العربیة فوضع علیها العشر و لم یجعل علی شئی منها خراجا(194)

"اور حجاز' مکہ' مدینہ' یمن کی زمینوں اور عرب کی ان ساری زمینوں کے مالیہ میں کوئی کمی بیشی نہیں کی جائے گی جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح کیا تھا کیونکہ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے فیصلہ ہو کر آپ کا حکم نافذ ہو چکا ہے۔ اب امام کے لئے یہ جائز نہیں کہ اس کو کسی دوسرے (نظام محاصل) سے بدل دے۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سرزمین عرب کے متعدد علاقے فتح کئے اور ان سب پر عشر عائد کیا۔ کسی زمین پر بھی خراج نہیں عائد کیا۔"

آپ مزید لکھتے ہیں۔

و کذلک قول اصحابنا فی تلک الارضین' الاتری ان مکة والحرم لم یکن

فیھا خراج فاجروا الارض العربیة کلھا ھذا المجری و اجری النجران والطائف کذلک لولانری ان العرب من عبدة الاوثان حکمھم القتل او الاسلام و لم تقبل منھم الجزیۃ و ھذا خلاف الحکم فی غیر ھم فکذلک لرض العرب(195)

"ہمارے رفقاء ان زمینوں کے بارے میں یہی رائے رکھتے ہیں۔ چونکہ مکہ اور حرم کے علاقہ میں خراج نہیں عائد کیا گیا لہذا ان حضرات نے عرب کی ساری زمینوں پر اسی اصول کا اطلاق کیا اور نجران و طائف کی زمینوں کو بھی اس اصول کے تحت رکھا گیا۔ عرب کی سرزمین کے بارے میں دوسری سرزمینوں سے مختلف حکم اس لئے بھی قابل فہم ہے کہ اسی طرح عرب کے بت پرستوں کے بارے میں یہ حکم ہے کہ یا تو وہ اسلام لائیں یا قتل کر دیئے جائیں۔ ان سے جزیہ نہیں قبول کیا جائے گا یہ حکم اس سے مختلف ہے جو ان کے دوسرے لوگوں کے بارے میں آیا ہے۔"

امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل یمن کے حق میں اس طرح فیصلہ کیا کہ خود ان کی ذات پر خراج عائد کیا' لیکن ان کی زمینوں پر خراج عائد نہیں کیا۔ بلکہ ان کی زمینوں سے عشر لیا۔(196) آپ خوارج کے نظریہ کی تردید کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

و اما الخوارج فانھم اخطاوا المحجۃ و جعلوا قری عربیة بمنزلة قری عجمیة و لم یاخذوا ایما اجتمع علیه اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم و قول عمر و علی۔ و من اجتمع من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ھم احسن تاویلا و توفیقا من الخوارج(197)

"اور جہاں تک خوارج کا تعلق ہے وہ راہ راست سے بھٹک گئے اور انہوں نے عرب کی بستیوں کو وہی مقام دیا جو عجم کی بستیوں کو حاصل ہے۔ ان لوگوں نے اس بات کو نہیں اختیار کیا جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں کا اجماع ہو چکا ہے۔ اور جو کہ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کی رائے ہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جن صحابیوں کا اجماع ہے وہ تحقیق کرنے اور توفیق پانے' دونوں اعتبار سے خوارج سے بہتر تھے۔"

اہل حرب میں سے جو لوگ اپنی جانوں اور زمینوں کے مالک رہتے ہوئے اسلام لائے ہوں' ان کے بارے میں امام ابو یوسف کا نظریہ یہ ہے کہ ان کی زمینیں عشری ہیں۔(198) خواہ وہ زمین عرب کی ہو یا عجم کی۔(199) آپ "کتاب الخراج" میں عشری و خراجی زمینوں کی تحدید (Limitation) کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

فاما ما سالت عنه یا امیر المومنین من حد لرض العشر من حد ارض

الخراج فكل ارض اسلم اهلها عليها و هي من ارض العرب او ارض العجم فهي لهم و هي ارض عشر' بمنزلة المدينة حين اسلم عليها اهلها و بمنزلة اليمن' و كذلك كل من لا تقبل منه الجزية و لا يقبل منه الا الاسلام او القتل و من عبدة الاوثان من العرب فارضهم ارض عشر و ان ظهر عليها الامام' لان رسول الله صلى الله عليه وسلم قد ظهر على ارضين من ارض العرب و تركها فهي (ارض) عشر حتى الساعة قال و ايما دار من دور الاعاجم قد ظهر عليها الامام و تركها في ايدي اهلها فهي ارض خراج' و ان قسمها بين الذين غنموها فهي ارض عشر' الا ترى ان عمر بن الخطاب رضي الله عنه ظهر على ارض الاعاجم و تركها في ايديهم فهي ارض خراج و كل ارض من اراضي الاعاجم صالح عليها اهلها و صاروا ذمة فهي ارض خراج(200)

"اور اے امیرالمومنین! آپ نے عشری و خراجی زمین کی تحدید و تعیین کے بارے میں جو سوال کیا ہے تو اس بارے میں یہ (جواب) ہے کہ ہر وہ زمین جس کے مالک اس پر قابض رہتے ہوئے اسلام لائے ہوں' ان کی ملکیت ہے اور عشری زمین قرار پائے گی۔ خواہ وہ زمین عرب کی ہو یا عجم کی' جیسے کہ مدینہ' جس کے مالک اس پر قابض رہتے ہوئے اسلام لائے تھے یا جیسے کہ یمن اسی طرح بت پرست عربوں کی زمین اور ہر اس فرد کی زمین عشری قرار پائے گی جس سے جزیہ نہ قبول کیا جاتا ہو بلکہ اس کے لئے اسلام لانے یا قتل کئے جانے کے سوا کوئی اور شکل نہ رکھی گئی ہو۔ خواہ امام نے اس زمین پر (بزور قوت) غلبہ حاصل کیا ہو۔ وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سرزمین عرب کے متعدد علاقے فتح کئے اور انہیں بغیر تقسیم کیے چھوڑ دیا۔ چنانچہ وہ قیامت تک عشری (زمینیں) رہیں گی۔ عجمیوں کے علاقوں میں سے جس علاقہ کو بھی امام نے فتح کر لیا ہو اور پھر اسے اس کے باشندوں ہی کے قبضہ میں رہنے دیا ہو اس کی زمین خراجی ہے' اور اگر اسے ان لوگوں کے درمیان تقسیم کر دیا ہو۔ جنہوں نے اسے بطور غنیمت حاصل کیا تھا تو وہ عشری زمین ہے۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے عجمیوں کی زمین فتح کرنے کے بعد اسے انہی لوگوں کے قبضہ میں رہنے دیا تو وہ زمینیں خراجی قرار پا گئیں۔ عجمیوں کے علاقہ کی ہر وہ زمین جس پر امام نے اس کے باشندوں سے مصالحت کر لی ہو اور وہ لوگ ذمی بن گئے ہوں۔ خراجی زمین ہے۔"

اس عبارت میں امام ابو یوسف نے عشری زمینوں کی تشریح کرتے ہوئے یہ واضح کیا ہے کہ۔

(الف) ہر ایسی زمین و علاقہ جہاں کے رہنے والے لوگ بلا جہاد و قتال نفس تبلیغ سے از خود مسلمان ہو گئے ہوں' جیسے مدینہ منورہ کے لوگ' اوس و خزرج وغیرہ قبائل کے افراد مسلمان ہو گئے تھے تو اسلام لانے کے بعد یہ لوگ بدستور اپنی زمینوں کے مالک رہیں گے اور یہ زمینیں عشری ہوں گی۔

(ب) دوسری قسم کی وہ زمینیں عشری ہیں جو عرب کی سرزمین ہے۔ وہاں کی اراضی کے مالک چاہے از خود اسلام لائے ہوں یا بہ زور شمشیر ان کی اراضی پر مسلمانوں کا غلبہ ہوا ہو' یہ ہمیشہ عشری رہیں گی۔

(ج) تیسری قسم کی وہ تمام اراضی (Lands) عشری ہیں جو عجم کی حدود میں ہیں اور وہاں مسلمانوں نے بذریعہ جہاد غلبہ حاصل کیا ہو۔ اور امیر المسلمین کے ذریعہ ان اراضی کی تقسیم مجاہدین میں ہوئی ہو (اور پھر وہ مسلمانوں میں منتقل ہوتی چلی آ رہی ہو) اسی ذیل میں وہ اراضی آتی ہیں جن کے مالک اسلامی فوج کے خوف سے بھاگ گئے ہوں اور ان کو امام نے مجاہدین میں تقسیم کر دیا۔

اسی طرح امام ابو یوسف نے دو طرح کی اراضی کو خراجی قرار دیا ہے۔

(الف) اول وہ تمام اراضی عجم جس پر مسلمانوں کو فتح و غلبہ ملا ہو۔ مگر امام و امیر نے ان اراضی کو مجاہدین میں تقسیم کرنے کے بجائے ان کے مالکوں (اصحاب اراضی) کو ہی دے دیا ہو تو یہ اراضی خراجی ہوں گی۔

(ب) اسی طرح عجم کی وہ تمام اراضی جن کے مالکین (اصحاب اراضی) کی حکومت کے ساتھ صلح ہوئی ہو اور ان لوگوں نے مسلمانوں کو سالانہ خراج دینا طے کر لیا ہو تو یہ لوگ ذمی ہوں گے اور ان کی اراضی خراجی ہو گی۔

اگر آباد کردہ زمین ایسے علاقہ کی ہو جو پہلے مشرکین کے قبضہ میں تھا۔ پھر اسے مسلمانوں نے فتح کر لیا اور اسے آباد کرنے والا اس کے لئے کسی ایسے چشمہ وغیرہ سے پانی لاتا ہے جو پہلے مشرکین کے قبضہ میں تھا تو یہ زمین خراجی قرار پائے گی۔ البتہ اگر وہ اس قسم کا پانی استعمال نہیں کرتا بلکہ اسی زمین میں کنواں کھود کر' یا اسی میں سے کوئی چشمہ نکال کر اس کو آباد کرتا ہے تو وہ زمین عشری قرار پائے گی۔ لیکن اگر اس کے لئے اس زمین پر ان نہروں سے پانی لانا ممکن ہو جو پہلے عجمی قوموں کے قبضہ میں تھیں' خواہ وہ یہ پانی لائے یا نہ لائے' یہ زمین خراجی قرار پائے گی۔ (۲۱۱) اور آخر میں امام ابو یوسف لکھتے ہیں۔

> و لا یحل لاحد ان یحول ارض خراج الی ارض عشر' و لا ارض عشر الی ارض خراج' و ذلک ان یکون للرجل ارض عشر و الی جانبها ارض خراج فیشتریها فیصیرها مع ارضه و یودی عنها العشر' او یکون للرجل ارض خراج و الی جانبها ارض عشر فیشتریها فیصیرها مع ارضه و یودی

عنها الخراج (202)

"کسی فرد کے لئے جائز نہیں کہ خراجی زمین کو عشری یا عشری زمین کو خراجی بنادے۔ ایسا کرنے کی شکل عموماً" یہ ہوتی ہے کہ کسی فرد کے پاس عشری زمین ہو اور اسی سے متصل کوئی خراجی زمین بھی ہو پھر یہ اسے خرید کر اپنی زمین میں ملالے اور ساری زمین پر عشر ادا کرنے لگے۔ یا کسی آدمی کے پاس خراجی زمین ہو اور اس سے متصل کوئی عشری زمین ہو جسے یہ خرید کر اپنی زمین میں ملالے اور اس پر بھی خراج ادا کرنے لگے۔"

عشور

مسلم اور غیر مسلم تاجر جب اپنا مال اسلامی ریاست کی حدود میں بغرض تجارت لائیں تو حکومت اس مال پر جو ٹیکس وصول کرتی ہے' اس کو عشور کہتے ہیں۔

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ یہ ٹیکس حضرت عمرؓ کے دور میں شروع ہوا تھا۔ اگر اس کی وصولی میں ظلم نہ کیا جائے تو اس کے وصول کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (203)

ایک غلط فہمی اور اس کا ازالہ

بعض لوگ' امام ابو یوسف کے اس بیان سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے دور میں جو محصول چنگی (Octroi) کا نظام تھا۔ وہ اس دور کے محصول چنگی نظام کی طرح ہی تھا۔

راقم کی رائے یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے دور کے محصول چنگی اور آج کل کے محصول چنگی میں بہت بڑا فرق ہے۔ یہ بالکل مختلف اور دو متباین چیزیں ہیں۔ اس لئے کہ حضرت عمرؓ نے جو محصول چنگی کا نظام قائم کیا تھا وہ اس دور کا ٹیکس نہیں تھا بلکہ اموال زکوٰۃ کو بطور محصول وصول کرنے کا حکم دیا تھا۔ جبکہ موجودہ دور کی محصول چنگی میں' اموال زکوٰۃ' شرح زکوٰۃ' اور سال کا گزرنا' کسی بھی چیز کا لحاظ نہیں کیا جاتا۔ امام ابو یوسف کتاب الخراج میں رقم طراز ہیں۔

و کل ما اخذ من المسلمین من العشور فسبیله سبیل الصدقة و سبیل ما یوخذ من اهل الذمة جمیعا و اهل الحرب سبیل الخراج' و کذلک ما یوخذ من اهل الذمة جمیعا من جزیة رء و سهم و ما یوخذ من مواشی بنی تغلب فان سبیل ذلک کله سبیل الخراج' یقسم فیما یقسم فیه الخراج' و لیس هو کالصدقة' قد حکم الله فی الصدقة حکما قد قسمها علیه فهی علی ذلک (204)

"اور مسلمانوں سے چنگی کے طور پر جو کچھ لیا جائے گا اس کی حیثیت زکوٰۃ کی ہوگی۔ مختلف طرح کے ذمیوں اور حربی افراد سے جو چنگی وصول کی جائے گی اس کی نوعیت خراج کی ہوگی۔ یہی نوعیت ان محاصل کی بھی ہے جو ذمیوں سے جزیہ کے طور پر یا بنو تغلب کے مویشیوں میں سے وصول کئے جاتے ہیں۔ ان سب کی نوعیت خراج کی ہے اور ان کو ان مصارف پر لگایا جائے گا جن پر خراج کا مال لگایا جاتا ہے۔ ان کی نوعیت زکوٰۃ کی نہیں۔ زکوٰۃ کے مصارف اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم کے ذریعہ متعین کر دیئے ہیں اور انہی پر عمل ہوتا ہے۔"

کتاب الخراج کی اس عبارت سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

(1) اسلامی حکومت مسلمانوں کے اموال تجارت سے جو عشور بطور محصول چنگی وصول کرے گی اس کی حیثیت صدقہ واجبہ (زکوٰۃ) کی ہوگی اس لئے حکومت محصول وصول کرتے وقت نصاب زکوٰۃ اور شرح زکوٰۃ بلکہ تمام قوانین زکوٰۃ کو ملحوظ رکھتے ہوئے وصول کرے گی۔

(2) مقدار واجب سے زیادہ مطالبہ کر کے ان سے ظلم نہیں کیا جائے گا۔

(3) اگر مقدار واجب سے زیادہ زکوٰۃ ادا کرنے کا مطالبہ کیا جائے تو اس وقت حکومت نہ وصولی زکوٰۃ کی مجاز ہوگی اور نہ زکوٰۃ دینے والے لوگ حکومت کو زکوٰۃ ادا کریں گے۔

(4) غیر مسلم ذمی یا حربیوں سے جو اموال بطور محصول وصول کئے جائیں گے ان کا حکم مال خراج جیسا ہوگا اور ان کا مصرف خراج کا مصرف ہوگا۔

(5) چونکہ مسلمانوں کے اموال میں سے جو مقدار محصول وصول کی جائے گی اس کی حیثیت زکوٰۃ اور صدقہ واجبہ کی ہے۔ اس لئے اس کو مصرف زکوٰۃ و صدقہ میں صرف کیا جائے گا۔

امام ابو یوسف "کتاب الخراج" میں لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے محصول عشور پر جن حضرات کو متعین فرمایا تھا ان کو ہدایت دی تھی کہ تحصیل عشور میں نصاب زکوٰۃ اور شرح زکوٰۃ کا لحاظ رکھا جائے۔

قال ابو یوسف: حدثنی اسماعیل بن ابراھیم بن مہاجر قال سمعت ابی یذکر قال سمعت زیاد بن حدیر قال: اول من بعث عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالی عنہ علی العشور انا، قال فامرنی ان لا افتش احدا و ما مر علی من شئ اخذت من حساب اربعین درھما درھما واحدا من المسلمین، و من اھل الذمۃ من کل عشرین واحدا، و ممن لا ذمۃ لہ العشر (205)

"ابو یوسف نے کہا: مجھ سے اسماعیل بن ابراہیم بن مہاجر نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ میں نے اپنے والد کو یہ کہتے سنا ہے کہ: میں نے زیاد بن حدیر کو یہ کہتے سنا ہے کہ میں وہ پہلا شخص ہوں جسے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے

چنگی کی تحصیل پر مامور کیا۔ آپ نے حکم دیا تھا کہ میں کسی کی تلاشی نہ لوں' اور یہ کہ جو اموال میرے پاس سے گزریں ان پر میں اس حساب سے چنگی لوں کہ مسلمان سے چالیس درہم میں سے ایک درہم' ذمی سے بیس میں سے ایک' اور جو غیر مسلم ذمی نہ ہوں ان سے دسواں حصہ۔"

انہوں نے کتاب الخراج میں عشور کے لئے نصاب اور شرح کا تعین بھی کیا ہے۔ ان کے نزدیک ہر اس مال تجارت پر جسے لے کر لوگ محصل چنگی کے پاس سے گزریں اور جس کی مجموعی قیمت 200 درہم یا اس سے زیادہ ہو' چنگی لی جانی چاہیے۔ اگر مال تجارت کی قیمت 200 درہم سے کم ہو تو چنگی نہیں لی جائے گی۔ تاجر اگر بار بار محصل چنگی کے سامنے سے گزرے مگر ہر بار اس کے پاس 200 درہم سے کم مالیت کا مال ہو تو اس سے کچھ بھی وصول نہیں کیا جائے گا۔ (206)

امام ابو یوسف کے نزدیک عشور سال میں ایک دفعہ ہی لیا جا سکتا ہے۔ دوسرے سال کی اسی تاریخ تک اس کے اس مال میں سے کوئی محصول نہیں لیا جائے گا خواہ وہ اس عرصہ میں اسے لے کر کئی بار گزرے۔ (207)

اگر مال تجارت کے لئے نہ ہو تو محصول نہیں لیا جائے گا۔ اگر کوئی مسلمان بھیڑ' بکری' گائے' بیل یا اونٹ لے کر گزرے اور یہ کہے کہ یہ چرنے والے (سائمہ) مویشی نہیں ہیں تو اس سے حلف لیا جائے گا اور حلف لینے کے بعد چھوڑ دیا جائے گا۔ اسی طرح اگر کوئی غلہ یا پھل وغیرہ لے کر گزرے اور کہے کہ یہ تجارت کے لئے نہیں بلکہ ذاتی استعمال کے لئے ہے تو اس سے بھی محصول نہیں لیا جائے گا۔ اگر تاجر حلف اٹھا کر یہ کہے کہ میں نے اس مال کی زکوۃ ادا کر دی ہے تو اس کی یہ بات مان لی جائے گی اور اس سے محصول نہیں لیا جائے گا۔ لیکن کوئی ذمی یا حربی یہ بات کہے تو اسے تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ ان پر زکوۃ واجب ہی نہیں ہوتی کہ وہ اسے ادا کرنے کا دعویٰ کریں۔ مال لے کر گزرنے والا اگر یہ کہے کہ یہ مال مضاربت کا ہے یا اس کے پاس بطور امانت ہے تو حلف لینے کے بعد محصول سے بری کر دیا جائے گا۔ مسلمان تاجر سے اس ضمن میں جو کچھ لیا جائے گا اس کی حیثیت زکوۃ کی ہوگی اور ذمیوں اور حربی افراد سے جو کچھ لیا جائے گا اس کی حیثیت خراج کی ہوگی۔ (208)

حرام چیزوں پر ٹیکس

ذمی یا دار الحرب (The land of warfare) کے باشندے اگر حرام چیزوں مثلاً سور اور شراب کا کاروبار کرتے ہوں تو کیا اسلامی ریاست ان اموال پر بھی عشور وصول کرے گی۔ اور اس آمدنی کو بیت المال (Public treasury) میں جمع کرایا جا سکتا ہے؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے امام ابو یوسف کتاب الخراج میں فرماتے ہیں۔

و اذا مر اهل الذمة على العاشر بخمر او خنازير قوم ذلك على اهل الذمة يقومه اهل الذمة ثم يوخذ منهم نصف العشر' و كذلك اهل الحرب اذا مروا

بالخنازیر والخمور فان دلک یقوم علیهم ثم یوخذ منهم العشر (209)

"اور جب ذمی لوگ محصل چنگی کے یہاں شراب یا سور لے کر آئیں تو ان کی قیمت لگائی جائے گی۔ قیمت کا حساب ذمی لوگ خود لگائیں گے۔ اسی قیمت کے حساب سے ان سے بیسواں حصہ وصول کیا جائے گا۔ اسی طرح اگر حربی لوگ شراب یا سور لے کر گزریں تو ان کی قیمت کا حساب لگا کر اسی حساب سے دسواں حصہ وصول کیا جائے گا۔"

یعنی امام ابو یوسف کے نزدیک حرام چیزوں پر بھی ٹیکس لیا جا سکتا ہے۔

جزیہ

مفہوم

جزیہ (Jizya) عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس کا مادہ ج ز ی ہے۔ اس کا لفظی معنی بدلہ کے ہیں۔ اسلامی ریاست میں حکومت' ذمیوں (غیر مسلم رعایا) سے ان کی جان' مال' عزت و آبرو کی حفاظت کے بدلہ میں جو سالانہ ٹیکس وصول کرتی ہے۔ اسے جزیہ کہتے ہیں۔ (210) ذمیوں سے جزیہ لینے کا حکم قرآن حکیم میں دیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

حَتّٰی یُعْطُوا الْجِزْیَةَ عَنْ یَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ○ (211)

"یہاں تک کہ وہ جزیہ دیں رعیت ہو کر اور اپنی پستی کا احساس کر کے۔"

امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں جزیہ کو خراج کے مماثل قرار دیا ہے آپ فرماتے ہیں۔

والجزیة بمنزلة مال الخراج (212)

"جزیہ کی حیثیت خراج کے مال کی ہے۔"

جزیہ کی دو اقسام ہیں ایک بذریعہ صلح' اس کی مقدار وہی ہوگی جو صلح نامہ میں طے پا چکی ہے۔ دوسری قسم جزیہ کی یہ ہے کہ اسلامی فوج کافروں کے مالک پر غالب آ جائے اور ان کو بدستور سابق اپنے اموال و املاک پر قابض چھوڑ دیا جائے اور ان کو ذمی بنا لے۔ سب سے پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے عیسائیوں پر یہ ٹیکس لگایا۔ (213)

جزیہ کی شرحیں

امام شافعی کے نزدیک ہر بالغ پر ایک دینار یا اس کے مساوی رقم ہوگی۔ اور اس میں امیر و غریب برابر ہوں گے۔ (214) انہوں نے غالباً" نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے استشہاد کیا ہے۔ آپ نے فی آدمی ایک دینار کے حساب سے یکسانیت کے اصول پر جزیہ عائد کیا تھا۔ (215) امام مالک کہتے ہیں کہ سونا رکھنے والوں پر چار دینار اور چاندی

رکھنے والوں پر چالیس درہم جزیہ مقرر کیا جائے گا۔(216)

امام ابویوسف جزیہ کی شرح بیان کرتے ہوئے اہل ذمہ کے تین طبقات کا ذکر کرتے ہیں۔

(ا) خوش حال لوگوں پر 48 درہم

(ب) متوسط طبقہ پر 24 درہم

(ج) غریب کاشتکاروں اور محنت کاروں پر بارہ درہم۔(217)

امام ابویوسف نے اس ضمن میں حضرت عمرؓ کی پیروی کی ہے۔ انہوں نے اپنے دور میں اہل ذمہ کو ان کے مالی مقام و مرتبہ (Financial status) کے اعتبار سے تین اقسام میں تقسیم کیا تھا۔ (ا) امیر (ب) متوسط (ج) نادار لوگ 'اور اسی شرح کے مطابق جو امام ابویوسف نے تجویز کی ہے' جزیہ عائد کیا تھا۔(218)

امام ابویوسف نے اپنے دور کے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے تاجروں' صنعتکاروں' صرافوں' زمینداروں' طبیبوں' کو مالدار طبقہ میں شمار کیا ہے اور دستکاری کا کام کرنے والے مثلاً درزیوں' رنگریزوں' موچیوں اور قصابوں کو غریب طبقہ میں شمار کیا ہے۔(219)

امام ابویوسف نے متوسط طبقہ کے بارے میں کوئی تفصیل نہیں دی۔

جزیہ میں لی جانے والی اشیاء

امام ابویوسف کے نزدیک جزیہ میں نقدی کے علاوہ سامان یا جانور وغیرہ کو بھی ان کی قیمت کے حساب سے لیا جا سکتا ہے۔ البتہ ان لوگوں سے مردار یا سور یا شراب نہیں لی جائے گی۔ ان اشیاء کے مالکوں کو کہا جائے گا کہ وہ خود انہیں فروخت کریں اور نقدی کی صورت میں ادائیگی کریں۔(220)

جزیہ سے مستثنیٰ افراد

امام ابویوسف کی رائے یہ ہے کہ یہودی' عیسائی' مجوسی' صابی اور سامری لوگوں پر جزیہ واجب ہو گا۔ البتہ درج ذیل قسم کے افراد جزیہ سے مستثنیٰ ہوں گے۔

(ا) عورتیں اور بچے

(ب) وہ مسکین جن کو خیرات دی جاتی ہو۔

(ج) وہ اندھا جس کا نہ کوئی پیشہ ہو نہ وہ کوئی کام کرتا ہو۔

(د) وہ معذور ذمی جو غریب و نادار ہو۔

(ر) وہ مسکین راہب جو خانقاہوں میں رہتے ہوں اور ان کے ہم مذہب ان کو خیرات دیتے ہوں۔

(ز) فاتر العقل ذمی

(س) بوڑھا آدمی جو کام کرنے سے معذور اور مفلس ہو۔

(ض) مرتد اور عرب کے بت پرست۔(221)

اگر معذور' اندھے اور خانقاہوں میں رہنے والے افراد خوشحال ہوں تو ان سے جزیہ لیا جائے گا۔(222)

جزیہ کب واجب ہوتا ہے؟

امام ابوحنیفہ کی رائے یہ ہے کہ جزیہ سال کے شروع میں واجب الادا (Payable) ہوتا ہے۔(223) لیکن امام ابویوسف کی رائے یہ ہے کہ جزیہ سال کے آخر میں واجب الادا ہوتا ہے اور اس سے قبل اس کا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا۔

(224)

مسلمان سے جزیہ

اگر کوئی شخص اسلام قبول کرے تو جزیہ اس سے ساقط ہو جائے گا خواہ وہ سال کے وسط میں یا اس کے بعد داخل اسلام ہوا ہو خواہ اس کے ذمہ کئی سال کا جزیہ ہو۔ یہ جمہور فقہاء کی رائے ہے۔(225) ابو عبید القاسم بن سلام (م 224ھ / 838ء) بھی یہی رائے رکھتے ہیں۔(226)

لیکن امام ابویوسف کا نظریہ یہ ہے کہ اگر ایک سال گزر جاتا ہے تو اس صورت میں اس سے اس سال کا جزیہ لیا جا سکتا ہے کیونکہ یہ مسلمانوں کے لئے خراج بن گیا ہے۔(227) تاہم اگر وہ سال پورا ہونے سے مہینہ' دو مہینہ' ایک دن دو دن یا اس سے کچھ کم یا زیادہ عرصہ پہلے بھی مسلمان ہو چکا ہو تو اس سے جزیہ کا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ وہ سال پورا ہونے سے پہلے ہی مسلمان ہو چکا تھا۔(228)

مرنے والے ذمی پر واجب الادا جزیہ

اگر جزیہ ادا کرنے والا سال کے وسط میں فوت ہو جاتا ہے تو اس سے کچھ بھی نہیں لیا جائے گا لیکن اگر وہ سال کے آخر میں فوت ہوتا ہے تو اس صورت میں امام شافعی کے قول کے مطابق جزیہ ساقط نہیں ہو گا بلکہ اس کے ترکہ میں سے وصول کیا جائے گا۔(229) لیکن امام ابویوسف کی رائے یہ ہے کہ اس کے وارثوں سے اس رقم کا مطالبہ نہیں جائے گا نہ اس کے ترکہ میں سے یہ رقم وصول کی جا سکے گی۔ کیونکہ اس کی نوعیت اس فرد کے ذمہ قرض کی نہیں۔(230)

جزیہ میں تخفیف اور معافی

امام ابو عبید کی رائے یہ ہے کہ حاکم کو اختیار حاصل ہے کہ وہ جزیہ کی شرح میں کمی کر دے یا ذمی کی عدم استطاعت کو

مد نظر رکھتے ہوئے معاف کردے۔(231)

امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ چونکہ ذمی کے جان و مال کو جزیہ ادا کرنے کے عوض میں ہی محفوظ قرار دیا گیا ہے اس لئے حاکم کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ جزیہ میں کمی کرے یا کسی سے وصول کرے اور کسی کو چھوڑ دے۔(232)

وصولی کا طریقہ کار

امام ابو یوسف تحصیل جزیہ کے لئے ٹھیکہ (On rent) کے نظام کو پسند نہیں کرتے کیونکہ اس طرح ان کے نزدیک جزیہ کی آمدنی میں کمی واقع ہوتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایسا بھی ممکن ہے کہ ٹھیکہ لینے والا اپنی زمینداری میں کام کرنے والے ذمی افراد سے فی کس 12 درہم سے کم وصول کرے حالانکہ اس سے کم جزیہ لینا کسی طرح جائز نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ان ذمیوں میں ایسے خوشحال افراد بھی ہوں جن سے 48 درہم وصول کیا جانا چاہئے تھا۔(233)

امام ابو یوسف یہ تجویز دیتے ہیں کہ ہر شہر کے جزیہ کی تحصیل حاکم، وہاں کے کسی نیک، دین دار، امانت دار اور معتمد علیہ فرد کے سپرد کر دے اور اس کے لئے چند معاون مقرر کر دے۔ یہ لوگ ہر مذہب کے ذمیوں کو اس ذمہ دار فرد کے یہاں جمع کریں اور وہ مختلف طبقات سے مجوزہ شرحوں کے مطابق جزیہ لے۔(234)

وہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی ذمی جزیہ ادا نہیں کرتا تو اس کو اس وقت تک قید میں رکھنا چاہیے جب تک کہ اس سے جزیہ کی رقم وصول نہ ہو جائے۔ جزیہ کی خاطر کسی ذمی کو مارنا، دھوپ میں کھڑا کرنا، جسمانی تکلیف پہنچانا کسی طرح بھی جائز نہیں۔(235)

امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں حضرت عمرؓ کے سفر شام سے واپسی کا واقعہ تحریر کیا ہے۔ انہوں نے دیکھا کہ کچھ لوگوں کو دھوپ میں کھڑا کیا گیا ہے اور ان کے سروں پر تیل ڈالا جا رہا ہے۔ آپؓ نے سبب پوچھا تو بتایا گیا کہ یہ لوگ استطاعت نہ ہونے کی بناء پر جزیہ ادا نہیں کرتے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔

> فدعوهم، لا تكلفوهم ما لا يطيقون فاني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول " لا تعذبوا الناس فان الذين يعذبون الناس في الدنيا يعذبهم الله يوم القيامة(236)
>
> "پس ان لوگوں کو چھوڑ دو اور ان پر ان کی برداشت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالو، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ "لوگوں کو عذاب نہ دو کیونکہ جو لوگ دنیا میں انسانوں کو عذاب دیتے ہیں ان کو قیامت کے دن اللہ عذاب دے گا۔"

جزیہ کے مصارف

امام ابو یوسف کے نزدیک جزیہ کی حیثیت چونکہ خراج کے مال کی ہے اس لئے وہ کہتے ہیں کہ اس آمدنی کو خراج کی آمدنی کے ساتھ بیت المال (Public treasury) میں رکھنا چاہیے۔ اس کے مصارف بھی وہی ہیں جو خراج کی آمدنی کے ہیں۔(237)

آپ کے نزدیک جزیہ کا اہم مصرف فوجی انتظام ہے۔ آپ کتاب الخراج میں حضرت عمرؓ کا یہ قول نقل کرتے ہیں۔

و اضع علیهم فیها الخراج و فی رقابهم الجزیة یودونها فتکون فیئا للمسلمین - المقاتلة والذریة و لمن یاتی من بعدهم (238)

"اور اس کے کاشتکاروں پر خراج عاید کردوں' اور ان پر فی کس جزیہ مقرر کردوں جسے وہ ادا کرتے رہیں۔ اس طرح یہ جزیہ اور خراج مسلمانوں کے لئے (ایک مستقل) فے کا کام کرے گا جس (کی آمدنی) میں فوجی' کم سن افراد اور آنے والی نسلیں حصہ دار ہوں گی۔"

اس کے علاوہ اہل ذمہ کے ایسے افراد جو امداد کے قابل ہوں' اسی سے ان کی بھی مدد کی جا سکتی ہے۔ آپ نے کتاب الخراج میں حضرت خالد بن الولید (م 21ھ / 642ء) کا ایک فرمان جو حیرہ والوں کے نام تھا نقل کیا ہے۔ اس میں یہ الفاظ ملتے ہیں۔

ایما شیخ ضعف عن العمل او اصابته آفة من الآفات او کان غنیا فافتقر و صار اهل دینه یتصدقون علیه طرحت جزیته و عیل من بیت مال المسلمین و عیاله ما اقام بدار الهجرة و دار الاسلام (239)

"ایسا بوڑھا آدمی جو کام سے معذور ہو جائے یا اسے مصائب میں سے کوئی مصیبت آجائے یا جو پہلے مال دار رہا ہو اور پھر ایسا غریب ہو جائے کہ اس کے ہم مذہب اسے خیرات دینے لگیں تو اس کے سر سے جزیہ ساقط کر دیا جائے اور جب تک وہ دار الہجرت اور دار الاسلام میں رہے گا اس کے اور اس کے اہل و عیال کے مصارف مسلمانوں کے بیت المال سے پورے کیے جائیں گے۔"

جزیہ عائد کرنے کی وجہ

امام ابو یوسف کے نزدیک جزیہ ذمیوں کے دفاع کا معاوضہ ہے چنانچہ کتاب الخراج میں ایک صلح نامہ کا ذکر کرتے ہوئے ہارون الرشید (170-193ھ / 786-809ء) کو بتاتے ہیں۔

و علی ان یحقنوا لهم دماءهم و علی ان یقاتلوا من ناواهم من عدوهم و یذبوا عنهم

فادو الجزية اليهم على هذا الشرط۔ فافتتحت الشام كلها والحيرة الا اقلها على هذا(240)

"یہ طے ہوا تھا کہ ان کی جان محفوظ رہے گی اور اگر کوئی دشمن ان پر حملہ کرے تو اس سے جنگ کرکے ان کا دفاع کیا جائے گا۔ اس شرط پر وہ انہیں جزیہ ادا کریں گے۔ سارا شام اور تھوڑے علاقہ کو چھوڑ کر پورہ حیرہ اسی شرط پر فتح ہوا تھا۔"

اگر اہل اسلام ذمیوں کا دفاع نہ کرسکیں تو اس صورت میں ان کا جزیہ واپس کردیا جائے گا۔ امام ابو یوسف نے اس ضمن میں کتاب الخراج کے صفحہ 149'150 پر لکھا ہے کہ جب ابو عبیدہ بن الجراح (عامر بن عبداللہ م 18ھ / 639ء) نے یہ دیکھا کہ وہ رومیوں سے اہل شام کی حفاظت نہیں کرسکتے تو انہوں نے وہاں کے ذمیوں سے لیا ہوا جزیہ واپس کردیا۔ (241)

فئے اور خراج

وہ زمین جو کافروں کی ہو' کافر فوت ہو جائے اور اس کا کوئی وارث نہ ہو تو امام ابو یوسف کے نزدیک یہ مال فئے (Fai) کی حیثیت رکھتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس قسم کی زمین کو مصالح خاصہ کے لئے استعمال کیا جائے گا۔(242)

امام ابو یوسف فئے اور خراج کو ایک ہی مد قرار دیتے ہیں۔ فئے کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

فاما الفئى يا امير المومنين فهو الخراج عندنا' خراج الارض(243)

"اے امیر المومنین! فئے ہمارے نزدیک خراج ہے' زمین کا خراج۔"

امام ابو یوسف قرآن حکیم کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں۔

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ (244)

"جو کچھ اللہ اپنے رسول کو (دوسری) بستیوں والوں سے بطور فے دلوادے سو وہ اللہ ہی کا حق ہے اور رسول کا اور (رسول کے) عزیزوں کا' اور یتیموں کا اور مسکینوں کا اور مسافروں کا' تاکہ وہ (مال فے) تمہارے تونگروں ہی کے قبضہ میں نہ آجائے۔"

امام ابو یوسف بعد ازاں ایک جگہ خراج کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

لان الخراج صدقة الارض و هو فئى لجميع المسلمين(245)

"کیونکہ خراج زمین کی زکوٰۃ ہے اور سارے مسلمانوں کے لئے فئے کی نوعیت رکھتا ہے۔"

رکاز اور معدنیات

رکاز سے مراد وہ چیز ہے جو اللہ تعالیٰ نے زمین کے نیچے پیدا کی ہو یا بندوں نے اس کو دفن کیا ہو۔ (246)

امام شافعی کے نزدیک رکاز اور معدنیات میں فرق ہے۔ ان کے نزدیک رکاز سے مراد وہ مدفون خزانہ ہے جو کسی انسان نے زمین میں دبایا ہو۔ اور معدنیات سے مراد وہ دھاتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے زمین میں پیدا کی ہوں۔ (247)

لیکن امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں ان دونوں الفاظ سے ایک ہی مفہوم مراد لیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

و اما الرکاز فھو الذھب والفضة الذی خلقه الله عزوجل فی الارض یوم خلقت (248)

"رکاز وہ سونا چاندی ہے جسے اللہ عزوجل نے ابتدائے آفرینش ہی سے زمین کے اندر پیدا کر رکھا ہے۔"

امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ رکاز (buried treasures of the earth) کا مادہ "رکز" ہے۔ جس کا مفہوم گاڑنا ہے۔ لہٰذا ہر وہ چیز جو زمین سے نکلے خواہ وہ بندوں کی دفن کردہ ہو یا اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہو' وہ رکاز ہے۔

اس قیاس کے علاوہ انہوں نے اپنے موقف کی تائید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بھی نقل کیا ہے۔

.. فقیل له : ما الرکاز یا رسول الله؟ فقال : الذھب والفضه الذی خلقه الله فی الارض یوم خلقت (249)

"آپؐ سے دریافت کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول رکاز کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا "وہ سونا اور چاندی جسے اللہ نے زمین بنانے کے ساتھ بنا دیا تھا۔"

امام ابو یوسف کے نزدیک رکاز اور معدنیات سے خمس (Khums) (پانچواں حصہ) بیت المال میں جمع ہو گا۔ (250) اور بقیہ 4/5 اس شخص کو ملے گا جس نے انہیں نکالا ہے۔

(Enemy's Property taken during Jehad) امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ رکاز اور معدنیات کا حکم مال غنیمت کی مانند ہے۔ یعنی جب کسی گروہ کے ہاتھ مال غنیمت آتا ہے تو اس میں سے پانچواں حصہ لے لیا جاتا ہے اور باقی ان لوگوں کے لئے ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ امام ابو یوسف کے نزدیک رکاز اور معدنیات کے لئے نصاب کی شرط نہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔

فی کل ما اصیب من المعادن من قلیل او کثیر الخمس' و لو ان رجلا اصاب فی معدن اقل من وزن مائتی درھم فضة او اقل من وزن عشرین

مثقالا ذھبا فان فیہ الخمس (251)

"کانوں میں کم یا زیادہ جتنا کچھ بھی پایا جائے گا اس پر پانچواں حصہ (خمس) لیا جائے گا۔ یہاں تک کہ اگر کسی کو کسی کان میں دو سو درہم کے وزن سے کم چاندی یا بیس مثقال کے وزن سے کم سونا ملے تو اس پر بھی خمس عائد ہو گا۔

"

امام ابو یوسف کی رائے یہ ہے کہ اگر کوئی حربی دارالاسلام (The land governed according to the law of Islam) میں کوئی دفینہ پائے خواہ وہ امان لے کر ہی دارالاسلام میں داخل کیوں نہ ہوا ہو۔ اس سے تمام دفینہ لے لیا جائے گا اور اس کو کچھ بھی نہیں ملے گا۔(252) مسلمان اگر دارالحرب میں بغیر امان لیئے داخل ہوا ہو اور وہاں اسے کوئی دفینہ ملے تو وہ تمام اسی کی ملک ہو گا۔ اس سے خمس وصول نہیں کیا جائے گا۔ لیکن اگر یہ شخص امان لے کر داخل ہوا ہو اور کسی آدمی کی مملوکہ زمین میں اسے کوئی دفینہ مل جائے تو وہ دفینہ مالک زمین کا حق ہو گا۔ البتہ اگر دفینہ کسی ایسی زمین میں پایا گیا ہو جو کسی آدمی کی ملک میں نہ ہو تو وہ پانے والے کا حق ہو گا۔(253)

جو شخص ان معدنیات کو برآمد کرے' اس کے نکالنے کے اخراجات خمس کا حساب لگانے میں منہا نہیں کئے جائیں گے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہ اخراجات برآمد شدہ معدنیات کے برابر یا اس سے زیادہ ہو جاتے ہیں تو اس صورت میں خمس نکالنا واجب نہیں رہے گا۔(254)

امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ دفینہ حاصل کرنے والے شخص پر اگر قرض ہو تو قرض کی وجہ سے خمس ساقط نہیں ہو گا۔ آپ اس کی دلیل میں کہتے ہیں کہ اگر کوئی فوج اہل حرب سے مال غنیمت حاصل کرتی ہے تو اس میں سے پانچواں حصہ بہر حال لے لیا جاتا ہے اور یہ نہیں دیکھا جاتا کہ ان لوگوں پر قرض ہے یا نہیں؟ اگر ان پر قرض ہو تو بھی یہ بات خمس وصول کرنے سے مانع نہیں ہوتی۔(255)

خمس سے استثناء

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ وہ پتھر جو کانوں سے نکالے جائیں مثلاً یاقوت' فیروزہ' سرمہ' پارہ' گندھک اور گیرو مٹی' ان میں سے کسی چیز پر بھی خمس نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ساری چیزیں مٹی کے مانند ہیں۔(256)

سمندر سے نکلنے والی اشیاء

امام ابو حنیفہ اور ابن ابی لیلیٰ کے نزدیک سمندر سے نکلنے والی اشیاء مثلاً عنبر موتی وغیرہ پر کوئی محصول عائد نہیں ہوتا۔ ان فقہاء کے نزدیک سمندر کی تمام اشیاء کی نوعیت مچھلی جیسی ہے۔(257) یہ اشیاء ملک کے عام باشندوں کا مشترک

سرمایہ (Joint Capital) ہیں۔ جو شخص چاہے ان کو نکال کر فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ لیکن امام ابو یوسف نے حضرت عمرؓ کے ایک فرمان کی روشنی میں یہ رائے اختیار کی ہے کہ سمندر کی وہ چیزیں جو بطور زیور یا خوشبو کے استعمال ہوتی ہیں ان سے خمس لیا جائے گا۔(258) آپ کتاب الخراج میں رقم طراز ہیں۔

و سالت یا امیر المومنین عما یخرج من البحر من حلیة و عنبر' فان فیما یخرج من البحر من الحلیة والعنبر الخمس' فاما غیرھما فلا شئی فیه (259)

"اے امیرالمومنین! آپ نے سمندر سے نکالے جانے والے عنبر اور زیور بنانے کے لائق چیزوں کے بارے میں دریافت کیا ہے۔ واضح رہے کہ سمندر سے زیور بنانے کے لائق جو اشیاء یا عنبر برآمد ہوں ان میں خمس (1/5) واجب ہے۔ ان دو کے سوا اور چیزوں میں کچھ نہیں (واجب ہے)۔"

آگے چل کر مزید لکھتے ہیں۔

و اما انا فانی اری فی ذلک الخمس و اربعة اخماسه لمن اخرجه (260)

"مگر جہاں تک میرا تعلق ہے' میرا خیال یہ ہے کہ ان میں خمس لیا جائے گا اور باقی 4/5 حصہ اس کے لئے ہے جس نے اسے نکالا ہو۔"

امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں حضرت عمرؓ کا ارشاد نقل کیا ہے۔

ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنه استعمل یعلی ابن امیة علی البحر فکتب الیه فی عنبرة وجدھا رجل علی الساحل یساله عنھا و عما فیھا' فکتب الیه عمر "انه سیب من سیب اللہ. و فیما اخرج اللہ جل ثناوہ من البحر الخمس (261)

"کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے یعلی بن امیہ کو سمندر پر افسر مقرر کیا تو انہوں نے آپ سے ایک وہیل مچھلی کے بارے میں' جسے ایک آدمی نے ساحل پر پایا تھا' لکھ کر دریافت کیا کہ اس میں کیا (واجب) ہے۔ (جواب میں) عمرؓ نے انہیں یہ لکھا کہ "یہ اللہ کے عطا کردہ اموال میں سے ایک مال ہے۔ اس میں اور سمندر میں سے اللہ جل ثناءہ جو کچھ بھی نکالے' خمس واجب ہے۔"

اس فرمان کے راوی حضرت عبداللہ بن عباسؓ (م 68ھ / 687ء) خود بھی فرماتے ہیں۔

و ذلک رایی (262)

"اور میری بھی یہی رائے ہے۔"

بازیافتہ اموال

وہ مختلف اموال جو چوروں اور لٹیروں سے برآمد کئے گئے ہوں ان کے بارے میں امام ابو یوسف یہ کہتے ہیں کہ اگر ان اموال کے اصل مالک گواہ پیش کر دیں تو یہ ان کو واپس کر دیئے جائیں گے۔ لیکن اگر کوئی شخص ان اموال کی ملکیت کے بارے میں دعویٰ نہیں کرتا تو پھر ان اشیاء کو فروخت کر کے ان کی قیمت اور نقد مال جو برآمد ہو' وہ بیت المال میں داخل کر دیئے جائیں گے۔(263)

لقطہ

اصطلاح شریعت میں جیساکہ ابو محمد' عبداللہ بن احمد' ابن قدامہ (م 620ھ / 1223ء) نے بیان کیا ہے کہ لقطہ اس مال کو کہتے ہیں جو مالک سے گر جائے اور اسے کوئی دوسرا شخص اٹھالے۔(264) امام مالک اور امام شافعی کا نظریہ یہ ہے کہ وہ آدمی جس کو مال ملا ہے ایک سال کے بعد وہ خود یہ مال اپنے پاس رکھ سکتا ہے۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ اس کو صرف صدقہ کرنے کا حق ہے۔(265)

امام ابو یوسف کی رائے یہ ہے کہ اس طرح کے مال کو مسلمانوں کے بیت المال میں جمع کیا جائے گا۔ آپ کتاب الخراج میں لکھتے ہیں۔

> و ما صار الی القضاة فی المدن والامصار من متاع الغرباء و ما لهم لذلک طالب و لا وارث فینبغی ان یرفع الیک ذلک فانه لن یبقی فی ایدی القضاة صیروه الی قوام یأکلونه' و هذا و شبهه ما وجد مع اللصوص مما لیس له طالب و لا مدع انما هو لبیت مال المسلمین(266)
>
> "قصبات اور مرکزی شہروں کے قاضیوں کے یہاں غریب الوطن اجنبی افراد کا جو مال و متاع جمع ہو جائے' جس کا نہ کوئی وارث ہو' نہ دعویٰ دار' تو اسے آپ کے علم میں لایا جانا چاہیے۔ اندیشہ ہے کہ اگر یہ مال زیادہ عرصہ ان قاضیوں کے پاس رہ گیا تو یہ اسے ایسے لوگوں کے سپرد کر دیں گے جو اسے کھا جائیں۔ یہ اموال چوروں کے یہاں سے برآمد ہونے والے اموال' اور وہ سارے مال جن کا کوئی مطالبہ کرنے والا نہ ہو مسلمانوں کے بیت المال کے لئے ہیں۔"

لاوارث ترکے

امام ابویوسف کہتے ہیں کہ ایسے تمام ترکے جن کا کوئی وارث (Heir) نہ ہو' بیت المال میں جمع کئے جائیں گے۔ ہارون الرشید کے دور میں ایسی لاوارث زمینیں جن کا مطالبہ کرنے والا کوئی بھی نہ تھا مختلف قاضیوں کے پاس جمع تھیں۔ قاضی اور ان کے ایجنٹ' ان زمینوں کی آمدنی کھا رہے تھے۔ امام ابویوسف ہارون الرشید کو کہتے ہیں کہ قاضیوں کو بھی زمینوں کی آمدنی اپنے پاس رکھنے کا کوئی حق نہیں۔ یہ تمام آمدنی بیت المال میں جمع ہونی چاہیے۔

آپ کتاب الخراج میں رقم طراز ہیں۔

و تامر بان تحمل علاتها الى بيت مال المسلمين الى ان ياتى مستحق لشئى منها' فان كل من مات من المسلمين لا وارث له فما له لبيت المال' الا ان يدعى مدع منها شيئا بميراث برثه عن بعض من مات و تركها و ياتى على ذلك ببرهان و بينة فيعطى منها ما يجب له (267)

"اور حکم دے دیجئے کہ ان کی ساری آمدنی مسلمانوں کے بیت المال میں داخل کر دی جایا کرے تا آنکہ کوئی شخص اس میں سے کسی چیز کا حقدار ہونے کا دعویٰ لے کر کھڑا ہو۔ کیونکہ جو مسلمان کوئی وارث چھوڑے بغیر وفات پا جائے اس کا مال بیت المال کے لئے ہے۔ البتہ کوئی مدعی اگر کسی مرنے والے کا وارث ہونے کی بنا پر کسی چیز کا مطالبہ کرے اور اس دعویٰ کے حق میں ثبوت اور گواہ فراہم کر دے تو اسے اس کا حق واجب دے دیا جائے گا۔

جنگ کے غنائم

امام ابویوسف کتاب الخراج میں مال غنیمت کی تعریف کا تعین نہیں کرتے البتہ سورۃ الانفال آیت نمبر 41 "وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ الخ کا حوالہ دینے کے بعد وہ لکھتے ہیں۔

فهذا و الله اعلم فيما يصيب المسلمون من عساكر اهل الشرك و ما اجلبوا به من المتاع و السلاح و الكراع فان فى ذلك الخمس لمن سمى الله عزوجل فى كتابه العزيز' و اربعة اخماسه بين الجند الذين اصابوا ذلك (268)

"یہ حکم' اللہ بہتر جانتا ہے' ان اموال کی بابت ہے جو مسلمان اہل شرک کی فوجوں سے حاصل کریں' جو سازوسامان' اسلحے اور مویشی مسلمان لے کر آئیں اس میں پانچواں حصہ ان لوگوں کے لئے ہے جن کے نام اللہ نے اپنی کتاب عزیز میں گنائے ہیں۔ اور اس کے باقی چار حصے (4/5) اس فوج کے درمیان تقسیم ہوں گے

تقسیم ہوں گے جنھوں نے یہ مال پایا ہے۔"

امام ابوحنیفہ کے نزدیک مال غنیمت (Enemy's property taken during Jehad) میں سوار کے دو حصے اور پیدل کا ایک حصہ ہے۔(269) امام ابویوسف کی رائے یہ ہے کہ ہر گھڑ سوار کو تین حصے دیئے جائیں گے۔ دو حصے اس کے گھوڑے کے لئے اور ایک حصہ خود سوار کے لئے۔ اور پیادہ کو ایک حصہ ملے گا۔(270)

امام ابویوسف اپنی رائے کی تائید میں کچھ احادیث نقل کرتے ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھڑ سوار کو تین حصے دیئے تھے۔

امام ابوحنیفہ 'حضرت عمرؓ کے ایک اثر سے دلیل لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں ایک جانور کو مسلمان آدمی سے افضل قرار نہیں دے سکتا۔ امام ابویوسف 'ابوحنیفہ کی رائے پر محاکمہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر گھوڑے کو بھی اکہرا حصہ دیا جائے تو اس سے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ انسان اور جانور مساوی ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔(271)

امام ابویوسف کی پہلی دلیل یہ ہے کہ گھوڑے کو دوہرا حصہ دینے کے بارے میں جو احادیث و آثار مروی ہیں 'ان کی تعداد زیادہ ہے اور وہ زیادہ قوی و مستند ہیں۔

وہ دوسری دلیل یہ دیتے ہیں کہ گھوڑے کا حصہ بھی تو مالک ہی کو ملتا ہے اس لئے یہاں جانور کو انسان پر فضیلت و فوقیت دینے کی کوئی بات نہیں۔

ان کی تیسری دلیل یہ ہے کہ اگر گھوڑے کو دوہرا حصہ دیا جائے گا تو اس سے لوگوں کو جہاد کے لئے گھوڑوں کی پرورش و دیکھ بھال کی ترغیب ملے گی۔ اور وہ ان کے اخراجات بہتر طریقہ سے برداشت کر سکیں گے۔(272)

غنیمت کی تقسیم کا وقت

امام شافعی کے نزدیک غنیمت کو دارالحرب (The land of warfare) میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔(273) لیکن امام ابویوسف کا نظریہ یہ ہے کہ دارالحرب میں تقسیم جائز نہیں ہوتی۔

غنیمت کو پہلے دارالاسلام (The land governed according to the law of Islam) میں منتقل کیا جائے گا۔ پھر اس کو تقسیم کیا جائے گا۔(274)

امام ابویوسف اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ جب تک مال دارالحرب میں ہوتا ہے اس کو محفوظ مال قرار نہیں دیا جا سکتا۔ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ سے بھی دلیل لی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے غنائم کو مدینہ آنے کے بعد تقسیم کیا تھا۔ اسی طرح حنین کے غنائم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف سے واپس آکر جعرانہ میں تقسیم کیا تھا۔ خیبر کے غنائم کو آپؐ نے خیبر ہی میں تقسیم کر دیا تھا لیکن آپؐ اس علاقہ پر پوری طرح غالب آ چکے تھے اور اس کے باشندوں کو جلاوطن کر دیا تھا۔ لہٰذا اب اس کی حیثیت دارالاسلام کی ہو گئی

تھی۔ بنی المصطلق کے غنائم کو بھی آپؐ نے انہی کے ملک میں تقسیم کیا تھا لیکن اسے بھی آپؐ فتح کر چکے تھے اور وہ علاقہ آپؐ کے زیر حکومت آگیا تھا۔ وہاں تقسیم کرنا ایسا ہی تھا جیسے مدینہ میں تقسیم کرنا۔ (275)

تقسیم سے پہلے غنیمت میں تصرف

امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ غنیمت میں جو اشیاء خوراک ہاتھ آئیں ان کو تقسیم سے پہلے کھانے میں یا جو چارا وغیرہ ملے اسے جانوروں کو کھلانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اگر ضرورت پڑے تو بکری یا گائے ذبح کر کے کھا سکتے ہیں۔ اپنی اور اپنے جانوروں کی خوراک میں وہ جو کچھ صرف کر لیں اس پر خمس عائد نہیں ہو گا۔ لیکن کوئی شخص ان چیزوں میں سے کسی چیز کو فروخت نہیں کرے گا۔ اگر کسی نے کوئی چیز فروخت کی تو اس کی قیمت کو صرف کرنا اس کے لئے جائز نہ ہو گا۔ وہ اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ بلکہ اسے چاہیے کہ اس قیمت کو تقسیم غنائم کے ذمہ دار کے حوالہ کر دے۔ تقسیم غنیمت سے قبل تصرف کی اجازت صرف غذائی اشیاء اور جانوروں کی خوراک کے سلسلہ میں دی گئی ہے کسی اور چیز میں تصرف کی اجازت نہیں۔ جس شخص نے خود کھانے یا جانوروں کو کھلانے کے علاوہ کوئی اور تصرف کیا وہ مال غنیمت میں خیانت کا مرتکب ہوا۔ (276)

وقف

وقف (Endowment) کے لفظی معنی روکنا' باندھنا' تحویل میں رکھنا ہیں۔ عربی لغت میں اس کے معنی "حبس " (بند کرنے' قید کرنے) کے ہیں۔ وقف کے اصطلاحی معنی بقول شمس الائمہ السرخسی "کسی شئے کو محفوظ کرنے اور کسی تیسرے فرد کی ملکیت میں جانے سے بچانے کے ہیں۔" ان کے الفاظ ہیں۔

هو حبس المملوک عن التمليک من الغير (277)

امام ابو حنیفہ وقف کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

هو حبس العين على ملک الواقف والتصدق بالمنفعة بمنزلة العارية(278)

"اس سے مراد یہ ہے کہ مال عین کو وقف کرنے والا اپنی ملکیت میں روک لے اور اس کے منافع کو صدقہ کر دے جیسا کہ عاریت میں ہوتا ہے۔"

یعنی امام ابو حنیفہ کی رائے میں وقف "عاریت" (Property lent for use) کی طرح ہے۔ اور اس کا نفاذ بھی اسی کی مانند ہوگا۔ شئے موقوفہ واقف کی ملکیت ہی میں رہے گی۔ آپ کہتے ہیں کہ جب تک وقف لازم نہ ہو جائے واقف (A person making waqf) اپنی زندگی میں اس سے رجوع کر سکتا ہے' دوسروں کو ہبہ کر سکتا ہے یا فروخت بھی کر سکتا ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ وقف کے لازم ہونے کی دو صورتیں ہیں۔

پہلی صورت یہ ہے کہ حاکم اپنا حکم نافذ کر دے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ مرنے والے نے وصیت کر دی ہو۔ (279)

امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک وقف کی تعریف یہ ہے۔

حبس العين على حكم ملک الله تعالیٰ(280)

"مال عین کو روکے رکھنا۔ اللہ تعالیٰ کی ملکیت کے حکم میں داخل ہے۔"

یعنی امام ابو یوسف کا نظریہ یہ ہے کہ کسی شئے کو وقف کر دینے سے وہ شئے واقف کی ملکیت سے نکل کر اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں منتقل ہو جاتی ہے اور اپنی بقا تک اسی حالت میں برقرار رہتی ہے۔ شئے موقوفہ کو اس کا سابقہ مالک نہ فروخت کر سکتا ہے' نہ ہبہ کر سکتا ہے اور نہ ہی اس میں وراثت جاری ہو سکتی ہے۔ (281)

ان کا معاشی فکر یہ ہے کہ وقف کا معاملہ ناقابل تنسیخ معاملہ ہے اور اس پر نظرثانی یا تبدیلی کرنے کا کسی بھی شخص کو حق باقی نہیں رہتا۔

امام ابو یوسف کے نزدیک وقف صرف قول سے لازم ہو جاتا ہے اور حکم حاکم کی ضرورت نہیں۔

اگر ایک شخص اپنی ذات کے لئے کوئی جائیداد وقف کرے تو جمہور علماء کے نزدیک ایسا وقف باطل ہے لیکن امام

ابو یوسف اس کے جواز کے حق میں ہیں۔ (282)

امام ابو یوسف کے نزدیک ضروری ہے کہ وقف دائمی ہو یعنی اس کے لئے وقت کی کوئی حد مقرر نہ ہو۔ اگر وقف چند معین افراد کے لئے کیا گیا ہو مثلاً اپنے بیٹوں کے لئے یا اسی طرح چند معین و محدود افراد کے لئے تو امام ابو یوسف کے نزدیک مذکورہ افراد کی موت کے بعد اس کے منافع غریب اور محتاج لوگوں میں تقسیم کر دیئے جاتے ہیں اور وقف کو ختم نہیں کیا جاتا۔ گویا ہر وقف ناقابل انتقال ہوتا ہے۔ (283)

کتب احناف میں امام ابو یوسف سے ایک قول یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ آپ وقف کے دوامی ہونے کو صحت وقف کے لئے شرط قرار نہیں دیتے۔ چنانچہ ابن ہمام نے فتح القدیر میں اور ابو بکر السرخسی نے المبسوط میں اس کو بیان کیا ہے۔ السرخسی اپنی کتاب المبسوط میں لکھتے ہیں۔

فالحاصل ان ابا یوسف یوسع فی امر الصدقة الموقوفة فی قوله الاخر غاية التوسع و فی قوله الاول ضيق فيها غاية التضييق ۔ و مما توسع فيه ابو یوسف رحمه الله انه لا يشترط التابيد فيها حتى لو وقفها على جهة يتوهم انقطاعها يصح عنده و ان لم يجعل آخرها للمساكين ۔ و ابو یوسف رحمه الله يقول المقصود هو التقرب الى الله تعالى و التقرب تارة يكون فى الصرف الى جهة يتوهم انقطاعها و تارة بالصرف الى جهة لا يتوهم انقطاعها (284)

"پس (اس ساری بحث کا) ماحصل یہ ہے کہ امام ابو یوسف نے اپنے آخری قول میں وقف شدہ صدقہ کے مسئلہ کو بے انتہا وسعت دے دی تھی۔ حالانکہ ابتدائی قول میں نہایت سختی اختیار کئے ہوئے تھے۔۔۔ اور ابو یوسف رحمہ اللہ نے اپنے قول میں جو وسعت اختیار کی ہے وہ یہ ہے کہ وقف کا ابدی ہونا شرط نہیں ہے۔ حتی کہ اگر کسی شخص نے ایسے مصرف پر وقف کیا جو منقطع ہو جانے والا ہو تو وقف ان کے نزدیک صحیح ہو گا خواہ وہ آخر میں مساکین وغیرہ کے لئے نہ کیا ہو۔ اور ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ (دلیل کے طور پر) کہتے ہیں کہ اس عمل سے اللہ تعالیٰ کا تقرب مقصود ہوتا ہے اور یہ مقصد کبھی تو ابدی طریقہ اختیار کرنے سے حاصل ہوتا ہے اور کبھی غیر ابدی ہونے سے بھی حاصل ہو جاتا ہے"

ابن ہمام لکھتے ہیں۔

محمد بن مقاتل عن ابی یوسف اذا وقف على رجل بعينه جاز و اذا مات الموقوف عليه رجع الوقف الى ورثة الواقف قال و عليه الفتوى (285)

"محمد بن مقاتل ابو یوسف سے روایت کرتے ہیں کہ جب کوئی شخص کسی آدمی پر وقف کردے تو یہ وقف جائز ہو گا لیکن جب موقوف علیہ فوت ہو جائے گا تو یہ وقف واقف کے ورثاء کی طرف لوٹ آئے گا اور اسی قول پر فتویٰ ہے۔"

بعض فقہاء نے اگرچہ امام ابو یوسف کی طرف یہ قول منسوب کیا ہے کہ آپ نے ابدیت کو وقف کا جزو قرار نہیں دیا لیکن تمام کتب احناف کے دقیق مطالعہ کے بعد یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ امام ابو یوسف کا اصح، مفتیٰ بہ اور زیر عمل قول وہی ہے جس میں آپ نے ابدیت کو وقف کا لازمی جزو قرار دیا ہے۔ صحیح رائے یہی ہے کہ امام ابو یوسف نے حدیث عمرؓ سننے پر اپنی رائے کو بدل لیا تھا۔ ابن حجر العسقلانی اپنی کتاب "فتح الباری" میں لکھتے ہیں۔

فحکی الطحاوی عن عیسیٰ بن ابان قال: کان ابویوسف یجیز بیع الوقف، فبلغه حدیث عمرؓ هذا فقال: من سمع هذا من ابن عون؟ فحدثه به ابن علیة، فقال هذا لا یسع احدا خلافه، و لو بلغ ابا حنیفة لقال به فرجع عن بیع الوقف حتی صار کانه لا خلاف فیه بین احد(286)

"امام طحاوی نے عیسیٰ ابن ابان سے نقل کیا ہے۔ کہا کہ امام ابو یوسف وقف کی بیع کے جائز ہونے کے قائل تھے۔ جب ان کو حضرت عمرؓ کی یہ حدیث معلوم ہوئی تو فرمایا کہ ابن عون سے اس حدیث کو کس نے سنا ہے تو ان سے ابن علیہ نے یہ حدیث بیان کی تو فرمایا کہ اب تو اس کے بعد کسی کے لئے جائز نہیں کہ اس کے خلاف کہہ سکے اور اگر یہ حدیث ابو حنیفہ کو پہنچ جاتی تو وہ بھی اس کے قائل ہو جاتے۔ چنانچہ وقف کی بیع کے جواز کے قول سے آپ نے رجوع کر لیا اب یہ مسئلہ عدم جواز متفق علیہ ہو گیا۔"

ڈاکٹر تنزیل الرحمن رقم طراز ہیں۔

"ہمارے خیال میں اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ امام ابو یوسف تابید کے قائل ہو چکے تھے اگر ایسا نہ ہوتا تو جس طرح واقف کے ورثاء کی طرف وقف کے واپس ہونے کے قائل تھے اسی طرح واقف کو وقت ضرورت اس کی بیع کے جواز کے بھی قائل رہتے۔ اور یہی وجہ ہے کہ متاخرین فقہاء احناف نے امام ابو یوسف کا آخری قول وقف کے لئے تابید شرط ہونا نقل کیا ہے حتیٰ کہ صرف لفظ وقف ہی ان کے نزدیک اس کے ابدی ہونے کے لئے کافی ہو گا۔ اس کی صراحت کی بھی ضرورت نہ ہو گی۔ المبسوط میں امام ابو یوسف سے جو کچھ نقل کیا ہے اس کا منشاء بھی یہی ہے کہ وہ ابدیت کی تصریح کی شرط کے قائل نہیں بلکہ بغیر صراحت کے وقف ابدی ہو جائے گا۔" (287)

امام محمد اور قاضی ابن ابی لیلیٰ کے نزدیک وقف کی سپرداری بھی ضروری ہے۔ یعنی متعلقہ لوگوں تک اس وقف کی

اطلاع پہنچانا یا کم از کم وقف کے ناظم کو اس کا انتظام سپرد کرنا بھی لازمی ہے۔(288) لیکن امام ابویوسف کے نزدیک واقف کے اعلان کے ساتھ ہی وقف مکمل ہو جاتا ہے اور اس کو کسی کی سپرداری میں دینے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ابوبکر السرخسی اپنی کتاب "المبسوط" میں لکھتے ہیں۔

و ان جعل ارضاله مسجد العامة المسلمين و بناها و اذن للناس بالصلاة فيها و ابانها من ملكه فاذن فيه الموذن و صلى الناس جماعة صلاة واحدة او اكثر لم يكن له ان يرجع فيه و ان مات لم يكن ميراثا ۔ و لا رجوع له فيما جعله لله تعالى خالصا كالصدقة التي امضاها - ثم عند ابى يوسف يصير مسجدا اذا ابانه عن ملكه و اذن للناس بالصلاة فيه و ان لم يصل فيه احد كما في الوقف على مذهبه ان الوقف يتم بفعل الواقف من غير تسليم الى المتولى(289)

"اور اگر اپنی زمین کو عامتہ المسلمین کی مسجد کے لئے وقف کر دیا اور اس پر تعمیر کر کے اپنی ملک سے علیحدہ کر کے لوگوں کو اس میں نماز ادا کرنے کی اجازت دے دی اور موذن نے اذان دی اور لوگوں نے اس میں نماز باجماعت ادا کر لی۔ خواہ ایک ہی مرتبہ ایسا ہوا ہو یا زیادہ بار۔ تو اب واقف کو رجوع کرنے کا حق نہیں رہتا۔ اور اس کے مرنے کے بعد وہ جائیداد میراث میں شامل نہ ہو گی۔ جو چیز اللہ کے لئے مخصوص کر دی جاتی ہے اس سے صدقہ کی طرح رجوع کرنا جائز نہیں ہوتا۔ امام ابویوسف کے نزدیک جب واقف اس کو اپنی ملک سے علیحدہ کر دے گا اور لوگوں کو نماز کی اجازت دے دے گا تو اسی وقت وقف لازم ہو جائے گا خواہ اس میں نماز ادا کی گئی ہو یا نہ ادا کی گئی ہو۔ کیونکہ وقف کے سلسلہ میں ابویوسف کا یہی مسلک ہے کہ وقف واقف کے اپنے ذاتی فعل سے مکمل ہو جاتا ہے۔ متولی کے قبضہ میں دینا ان کے نزدیک شرط نہیں۔"

اگر کسی شخص نے یہ کہا کہ جو زمین میں وقف کر رہا ہوں اس کا تمام نفع یا اس کا کچھ نفع تاحیات میرے لئے اور میرے بعد مساکین اور ضرورت مندوں کے لئے ہو گا تو امام ابویوسف کے نزدیک یہ جائز ہے۔(290) اسی طرح اگر کسی شخص نے یہ کہا کہ مال وقف سے میرا قرض ادا کیا جائے تو یہ بھی درست ہو گا۔ اسی طرح اگر وہ اپنے ساتھ اپنی اولاد کو بھی کسی طرح وقف میں شامل کرے مثلاً وہ کہے کہ تاحین حیات میں اور میری اولاد اور میری وفات کے بعد میری اولاد اس وقف سے مستفید ہو گی تو امام ابویوسف کے مذکورہ مسلک کے مطابق ایسا کہنا بھی درست ہو گا۔

امام ابویوسف کے نزدیک واقف کو یہ حق حاصل ہے کہ اگر وہ چاہے تو اپنے قائم کردہ وقف کی نگرانی اور اس کا انتظام خود اپنے پاس رکھ لے اور خود اس کا متولی بن جائے۔(291)

مشترک (مشاع) اشیاء کے وقف کے بارے میں امام ابو یوسف نے دیگر فقہاء سے اختلاف کیا ہے۔

اگر مشترک (مشاع) شئے قابل تقسیم ہو مثلاً زمین 'مکان وغیرہ تو اگر کوئی مالک اپنا حصہ وقف کر دے تو تمام فقہاء کے نزدیک اس کا وقف کرنا درست ہے لیکن اگر وہ شئے ناقابل تقسیم ہو 'مثال کے طور پر نصف کنواں وغیرہ تو امام محمد کے نزدیک اس شئے کا وقف کرنا جائز نہیں۔

امام ابو یوسف کے نزدیک اس کا وقف کرنا بھی جائز ہے۔ البتہ اس امر میں امام ابو یوسف 'امام محمد سے اختلاف نہیں رکھتے کہ مسجد اور قبرستان کے لئے مشاع کا وقف جائز نہیں کیونکہ کسی شے کی ملکیت میں دوسرے شخص کی شرکت خدا کے تماملک میں ملکیت کے منافی ہے۔(202)

ابوبکر السرخسی اپنی کتاب "المبسوط" میں لکھتے ہیں۔

و لو وقف نصف ارض او نصف دار مشاعا على الفقراء فذلك جائز في
قول ابي يوسف رحمه الله لان القسمة من تتمة القبض فان القبض للحيازة
و تمام الحيازة فيما يقسم بالقسمة - ثم اصل القبض عنده ليس بشرط
في الصدقة الموقوفة فكذلك ما هو من تتمة الوقف و هذا لان الوقف على
مذهبه قياس العتق والشيوع لا يمنع العتق فكذلك لا يمنع الوقف الا ان
العتق لا يتجزأ عنده(203)

"اور اگر کسی شخص نے اپنی نصف زمین یا نصف مکان غیر منقسم شکل میں فقراء پر وقف کیا تو ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول کے مطابق یہ جائز ہو گا کیونکہ تقسیم قبضہ کے لواحقات میں شامل ہے۔ چونکہ قبضہ سے مقصود شے کا محفوظ کر دینا ہوتا ہے اور جو شے قابل تقسیم ہو اس کی حفاظت اسی طرح ہو سکتی ہے کہ اس کو تقسیم کر کے قبضہ دیا جائے۔ چونکہ صدقہ موقوفہ میں ابو یوسف کے نزدیک اصل قبضہ ہی شرط نہیں تو جو امر تتمہ وقف ہو گا اس میں بطریقہ اولیٰ قبضہ شرط نہ ہو گا اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک وقف عتق سے مشابہت رکھتا ہے اور عتق میں غلام کا منقسم ہونا شرط نہیں ہے (بلکہ جو غلام دو افراد میں مشترک ہو اور ان دونوں میں سے ایک شخص اپنا حصہ آزاد کر دے تو یہ حصہ آزاد ہو جائے گا اور غلام کا اشتراک آزادی کا مانع نہ ہو گا) اسی طرح کسی شئے کا غیر منقسم ہونا وقف کا مانع نہ ہو گا۔"

اگر واقف وقف کرتے وقت خیار شرط رکھے تو امام ابو یوسف کے ایک قول کے مطابق وقف و شرط دونوں صحیح ہوں گے جبکہ دوسرے قول کے مطابق وقف صحیح ہو گا اور شرط باطل ہو گی۔(204) امام سرخسی اپنی کتاب "المبسوط" میں لکھتے ہیں۔

و من ذلک انہ اذا شرط فی الوقف ان یستبدل بہ ارضا اخری اذا شاء ذلک فہو جائز عند ابی یوسف رحمہ اللہ(295)

"اور اس میں سے ہے کہ جب (کوئی وقف کرنے والا) وقف میں یہ شرط کرے کہ اس (موقوفہ زمین) کو دوسری زمین سے تبدیل کیا جاسکے گا اور وہ جب چاہے گا ایسا کرے گا تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک یہ جائز ہے۔"

فصل چہارم

بیت المال کے مصارف
امام ابو یوسف کی نظر میں

بیت المال کا مفہوم

بیت المال کے لغوی معنی مال یا دولت کا گھر ہے۔ مگر شرعی اصطلاح میں اس کے معنی کسی مسلم ریاست کے "خزانے" کے ہیں۔ بیت المال تمام مسلمانوں کی مشترکہ ملکیت ہوتا ہے۔

مختصر تاریخ

عہد رسالت' اور حضرت ابوبکر الصدیق (عبداللہ بن ابی قحافہ عثمان) (11-13ھ / 633-634ء) کے دور میں بیت المال کا باقاعدہ وجود نہیں تھا۔ مال غنیمت' جزیہ' خراج اور دیگر ذرائع سے جو رقم مدینہ میں آتی' اس کو فوراً تقسیم کر دیا جاتا۔

امام ابویوسف' ابو جعفر محمد بن جریر الطبری (م 310ھ / 923ء) اور ابن خلدون کے بیان کے مطابق سب سے پہلے حضرت عمرؓ بن الخطاب (13-24ھ / 634-645ء) نے مدینہ منورہ میں بیت المال ((Public treasury)) قائم کیا۔ اس کے باقاعدہ رجسٹر اور دیوان مرتب کئے۔ (296) پھر اس کی شاخیں عراق' شام اور مصر کے مختلف شہروں میں قائم کیں۔ (297) حضرت عثمان غنیؓ (24-35ھ / 645-655ء) اور حضرت علی بن ابی طالبؓ (35-40ھ / 656-661ء) کے ادوار میں یہ ادارہ اسی نہج پر چلتا رہا جو حضرت عمرؓ نے مقرر کیا تھا۔ بنو امیہ کے دور میں بیت المال کے مصارف میں کچھ بے اعتدالیاں رونما ہوئیں۔ اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان (65-86ھ / 685-705ء) نے اپنے دور حکومت میں کچھ اصلاحات کیں' جن کا ذکر امام ابویوسف نے کتاب الخراج میں کیا ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز (99-101ھ / 717-719ء) نے بیت المال کے مصارف میں کافی اصلاحات کیں۔ اگر کسی عامل سے اس ضمن میں ذرا بھی غفلت ہوتی تھی تو اسے سخت تنبیہہ کرتے۔ (298)

عباسی خلفاء میں ابو جعفر منصور (136-158ھ / 753-774ء) نے بیت المال کے مصرف میں غیر معمولی اعتدال اور کفایت شعاری سے کام لیا۔ اپنے بیٹے مہدی کو جو وصیت نامہ دیا تھا اس میں بیت المال کے مصارف کے بارے میں بھی ہدایات دی تھیں۔ (299)

ہارون الرشید کے دور میں بیت المال کے مصارف

ہارون الرشید (170-193ھ / 786-809ء) کے دور میں بیت المال کے مصرف میں نمایاں تبدیلی رونما ہو چکی تھی۔ شریعت اسلامیہ کے بتائے ہوئے سرکاری اخراجات کے اصولوں کو چھوڑ کر ذاتی خواہشات کی تکمیل میں مال دولت کا بے دریغ استعمال کیا جاتا۔ خراج اور صدقات کی آمدنیوں کو ملا دیا جاتا اور پھر ان کو خرچ کرنے میں لاپرواہی برتی جاتی۔

اس دور میں خلیفہ کی حیثیت ایک ایسے مطلق العنان حاکم کی تھی جو کسی کے سامنے جوابدہ نہیں تھا اس لئے اسے

مکمل مالی اختیارات حاصل تھے وہ جن مصارف (Expenditures) پر چاہتا' قومی خزانہ (Public Treasury) کو بے دریغ خرچ کرتا۔ اور مصارف کی نئی مدات (Heads) بھی قائم کر سکتا تھا اس دور میں بیت المال کے مصارف کے اہم خدوخال یوں تھے۔

(ا) بیت المال کی آمدنیوں (Incomes) میں سے ایک خطیر رقم خلیفہ' اس کے اہل و عیال' دوست احباب اور حاشیہ نشینوں پر صرف ہو جاتی۔ خلیفہ اور دیگر اہم عہدہ دار بیت المال سے اپنی ضروریات کی تکمیل کے لئے قرض کے طور پر رقم لیتے اور پھر واپس نہ کی جاتی۔ برامکہ مصالح عامہ کے نام پر قومی خزانہ (Public treasury) سے بڑی بڑی رقمیں لیتے اور پھر اپنے غیر معمولی اختیارات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کو خرچ کرتے۔

(ب) اسی خزانہ سے ان لوگوں کو عطایا اور تحائف دیئے جاتے تھے جو فنی یا ادبی حیثیت سے نمایاں مقام رکھتے تھے۔ مثلاً شعراء ادبا اور راوی' نیز گویے اور ماہرین فنون موسیقی' مسخرے اور دیگر لوگ جو خلیفہ کی مجالس خاص میں حاضر ہوتے تھے ابو بکر احمد بن علی' الخطیب البغدادی (م 463ھ / 1071ء) نے "تاریخ بغداد" میں ہارون الرشید کی طرف سے ان لوگوں کو دیئے گئے عطایا کا ذکر کیا ہے۔ (300)

(ج) مختلف انتظامی عہدہ داروں کی تنخواہیں بھی بیت المال سے دی جاتی تھیں۔

بیت المال کے مصارف امام ابو یوسف کی نظر میں

کتاب الخراج کے سرسری مطالعہ سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو یوسف نے اپنی کتاب میں صرف اسلامی حکومت کے ذرائع آمدن کے بارے میں افکار پیش کئے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے بیت المال کے مصارف (Expenditures) کے بارے میں بھی ہارون الرشید کی مکمل راہنمائی کی ہے۔ اگرچہ انہوں نے اس ضمن میں تفصیل سے بحث نہیں کی لیکن اختصار کو مد نظر رکھتے ہوئے اس کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ ضرور لیا ہے۔

امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں مصارف کے بارے میں جو بحث کی ہے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ آپ نے بیت المال کے بارے میں یہ بنیادی اصول پیش کیا ہے کہ یہ ادارہ خلیفہ کی ذاتی ملکیت نہیں کہ وہ اسے جس طرح چاہے استعمال کرے بلکہ یہ اس کے پاس قوم کی امانت ہے۔ اس کو عوام کی معاشی فلاح و بہبود کے کاموں ہی میں خرچ کرنا چاہیے۔

آپ متعدد بار حضرت عمرؓ کے اقوال کی روشنی میں خلیفہ کو اس امر کی یاد دہانی کراتے ہیں کہ حکومت کے خزانے میں خلیفہ کا حصہ اس قدر ہی ہے جتنا ایک یتیم کے مال میں اس کے ولی (Guardian) کا ہوتا ہے۔ یعنی اگر وہ مالدار ہے تو اسے کچھ بھی نہیں لینا چاہیے اور فی سبیل اللہ اس کی جائیداد کا انتظام کرنا چاہیے۔ اور اگر وہ حاجت مند ہو تو معروف

طریقے سے اپنی ضرورت کے مطابق لینا چاہیے۔ (101)

امام ابو یوسف، حضرت عمرؓ کی مثال دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ بیت المال سے خرچ کرتے وقت اس سے بھی زیادہ احتیاط کرتے تھے، جس قدر ایک باشعور آدمی اپنے مال کو خرچ کرتے ہوئے کرتا ہے۔ اس ضمن میں آپ لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ بن الخطاب نے حضرت عمار بن یاسرؓ کو نماز اور جنگ کا امیر بنا کر بھیجا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو قضاء اور بیت المال کی ذمہ داری دی، اور عثمان بن حنیفؓ کے سپرد زمینوں کی پیمائش کا کام کیا۔

آپ نے ان سب کے لئے ایک بکری روزانہ کا وظیفہ مقرر کیا۔ پیٹ اور نصف بکری عمار بن یاسرؓ کے لئے، چوتھائی حصہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے لئے اور باقی چوتھائی حصہ حضرت عثمان بن حنیف کے لئے۔

حضرت عمرؓ نے یہ بھی فرمایا خدا کی قسم! جس زمین سے روزانہ ایک بکری لی جاتی ہو، میرے خیال میں وہ بہت جلد اجڑ جائے گی۔ (102)

امام ابو یوسف بیت المال کے مصارف کے ضمن میں بھی عدل پر زور دیتے ہیں یعنی عدل و انصاف اور شریعت کی اصل روح کے مطابق جو ٹیکس وصول کئے گئے ہوں ان کو رعایا پر خرچ کرتے وقت بھی عدل و انصاف کے اصول کو سامنے رکھا جائے۔ اسلامی ریاست کے ہر شہری کو خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم، اسے اس کا حق ملنا چاہیے۔ آپ حضرت عمرؓ کا یہ قول نقل کرتے ہیں۔

واللہ الذی لا الہ الا ہو ما احد الا ولہ فی ھذا المال حق اعطیہ او منعہ، و ما احد احق بہ من احد الا عبد مملوک، و ما انا فیہ الا کاحدکم، و لکنا علی منازلنا من کتاب اللہ عزوجل و قسمنا من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، فالرجل و تلادہ فی الاسلام، والرجل و قدمہ فی الاسلام، والرجل و غناوہ فی الاسلام، والرجل و حاجتہ فی الاسلام، و اللہ لئن بقیت لیاتین الراعی بجبل صنعاء حظہ من ھذا المال و ہو مکانہ قبل ان یحمر و جہہ یعنی فی طلبہ (103)

"اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی اور الٰہ نہیں، کوئی فرد ایسا نہیں جس کا اس مال میں کچھ حق نہ ہو، چاہے اسے یہ حق دیا جائے یا نہ دیا جائے۔ کوئی فرد کسی دوسرے فرد کے مقابلہ میں زیادہ کا حقدار نہیں سوائے مملوک غلام کے (کہ آزاد کو اس سے زیادہ کا حق ہے) اس معاملے میں میری حیثیت بھی بعینہ وہی ہے جو تم میں سے کسی فرد کی ہے لیکن اس کے باوجود اللہ عزوجل کی کتاب کی روشنی میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق کے اعتبار سے، ہم سب کے مرتبے جدا جدا ہیں لہذا تقسیم میں افراد کے دعوت اسلام کو سب سے پہلے لبیک کہنے، ان کی

پیش قدمیوں اور ان کے صاحب مال ہونے یا حاجت مند ہونے کا بھی لحاظ رکھا جائے گا۔ خدا کی قسم اگر میں زندہ رہا تو صنعاء کی پہاڑی پر مویشی چرانے والے کو بھی اپنی جگہ پر بیٹھے بیٹھے اس مال میں سے اس کا حصہ پہنچ جائے گا' بغیر اس کے کہ اس کا چہرہ سرخ ہو۔ آپ کا مطلب یہ تھا کہ بغیر اس کے کہ اسے اپنا حق حاصل کرنے کے لئے کوئی بھاگ دوڑ کرنی پڑے (جس میں اس کا چہرہ تمتما اٹھے)۔"

ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے اس قول میں حق (Right) کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ یعنی یہ کوئی بھیک اور خیرات نہیں ہے بلکہ رعایا کا قانونی حق (Legal Right) ہے جو حکومت کے ذمہ عائد ہے اور جب تک حکومت اس حق کو ادا نہ کرے وہ خدا اور رسول اور تمام رعایا کے مجرم اور مقروض ہیں۔ امام ابو یوسف نے مصارف پر جو گفتگو کی ہے اس کو ہم درج ذیل عنوانات کی صورت میں بیان کرسکتے ہیں۔

(ا) بہبود عامہ سے متعلق مصارف

(ب) قیدیوں کی معاش سے متعلق مصارف

(ج) قاضیوں اور عاملین سے متعلق مصارف

(د) فوجی خدمات انجام دینے والوں سے متعلق مصارف

امام ابو یوسف نے بہبود عامہ سے متعلق بیت المال کے جو مصارف بیان کئے ہیں ان کو ہم اسی باب کی فصل بعنوان "اسلامی ریاست کی معاشی ذمہ داریاں ابو یوسف کی نظر میں" میں تفصیل سے بیان کریں گے۔ اسی طرح قیدیوں کی معاش سے متعلق جو مصارف ہیں ان کا ذکر ہم اسی باب کی ایک فصل بعنوان "امام ابو یوسف کی معاشی اصلاحات" میں کریں گے۔ اس لئے اس فصل میں مذکورہ مصارف کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بقیہ دو مصارف پر اس فصل میں گفتگو کی جائے گی۔

(ا) قاضیوں اور عمال کے مشاہرے

امام ابو یوسف نے تصریح کی ہے کہ ہر وہ شخص جو مسلمانوں کی کوئی خدمت سرانجام دیتا ہے' اس کو بیت المال سے اتنا دیا جائے جو اس کی ضروریات کو کفایت کرے۔ آپ کتاب الخراج میں رقم طراز ہیں۔

و سالت من ای وجه نجری علی القضاة و العمال الارزاق؟ فاجعل اجر الله امیر المومنین بطاعته ما یجری علی القضاة والولاة من بیت مال المسلمین من جبایة الارض او من خراج الارض والجزیة لانهم فی عمل المسلمین فیجری علیهم من بیت مالهم و یجری علی کل والی مدینة و قاضیها بقدر ما یحتمل' و کل رجل تصیره فی عمل المسلمین فاجر

علیہ من بیت مالھم و لا تجر علی الولاۃ والقضاۃ من مال الصدقۃ شیئا الا والی الصدقۃ فانہ یجری علیہ منھا کما قال اللہ تبارک و تعالی "والعاملین علیھا" (304)

"آپ نے دریافت کیا ہے کہ قاضیوں اور عمال حکومت کو مشاہرے کس مد سے دیے جائیں؟ اللہ امیرالمومنین کو اپنی اطاعت کے ذریعہ عزت بخشے' قاضیوں اور والیوں کے مشاہرے مسلمانوں کے بیت المال سے دیجئے یعنی زمین کے محاصل یا خراج اور جزیہ میں سے۔ چونکہ یہ لوگ مسلمانوں کی خدمت میں مشغول ہیں لہذا ان کو جو کچھ دینا ہو مسلمانوں کے خزانہ سے دیا جائے گا۔ ہر شہر کے والی اور قاضی کو اس کی ذمہ داریوں کی مناسبت سے مشاہرہ دیا جائے گا۔ جس آدمی کو بھی آپ مسلمانوں کے کسی کام پر مامور کریں اس کا مشاہرہ مسلمانوں کے خزانہ سے دیجئے۔ تحصیل صدقات پر مامور والیوں کے علاوہ دوسرے والیوں اور قاضیوں کے مشاہرے صدقات کی مد سے نہیں دیئے جائیں گے البتہ صدقہ کے والی کا مشاہرہ اس مد سے دیا جائے گا جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے (مصارف زکوۃ کی آیت میں) "والعاملین علیھا" فرما کر صراحت کر دی۔"

آپ کتاب الخراج میں ایک اور جگہ پر ریاست کے عاملین (ملازمین) کے بارے میں فرماتے ہیں۔

و یجری لھم من الرزق من بیت المال و لیدر علیھم (305)

"ان افراد کا وظیفہ بیت المال سے مقرر کیا جائے اور ان کو بڑی بڑی تنخواہیں دی جائیں۔"

امام ابو یوسف اسلامی ریاست کے سربراہ کو کلی اختیار دیتے ہیں کہ وہ عاملین اور قاضیوں کی تنخواؤں میں کمی بیشی کرے۔ آپ کتاب الخراج میں لکھتے ہیں۔

فاما الزیادۃ فی ارزاق القضاۃ والعمال والولاۃ والنقصان مما یجری علیھا فذلک الیک' من رایت ان تزیدہ فی رزقہ منھم زدت' و من رایت ان تحط من رزقہ حططت' ارجو ان یکون ذلک موسعا علیک' و کل ما رایت ان اللہ تعالی یصلح بہ امر الرعیۃ فافعلہ و لا تؤخرہ فانی ارجو لک بذلک اعظم الاجر و افضل الثواب (306)

"قاضیوں' والیوں اور دوسرے عمال حکومت کے مشاہروں میں کمی بیشی کرنا تمام تر آپ کی صوابدید پر منحصر ہے۔ میرا خیال ہے کہ آپ کو اس بارے میں پورا اختیار ہے کہ جس مشاہرہ میں اضافہ کرنا مناسب سمجھیں اضافہ کیجئے اور جس کے مشاہرہ میں کمی کرنا مناسب سمجھیں کمی کیجئے۔ جس اقدام سے بھی آپ کو یہ توقع ہو کہ اللہ اس سے رعایا کا بھلا کرے گا اسے ضرور کیجئے اور بلا تاخیر کیجئے توقع ہے کہ اللہ آپ کو ان کاموں کی انجام دہی پر بڑا اجر

اور بہت ثواب عطا فرمائے گا۔"

ہارون الرشید کے دور میں قاضیوں اور عمال کو معاوضہ دینے کا ایک غلط طریقہ یہ بھی رائج ہو گیا تھا کہ بعض قاضی جن کی نگرانی میں خلفاء یا بنو ہاشم کی کوئی میراث ہوتی تو اسی میں سے ان کو تنخواہ دی جاتی۔ امام ابو یوسف ہارون الرشید کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ طریقہ درست نہیں۔ آپ نے سابقہ خلفاء کے طرز عمل سے استدلال کرتے ہوئے یہ رائے دی ہے کہ ان کے مشاہرے بیت المال سے دیئے جائیں۔ آپ کتاب الخراج میں لکھتے ہیں۔

و اما قولک یجری علی القاضی لما صار الیه میراث من مواریث الخلفاء و بنی هاشم و غیرهم من الذی یصیر الیه و یوکل من قبله من یقوم بضیاعهم و ما لهم فلا' انما یعطی للقاضی رزقه من بیت المال لیکون قیما للفقیر والغنی والصغیر والکبیر' و لا یاخذ من مال الشریف و لا الوضیع اذا صارت الیه مواریثه رزقا' و لم تزل الخلفاء تجری للقضاة الارزاق من بیت مال المسلمین' فاما من یوکل بالقیام بتلک المواریث فی حفظها والقیام بها فیجری علیهم من الرزق بقدر ما یحتمل ماهم فیه لا یجحف بمال الوارث فیذهب به و یاکله الوکلاء والامناء و یبقی الوارث هالکا (307)

"آپ کی یہ رائے درست نہیں کہ اگر قاضی کے سپرد خلفاء یا بنو ہاشم وغیرہ کی کوئی میراث ہو تو اس کا مشاہرہ اس میراث میں سے دیا جائے اور وہ اپنی جانب سے ان ورثاء کے مال واملاک کی نگرانی کے لئے کسی کو ذمہ دار مقرر کردے۔ قاضی کا مشاہرہ بہرحال بیت المال سے دیا جانا چاہیے تاکہ وہ غریب اور امیر' چھوٹے اور بڑے' سب کا نگراں اور کارندہ بن کر رہے۔ معزز یا ادنیٰ جس کی میراث بھی اس کی نگرانی میں دی جائے اسے اپنا مشاہرہ اس کے مال میں سے نہیں لینا چاہیے۔ سارے خلفاء قاضیوں کا مشاہرہ مسلمانوں کے بیت المال سے دیتے چلے آئے ہیں۔ البتہ جن لوگوں کے سپرد ان میراثوں کی حفاظت اور ان سے متعلق امور کی انجام دہی کی خدمت کی جائے گی ان کے لئے ان کے زیر نگرانی جائیداد کی قوت برداشت کی مناسبت سے معاوضہ مقرر کر دیا جائے گا۔ ایسا نہ ہو کہ اصل وارث کے مال پر اتنا بار ڈال دیا جائے کہ سب ختم ہو جائے۔ امین اور مہتمم ہی سارا مال کھا جائیں اور وارث تباہ ہونے کے لئے رہ جائے۔"

سرکاری حکام' والیوں' قاضیوں اور دوسرے عمال کی سرگرمیوں' اثاثوں اور تصرفات کے بارے میں مختلف ذرائع سے خبریں اکٹھی کرنا بھی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ تاکہ انتظام سلطنت میں بدعنوانی (Corruption) کو ختم کیا جا

سکے۔ خبر رسانی کے اس کام پر اٹھنے والے مصارف بھی بیت المال سے پورے کیے جائیں گے امام ابویوسف ہارون الرشید کو نصیحت کرتے ہیں کہ "ہر بڑے شہر یا علاقہ کے راست باز اور قابل اعتماد افراد کو منتخب کر کے ڈاک (308) اور خبر رسانی کا محکمہ ان کے سپرد کرنا چاہیے۔ ان افراد کا وظیفہ بیت المال سے مقرر کیا جائے اور ان کو بڑی بڑی تنخواہیں دی جائیں۔" (309) آگے چل کر امام ابویوسف اس کام سے متعلق ذرائع نقل و حمل کے استعمال کے بارے میں فرماتے ہیں۔

و تقدم الیهم ان لا یحملوا علی دواب البرید الا من تامر بحمله فی امور المسلمین فانها للمسلمین(310)

"ان لوگوں کو ہدایت کر دیجئے کہ ڈاک کے لئے باربرداری کے جو جانور ان کے پاس ہوں ان پر صرف ان آدمیوں کو سوار کیا کریں جن کو آپ نے مسلمانوں کے کاموں کے سلسلہ میں سواری فراہم کرنے کا حکم دیا ہو' کیونکہ یہ جانور سارے مسلمانوں کی ملکیت ہیں۔"

(ب) فوج کو ان کے مقام و مرتبہ کے لحاظ سے عطایا دینا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں مال غنیمت میں سے خمس نکالنے کے بعد بقیہ مال و اسباب کے چار حصے (4/5) فوج میں کبھی مساوات کے اصول پر اور کبھی بعض لوگوں کی تالیف قلب کی خاطر کم و بیش حصہ کی بنیاد پر تقسیم کر دیئے جاتے۔ جب حضرت ابوبکر صدیق خلیفہ بنے تو آپ مساوات کے اصول پر فئے کو تقسیم فرماتے۔ (311) جب بعض لوگوں نے آپ کو مشورہ دیا کہ مال کی تقسیم میں قدیم الاسلام لوگوں کو فوقیت دی جائے تو آپ نے فرمایا۔

اما ما ذکر تم من السوابق والقدم والفضل فما اعرفنی بذلک' و انما ذلک شئی ثوابه علی الله جل ثناء ه' و هذا معاش فالاسوة فیه خیر من الاثرة (312)

"تم نے سابقیت' اولیت اور فضل کا جو ذکر کیا ہے تو میں اس سے اچھی طرح واقف ہوں۔ یہ ایسی چیزیں ہیں جن کا ثواب اللہ جل شانہ دے گا مگر یہ (تقسیم مال کا) معاملات دنیا میں سے ہے اور اس میں ترجیح و امتیاز کے بجائے مساوات بہتر ہے۔"

حضرت عمر بن الخطابؓ نے اپنے دور حکومت میں مال تقسیم کرنے میں ترجیحی سلوک کیا۔ آپ نے فرمایا۔

لا اجعل من قاتل رسول الله صلی الله علیه وسلم کمن قاتل معه(313)

"جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ کی ہے ان کو میں ان لوگوں کے مساوی نہیں قرار

دے سکا جنھوں نے آپ کے ساتھ مل کر جنگ کی ہے۔"

آپ نے ایک موقع پر تقسیم فئے میں عدم مساوات کی مصلحت بتاتے ہوئے فرمایا۔

واللہ الذی لا الہ الا ھو ما احد الا ولہ فی ھذا المال حق اعطیہ او منعہ' و ما احد احق بہ من احد الا عبد مملوک' و ما انا فیہ الا کاحدکم' و لکنا علی منازلنا من کتاب اللہ عزوجل و قسمنا من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فالرجل و تلادہ فی الاسلام' والرجل و قدمہ فی الاسلام' والرجل و عناوہ فی الاسلام' والرجل و حاجتہ فی الاسلام واللہ لئن بقیت لیاتین الراعی بجبل صنعاء حظہ من ھذا المال و ھو مکانہ قبل ان یحمر وجھہ یعنی فی طلبہ(314)

"اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی اور معبود نہیں کوئی فرد ایسا نہیں جس کا اس مال میں کچھ حق نہ ہو' چاہے اسے یہ حق دیا جائے یا نہ دیا جائے۔ کوئی فرد کسی دوسرے فرد کے مقابلہ میں سے زیادہ کا حق دار نہیں سوائے مملوک غلام کے (کہ آزاد کو اس سے زیادہ کا حق ہے) اس معاملے میں میری حیثیت بھی بعینہ وہی ہے جو تم میں سے کسی فرد کی ہے لیکن اس کے باوجود اللہ عزوجل کی کتاب کی روشنی میں' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق کے اعتبار سے' ہم سب کے رتبے جدا جدا ہیں۔ لہذا تقسیم میں افراد کے دعوت اسلام کو سب سے پہلے لبیک کہنے' ان کی پیش قدمیوں اور ان کے صاحب مال ہونے یا حاجت مند ہونے کا بھی لحاظ رکھا جائے گا۔ خدا کی قسم اگر میں زندہ رہا تو صنعا کی پہاڑی پر مویشی چرانے والے کو بھی اپنی جگہ پر بیٹھے بیٹھے اس مال میں سے اس کا حصہ پہنچ جائے گا بغیر اس کے کہ اس کا چہرہ سرخ ہو۔ آپ کا مطلب یہ تھا کہ بغیر اس کے کہ اسے اپنا حق حاصل کرنے کے لیے کوئی بھاگ دوڑ کرنی پڑے (جس میں اس کا چہرہ تمتما اٹھے)۔"

چنانچہ حضرت عمرؓ نے اپنے دور حکومت میں صحابہ کرام کے وظائف ان کے مقام و مرتبہ کے لحاظ سے مقرر کیے۔ مثلاً

(1) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اور آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کے لئے بارہ ہزار درہم (12000) فی کس۔

(2) مہاجرین و انصار میں سے وہ لوگ جو غزوہ بدر میں شریک ہوئے تھے اور امام حسن بن علیؓ (م 50ھ / 670ء) اور امام حسین بن علیؓ (م 61ھ / 681ء) کو ان کے مقام و مرتبہ کے پیش نظر پانچ ہزار درہم (5000) فی کس۔

(3) وہ لوگ جنھوں نے غزوہ بدر میں شرکت نہیں کی تھی ان کے لئے چار ہزار درہم (4000) فی کس۔ اور ان کے ساتھ حضرت اسامہ بن زیدؓ کو بھی چار ہزار درہم (4000)

(4) حضرت عبداللہ بن عمرؓ (م 73ھ / 692ء) اور مہاجرین و انصار کی بعض اولاد مثلاً عمر بن ابی سلمہ کے لئے تین ہزار درہم (3000) فی کس۔

(5) مہاجرین و انصار کے لڑکوں کے لئے دو ہزار درہم (2000) فی کس۔

(6) اہل مکہ اور عام لوگوں کے لئے آٹھ سو درہم (800) فی کس۔

(7) عربی اور موالی' سارے عوام کے لئے تین سو درہم (300) اور چار سو درہم (400) فی کس۔

(8) مہاجرین و انصار کی عورتوں کے لئے چھ سو درہم (600) چار سو درہم (400) تین سو درہم (300)' اور دو سو درہم (200) فی کس۔

(9) فوجیوں اور بستیوں کے امراء کے لئے نو ہزار درہم (9000) آٹھ ہزار درہم (8000)' سات ہزار درہم (7000) فی کس۔ ان کے لئے اتنا وظیفہ مقرر کیا جاتا جو ان کی غذائی ضروریات کے لئے کافی ہوتا اور جس کے ذریعہ وہ اپنی دوسری ذمہ داریوں کو بہتر طریقہ سے ادا کر سکتے۔

(10) بچے کی پیدائش کے دن ہی سو درہم (100) مقرر ہو جاتے۔ جب وہ بڑا ہو جاتا تو اس کا وظیفہ دو سو درہم (200) ہو جاتا اور جب بالغ ہو جاتا تو اس میں اور اضافہ کر دیا جاتا۔

(11) غریب آدمی کے لئے جو تنہا ہو مہینہ میں دو جریب آٹا مقرر ہوتا۔(315)

مختلف لوگوں کو وظائف دینے کے لئے باقاعدہ ایک محکمہ قائم تھا جس میں ان تمام لوگوں کے نام اور ان کے وظیفہ کی مقدار درج تھی اور سال کے آغاز میں ان کو یہ وظائف دیئے جاتے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے طرز عمل میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اگر اقتصادی حالات اس قسم کے ہوں کہ عطایا میں مساوات ضروری ہو تو ان حالات میں عطایا میں مساوات ہی بہتر ہے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور میں یہی حالات تھے لیکن جب اقتصادی حالات اس کے برعکس ہوں تو اس صورت میں اسلام عطایا میں تفاوت کو جائز قرار دیتا ہے اور حضرت عمرؓ نے اپنے دور میں یہی طرز عمل اختیار کیا۔

امام ابویوسف "کتاب الخراج" میں ہارون الرشید کو یہ اختیار دیتے ہیں کہ وہ بیت المال سے ان لوگوں کو جنہوں نے اسلام کی کوئی خدمت سرانجام دی ہو' عطایا دے۔ آپ ایک جگہ پر لکھتے ہیں۔

فللامام ان يجير من بيت المال من كان له عناء في الاسلام و من يقوى به على العدو و يعمل في ذلك بالذى يرى انه خير للمسلمين و اصلح لامرهم(316)

"چنانچہ امام کو یہ اختیار حاصل ہے کہ بیت المال میں سے ان لوگوں کو انعامات دے جنہوں نے اسلام کی کوئی

نمایاں خدمت انجام دی ہو یا جو اس مال کے ذریعہ دشمن کے مقابلہ کی تیاری کرنے والے ہوں۔ امام اس باب میں وہ پالیسی اختیار کرے گا جو اس کی رائے میں مسلمانوں کے لئے بہتر اور ان کے حق میں موزوں ہو۔"

خمس کے مصارف

اللہ تعالیٰ نے سورہ الانفال میں خمس کے مصارف بیان کئے ہیں۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ۔ (317)

"اور جانے رہو کہ جو کچھ تمہیں بہ طور غنیمت حاصل ہو۔ سو اس کا پانچواں حصہ اللہ اور رسول کے لئے اور (رسول کے) قرابت داروں کے لئے اور یتیموں کے لئے اور مسکینوں کے لئے اور مسافروں کے لئے ہے۔"

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں خمس کے پانچ حصے کئے جاتے تھے۔ اللہ اور رسول کے لئے ایک حصہ' قرابت داروں کے لئے ایک حصہ' اور تین حصے یتیموں' مسکینوں اور مسافروں کے لئے۔ پھر حضرت ابو بکر صدیق' حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم' خمس کو تین حصوں میں تقسیم کرنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ اور قرابت داروں کا حصہ ساقط ہو گیا اور وہ حق داروں کی باقی تین قسموں ہی پر تقسیم کیا جانے لگا۔ پھر علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ نے بھی اسے اسی طرح تقسیم کیا جس طرح ابو بکر' عمر اور عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے تقسیم کیا تھا۔ (318)

امام ابو یوسف کتاب الخراج میں رقم طراز ہیں کہ بعد ازاں صحابہ کرام اس بات پر متفق ہو گئے تھے کہ ان دونوں حصوں کو (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ اور آپ کے رشتہ داروں کا حصہ) اسلحہ اور جانوروں کی فراہمی پر صرف کیا جایا کرے۔ (319)

امام ابو یوسف فرماتے ہیں۔

وكان ابو حنيفة رحمه الله تعالى واكثر فقهائنا يرون ان يقسمه الخليفة على ما قسمه عليه ابوبكر وعمر وعثمان وعلي رضي الله تعالى عنهم (320)

"ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور ہمارے اکثر فقہاء کی رائے یہ ہے کہ خلیفہ خمس کو اسی طریقہ پر تقسیم کیا کرے جیسے ابو بکر' عمر' عثمان اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم تقسیم کیا کرتے تھے۔"

فصل پنجم

ابو یوسف کے فکر کی روشنی میں
اسلامی ریاست کی معاشی ذمہ داریاں

امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں صرف اسلامی ریاست کی ٹیکسیشن پالیسی (Taxation Policy) پر گفتگو نہیں کی بلکہ اس سے بڑھ کر انہوں نے اسلامی ریاست کی معاشی ذمہ داریوں پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ اس ضمن میں کتاب کے مختلف صفحات پر جو مواد بکھرا ہوا ہے اس کو ہم درج ذیل عنوانات کی صورت میں بیان کرتے ہیں۔

کفالت عامہ

کفالت عامہ سے مراد یہ ہے کہ اسلامی ریاست کی حدود کے اندر بسنے والے ہر انسان کی بنیادی ضروریات زندگی (Basic requirements of life) مثلاً غذا' لباس' مکان اور علاج وغیرہ کی تکمیل کا اس طرح اہتمام کیا جائے کہ ہر شہری معاشی جدوجہد کے ذریعے یہ ضروریات پوری کر سکے اور معذور' اپاہج' بوڑھے' بیوہ عورتیں اور وہ افراد جو روزی کمانے کے قابل نہ ہوں ان کا وظیفہ بیت المال (Public treasury) سے مقرر کیا جائے۔

امام ابو یوسف کے نزدیک کفالت عامہ (Social security) اسلامی ریاست کی اہم اور بنیادی ذمہ داری (Liability) ہے۔ ان کے خیال میں وہی ریاست اقتصادی (Economic) لحاظ سے مضبوط ہو سکتی ہے جس کے شہریوں کی بنیادی ضروریات زندگی کا اہتمام احسن طریقے سے ہو۔ کتاب الخراج میں متعدد مقامات پر انہوں نے خلیفہ ہارون الرشید کو کفالت عامہ کے ضمن میں اس کی ذمہ داریوں سے آگاہ کیا ہے۔ چنانچہ کتاب الخراج کے مقدمہ میں لکھتے ہیں۔

> یا امیر المومنین' ان اللہ ولہ الحمد قد قلدک امرا عظیما ثوابہ اعظم الثواب و عقابہ اشد العقاب قلدک امر ھذہ الامۃ فاصبحت و امسیت و انت تبنی لخلق کثیر قد استرعاکھم اللہ و ائتمنک علیھم و ابتلاک بھم وولاک امر ھم (321)

"اے امیر المومنین! خدائے بزرگ و برتر نے' جس کی ذات ہر طرح کی حمد و ستائش کی واحد مستحق ہے' آپ پر ایک بڑی بھاری ذمہ داری ڈال دی ہے۔ (بحسن و خوبی انجام دی جائے تو) اس کا ثواب سب سے زیادہ ہوتا ہے۔ اور (کوتاہی ہو تو) اس کی سزا بھی ساری سزاؤں سے زیادہ سخت ہے۔ اس نے اس امت کے معاملات کا بار آپ کے کاندھوں پر ڈالا ہے۔ اب آپ صبح و شام' ہر آن خلق خدا کی ایک کثیر تعداد کے لئے (ایک عمارت کی) تعمیر میں مصروف ہیں۔ اللہ نے آپ کو ان کا نگران بنادیا ہے۔ اور ان کو بطور امانت آپ کے سپرد کر دیا ہے۔ ان کے جملہ امور کا سرپرست بنادیا ہے۔ اس طرح سے وہ ان لوگوں کے ذریعہ در اصل آپ کا امتحان لے رہا ہے۔"

"کتاب الخراج" میں حضرت عمرؓ کا یہ قول نقل کرتے ہیں۔

اما لئن بقیت لا رامل اهل العراق لادعهن لا یحتجن الی احد بعدی (322)

"اگر میں اہل عراق کی بیواؤں کی خدمت کے لئے زندہ رہا تو انہیں ایسے حال میں چھوڑ جاؤں گا کہ میرے بعد کسی کی محتاج نہ رہیں۔"

امام ابو یوسف کا نظریہ یہ ہے کہ اسلامی ریاست کے سربراہ کی حیثیت ایک ایسے نگران کی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی معاش کا بندوبست کرنے کے لئے مقرر فرمایا ہے۔ اور وہ اس ضمن میں اپنے رب کے سامنے جوابدہ ہے۔ کتاب الخراج میں فرماتے ہیں۔

ان الرعاة مودون الی ربهم ما یودی الراعی الی ربه فاقم الحق فیما ولاک الله و قلدک ولو ساعة من نهار فان اسعد الرعاة عندالله یوم القیامة راع سعدت به رعیته (323)

"بے شک جو لوگ (قوموں کے) نگراں ہیں ان کو اپنے رب کے حضور اپنا معاملہ اسی طرح بے باق کرنا ہوگا جس طرح چرواہا (مویشیوں کے گلہ کو واپس لاکر) اپنے آقا کو ایک ایک جانور کا حساب بے باق کرتا ہے۔ اللہ نے آپ کو جو حکمرانی بخشی ہے اور جو ذمہ داریاں آپ کو سونپی ہیں ان کو حق پر استوار کیجئے' خواہ (آپ کا دور حکمرانی) دن کی ایک گھڑی کے بقدر کیوں نہ ہو۔ کیونکہ قیامت کے دن اللہ کے حضور سب سے نیک بخت نگران وہ ہوگا جو اپنی رعایا کے لئے موجب سعادت تھا۔"

آپ نے کتاب الخراج میں یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابوذر غفاری (جندب بن جنادہ' م 32ھ / 652ء) نے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ درخواست کی کہ ان کو امیر مقرر کر دیا جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

انت ضعیف و هی امانة و هی یوم القیامة خزی و ندامة الا من اخذها بحقها و ادی ما علیه فیها (324)

"تم کمزور ہو اور امارت ایک امانت ہے۔ قیامت کے دن یہ رسوائی اور پشیمانی کا باعث بن جائے گی بجز اس شخص کے جو اس کا حق رکھتا ہو اور اسے اختیار کر کے اس سلسلہ میں عائد ہونے والی ساری ذمہ داریاں ادا کرے۔

امام ابو یوسف کے معاشی فکر کے مطابق ہر زمانہ میں اسلامی ریاست کسی نئے طریقہ کی بنیاد رکھ سکتی ہے جس کا تعلق ان معاشی طبقوں کی کفالت اور امداد سے ہو جو مرور زمانہ کے ساتھ معرض وجود میں آئیں بشرطیکہ وہ طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کی سنت سے پوری طرح مطابقت رکھتا ہو۔ آپ "کتاب الخراج" میں لکھتے ہیں۔

والعمل فی ذلک بما سنة رسول الله صلی الله علیه وسلم ثم الخلفاء من

بعدہٗ و اعلم انہ من سن سنۃ حسنۃ کان لہ اجرھا و مثل اجر من عمل بھا من عبر لن ینتقص من اجورھم شئی ۔ و ان یعینک علی ما ولاک و یحفظ لک ما استرعاک (325)

"اس باب میں اسی طریقہ پر عمل کیا جائے کہ جس کی سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم فرمادی ہے اور جسے آپؐ کے بعد آپؐ کے خلفاء نے اختیار کیا۔ اور جان لو کہ جس شخص نے بھی کسی اچھی سنت کی طرح ڈالی اسے اس کا اجر بھی ملے گا اور اس پر عمل کرنے والے کا اجر بھی ملے گا۔ اور اس سے خود ان (دوسرے) لوگوں کے ثواب میں کوئی کمی نہیں واقع ہوتی۔ اور یہ کہ (اللہ تعالیٰ) آپ کی ذمہ داریوں کی انجام دہی میں آپ کی مدد فرمائے اور جن امور کی نگرانی و سرپرستی آپ کے سپرد کی ہے ان کا تحفظ فرمائے۔"

امام ابو یوسف کی رائے یہ ہے کہ حکام (Authorities) عوام کی معاشی فلاح و بہبود کے ضامن ہوتے ہیں۔ اگر یہ درست رہیں اور رعایا کی کفالت کا انتظام احسن طریقے سے کریں تو اس سے عوام کی بہت سی مشکلات دور ہو جاتی ہیں اور ان کا معیار زندگی (Quality of life) بہتر ہو جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب حکام اپنی ذمہ داریوں سے غافل ہو جاتے ہیں تو رعایا معاشی بدحالی کا شکار ہو جاتی ہے۔ آپ کتاب الخراج میں ہارون الرشید کو نصیحت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

و انی اوصیک یا امیر المومنین بحفظ ما استحفظک اللہ و رعایۃ ما استرعاک اللہ ... فان الراعی المضیع یضمن ما ھلک علی یدیہ مما لو شاء ردہ عن اماکن الھلکۃ باذن اللہ و اوردہ اماکن الحیاۃ والنجاۃ فاذا ترک ذلک اضاعہ (326)

"امیر المومنین! میں آپ کو تہہ دل سے نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ نے جن چیزوں کی حفاظت و پاس داری آپ کے ذمہ کی ہے ان کا پورا پورا تحفظ کیجئے اور جن امور کی نگرانی آپ کے سپرد کی ہے ان کی پوری پوری دیکھ بھال کیجئے ... پس بے شک اپنے گلہ کو ضائع کرنے والا چرواہا ان نقصانات کا ذمہ دار قرار پاتا ہے جو اس کے ہاتھوں اس حال میں ہوئے کہ اگر وہ چاہتا تو ان کو مشیت الٰہی کے تحت ہلاکت کی وادیوں سے نکال کر نجات اور زندگانی کے میدان میں لے آتا۔ نگران احتیاط کی روش سے ہٹتا ہے تو رعیت کو تباہی کے حوالہ کر بیٹھتا ہے۔"

امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں ہارون الرشید کو یاددہانی کراتے ہوئے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے وہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں جو انہوں نے خلیفہ بننے کے بعد ارشاد فرمائے تھے۔ یہ کفالت عامہ ہی کی اہم ذمہ داری اور اس کی جوابدہی کا تصور تھا جس نے ان کو غمگین اور پریشان کر دیا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے الفاظ ہیں۔

انی قد وجدتنی ولیت امر ھذہ الامۃ اسودھا و احمرھا فذکرت الغریب

القانع الصائع' والفقير المحتاج' و الاسير المقهور و امساهم فی اطراف الارض' فعلمت ان الله تعالٰی سائلنی عنهم' و ان محمدا صلی الله علیه وسلم حجیجی فیهم' فخفت ان لا یثبت لی عندالله عذر' و لا یقوم لی مع محمد صلی الله علیه وسلم حجة' فخفت علی نفسی (327)

"بے شک میں نے اپنے آپ کو اس پوری امت کے تمام سیاہ و سفید کا ذمہ دار لیا۔ مجھے زمین کے مختلف گوشوں میں پھیلے ہوئے غریب الوطن' خستہ حال بھکاری' محتاج غرباء مجبور و مظلوم قیدی' اور اسی قبیل کے دوسرے لوگ یاد آئے۔ مجھے یہ احساس ہوا کہ اللہ ان سب کے بارے میں مجھ سے محاسبہ کرے گا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کے معاملہ میں میرے خلاف مقدمہ لڑیں گے' میں ڈرا کہ خدا کے آگے میرا کوئی عذر نہ چلے گا' اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو میں کسی دلیل سے بھی قائل نہ کر سکوں گا۔ پس مجھے اپنے بارے میں بڑا ڈر لگنے لگا۔"

امام ابو یوسف 'کفالت عامہ کی ذمہ داری بتاتے ہوئے مسلم اور غیر مسلم میں کوئی فرق نہیں کرتے آپ نے کتاب الخراج میں کفالت عامہ ہی کے ضمن میں اس بوڑھے نابینا ذمی کا واقعہ بھی نقل کیا ہے جو حضرت عمرؓ کے دور میں بھیک مانگ رہا تھا۔ آپؓ نے جب اس سے کا سبب پوچھا تو اس نے کہا کہ میں بڑھاپے اور بیماری کی وجہ سے کام کرنے کے قابل نہیں۔ آپؓ اسے اپنے گھر لے گئے اور بیت المال کے خازن کو بلا کر فرمایا۔

انظر هذا و ضرباءه' فوالله ما انصفناه ان اکلنا شبیبته ثم نخذله عندالهرم (328)

"اس کا اور اس جیسے دوسرے افراد کا خیال رکھو۔ خدا کی قسم ہم نے اس سے انصاف نہیں کیا کہ اس کی جوانی میں ہم (اس سے جزیہ وصول کر کے) کھائیں۔ پھر بڑھاپا آئے تو اسے بے سہارا چھوڑ دیں۔"

امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں حضرت خالد بن ولیدؓ کے اس معاہدہ کا بھی ذکر کیا ہے جو انہوں نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے دور میں اہل حیرہ کے ساتھ کیا تھا۔ اس معاہدہ میں ایک دفعہ یہ بھی رکھی کہ۔

و جعلت لهم ایما شیخ ضعف عن العمل او اصابته آفة من الآفات او کان غنیا فافتقر و صار اهل دینه یتصدقون علیه طرحت جزیته و عیل من بیت مال المسلمین و عیاله ما اقام بدار الهجرة و دار الاسلام (329)

"میں نے ان کا یہ حق قرار دیا ہے کہ ایسا بوڑھا آدمی جو محنت کرنے سے معذور ہو جائے یا جس پر کوئی مرض یا مصیبت آ پڑے' یا جو آدمی پہلے مال دار رہا ہو اور اب ایسا غریب ہو جائے کہ اس کے ہم مذہب اسے خیرات دینے لگیں۔ اس کا جزیہ ساقط کر دیا جائے گا اور جب تک وہ دارالہجرت اور دارالاسلام میں مقیم رہے گا اس کی اور اس

کے اہل و عیال کی کفالت مسلمانوں کے بیت المال سے کی جائے گی۔"

امام ابو یوسف کے نزدیک جو حاکم کفالت عامہ پر پوری توجہ دیتے ہیں ان کی سلطنت کو معاشی استحکام ملتا ہے کیونکہ اس طرح لوگ اطمینان قلب سے اپنی خدمات سرانجام دیتے ہیں۔ اور جو حاکم اس ذمہ داری سے غافل ہو جاتے ہیں ان کی حکومت کو زوال آ جاتا ہے۔ کتاب الخراج میں فرماتے ہیں۔

فاحذر ان تضیع رعیتک فیستوفی ربها حقها منک و یضیعک بما اضعت اجرک' وانما یدعم البنیان قبل ان ینهدم' وانما لک من عملک ما عملت فیمن ولاک الله امره و علیک ما ضیعت منه فلا تنس القیام بامر من ولاک الله امره فلست تنسی(330)

"خوب چوکنے رہیے ایسا نہ ہو کہ آپ اپنی رعیت کو تباہ کر دیں تو اللہ تعالی آپ سے اس کا بدلہ چکا لے ور آپ نے جو تباہی مچائی اس کے بدلہ آپ کو اجروثواب سے محروم کر دے۔ عمارت کی مرمت اس کے پیوست زمین ہونے سے پہلے ہی کر لینی چاہیے۔ آپ کے کام آنے والی چیز صرف آپ کی وہ خدمت ہیں جو آپ ان لوگوں کے سلسلہ میں انجام دیں جن کے معاملات کا اللہ نے آپ کو سربراہ کار بنایا ہے۔ ان معاملات میں سے جن کو آپ خراب کریں گے ان کا وبال آپ پر ہو گا۔ اللہ نے آپ کو جن لوگوں کے معاملات کا سربراہ کار بنایا ہے ان کو سرانجام دینے میں فراموشی کا شکار نہ ہوں گے تو آپ بھی فراموش نہیں کئے جائیں گے۔

آپ نے کتاب الخراج کے مقدمہ میں حضرت عمرؓ کے بارے میں لکھا ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

ایها الناس ان لنا علیکم حق النصیحة بالغیب والمعونة علی الخیر' ایها الرعاء انه لیس من حلم احب الی الله ولا اعم نفعا من حلم امام و رفقه و لیس من جهل ابغض الی الله و لا اعم ضررا من جهل امام و خرقه و انه من یاخذ بالعافیة فیما بین ظهرانیه یعط العافیة من فوقه(331)

"اے لوگو! ہم تم پر یہ حق رکھتے ہیں کہ ہمارے پیٹھ پیچھے بھی ہمارے خیر خواہ رہو اور بھلائی کے کاموں میں ہم سے تعاون کرتے رہو۔ اے لوگوں کی نگرانی کا فرض سرانجام دینے والو! آگاہ رہو کہ امام کی بردباری اور نرم روی سے زیادہ نہ تو اللہ کو کوئی بردباری اور نرم روی عزیز ہے اور نہ اس سے بڑھ کر کوئی اور چیز ہمہ گیر نفع کی حامل ہے۔ اور امام کی تند مزاجی اور بے تدبیری سے زیادہ نہ تو اللہ کو کوئی تند مزاجی اور بے تدبیری مبغوض ہے اور نہ اس سے بڑھ کر کوئی اور چیز ہمہ گیر نقصان کی حامل ہے۔ جو اپنے ماحول میں امن و عافیت اختیار کرتا ہے اسے اوپر سے

بھی امن وعافیت عطا ہوتی ہے۔"

2- معاشی ترقی کا اہتمام

امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں متعدد مقامات پر اس حقیقت کو اچھی طرح واضح کر دیا ہے کہ ملک کی معاشی ترقی (Economic development) کا اہتمام اور قومی دولت (National wealth) میں اضافہ کرنا اسلامی ریاست کے سربراہ کی اہم ذمہ داری ہے۔ انہوں نے معاشی ترقی کے بارے میں ہارون الرشید کو مکمل راہنمائی دی ہے۔ وہ اپنی کتاب میں جگہ جگہ خلیفہ کو ایسے مشورے دیتے ہیں جن کا مقصد عوام کی مادی فلاح و بہبود میں اضافہ کرنا ہے۔ وہ کتاب الخراج میں اس بات پر زور دیتے ہیں کہ خلیفہ کو چاہیے کہ وہ اہل الرائے اور صاحب بصیرت لوگوں سے اس ضمن میں مشورہ کرے کہ معاشی فلاح و بہبود میں اضافہ کیونکر ممکن ہے؟

(ا) وہ بنیادیں جن پر معاشی ترقی استوار ہوتی ہے

امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں ان بنیادوں کی طرف بھی اشارہ کیا ہے جو کسی ملک کی معاشی ترقی کے لئے بہت ضروری ہیں۔ ان کے بغیر کوئی بھی ملک معاشی طور پر مضبوط نہیں ہو سکتا۔ ان کے نزدیک یہ بنیادیں درج ذیل ہیں۔

(i) عدل وانصاف کی حکمرانی

(ii) انفرادی حق ملکیت کی حفاظت

(iii) معاشی ترقی کے کاموں میں حکومت کی دلچسپی

(iv) عمال حکومت پر خصوصی پابندیاں

(i) عدل وانصاف کی حکمرانی

امام ابو یوسف کے فکر سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عدل وانصاف کی حکمرانی اور ظلم واستبداد کی بیخ کنی ہی اقتصادی ترقی کی اصل بنیاد ہے۔ ظلم اور معاشی ترقی دو متضاد امور ہیں جو کسی معاشرہ میں یکجا نہیں ہو سکتے۔ عدل وانصاف اور معاشی ترقی آپس میں لازم و ملزوم ہیں۔ انہوں نے کتاب الخراج میں ہارون الرشید کو واضح طور پر عدل وانصاف کے بارے میں ہدایات دی ہیں۔ فرماتے ہیں۔

> و لیس یلبث البنیان ـ اذا اسس علی غیر التقوی ان یاتیه الله من القواعد فیهدمه علی من بناه و اعان علیه ـ فلا تضیع ما قلدک الله من امر هذه الامة والرعیة(332)

"عمارت اگر تقویٰ کے سوا کسی اور چیز پر کھڑی کی گئی تو بعید نہیں کہ اللہ اس کو بنیادوں سے اکھاڑ کر اس کے

معتمد اور اس کے مددگاروں کے سر پر گرا دے۔ آگاہ! اللہ نے اس امت اور رعیت کے جو کام آپ کے سپرد کئے ہیں انہیں خراب نہ کریں۔"

و لا تـزع فتزيغ رعيتك - و اياك و الامر بالهوى والاخذ بالغضب واجعل الناس عندك في امر الله سواء القريب والبعيد(333)

"آپ کج روی نہ اختیار کریں ورنہ آپ کی رعایا بھی راہ راست سے ہٹ جائے گی۔ خواہش نفس کے تحت حکمرانی کرنے اور غیض و غضب میں دارو گیر کرنے سے بچیں۔ فرمان الٰہی کے باب میں سارے عوام کو خواہ کوئی آپ سے دور ہو یا نزدیک یکساں گنے۔"

و جور الراعي هلاك للرعية واستعانته بغير اهل الثقة والخير هلاك للعامة(334)

"نگران کا ظلم پرور آثار رعایا کے لئے ہلاکت کے ہم معنی ہے اور اس کا قابل اعتماد اور بھلے آدمیوں کے علاوہ کسی کو دست و بازو بنانا عوام کی تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے۔"

و ليس شئ احب الى الله من الاصلاح و لا ابغض اليه من الفساد(335)

"اصلاح سے بڑھ کر اللہ کے نزدیک کوئی پسندیدہ کام نہیں ہے اور فساد سے زیادہ اس کی نگاہ میں کوئی مبغوض چیز نہیں ہے۔"

فان صلاحهم باقامة الحدود عليهم و رفع الظلم عنهم والتظالم فيما اشتبه من الحقوق عليهم(336)

"رعایا کی فلاح و بہبود دراصل اسی میں ہے کہ حدود اللہ نافذ کی جائیں۔ ان پر نہ تو حکومت کی طرف سے کسی طرح کا ظلم ہونے پائے اور نہ وہ حقوق کے مشتبہ ہونے کی وجہ سے باہم ظلم کریں۔"

امام ابو یوسف کے مندرجہ بالا فرامین کی روشنی میں ان کے معاشی فکر کے درج ذیل نکات سامنے آتے ہیں۔

(1) قوم کے ہر طبقہ اور ہر فرد کے ساتھ یکساں سلوک ہونا چاہیے تاکہ کسی کی حق تلفی نہ ہو۔

(2) جب حکمران طبقات (Ruling elite) ظالم ہو جائیں تو رعایا بھی ایک دوسرے پر ظلم کرنے میں بے باک ہو جاتی ہے۔

(3) جب عوام کے حقوق واضح طور پر متعین نہ کئے گئے ہوں تو پھر ظلم کو پروان چڑھنے کا موقع ملتا ہے۔

(4) جب معاملات نااہل اور بد عنوان (corrupt) لوگوں کے سپرد ہو جائیں تو عوام معاشی طور پر کمزور ہو جاتے ہیں۔

(5) جہاں عدل و انصاف کی حکمرانی ہوتی ہے وہاں رعایا معاشی طور پر خوشحال ہوتی ہے اور جہاں ظلم ہوتا ہے وہاں خیرو

برکت ختم ہو جاتی ہے۔

امام ابو یوسف کتاب الخراج میں ایک اور مقام پر رقم طراز ہیں۔

لن العدل و انصاف المظلوم و تجنب الظلم مع ما فی ذلک من الاجر یزید به الخراج و نکثر به عمارة البلاد والبرکة مع العدل نکون و هی تفقد مع الجور، والخراج الماخوذ مع الجور تنقص البلاد به و تخرب (337)

"عدل و انصاف کرنے اور ظلم و جور سے پرہیز کرنے میں جو اخروی اجر ہے اس کے ماسوا اس سے علاقوں کی خوشحالی میں اضافہ ہوتا ہے اور خراج کی آمدنی بڑھتی ہے۔ برکت عدل سے وابستہ ہے، ظلم و جور سے برکت ختم ہو جاتی ہے۔ جو خراج ظلم و جور کے ذریعہ وصول کیا جاتا ہے اس سے ملک میں بدحالی اور تباہی ہوتی ہے۔"

اس اقتباس میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ امام ابو یوسف "عمارۃ الارض" کے الفاظ کی بجائے "عمارۃ البلاد" کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ گویا امام ابو یوسف کے نزدیک ان دونوں تعبیروں کے درمیان واضح فرق ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اس ضمن میں انہوں نے حضرت علیؓ کی پیروی کی ہے جو ان دونوں تعبیروں کے درمیان فرق کرتے تھے۔ (338) اسی طرح امام ابو یوسف بھی ایک وسیع مفہوم کی خاطر "عمارۃ البلاد" کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ اس میں "عمارۃ الارض" کا مفہوم خود بخود آجاتا ہے۔

امام ابو یوسف، حضرت عمرؓ کے عہد سے مثال دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ آپ دراصل عدل کرتے تھے اور عوام پر کسی قسم کا ظلم نہیں ہونے دیتے تھے اس لئے آپؓ کے دور میں صرف علاقہ سواد ہی سے دس کروڑ (100000000) درہم کی آمدنی ہوتی تھی۔ (339)

(ii) انفرادی حق ملکیت کی حفاظت

امام ابو یوسف کے نزدیک معاشی ترقی اور شہروں کی آبادکاری کے لئے دوسری اہم بنیاد انفرادی حق ملکیت کی حفاظت ہے۔ ان کا نظریہ یہ ہے کہ ہر فرد کی ملکیت کی حفاظت ہونی چاہیے۔ اور اسلامی ریاست کو اس ضمن میں اپنی ذمہ داری پوری کرنی چاہیے۔ انفرادی حق ملکیت کے بارے میں ان کا معاشی فکر درج ذیل ہے۔

(1) وہ انفرادی حق ملکیت کی حفاظت پر زور دیتے ہیں اور ان کے مالکوں کے حق کو ترجیح دیتے ہیں۔ آپ کتاب الخراج میں فرماتے ہیں۔

و لیس للامام ان یخرج شیئا من ید احد الا بحق ثابت معروف (340)

"امام کو یہ اختیار نہیں کہ کسی چیز کو بھی کسی کے قبضہ سے بغیر کسی ثابت شدہ اور معروف حق کے نکال لے۔"

اس ضمن میں امام ابو یوسف نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کا یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ جب فوج کے گزرنے سے ایک شخص کی کھیتی تباہ ہو گئی تھی تو آپ نے اس کو دس ہزار درہم بطور معاوضہ دیئے تھے۔(341)

(2) وہ حکومت سے یہ توقع کرتے ہیں کہ معاشی ترقی (Economic development) کی راہ پر اس طرح چلے کہ کسی کے حق ملکیت پر زد نہ پڑے۔ وہ حکومت کو بتاتے ہیں کہ موات زمینوں کے قطعات ان کو دیئے جائیں جو ان کی آباد کاری بھی کر سکیں۔ کتاب الخراج میں فرماتے ہیں۔

و لا ارى ان يترك ارضا لا ملك لاحد فيها و لا عمارة حتى يقطعها الامام فان ذلك اعمر للبلاد و اكثر للخراج (342)

"میرے خیال میں غیر مملوکہ اور غیر آباد زمینوں کو بے کار چھوڑ رکھنے کی بجائے امام کو چاہیے کہ انھیں بطور جاگیر مختلف افراد کو دے دے۔ اس طرح ہمارے علاقے زیادہ آباد و خوش حال ہو جائیں گے اور خراج میں بھی اضافہ ہو گا۔"

امام ابو یوسف کے نزدیک انفرادی حق ملکیت کی حفاظت معاشی ترقی اور قومی فلاح و بہبود کے لئے ضروری ہے۔ اس لئے کہ حکومت افراد کے مجموعے ہی کا دوسرا نام ہے۔ اگر افراد کی معاشی حالت بہتر ہو گی تو حکومت اسی قدر اقتصادی لحاظ سے مضبوط ہو گی۔ انفرادی حق ملکیت ہی کے احترام میں وہ کہتے ہیں کہ خلیفہ کو یہ اختیار نہیں کہ کسی کا حق چھین کر جاگیر کے طور پر کسی کو دے دے۔ کتاب الخراج میں لکھتے ہیں۔

و ذلك بمنزلة المال الذي لم يكن لاحد و لا في يد وارث (343)

"اور اس کا مال اس مال جیسا ہے جو کسی ملک میں نہ ہو' نہ ہی کسی وارث کے قبضہ میں ہو۔"

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں۔

و ليست لاحد و لا في يد احد و لا ملك احد و لا وراثة و لا عليها اثر عمارة (344)

"اور نہ کسی کا حق ہو' نہ کسی کے قبضہ میں ہو' نہ کسی کی ملکیت ہو' نہ کسی کا ورثہ ہو' اور جس پر کسی عمارت کے آثار بھی نہ ہوں۔"

خلفائے راشدین نے جو جاگیریں دیں ان کے بارے میں کہتے ہیں۔

و لم يقطعوا حق مسلم و لا معاهد (345)

"انھوں نے کسی مسلمان یا معاہد کا حق کبھی جاگیر کے طور پر کسی دوسرے کو نہیں دیا۔"

اس کے بعد امام ابو یوسف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں۔

من اخذ شبرا من ارض بغير حق طوقه من سبع ارضين(346)

"جو شخص بغیر حق کے ایک بالشت زمین ہتھیا لے گا اسے سات زمینوں کا طوق ڈالا جائے گا۔"

امام ابو یوسف کی رائے یہ ہے کہ مملوکہ اراضی خراج ان کے مالکوں کی ملکیت خاصہ ہے اور وہ اس میں ایسے ہی تصرف کر سکتے ہیں جس طرح کہ ایک مالک کرتا ہے۔ چنانچہ کتاب الخراج میں فرماتے ہیں۔

و ایما ارض افتتحها الامام عنوة فقسمها بین الذین افتتحوها فان رای ان ذلک افضل فهو فی سعة من ذلک و هی ارض عشر و ان لم یر قسمتها و رای الصلاح فی اقرارها فی ایدی اهلها کما فعل عمر بن الخطاب رضی الله عنه فی السواد فله ذلک و هی ارض خراج و لیس له ان یاخذها بعد ذلک منهم و هی ملک لهم یتوارثونها و یتبایعونها(347)

"جس زمین کو امام بزور قوت فتح کرتا ہے اور پھر اسے فاتحین کے درمیان تقسیم کر دیتا ہے تو اگر اس کی رائے میں یہی شکل بہتر ہے تو وہ ایسا کر سکتا ہے اور وہ زمین عشری قرار پائے گی لیکن اگر وہ تقسیم کرنا مناسب نہ سمجھے اور ان زمینوں کو ان کے باشندوں ہی کے قبضہ میں رہنے دینا بہتر سمجھے جیسا کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے سواد کے سلسلہ میں کیا تھا تو اسے ایسا کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ اس صورت میں یہ زمین خراجی قرار پائے گی۔ ایسا کرنے کے بعد اسے یہ اختیار نہیں رہ جاتا کہ وہ زمین ان لوگوں سے واپس لے لے۔ اب یہ ان کی ملکیت ہے وہ اسے ورثہ میں منتقل کریں گے اور اس کی خرید و فروخت کر سکیں گے۔"

(iii) معاشی ترقی کے کاموں میں حکومت کی دلچسپی

امام ابو یوسف کا نظریہ یہ ہے کہ حکومت کو اقتصادی کاموں اور معاشی فلاح و بہبود کے منصوبوں (Schemes) میں خصوصی دلچسپی لینی چاہیے۔ ان کے نزدیک تمام اجتماعی کاموں (Collective Works) کی بنیاد حکومت ہے۔ اور حکومت کی دلچسپی کے بغیر کسی ملک کی معاشی ترقی ناممکن ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حکومت کو یہ فریضہ عبادت سمجھ کر ادا کرنا چاہیے۔ وہ زور دے کر یہ بات کہتے ہیں کہ جن معاشی و فلاحی منصوبوں سے زیادہ لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہو ان کے اخراجات (Charges) حکومت کو خود برداشت کرنے چاہئیں۔ اور عوام پر زیادہ بوجھ نہیں ڈالنا چاہیے۔ کتاب الخراج میں فرماتے ہیں۔

و کل ما فیه مصلحة لاهل الخراج فی ارضیهم و انهارهم و طلبوا اصلاح ذلک لهم اجیبوا الیه اذا لم یکن فیه ضرر علی غیرهم من اهل طسوج

آخر و رستاق آخر مما حولهم- فان کان فی ذلک ضرر علی غیرهم و ذهاب بعلاتهم و کسر للخراج لم یجابوا الیه(348)

"اپنی زمینوں اور نہروں کے سلسلہ میں اہل خراج کے ہر ایسے مطالبہ کو پورا کیا جانا چاہیے جس سے ان کے مفادات و مصالح کی ترویج متوقع ہو بشرطیکہ اس اسکیم پر عمل کرنے سے ان کے گرد و پیش کے دوسرے گاؤں اور قصبات کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو۔ اگر ان کا مطالبہ پورا کرنے سے دوسروں کی پیداوار گھٹ جانے اور خراج کی آمدنی میں کمی ہو جانے کا اندیشہ ہو تو اسے نہیں تسلیم کرنا چاہیے۔

(iv) عمال حکومت پر خصوصی پابندیاں

ابو یوسف کا نظریہ یہ ہے کہ کسی قوم کی معاشی ترقی اس وقت ہی ممکن ہے جب عمال (Governors) حکومت اپنے فرائض احسن طریقہ سے ادا کریں۔ وہ کہتے ہیں کہ ان پر چند ایسی پابندیاں عائد کر دیں جائیں جن کی وجہ سے وہ اپنے اختیارات کا غلط استعمال نہ کریں۔ آپ کی اس رائے میں کافی وزن ہے کہ جس قوم کے حاکم سرکش ہو جائیں' جہاں قانون کی حکمرانی (Rule of the law) ختم ہو جائے اور کمزور لوگ اپنے حقوق حاصل کرنے میں ناکام رہیں' وہ اقتصادی طور پر تباہ ہو جاتی ہے۔ آپ حضرت عمرؓ کے عمل سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب وہ کسی شخص کو عامل (A Governors) مقرر کرتے تو انصار اور دوسرے لوگوں پر مشتمل ایک جماعت کو گواہ بنا کر اس شخص سے چار شرائط کی پابندی کا عہد لیتے تھے۔

ان لا یرکب برذونا' و لا یلبس ثوبا رقیقا' و لا یاکل نقیا' و لا یغلق بابا دون حوائج الناس' و لا یتخذ حاجبا(349)

"یہ کہ وہ عمدہ خچر پر نہ سوار ہو گا' باریک کپڑے نہ پہنے گا' چھنا ہوا آٹا نہ کھائے گا' اپنے دروازے بند کر کے لوگوں کی ضروریات سے بے نیازی نہ برتے گا اور اپنی ڈیوڑھی پر دربان نہ رکھے گا۔"

حضرت عمرؓ جب اپنے کسی عامل کے بارے میں یہ سنتے کہ وہ مریضوں کی عیادت نہیں کرتا اور کمزور لوگوں کو اپنے پاس آنے نہیں دیتا تو اسے معزول کر دیتے۔"(350)

آپؓ نے حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ (عبداللہ بن قیس م 44ھ / 665ء) کو یہ لکھا تھا کہ سارے انسانوں کو اپنی نظر میں یکساں رکھو اور اپنی مجلس میں ان کے ساتھ مساوی سلوک کرو تاکہ کمزوروں کو تم سے انصاف کی امید باقی رہے اور معززین میں یہ خیال پیدا نہ ہو کہ تم ان کی خاطر دوسروں پر زیادتی کر سکتے ہو۔(351) آپؓ نے شام کے والی حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ کو یہ لکھا۔

... ثم ادن الضعیف حتی تبسط لسانه و یجتری قلبه' و تعهد الغریب فانه اذا

اطال حبسه ترک حاجته و انصرف الی اهله' و ان الذی ابطل من لم یرفع به راسا (352)

"کمزور کو اپنے قریب آنے دو تاکہ اس کے دل کو تقویت ہو اور اس کی زبان کھل سکے۔ غریب الوطن پردیسیوں کی طرف جلد توجہ کیا کرو کیونکہ اگر اسے زیادہ عرصہ روکے رکھا جائے گا تو وہ اپنا کام چھوڑ کر واپس چلا جائے گا۔ اس کا کام خراب کرنے کی ذمہ داری اس کے سر ہے جس نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔"

(ب) معاشی ترقی کس طرح ممکن ہے؟

ترقیاتی اسکیموں کا اجراء

زرعی معاشیات (Agricultural Economics) میں سب سے زیادہ اہمیت آبپاشی کے لئے نہروں کی تعمیر کو حاصل ہوتی ہے۔ تجارت کے فروغ کے لئے سڑکوں اور پلوں کی تعمیر اور فی الجملہ بہتر ذرائع نقل و حمل کی فراہمی بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔

دوسری صدی ہجری میں اسلامی مملکت کی معیشت زراعت (Agricuture) اور تجارت (Trade) پر مبنی تھی۔ چنانچہ امام ابو یوسف نے زرعی اور تجارتی معیشت کی ترقی کے لئے نہروں کی تعمیر' سیلاب کی روک تھام' اور سڑکوں کی تعمیر پر بہت زور دیا ہے۔ ان کے نزدیک ترقیاتی اسکیموں کے اجراء سے عوام کی اقتصادی حالت بہتر ہوتی ہے۔

ذرائع آمدورفت کی تعمیر

امام ابو یوسف کے نزدیک کسی ملک کی معاشی ترقی اور فلاح و بہبود کے لئے پہلی اور بنیادی شرط یہ ہے کہ شہروں اور دیہاتوں کو ایک دوسرے سے ملانے والے خراب و خستہ حال راستوں کی نئے سرے سے تعمیر کی جائے آپ کے معاشی فکر میں یہ بات اور زیادہ اہمیت اختیار کر جاتی ہے جب ہم کتاب الخراج میں صدقات کے بارے میں آپ کی آراء کا مطالعہ کرتے ہیں۔

صدقات کے مصارف کے ضمن میں جیسا کہ تمام فقہاء نے یہ کہا ہے کہ وہ آٹھ ہیں لیکن امام ابو یوسف ایک اور مصرف کا بھی اضافہ کرتے ہیں۔ زکوۃ کے مصارف کی تشریح کرتے ہوئے کتاب الخراج میں فرماتے ہیں۔

وسہم فی اصلاح طرق المسلمین (353)

"اور ایک حصہ مسلمانوں کی سڑکوں کی مرمت کے لئے رکھا جائے گا۔"

آپ کے ان الفاظ سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ امام ابو یوسف راستوں کی تعمیر کو خصوصی اہمیت دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ آپ زکوۃ کے مصارف میں اس کو شریک کرتے ہیں۔ یہ ... م ابو یوسف کی یہ اپنی انفرادی سوچ ہے۔

زکوٰۃ کے مصارف کے ضمن میں یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ اس میں یہ شرط نہیں ہے کہ اس کو تمام اصناف میں برابر تقسیم کیا جائے بلکہ اہمیت کے مطابق خرچ کرنے کا حکم ہے۔

امام ابو یوسف یہ رائے دیتے ہیں کہ فقراء اور مساکین کے حصہ کے علاوہ دوسرے حصوں کے سلسلہ میں امام کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ مصارف میں سے جن پر مناسب سمجھے خرچ کرے۔ اگر وہ باقی تمام مال زکوٰۃ کو کسی ایک مصرف پر صرف کردے تو بھی درست ہوگا۔(354)

یعنی امام ابو یوسف کے نزدیک اگر حاکم زکوٰۃ کی ایک بڑی رقم کو ذرائع آمدورفت (Transport) کی تعمیر اور اس کی مرمت و بہتری پر خرچ کردے تو شرعی (Legal) طور پر وہ اس کا مجاز ہے۔

امام ابو یوسف خلیفہ ہارون الرشید کو یہ مشورہ دیتے ہیں کہ اقتصادی ترقی کے لئے یہ ضروری ہے کہ ریاست کے ہر علاقے میں ایسے آدمیوں کو بھیجا جائے جو وہاں راستوں کی کیفیت کو دیکھیں اور عوام الناس کی رائے کے مطابق ذرائع آمدورفت کی تعمیر ہو۔ کیونکہ ان کے نزدیک مسلمانوں کے راستے کسی فرد واحد کے لئے مخصوص نہیں ہوتے بلکہ سب کو ان سے یکساں استفادے کا حق حاصل ہوتا ہے۔

امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں احیاء موات (Cultivation of virgin land) کے ضمن میں جو بحث کی ہے اس کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ آپ کے معاشی فکر کے مطابق احیاء الارض کا معنی صرف یہ نہیں کہ زراعت اور کاشتکاری کے ذریعے پیداوار ہی حاصل کی جائے بلکہ اس سے مراد یہ بھی ہے کہ ایسی زمینوں پر ذرائع آمدورفت کی تعمیر کی جائے۔(355) آپ کے نزدیک احیاء کا مفہوم یہ ہے کہ بنجر اور غیر آباد زمین کو مسلمانوں کے لئے نفع بخش بنادیا جائے۔

امام ابو یوسف کے معاشی فکر میں ذرائع آمدورفت کو جو اہمیت حاصل ہے اس کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ امام ابو یوسف جب حاکم کو یہ اختیار دیتے ہیں کہ وہ حکومت کی ملکیت بنجر اراضی (virgin land) کسی کو بطور جاگیر دے سکتا ہے تو ساتھ ہی اس بات سے بھی آگاہ کرتے ہیں کہ ایسی اراضی جس سے مسلمانوں کا کوئی راستہ گزرتا ہو، کسی کو جاگیر کے طور پر نہیں دیا جاسکتا۔ چنانچہ کتاب الخراج میں فرماتے ہیں۔

> و لا ینبغی لاحد ان یحدث شیئا فی طریق المسلمین مما یضرھم، و لا یجوز للامام ان یقطع شیئا من طریق المسلمین مما فیه الضرر علیھم، و لا یسعه ذلک، و ان اراد الامام ان یقطع طریقا من طرق المسلمین الجادة رجلا یبنی علیه و للعامة طریق غیر ذلک قریب او بعید منه لم یسعه اقطاع ذلک و لم یحل له و ھو آثم ان فعل ذلک (356)

"اور کسی فرد کو بھی مسلمانوں کی راہ گزر میں کوئی ایسا تصرف کرنے کا اختیار نہیں جو ان کے لئے نقصان دہ ہو۔ امام کو بھی مسلمانوں کی راہ گزر کے کسی حصہ کو' جس کا کسی فرد کو دے دینا عام مسلمانوں کے لئے مضرت کا باعث ہو' کسی کو بطور جاگیر دینے کا اختیار حاصل نہیں ہے۔ امام اگر مسلمانوں کی کسی عام راہ گزر کو تعمیر مکان کے لئے کسی فرد کی ملکیت میں دینا چاہے تو اسے ایسا کرنے کا اختیار نہ ہوگا خواہ وہ عوام کے لئے اس سڑک کے عوض قریب یا دور کوئی متبادل راستہ بھی فراہم کر رہا ہو۔ ایسا کرنا اس کے لئے جائز نہ ہوگا۔ اگر وہ ایسا کر بیٹھا تو گنہ گار ہو گا۔"

اس کے بعد مزید لکھتے ہیں۔

فالفرات و دجلة انما هما بمنزلة طريق المسلمين ليس لاحد ان يحدث فيه شيئاً (357)

"پس فرات و دجلہ کی حیثیت مسلمانوں کی شاہراہوں جیسی ہے کسی کو ان میں تصرف کا اختیار نہیں۔"

ذرائع آبپاشی کی تعمیر و اصلاح

امام ابو یوسف کے نزدیک کسی ملک کی زرعی ترقی (Agricultural Improvement) کے لئے ضروری ہے کہ پانی وافر مقدار میں موجود ہو۔ اس لئے وہ حکومت پر زور دیتے ہیں کہ زمینوں سے بہتر پیداوار حاصل کرنے کی خاطر نئی نہریں کھدوائے اور پرانی نہروں کی مرمت اور صفائی کروا کر ان کو دوبارہ جاری کرنے کا اہتمام کیا جائے۔

وہ کہتے ہیں کہ اس سے نہ صرف رعایا خوشحال ہوگی بلکہ زمینوں کی آبادکاری سے ملک بھی ترقی کرے گا۔ امام ابو یوسف اس ضمن میں یہاں تک کہتے ہیں کہ اگر سرکاری خزانہ (Public Treasury) اتنے اخراجات (Expenses) کو برداشت نہ کر سکے تو خلیفہ مالدار لوگوں کو مجبور کر سکتا ہے کہ وہ اسلامی ریاست کے ساتھ اس کام میں تعاون کریں۔ (358) امام ابو یوسف "کتاب الخراج" میں نہروں کی کھدائی اور صفائی کے بارے میں خلیفہ ہارون الرشید کے سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

قال ان كان هذا النهر قديما فانه يترك على حاله و ان كان محدثا من فعل وال او غيره نظر في ذلك الى منفعته و الى ضرره' فان كانت منفعته اكثر ترك على حاله' و ان كان ضرره اكثر امرت بهدمه وطمه و تسويته بالارض' و كل نهر له منفعة اكثر فلا ينبغي للامام ان يهدمه و لا يتعرض له' و كل نهر مضرته اكثر من منفعته فعلى الامام ان يهدمه و يطمه و يسويه بالارض الا ما كان للشفة' فان كان فيه ضرر على قوم و صلاح لآخرين في الشفة لم

متعرض له و ان تعرض له قوم فسدوه او طموه بغير اذن الامام فينبغی للامام ان یامر برده الی حاله و ان یوجعوا عقوبۃ(359)

"(ابو یوسف نے) کہا اگر یہ نہر قدیم ہو تو اسے علی حالہ چھوڑ دیا جائے اور اگر یہ نہر نئی ہو اور کسی والی نے یا دوسرے آدمی نے اسے حال ہی میں تعمیر کیا ہو تو اس کے فائدے اور نقصان کو دیکھا جائے گا۔ پس اگر اس کا فائدہ زیادہ ہو تو اسے علی حالہ چھوڑ دیا جائے لیکن اگر نقصان کا پہلو غالب ہو تو آپ کو چاہیے کہ اسے منہدم کرکے 'پاٹ کے' سطح زمین کے برابر کر دینے کا حکم دے دیں۔ جس نہر کے فائدے کا پہلو غالب ہو اس کے انہدام یا اس میں کسی اور مضر تصرف سے امام کو اجتناب کرنا چاہیے۔ البتہ اگر کسی نہر سے فائدہ سے زیادہ نقصان ہو رہا ہو تو امام کی ذمہ داری ہو جاتی ہے کہ اس منہدم کرا کے 'پٹوا کر' سطح زمین کے برابر کروا دے۔ اس کلیہ سے صرف وہ نہریں مستثنیٰ ہیں جو انسانوں اور جانوروں کے پانی پینے کے کام آتی ہوں۔ اگر کچھ لوگوں کو ان سے نقصان پہنچ رہا ہو اور دوسرے لوگوں کو پانی پینے کا فائدہ حاصل ہو رہا ہو تو ان نہروں سے کوئی تعرض نہ کیا جائے گا اگر کچھ لوگ امام کی اجازت کے بغیر ایسی نہر کو پاٹ کر بند کر دیں تو امام کو چاہیے کہ اسے دوبارہ پہلے کی طرح جاری کرا دے اور ان لوگوں کو ایسا کرنے کی سخت سزا ملنی چاہیے۔"

اس مندرجہ بالا اقتباس سے امام ابو یوسف کے معاشی فکر کے درج ذیل نکات سامنے آتے ہیں:

(1) وہ نہریں جو قدیم زمانہ سے کھیتوں کو سیراب کر رہی ہوں ان کو ہر صورت میں ان کی اصلی حالت ہی میں رہنے دیا جائے اور بند نہ کیا جائے کیونکہ ان کے ساتھ کثیر آبادی کا مفاد وابستہ ہوتا ہے۔

(2) نئی کھودی جانے والی نہروں کے بارے میں اگر یہ معلوم ہو کہ وہ ایک بڑے زرعی رقبہ کو سیراب کر رہی ہیں۔ اور اس کے مقابلہ میں نقصان کا پہلو کم ہو تو ان نہروں کو بھی بند نہیں کیا جائے گا۔

(3) اگر ان نئی نہروں سے ذرائع آمد و رفت کو نقصان پہنچ رہا ہو تو اس صورت میں ان کو بند کر دیا جائے۔

(4) البتہ وہ نہریں جن سے عوام پینے کی ضرورت پوری کرتے ہوں اور کسان اپنے مویشیوں کو پانی پلاتے ہوں تو نقصان کا پہلو غالب ہونے کے باوجود ان نہروں کو بند نہ کیا جائے۔

(5) کسی فرد یا حکومت کو ان نہروں کے بند کرنے کا اختیار حاصل نہیں ہے۔ اگر اس قسم کی نہریں بند کر دی جائیں تو ان کو دوبارہ جاری کیا جائے گا اور نہر بند کرنے والوں کو سزا دی جائے گی۔

(6) وہ نہریں جن سے آبپاشی کے ساتھ ساتھ انسان اور جانور بھی پانی پیتے ہوں تو ان کی اہمیت ان نہروں سے زیادہ ہے جن سے صرف زمینوں کو سیراب کیا جاتا ہو۔
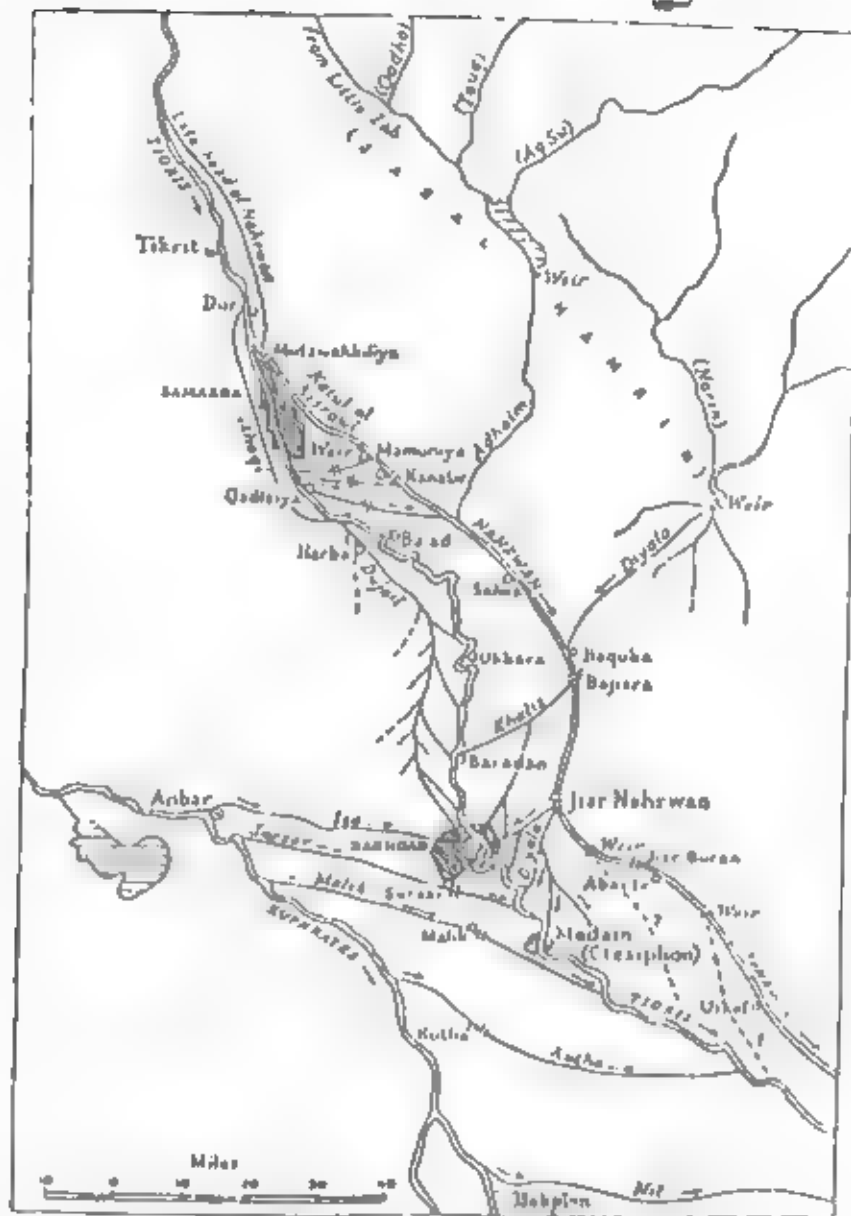
ہارون الرشید کے دور میں نظام آبپاشی

ترقیاتی اسکیموں کی لاگت کس طرح پوری کی جائے؟

امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں اس مسئلہ پر بھی بحث کی ہے کہ ترقیاتی اسکیموں کی لاگت (Cost) کس طرح پوری کی جائے گی؟ ان سے متعلق جملہ اخراجات (Total Expenses) ریاست کے عام خزانہ (Public Treasury) سے پورے کئے جائیں گے (جس میں خراج اور چنگی وغیرہ محاصل کی آمدنی جمع ہوتی تھی) یا ان افراد سے بھی کچھ وصول کیا جائے گا جن کو ان اسکیموں سے فائدہ پہنچنے والا ہو؟ انہوں نے اس سلسلہ میں ایک اصول تجویز کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

> و رایت ان تامر عمال الخراج اذا اتاهم قوم من اهل خراجهم فذكروا لهم ان فى بلادهم انهارا عادية قديمة و ارضين كثيرة غامرة و انهم ان استخرجوا لهم تلك الانهار واحتفروها و اجرى الماء فيها عمرت هذه الارضون العامرة وزاد فى خراجهم كتب بذلك اليك فامرت رجلا من اهل الخير والصلاح يوثق بدينه و امانته فتوجهه فى ذلك حتى ينظر فيه و يسال عنه اهل الخبرة والبصيرة به و من يوثق بدينه و امانته من اهل ذلك البلد، و يشاور فيه غير اهل ذلك البلد ممن له بصيرة و معرفة و لا يجر الى نفسه بذلك منفعة و لا يدفع عنها به مضرة فاذا اجتمعوا على ان فى ذلك صلاحا و زيادة فى الخراج امرت بحفر تلك الانهار و جعلت النفقة من بيت المال، ولا تحمل النفقة على اهل البلد فانهم ان يعمروا خير من ان يخربوا و ان يفروا خير من ان يذهب مالهم و يعجزوا (360)

"میری رائے یہ ہے کہ آپ خراج کے افسران کو ہدایت کر دیں کہ جب ان کی عمل داری کے کچھ لوگ ان کے پاس آ کر یہ بتائیں کہ ان کے علاقہ میں بعض قدیم نہریں ہیں جو اب ناکارہ ہو گئی ہیں اور بہت سی زمینیں ناکارہ ہو کر بغیر کاشت کے پڑی ہوئی ہیں' اور یہ کہ اگر ان نہروں کی کھدائی اور صفائی ہو جائے اور ان میں از سر نو پانی جاری ہو جائے تو یہ ناکارہ زمینیں پھر زیر کاشت آ جائیں گی اور اس طرح خراج کی آمدنی میں اضافہ ہو گا تو ان کی یہ عرضداشت آپ کو ارسال کر دی جائے' پھر آپ کسی معتمد علیہ' امانت دار اور صاحب صلاح و تقویٰ فرد کو اس بارے میں تحقیق کرنے کے لئے بھیجیں' یہ شخص اس علاقہ کے ثقہ' واقف کار اور صاحب بصیرت لوگوں سے معلومات حاصل کرے۔ اور اس علاقہ کے باہر کے تجربہ کار اور صاحب رائے افراد سے بھی مشورہ کرے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ اس سعی وجہد سے اس آدمی کو اپنے ذاتی نفع کی ترویج یا نقصان کی تلافی نہ مقصود ہو۔ اگر

سب کی رائے یہی ہو کہ اس اسکیم کو زیر عمل لانے میں ملک کا فائدہ ہے اور خراج کی آمدنی میں بھی اضافہ کی توقع ہے تو آپ ان نہروں کی کھدائی اور صفائی کا حکم جاری کر دیجئے۔ اور اس سلسلے کے سارے مصارف کا بار بیت المال پر ڈالیے۔ ان اخراجات کا بار اس علاقہ کے باشندوں پر نہ ڈالیے۔ حقیقت یہ ہے کہ لوگوں کا آباد و خوشحال رہنا ان کے اجڑ جانے اور مفلس ہو کر ادائیگی خراج سے بھی عاجز رہ جانے سے بہتر ہے۔"

علاقہ سواد کی زمینوں کے لئے جو نہریں کھودی جائیں ان کے مصارف کے ضمن میں خلیفہ ہارون الرشید کی راہنمائی کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

و اذا احتاج اهل السواد الى كرى انهارهم العظام التى تاخذ من دجلة والفرات كريت لهم و كانت النفقة من بيت المال و من اهل الخراج و لا يحمل ذلك كله على اهل الخراج' و اما الانهار التى يجرونها الى ارضهم و مزارعهم و كرومهم و رطابهم و بساتينهم و مباقلهم و ما اشبه ذلك فكريها عليهم خاصة ليس على بيت المال من ذلك شئ' فاما البثوق والمسنيات والبريدات التى تكون فى دجلة والفرات وغيرهما من الانهار العظام فان النفقة على هذا كله من بيت المال لا يحمل على اهل الخراج من ذلك شئ لان مصلحة هذا على الامام خاصة لانه امر عام لجميع المسلمين' فالنفقة عليه من بيت المال لان عطب الارضين من هذا و شبهه' و انما يدخل الضرر من ذلك على الخراج (361)

"باشندگان سواد کو اگر اپنی ان بڑی نہروں کی کھدائی اور صفائی کی ضرورت پیش آئے جو دجلہ اور فرات سے نکالی گئی ہوں تو آپ ان کی کھدائی اور صفائی کروا دیا کیجئے اور اس کے مصارف کا بار بیت المال اور اہل خراج دونوں پر ڈالیے' لیکن سارا بار اہل خراج پر ڈال دینا صحیح نہ ہو گا۔ رہیں وہ چھوٹی چھوٹی نہریں جن کے ذریعہ لوگ اپنی زمینوں' کھیتوں' انگور کی کیاریوں' کھجوروں' باغات اور ترکاری کے کھیتوں وغیرہ تک پانی لے جاتے ہیں تو ان کی کھدائی اور صفائی کے اخراجات انہی افراد کو برداشت کرنے ہوں گے' بیت المال پر اس سلسلہ میں کوئی بار نہ ڈالا جائے گا۔ دجلہ و فرات اور دوسرے بڑے دریاؤں پر کھلت یا پانی کے نکاس کی جگہوں کی تعمیر اور مرمت پر آنے والے مصارف تمام تر بیت المال سے کئے جائیں گے۔ اہل خراج پر اس کا بار نہ ڈالا جائے گا کیونکہ یہ سارے مسلمانوں سے تعلق رکھنے والے امور ہیں اور ان کے مصالح کا تحفظ تمام تر امام کے ذمہ ہے۔ چونکہ زمینوں کی بربادی وغیرہ کا تعلق مصالح عامہ سے ہے اور ان کا بڑا اثر خراج کی آمدنی پر پڑتا ہے۔ لہٰذا اس سلسلہ کے جملہ

مصارف بیت المال سے پورے کئے جائیں گے۔"

ایک دوسرے مقام پر دجلہ و فرات اور ان جیسے دوسرے دریاؤں سے آبپاشی کے حق پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

والمسلمون جمیعا شرکاء فی دجلة والفرات و کل نهر عظیم نحوهما او وادٍ یستقون منه و یسقون الشفة والحافر والخف' و لیس لاحد ان یمنع' و لکل قوم شرب ارضهم و نخلهم و شجرهم' لا یحبس الماء عن احد دون احد' و ان اراد رجل ان یکری نهرا فی ارضه من هذا النهر الاعظم فان کان فی ذلک ضرر فی النهر الاعظم لم یکن له ذلک و لم یترک یکریه' و ان لم یکن فیه ضرر ترک یکریه' و علی الامام کری هذا النهر الاعظم الذی لعامة المسلمین ان احتاج الی کری' و علیه ان یصلح مسناته ان خیف منه(162)

"سارے مسلمان دجلہ اور فرات اور ان جیسے سارے بڑے دریاؤں اور وادیوں میں یکساں طور پر شریک ہیں۔ ان سے وہ سینچائی کے لئے بھی پانی لے سکتے ہیں' اور اپنے اور اپنے جانوروں کے پینے کے لئے بھی' کسی کو انھیں اس سے روکنے کا حق نہیں۔ ہر گروہ کو اپنی اراضی' کھجوروں' اور دوسرے درختوں کی سینچائی کا حق ہے' کسی کو پانی دینے اور کسی سے روکنے کا طریقہ درست نہیں۔ اگر کوئی آدمی اس بڑے دریا سے نہر نکال کر اپنی زمین تک لے جانا چاہتا ہو تو اگر اس سے دریا کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو اسے ایسا نہ کرنے دیا جائے گا اور اسے نہر نکالنے کی اجازت نہ ہوگی۔ البتہ اگر اس طرح کا نقصان نہ پہنچ رہا ہو تو اسے ایسا کرنے دیا جائے گا۔ یہ بڑا دریا جو سارے مسلمانوں کے لئے عام ہے اگر کسی طرح کی کھدائی یا مرمت کا محتاج ہو تو اس کی ذمہ داری امام کے سر ہوگی۔ اگر اس کے بند ٹوٹ جانے کا اندیشہ ہو تو امام کو چاہیے کہ اسے درست کرائے۔

ان مندرجہ بالا عبارتوں کی روشنی میں آبپاشی کے لئے نہروں کی تعمیر' مرمت اور صفائی پر آنے والے اخراجات کے بارے میں امام ابو یوسف کی رائے کا خلاصہ یہ ہے:

(1) دجلہ و فرات اور دوسرے دریاؤں کو آبپاشی کے قابل بنائے رکھنا۔ ان پر بند گھاٹ اور آبپاشی کے لئے پانی نکالنے کی جگہیں تعمیر کرنا اور ان کو اچھی حالت میں رکھنا ریاست کے ذمہ ہے۔ ان کاموں کی پوری لاگت (Total Cost) سرکاری خزانے سے ادا کی جائے گی۔

(2) خراجی زمینوں کی آبپاشی کے لئے بالخصوص ایسے علاقوں میں جہاں نہروں کے ذریعے پانی نہ پہنچنے سے زمینیں بے کار پڑی ہوں حسب ضرورت نہریں کھدوانا اور پرانی نہروں کی مرمت اور صفائی کرانا بھی ریاست کے ذمہ ہے اور ان کے

اخراجات بھی بیت المال سے پورے کئے جائیں گے۔

(3) دو آبہ دجلہ و فرات میں بڑے دریاؤں سے نکالی ہوئی نہریں' جن میں پانی جاری ہو' اگر کھدائی' مرمت اور صفائی کی محتاج ہوں تو یہ کام بھی ریاست انجام دے گی۔ البتہ ان کے اخراجات ریاست کے خزانے اور ان باشندوں کے درمیان تقسیم کر دیئے جائیں گے جن کو ان نہروں سے فائدہ پہنچتا ہو۔

(4) ان بڑی نہروں کے پانی کو اپنے کھیتوں اور باغات تک پہنچانے کے لئے لوگ جو چھوٹی نہریں اور نالیاں تعمیر کرنا چاہیں ان کی لاگت خود ان لوگوں کو پوری کرنی ہو گی۔(363)

ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی لکھتے ہیں۔

> "لاگت کی تقسیم اور اس سلسلے میں مختلف قسم کی نہروں کے درمیان تفریق کرنے میں قاضی صاحب نے جو اصول سامنے رکھے ہیں وہ واضح ہیں کسی اسکیم کی لاگت ان لوگوں کے ذمے ہے جن کو اس سے فائدہ پہنچے۔ جہاں فائدہ عام ہے وہاں لاگت کی ذمہ داری بھی عام ہے اور عوام کے مرکزی خزانے کی حیثیت میں یہ عام ذمہ داری بیت المال پر ڈالی گئی ہے۔ مذکورہ بالا پہلی قسم اسی اصول کے تحت آتی ہے۔ چوتھی قسم کی نہروں کے فوائد چونکہ مخصوص افراد تک محدود ہوں گے لہذا ان کی لاگت بھی انہیں کے ذمہ ڈالی گئی ہے۔"

لاگت کی ذمہ داری عائد کرنے میں دوسرا اصول یہ مد نظر رکھا گیا ہے کہ متعلقہ افراد کو اس اسکیم سے اتنا مالی فائدہ پہنچ رہا ہو کہ وہ باآسانی اس کے اخراجات کا بار برداشت کر لیں۔ دوسری اور تیسری قسم کی نہروں کے درمیان تفریق اسی لئے برتی گئی ہے۔ اہل خراج کو آباد اور خوشحال رکھنا حکومت کا ایک مقصد قرار دیا گیا ہے اور اسی مقصد کے تحت دوسری قسم کی نہروں کی پوری لاگت بیت المال کے ذمے ڈالی گئی ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ان نہروں کی تعمیر کے بعد بہت سی ایسی زمینیں زیر کاشت لائی جا سکیں گی جو ان کے بغیر افتادہ پڑی رہتی ہیں۔ ان زمینوں کے زیر کاشت آنے سے مجوزہ نظام مقاسمہ کے تحت خراج کی آمدنی میں معتدبہ اضافے کی توقع ہے۔ چونکہ نہروں کی تعمیر سے پہلے نہ یہ زمینیں زیر کاشت تھیں نہ ان کے مالکوں کو ان کے ذریعے کوئی آمدنی ہو رہی تھی لہذا ان پر اخراجات کا بار نہیں ڈالا گیا ہے۔ اس کے برعکس تیسری قسم کی نہروں میں پانی جاری تھا اور لوگ عملاً" ان سے فائدہ اٹھا کر کاشت کرتے اور نفع حاصل کرتے تھے۔ اس آمدنی کے پیش نظر ان کے لئے باآسانی ممکن تھا کہ ان نہروں کی درستگی پر آنے والے اخراجات کا ایک حصہ خود پورا کر سکیں۔ ان نہروں کی مرمت اور صفائی کے پورے اخراجات ریاست کے ذمے اس لئے نہیں ڈالے گئے کہ اس عمل سے خراج کی آمدنی میں کوئی نیا معتدبہ اضافہ نہیں متوقع ہے۔ ان کی مرمت اور صفائی خراج کی موجودہ آمدنی کو بحال رکھنے کے لئے ضروری ہے۔ اور اس کی مناسبت سے ان پر آنے والے اخراجات کا ایک حصہ ریاست کو پورا کرنا

چاہیے۔(364)

مخصوص ترقیاتی اسکیموں کی لاگت کن لوگوں کے ذمہ ہو گی؟

امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں ان ترقیاتی اسکیموں کے بارے میں بھی بحث کی جو مخصوص افراد کی ملکیت ہوں۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

وسالت عن نهر بين قوم خاصة باخذ من دجلة او الفرات ارادوا ان يكروه او يحفروه' فكيف الحفر عليهم فانهم يجتمعون جميعا فيكرونه من اعلاه الى اسفله فكلما جازوا ارض رجل رفع عنه الكرى وكرى و بقيتهم كذلك حتى ينتهي الى اسفله و قد قال بعض الفقهاء - يكرى النهر من اعلاه الى اسفله فاذا فرغ من ذلك حسب اجر جميع حفر ذلك النهر على جميع ما يشرب منه الارض فلزم كل انسان من اهله بقدر ماله فخذ. يا امير المومنين باى القولين احببت' فانى ارجو ان لا يضيق عليك الامر ان شاء الله تعالى (365)

"اور آپ نے ایسی نہر سے متعلق سوال کیا ہے جو دجلہ یا فرات سے نکلتی ہو اور کسی مخصوص گروہ کی ملکیت ہو۔ اگر یہ لوگ اس نہر کی کھدائی کرنا چاہیں تو اس کا بار ان کے درمیان کیسے تقسیم کیا جائے۔ اس کا طریقہ یہ ہو گا کہ یہ سارے لوگ مل کر کھدائی شروع کریں گے اور کھدائی کا کام دریا کے قریب والے سرے سے شروع کریں گے۔ جس جس فرد کی زمین تک نہر کی کھدائی کا کام پورا ہوتا جائے گا اس کے سر سے کھدائی کی ذمہ داری ختم ہوتی جائے گی اور آگے صرف باقی ماندہ لوگ کام کریں گے' تا آنکہ نہر کا دوسرا سرا آ جائے۔ بعض فقہاء نے یہ طریقہ تجویز کیا ہے کہ پہلے نہر کو دریا کے کنارے سے آخری سرے تک کھود لیا جائے گا۔ پھر اس پر آنے والے تمام مصارف کا حساب لگایا جائے گا۔ ان مصارف کو ان ساری زمینوں پر تقسیم کر دیا جائے گا جو اس سے سیراب ہوتی ہوں' اور ہر مالک زمین پر اس کی زمین کے بقدر خرچہ عاید کر دیا جائے گا۔ آپ ان میں سے جس طریقہ کو چاہیں اختیار کر سکتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ اس معاملہ میں آپ (اپنے کو کسی ایک طریقہ کا پابند) کر کے تنگی نہ محسوس کریں گے۔"

اس اقتباس سے مخصوص ترقیاتی اسکیموں کی لاگت کے بارے میں امام ابو یوسف کے معاشی فکر کے درج ذیل نکات سامنے آتے ہیں۔

(1) جس شخص کی جتنی زمین سے نہر گزرتی ہو اس قدر حصہ کی کھدائی اور صفائی اسی کے ذمہ ہو گی یعنی اس نے اپنی جس زمین کو نہر سے سیراب کر کے فائدہ حاصل کرنا ہے تو اس کے لئے جو لاگت آئے وہ بھی اسے ہی برداشت کرنی چاہیے۔

(2) پہلے تمام نہر کی کھدائی اور صفائی کرلی جائے۔ اور پھر اس پر جس قدر لاگت آئی ہو اس کا حساب لگایا جائے۔ بعد ازاں زمینوں کی پیمائش کر کے ہر مالک زمین پر اس کی زمین کے مطابق خرچہ عائد کیا جائے۔

یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ امام ابو یوسف مخصوص ترقیاتی اسکیموں کی تمام لاگت ان کے مالکوں کے ذمہ عائد کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بیت المال سے اس قسم کے منصوبوں کے لئے کوئی رقم نہیں دی جائے گی۔ حالانکہ عام ترقیاتی منصوبوں' جن سے عوام کی ایک بڑی تعداد فائدہ اٹھاتی ہو ان کی لاگت کے ایک حصہ میں وہ اسلامی ریاست کو بھی شریک کرتے ہیں۔ اس فرق و امتیاز کی وجہ بتاتے ہوئے امام ابو یوسف "کتاب الخراج" میں رقم طراز ہیں۔

و لیس النهر الاعظم الذی لعامة المسلمین کنهر خاص لقوم لیس لاحد ان یدخل علیهم الا تری ان اصحاب هذا النهر فیه شفعاء لو باع احدهم ارضا له' و لهم ان یمنعوا من ان یسقی احد من نهرهم ارضه او شجره او نخله و لیس الفرات و دجلة کذلک فان الفرات و دجلة یسقی منهما من شاء و تمر فیهما السفن و لا یکونون فیهما شفعاء لشرکتهم فی شربه(366)

"بڑے دریا جو سارے مسلمانوں کے لئے عام ہیں ان کی نوعیت ان مخصوص نہروں سے مختلف ہے جو کسی خاص گروہ کی ملکیت ہوں اور دوسرے اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہوں۔ مخصوص نہروں کے مالکوں کو ایک دوسرے کے مقابلہ میں حق شفعہ حاصل ہوتا ہے۔ جبکہ ان میں سے کوئی اپنی زمین فروخت کر رہا ہو۔ انہیں یہ حق بھی حاصل ہے کہ دوسروں کو اراضی اور باغات کی سینچائی کے لئے اس نہر سے پانی لینے سے روکیں۔ دجلہ و فرات کا حال یہ نہیں۔ ان میں سے ہر شخص سینچائی کے لئے پانی لے سکتا ہے' ہر کشتی گزر سکتی ہے اور اس کے پانی میں شرکت کے سبب لوگوں کو حق شفعہ نہیں مل سکتا۔"

مصلحتوں میں تعارض پیدا ہو جائے تو کس کو ترجیح دی جائے؟

امام ابو یوسف نے ایک ایسے مسئلہ پر بھی روشنی ڈالی ہے جو کئی صدیوں بعد مغربی معاشی فکر میں پیدا ہوا۔ مغربی اقتصادی فکر میں یہ ایک بڑا اہم مسئلہ ہے کہ اگر مصلحت عامہ اور مصلحت خاصہ میں تعارض پیدا ہو جائے تو پھر کیا طریقہ اختیار کیا جائے۔

امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں اس امر پر بھی بحث کی ہے کہ بعض اوقات مصالح میں تعارض پیدا ہو سکتا ہے۔ اس صورت میں پھر کیا تدبیر اختیار کرنی چاہیے۔ وہ ایک مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

و ان کانت ھذہ الجزیرۃ التی نضب عنھا الماء اذا حصلت و ضرب علیھا المسناۃ اضر ذلک بالسفن التی تمر بدجلۃ والفرات و خاف المارۃ فی السفن الغرق من ذلک اخرجت من ید ھذا وردت الی حالھا الاولی لان ھذہ الجزیرۃ بمنزلۃ طریق المسلمین، و لا ینبغی لاحد ان یحدث شیئا فی طریق المسلمین مما یضرھم(367)

"اگر صورت حال یہ ہو کہ جس علاقہ سے پانی ہٹ گیا ہے، اس کے گرد اگر بند باندھ دیا جائے تو یہ دجلہ و فرات میں سے گزرنے والے جہازوں اور کشتیوں کے لئے نقصان دہ ہو اور ان کشتیوں کے مسافروں کو غرق ہو جانے کا اندیشہ ہو تو ایسی شکل میں اس علاقہ کو آباد کاری کرنے والے کے قبضہ سے نکال کر سابق حالت میں لوٹا دیا جائے گا۔ وجہ یہ ہے کہ اس جزیرہ کی نوعیت مسلمانوں کی رہ گزر کی ہے اور کسی فرد کو بھی مسلمانوں کی رہ گزر میں کوئی ایسا تصرف کرنے کا اختیار نہیں جو ان کے لئے نقصان دہ ہو۔"

کتاب الخراج میں ایک اور مقام پر رقم طراز ہیں۔

و ان کان محدثا من فعل وال او غیرہ نظر فی ذلک الی منفعتہ و الی ضررہ، فان کانت منفعتہ اکثر ترک علی حالہ، و ان کان ضررہ اکثر امرت بھدمہ و طمہ و تسویتہ بالارض، و کل نھر لہ منفعۃ اکثر فلا ینبغی للامام ان یھدمہ و لا یتعرض لہ، و کل نھر مضرتہ اکثر من منفعتہ فعلی الامام ان یھدمہ و یطمہ و یسویہ بالارض(368)

"اور اگر یہ نہر نئی ہو اور کسی والی نے یا دوسرے آدمی نے اسے حال ہی میں تعمیر کیا ہو تو اس کے فائدے اور نقصان کو دیکھا جائے گا۔ پس اگر اس کا فائدہ زیادہ ہو تو اسے علیٰ حالہ چھوڑ دیا جائے لیکن اگر نقصان کا پہلو غالب ہو تو آپ کو چاہیے کہ اسے منہدم کر کے، پاٹ کے، سطح سمندر کے برابر کر دینے کا حکم دے دیں۔ جس نہر کے فائدے کا پہلو غالب ہو اس کے انہدام یا اس میں کسی اور ضرر تصرف سے امام کو اجتناب کرنا چاہیے۔ البتہ اگر کسی نہر سے فائدہ سے زیادہ نقصان ہو رہا ہو تو امام کی ذمہ داری ہو جاتی ہے کہ اسے منہدم کرا کے پاٹ کر، سطح زمین کے برابر کروا دے۔"

آگے چل کر مزید لکھتے ہیں۔

و اذا خاف اهل هذا النهر ان ينشق عليهم فارادوا تحصينه من ذلك فامتنع بعض اهله من الدخول معهم فيه' فان كان في ذلك ضرر عام اجبرهم جميعا على ان يحصنوه بالحصص (360)

"اور جب اس مخصوص نہر کے مالکوں کو اس کے پھٹ جانے کا اندیشہ ہو اور وہ اس کے کناروں کی مرمت کرنا چاہتے ہوں لیکن بعض مالکان زمین اس کام میں شریک ہونے سے گریز کر رہے ہوں تو اگر نہر کو ایسا خطرہ لاحق ہو جو عام مضرت کا سبب بن سکتا ہو تو امام کو چاہیے کہ ان تمام لوگوں کو مجبور کرے کہ وہ کنکر وغیرہ کے ذریعہ اس کے کناروں کو مستحکم کریں۔

ان مندرجہ بالا عبارتوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ:

(1) امام ابو یوسف مصلحت عامہ کو مصلحت خاصہ پر ترجیح دیتے ہیں۔ اگر کسی ترقیاتی اسکیم سے انفرادی طور پر تو کسی کو فائدہ پہنچے لیکن بحیثیت مجموعی قومی ضیاع ہو تو وہ اس کی تکمیل کو ناپسند کرتے ہیں۔

(2) ہر ترقیاتی منصوبے کے آغاز سے قبل اس کے فوائد اور نقصانات پر غور کیا جائے گا اگر نقصان کا پہلو غالب ہو تو اس کو پایہ تکمیل تک نہیں پہنچانا چاہیے۔

(3) مصلحت عامہ کے تحفظ کے لئے خلیفہ بعض مخصوص مالکان زمین کو مجبور بھی کر سکتا ہے۔

(4) ترقیاتی منصوبوں پر حاکم کو مال صرف اسی وقت صرف کرنا چاہیے جب اس کام کے معاشی فوائد سے مکمل آگاہی حاصل ہو جائے۔

ترقیاتی اسکیموں پر نگران اہل کاروں کے اوصاف

امام ابو یوسف یہ رائے رکھتے ہیں کہ ہر کس و ناکس کو ان معاشی و فلاحی منصوبوں کی تکمیل کی ذمہ داری نہیں سونپنی چاہیے۔ چونکہ ان منصوبوں کا تعلق عوام کی فلاح و بہبود سے ہے اور ان پر بیت المال سے' جو پوری قوم کی امانت ہے خرچ کیا جاتا ہے اس لئے یہ بات بہت ضروری ہے کہ ان کی تکمیل کرتے وقت سرکاری خزانے (Public Treasury) کی رقم کا صحیح استعمال ہو۔ اور کسی قسم کی بدعنوانی نہ ہو سکے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کتاب الخراج میں ہارون الرشید کو نصیحت کرتے ہیں کہ ترقیاتی اسکیموں پہ نگران اہل کار مقرر کرتے وقت سوچ سمجھ کر فیصلہ کریں۔ ان کے نزدیک ان منصوبوں کی کامیابی کا دارومدار اس بات پر ہے کہ صالح' دیانت دار اور باصلاحیت لوگوں کو یہ اہم ذمہ داری دی جائے۔ اگر دین دار اور امانت دار لوگوں کو یہ فریضہ سونپا جائے گا تو اس سے ملکی اقتصادی حالت پر خوشگوار اثرات مرتب ہوں گے۔ اور اگر اس ضمن میں احتیاط نہ برتی گئی تو اس سے نہ صرف قومی دولت کا ضیاع ہو گا بلکہ وہ اعلیٰ مقاصد بھی حاصل نہ ہو

سکیں گے جو ملکی معیشت کے استحکام کے لئے ضروری ہوتے ہیں۔ امام ابو یوسف کتاب الخراج میں رقم طراز ہیں۔

و لا یولی النفقة علی ذلک الا رجل یخاف الله یعمل فی ذلک بما یجب علیه لله' عرفت امانته و حمد مذهبه' و لا تول من یخونک و یعمل فی ذلک بما لا یحل و لا یسعه یاخذ المال من بیت المال لنفسه و من معه' لو یدع المواضع المخوفة و یهملها و لا یعمل علیها شیئا بحکمها به حتی تنحر فتغرق ما للناس من الغلات و تخرب منازلهم و قراهم(370)

"ان مصارف میں مال صرف کرنے کا اختیار ایسے ہی ذمہ دار کے ہاتھ میں دیجئے جو خوف خدا رکھتا ہو' جس کی امانت داری اور مسلک پر پورا اطمینان ہو اور جو خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کام کرے۔ خائن اور جائز و ناجائز میں کوئی تمیز کئے بغیر کام کرنے والوں کو یہ ذمہ داری نہ سونپئے۔ ایسا آدمی بیت المال کا روپیہ اپنے اور اپنے ساتھیوں پر اڑا ڈالے گا۔ خطرہ کے مقامات کی مرمت نہیں کرائے گا یا ان پر پختہ کام کرا کے انہیں بالکل درست نہیں کراوے گا تا آنکہ وہاں سے پانی پھٹ پڑے گا اور لوگوں کے غلہ مکانات اور پوری پوری بستیوں کو تباہ کر دے گا۔"

یعنی امام ابو یوسف کے نزدیک درج ذیل اوصاف کا حامل فرد ہی ترقیاتی منصوبوں پر نگران مقرر ہو سکتا ہے۔

(ا) جو نہ صرف مسلمان ہو بلکہ اعلیٰ درجہ کا متقی اور پرہیزگار بھی ہو۔

(ب) صحیح العقیدہ مسلمان ہو اور فسق و فجور سے دور رہتا ہو۔

(ج) جس کی زندگی کا مقصد اور نصب العین رضائے الٰہی کا حصول ہو۔

(د) وہ کبھی کسی معاملہ میں بدعنوانی (Corruption) کا مرتکب نہ ہوا ہو۔

(ر) اکتساب مال اور صرف مال میں اسلام کی حلال و حرام (Lawful and unlawful) کی حدود و قیود کی پابندی کرتا ہو۔

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ ان اوصاف حمیدہ سے محروم افراد کو صرف اپنا ذاتی مفاد عزیز ہوتا ہے۔ دنیا اور مال و دولت کی محبت میں گرفتار ہو کر وہ اپنے فرائض منصبی سے غافل ہو جاتے ہیں۔ خائن اور بد کردار نگران نہ صرف خود بدعنوانیوں کا مرتکب ہوتا ہے بلکہ اپنے ماتحت عملہ کو بھی اسی راستے پر لگا دیتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس قسم کے افراد کی زیر نگرانی جب معاشی ترقی کے منصوبوں پر کام ہوتا ہے تو وہ تسلی بخش اور پائیدار نہیں ہوتا۔ ایسے لوگوں کو قوم کے اجتماعی مفاد سے قطعاً" کوئی ہمدردی نہیں ہوتی۔ اس کا نتیجہ یہ برآمد ہوتا ہے کہ ایسے معاشی منصوبوں سے فائدہ کی بجائے عوام کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہوتا ہے۔ مثلاً نہروں وغیرہ کی کھدائی اور صفائی میں جب دیانت داری سے کام نہ کیا گیا ہو تو ان نہروں

کے بند کسی بھی وقت ٹوٹ کر عوام کی تباہی کا سبب بن جائیں گے۔ جب بستیاں غیر آباد ہو جائیں گی اور فصلیں تباہ ہو جائیں گی تو اس سے نہ صرف عوام معاشی مشکلات سے دوچار ہوں گے بلکہ ریاست کو بھی خراج اور عشر نہ ملنے کی صورت میں نقصان ہوگا۔

معائنہ و احتساب

ہارون الرشید کے عہد سے قبل بعض اموی و عباسی خلفاء نے جو ترقیاتی کام کروائے تھے وہ زیادہ تر بد عنوان 'غیر ذمہ دار اور نااہل لوگوں کی نگرانی میں ہوئے تھے۔ جس کی وجہ سے نہروں کے بند ٹوٹ جانے سے سڑکوں کے نقصان کے ساتھ ساتھ زیر کاشت فصلوں کا بھی کافی نقصان ہوا تھا۔ ان منصوبوں پر بیت المال سے جو رقم صرف کی گئی تھی وہ سود مند ثابت نہ ہو سکی۔ اسی وجہ سے ہارون الرشید نے امام ابو یوسف سے ان معاملات میں راہنمائی طلب کی تھی۔ چنانچہ امام ابو یوسف خلیفہ ہارون الرشید کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

> ثم وجه من يتعرف ما يعمل به و اليک علی هذه المواضع المخوفة منها و ما يمسک من العمل عليها مما قد يحتاج الی العمل و ما تفجر و ما السبب فی انفجاره و لم مت عليه اجر العمل عليه و احكامه حتى انفجر ثم عامله علی حسب ما ياتيک به الخبر عنه من حمد لامره او ذم و انكار و تاديب (371)

> "ذمہ دار مقرر کرنے کے بعد آپ کسی دوسرے آدمی کو اس ذمہ دار کی کارکردگی کا جائزہ لینے پر مامور کیجئے جو معائنہ کرے کہ یہ ذمہ دار پر خطر مقامات پر کیا کام کروا رہا ہے اور کن قابل مرمت جگہوں پر اس نے کام نہ لگانے کا فیصلہ کیا ہے' کن کن مرمت شدہ جگہوں سے پانی پھٹ جاتا ہے اور ایسا ہونے کا سبب کیا ہے۔ کیا وجہ ہے کہ وہاں پر کام لگا کر جو اجرت دی گئی وہ بے فائدہ ضائع گئی اور مرمت ناکارہ ثابت ہوئی۔ اس جائزہ کے بعد آپ کو جو رپورٹ ملے' متعلقہ افسر کے ساتھ اس کے مطابق سلوک کیجئے۔ اس کے کام کی تعریف کیجئے یا اس کی مذمت کریں اور اس کے خلاف تادیبی کارروائی عمل میں لائیں۔"

امام ابو یوسف کے اس مندرجہ بالا بیان سے ان کے معاشی فکر کے درج ذیل نکات سامنے آتے ہیں

(1) ترقیاتی منصوبوں سے مثبت نتائج حاصل کرنے کے لئے نگران اہل کاروں کے کام کا معائنہ اور احتساب بہت ضروری ہے۔

(2) وہ اہل کار جو دیانت داری سے اپنے فرائض سرانجام دیں۔ ان کو انعام و اکرام دے کر حوصلہ افزائی کرنی چاہیے۔

(۳) بدعنوان اور غیرذمہ دار نگران اہل کاروں کے خلاف قانونی کاروائی کر کے ان کو سخت سزا دی جائے تاکہ آئندہ کوئی قومی دولت میں خیانت نہ کر سکے۔

قومی املاک کا پیدا آور استعمال

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ عوام کی معاشی فلاح و بہبود میں اضافہ کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اسلامی ریاست قومی املاک کا پیدا آور استعمال عمل میں لائے وہ کہتے ہیں کہ وسائل پیداوار کو بے کار چھوڑ دینے سے عوام اور حکومت دونوں معاشی فوائد سے محروم رہتے ہیں۔ اور ان کے صحیح استعمال سے نہ صرف بیت المال کی آمدنی میں اضافہ ہوتا ہے بلکہ افراد کو روزگار کے مواقع بھی ملتے ہیں۔

عباسی خلیفہ ہارون الرشید کے دور میں بعض لوگ لاوارث زمینوں کو کاشت کر کے ان سے ذاتی فوائد حاصل کر رہے تھے' امام ابو یوسف ایسی زمینوں کو جن کے مالکوں کا کچھ پتہ نہ چلے اور جن کا کوئی وارث نہ ہو' ریاست کی ملکیت قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ آپ کتاب الخراج میں رقم طراز ہیں۔

> و قد رایت ان تامر باخراج تلک الارضین من ایدی القضاة الذین یاکلونھا و یوکلونھا و ان تختار لھا رجلا ثقة امینا عدلا و ان تامر ان یختار لھا الثقات فیتولوا امرھا و تامر بان تحمل غلاتھا الی بیت مال المسلمین الی ان یاتی مستحق لشئی منھا فان کل من مات من المسلمین لاوارث له فماله لبیت المال(372)

"میری رائے یہ ہے کہ آپ ان زمینوں کو ایسے قاضیوں کے قبضہ سے نکال لینے کا حکم جاری کر دیں جو انہیں خود کھانے اور دوسروں کو کھلانے کا ذریعہ بنائے ہوئے ہیں' کسی منصف مزاج' امانت دار اور معتمد علیہ فرد کو ان زمینوں کا نگران مقرر کر دیجئے۔ اس نگران کو حکم دیجئے کہ ان زمینوں سے متعلق امور کی انجام دہی کے لئے قابل اعتماد افراد کا تقرر عمل میں لائے۔ ان زمینوں کی ساری آمدنی مسلمانوں کے بیت المال میں داخل کر دی جایا کرے جب تک کوئی شخص اس میں سے کسی چیز کا حق دار ہونے کا دعویٰ نہ کرے۔ کیونکہ جو مسلمان کوئی وارث چھوڑے بغیر وفات پا جائے اس کا مال بیت المال کے لئے ہے۔"

یعنی امام ابو یوسف کے نزدیک ایسی لاوارث زمینوں کو انفرادی ہاتھوں میں دینا قوم کے اجتماعی مفاد کے خلاف ہے۔ وہ لوگ جو ایسی زمینوں پر قابض ہو جاتے ہیں۔ صلاحیتوں کے فقدان کی وجہ سے' وہ نہ تو ان کو صحیح طریقہ سے خود کاشت کرتے ہیں اور نہ ہی اس سے حاصل کردہ آمدنیوں کا صحیح استعمال کرتے ہیں۔ ایسی زمینوں پر قابض افراد' ان کو اپنے

ملازموں کے ذریعے کاشت کرواتے ہیں۔ اس طرح قوم میں ایک ایسا مفت خور طبقہ پیدا ہو جاتا ہے جو دوسروں کی محنت پر عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتا ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ ایسی زمینوں کی پیداوار کا حساب کتاب نہ ہونے کی وجہ سے بیت المال کی آمدنی میں بھی کمی واقع ہوتی ہے۔

کتاب الخراج کے مطالعہ سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ امام ابو یوسف بنجر اور غیر آباد زمینوں کی آباد کاری پر بہت زور دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ایسی زمینوں کو یونہی چھوڑ رکھنے کی بجائے' ایسے لوگوں کو دے دینا چاہیے جو ان کو زیر کاشت لا سکیں۔ آپ لکھتے ہیں۔

و لا اری ان یترک ارضا لا ملک لاحد فیہا و لا عمارۃ حتی یقطعہا الامام فان ذلک اعمر للبلاد و اکثر للخراج(373)

"میرے خیال میں غیر مملوکہ اور غیر آباد زمینوں کو بے کار چھوڑ رکھنے کی بجائے' امام کو چاہیے کہ انہیں بطور جاگیر مختلف افراد کو دے دے۔ اس طرح ہمارے علاقے زیادہ آباد و خوشحال ہو جائیں گے اور خراج میں بھی اضافہ ہو گا۔"

ایک اور مقام پر رقم طراز ہیں۔

و للامام ان یقطع کل موات و کل ما کان لیس لاحد فیہ ملک و لیس فی ید احد و یعمل فی ذلک بالذی یری انہ خیر للمسلمین و اعم نفعا(374)

"امام کو یہ حق حاصل ہے کہ ہر افتادہ زمین کو اور ہر اس (چیز) کو جس پر کسی کی ملکیت نہ ہو' اور نہ وہ کسی کے قبضہ میں ہو' بطور جاگیر عطا کر دے۔ امام اس سلسلہ میں وہ طریقہ اختیار کرے گا جو اس کی نظر میں مسلمانوں کے لئے سب سے بہتر ہو اور جس کے فوائد زیادہ سے زیادہ لوگوں کو پہنچ سکیں۔"

امام ابو یوسف کی تصریحات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلامی ریاست اپنی زمینوں کے پیدا آور استعمال اور ان کے ذریعہ مزید آمدنی حاصل کرنے کے لئے ان کو ریاست کے زیر اہتمام کاشت بھی کرا سکتی ہے اور ان کو مزارعت کے اصول پر افراد کو بھی دے سکتی ہے۔ ان کا نظریہ یہ ہے کہ اسلامی حکومت اس بات کی کوشش کرے کہ ریاست کی زمینوں میں سے کوئی زمین بے کار نہ پڑی رہے۔

ان کے نزدیک سرکاری زمینوں (Crown lands) کو بٹائی (Partnership to cultivate land) پر دینا ان کے پیدا آور استعمال کا ایک نفع بخش (Profitable) طریقہ ہے۔ امام ابو یوسف کتاب الخراج میں لکھتے ہیں کہ یہ طریقہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع کیا تھا۔ خیبر کا علاقہ فتح ہونے کے بعد وہاں کی زمین ریاست کی طرف سے اہل خیبر کو نصف پیداوار لینے کی شرط پر کاشت کے لئے دی گئی۔(375) آپ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے بھی ریاست کی

مملوکہ زمینوں کے بارے میں یہی طریقہ اختیار کیا تھا۔ کتاب الخراج میں یہ روایت نقل کرتے ہیں۔

"حسن بن عمارہ نے محمد بن عبیداللہ سے' انہوں نے عبدالرحمٰن بن سابا سے' اور انہوں نے یعلیٰ بن امیہ سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ انہوں نے کہا' جب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مجھے سرزمین نجران کے۔ یعنی اس نجران کے جو یمن کے قریب واقع ہے۔ خراج کی تحصیل پر مامور کر کے بھیجا تو میرے پاس یہ لکھا کہ "ہر اس زمین کا جائزہ لو جس کے مالک اسے چھوڑ کر چلے گئے ہوں۔ پھر ان میدانی علاقوں کا جن کو آسمان سیراب کرتا ہے۔ یا جن کو بہنے والے پانی سے سیراب کیا جاتا ہے' ایسی زمینوں میں جو کھجور کے درخت یا اور درخت ہوں ان لوگوں کے حوالہ کر دو' وہ اس کی دیکھ بھال اور سینچائی کریں گے اور اللہ تعالیٰ اس میں جو کچھ بھی پیدا کرے گا اس میں سے عمر اور مسلمانوں کا حصہ دو تہائی ہو گا اور ان کے لئے ایک تہائی۔ اور ان میں سے جس زمین کی سینچائی بڑے ڈول کے ذریعہ کی جاتی ہو اس (کی پیداوار) میں دو تہائی ان کے لئے ہو گا اور ایک تہائی عمر اور مسلمانوں کے لئے۔ میدانوں علاقوں کو ان کے حوالے کر دو کہ یہ اس میں کھیتی کریں۔ جو علاقے بہتے ہوئے پانی سے سینچے جائیں یا جن کو آسمان سیراب کرے ان (کی پیداوار) میں ایک تہائی ان کے لئے ہو گا اور دو تہائی عمر اور مسلمانوں کے لئے اور جو میدانی زمین بڑے ڈول کے ذریعہ سینچی جاتی ہو اس (کی پیداوار) میں ان کے لئے دو تہائی ہو گا اور عمر اور مسلمانوں کے لئے ایک تہائی۔"

(376)

امام ابو یوسف کی رائے یہ ہے کہ اسلامی ریاست اپنی بعض املاک مثلاً جنگلات وغیرہ کو ٹھیکہ پر بھی دے سکتی ہے کتاب الخراج میں فرماتے ہیں۔

و قد بلغنا عن علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ وضع علی اجمہ برس اربعۃ آلاف درھم' و کتب لھم کتابا فی قطعۃ ادم و انما دفعھا الیھم علی معاملۃ فی قصبھا (377)

"ہمیں علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ آپ نے برس کے جنگل کا معاوضہ چار ہزار درہم (سالانہ) مقرر کیا تھا اور ان (ٹھیکہ داروں) کو ایک تحریر چمڑے کے ٹکڑے پر لکھ کر دے دی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ نے ان لوگوں کو یہ جنگل اس کے اندر پائے جانے والے بانس اور نرکل کے ٹھیکہ کے طور پر دیا تھا۔"

امام ابو یوسف کا نظریہ یہ ہے کہ بنجر زمینوں کی آباد کاری سے بہت سے فوائد وابستہ ہیں اسی سے مخلوق کی زندگی قائم

ہے۔ خراج بڑھتا ہے ملک کی دولت و ثروت میں اضافہ ہوتا ہے مویشیوں کے لئے چارہ مہیا ہوتا ہے۔ اشیاء کے نرخ ارزاں ہو جاتے ہیں۔ کسب معاش کے ذرائع بڑھتے ہیں اور معاش میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔

معاشی جدوجہد میں ہر شہری کی عملی شرکت

امام ابو یوسف سب سے زیادہ زور عمل پر دیتے ہیں۔ کتاب الخراج میں فرماتے ہیں۔

فان القوة فی العمل باذن الله(378)

"بیں بے شک اللہ ہی قوت عمل عطا کرنے والا ہے۔"

وہ ہر فرد سے یہ خواہش رکھتے ہیں کہ وہ موت سے قبل اقتصادی ترقی کے لئے پوری جدوجہد کرے ان کا موقف یہ ہے کہ انسان کو اپنی قیمتی عمر کا ہر لمحہ نفع بخش کاموں میں گزارنا چاہیے خواہ یہ عمل زراعت ہو یا صناعت یا کوئی اور پیشہ ہو۔ امام ابو یوسف "کتاب الخراج" میں فرماتے ہیں۔

لا توخر عمل الیوم الی غد' فانک اذا فعلت ذلک اضعت ان الاجل دون الامل' وبادر الاجل بالعمل' فانه لا عمل بعد الاجل(379)

"آج کے کام کل پر نہ ٹالیے۔ اگر آپ نے یہ روش اختیار کی تو (ملک کا) ستیاناس کر دیں گے۔ موت انسان کی امیدیں بر آنے سے پہلے ہی آجاتی ہے۔ موت سے پہلے جو کچھ کر سکیں کر ڈالیے۔ کیونکہ موت کے بعد عمل کا موقع نہیں رہتا۔"

امام ابو یوسف کے نزدیک آج کے کام کو کل پر ڈالنا وقت کا ضیاع ہے اور تضیع اوقات سے آباد کاری کے کاموں میں تاخیر ہوتی ہے اور اس کے نتیجہ میں پوری قوم کی حالت ناگفتہ بہ ہو جاتی ہے۔ آپ کتاب الخراج میں فرماتے ہیں۔

و لا یحبس الطعام بعد الحصاد الا بقدر ما یمکن الدیاس فاذا امکن الدیاس رفع الی البیادر و لا یترک بعد امکانه للدیاس یوما واحدا فانه مالم یحرز فی البیادر یذهب به الاکرة والمارة والطیر والدواب' انما یدخل ضرر ذلک علی الخراج(380)

"فصل کٹنے کے بعد غلہ اتنے ہی عرصہ کھیت میں روکا جائے جتنے عرصہ میں کہ دولائی کے انتظامات مکمل ہو جائیں' جب یہ ہو جائے تو غلہ کھلیانوں میں منتقل کر دیا جائے۔ اس میں ایک دن کی بھی تاخیر نہ ہو۔ کیونکہ جب تک غلہ کھلیان میں نہ محفوظ کر لیا جائے اسے کاشتکار اور راہ گیر' نیز جانور اور پرندے لے اڑتے ہیں۔ اس کے نتیجہ میں نقصان صرف خراج کا ہوتا ہے۔"

فصل ششم

امام ابو یوسف کی معاشی اصلاحات

کتاب الخراج کے مطالعہ سے قاری پر یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ امام ابو یوسف نے ملکی حالات کا بنظر غائر جائزہ لینے کے بعد چند معاشی اصلاحات (Economic Reforms) بھی پیش کی ہیں۔ دراصل ہارون الرشید کی یہ خواہش تھی کہ وہ اچھے حکمرانوں کی سیرتوں سے سبق حاصل کرتے ہوئے ظلم و ناانصافی کا خاتمہ کرے تاکہ اس کی سلطنت کو معاشی استحکام (Economic Stability) حاصل ہو۔ وہ اس حقیقت سے بھی غافل نہیں تھا کہ اقتصادی تاریخ کے بعض ادوار میں کچھ حکومتوں کی طرف سے اہل خراج کے ساتھ بد سلوکیاں اور ناانصافیاں ہوتی رہی ہیں اور اس کے نتیجے میں پھر متعدد خرابیاں رونما ہوئیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہارون الرشید نے وقت کے اس اہم تقاضے کو محسوس کیا اور امام ابو یوسف کو یہ ذمہ داری (Liability) سونپی کہ وہ ان اقدامات کی طرف راہنمائی کریں جن کے ذریعے عوام کا معاشی استحصال (Economic Extortion) نہ ہو سکے اور حکومت و رعایا دونوں خوشحال ہوں۔ امام ابو یوسف "کتاب الخراج" میں اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

و انما اراد بذلک رفع الظلم عن رعیتہ والصلاح لامرھم وفق اللہ تعالٰی امیر المومنین و سددہ و اعانہ علی ما تولی من ذلک و سلمہ مما یخاف و یحذر و طلب ان ابین لہ ما سالنی عنہ مما یرید العمل بہ و افسرہ و شرحہ و قد فسرت ذلک و شرحتہ(381)

"اس تحقیق سے امیر المومنین کا منشا یہ ہے کہ اپنی رعایا پر سے ہر طرح کے ظلم کا ازالہ کریں اور ان کے معاملات درست فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ امیر المومنین کو اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ ان کو راہ راست پر رکھے اور ان کی دست گیری فرمائے۔ اور خوف و خطرہ کی باتوں سے ان کو محفوظ رکھے۔ انہوں نے مجھ سے مطالبہ کیا ہے کہ مذکورہ بالا جن امور پر وہ عمل در آمد کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ان کی تفصیلات سے آگاہ کروں۔ چنانچہ میں نے ان امور کو کافی تفصیل کے ساتھ واضح کر دیا ہے۔"

یہ اصلاحات اس وقت ہی ممکن تھیں جب حاکم سیاسی لحاظ سے مضبوط ہو اور حکومت کے ذرائع آمدن (Sources of Income) کثیر ہوں۔ خوش قسمتی سے ہارون الرشید کے دور میں یہ سب کچھ ممکن تھا۔

یہاں ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ ہارون الرشید نے ابو عبید اللہ معاویہ بن یسار (م 170ھ / 786ء) کی کتاب کے ہوتے ہوئے دوبارہ اس موضوع پر ایک نئی کتاب کی ضرورت کیوں محسوس کی؟

اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ابو عبید اللہ معاویہ کی کتاب میں ان معاشی مسائل (Economic Problems) کا حل نہیں بتایا گیا تھا جو ہارون الرشید کی حکومت کو در پیش تھے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ہر نئے حکمران کی یہ خواہش رہی ہے کہ بر سر اقتدار آنے کے بعد ٹیکسوں (Taxes) کے بوجھ میں کچھ کمی کر دے۔

عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور (136-158ھ / 754-775ء) نے اپنے بیٹے محمد مہدی (158 169ھ / 775 785ء) کو جو وصیت کی تھی اس میں ہم اس قسم کی نصیحت دیکھتے ہیں۔ ابو جعفر منصور کے الفاظ ہیں۔

و علیک بعمارۃ البلاد بتخفیف الخراج(382)

"اور ٹیکس میں کمی کر کے تم پر شہروں کی آبادکاری لازم ہے۔"

قیاس کیا جاسکتا ہے کہ تخت نشینی کے وقت ہارون الرشید کو بھی نصیحت کی گئی ہو کہ وہ بعض ٹیکسوں کو ختم کر دے اور اس نے عوام سے اس قسم کا وعدہ کیا ہو۔ اپنے وعدوں کو وفا کرنے کے لئے اسے ایک جامع قسم کی راہنمائی کی ضرورت تھی جو ابو عبیداللہ معاویہ کی کتاب سے نہیں ملتی تھی۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ ایک ایسا متبحر عالم دین ہو جو ٹیکسوں کا ایک ایسا نظام پیش کرے جو عدل و انصاف پر مبنی ہو۔ ان معاشی مسائل کے بارے میں غور و خوض کرے جو ہارون الرشید کی حکومت کو درپیش تھے اور ان کے حل کے لئے تجاویز پیش کرے۔

ہارون الرشید کی خواہش تھی کہ ٹیکسوں کا نظام سنت رسولؐ اور خلفائے راشدین کے نظام کے مطابق چلے اور بیت المال (Public Treasury) کے مقاصد پورے ہو سکیں۔ اس مقصد کے لئے اسے ایک ایسے ماہر معاشیات (Economist) کی ضرورت تھی جو نہ صرف فقہائے مدینہ کے آثار سے واقفیت رکھتا ہو بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اسے عراق کے احوال سے بھی آگاہی حاصل ہو۔ اور یہ خصوصیت امام ابویوسف میں بدرجہ اتم موجود تھی۔

امام ابویوسف کو اس لحاظ سے بھی منفرد مقام حاصل ہے کہ آپ نے انسانی تاریخ میں پہلی بار اس قسم کی معاشی اصلاحات پیش کی ہیں آپ کی اصلاحات کو درج ذیل عنوانات کے تحت بیان کیا جاسکتا ہے۔

- خراج وظیفہ کی بجائے خراج مقاسمہ کی سفارش
- خراج کی وصولی میں قبالہ کے نظام کی ممانعت
- عاملین کی تنخواہیں بیت المال سے دی جائیں۔
- خراج کی وصولی بروقت کی جائے۔
- سرکاری غلہ کی وصولی کے جملہ اخراجات حکومت برداشت کرے۔
- مقاسمہ کے نظام کے تحت اندازہ سے لینے کی ممانعت۔
- خراج و صدقات کی آمدنیوں کو الگ الگ رکھا جائے۔
- قیدیوں کی معاش کا بندوبست کیا جائے۔
- ٹیکسوں کی وصولی صالح اور باصلاحیت افراد کے ذریعے کی جائے۔
- نظام احتساب کا قیام۔

(1) خراج وظیفہ کی بجائے خراج مقاسمہ کی سفارش

خراج کا مفہوم

کلام عرب میں خراج کے معنی کرایہ، محصول اور اجرت و معاوضہ کے ہیں جیسا کہ قرآن حکیم کی اس آیت میں ہے۔

اَمْ تَسْئَلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ (383)

"کیا آپ ان سے (تبلیغ کے صلے میں) کچھ مال مانگتے ہیں۔ تو آپ کے پروردگار کا مال بہت اچھا ہے۔"

اس آیت میں خراج کا اطلاق اجرت کے معنی میں ہے۔ حسین بن مسعود الفراء (م 510ھ / 1117ء) نے آیت کا مفہوم ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

ام تسالهم اجرا (384)

محمود بن عمر الزمخشری (م 538ھ / 1144ء) لکھتے ہیں۔

فخراج = و هو ما تخرجه الى الامام من زكاة ارضك و الى كل عامل من اجرته و جعله (385)

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے مقالہ نگار نے لفظ خراج کو یونانی زبان سے ماخوذ بتایا ہے۔ (386)

ڈاکٹر اے بن شمس (A. Ben Shemesh) نے اس کی اصل آرامی زبان کے لفظ (Halak) کو بتایا ہے۔ جس سے مراد ٹیکس لیا جاتا تھا۔ (387)

خراج اصطلاحاً اس اسلامی ٹیکس کو کہتے ہیں جس کو اسلامی حکومت ان اراضی (Lands) سے لیتی ہے جن کو بزور شمشیر فتح کیا ہو یا مالکان نے اس کے دینے پر صلح کرلی ہو۔ (388)

ما تاخذه الدولة من الضرائب على الارض المفتوحة عنوة او الارض التى صالح اهلها عليها (389)

فقہائے اسلام نے اس لفظ کو اجرت و معاوضہ کے مفہوم میں استعمال کیا ہے۔ ابن قدامہ ان زمینوں کے بارے میں جو مسلمانوں نے بزور قوت (by force) فتح کی ہوں کہتے ہیں۔

و اما الثانى و هو ما فتح عنوة فهى ما اجلى عنها بالسيف و لم نقسم بين

تقسم بين الغانمين وهذه تصير وقفا للمسلمين يضرب عليها خراج معلوم يوخذ منها في كل عام يكون اجرة لها؟ و تقر في ايدى اربابها مادلموا يودون خراجها(390)

"اور (زمینوں کی) دوسری (قسم) وہ ہے جو بذریعہ تلوار قوت سے فتح کی گئی ہوں اور غنیمت حاصل کرنے والوں کے درمیان تقسیم نہ کی گئی ہوں تو وہ (زمینیں) مسلمانوں کے لئے وقف کی ہوں گی۔ ان پر مقررہ خراج لگایا جائے گا جو ان کی اجرت کے طور پر ہر سال لیا جائے گا اور جب تک وہ ان زمینوں کا خراج ادا کرتے رہیں گے یہ زمینیں ان کے مالکوں کے پاس رہیں گی۔"

خراجی زمینوں کی قانونی (Legal) نوعیت یہ ہے کہ ان کی اصل مالک اسلامی ریاست ہے لیکن انہیں بدستور ان کے سابق مالکوں کے پاس رہنے دیا جائے گا۔ ان کی حیثیت موروثی کاشت کاروں (Hereditary Cultivators) کی ہوگی جنہیں بے دخل نہیں کیا جائے گا۔

محمد بن عبد الواحد ابن الہمام (م 861ھ / 1457ء) اپنی کتاب فتح القدیر میں لکھتے ہیں۔

ولا يتكرر الخراج بتكرر الخارج من الارض في سنة واحدة "لان عمر لم يوظفه مكررا" (391)

"خراج لینے والے کے دوبارہ آنے پر بھی ایک ہی سال میں زمین پر خراج دوبارہ نہیں لگایا جائے گا کیونکہ حضرت عمر دوبارہ (خراج) عائد نہیں کرتے تھے۔"

تاریخ کے مختلف ادوار میں خراج (Land Tax) کے موضوع پر جو کتب تحریر کی گئی ہیں ان کی روشنی میں ہم یہ رائے قائم کر سکتے ہیں کہ لفظ خراج کے ایک عام معنی ہیں اور دوسرے خاص۔

خراج کا عمومی معنی

خراج عمومی معنی کے اعتبار سے ان اموال کو کہتے ہیں جن کے جمع و صرف (collect and consume) کی ذمہ داری حکومت کی ہو۔ اس معنی کے اعتبار سے خراج کا اطلاق ان تمام صدقات واجبہ و نافلہ پر ہوگا جن کی وصولیابی اور ان کے مصارف (expenditures) پر صرف کرنے کا حق حکومت کو ہو۔ امام ابو یوسف اور یحییٰ بن آدم القرشی (م 203ھ / 818ء) نے اپنی کتب میں ان موضوعات کا احاطہ کیا ہے۔ (392)

خراج کا خصوصی معنی

خراج اپنے خاص معنی کے اعتبار سے اس ٹیکس (Tax) کو کہتے ہیں جس کو امام وقت کسی قابل کاشت خراجی زمین

(The land of khiraj) پر مقرر کرتا ہے۔

للخراج فی اصطلاح الفقہاء معنیان' عام و خاص۔ فالخراج بالمعنی العام - ھو الاموال التی تتولی الدولۃ امر جبایتھا و صرفھا فی مصارفھا' و اما الخراج' بالمعنی الخاص - فھو الوظیفۃ او الضریبۃ التی یفرضھا الامام علی الارض الخراجیۃ النامیۃ(393)

امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں کلمہ خراج کے عام اور خاص دونوں معنی مراد لئے ہیں۔ جہاں تک کتاب کے عنوان کا تعلق ہے تو اس سے انہوں نے عام معنی مراد لئے ہیں کیونکہ انہوں نے اس میں بہت سے موضوعات (Topics) پر بحث کی ہے۔ مثلاً فئے' خراج' جزیہ' عشور' زکوۃ' عشر وغیرہ۔

آپ نے اس کے خاص معنی کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ مفتوحہ اراضی (Conquered lands) کی تقسیم کے بارے میں حضرت عمرؓ بن الخطاب کے موقف کے بارے میں لکھتے ہیں۔

فقال لھم - فما یکون لمن جاء من المسلمین؟ فترک الارض و اھلھا' و ضرب علیھم الجزیۃ' واخذ الخراج من الارض(394)

"پس آپ نے ان سے یہ فرمایا کہ پھر آئندہ آنے والے مسلمانوں کے لئے کیا بچے گا؟ پس آپ نے زمین اور اس کے باشندوں کو چھوڑ دیا اور ان باشندوں پر جزیہ عائد کر دیا اور زمین سے خراج لیا۔"

خراج کی تاریخ --- عہد ہارون الرشید تک

زمانہ قبل از اسلام سے خراج کی دو مشہور اقسام رائج رہی ہیں۔

(ا) خراج وظیفہ یا مساحہ = (A fixed land tax)

(ب) خراج مقاسمہ = (Khiraj Maquasamah)

(ا) خراج وظیفہ یا مساحہ

یہ رقبہ کے پر یونٹ (Per Unit) پر ٹیکس لگانے کا طریقہ تھا۔ زمین کا محصول رقبہ کے حساب سے ایک متعین شرح (Fixed Rate) کے مطابق وصول کیا جاتا تھا۔ مثلاً اتنے درہم فی جریب (A patch of arable land) اور اتنا غلہ فی جریب۔ خراج کی مقدار کا انحصار زمین کی نوعیت' آبپاشی کا طریقہ' پیداوار کی نوعیت اور بندرگاہوں و مارکیٹوں کی نزدیکی پر ہوتا تھا۔

(ب) خراج مقاسمہ

یہ ٹیکس زمین کے رقبہ کے مطابق لوا نہیں کیا جاتا تھا بلکہ پیداوار کے مطابق بطور فصل کے ایک متعین حصہ (Fixed Share) کے طے کر لیا جاتا تھا۔ مثلاً 1/3 یا 1/4 وغیرہ۔

تاریخ

بادشاہوں اور مزارعین (Tenants) کے درمیان نظام المقاسمہ کا طریقہ عہد قدیم سے فارس کی حکومت میں چلا آ رہا تھا۔ قباذ بن فیروز شاہ ایران نے اپنے دور حکومت میں اس نظام کو بدل کر مساحہ کا طریقہ رائج کیا۔ اس کے بیٹے کسریٰ نوشیرواں (531ء - 578ء) نے اپنے دور حکومت میں اس تبدیلی کو برقرار رکھا۔ (395) یعنی اس کے دور میں زمین کا محصول رقبہ کے اعتبار سے ایک متعین شرح کے مطابق وصول کیا جاتا تھا۔ مثلاً اتنے درہم فی جریب یا... اتنا غلہ فی جریب۔

اسلام میں سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے اپنے دور حکومت میں عراق و شام کی مفتوحہ زمینوں پر خراج عائد کیا۔ (396) حضرت عمرؓ سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ وہ ان علاقوں کو مسلمانوں کی فاتح فوج میں مال غنیمت کی طرح تقسیم کر دیں لیکن انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کیا اور کہا کہ اگر میں ان زمینوں کو اس وقت تقسیم کر دوں تو اس سے مسلمانوں کی آئندہ آنے والی نسلوں کی حق تلفی ہوگی۔ اور تم لوگ فارغ البال ہو جانے کی وجہ سے جہاد میں حصہ نہ لو گے لیکن اگر میں یہ علاقہ ان ہی لوگوں کے ہاتھ میں چھوڑ دوں تو ہماری سرحد دشمنوں کے حملہ سے محفوظ رہے گی۔ اور ہم کو سامان حرب اور رسد برابر وصول ہوتی رہیں گی۔ اسی بناء پر انہوں نے تمام زمین کو اس کے پرانے مالکوں کے ہاتھ میں چھوڑ دیا اور خراج کا انتظام کیا۔ (397)

اس مسئلہ میں حضرت عمرؓ نے آیات فے(398) سے استدلال کیا۔ حضرت عمرؓ کا طریقہ استدلال یہ تھا کہ مال فے میں اللہ تعالیٰ نے بعد میں آنے والوں کو بھی شریک کیا ہے۔ اگر زمین فاتحین کے درمیان تقسیم کر دی جائے تو بعد میں آنے والے محروم رہیں گے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایک وقت ایسا آئے کہ غنیمت کی کل جائیداد کا مالک ایک شخص بن جائے اور اس کی اولاد میں وہ لوگ بھی ہوں جو مسلم دشمن اور اسلام مخالف ہوں اور مال غنیمت کو اسلام کی مخالفت اور دوسروں کو اس سے روکنے میں استعمال کریں۔

اور اگر ان زمینوں کو تقسیم نہ کیا گیا تو ان میں صنعاء کے چرواہے کو بھی حصہ مل جائے گا اور اس کی عزت محفوظ رہے گی۔ (399)

امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں عراق و شام کی زمینوں کے بارے میں حضرت عمرؓ کی پالیسی (Policy) پر

تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ ہم یہاں ان کی بحث کا خلاصہ پیش کرتے ہیں۔

عراق کا وہ زرخیز علاقہ جو دجلہ و فرات کے درمیان واقع ہے۔ جس کی سرسبزی و شادابی کی وجہ سے اس کو عرب "سواد عراق" (400) کہا کرتے تھے۔ وہ 16ھ میں فتح ہوا۔ اس سے پہلے شام وغیرہ کے علاقے فتح ہو چکے تھے اور ان میں سے بھی کسی علاقہ کو فوجیوں میں تقسیم نہیں کیا گیا۔ بلکہ حضرت عمرؓ نے سواد عراق کی فتح کے بعد امیر عراق حضرت سعد بن ابی وقاصؓ (م 55ھ / 675ء) کو ان کے خط کے جواب میں یہ ہدایت بھیجی کہ:

> اما بعد' فقد بلغنی کتابک تذکر فیہ ان الناس سالوک ان تقسم بینھم مغانمھم' و ما افاء اللہ علیھم - فاذا اتاک کتابی ھذا فانظر ما اجلب الناس علیک بہ الی العسکر من کراع و مال' فاقسمہ بین من حضر من المسلمین واترک الارضین والانھار لعمالھا لیکون ذلک فی اعطیات المسلمین' فانک ان قسمتھا بین من حضر لم یکن لمن بعدھم شئی (401)
>
> "امابعد! مجھے تمہارا خط ملا جس میں تم نے لکھا ہے کہ لوگوں نے تم سے مطالبہ کیا ہے کہ ان کے اموال غنیمت اور جو کچھ اللہ نے انہیں بطور فئے عطا کیا ہے وہ سب ان کے درمیان تقسیم کر دیا جائے۔ میرا یہ خط پہنچنے کے بعد جائزہ لو کہ لوگ تمہارے پاس لشکر میں از قسم مال و مویشی وغیرہ کیا کیا لے کر آئے ہیں۔ ان تمام چیزوں کو تم ان مسلمانوں کے درمیان تقسیم کر دو جو موجود ہوں (اور جنگ میں شریک رہے ہوں) زمینیں اور نہریں ان پر محنت کرنے والوں کے پاس چھوڑ دو تاکہ یہ مسلمانوں کو وظائف جاری کرنے میں کام آئیں۔ اگر تم انہیں بھی موجود لوگوں کے درمیان تقسیم کر دو گے تو ان کے بعد آنے والوں کے لئے کچھ بھی باقی نہیں بچے گا۔"

حضرت عمرؓ کے اس فیصلہ سے بعض صحابہ (402) نے اس غلط فہمی کی بنا پر اختلاف کیا کہ سنت نبوی کے مطابق اسے فوجیوں کے درمیان تقسیم ہونا چاہیے مگر حضرت عمرؓ نے اس کو تقسیم کرنے سے انکار کیا۔ لیکن جب ان حضرات کا اصرار بہت بڑھ گیا تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ عام صحابہ سے مشورہ کر لیا جائے۔ (403) ان کی جیسی رائے ہو گی ویسا ہی عمل کیا جائے گا۔ اس طرح اراضی کی تنظیم و تقسیم کے بارے میں مشورہ ہوا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ (م 32ھ / 652ء)' حضرت زبیر بن العوامؓ (م 36ھ / 656ء)' اور حضرت بلالؓ (م 20ھ / 640ء) وغیرہ کی رائے یہ تھی کہ مفتوحہ زمین فوجیوں میں تقسیم کر دی جائے۔ اور حضرت علیؓ' حضرت طلحہؓ (م 36ھ / 656ء)' حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ (م 18ھ / 639ء) وغیرہم کی رائے یہ تھی کہ فوجیوں میں تقسیم نہ کی جائے۔ (404)

حضرت عمرؓ نے سب کو جمع کر کے یہ تقریر کی۔ حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

"میں نے آپ لوگوں کو اس لئے جمع کیا ہے کہ میں نے آپ کے معاملات کی جو ذمہ داری اٹھائی ہے اس میں آپ میری مدد کریں۔ اس لئے کہ میں بھی تمہاری طرح ایک انسان ہوں۔ آج آپ لوگوں کو ایک حق بات کا فیصلہ کرنا ہے۔ اس میں آپ یہ نہ دیکھئے کہ کس نے میری مخالفت کی ہے اور کس نے میری موافقت کی ہے میں نہیں چاہتا کہ آپ میری خواہش اور رائے کی پیروی کریں آپ کے ساتھ میں کتاب اللہ موجود ہے جو خود حق بات کو واضح کردے گی۔ میں جو کچھ کہوں گا اس کا مقصد اظہار حق ہوگا۔ (اپنی رائے مسلط کرنا نہیں)"۔(405)

اس تمہید کے بعد آپ نے فرمایا:

"کیا آپ حضرات نے ان لوگوں کی باتیں سنیں جو مجھے اس معاملہ میں شک کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ شاید ان کا خیال ہو کہ میں ان کی حق تلفی کرنا چاہتا ہوں۔ حالانکہ کسی فرد کی بھی حق تلفی کرنا میرے نزدیک صریح ظلم ہے۔ معاذ اللہ! خدا شاہد ہے کہ میں نے کبھی کسی معاملہ میں ان پر ظلم کیا ہو یا اب ظلم کرنے کا ارادہ ہو۔ لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ عراق و شام فتح ہونے کے بعد اور کونسی زمین رہ گئی ہے جس کی آمدنی سے خلافت کا انتظام سنبھالا جاسکے گا۔ یہ تو محض اللہ کا فضل و کرم ہے کہ اس نے کسریٰ (406) کے اموال' زمین' جائیداد اور جفاکش کام کرنے والوں پر ہمیں غلبہ عطا فرمایا ہے۔ آپ لوگ خود اس کے شاہد ہیں کہ اموال منقولہ میں نے فوجیوں میں تقسیم کردیئے ہیں۔ خمس (مال غنیمت کا پانچواں حصہ) بھی مناسب محل پر صرف کردیا گیا ہے۔ اب صرف زمین (جائیداد غیر منقولہ) باقی بچی ہے اس کے متعلق خیال ہے کہ اس کو اس کے آتش پرست مالکوں ہی کے پاس رہنے دیا جائے اور زمین پر خراج (ٹیکس) اور مالکوں پر ان کی جان و مال کی حفاظت کا معاوضہ (جزیہ) مقرر کردیا جائے تاکہ یہ سب آمدنی اجتماعی مفاد کے کاموں میں خرچ کی جائے اور اس کے ذریعہ فوجیوں کی تنخواہوں اور موجودہ اور بعد کے آنے والے لوگوں کا بندوبست کیا جائے۔

آپ ہی بتایئے کہ کیا یہ ممالک سرحدوں کی حفاظت کے بغیر بیرونی حملوں سے محفوظ رہ سکیں گے۔ کیا جزیرہ' کوفہ' بصرہ' عراق و شام اور مصر وغیرہ کے بڑے شہروں میں ان کی حفاظت کے لئے فوجی چھاؤنیوں کی ضرورت نہ ہوگی؟ اگر زمین تقسیم کردی جائے تو فوجیوں کی تنخواہیں اور دوسرے لوگوں کے وظیفوں کی رقم کہاں سے آئے گی۔" (407)

ان مصالح کو بیان کرنے کے بعد پھر فرمایا:

"میں نے جو کچھ فیصلہ کیا ہے وہ اپنے جی سے نہیں بلکہ کتاب اللہ کی روشنی میں ایسا کیا ہے۔ پھر

انہوں نے سورہ حشر کی چند آیات پڑھیں۔ پہلی آیت و ما افاء اللہ علی رسولہ منھم (408) کے بعد فرمایا کہ یہ بنو نضیر کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور آگے والی آیت ما افاء اللہ علی رسولہ من اھل القری (409) آئندہ تمام فتح ہونے والی بستیوں کے لئے ہے۔ اس کے بعد خدا نے مہاجرین کا ذکر کیا۔ پھر انہیں پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ انصار کا بھی ذکر کیا۔ پھر اس پر بھی اکتفاء نہیں کیا بلکہ آخر میں کہا کہ "والذین جاء و من بعدھم" (410) اور ان لوگوں کے بعد جو آئیں (ان کا بھی حق ہے)" (411)

ان آیات کی تلاوت و تفسیر کے بعد آخری ٹکڑے کے بارے میں فرمایا:

فکانت ھذہ عامۃ لمن جاء من بعدھم فقد صار ھذا الفی بین ھولاء جمیعا فکیف نقسمہ لھولاء و ندع من تخلف بعدھم بغیر قسم (412)

"تو یہ آیت ان لوگوں (مہاجرین و انصار) کے بعد آنے والے تمام لوگوں کے لئے عام ہے۔ (اس کی رو سے) اب یہ لئے ان تمام قسم کے لوگوں کا مشترکہ حق قرار پا چکی ہے۔ اب یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ہم اسے انہی لوگوں کے درمیان تقسیم کر دیں اور ان کے بعد آنے والے لوگوں کو حصہ سے محروم کر دیں۔"

پھر آپؓ نے کی لا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم (413) سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا۔

لو قسمتھا بینھم لصارت دولۃ بین الاغنیاء منکم و لم یکن لمن جاء بعدھم من المسلمین شئی و قد جعل لھم فیھا الحق بقولہ (والذین جاوا من بعدھم) (414)

"اگر میں ان کے درمیان اس کو تقسیم کر دوں تو یہ زمین چند دولت مندوں کی جاگیر ہو کر ان ہی میں گردش کرتی رہے گی۔ اور بعد میں آنے والے مسلمانوں کے لئے کچھ بھی نہیں بچے گا۔ حالانکہ اس میں ان کا حق مقرر کیا گیا ہے۔ اللہ کے اس فرمان کی روشنی میں "اور ان لوگوں کے بعد جو آئیں (ان کا بھی حق ہے)"

حضرت عمرؓ کی اس توضیح کے بعد پوری مجلس نے آپ کی تائید ان الفاظ میں کی۔

الرای رایک فنعم ما قلت و ما رایت (415)

"آپ ہی کی رائے (صحیح) رائے ہے۔ آپ نے جو فرمایا وہ خوب ہے اور جو رائے قائم کی وہ بہت موزوں ہے۔"

حضرت عمرؓ کی رائے اور فیصلہ پر تبصرہ کرتے ہوئے امام ابو یوسف فرماتے ہیں۔

"حضرت عمرؓ کی یہ رائے کہ آپ نے مجاہدین اور فاتحین کے درمیان زمین تقسیم کرنے سے انکار کر دیا اور اس کی تائید میں قرآن کریم سے دلائل پیش کئے۔ یہ سب محض توفیق الٰہی کا نتیجہ تھا اور کتاب اللہ پر بصیرت حاصل ہونے کی بناء پر تھا۔ جس حقیقت کو حضرت عمرؓ نے پالیا تھا اس میں اجتماعی لحاظ سے تمام مسلمانوں کی بھلائی تھی۔ لگان کی آمدنی کو ایک جگہ جمع کر کے عام ضروریات پر خرچ کرنا یہ اس سے کہیں زیادہ بہتر تھا کہ زمین کو چند لوگوں میں تقسیم کر دیا جائے اور وہی لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے رہیں اگر لگان کی آمدنی لوگوں کی تنخواہوں اور وظیفوں کے لئے وقف نہ ہوتی تو سرحدوں کی حفاظت اور فوجیوں کی کفالت کس مد سے کی جاتی اور ظاہر ہے کہ کوئی ملک اس قسم کے انتظامات کے بغیر بیرونی حملوں سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔" (416)

آپؓ نے علاقہ سواد کی پیمائش کے لئے حضرت عثمان بن حنیفؓ (م بعد 41ھ / بعد 661ء) کو مقرر کیا کیونکہ وہ زمینوں کی پیمائش کے ضمن میں کافی تجربہ اور فہم و بصیرت رکھتے تھے۔ (417) اور ان کے ساتھ حضرت حذیفہ بن الیمانؓ (حذیفہ بن حسل بن جابر، م 36ھ / 656ء) کو معاون کے طور پر بھیجا۔ (418)

اس کا طول علث سے عبادان تک ایک سو پچیس (125) فرسنگ، اور عرض حلوان سے عذیب تک اسی (80) فرسنگ تھا۔ اس طرح اس علاقے کا کل رقبہ تین کروڑ ساٹھ لاکھ (36000000) جریب تھا۔

حضرت عثمان بن حنیفؓ نے زمینوں کی پیمائش کر کے حسب ذیل شرحوں (Rates) کے مطابق خراج عائد کیا۔

انگور کے باغ پر فی جریب =	دس (10) درہم
کھجور پر فی جریب =	(آٹھ (8) درہم
بانس اور نرکل پر فی جریب =	چھ (6) درہم
گندم کے کھیت پر فی جریب =	چار (4) درہم
جو کے کھیت پر فی جریب =	دو (2) درہم (419)

یعنی حضرت عمرؓ کے دور میں (13ھ تا 24ھ) عراق کی مالگزاری کا بندوبست اس طرح تھا کہ وہاں کی تمام اراضی کی پیمائش کرالی گئی تھی اور ہر جریب زمین پر چاہے وہ مزروعہ ہو یا غیر مزروعہ، خواہ اس میں عملاً کاشت ہوتی ہو یا نہ ہو، خواہ اس کو کنوئیں سے سینچا جاتا ہو یا نہر سے، ایک مقررہ لگان وصول کیا جاتا تھا۔ دوسرے الفاظ میں ان زمینوں پر خراج وظیفہ یا مساحہ عائد کیا گیا تھا اور اس میں کمی بیشی نہیں ہوتی تھی۔ (420)

بعد ازاں حضرت عثمان غنیؓ (24-35ھ / 645-655ء) اور حضرت علی بن ابی طالبؓ (35-40ھ / 656-661ء) کے ادوار میں بھی یہ نظام اسی طرح چلتا رہا۔ بنو امیہ کے دور میں بھی خراج وظیفہ کے طریقہ میں تبدیلی نہ

ہوئی۔ البتہ عبدالملک بن مروان (65-86ھ / 685-705ء) نے اپنے دور میں یہ تبدیلی کی کہ تحصیل خراج کا حساب کتاب رکھنے کے لئے دفتری معاملات میں یہ ضروری قرار دیا کہ ان علاقوں کی قدیم زبانوں کی بجائے عربی زبان کو استعمال کیا جائے۔ (421)

دوسری تبدیلی حضرت عمر بن عبدالعزیز (99-101ھ / 717-719ء) کے عہد میں رونما ہوئی۔ آپ نے عبدالحمید بن عبدالرحمن کو ایک تحریر بھیجی جس میں لکھا کہ غیر مزروعہ زمین پر اتنا خراج نہ لگانا جو آباد زمین پر لگایا جاتا ہے۔ اور نہ آباد زمین کی تشخیص خراج' غیر مزروعہ زمین کے خراج کی شرح سے کرنا۔ جو غیر مزروعہ زمین ہو اسے دیکھ کر اس کی حیثیت کے مطابق خراج عائد کرنا۔ اور جو شخص مسلمان ہو جائے اس سے خراج نہ لیا جائے۔ (422)

بنو امیہ کے بعد جب عباسی خلافت قائم ہوئی تو ابوالعباس عبداللہ بن محمد المعروف بہ سفاح (132-136ھ / 749-753ء) اور ابو جعفر منصور (عبداللہ بن محمد) (136-158ھ / 754-775ء) کے ادوار میں خراج وظیفہ پر عمل ہوتا رہا۔ ابو جعفر منصور نے خراج کے ضمن میں خصوصی دلچسپی لی اور اس نظام میں جو خرابیاں پیدا ہو چکی تھیں ان کو دور کرنے کی کوشش کی۔ ابو عبداللہ محمد بن عبدوس الجہشیاری (م 331ھ / 942ء) کے بیان کے مطابق ابو جعفر منصور نے حماد الترکی کو علاقہ سواد کے محاصل (Taxes) پر نظر ثانی کے لئے بھیجا۔ (423) ابو جعفر منصور کے اقوال سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی حکومت اس وقت تک صحیح نظام نہیں چلا سکتی جب تک کہ خراج کا انتظام صحیح ہاتھوں میں نہ ہو۔ (424) اس کے دور میں مشہور ادیب عبداللہ بن المقفع (م 142ھ / 759ء) نے ایک یادداشت رسالۃ فی الصحابۃ کی صورت میں خلیفہ کو ارسال کی تھی۔ اس میں دیگر انتظامی معاملات کے علاوہ خراج اور امور خراج کی تنظیم کے بارے میں بھی راہنمائی کی گئی تھی۔ ابن المقفع نے ابو جعفر منصور کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کروائی کہ مختلف شہروں کے والی خراج کی شرحیں خود ہی تبدیل کرتے رہتے ہیں۔ اس طرح انہیں رعایا پر ظلم و ستم کرنے کا موقع ملتا ہے۔ اس نے مشورہ دیا کہ یہ شرحیں خود خلیفہ کی طرف سے متعین کی جانی چاہیں۔ (425)

ابو جعفر منصور کے بعد 158ھ / 775ء) میں محمد بن منصور الملقب بہ مہدی خلیفہ بنا۔ اس کے عہد (158-169ھ / 775-785ء) میں یہ تبدیلی رونما ہوئی کہ نظام المساحۃ کی بجائے نظام المقاسمہ کو رائج کیا گیا۔ (426) اس کے وزیر ابو عبیداللہ معاویہ بن عبیداللہ بن یسار (427) (م 170ھ / 786ء) نے مختلف قسم کی زمینوں کے لئے خراج مقاسمہ کی مندرجہ ذیل شرحیں مقرر کیں۔

(ا) چشموں اور بارش سے سیراب ہونے والی زمین کا خراج = پیداوار کا 1/2

(ب) ڈول اور رہٹ سے سیراب ہونے والی زمین = پیداوار کا 1/3

(ج) ضروری محنت اور اور اجرت سے زائد رہٹ کی مدد سے سیراب ہونے والی زمین سے = پیداوار کا 1/4 (428)

اگرچہ اس اصلاح سے خراج کی آمدنی میں کافی اضافہ ہو گیا لیکن مہدی نے اپنے دور حکومت میں فضول کاموں پر کافی رقم صرف کر دی اور جب مزید رقم کی ضرورت پڑی تو مصر اور دو آبہ دجلہ و فرات میں خراج کی شرحیں بڑھا دی گئیں۔(429)

چنانچہ بارانی زمینوں کی پیداوار پر ابو عبید اللہ معاویہ کی تجویز کردہ شرح (پیداوار کا 1/2) کو بدل کر اس کی جگہ 3/5 حصہ وصول کرنے کا فرمان جاری کیا۔(430)

اس کے بعد موسیٰ بن مہدی الملقب بہ ہادی (169-170ھ / 785-786ء) کے دور میں بھی یہی شرح نافذ رہی۔(431) خراج کی اس شرح کو غیر معمولی بوجھ سمجھتے ہوئے عوام میں اضطراب پیدا ہونا ایک فطری امر تھا۔ ربیع الاول 170ھ / 786ء) میں جب ہارون الرشید حکمران بنا تو اس نے اپنے وزیر یحییٰ بن خالد البرمکی (م 190ھ / 806ء) کی تجویز پر بارانی زمینوں کے خراج کی شرح 3/5 سے کم کر کے پھر 1/2 کر دی۔(432)

لیکن ہارون الرشید (170-193ھ / 786-809ء) ابو عبید اللہ معاویہ کی شرحوں سے مطمئن نہ تھا۔ کیونکہ ان سے عوام پر کافی بوجھ پڑ گیا تھا۔ یہ تھے وہ حالات جن میں خلیفہ نے ایک عادلانہ نظام مالیات کی تشکیل کے لئے امام ابو یوسف سے راہنمائی طلب کی۔

امام ابو یوسف کا کردار

امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں خراجی زمینوں کے محاصل (Taxes) پر بڑی تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ ان زمینوں کے اسلامی مملکت میں شامل ہونے اور ان کے نظام محاصل کی پوری تاریخ بیان کرنے کے بعد انہوں نے نظام المساحہ اور نظام المقاسمہ کا تقابلی جائزہ پیش کیا ہے۔ آپ بڑی تفصیل سے وہ واقعات سامنے رکھتے ہیں جن میں اس نئے نظام کی ضرورت محسوس ہوئی۔

حضرت عمرؓ کے عہد میں ایسی زمین جو زراعت کے لائق نہ ہو یا جس میں عملاً" کاشت نہ ہوتی ہو کم تھی۔ لیکن امام ابو یوسف کے زمانہ میں کاشتکاروں کی مسلسل بدحالی' بہت سے کاشتکاروں کے مسلمان ہونے اور دوسرے پیشے اختیار کرنے' نیز دیگر اسباب کی بناء پر تقریباً سو برس سے ایسی اراضی بہت بڑھ گئی تھی جس میں کاشت نہیں ہوتی تھی۔ اس لئے حالات کا تقاضا تھا کہ مالگزاری کے نظام میں ترمیم کی جائے قاضی صاحب نے پہلے بڑے بڑے ماہرین مالگزاری سے مشورہ کیا مگر کسی نے ایسا حل تجویز نہیں کیا جس سے کاشتکاروں کا بوجھ ہلکا ہو تا' پھر انہوں نے بڑے بڑے کاشتکاروں کی ایک کانفرنس منعقد کی' سب نے یک زبان ہو کر وہ اسباب جو اوپر بیان ہوئے پیش کئے اور کہا کہ ہمارے پاس نہ اتنی رقم ہے اور نہ اتنے آدمی کہ ہم اس زمین کو جو سو برس سے معطل پڑی ہے کاشت کے لائق بنائیں یہ کام آہستہ آہستہ ہونے

سکتا
کا ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ ہماری مالی حالت بہتر ہو اور وہ اس طرح کہ ہم سے صرف اتنی اراضی کا لگان لیا جائے جو بالفعل زیر کاشت ہو اور لگان اتنا ہو کہ ہم آسانی سے ادا کر سکیں اور کچھ پس انداز بھی کر لیں جس سے معطل اراضی کو لائق کاشت بنایا جا سکے۔

امام ابو یوسف کتاب الخراج میں نظام المساحہ پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

نظرت فی خراج السواد و فی الوجوه التی یجبی علیها و جمعت فی ذلک اهل العلم بالخراج وغیرهم و ناظرتهم فیه فکل قد قال فیه بما لایحل العمل به' فناظرتهم فیما کان وظف علیهم فی خلافة عمر ابن الخطاب رضی اللّٰه تعالٰی عنه فی خراج الارض واحتمال ارضهم اذ ذاک لتلک الوظیفة(433)

"میں نے سواد کے خراج اور اس کے محاصل وصول کرنے کے طریقوں پر غور کیا اس سلسلہ میں میں نے خراج کے متعلق علم رکھنے والوں اور دوسرے حضرات کو جمع کر کے ان سے بحث و مذاکرہ بھی کیا' کیونکہ ہر ایک نے اس باب میں ایسی آراء ظاہر کی ہیں جن پر عمل جائز نہیں ہو گا میں نے ان سے ان محاصل کی بابت گفتگو کی جو عمر بن الخطابؓ کے عہد خلافت میں ان لوگوں پر زمین کے خراج کے طور پر عائد کیے گئے تھے اور یہ بات سامنے رکھی کہ اس وقت ان کی زمینیں ان محاصل کا بار برداشت کر سکتی تھی۔"

آگے چل کر مزید لکھتے ہیں۔

فذکروا ان العامر کان من الارضین فی ذلک الزمان کثیرا و ان المعطل منها کان یسیرا و وصفوا کثرة العامر الذی لا یعمل و قلة العامر الذی یعمل و قالوا لو اخذنا بمثل ذلک الخراج الذی کان حتی یلزم للعامر المعطل مثل ما یلزم للعامر المعتمل' ثم نقوم بعمارة ما هو الساعة عامر و لا نحرثه لضعفنا عن اداء خراج ما لم نعمله و قلة ذات ایدینا؟ فاما ما تعطل منذ مائة سنة واکثر و اقل فلیس یمکن عمارته و لا استخراجه فی قریب' و لمن یعمر ذلک حاجة الی مونة و نفقة لا تمکنه فهذا عذرنا فی ترک عمارة ما قد تعطل (434)

"لیکن ان لوگوں نے یہ کہا کہ اس زمانہ میں زیادہ تر زمینیں آباد تھیں اور ایسی زمینیں کم تھیں جن پر کاشت نہ کی جاری ہو' اور اب ایسی کار آمد زمینیں زیادہ ہیں جن پر کاشت نہیں کی جاری ہے اور ایسی کار آمد زمینیں کم ہیں

جن پر کاشت بھی کی جا رہی ہے انہوں نے کہا کہ اگر ہم سے اب بھی خراج کی وہی شرحیں وصول کی گئیں جو (حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مقرر کی گئی) تھیں تو ان کار آمد زمینوں پر جو زیر کاشت نہیں ہیں وہی مالیہ عائد ہو گا جو زیر کاشت زمینوں پر ہو گا اور پھر ہمیں (لازماً) ان زمینوں کی آباد کاری کا انتظام کرنا ہو گا جو آج کل بالکل بنجر ہو چکی ہیں حالانکہ ان کی کاشت ہم نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ایک تو ہم ان زمینوں کا خراج ادا کرنے سے بھی قاصر ہو رہے ہیں جو زیر کاشت نہیں ہیں اور دوسرے پاس سرمایہ بھی بہت کم رہ گیا ہے۔ رہیں وہ زمینیں جو کم و بیش سو سال سے بے کار پڑی ہیں تو بھی مستقبل قریب میں ان کی بازیافت اور آباد کاری کا امکان نظر نہیں آتا۔ ایسی زمینوں کو آباد کرنے والوں کو اتنے زیادہ مصارف برداشت کرنے ہوں گے جو سر دست استطاعت سے باہر ہیں۔ معطل زمینوں کی "آباد کاری سے گریز کا ہمارے پاس یہی عذر ہے۔)"

اس کے بعد امام ابو یوسف کہتے ہیں۔

فرايت ان وظيفة من الطعام - كيلا مسمى او دراهم مسماة توضع عليهم مختلفا فيه دخل على السلطان و على بيت المال، و فيه مثل ذلك على اهل الخراج بعضهم من بعض اما وظيفة الطعام، فان كان رخصا فاحشا لم يكتف السلطان بالذى وظف عليهم و لم يطب نفسا بالحط عنهم و لم يقو بذلك الجنود و لم تشحن به الثغور، و اما غلاء فاحشا لا يطيب السلطان نفسا بترك ما يستفضل اهل الخراج من ذلك(435)

"(ان باتوں پر غور کرنے کے بعد) اب میں نے یہ رائے قائم کی ہے کہ محصول کے طور پر غلہ کی کوئی متعین مقدار یا درہموں کی کوئی متعین تعداد مختلف شرحوں کے ساتھ ان پر عائد کرنا سلطان اور بیت المال کے لئے نقصان کا باعث ہو گا۔ یہ شکل خراج ادا کرنے والی رعایا کے باہمی معاملات کے لئے بھی مضر ہو گی۔

جہاں تک متعین مقدار غلہ کی شکل میں خراج عائد کرنے کا سوال ہے تو اگر غلہ بہت زیادہ سستا ہوا تو سلطان اس مقدار کو کافی نہیں سمجھے گا جو ان پر عائد کی گئی ہے اور نہ وہ بطیب خاطر اس تخفیف کو گوارا کرے گا۔ ان (تھوڑے محاصل) کے ذریعہ فوجوں کی ضروری قوت نہ بہم پہنچائی جا سکے گی اور سرحدوں پر فوجی چوکیوں کا قیام و انتظام ٹھیک طرح نہ ہو سکے گا۔

اگر غلہ بہت زیادہ گراں ہوا تو خراج ادا کرنے والوں کو مقدار مقررہ زیادہ معلوم ہو گی لیکن سلطان کو اس میں تخفیف گوارا نہیں ہو گی)"

نظام المساحہ کی ایک اور خرابی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امام ابو یوسف رقم طراز ہیں۔

و اما ما يدخل على اهل الخراج فيما بينهم فلا مثلها تين الطبقتين من مساحة او طرادة و اى ذلك كان غلب عليه اهل القوة اهل الضعف و استاثروا به و حملوا الخراج على غير اهله و على الانكار مع اشياء كثيرة تدخل فى ذلك لو لا ان تطول لفسر تها(٤٣٥)

"(غلہ کی مقررہ مقدار یا دراہم کی متعینہ تعداد وصول کرنے کی شکل میں) خراج ادا کرنے والوں کو ایک دوسرے سے جو نقصان پہنچتا ہے اس کی نوعیت یہ ہے کہ ان محاصل کی تحصیل کے لئے (کھیتوں کی) پیمائش' یا کسی اور طرح کے نشانات قائم کرنا ناگزیر ہوگا۔ ان میں سے جو شکل بھی اختیار کی جائے' طاقت ور لوگ کمزوروں پر مسلط ہو جائیں گے۔ یہ کام خود اپنے ہاتھ میں لے لیں گے اور خراج کا بار ان لوگوں کے سر ڈال دیں گے جن پر اس کا بار نہیں پڑنا چاہیے۔ باوجود ان کے احتجاج و انکار کے ایسا ہی ہوگا۔ اس کے علاوہ اس سلسلہ میں اور بہت سی قابل توجہ باتیں سامنے آتی ہیں۔ اگر طوالت کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ان سب کو وضاحت سے بیان کرتا۔"

ان مندرجہ بالا اقتباسات سے امام ابو یوسف کے معاشی افکار کے درج ذیل نکات سامنے آتے ہیں۔

(1) حضرت عمرؓ کے دور میں نظام المساحۃ' زمین کی حالت کے مطابق درست تھا۔ اس طریقہ سے کاشتکاروں میں زیادہ محنت اور عمل کا جذبہ پیدا ہوا زمین کی آبادکاری میں اضافہ ہوا' اشیاء کی قیمتیں (Prices) کم ہوئیں۔

(2) حضرت عمرؓ کے دور کے اقتصادی حالات اب بدل چکے ہیں۔ کچھ اراضی (Lands) سنگینی اور کم محنت کی وجہ سے خراب ہو چکی ہیں۔ اس دور میں آباد زمینیں زیادہ تھیں اور ایسی زمینیں کم تھیں جن پر کاشت نہ کی جارہی ہو لیکن اب ایسی کار آمد زمینیں زیادہ ہیں جن پر کاشت نہیں کی جارہی اور ایسی کار آمد زمینیں کم ہیں جن پر کاشت کی جارہی ہے۔ اس لئے حالات میں تبدیلی کا تقاضا یہ ہے کہ نظام (System) میں بھی تبدیلی کی جائے۔

(3) زرعی زمینوں (Agricultural lands) پر متعین مقداروں میں محصول عائد کرنا عدل کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتا۔ یہ طریقہ سلطان اور کاشتکار دونوں کے لئے نقصان دہ ہے۔

فرض کریں کہ محصول غلہ کی ایک متعین مقدار کی شکل میں عائد کیا گیا ہے۔ اب غلہ کی قیمت میں کمی واقع ہوگی یا اضافہ ہوگا۔ اگر قیمت میں کمی واقع ہوئی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ سلطان کو جو کچھ وصول ہوگا اس کی فروخت سے اس کو اس سے کم آمدنی ہوگی جو غلہ کے سستا ہونے سے پہلے ہوتی تھی چونکہ ریاست کے اخراجات مثلاً فوجیوں کی تنخواہیں' سرحدی چھاؤنیوں کی تعمیر وغیرہ نقد رقوم کے ذریعے پورے کئے جاتے ہیں۔ لہٰذا آمدنی میں کمی سے یہ ذمہ داریاں پوری نہ ہو سکیں گی۔ اگر غلہ کی قیمت میں اضافہ ہو گا تو اس صورت میں کاشتکاروں کو غلہ کی ایک متعین مقدار دینا گراں

گزرے گا۔

(4) اگر خراج نقدی کی صورت میں متعین ہو گا تو اس کے نتائج حکومت اور کاشتکار دونوں کے لئے نقصان دہ ہوں گے۔ قیمتیں بلند ہونے کی صورت میں حکومت اور مزارعین دونوں کو کوئی فائدہ نہ ہو گا۔ اس طرح قیمتوں کے بڑھنے اور کم ہونے کی صورت میں نظام المساحہ مناسب نہیں ہے۔ یہ نظام حکومت اور کاشتکار دونوں کے حقوق چھیننے والا ہے۔

(5) یہ نظام عنقریب کاشتکاروں کے مابین ایک دوسرے پر ظلم کرنے کا سبب بنے گا۔ قوی لوگ کمزوروں پر ظلم کریں گے۔ زراعت کے شعبہ میں تمام ممکنہ فوائد وہ حاصل کر لیں گے جبکہ کمزوروں کے لئے کچھ نہیں چھوڑیں گے۔ خراج کا سارا بوجھ کمزوروں پر ڈال دیا جائے گا اور کاشتکاروں کے درمیان جھگڑے و فسادات بڑھ جائیں گے۔

(6) زمین کے ایک بڑے حصے کے خراب ہو جانے کی وجہ سے خراج کا نظام متاثر ہوا ہے۔ لوگ ایسی زمینوں کی اصلاح کرنے سے اس لئے عاجز ہیں کہ ان کے پاس وسائل کی کمی ہوتی ہے اور وہ اخراجات (Expenses) برداشت نہیں کر سکتے۔ زمین کے بعض حصوں کو آباد کرنا بہت مشکل ہے۔ زراعت نہ کر سکنے کی وجہ سے وہ خراج ادا کرنے سے بھی عاجز ہیں۔ پس نظام وظیفہ کی صورت میں تو زمین پر خراج اس وقت بھی عائد ہو جاتا ہے جب اس میں زراعت ہی نہ کی گئی ہو۔

(7) زمینوں کی آبادکاری کے لئے سخت محنت اور کثیر رقم کی ضرورت ہوتی ہے اور بہتر پیداوار کے حصول کے لئے ایک طویل مدت درکار ہوتی ہے۔

خراج وظیفہ کے نظام کے تحت کاشتکاروں کو جو کچھ ادا کرنا پڑتا ہے وہ ان کی زمین کی پیداوار سے دگنا ہوتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ کاشتکار طبقہ یہ سمجھتا ہے کہ خراج کا یہ نظام ہی ان کی زمین کے خراب ہونے کا سبب ہے۔ امام ابو یوسف اس ضمن میں ان کے ساتھ اتفاق کرتے ہیں۔

امام ابو یوسف یہ رائے دیتے ہیں کہ زمینوں کے خراب ہو جانے کی وجہ سے نظام المساحہ کے تحت اگر کاشتکاروں سے خراج وصول کیا جائے گا تو یہ ان پر ظلم ہو گا۔ انہوں نے خراج وظیفہ کی خرابیاں بیان کرنے کے بعد نظام المقاسمہ (پیداوار میں ایک متعین نسبت کے ساتھ شرکت کے اصول) کی سفارش کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہی طریقہ درختوں، کھجوروں اور انگور کی بیلوں والی زمینوں کے لئے بھی اختیار کیا جائے۔ اس طریقے کو وہ حکومت اور کاشتکار دونوں کے لئے زیادہ مفید اور عادلانہ قرار دیتے ہیں۔ کسانوں کی بہتری اور زراعت کی توسیع کے لئے یہ ایک سنہری اصول ہے۔ آپ کتاب الخراج میں لکھتے ہیں۔

و لم اجد شیئا اوفر علی بیت المال و لا اعفی لاھل الخراج من التظالم فیما بینھم و حمل بعضھم علی بعض، و لا اعمی لھم من عنب و لا نھم و

عمالهم من مقاسمة عادلة خفيفة فيها للسلطان رضا و لاهل الخراج من التظالم فيما بينهم و حمل بعضهم على بعض راحة و فصل (437)

"میرے خیال میں پیداوار کے اندر ایک منصفانہ ہلکی سی نسبت سے حصہ دار بن جانا بیت المال کی آمدنی بڑھانے' خراج ادا کرنے والوں کو ایک دوسرے کی دست درازیوں اور ایک دوسرے پر بے جا بار ڈالنے سے بچانے نیز ان کو والیوں اور دوسرے افسران حکومت کے ظلم و زیادتی سے محفوظ رکھنے کا بہترین طریقہ ہے۔ اس طریقہ سے سلطان بھی راضی رہے گا اور خراج ادا کرنے والے بھی ایک دوسرے کے ظلم و زیادتی سے محفوظ رہتے ہوئے سکھ چین اور کشادہ حالی کی زندگی بسر کر سکیں گے۔
"

امام ابویوسف کا نقطہ نظریہ ہے کہ زمانے کے حالات کی تبدیلی کی بناء پر نظام المقاسمہ کی سابق شرحیں قابل عمل نہیں رہیں۔ اب اگر انہیں شرحوں کے مطابق خراج وصول کیا جائے گا تو یہ کاشتکار طبقہ پر ناقابل برداشت بوجھ ہو گا۔ اس کا نتیجہ یہ برآمد ہو گا کہ لوگ اپنی زمینیں کاشت کرنا چھوڑ دیں گے اور اس طرح بیت المال کی آمدنی میں بھی کمی واقع ہو گی۔ امام ابویوسف مختلف قسم کی اراضی (Lands) پر محاصل Taxes کی مختلف شرحیں (Rates) تجویز کرتے ہیں۔

رایت ابقی الله امیر المومنین ان یقاسم من عمل الحنطة والشعیر من اهل السواد جمیعا علی خمسین للسیح منه' و اما الدوالی فعلی خمس و نصف و اما النخل والکرم والرطاب والبساتین فعلی الثلث' و اما غلال الصیف فعلی الربع ولا یوخذ بالحرس فی شئی من ذلک ولا یحرر علیهم شئی منه یباع من التجار' ثم تکون المقاسمات فی اثمان ذلک او یقوم ذلک قیمة عادلة لا یکون فیها حمل علی اهل الخراج و لا یکون علی السلطان ضرر' ثم یوخذ منهم ما یلزم من ذلک' ای ذلک کان اخف علی اهل الخراج فعل ذلک بهم' و ان کان البیع و قسمة الثمن بینهم و بین السلطان اخف فعل ذلک بهم (438)

"امیر المومنین کو اللہ باقی رکھے میری رائے یہ ہے کہ وہ سارے باشندگان سواد (439) سے گیہوں اور جو کی کاشت پر چشموں سے بہتے ہوئے پانی سے سیراب ہونے والی زمینوں کی پیداوار کے 2/5 پر معاملہ کریں اور رہٹ سے سیراب کی جانے والی زمینوں میں پانچ اور نصف (یعنی 3/10 پیداوار) پر' کھجور کے درختوں' انگور' پختہ کھجور اور باغات میں ایک تہائی (1/3) پر اور گرمی میں پیدا ہونے

والے غلوں میں سے چوتھائی (1/4) پر معاملہ کریں۔ ان میں سے کسی چیز پر بھی خراج کی وصولی اندازہ کر کے نہ ہو۔ نہ ہی کوئی چیز تخمینہ سے طے کی جائے (بلکہ پیداوار) تاجروں کے ہاتھ فروخت کر دی جائے۔ پھر اس کی مجموعی قیمت میں سے حصے تقسیم کر لیے جائیں یا اس کی ایک منصفانہ قیمت لگائی جائے جس میں نہ تو خراج ادا کرنے والوں پر کوئی زیادتی ہو نہ حکومت کا کوئی نقصان۔ اور پھر اس حساب سے ان کے ذمہ جو کچھ نکلتا ہو وہ لے لیا جائے ان دونوں صورتوں میں سے جو صورت خراج ادا کرنے والوں کے لئے سہل تر ہو وہی اختیار کی جائے۔ اگر (پیداوار کو) فروخت کر کے اس کی قیمت کو ان کے اور حکومت کے درمیان تقسیم کر دینا زیادہ سہل ہو تو ان کے ساتھ یہی طریقہ اختیار کیا جائے۔"

امام ابو یوسف نے خراج کے اس مجوزہ نظام کے لئے خیبر کے واقعہ سے استدلال کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح خیبر کے بعد یہ علاقہ یہودیوں کو خراج مقاسمہ پر دیا تھا یعنی ان سے نصف پیداوار پر معاملہ کر لیا تھا۔

امام ابو یوسف اس ضمن میں ان تمام معاملہ احادیث کے حوالے بڑے اچھے انداز سے پیش کرتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں آپ کے نظریہ کے مطابق یہ مقاسمہ کا طریقہ مشہور معاملوں مثلاً مزارعت' مساقات اور کراء للارض کے مشابہ ہے۔

امام ابو یوسف 'حضرت عمر بن الخطاب (13-24ھ / 634-645ء) کے طرز عمل سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ ان کا نقطہ نظر یہ ہے کہ آپؓ کے دور میں بعض علاقوں میں کاشتکاروں کے ساتھ پیداوار میں شرکت کے اصول پر معاملہ کیا گیا تھا۔(440)

امام ابو یوسف کے نزدیک جس طرح کاشتکاروں سے زیادہ وصول کرنا ظلم اور ضرر ہے۔ اسی طرح خراج میں سے کچھ چھوڑ دینا بھی ظلم و ضرر ہے آپ کتاب الخراج میں لکھتے ہیں۔

و لا یحل لوالی خراج ان یہب لرجل من خراج ارضہ شیئا الا ان یکون الامام قد فوض ذلک الیہ فقال لہ = ھب لمن رایت ان فی ھبتک لہ صلاحا للرعیۃ و استدعا الخراج و لا یسع من یھب لہ والی الخراج شیئا من الخراج بغیر اذن الامام۔ قبول ذلک و لا یحل لہ حتی یودی جمیع ما یجب علیہ من الخراج لان الخراج صدقۃ الارض' و ھو فی لجمیع المسلمین(441)

"محصل خراج کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی فرد کو اس کی زمین کے مالیہ میں سے کچھ بطور امداد

بخش دے ایسا وہ صرف اس شکل میں کر سکے گا جب امام اسے اس کا اختیار دے اور یہ ہدایت کرے کہ اگر وہ عوام الناس کی بہبود اور خراج کی آمدنی میں اضافہ کی خاطر کسی کے ساتھ اس طرح کی بخشش مناسب سمجھے تو کر سکتا ہے۔

اگر امام کی اجازت کے بغیر والی خراج کسی فرد کو خراج میں سے اس طرح کی بخشش دیتا ہے تو اس کے لئے اسے قبول کرنا جائز ہو گا۔ اس کی ذمہ داری ہے کہ اپنے اوپر واجب خراج پورا پورا ادا کرے کیونکہ خراج زمین کی زکوۃ ہے اور سارے مسلمانوں کے لئے فئے کی نوعیت رکھتا ہے۔)"

امام ابو یوسف نے خراج وظیفہ کی جگہ خراج مقاسمہ تجویز کرتے وقت خراج کی جو شرحیں بیان کی ہیں وہ بظاہر حضرت عمرؓ کی پالیسی سے متضاد نظر آتی ہیں۔ چنانچہ امام ابو یوسف خود اس کا ذکر کرتے ہیں اور پھر اس کا تسلی بخش جواب بھی دیتے ہیں۔ اس ضمن میں امام ابو یوسف کے فکر کا خلاصہ یہ ہے۔

(1) حضرت عمرؓ کے دور میں جو متعین مقدار میں خراج عائد کیا گیا تھا اس کی شرحیں عوام کے لئے قابل برداشت تھیں۔

(2) یہ متعین شرحیں عائد کرتے وقت حضرت عمرؓ کا یہ منشاء ہرگز نہ تھا کہ اس میں تبدیلی ناممکن ہے اور بعد کے خلفاء کو ان میں کمی بیشی کا کوئی اختیار نہیں ہو گا۔

(3) حضرت عمرؓ کی پالیسی یہ تھی کہ عوام پر خراج کا بوجھ کم سے کم ڈالا جائے۔ اور اگر آپ چاہتے تو ان شرحوں میں کمی بیشی کر سکتے تھے اسی لئے تو انہوں نے حضرت حذیفہ بن الیمانؓ اور حضرت عثمان بن حنیفؓ کو یہ کہا تھا کہ شاید تم دونوں نے زمین پر اس کی برداشت سے زیادہ بوجھ ڈال دیا ہے؟ اگر وہ اثبات میں جواب دیتے تو آپ خراج کی شرحوں پر ضرور نظر ثانی کرتے ہوئے کمی کر دیتے۔

(4) ان کا حضرت عمرؓ کو یہ جواب دینا کہ ہم نے اتنا ہی خراج عائد کیا ہے جس کو زمین برداشت کر سکتی ہے بلکہ بہت کم وصول کیا ہے اور اگر ہم چاہتے تو اس سے دوگنا بھی عائد کر سکتے تھے۔ (۲۲۲) اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت عمرؓ کے دور کی شرحوں میں تبدیلی ممکن ہے اور یہ تبدیلی کرتے وقت زمین کی حالت کو دیکھنا ضروری ہے۔

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ خراج مقاسمہ کے تحت شرحیں تجویز کرتے وقت ہم نے حضرت عمرؓ کی پالیسی ہی کی پیروی کی ہے تاکہ حکومت کی ضروریات بھی پوری ہوتی رہیں اور عوام بھی ان شرحوں کو اپنے اوپر بوجھ تصور کرتے ہوئے زراعت میں دلچسپی لینا نہ چھوڑ دیں۔ آپ کتاب الخراج میں فرماتے ہیں۔

فلما رأينا ما كان جعل على أرضهم من الخراج يصعب عليهم و رأينا أرضهم غير محتملة له و رأينا الحنهم بذلك داعيا الى جلائهم عن أرضهم و تركهم

لہا و قد کان عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و ھو الذی جعل الخراج علیھم سال عنھم - ایطیقون ذلک ام لا؟ و تقدم فی ان لا یکلموا فوق طاقتھم' اتبعنا ما امر بہ و تقدم فیہ و رجونا ان یکون الرشد فی امتثال امرہ۔ فلم نحملھم ما لا یطیقون و لم ناخذھم من الخراج الا بما تحتملہ ارضھم(443)

"اب ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ ان لوگوں کی زمینوں پر جتنا خراج عاید کیا گیا تھا اس کی ادائیگی ان کے لئے دشوار ہو گئی ہے۔ اور ان کی زمین اب اسے برداشت کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی اگر ہم اب بھی ان پر وہی شرحیں عائد کرتے ہیں تو اس سے ان کے اندر اپنی زمین چھوڑ کر چلے جانے کا رجحان پیدا ہو گا اور اس طرح ہم ان کی جلاوطنی کے اسباب فراہم کریں گے۔ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے' جنھوں نے اولاً" ان پر یہ خراج عائد کیا تھا' ان کے بارے میں یہ دریافت کیا تھا کہ وہ اس خراج کو برداشت کر سکیں گے یا نہیں۔ آپ نے ہدایت کی تھی کہ ان لوگوں پر ان کی برداشت سے زیادہ بار نہ ڈالا جائے۔ ان تمام باتوں کے پیش نظر ہم نے یہی مناسب سمجھا کہ اس باب میں اس اصول کی پیروی کریں جس کی تاکید خود عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کی ہے' اور جس کی تلقین آپ نے (اپنے عمال کو) کی تھی۔ ہمیں توقع ہے کہ بھلائی آپ کی ہدایت کی پیروی میں ہی مضمر ہے۔ چنانچہ ہم نے ان لوگوں پر وہ بوجھ نہیں ڈالا جس کو وہ برداشت نہیں کر سکتے۔ اور ان سے صرف اسی قدر خراج وصول کرنے کی تجویز پیش کی جسے ان کی زمین برداشت کر سکے۔"

آپ مزید لکھتے ہیں۔

و مما یدل علی ان للامام ان ینقص و یزید فیما یوظفہ من الخراج علی اھل الارض علی قدر ما یحتملون و ان یصیر علی کل ارض ماشاء بعد ان لایجحف ذلک باھلھا من مقاسمۃ الغلات او من دراھم علی مساحۃ جربانھا ان عمر رضی اللہ عنہ جعل علی اھل السواد علی کل جریب عامر او عامر قفیزا و درھما؟ و علی الجریب من النخل ثمانیۃ دراھم و قد قالوا انہ الغی النخل عونا لاھل الارض' و قالوا انہ جعل فیما سقی منہ سیحا العشر و فیما سقی بالدالیۃ نصف العشر و ما کان من نخل عملت ارضہ فلم یجعل علیہ شیئا؟ و جعل علی الکرم والرطاب و غیر ذلک مما قد ذکرناہ(444)

"امام کو اس بات کا اختیار حاصل ہے کہ وہ اہل زمین پر جو خراج عائد کرے اس میں ان کی قوت برداشت کے

مطابق کمی بیشی کرسکے اور اہل زمین پر بے جا بار ڈالنے سے پرہیز کرتے ہوئے ان سے پیداوار میں شرکت یا رقبہ اراضی کے حساب سے نقد مالیہ پر معاملہ کرے۔ اس کی ایک دلیل حضرت عمرؓ کا وہ طرز عمل ہے جو آپ نے باشندگان سواد کے سلسلہ میں اختیار کیا تھا آپ نے ان پر فی جریب ایک قفیز غلہ اور ایک درہم نقد عائد کیا تھا۔ خواہ زمین زیر کاشت ہو یا نہ ہو۔ نخلستانوں پر آپ نے فی جریب آٹھ درہم عائد کیا تھا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ نے زمین والوں کی آسانی کے لئے نخلستانوں کو محصول سے معاف رکھا تھا (راویوں نے) کہا ہے کہ آپ نے بہتے پانی سے سینچے جانے والے نخلستانوں پر عشر اور ڈول سے سینچے جانے والے نخلستانوں پر نصف عشر عائد کیا تھا۔ اور جن نخلستانوں کی زمینوں پر (دوسری اجناس کی) کاشت کی جاتی تھی ان پر کچھ محصول نہیں لگایا تھا۔ آپ نے انگور کی بیلوں اور ترکاریوں وغیرہ پر ان شرحوں کے مطابق مالیے عائد کئے تھے جن کا ذکر ہم اوپر کر چکے ہیں۔"

نظام المقاسمہ کے بارے میں اوپر دیئے گئے اقتباسات سے ہم امام ابو یوسف کے معاشی فکر کے درج ذیل نکات اخذ کرسکتے ہیں۔

(ا) یہ طریقہ حکومت اور کاشتکار دونوں کے لئے مفید اور منصفانہ ہے۔

(ب) یہ طریقہ اختیار کرنے سے ملکی پیداوار (Production) اور قومی آمدنی (National Income) میں اضافہ ہوگا۔

(ج) مختلف شرحوں (Rates) کا تعین کرتے وقت انصاف کے پہلو کو پیش نظر رکھا جائے اتنی ہی شرح سے ٹیکس عائد کیا جائے جس سے نہ تو ٹیکس دہندگان (Tax-payers) سے ان کی حیثیت سے بڑھ کر وصول کرنا پڑے اور نہ ہی اتنی کم شرح ہو کہ حکومت کو نقصان کا خطرہ لاحق ہو۔

(د) اگر دونوں (یعنی حکومت اور کاشتکار) کے لئے مناسب ہو تو پیداوار فروخت بھی کی جا سکتی ہے اور اس کی قیمت ٹھیک تناسب سے ٹیکس دہندہ اور حکومت میں تقسیم کردی جائے۔

(ر) یہ طریقہ کاشتکار طبقہ کو افسران حکومت (Government Officers) کی چیرہ دستیوں سے محفوظ رکھے گا۔

(2) خراج کی وصولی میں قبالہ کے نظام کی ممانعت

قبالہ کا مفہوم

قبالہ کے لفظی معنی ٹھیکہ اور ضمانت کے ہیں۔ قبالہ اور ضمان کو ایک ہی مفہوم کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ ضامن کا معنی یہ ہے کہ وہ شخص جو کوئی کام کرنے کی یقین دہانی کراتا ہے یا ضمانت دیتا ہے۔ یعنی قبالہ کی اصطلاح میں یقین

دہانی یا ضمانت کا مفہوم پوشیدہ ہے۔ لاک گارڈ (Lokke gaard) کے نزدیک قبالہ یا ضمان بزنطیسی ادارہ "Locatio" کے ہم معنی لفظ ہے۔(445)

اکثر مسلم فقہاء اور مورخین جب قبالہ اور ضمان کی اصطلاحات کو خراج کے موضوع میں زیر بحث لاتے ہیں تو وہ ان کی تعریفوں کا تعین نہیں کرتے۔ البتہ مشہور لغت نویسوں نے اپنی کتب میں قبالہ کا مفہوم متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ ابوالفضل محمد بن مکرم ' ابن منظور (م 711ھ / 1311ء) نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ (م 68ھ / 687ء) سے مروی ایک حدیث کا حوالہ دے کر بات شروع کی ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

ایاکم والقبالات فانها صغار و فضلها ربا (446)

"القبالات (قبالہ کی جمع) سے دور رہو کیونکہ اس میں عجز و نیاز پایا جاتا ہے اور اس کا منافع ربا ہے۔"

ابن منظور اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے آپ پر ذمہ داری ڈالتے ہوئے خود ہی خراج ادا کیا جائے۔ ابن منظور کا موقف یہ ہے کہ قبالہ 'کفالہ (ضمانت) کی ایک شکل ہے۔(447) فخرالدین بن محمد بن علی ' الطریحی (م 1085ھ / 1674ء) اور محمود بن عمر الزمخشری (م 538ھ / 1144ء) دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ قبالہ ضمانت کا نام ہے لیکن یہ ایک فرض بھی ہے اور معاہدہ بھی کہ اس میں ایک کام کا ذمہ لیا جاتا ہے۔ (448)

لغت نویسوں نے جو تعریفیں متعین کی ہیں وہ انتہائی مبہم ہیں اور دوسری اہم بات یہ ہے کہ لغت نویس ضمان الخراج کا ذکر نہیں کرتے جس کی طرف فقہا نے کافی توجہ دی ہے۔

ابتدائی مسلم ماخذوں میں قبالہ دو معنوں میں استعمال ہوتا تھا۔

(ا) یعنی قبالہ لگان کی ایک ایسی شکل ہے جس میں ایک زمیندار فصل کا ایک مقررہ حصہ حاصل کرتا ہے۔

(ب) دوسرا یہ کہ قبالہ کی اصطلاح ٹھیکہ (Tax Farming) کے معنی میں استعمال کی جاتی ہے۔ جس میں ایک ٹھیکہ دار ضمانت دیتا ہے اور ریاست کو یکمشت رقم ادا کر دیتا ہے اور ٹھیکہ شدہ زمین سے لگان اور آمدنیاں حاصل کرنے کا حق حاصل کر لیتا ہے۔(449)

بعض حالات میں کسی شہر کی مقامی آبادی اور انتظامیہ میں لگان کی ادائیگی کے سلسلہ میں ایک اقرار نامہ طے پاتا تھا۔ اس کی رو سے ایک اہم شخص یا رئیس اپنی طرف سے مطلوبہ رقم ادا کر دیتا اور پھر وہ یہ رقم رعایا سے وصول کرتا۔ یہ طریقہ کار اجارہ قبالہ کہلاتا تھا۔ پیش کش کو تقبیل اور ہامزد شخص کو متقبل کہتے تھے۔ متقبل اکثر ایک بڑا زمیندار اور علاقے کا بااثر آدمی ہوتا تھا۔ یہ عنصر بے یار و مددگار کاشتکاروں کے ناجائز استحصال (Exploitation) اور بدعنوانی (Corruption) کا سبب بنتا۔(450)

قبالہ کی تاریخ--- عہد ہارون الرشید تک

مسلمانوں کی فتوحات سے قبل بزنطینی سلطنت اور ساسانی مملکت میں قبالہ کا نظام رائج تھا۔ بالخصوص بزنطینی ریاست کے مشرقی صوبوں، مصر، فلسطین اور شام میں رعایا سے مختلف ٹیکسوں کی وصولی کے لئے یہی طریقہ متعارف تھا۔ (451) لاک گارڈ (Lokke gaard) کا موقف یہ ہے کہ مسلم دنیا میں ٹیکسوں کی وصولی کے ضمن میں ٹھیکیداری کا نظام رومن دنیا سے بغیر کسی اہم اور قابل ذکر تبدیلی کے لیا گیا ہے۔ (452)

مسلمانوں میں ٹیکسوں کی وصولی کا ٹھیکہ داری نظام بنو امیہ کے دور میں شروع ہوا اور عباسی سلطنت میں اس کو مزید وسعت حاصل ہوئی۔

بنو امیہ کے دور میں زمین کے بڑے بڑے رقبے جو اکثر کئی دیہاتوں یا صوبوں پر مشتمل ہوتے، ٹیکس وصول کرنے والی انتظامیہ کو جو اکثر ایک فرد ہوتا تفویض کر دیئے جاتے تھے۔ وہ ریاست کو ایک مقررہ رقم جو اس کے ذمہ واجب الادا (payable) ہوتی ادا کرتا۔ ایسا زمیندار (Landlord) یا جاگیردار ٹیکس دہندگان اور حکومت کے درمیان ایک درمیانے آدمی (Middle Man) کا کردار ادا کرتا اور اسے علاقے میں ایک نیم خود مختار کی حیثیت حاصل ہوتی۔ (453)

دراصل قبالہ کے نظام کے ذریعے حکومت بڑے بڑے زمینداروں اور علاقے کے بااثر لوگوں کی حمایت حاصل کرکے اپنے اقتدار کو تقویت بخشتی تھی۔ ٹھیکے باقاعدہ نیلام کے ذریعے دیئے جاتے تھے۔ قبالہ کی نیلامی کے وقت سخت مقابلہ ہوتا تھا اور نیلامی میں اپنے حریف پر سبقت حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ مثال کے طور پر الجشیاری (م 331ھ / 942ء) نے لکھا ہے کہ اموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک (105-125ھ / 723-744ء) کے دور میں ایک شخص جس کا نام فروخ تھا اس نے دریائے روم کے کنارے زمین کا ایک بڑا رقبہ قبالہ کے طور پر لیا۔ بعد ازاں عراق کے گورنر اور فروخ کے درمیان کشمکش شروع ہو گئی جس کے نتیجے میں عراق کے گورنر نے ایک شخص حسن النبطی کو کہا کہ وہ فروخ کے قبالہ سے زیادہ رقم کی پیشکش کرے اور اس سے لے کر خود سنبھال لے۔ فروخ سے قبالہ لینے میں کامیاب ہونے کے بعد عراق کے گورنر اور حسن النبطی کے درمیان کشمکش شروع ہو گئی جس میں انجام کار گورنر کو اپنے عہدہ سے معزول ہونا پڑا۔ (454) یہی الجشیاری بیان کرتا ہے کہ برامکہ کی تباہی کے بعد ہارون الرشید نے فارس کے خراج کی وصولی کے لئے ایک ایجنٹ مقرر کیا تھا۔ (455) ابو عمر محمد بن یوسف الکندی (م 350ھ / 961ء) نے اپنی کتاب "ولاۃ مصر" میں اور تقی الدین احمد بن علی المقریزی (م 845ھ / 1441ء) نے "کتاب الخطط المقریزیۃ" میں لکھا ہے کہ ہارون الرشید کے دور میں مصر کے امیر اللیث بن الفضل الیسودی کو ایک بغاوت سے دوچار ہونا پڑا۔ اللیث نے اپنے فوجوں کے

ساتھ بغاوت پر قابو پانے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ اس نے ہارون الرشید کو یہ خط تحریر کیا کہ وہ خلیفہ کی طرف سے بھیجی گئی فوجی امداد کے بغیر مصر کا خراج اکٹھا نہیں کر سکتا۔ محفوظ بن سلیمان (م 254ھ / 868ء) نے یہ سن کر کہا کہ وہ مصر کا خراج بغیر ایک چھڑی یا کوڑا مارے' اکٹھا کرنے کی ضمانت دیتا ہے۔ چنانچہ ہارون الرشید نے اللیث کو برطرف کر دیا اور محفوظ بن سلیمان کو مصر کا امیر مقرر کر دیا۔ (436)

قبالہ کے بارے میں امام ابو یوسف کا نظریہ

امام ابو یوسف کے عہد میں کاشتکار طبقہ بڑے بڑے زمینداروں کا دست نگر اور مجبور محض تھا۔ قانون اور رسم و رواج کی بدولت وہ اس بات کے پابند تھے کہ ٹھیکہ دار (Contractor) کو فصل کا ایک متعین حصہ (Fixed Share) ادا کر دیں۔ یہ ادائیگی (payment) عام طور پر پیداوار (Production) یا نقدی (Cash) کی صورت میں ہوتی۔ دوسرے الفاظ میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ یہ نظام کاشتکار طبقہ پر اپنا تسلط قائم رکھنے کے لئے اور انہیں ہمیشہ اپنا محکوم بنانے کے لئے وضع کیا گیا تھا۔ ٹھیکہ دار مزارعین پر اس قدر بوجھ ڈال دیتا جس کو برداشت کرنے کی ان میں طاقت نہ ہوتی۔ نتیجہ کے طور پر یہ طبقہ دیوالیہ (Bankrupt) ہو کر رہ جاتا۔

امام ابو یوسف نے اپنے دور کے اس معاشی استحصال (Economic Extortion) کا بنظر غائر مطالعہ کر کے' کتاب الخراج میں اس پر تفصیل سے بحث کی ہے یہاں یہ امر پیش نظر رہے کہ قبالہ کے ضمن میں قدیم ترین اور واضح ترین بحث ہمیں امام ابو یوسف کی کتاب الخراج ہی میں ملتی ہے۔ بہت سے شافعی' مالکی اور حنبلی فقہاء (Jurists) نے اپنی کتب میں اس موضوع پر سرے سے بحث ہی نہیں کی۔ اور جن فقہاء نے اس کو موضوع بحث بنایا ہے وہ زیادہ وضاحت نہیں کرتے۔ لیکن امام ابو یوسف کے پاس چونکہ اس کتاب کو لکھنے کی ایک عملی وجہ بھی تھی اس لئے دیگر فقہاء کے برعکس وہ بڑے جامع انداز میں قبالہ کے نظام پر گفتگو کرتے ہیں۔

تحصیل خراج کے ضمن میں امام ابو یوسف نے زیادہ زور اس بات پر دیا ہے کہ حکومت کی طرف سے براہ راست (Direct) ایسے افراد مقرر کئے جائیں جن کی حیثیت ایک عامل کی ہو۔ چنانچہ انہوں نے ٹھیکہ کے نظام کی مخالفت کی ہے ان کا نقطہ نظریہ ہے کہ اگر بلاواسطہ طریقے سے لگان اکٹھا کیا جائے تو اس سے ایک بڑی رقم خزانہ میں جمع ہو سکتی ہے۔ جو قبالہ کی صورت میں ضائع ہو جاتی ہے۔

امام ابو یوسف کے نزدیک ٹھیکہ داری کا نظام بدعنوانی (Corruption) کی ایک بدترین شکل ہے۔ اس طرح ٹھیکہ دار کو خراج کی وصولی کے سرکاری ریٹ (Government rate) سے زائد وصول کرنے کا اختیار مل جاتا ہے۔

آپ نے کتاب الخراج میں ہارون الرشید کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہ سواد اور عراق کی زمینوں اور ان کے

ساتھ ساتھ دوسرے صوبوں میں بھی اراضی کو ٹھیکہ پر دینے کی پالیسی (Policy) کو ترک کردے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

و رایت ان لا تقبل شیئا من السواد و لا غیر السواد من البلاد فان المتقبل اذا کان فی قبالته فضل عن الخراج عسف اهل الخراج و حمل علیهم ما لا یجب علیهم و ظلمهم و اخذهم بما یجحف بهم لیسلم مما دخل فیه وفی ذلک و امثاله خراب البلاد و هلاک الرعیة والمتقبل لا یبالی بهلاکهم بصلاح امره فی قبالته و لعله ان یستفضل بعد ما یتقبل به فضلا کثیرا و لیس یمکنه ذلک الا بشدة منه علی الرعیة و ضرب لهم شدید' و اقامته لهم فی الشمس' و تعلیق الحجارة فی الاعناق' و عذاب عظیم ینال اهل الخراج مما لیس یجب علیهم من الفساد الذی نهی الله عنه' انما امر الله عزوجل ان یوخذ منهم العفو - و لیس یحل ان یکلفوا فوق طاقتهم و انما اکره القبالة لانی لا آمن ان یحمل هذا المتقبل علی اهل الخراج ما لیس یجب علیهم فیعاملهم بما وصفت لک فیضر ذلک بهم فیخربوا ما عمروا و یدعوه فینکسر الخراج' و لیس یبقی علی الفساد شئی و لن یقل مع الصلاح شئی (457)

"میری رائے یہ ہے کہ آپ سواد یا دوسرے علاقوں کی کسی زمین کو ٹھیکہ پر نہ دیجئے۔ ٹھیکہ دار کو اگر اپنی عمل داری میں خراج کے بعد کچھ بھی فاضل بچتا نظر آتا ہے تو وہ اہل خراج پر ظلم و زیادتی کرتا اور ان پر ایسے بار ڈالتا ہے جو ان پر نہیں پڑنے چاہئیں۔ وہ اپنے (سرکاری) رقم کی ادائیگی کی خاطر ان لوگوں پر اتنا بوجھ ڈال دیتا ہے جس سے ان کی کمر ٹوٹ جاتی ہے۔ اس طرز عمل میں رعایا کی ہلاکت اور سارے علاقوں کی تباہی اور ویرانی مضمر ہے۔ ٹھیکہ دار اپنے ٹھیکہ کو بحال رکھنے کے لئے اس کی کوئی پروا نہیں کرتا کہ رعایا کو کتنی تباہی سے سابقہ پڑ رہا ہے۔ گمان غالب یہی ہے کہ لوگ ٹھیکہ کی سرکاری رقم ادا کردینے کے بعد بھی خاصی رقم بچا لیتے ہیں اور ظاہر ہے کہ ایسا صرف اس شکل میں ممکن ہے جبکہ یہ رعایا سے سختی کے ساتھ پیش آئیں' ان کو خوب ماریں' دھوپ میں کھڑے رہنے کی سزا دیں اور گردنوں میں پتھر لٹکائیں۔ مختصر یہ کہ اہل خراج کو ناحق بڑے عذاب سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اور ملک میں ایسا فساد برپا ہوتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں روکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ ہم ان سے ان کی ضرورت سے فاضل مال لیں۔ ان پر ان کی طاقت سے زیادہ بار ڈالنا کسی طرح جائز نہیں۔ میں ٹھیکہ کے طریقہ کو اسی لئے ناپسند کرتا ہوں کہ مجھے یہ اطمینان نہیں کہ ٹھیکہ دار اہل خراج پر بے

جابرانہ ڈالے گا اور ان سے وہ سلوک نہ کرے گا جس کی تفصیل میں نے اوپر بیان کی ہے۔ اس سلوک سے رعایا کو نقصان پہنچے گا اور جن علاقوں کو انہوں نے آباد کر رکھا ہے اسے یہ تباہ کرکے چھوڑ کر چلے جائیں گے جس کے نتیجہ میں خراج کی آمدنی بھی کم ہو جائے گی۔ فساد پھیلایا جائے گا تو کچھ بھی باقی نہ رہے گا اور بھلے طریقہ سے کام چلایا جائے گا تو کوئی کمی واقع نہ ہوگی"۔

امام ابویوسف کے اس بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عباسیوں کے زیر تحت ٹھیکہ داروں کے ذریعے (جو کہ خود بھی بہت بڑے زمیندار ہوتے تھے) کاشتکاروں کا یہ استحصال (Exploitation) اور ناجائز انتفاع (Extortion) ایک اہم اور سنگین مسئلہ بن چکا تھا۔

امام ابویوسف اس ضمن میں قانونی منطق (Legal Logic) سے کام لیتے ہیں جو کہ حقیقی اعمال سے تعلق رکھتی ہے۔ اور کہتے ہیں کہ ایسا واقع ہوتا ہے کیونکہ ٹھیکہ دار تو مجبور ہوتا ہے کہ وہ اپنے معاہدہ کو (یعنی ٹھیکہ کو) زیادہ سے زیادہ کامیاب بنائے۔ اس مقصد کے لئے وہ مزارعین پر جبراً (by force) نئے ٹیکس عائد کرکے یا مقررہ شرح (Fixed Rate) سے زیادہ وصول کرکے اپنا منافع بنالیتا ہے اور اپنے کیے گئے خرچہ سے کئی گنا زائد وصول کرتا ہے۔ نتیجہ کے طور پر کاشتکار طبقہ تو مفلس و دیوالیہ (Bankrupt) ہو جاتا ہے لیکن ٹیکس وصول کرنے والے کو اس کی تباہی و بربادی کی قطعاً کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔ جب تک مستقبل کے اپنے معاملات کامیابی سے چلتے ہیں۔ وہ مزارعین کے نقصانات کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔

قبالہ کے نظام کے تحت خراج وصول کرنے والے نے ہمیشہ اپنے اختیارات کا ناجائز فائدہ اٹھایا ہے۔ اس کو تو صرف ایک ہی فکر لاحق ہوتی ہے کہ وہ اپنے منافع کو کئی گنا کیسے بڑھا سکتا ہے۔ اور ایسا کرنا ممکن نہیں ہوتا (یعنی منافع کو کئی گنا بڑھانا) سوائے اس کے کہ وہ غریب کاشتکاروں پر ظلم و ستم کے نئے نئے حربے آزمائے۔

امام ابویوسف کا موقف یہ ہے کہ قبالہ کے معاہدہ کے ذریعہ ایک ٹھیکہ دار ریاست سے صرف ٹیکس اکٹھا کرنے کا اختیار حاصل نہیں کرتا بلکہ اسے کاشتکاروں کی لوٹ کھسوٹ اور ناجائز انتفاع کی ایک خاص سہولت بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ وہ یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ ٹھیکہ داری کا نظام قومی پیداوار (National Production) اور دولت (Wealth) کو بالکل ضائع کردینے والا نظام ہے۔ اس سے ریاست کی آمدنی میں کمی واقع ہوتی ہے۔ زرعی سرگرمیاں (Agricultural Activities) رک جاتی ہیں اور ملکی پیداوار کم ہو جاتی ہے۔

امام ابویوسف کی رائے یہ ہے کہ اگر انصاف کے ساتھ خراج لیا جائے تو ریاست کی آمدنی میں اضافہ ہوتا ہے اور ملک معاشی لحاظ سے خوشحال ہوتا ہے۔ اور بے انصافی سے منفی نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ رحمت انصاف کے ذریعے آتی ہے اور ظلم سے برکت ختم ہو جاتی ہے۔

امام ابویوسف تنبیہ کرتے ہیں کہ اس بدعنوانی (Corruption) اور استحصال (Extortion) سے قرآن نے بھی منع کیا ہے۔ (458)

امام ابویوسف زور دے کر یہ بات کہتے ہیں کہ کاشتکار طبقہ کے ناجائز انتفاع (Exploitation) کا کوئی قانونی جواز (Legal Justification) نہیں ہے۔ غرض یہ کہ قبالہ کے بارے میں امام ابویوسف نے جو سخت ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ ان کے نزدیک اس نظام کے ذریعے ظلم و تشدد (Violence) کا دروازہ کھلتا ہے۔

کتاب الخراج کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ٹھیکہ داری کا یہ نظام بڑا محکم اور مضبوط تھا۔ اسی لئے امام ابویوسف نے واضح کیا ہے کہ بعض حالات میں اس نظام سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے لیکن بہرحال اس کے لئے کچھ اصول و ضوابط مقرر کرنے ہوں گے۔ چنانچہ امام صاحب فرماتے ہیں۔

ولی جاء اهل طسوج او مصر من الامصار و معهم رجل من البلد المعروف موسر فقال - انا اتضمن عن اهل هذا الطسوج او اهل هذا البلد خراجهم و رضواهم بذلک فقالوا - هذا اخف علینا نظر فی ذلک - فان کان صلاحا لاهل هذا البلد والطسوج قبل و ضمن و اشهد علیه و صیر معه امیرا من قبل الامام یوثق بدینه و امانته' و یجری علیه من بیت المال' فان اراد ظلم احد من اهل الخراج او الزیادة علیه او تحمیله شیئا لا یجب علیه' منعه الامیر من ذلک اشد المنع (459)

"اگر کسی ملک یا علاقے کے باشندے آپ کی خدمت میں حاضر ہوں اور ان کے ہمراہ اس جگہ کا کوئی خوش حال اور معروف آدمی بھی ہو جو آپ سے کہے کہ میں اس علاقہ یا ملک کی طرف سے اس کے خراج کی ادائیگی کا ذمہ لیتا ہوں اور وہاں کے باشندے اس پر رضامندی ظاہر کریں اور کہیں کہ یہ شکل ہمارے لئے زیادہ سہولت کا باعث ہو گی تو آپ کو اس معاملہ پر غور کرنا چاہیے۔ اگر اس شکل کے اختیار کرنے میں اس ملک یا علاقہ والوں کا فائدہ نظر آئے۔ تو اس آدمی کو ٹھیکہ دے دینا چاہیے اور اسے ذمہ دار تسلیم کر کے متعدد افراد کو اس معاہدہ پر گواہ ٹھہرا لینا چاہیے۔ نیز اس فرد کے ہمراہ امام کی جانب سے مقرر کردہ ایک امیر بھیجا جائے جس کی امانت و دیانت پر پورا بھروسہ ہو۔ اس امیر کو بیت المال سے مشاہرہ دیا جانا چاہیے۔ امیر کا کام یہ ہو گا کہ اگر یہ شخص اہل خراج میں سے کسی پر بھی ظلم کرنے' اس کے خراج میں اضافہ کرنے' یا اس پر کوئی ایسا بار ڈالنے کا ارادہ کرے۔ جو اس کے ذمہ نہیں نکلتا تو اسے سختی سے روک دے۔"

آگے چل کر مزید ہدایات دیتے ہوئے کہتے ہیں۔

و تقدم الی من ولیت ان لا یکون عسوفا لاهل عمله و لا محتقرا لهم و لا مستحملا بهم، و لکن یلبس لهم جلبابا من اللین یشوبه بطرف من الشدة و لا استقصاء من غیر ان یظلموا او یحملوا ما لا یجب علیهم، واللین للمسلم، والغلظة علی الفاجر، والعدل علی اهل الذمة و انصاف المظلوم، والشدة علی الظلم، والعفو عن الناس، فان ذلک یدعوهم الی الطاعة و ان تکون جبایته للخراج کما یرسم له، و ترک الابتداع فیما یعاملهم به(460)

"جن لوگوں کو آپ مامور کریں انہیں پہلے ہی دن جتلا دیں کہ انہیں اپنی عمل داری کے باشندوں پر ظلم و زیادتی نہیں کرنی چاہیے۔ نہ ان کی تحقیر و توہین کرنی چاہیے بلکہ تھوڑی سختی اور ہلکی گرفت کے ساتھ مجموعی طور پر نرم خوئی سے کام لینا چاہیے۔ رعایا پر ظلم کرنے یا بے جا بار ڈالنے سے پرہیز کرنا چاہیے اسے مسلمانوں کے ساتھ نرمی، بدکرداروں کے ساتھ سختی، اہل ذمہ سے عادلانہ برتاؤ، مظلوم کی داد خواہی، ظالموں پر سختی اور عام لوگوں کے ساتھ عفو و درگزر کی پالیسی اختیار کرنی چاہیے۔ یہی طریقہ لوگوں کو مطیع و فرمانبردار بنانے والا طریقہ ہے خراج کی تحصیل اسی ضابطہ کے تحت عمل میں لائی جائے جو ان والیوں کے لئے مقرر کر دیا گیا ہو۔ یہ لوگ اپنی طرف سے نئے طریقے وضع کر کے رعایا کے ساتھ کوئی دوسرا سلوک نہ کریں۔"

والمساواة بینهم فی مجلسه و وجهه حتی یکون القریب والبعید والشریف والوضیع عنده فی الحق سواء و ترک اتباع الهوی، فان الله میز من اتقاه و اثر طاعته و امره علی من سواهما(461)

"والی کو چاہیے کہ اپنی مجلس میں تمام لوگوں کے ساتھ مساوی سلوک کرے تاکہ نزدیک اور دور کے لوگ، معزز اور پست حیثیت افراد، سب حق کے معاملہ میں اس کے سامنے بالکل برابر ہوں۔ والی کو اہواء و خواہشات کی پیروی سے بچتے رہنا چاہیے۔ کیونکہ جو لوگ اللہ کا تقویٰ اختیار کرتے اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری کو دوسروں پر ترجیح دیتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ نے ممتاز قرار دیا ہے۔"

اور آخر میں لکھتے ہیں۔

و انی لارجو ان امرت بذلک و علم الله من قبلک ایثارک ذلک علی غیره ثم بدل منه مبدل او خالف منه مخالف ان یاخذه الله به دونک و ان یکتب لک اجرک و ما نویت ان شاء الله(462)

"میرا خیال ہے کہ اگر آپ اس طرح کی ہدایات جاری کر دیں اور اللہ تعالیٰ جان لے کہ آپ اس طریقہ کو دوسرے طریقوں پر ترجیح دے رہے ہیں اور پھر کوئی دوسرا (ماتحت افسر) اس میں ترمیم و تبدیلی کر دے یا اس کے خلاف عمل کرے تو اللہ اس کا مواخذہ انہی لوگوں سے کرے گا۔ آپ سے نہیں کرے گا۔ آپ کو وہ ان شاء اللہ آپ کی نیت کا پورا پورا اجر عطا فرمائے گا۔"

امام ابو یوسف کے مندرجہ بالا اقتباسات سے ان کے معاشی فکر کے درج ذیل نکات سامنے آتے ہیں۔

(1) ان کے نزدیک قبالہ یا ضمان کے نظام کے تحت صرف اس صورت میں ہی ٹیکس لیا جا سکتا ہے جب خود ٹیکس دہندگان (Tax-Payers) اس میں سہولت محسوس کریں۔

(2) ان کو اس ٹھیکہ دار کی امانت و دیانت پر اعتماد ہو اور وہ خود اس کا نام تجویز کریں۔

(3) ٹھیکہ کے معاہدہ پر گواہ مقرر کرنے چاہیں تاکہ ٹھیکہ دار مقررہ شرح (Fixed rate) سے زیادہ نہ لے سکے۔

(4) متقبل کی نگرانی کے لئے حکومت کی طرف سے ایک ایسا عہدہ دار مقرر کرنا چاہیے جو اس کو اختیارات کے ناجائز استعمال سے روک سکے۔

(5) ٹیکس کی وصولی کے لئے حکومت کی طرف سے جو قوانین بنائے گئے ہوں' متقبل کو ان کی مکمل پابندی کرنی چاہیے۔

(6) ٹھیکہ دار کو عوام پر ظلم و زیادتی کرنے اور مختلف طریقوں سے ان کی تحقیر و توہین کی قطعاً" اجازت نہیں دینی چاہیے۔

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ ماضی میں جو قومیں تباہ ہو گئیں' ان کی تباہی کا بڑا سبب یہی تھا کہ اہل اقتدار نے عوام کو ان کے حقوق دینے سے گریز کیا تاکہ لوگ ان حقوق کو قیمت ادا کر کے ان سے خریدیں۔

وہ کہتے ہیں کہ اہل خراج پر ایسا بوجھ ڈالنا جس کی ادائیگی ان کے ذمہ واجب ہی نہیں ہے' ایک واضح ظلم اور ناانصافی ہے۔(463)

امام ابو یوسف آخر میں خلیفہ کو یہ اختیار دیتے ہیں کہ وہ جس طرح مناسب سمجھے بیت المال کی آمدنی میں اضافہ کی خاطر اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود کو مد نظر رکھتے ہوئے جو بھی طریقہ چاہے اختیار کرے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ ٹھیکہ پر دینے کی صورت میں خلیفہ کو چاہیے کہ وہ متقبل کو ہر قسم کے ظلم و زیادتی سے باز رہنے کی تنبیہہ کرے اور اگر وہ ان احکام کی پرواہ نہیں کرتا تو اسے سزا بھی دینی چاہیے۔ امام ابو یوسف کتاب الخراج میں رقم طراز ہیں۔

و امیر المومنین اعلی عینا بما رای من ذلک و ما رای انه اصلح لاهل الخراج و اوفر علی بیت المال عمل علیه من القبالة والولایة بعد الاعذار

والتقدم الى المتقبل والوالی برفع الظلم عن الرعیة والوعید له ان حملهم ما لا طاقة لهم به او بما لیس بواجب علیهم فان فعل فعوا له بما اوعد به لیکون ذلک زاجرا او راهبا لغیره ان شاء الله(464)

"اس سلسلہ میں امیرالمومنین بہتر فیصلہ کرسکتے ہیں۔ ٹھیکہ پر دینے یا براہ راست اپنی جانب سے تحصیل خراج کے ذمہ دار والی مقرر کرنے میں سے جو طریقہ ان کو اہل خراج کے لئے بہتر اور بیت المال کے لئے زیادہ آمدنی کا ذریعہ نظر آئے اسے اختیار فرمائیں۔ ٹھیکہ دار یا والی کو رعایا پر ظلم نہ کرنے کی تلقین کرنی چاہیے اور نہیں تنبیہ کرنی چاہیے کہ اہل خراج پر ان کی طاقت سے زیادہ بار نہ ڈالیں' نہ ان سے ان چیزوں کا مطالبہ کریں جو ان کے ذمہ نہیں۔ اس کے باوجود اگر وہ ایسی حرکتیں کریں تو اپنی دھمکیوں کو عمل کا جامہ پہنایئے۔ تاکہ یہ سزا دوسروں کے لئے تنبیہ کا کام کرے۔ ان شاء اللہ"

(3) عاملین کی تنخواہیں بیت المال سے دی جائیں

کتاب الخراج کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں مرکزی حکومت کی طرف سے تحصیل خراج کے لئے جو عامل یا والی مقرر ہوتے تھے وہ اپنے ساتھ کچھ ایسے حاشیہ نشین (Fellow Travellers) رکھتے جو سفارش اور تعلقات کی بناء پر عہدے حاصل کرتے تھے یہ لوگ اہل خراج سے ظلم کے ذریعہ رقم حاصل کرتے تھے۔(465)

ایک رواج یہ بھی تھا کہ والی اور اس کے حاشیہ نشینوں (Fellow Travellers) کی جماعت کسی آبادی میں قیام کرتی تو وہاں کے لوگوں سے جبراً "مہمان داری کا حق لیا جاتا جو ان کی استطاعت (Power) سے زیادہ ہوتا تھا۔(466)

اسی طرح یہ والی اپنے حاشیہ نشینوں کو یہ اختیار بھی دے دیتے کہ وہ اہل خراج سے اصل رقم کے علاوہ اپنے لئے نذرانے بھی وصول کریں۔ اگر وہ لوگ اس کی استطاعت نہ رکھتے تو ان کو مارا پیٹا جاتا' ان کے جانوروں کو ہانک کرلے جاتے اور بعض اوقات ان کاشتکاروں کو بھی پکڑ کرلے جاتے اور جب تک وہ نذرانوں کی رقم نہ دے دیتے ان کو نہ چھوڑتے۔(467)

امام ابو یوسف نے اس تمام صورت حال کا مشاہدہ کرنے کے بعد ہارون الرشید پر زور دیا کہ خراج اکٹھا کرنے پر جو عامل (Worker) مقرر ہیں' ان کو بیت المال سے باقاعدہ تنخواہیں (Salaries) دی جائیں تاکہ نہ تو اہل خراج پر کوئی ظلم ہو اور نہ ہی ان عمال کو رشوت کھانے کی عادت پڑے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

ویجری علیه من بیت المال(468)

"اور اس امیر کو بیت المال سے مشاہرہ دیا جانا چاہیے۔"

امام ابو یوسف اس ضمن میں انتہائی احتیاط برتتے ہوئے یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر اہل خراج خود یہ مشورہ دیں کہ ہم والیوں کو اپنی طرف سے روزینہ (Daily allowance) دیں گے تو ان کا یہ مشورہ ہرگز قبول نہ کیا جائے۔ کتب الخراج میں لکھتے ہیں۔

و لتصیر مع الوالی الذی ولیته قوما من الجند من اهل الدیون فی اعنافهم بیعة علی المصح لک فان من تصحک لن لا تظلم رعیتک و تامر باجراء ارزاقهم علیهم من دیوانهم شهرا بشهر ولا تجری علیهم من الخراج درهما فیما سواه فان قال اهل الخراج نحن نجری علی والینا وحده من عندنا لم یقبل ذلک منهم ولم یحملوه (469)

"اپنے مقرر کردہ والی کے ساتھ آپ درج دیوان فوجیوں کی ایک ایسی جماعت روانہ کیجئے جو آپ سے وفاداری اور خیر خواہی کا عہد کر چکے ہوں ظاہر ہے کہ آپ کے ساتھ خیر خواہی کا ایک تقاضہ یہ بھی ہے کہ آپ کی رعایا پر ظلم نہ کیا جائے۔ آپ حکم دیجئے کہ ان سپاہیوں کے مشاہرے ہر ماہ ان کے دیوان سے دیئے جاتے رہیں۔ اس کے علاوہ خراج کی رقم سے انہیں ایک درہم بھی نہ دیا جائے۔ اگر اہل خراج خود سے یہ درخواست کریں کہ ہم لوگ صرف اپنے والی کا مشاہرہ اپنے یہاں سے ادا کر دیا کریں گے تو ان کی یہ درخواست منظور نہیں کرنی چاہیے۔ اور نہ ان پر بار ڈالنا چاہیے۔"

امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ اگر والیوں اور ان کے حاشیہ نشینوں کو کھلی چھٹی دی گئی تو اس سے نہ صرف اہل خراج کے حقوق (Rights) پامال ہوں گے بلکہ حکومت کی آمدنی میں بھی کمی ہو جائے گی۔ آپ رقم طراز ہیں۔

و هذا کله ضرر علی اهل الخراج و نقص للفئی مع ما فیه من الاثم (470)

"ان حرکتوں کے کار گناہ ہونے کے علاوہ ان سے اہل خراج کو بے جا تکلیف پہنچتی ہے اور مالیہ کی آمدنی میں بھی کمی آجاتی ہے۔"

اس کے بعد خلیفہ ہارون الرشید کو نصیحت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

فمره بحسم هذا وما اشبهه و ترک التعرض لمثله حتی لا یکون مع الوالی من هولاء الذین سمیت احد و یکون ما یوخذ لک من المال من باب حله و لا یوضع الا فی حقه وتقدم فی اختیار هولاء الجند الذین تصیرهم مع الوالی ولیکونوا من صالحی الجند و من له الفهم والیسر والنعمة منهم ان شاء الله تعالیٰ (471)

"آپ والی کو حکم دیجئے کہ ان حرکتوں اور ان جیسے دوسرے کاموں کا سلسلہ فوراً بند کر دے اور آئندہ والی کے ساتھ اس قسم کے لوگ نہ لگنے پائیں جن کا ذکر میں نے اوپر کیا ہے۔ ہونا یہ چاہیے کہ آپ کے نام پر جو مال وصول کیا جائے حلال طریقہ سے وصول کیا جائے اور صرف مناسب جگہوں پر حق کے مطابق صرف کیا جائے۔ میں نے جن سپاہیوں کو والی کے ساتھ بھیجنے کا مشورہ دیا ہے ان کے انتخاب کا جلد اہتمام کیجئے۔ یہ لوگ فوج کے بہترین عناصر پر مشتمل ہوں' سمجھ بوجھ رکھتے ہوں اور فارغ البال ہوں ان شاء اللہ تعالیٰ۔"

ڈاکٹر نور محمد غفاری لکھتے ہیں۔

"دراصل امام ابویوسف اس زیادتی کی اس قدر مذمت بیان کر کے اسلامی ریاست کے سربراہ پر واضح کرنا چاہتے ہیں کہ مزارعین کے بے بس طبقے پر اس کے کارندوں کا یہ ظلم نہ صرف ریاست کی سلامتی کے خلاف ہے بلکہ اللہ کریم کے ہاں بھی جرم عظیم ہے جس کی پکڑ بھی سخت ہے۔ لہٰذا حکمران کا فرض ہے کہ وہ ایسی بے قاعدگیوں کو بیک جنبش قلم ختم کر دے۔"(472)

امام ابویوسف تحصیل خراج میں ظلم و زیادتی کی ممانعت کرتے ہوئے ایک جگہ فرماتے ہیں۔

و لا یضرب رجل فی دراهم خراج و لا یقام علی رجل فانه بلغنی انهم یقیمون اهل الخراج فی الشمس و یضربونهم الضرب الشدید و یعلقون علیهم الجرار و یقیدونهم بما یمنعهم من الصلاة و هذا عظیم عند الله شنیع فی الاسلام(473)

"خراج کی رقم وصول کرنے کی خاطر کسی آدمی کو مارنا یا ایک ٹانگ پر کھڑا رکھنا بھی سراسر ظلم ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ افسران خراج لوگوں کو دھوپ میں کھڑا رکھتے ہیں' انہیں سخت مار مارتے ہیں' ان کی گردنوں میں گھڑے لٹکا دیتے ہیں اور انہیں اس طرح پابہ زنجیر کر دیتے ہیں کہ وہ نماز بھی نہیں ادا کر سکتے۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کی نظر میں بہت ہی بری ہے اور اسلام میں (ایسی سزائیں) انتہائی ناپسندیدہ ہیں۔"

(4) خراج کی وصولی بروقت کی جائے

ہارون الرشید کے دور میں تحصیل خراج کے ضمن میں ایک خرابی یہ بھی پائی جاتی تھی کہ والی اور عامل کاشتکاروں سے بروقت خراج وصول نہ کرتے۔ کئی کئی ماہ غلہ کھیتوں میں پڑا رہتا کیونکہ کاشتکار طبقہ تو مجبور ہوتا تھا کہ وہ ریاست کا حصہ ادا کرنے سے قبل پیداوار کو گھر نہیں لے جا سکتا تھا۔ اس طرح کاشتکار اور ریاست دونوں کو نقصان اٹھانا پڑتا۔

امام ابویوسف "کتاب الخراج" میں زور دے کر یہ بات کہتے ہیں کہ فصل تیار ہو جانے پر اس میں سے سرکاری حصہ

وصول کرنے کا کام جلد از جلد انجام پانا چاہیے تاکہ غلہ کھلیانوں میں خراب نہ ہو۔ کاشتکاروں کا حرج نہ ہو اور ان کی زرعی سرگرمیاں (Agricultural Activities) متاثر نہ ہوں۔ وہ کہتے ہیں کہ تاخیر کرنے سے کاشتکار اور بیت المال دونوں کا نقصان ہوتا ہے۔ خاص طور پر بیت المال کی آمدنی میں کمی واقع ہوتی ہے۔ آپ کتاب الخراج میں فرماتے ہیں۔

و تقدم في ان يكون حصاد الطعام و دیسه من الوسط و لا يحبس الطعام بعد الحصاد الا بقدر ما يمكن الدياس فاذا امكن الدياس رفع الى البيادر و لا يترک بعد امكانه للدياس يوما واحدا فانه مالم يحرز في البيادر يذهب به الاكرة والمارة والطير والدواب انما يدخل ضرر ذلک على الخراج فاما على صاحب الطعام فلا لان صاحب الطعام ياكل منه فيما بلغني و هو سنبل قبل الحصاد الى ان يبلغ المقاسمة فحبس الطعام في الصحراء والبيادر ضرر على الخراج و اذا رفع الى البيادر وصير أكدسا اخذ في دياسه . و لا يحبس الطعام اذا صار في البيادر الشهر والشهرين والثلاثة لا يداس فان في حبسه في البيادر ضررا على السلطان و على اهل الخراج و بذلك تتاخر العمارة والحرث(474)

''آپ ہدایت کر دیجئے کہ غلہ کی کٹائی اور دنوائی کا کام بہترین طریقہ پر انجام پانا چاہیے۔ فصل کٹنے کے بعد غلہ اتنے ہی عرصہ کھیت میں روکا جائے جتنے عرصہ میں کہ دنوائی کے انتظامات مکمل ہو جائیں' جب یہ ہو جائے تو غلہ کھلیانوں میں منتقل کر دیا جائے اس میں ایک دن کی بھی تاخیر نہ ہو۔ کیونکہ جب تک غلہ کھلیان میں نہ محفوظ کر لیا جائے اسے کاشتکار اور راہ گیر' نیز جانور اور پرندے لے اڑتے ہیں۔ اس کے نتیجہ میں نقصان خراج کا ہوتا ہے نہ کہ فصل کے مالک کا۔ کیونکہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ فصل کا مالک فصل کٹنے اور غلہ کی تقسیم عمل میں آنے سے پہلے بھی' جب غلہ بالیوں میں ہوتا ہے اس میں سے لے کر کھاتے رہتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ غلہ کو میدانوں اور کھلیانوں میں پڑا رہنے دینا خراج کے لئے باعث نقصان ہے جب غلہ کھلیانوں میں پہنچ جائے اور اس کے الگ الگ ڈھیر لگا دیئے جائیں تو اس کی دنوائی شروع ہو جانی چاہیے۔ کھلیان میں پہنچ جانے کے بعد غلہ کو کئی مہینہ تک بغیر دنوائی کے پڑا رہنے دینا غلط ہے کیونکہ اس سے ریاست کا بھی نقصان ہوتا ہے اور خراج ادا کرنے والوں کا بھی۔ اس تاخیر کے نتیجے میں آئندہ فصل اور گرہستی کے دوسرے کاموں میں بھی تاخیر ہوتی ہے۔''

(5) سرکاری غلہ کی وصولی کے جملہ اخراجات حکومت برداشت کرے

ہارون الرشید کے دور میں ٹیکسوں کی وصولی کے ضمن میں بہت سی بے اعتدالیاں پائی جاتی تھیں۔ اہل خراج سے اصل رقم کے علاوہ بعض ایسے مطالبے بھی کئے جاتے تھے جو ان کے ذمہ واجب الادا (Payable) نہیں ہوتے تھے۔ مثلاً

(1) ٹیکس وصول کرنے والوں کی یومیہ اجرت (Daily Wage) بھی کاشتکاروں سے لی جاتی تھی۔

(2) اناج کو ناپنے اور اس کو اکٹھا کرنے کے لئے مزدوروں کو جو معاوضہ دیا جاتا وہ بھی ٹیکس دہندگان (Tax-payers) ہی سے وصول کیا جاتا۔

(3) ٹیکسوں کی وصولی کا حساب کتاب رکھنے کے لئے جو رجسٹر و کاغذات وغیرہ استعمال ہوتے ان کی قیمت بھی اہل خراج ہی سے لی جاتی۔

(4) ٹیکس وصول کرنے والوں کے قیام و طعام کے تمام اخراجات بھی ٹیکس دہندگان کو برداشت کرنے پڑتے۔

(5) سرکاری غلہ کی باربرداری (Carrier) کے اخراجات (Expenses) بھی کاشتکاروں کے ذمہ ڈال دیے جاتے۔

(6) اگر سرکاری حصہ کے حمل و نقل کے وقت غلہ میں کمی واقع ہو جاتی' خواہ وہ سرکاری اہل کاروں کی غفلت یا بد دیانتی کی وجہ سے ہی کیوں نہ ہوتی اس کی تلافی کے لئے بھی اہل خراج ہی کو مجبور کیا جاتا۔

(7) کاشتکاروں کو اس بات پر مجبور کیا جاتا کہ وہ غلہ کے سرکاری حصہ (Crown Share) کے بھوسہ کو اپنے پاس رکھیں اور اس کی قیمت ادا کریں' خواہ ان کو اس بھوسہ کی ضرورت ہی نہ ہو۔

(8) کاشتکار جب خراج کی ادائیگی کے لئے درہم لے کر آتے تو ان سے کچھ درہم یہ کہہ کر لے لئے جاتے کہ یہ ان درہموں کی بھنائی یا بٹہ ہے۔(273)

امام ابو یوسف ایسے معاشی مفکر نے ان تمام مروجہ طریقوں کی مذمت کی ہے اور ان کو اہل خراج پر ظلم و زیادتی سے تعبیر کیا ہے۔ ان کا نظریہ یہ ہے کہ کاشتکار تو صرف اپنے غلہ کا ایک مقررہ حصہ حکومت کو دینے کے پابند ہیں۔ اس حصہ کے علاوہ باقی ہر قسم کے اخراجات حکومت خود برداشت کرے۔ وہ بڑے واضح انداز میں ہارون الرشید کو تاکید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ٹیکس دہندگان پر کسی قسم کا اضافی بوجھ نہیں ڈالنا چاہیے۔ چنانچہ آپ کتاب الخراج میں رقم طراز ہیں۔

> و لا یوخذ اهل الخراج برزق عامل و لا اجر مدی و لا احتمال و لا نزبة و لا حمولة طعام السلطان و لا یدعی علیهم بنقیصة فتوخذ منهم' و لا یوخذ منهم ثمن صحف و لا قراطیس و لا اجور الفیوج و لا اجور الکیالین و لا مونة لاحد علیهم فی شئی من ذلک و لا قسمة و لا نائبة سوی الذی و صفنا

من المقاسمة' و لا یوحذو باثمان الاتبان و یقاسموا الاتبار علی مقاسمة الحنطة والشعیر کیلا لوتباع فیقسم ثمنها علی ما وصف من القطیعة فی المقاسمة(476)

"اور اہل خراج سے کسی عامل کا روزینہ' اناج ناپنے یا اس کو اکٹھا کرنے کی اجرت' وصول کنندگان کے قیام کے اخراجات یا سرکاری حصہ کی باربرداری کے اخراجات کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔ (حمل و نقل وغیرہ میں) خراج کے غلہ میں کمی واقع ہو جائے تو ان لوگوں پر اس کا الزام لگا کر اسے پورا کرنے کا مطالبہ غلط ہے۔ کاغذات اور رجسٹر کی قیمت' ہرکاروں کی اجرت' یا ناپنے والوں کی اجرت ان سے نہیں لی جائے گی۔ کسی کے لئے ان میں سے کسی چیز کی فراہمی ان کے ذمہ نہیں۔ ریاست اور کاشتکاروں کے درمیان طے شدہ نسبتوں سے غلہ کی تقسیم کے علاوہ جس کا ذکر ہم نے اوپر کیا ہے' اہل خراج پر کوئی اور ذمہ داری' یا کسی قسم کا ہنگامی بار ڈالنا غلط ہے۔ ان لوگوں سے (سرکاری حصہ کے) بھوسہ کی قیمت کا مطالبہ نہیں کرنا چاہیے۔ یا اسے فروخت کر کے اس کی قیمت باہم تقسیم کر لینی چاہیے۔ جیسا کہ میں نے مقررہ متعینہ معاملہ میں بٹائی کے سلسلہ میں بیان کیا ہے۔"

بلکہ گندم اور جو کی طرح بھوسہ بھی ناپ کر تقسیم کر لینا چاہیے

مزید لکھتے ہیں۔

و لا یوحذ منهم ما قد یسمونه رواجا الدراهم یودونها فی الخراج' فانه بلغنی ان الرجل منهم یاتی بالدراهم لیودیها فی خراجه فیقتطع منها طائفة و یقال هذا رواجها و صرفها(477)

"اور ان سے (یعنی اہل خراج سے) بٹہ کے نام پر اس میں سے کچھ نہ لیا جائے جو وہ خراج کی ادائیگی میں دیتے ہیں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ اگر ایک آدمی خراج کی ادائیگی کے لئے درہم لے کر آتا ہے تو اس سے کچھ درہم یہ کہہ کر لے لئے جاتے ہیں کہ یہ ان درہموں کی بھنائی اور بٹہ ہے۔"

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں۔

و لیس ینبغی للعامل و لا یسعه ان یدعی علی اهل الخراج ضیاع عدة فیاخذ بذلک السبب اکثر من الشرط(478)

"کسی سرکاری افسر کے لئے یہ کسی طرح مناسب نہیں کہ کاشتکاروں کے اوپر کچھ غلہ ضائع کر دینے کا الزام لگا کر ان سے اس مقدار سے زیادہ غلہ وصول کرے جو طے شدہ شرائط کی رو سے وصول کیا جانا چاہیے۔"

(6) مقاسمہ کے نظام کے تحت اندازہ سے لینے کی ممانعت

خلافت بنو عباس میں محمد بن منصور الملقب بہ مہدی (158-169ھ / 775-785ء) کے دور سے خراج مقاسمہ کا نظام متعارف ہوا۔ لیکن پیداوار کی تقسیم کے موقع پر سرکاری حصہ کا تعین کرتے وقت عدل و انصاف کو مدنظر نہیں رکھا جاتا تھا۔ سرکاری کارندے اصل حصہ سے زائد وصول کرنے کی خاطر پیمانہ سے غلے کا وزن نہ کرتے۔ محض اندازہ و تخمینہ سے خراج وصول کیا جاتا۔ بعض اوقات غلہ ناپنے کے لئے پیمانوں میں بھی فرق رکھا جاتا۔ خراج کی وصولی کے لئے بڑے پیمانے استعمال ہوتے اور کاشتکاروں کے حصوں (Shares) کا تعین چھوٹے پیمانوں سے کیا جاتا۔

امام ابو یوسف نے خراج مقاسمہ کی ان بڑی خرابیوں کو دور کرنے کی بھی سفارش کی ہے۔ آپ کی رائے یہ ہے کہ ان طریقوں سے کاشتکار طبقہ کے حقوق غصب کئے جاتے ہیں۔ اور یہ کسی قوم و ملک کی تباہی کا سبب بنتے ہیں آپ کتاب الخراج میں لکھتے ہیں۔

ولا یخرص علیھم ما فی البیادر و لا یحزر علیھم حزرا ثم یوخذوا بنقائص الحزر' فان ھذا ھلاک لاھل الخراج و خراب للبلاد (479)

"یہ طریقہ درست نہیں کہ کھلیان میں رکھے ہوئے غلہ کی مقدار ظن و تخمین کے ذریعہ طے کی جائے اور بعد میں اگر مقدار اس سے کم نکلے تو اس کا مواخذہ کاشتکاروں سے کیا جائے۔ پس اس طریقہ سے اہل خراج کی تباہی اور شہروں کی بربادی ہوگی۔"

آگے چل کر مزید لکھتے ہیں۔

و اذا دلیس الطعام و ذری قاسمھم و لا یکیله علیھم کیل بریھاب ثم یدعه فی البیادر الشھر والشھرین ثم یقاسمھم فیکیله ثانیة فان نقص عن الکیل الاول قال - اوفونی و اخذ منھم ما لیس له' و لکن اذ دیس الطعام و وضع فیه القفیز قاسمھم و اخذ حقه و لا یحبسه و لا یکیل للسلطان کیل بزیھار و للاکار کیل السرد بل یکون کیلا واحدا بین الفریقین سردا مرسلا (480)

"غلہ کی دنوائی اور صفائی ہو جانے پر افسر اس کی تقسیم عمل میں لاکر اپنا اور کاشتکاروں کا حصہ الگ الگ کرے گا لیکن اس ناپ تول میں وہ کاشتکاروں کے ساتھ بے انصافی نہ کرے۔"

یہ طریقہ بھی نہیں اختیار کیا جانا چاہیے کہ اس تقسیم اور ناپ تول کے بعد بھی غلہ مہینہ دو مہینہ تک کھلیان ہی میں پڑا رہنے دیا جائے اور اتنے عرصہ بعد دوبارہ ناپ تول اور تقسیم عمل میں لائی جائے اور اگر اس بار

غلہ کی مقدار اصلی ناپ تول کے اعتبار سے کم نکلے تو افسر کاشتکاروں سے اس نقصان کو بھرنے کا مطالبہ کرکے بغیر کسی حق کے ان سے مزید غلہ وصول کرے۔ ہونا یہ چاہیے کہ جب غلہ کی دونائی اور صفائی ہو جائے وہ اسے تمیز سے ناپ لیا جائے تو افسر اس کی تقسیم عمل میں لاکر اپنا حق علیحدہ کرلے اور اس کے بعد غلہ کو وہاں نہ پڑا رہنے دے۔ یہ بھی نہ ہو کہ ناپنے میں سلطان کے لئے تو زیادہ لیا جائے اور کاشتکاروں کے لئے بالکل ٹھیک ٹھیک ناپا جائے بلکہ دونوں فریقوں کے لئے ٹھیک ٹھیک اور یکساں ناپ ہونی چاہئے۔"

(7) خراج وصدقات کی آمدنیوں کو الگ الگ رکھا جائے

ہارون الرشید کے دور میں مختلف اموال کی آمدنیوں کو ایک ہی مصرف پر خرچ کردیا جاتا تھا۔ خراج وصدقات کے مصارف کا تعین کرتے وقت کوئی احتیاط نہیں برتی جاتی تھی۔

امام ابویوسف کے نزدیک خراج کی آمدنی چونکہ تمام مسلمانوں کی مشترکہ ملکیت (Common ownership) ہے اس لئے وہ ہارون الرشید کو بڑے زوردار الفاظ میں تاکید کرتے ہیں کہ اس مد کی آمدنی کو صدقات اور عشور کی آمدنی کے ساتھ جمع نہ کیا جائے۔ اس کا حساب کتاب الگ رکھنا چاہیے۔ کتاب الخراج میں فرماتے ہیں۔

و لا ینبغی ان یجمع مال الخراج الی مال الصدقات والعشور لان الخراج فئی لجمیع المسلمین والصدقات لمن سمی اللہ عز و جل فی کتابہ (481)

"اور خراج کے مال کو صدقات اور عشور کے مال میں ملا دینا مناسب نہیں کیونکہ خراج سارے مسلمانوں کے لئے نفے کی نوعیت رکھتا ہے اور صدقات صرف ان لوگوں کا حق ہیں جن کے نام اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں گنا دیئے ہیں۔"

امام ابویوسف کی رائے یہ ہے کہ اسلامی حکومت مسلم وغیر مسلم تاجروں سے جو عشور کا ٹیکس لیتی ہے اس کو بھی ایک ہی مد میں شمار نہیں کیا جاسکتا۔ آپ کتاب الخراج میں لکھتے ہیں۔

و کل ما اخذ من المسلمین من العشور فسبیلہ سبیل الصدقۃ و سبیل ما یوخذ من اھل الذمۃ جمیعا و اھل الحرب سبیل الخراج (482)

"اور مسلمانوں سے چنگی کے طور پر جو کچھ لیا جائے گا اس کی حیثیت زکوٰۃ کی ہوگی۔ مختلف طرح کے ذمیوں اور حربی افراد سے جو چنگی وصول کی جائے گی اس کی نوعیت خراج کی ہوگی۔"

امام ابویوسف تو یہاں تک کہتے ہیں کہ دونوں مدوں (یعنی خراج وصدقات) کے تحصیلدار بھی الگ الگ ہونے

چاہیں۔ آپ کتاب الخراج میں رقم طراز ہیں۔

ولا تولها عمال الخراج۔ فان مال الصدقة لا ینبغی ان یدخل فی مال الخراج (483)

"اور (صدقات کی تحصیل کے) اس کام کو خراج وصول کرنے والے افسران کے ذمہ نہ کیجئے۔ کیونکہ صدقہ کے مال کو خراج کے مال کے ساتھ خلط ملط نہیں ہونا چاہیے۔"

(8) قیدیوں کی معاش کا بندوبست کیا جائے

بنو عباس کے دور میں ایک غلط طریقہ یہ رائج ہو گیا تھا کہ وہ افراد جو مختلف جرائم میں گرفتار ہو کر قید میں چلے جاتے تھے' ان کی بنیادی ضروریات مثلاً روٹی اور کپڑا کے لئے بیت المال سے کچھ بھی انتظام نہیں کیا جاتا تھا۔ ان قیدیوں کو روزانہ ہتھکڑیوں اور بیڑیوں کے ساتھ کچھ آدمیوں کی نگرانی میں باہر لے جایا جاتا تھا اور وہ بھیک مانگ کر اپنی خوراک اور لباس کی ضروریات پوری کرتے تھے۔ (484)

اگر کوئی لاوارث قیدی فوت ہو جاتا تو اسے بلا غسل و کفن اور نماز جنازہ ادا کیے بغیر ہی دفن کر دیا جاتا۔ (485)

امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں ان طریقوں کی مذمت کی ہے وہ انہیں اسلامی ریاست اور مسلمانوں کے لئے لمحہ فکریہ قرار دیتے ہیں۔ وہ ہارون الرشید سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ یہ طریقے فوراً بند کر دیئے جائیں اور ان قیدیوں کے لئے خوراک اور کپڑے کا باعزت انتظام ہونا چاہیے۔ نیز لاوارث قیدیوں کی تجہیز و تکفین بیت المال سے کی جائے۔

وہ خلیفہ کی طرف سے کئے گئے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر وہ مالدار ہیں تو پھر ان کے مال سے خرچ کیا جائے گا اور اگر وہ نادار ہیں تو پھر بیت المال سے ان کے روزینے کا انتظام کیا جائے۔

اس ضمن میں امام ابو یوسف نے حضرت علیؓ کے اس قول پر اپنے فکر کی بنیاد رکھی ہے۔

فان کان له مال انفق علیه من ماله' و ان لم یکن له مال انفق علیه من بیت مال المسلمین' و قال یحبس عنهم شره' و ینفق علیه من بیت مالهم (486)

"اگر وہ آدمی صاحب مال ہوتا تو اس پر اسی کے مال میں سے صرف کیا جاتا۔ بصورت دیگر آپ اس کے اخراجات کا بار مسلمانوں کے بیت المال پر ڈال دیتے۔ اور انہوں نے کہا ہے' ان لوگوں کو اس آدمی کے شر سے محفوظ رکھا جائے گا اور اس کے مصارف ان کے بیت المال سے ادا کیے جائیں گے۔"

امام ابو یوسف نے حضرت عمر بن عبد العزیز (99-101ھ / 717-719ء) کا ایک فرمان بھی نقل کیا ہے جو انہوں نے قیدیوں کی معاش کے بارے میں جاری کیا تھا۔ آپ نے فرمایا۔

واجروا علیھم من الصدقۃ ما یصلحھم فی طعامھم و ادمھم (487)

"اور صدقہ کی مد سے ان کے لئے اتنا روزینہ مقرر کرو کہ جو ان کے کھانے اور سالن کے لئے کافی ہو۔"

چنانچہ ان آثار کی روشنی میں امام ابو یوسف فرماتے ہیں۔

لا بد لمن کان فی مثل حالھم اذا لم یکن لہ شئی یاکل منہ لا مال و لا وجد شئی یقیم بہ بدنہ ان یجری علیہ من الصدقۃ او من بیت المال' من ای الوجھین فعلت فذلک موسع علیک' واحب الی ان تجری من بیت المال علی کل واحد منھم ما یقوتہ' فانہ لا یحل و لا یسع الا ذلک

قال = والاسیر من اسری المشرکین لا بد ان یطعم و یحسن الیہ حتی یحکم فیہ' فکیف برجل مسلم قد اخطا او اذنب = یترک یموت جوعا؟ و انما حملہ علی ما صار الیہ القضاء او الجھل' و لم تزل الخلفاء یا امیر المومنین تجری علی اھل السجون ما یقوتھم فی طعامھم و ادمھم و کسوتھم الشتاء والصیف (488)

"جو افراد اس حال میں ہوں اور ان کے پاس کھانے کے لئے اور اپنی زندگی کی دوسری ناگزیر ضروریات کی تکمیل کے لئے نہ کچھ مال ہو نہ کوئی اور ذریعہ میسر ہو' ان کے لئے صدقہ یا بیت المال کی دوسری مدات سے کچھ انتظام کرنا بہر حال ضروری ہے۔ آپ یہ انتظام صدقہ کی مد سے کریں یا بیت المال کی دوسری مدات سے' دونوں کی گنجائش ہے۔ میرے نزدیک زیادہ بہتر یہ ہے کہ آپ ہر ایسے فرد کے لئے بیت المال سے بقدر ضرورت روزینہ مقرر کر دیں۔ اس کے علاوہ کوئی سلوک نہ جائز ہو گا نہ اس کی گنجائش ہے۔

(غور فرمائیے) جو مشرک ہمارے یہاں قید میں ہوں ان کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے کے وقت تک ناگزیر ہوتا ہے کہ اس کو خوراک بہم پہنچائی جائے اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے پھر اگر کوئی مسلمان کوئی غلطی یا گناہ کر بیٹھے تو اس کے ساتھ کوئی دوسرا سلوک کیسے مناسب ہو سکتا ہے؟ کیا اسے بھوکوں مرنے کے لئے چھوڑ دیا جائے؟ حالانکہ اسے اس حال میں مبتلا کرنے کی ذمہ داری یا تو نادانی پر ہے یا تقدیر پر۔ امیر المومنین ہمارے خلفاء قیدیوں کے لئے اتنا روزینہ جاری کرتے رہے ہیں جس سے روٹی' سالن اور جاڑے گرمی کی پوشاک فراہم کرنے کے کام چل سکیں۔"

آگے چل کر مزید لکھتے ہیں۔

فمر بالتقدیر لھم ما یقوتھم فی طعامھم و ادمھم وصیر ذلک دراھم تجری

علیهم فی کل شهر یدفع ذلک الیهم' فانک ان اجریت علیهم الخبز ذهب به ولاه السجن والقوام ولجلاوزة' وول ذلک رجلا من اهل الخیر والصلاح یثبت اسماء من فی السجن ممن تجری علیهم الصدقة' و تکون الاسماء عنده یدفع ذلک الیهم شهرا بشهر' یقعد و یدعو باسم رجل رجل' و یدفع ذلک الیه فی یده' فمن کان منهم قد اطلق و خلی سبیله رد ما یجری عنده' و یکون للاجراء عشرة دراهم فی الشهر لکل واحد' و لیس کل من فی السجن یحتاج الی ان یجری علیه' و کسوتهم فی الشتاء قمیص و کساء' و فی الصیف قمیص و ازار' و یجری علی النساء مثل ذلک و کسوتهن فی الشتاء قمیص و مقنعة و کساء' و فی الصیف قمیص و ازار و مقنعة(۴۸۶)

"آپ ان کے روٹی اور سالن پر آنے والے مصارف کا تخمینہ طلب کیجئے اور اس حساب سے ان کو ہر ماہ ایک مقررہ نقد رقم دینے کا حکم جاری کر دیجئے۔ اگر آپ ان کے لئے روٹیاں بھجوانے کا اہتمام کریں گے تو قید خانہ کے نگراں ملازم اور سپاہی اسے اڑالیں گی۔

کسی معقول اور نیک آدمی کے ذمہ یہ کام کیجئے کہ وہ قید خانہ کے ان قیدیوں کی فہرست مرتب کرے جن کو صدقہ جاری کرنا ہوگا۔ یہ فہرست اس آدمی کے پاس رہے گی اور وہ ماہ بہ ماہ ان لوگوں کی رقمیں ان تک پہنچا دے گا۔ وہ فہرست لے کر بیٹھے گا اور ایک ایک آدمی کا نام پکارے گا اور اس کی رقم اس کے حوالے کرتا جائے گا۔ ان میں سے جو لوگ رہا کئے جا چکے ہوں ان کی رقم واپس آجائے گی۔

میری رائے میں فی کس دس درہم ماہانہ کا وظیفہ کافی ہوگا یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہر قیدی روزینہ کا محتاج نہیں ہوتا۔ پوشاک کے لئے ان لوگوں کو جاڑے میں ایک قمیص اور ایک لبادہ اور گرمی میں ایک قمیص اور ایک تہ بند دیا جائے۔ عورتوں کا وظیفہ بھی اتنا ہی رکھا جائے البتہ ان کی پوشاک جاڑے میں ایک قمیص' ایک اوڑھنی' اور ایک لبادہ اور گرمی میں ایک قمیص' ایک تہ بند اور ایک اوڑھنی ہوگی۔"

آپ گداگری کی مذمت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

وامنعهم عن الخروج فی السلاسل یتصدق علیهم الناس' فان هذا عظیم ان یکون قوم من المسلمین قد اذنبوا و اخطئوا و اوقضی الله علیهم ما هم فیه فحبسوا یخرجون فی السلاسل یتصدقون' و ما اظن اهل الشرک یفعلون هذا باساری المسلمین الذین فی ایدیهم فکیف ینبغی ان یفعل هذا باهل

الاسلام؟ و انما صاروا الی الخروج فی السلاسل یتصدقون لما هم فیہ من جهد الجوع فربما اصابوا ما یاکلون و ربما لم یصیبوا' لیس ابن آدم لم یعر من الذنوب' فتفقد امرهم و مر بالاجراء علیهم مثل ما فسرت لک(490)

"آپ ان قیدیوں کو اس سے بالکل بے نیاز کر دیجئے کہ وہ زنجیروں میں بندھے ہوئے باہر نکلیں تاکہ لوگ انہیں خیرات دیں۔ یہ بڑی معیوب بات ہے کہ قضاء الٰہی کے سبب جن مسلمانوں سے غلطی گناہ سرزد ہو جائے اور وہ قید میں ڈال دیئے جائیں' وہ پابہ زنجیر خیرات مانگنے کے لئے نکلیں۔ میرا خیال ہے کہ ایسا سلوک تو مشرکین ان مسلمان قیدیوں کے ساتھ بھی نہ کرتے ہوں گے جو ان کے یہاں ہیں' پھر ہمارے یہ اہل اسلام کے ساتھ ایسا کرنا کس طرح مناسب ہو سکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ لوگ بھوک سے پریشان ہو کر پابہ زنجیر بھیک مانگنے کے لئے نکلتے ہیں کبھی انہیں کھانے کے لئے کچھ مل جاتا ہے کبھی نہیں ملتا۔ بے شک ابن آدم گناہوں سے پاک نہیں' لہٰذا آپ کو ان کے مسئلہ میں خصوصی توجہ کرنی چاہیے اور میں نے آپ کے سامنے جو تجاویز رکھی ہیں ان کے مطابق ان کے لئے روزینہ جاری کرنے کے احکام صادر کر دینے چاہئیں۔"

قیدیوں کی میت کی تجہیز و تکفین کے بارے میں کہتے ہیں۔

و من مات منهم و لم یکن له ولی و لا قرابة غسل و كفن من بیت المال و صلی علیه و دفن' فانه بلغنی' و اخبرنی به الثقات انه ربما مات منهم المیت الغریب فیمكث فی السجن الیوم والیومین حتی یستامر الوالی فی دفنه و حتی یجمع اهل السجن من عندهم ما یتصدقون و یكترون من یحمله الی المقابر فیدفن بلا غسل و لا كفن ولا صلاة علیه' فما اعظم هذا فی الاسلام و اهله (491)

"اور ان میں سے جو (قیدی) فوت ہو جائے اور اس کا کوئی سرپرست نہ ہو تو اس کی تجہیز و تکفین کا انتظام بیت المال سے کیا جائے اور اس کی نماز جنازہ ادا کر کے اسے دفن کر دیا جائے۔ مجھے معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ کبھی کسی کوئی پردیسی قیدی مر جاتا ہے تو اس کی لاش ایک دو دن قید خانہ میں پڑی رہتی ہے۔ اس بات کا انتظار رہتا ہے کہ مہتمم قید خانہ سے اس کے دفن کرنے کی اجازت حاصل کر لی جائے اور قید خانہ کے لوگ اپنے پاس سے خیرات جمع کر کے اس کا انتظام کریں کہ کچھ مزدور میت کو قبرستان لے جا کر غسل' کفن اور نماز جنازہ کے بغیر اسے دفن کر آئیں۔ اسلام اور اہل اسلام میں ایسا ہوتا ہے۔"

کتاب الخراج کے ان مندرجہ بالا اقتباسات سے قیدیوں کی معاش کے انتظام سے متعلق امام ابو یوسف کے معاشی فکر

کے درج ذیل نکات سامنے آتے ہیں۔

(ا) وہ افراد جو غریب و نادار ہوں ان کے لئے صدقات یا دوسری مدات سے بقدر ضرورت روزینہ کا اہتمام کیا جانا چاہیے۔

(ب) قیدی خواہ کسی بھی مذہب یا ملت سے تعلق رکھتے ہوں' ان کی بنیادی ضروریات کا اہتمام بہرحال ضروری ہے۔

(ج) قیدیوں کو جیل کے ملازمین کی چیرہ دستیوں سے محفوظ رکھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ روزانہ کھانا مہیا کرنے کی بجائے ماہانہ وظیفہ مقرر کر دیا جائے۔

(د) مردوں اور عورتوں کو ان کی ضروریات کے مطابق گرمی اور سردی کا لباس مہیا کیا جائے۔

(ر) قیدیوں کو اس امر پر مجبور نہ کیا جائے کہ وہ زنجیروں میں بندھے ہوئے باہر نکلیں اور لوگوں سے خیرات مانگ کر اپنی ضروریات پوری کریں۔

(9) ٹیکسوں کی وصولی صالح اور باصلاحیت افراد کے ذریعے کی جائے

بنو عباس کے دور میں ٹیکسوں کی وصولی کے نظام میں ایک بڑی اور بنیادی خرابی یہ پیدا ہو چکی تھی کہ ٹیکس وصول کرنے والے افراد کے انتخاب و تقرر میں قابلیت' صلاحیت اور امانت و دیانت کو بالکل کوئی اہمیت نہیں دی جاتی تھی۔ تحصیل خراج کی ذمہ داری پر فائز کرتے وقت سفارش' رشوت' قرابت داری اور ذاتی تعلقات کو فوقیت دی جاتی۔ خوشامدی' خود غرض اور خائن افراد کسی بڑی مزاحمت کے بغیر آسانی سے ٹیکسوں کی وصولی کے تمام اختیارات حاصل کر لیتے۔ ٹیکس وصول کرتے وقت مختلف لوگوں سے امتیازی سلوک کیا جاتا۔ عام لوگوں سے ٹیکس لیا جاتا لیکن عزیز و اقارب اور دوست احباب اس سے مستثنیٰ کر دیئے جاتے۔ معزز لوگوں سے ٹیکسوں کی ادائیگی کا مطالبہ نہ کیا جاتا جبکہ عام طبقہ سے کئی گنا زائد وصول کر لیا جاتا۔ عمال خراج رعایا پر ہر قسم کا ظلم و ستم کرنا اپنا قانونی حق (Legal Right) سمجھتے تھے۔ عوام الناس کی تحقیر و توہین کی جاتی ان کو مارا پیٹا جاتا۔ حکومت کے مقرر کردہ اصل ضابطہ سے ہٹ کر خراج وصول کیا جاتا۔ غیر ذمہ دار والی سرکاری اموال کو خود کھاتے اور دوسروں کو کھلانے کے مواقع بھی فراہم کرتے۔

امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں اس خرابی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں۔

انی قد اراهم لا یحتاطون فیمن یولون الخراج' اذا لزم الرجل منهم باب احدهم ایاما ولاه رقاب المسلمین و جبایة خراجهم و لعله ان لا یکون عرفه بسلامة ناحیة و لا بعفاف و لا باستقامة طریقة و لا بغیر ذلک و قد یجب الاحتیاط فیمن یولی شیئا من امر الخراج والبحث عن مذاهبهم والسؤال

عن طرائقهم کما یجب ذلک فیمن ترید للحکم والقضاء (492)

"میرا مشاہدہ ہے کہ لوگ خراج کے والیوں کا تقرر عمل میں لاتے وقت احتیاط سے کام نہیں لیتے۔ جو آدمی بھی ان میں سے کسی کی ڈیوڑھی پر چند دن پڑا رہے اسے وہ مالیہ وصول کرنے کا کام دے کر مسلمانوں کے سر پر مسلط کر دیتا ہے۔ حالانکہ زیادہ امکان اسی کا ہے کہ وہ نہ تو اس شخص کے حسن کردار اور سلامت روی پر مطمئن ہے نہ اس کے طور طریق اور دیگر معاملات کے سلسلہ میں اس کے بارے میں کوئی واقفیت رکھتا ہے۔ جس فرد کو بھی خراج کی تحصیل پر مامور کیا جائے اس کے تقرر میں خاصی احتیاط کی ضرورت ہے اس کے مسلک اور اس کے طور طریق وغیرہ کے بارے میں پوری تحقیق کی جانی چاہیے۔ ان کے سلسلہ میں ایسا کرنا اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ حاکموں اور قاضیوں کے تقرر میں۔"

امام ابو یوسف بڑے احسن انداز میں بشری خامیوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور ساتھ ہی اصلاح کے لئے ایسے افراد کے انتخاب پر زور دیتے ہیں جو بد عنوان اور خائن نہ ہوں۔ وہ قومی اور اجتماعی مفاد (Collective interest) کو ذاتی مفاد پر ترجیح دیتے ہوں۔ آپ بڑے واضح الفاظ میں کہتے ہیں کہ تحصیل خراج کے لئے امانت و دیانت اور قابلیت و صلاحیت کو چھوڑ کر محض سفارش اور تعلقات کی بنیاد پر منتخب کئے گئے افراد یہ فرض دیانتداری سے ادا نہیں کرسکتے۔ (493)

آپ ہارون الرشید کو نصیحت کرتے ہیں کہ وہ اپنے کسی قریبی عزیز کو تحصیل محاصل کی ذمہ داری نہ سونپے اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے قرابت داروں کو اس منصب پر فائز نہیں کرتے تھے۔ (494) حالانکہ وہ افراد باصلاحیت ہوتے تھے اور تقویٰ کے لحاظ سے بھی ان کا منفرد مقام تھا۔ (495)

آپ نے کتاب الخراج میں مختلف صفحات پر ٹیکس وصول کرنے والوں کے اوصاف بیان کئے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

و رایت (ابقی اللہ امیر المومنین) ان تتخذ قوما من اهل الصلاح والدین والامانة فتولیهم الخراج و من ولیت منهم فلیکن فقیها عالما مشاورا لاهل الرای عفیفا لا یطلع الناس منه علی عورة و لا یخاف فی اللہ لومة لائم' ما حفظ من حق و ادی من امانة احتسب به الجنة و ما عمل به من غیر ذلک خاف عقوبة اللہ فیما بعد الموت' تجوز شهادته ان شهد' و لا یخاف منه جور فی حکم ان حکم فانک انما تولیه جبایة الاموال واخذها من حلها و تجنب ما حرم منها یرفع من ذلک مایشاء و یحتجن منه مایشاء فاذا لم

یکن عدلا ثقۃ امینا فلا یوتمن علی الاموال(۲۹۶)

"امیر المومنین! خدا آپ کو سلامت رکھے' میری رائے یہ ہے کہ آپ بھلے دین دار اور امانت دار لوگوں کو تحصیل خراج پر مامور کریں۔ یہ ذمہ داری اسی کے سپرد کیجئے جو عالم اور فقیہ ہو۔ اہل الرائے کے مشورہ سے کام کرتا ہو اور پاک دامن و پاک باز ہو۔ لوگوں کو اس میں اخلاقی خرابیاں نہ نظر آئیں اور خدا کے کام میں وہ کسی کی ملامت کی پروا نہ کرتا ہو۔ جو حقوق کی پاسداری اور ادائے امانت کا فریضہ ثواب پانے اور جنت حاصل کرنے کی خاطر ادا کرے' اور اگر اس سے اس کے خلاف کوئی فعل سرزد ہو جائے تو اس بات سے ڈرے کہ اللہ اسے اس

یکن عدلا ثقة امینا فلا یوتمن علی الاموال(496)

"امیر المومنین! خدا آپ کو سلامت رکھے' میری رائے یہ ہے کہ آپ بھلے دین دار اور امانت دار لوگوں کو تحصیل خراج پر مامور کریں۔ یہ ذمہ داری اسی کے سپرد کیجئے جو عالم اور فقیہ ہو۔ اہل الرائے کے مشورہ سے کام کرتا ہو اور پاک دامن و پاک باز ہو۔ لوگوں کو اس میں اخلاقی خرابیاں نہ نظر آئیں اور خدا کے کام میں وہ کسی کی ملامت کی پروانہ کرتا ہو۔ جو حقوق کی پاسداری اور ادائے امانت کا فریضہ ثواب پانے اور جنت حاصل کرنے کی خاطر ادا کرے' اور اگر اس سے اس کے خلاف کوئی فعل سرزد ہو جائے تو اس بات سے ڈرے کہ اللہ اسے اس کی موت کے بعد سزا دے گا جو گواہی دے تو اس کی گواہی قبول کی جا سکتی ہو اور اگر فیصلہ کرنے بیٹھے تو اس سے ظلم و جور کا اندیشہ نہ ہو۔ آپ جسے ذمہ دار بنائیں گے اسے جائز حدود کے اندر' حرام سے اجتناب کرتے ہوئے مالیہ وصول کرنے کا کام دیں گے' وہ اپنی صوابدید کے مطابق بعض حالات کو آپ کے سامنے پیش کرے گا اور بعض سے خود نبٹ لے گا لہذا جو آدمی راست باز' معتمد علیہ اور امانت دار نہ ہو اس پر مالی امور کے سلسلہ میں بھروسہ نہیں کیا جانا چاہیے۔"

عشور کے بارے میں ہارون الرشید کو مشورہ دیتے ہوئے کہتے ہیں۔

اما العشور فرایت ان تولیها قوما من اهل الصلاح والدین و تامرهم ان لا یتعدوا علی الناس فیما یعاملونهم به فلا یظلموهم و لا یاخذوا منهم اکثر مما یجب علیهم و ان یمتثلوا ما رسمناه لهم (497)

"عشور کے بارے میں میری رائے یہ ہے کہ آپ کچھ دین دار اور صالح افراد کو ان کی تحصیل پر مامور کر دیجئے اور ان کو ہدایت کر دیجئے کہ لوگوں پر ظلم و زیادتی نہ کریں۔ ان سے مقدار واجب سے زیادہ محصول نہ لیں اور ہم نے جو ضابطے ان کے لئے مقرر کر دیئے ہیں ان کی پوری پوری پابندی کریں۔"

جزیہ کی تحصیل پر جو لوگ مقرر ہوں ان کے بارے میں کہتے ہیں۔

فانی اری ان یصیره الامام الی رجل من اهل الصلاح فی کل مصر و من اهل الخیر والثقة ممن یوثق بدینه و امانته و یصیر معه اعوانا یجمعون الیه اهل الادیان (498)

"میری تجویز یہ ہے کہ ہر شہر کے جزیہ کی تحصیل امام وہاں کے کسی نیک دین دار' امانت دار اور معتمد علیہ فرد کے سپرد کر دے اور اس کے لئے چند معاون مقرر کر دے۔ یہ لوگ ہر مذہب کے ذمیوں کو اس ذمہ دار فرد کے یہاں جمع کریں۔"

صدقات (زکوٰۃ) کی وصولی پر جو افراد مامور ہوں ان کے بارے میں کہتے ہیں۔

و مر یا امیر المومنین باختیار رجل امین ثقة عفیف ناصح مامون علیک و علی رعیتک فوله جمیع الصدقات فی البلدان و مره فلیوجه فیها اقواما یرتضیهم و یسال عن مذاهبهم و طرائقهم و اما ماتهم یجمعون الیه صدقات البلدان ۔ و قد بلغنی ان عمال الخراج یبعثون رجالا من قبلهم فی الصدقات فیظلمون و یعسفون و یاتون مالا یحل و لا یسع و انما ینبغی ان یتخیر للصدقة اهل العفاف والصلاح (499)

"امیر المومنین آپ ایک امانت دار، معتمد علیہ، پاک باز اور خیر خواہ فرد کے تقرر کا حکم صادر فرمایئے جس کے اوپر آپ اپنے اور اپنی رعایہ کے سلسلہ میں پورا اطمینان رکھتے ہوں اور اس فرد کو شہروں میں تمام صدقات کی تحصیل کا نگران بنا دیجئے۔ آپ اس ذمہ دار کو حکم دیجئے کہ وہ ہر علاقہ میں ایسے لوگوں کو تعینات کرے جن کے بارے میں اسے اطمینان ہو۔ اسے ان لوگوں کے طور طریقہ (فقہی) مسلک اور امانت داری کے بارے میں مناسب تفتیش کر لینا چاہیے۔ یہی لوگ سارے علاقوں کے صدقات جمع کر کے اس ذمہ دار فرد کے پاس لائیں۔ مجھے اطلاع ملی ہے کہ افسران خراج اپنی جانب سے صدقات کی وصولی کے لئے کچھ افراد کو بھیج دیتے ہیں اور یہ لوگ ظلم و زیادتی سے کام لے کر ایسی حرکتیں کرتے ہیں جو نہ تو جائز ہیں نہ اس کی کسی طرح بھی گنجائش نکل سکتی ہے۔ زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے تو صرف پاک باز اور صالح افراد کا انتخاب کیا جانا چاہیے۔"

ان مندرجہ بالا عبارتوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ امام ابو یوسف نے ملی و اقتصادی امور پر فائز افراد کی صلاحیتوں اور اوصاف کو مد نظر رکھنے پر بہت زور دیا ہے۔ آپ کے نزدیک ان عہدہ داروں میں درج ذیل خوبیوں کا ہونا بہت ضروری ہے۔

(1) وہ امین اور دیانت دار ہو اور اس پر اعتماد کیا جا سکتا ہو۔

(2) دین دار، پاکیزہ اخلاق اور صالح سیرت کا حامل ہو۔

(3) سچ بولنے کا عادی ہو اور جھوٹ سے نفرت کرنے والا ہو۔

(4) شرعی مسائل سے نہ صرف واقفیت رکھتا ہو بلکہ اعلیٰ درجہ کی فقہی بصیرت کا مالک ہو۔

(5) ہر کسی سے خیر خواہی کرنے والا ہو۔

(6) اپنے فرائض منصبی حلال و حرام کی حدود میں رہتے ہوئے انجام دینے والا ہو۔

(7) اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کی خاطر کام کرنے والا ہو اور اپنے فرائض کی ادائیگی میں کسی کی ملامت کی پرواہ نہ

کرے۔

(8) دوسروں پر اپنی ذاتی رائے کو مسلط کرنے والا نہ ہو بلکہ صاحب بصیرت اور اہل الرائے سے مشورہ کرنے والا ہو۔

(9) رعایا کو اس سے کسی قسم کا نقصان پہنچنے کا احتمال نہ ہو۔

(10) تحصیل خراج کے لئے جو ضابطے مقرر کئے گئے ہوں ان کی پابندی کرنے والا ہو۔

(11) کسی سے بھی مقررہ شرح سے زیادہ وصول نہ کرے۔

یعنی ہر وہ شخص جو صرف صالح اور نیک ہو اس کو محاصل کی وصولی پر مقرر نہیں کیا جاسکتا۔ آپ نے اس ضمن میں بڑی دقت نظر سے کام لیا ہے۔ ایسے افراد کے لئے ضروری ہے کہ وہ باصلاحیت بھی ہوں تاکہ اپنے فرائض احسن طریقہ سے ادا کر سکیں۔

(10) نظام احتساب کا قیام

یہ نظام کسی نہ کسی شکل میں مختلف اقوام کی تاریخ میں موجود رہا ہے۔ قدیم مصری بادشاہوں نے لوگوں کو ریلیف دینے کے لئے اپنے دربار میں افسر شکایات مقرر کر رکھے تھے جو رعایا کی تکالیف سے بادشاہ کو آگاہ کرتے تھے۔ قدیم سلطنت روم میں اس کام کے لئے ایک خاص مجسٹریٹ مقرر کیا جاتا تھا جو حکومتی اہل کاروں کے خلاف عوام کی شکایات سنتا تھا۔ چینی بادشاہوں نے بعض درباریوں کو اس طرح کے فرائض سونپ رکھے تھے۔ ایرانی تہذیب میں بھی احتساب (Ihtisab) کی نشانیاں ملتی ہیں۔(500)

حضرت عمر بن الخطابؓ (13-24ھ / 634-645ء) کے عہد خلافت میں سرکاری اہلکاروں (Government Servants) کے خلاف شکایات سننے کا انتظام کیا گیا تھا۔ بعد ازاں حضرت عثمان غنیؓ (24-35ھ / 645-655ء) اور حضرت علی بن ابی طالبؓ (35-40ھ / 656-661ء) کے ادوار میں بھی عمال کے احتساب کی مثالیں ملتی ہیں۔ (501)

بنو امیہ کے دور میں احتساب کے اس ادارہ کا وجود نہیں ملتا۔ عہد بنو عباس کے شروع میں بھی احتساب کا کوئی باقاعدہ نظام نہیں تھا۔ ہارون الرشید (170-193ھ / 786-809ء) کے دور میں سرکاری عہدہ دار خراج کی وصولی میں بدعنوانیوں کے مرتکب ہوتے تھے۔ امام ابو یوسف نے خلیفہ کی توجہ اس طرف مبذول کروائی ہے۔ ان کا نظریہ یہ ہے کہ سرکاری عہدہ داروں کے مالی اختیارات کی تصریح کردینی چاہیے تاکہ وہ اپنی حدود سے تجاوز نہ کریں۔ نیز ان کو وقتاً فوقتاً قیام عدل اور رعایا کے ساتھ لطف و شفقت کے احکام بھیجتے رہنا چاہیے۔ آپ کی رائے یہ ہے کہ کسی عہدہ دار کی بدعنوانی (Corruption) کو برداشت نہیں کرنا چاہیے۔ ان کے اعمال و افعال کی پوری تحقیقات کی جانی چاہیے اور

ظالم و خائن عہدہ داروں کو معزول کر دینا چاہیے۔ امام ابو یوسف کتاب الخراج میں فرماتے ہیں۔

و انا ارى ان تبعث قوما من اهل الصلاح والعفاف ممن يوثق بدينه و امانته يسالون عن سيرة العمال و ما عملوا به في البلاد و كيف جبوا الخراج على ما امروا به و على ما وظف على اهل الخراج واستقر' فاذا ثبت ذلك عندك وصح اخذوا بما استفضلوا من ذلك اشد الاخذ حتى يودوه بعد العقوبة الموجعة والنكال حتى لا يتعدوا ما امروا به و ما عهد اليهم فيه(502)

"میری رائے یہ ہے کہ آپ چند پاکباز اور صالح افراد کو جن کی دین داری اور امانت داری پر پورا اعتماد ہو' اپنے افسران کے طرز عمل کی جانچ پڑتال کے لئے روانہ کیجئے۔ یہ لوگ معلوم کریں کہ اپنی اپنی عمل داری میں ان افسران کی پالیسی کیسی رہی ہے انہوں نے تحصیل خراج میں کس حد تک مقررہ اصول و ضوابط کی پابندی کی۔ اور اس شرح کو برقرار رکھا یا نہیں جو اہل خراج کے لئے مقرر کی گئی ہے۔ جب آپ کو ان افراد سے رپورٹ مل جائے اور اس رپورٹ میں لگائے گئے الزامات کی تحقیق مکمل ہو جائے تو ان افسران نے جو کچھ فاضل وصول کیا ہے اس پر ان سے بہت سخت جواب طلبی کی جائے اور سخت سزائیں دے کر ان سے یہ رقمیں وصول کی جائیں تاکہ آئندہ یہ لوگ مقررہ ضوابط کی خلاف ورزی اور اپنے مقررہ حدود سے تجاوز کی جرات نہ کر سکیں۔"

فان كان ما عمل به و الى الخراج من الظلم والعسف فانما يحمل انه قد امر به' و قد امر بغيره' و ان احللت بواحد منهم العقوبة الموجعة انتهى غيره واتقى و خاف و ان لم تفعل هذا بهم تعدوا على اهل الخراج اجترؤوا على ظلمهم و تعسفهم و اخذهم بما لا يجب عليهم(503)

"والی خراج جو ظلم و زیادتی کرتا ہے اس کے بارے میں رعایا یہ سمجھتی ہے کہ اسے ایسا ہی کرنے کا حکم دیا گیا ہے حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے آپ اگر ان میں سے ایک کو بھی سخت سزا دے دیں تو دوسرے ڈر کر ان حرکتوں سے باز آ جائیں گے لیکن اگر آپ ایسا نہ کریں گے تو یہ لوگ اہل خراج پر دست درازیاں جاری رکھیں گے اور ان پر ظلم ڈھا کر ان سے بے جا وصولیابی کرنے پر اور زیادہ جری ہو جائیں گے۔"

و ان صح عندك من العامل والوالي تعد بظلم و عسف وخيانة لك في رعيتك و احتجان شئ من الفئ او خبث طعمته او سوء سيرته فحرام عليك استعماله والاستعانة به و ان تقلده شيئا من امور رعيتك او تشركه في شئ من امرك- بل عاقبه على ذلك عقوبة تردع غيره من ان يتعرض

لمثل ما تعرض له (504)

"آپ کو جب کسی عامل اور والی کے بارے میں قطعیت کے ساتھ یہ معلوم ہو جائے کہ اس نے ظلم و زیادتی کی ہے' حدود سے تجاوز کیا ہے' رعایا کے ساتھ اپنے برتاؤ میں آپ کے ساتھ خیانت کی ہے یا نے کا کچھ مال خود ہضم کر بیٹھا ہے یا اس کی سیرت بری اور کردار گندہ ہے تو آپ پر آئندہ اس افسر سے کام لینا' یا اسے کسی طرح کی ذمہ داری سپرد کرنا یا اسے اپنے معاملات میں ذرا بھی دخیل بنانا حرام ہے۔ اس کے برعکس آپ کو چاہیے کہ ایسے افسر کو اتنی سخت سزا دیں کہ دوسروں کو عبرت ہو اور وہ ان حرکتوں سے باز آجائیں جن کا ارتکاب اس افسر سے ہوا ہے۔

ثم تتفقد بعد امرهم و ما يعاملون به من يمر بهم و هل تجاوزون ما قد امروا به؟ فان كانوا قد فعلوا ذلك عزلت و عاقبت واخذتهم بما يصح عندك عليهم لمظلوم او ماخوذ منه اكثر مما يجب عليه (505)

"اس کے بعد آپ ان کے طرز عمل اور (چنگی سے) گزرنے والوں کے ساتھ ان کے برتاؤ کے بارے میں تفتیش کیجئے اور یہ معلوم کیجئے کہ ان کو جو احکام دیئے گئے ہیں ان سے وہ تجاوز تو نہیں کر رہے ہیں اور اگر انہوں نے ایسا کیا ہو تو آپ ان کو معزول کر دیجئے اور سزا دیجئے۔ اور جن لوگوں نے ان سے حق زیادہ وصول کیا ہو' یا جن پر ظلم کیا ہو' ان سب کا تاوان آپ ضروری ثبوت فراہم ہو جانے کے بعد ان محصلین سے وصول کیجئے۔"

فلو تقربت الى الله عز و جل يا امير المومنين بالجلوس لمظالم رعيتك في الشهر او الشهرين مجلسا واحدا تسمع فيه من المظلوم و تنكر على الظالم رجوت ان لا تكون ممن احتجب عن حوائج رعيته' و لعلك لا تجلس الا مجلسا او مجلسين حتى ليسير ذلك في الامصار والمدن فيخاف الظالم و قوفك على ظلمه فلا يجترئ' على الظلم و يامل الضعيف المقهور جلوسك و نظرك في امره فيقوى قلبه و يكثر دعاؤه۔۔۔ و كذلك من بعده مع انه متى علم العمال والولاة انك تجلس للنظر في امور الناس يوما في السنة ليس يوما في الشهر تناهوا باذن الله عن الظلم و انصفوا من انفسهم' و انى لا رجولك بذلك اعظم الثواب' انه من نفس عن مومن كربة من كرب الدنيا نفس الله عنه كربة من كرب الاخرة (506)

"اے امیر المومنین اگر آپ اللہ تعالیٰ عزوجل کا قرب حاصل کرنے کی خاطر ہر مہینہ یا مہینہ میں دو بار ایک

اجلاس خاص اس لئے کریں کہ اپنی رعایا سے مظالم کی فریاد سنیں اور ظالموں کو متنبہ کریں تو مجھے امید ہے کہ آپ کا شمار ان حکمرانوں میں نہ ہو گا جو اپنی رعایا کی ضروریات سے بے نیاز و بے خبر رہتے ہیں۔ مجھے توقع ہے کہ اس طرح کے دو ایک اجلاس کا انعقاد ہوتے ہی یہ خبر اطراف و جوانب میں عام ہو جائے گی۔ ہر ظالم کو اس بات کا ڈر لگنے لگے گا کہ اس کی خبر آپ تک پہنچ جائے گی اور وہ ظلم سے باز آ جائے گا کمزور و پامال لوگوں کو یہ آس بندھ جائے گی کہ آپ اجلاس کر کے ان کے معاملہ پر غور فرمائیں گے۔ اس سے ان کی ڈھارس بندھے گی اور وہ آپ کو بہت دعائیں دیں گے۔۔ ایسا کرنے کا دوسرا فائدہ یہ ہو گا کہ جب عمال اور والیوں کو یہ معلوم ہو گا کہ آپ مہینہ میں ایک دن بلکہ سال میں ایک دن عام لوگوں کے معاملات و مقدمات پر غور کرنے کے لئے اجلاس کرتے ہیں تو ان شاء اللہ وہ ظلم سے باز آ جائیں گے اور خود بخود انصاف کرنے لگیں گے۔ مجھے توقع ہے کہ ایسا کرنے سے آپ کو بہت بڑا ثواب ملے گا کیونکہ جو کوئی کسی مسلمان پر سے مصائب دنیا میں سے کسی مصیبت کو دور کرتا ہے اللہ اس پر سے مصائب آخرت میں سے ایک مصیبت دور فرما دے گا۔"

امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں حضرت علیؓ بن ابی طالب کا ایک فرمان نقل کیا ہے جو آپ نے اپنے ایک عامل کعب بن مالک کو دیا تھا۔

فاستخلف علی عملک و اخرج فی طائفة من اصحابک حتی تمر بارض السواد کورة کورة فتسالهم عن عمالهم و تنظر فی سیرتهم (507)

"اپنے کام کسی نائب کے سپرد کرو اور اپنے رفقاء کی ایک جماعت ساتھ لے کر سواد کی ایک ایک بستی کا دورہ کرو وہاں کے باشندوں سے ان کے افسران کے احوال دریافت کرو اور ان کی سیرت و کردار کا مطالعہ کرو۔"

آپ نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک موقع پر عوام کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

انی واللہ ما ابعث الیکم عمالی لیضربوا ابشارکم و لا لیاخذوا من اموالکم' و لکنی ابعثهم الیکم لیعلموکم دینکم و سنة نبیکم' فمن فعل به سوی ذلک فلیرفعه الی' فوالذی نفسی بیده لاقصنه منه (508)

"خدا کی قسم' میں اپنے افسروں کو تمہارے یہاں اس لئے نہیں بھیجتا کہ وہ تمہارے سر پر چپت ماریں یا تمہارے مال چھین لیں۔ میں انہیں تمہارے پاس اس لئے بھیجتا ہوں کہ وہ تمہیں تمہارا دین اور تمہارے نبیؐ کی سنت سکھائیں۔ جس کسی کے ساتھ دین اور سنت سے ہٹا ہوا سلوک کیا جائے اسے چاہیے کہ اپنا معاملہ میرے سامنے پیش کرے۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں متعلق افسر سے اس (مظلوم) کا بدلہ لے کر رہوں گا۔"

ان مندرجہ بالا اقتباسات سے امام ابو یوسف کے معاشی فکر کے درج ذیل نکات کی نشاندہی ہوتی ہے۔

(1) سرکاری عہدہ دار اپنے اختیارات کی حدود میں رہتے ہوئے ہی ٹیکس وصول کر سکتے ہیں۔

(2) ان افسران و ملازمین کو بے لگام نہیں چھوڑنا چاہیے۔ ان کی سرگرمیوں کی جانچ پڑتال کرکے احتساب کا ایک ایسا ادارہ ہونا چاہیے جو ان کو رلو احتدال سے ہٹنے نہ دے۔

(3) اگر سرکاری افسر عوام پر ظلم و زیادتی کرتے ہیں تو اس سے حاکم کی شخصیت داغدار ہوتی ہے اور عوام یہ خیال کرتے ہیں کہ اس بد عنوانی (Corruption) میں وہ بھی ملوث ہے۔

(4) جن افراد کو احتساب کی ذمہ داری سونپی جائے وہ مثالی کردار و اوصاف کے حامل ہوں۔

(5) وہ عہدہ دار جو کسی قسم کی بد عنوانی کے مرتکب ہوں' یا ٹیکس دہندگان کے ساتھ کسی قسم کی بے انصافی کریں تو انہیں نہ صرف سخت سزا دے کر ملازمت سے برطرف کر دیا جائے بلکہ ان سے غصب شدہ اموال بھی واپس لئے جائیں۔

(6) ایسے افراد کو ہمیشہ کے لئے نااہل قرار دینا چاہیے اور آئندہ کوئی ذمہ داری نہیں سونپنی چاہیے۔

(7) کسی سرکاری افسر کو سزا دینے سے پہلے پوری تحقیق کرلینی چاہیے تاکہ کسی کو ناحق سزا نہ ملے۔

(8) اگر خائن افسران کو ان کے کئے کی سزا مل جائے تو اس سے دوسروں کو عبرت ہو جاتی ہے۔ اور جب حاکم ایسے افسران سے درگزر کر دے اور ان پر سختی نہ کرے تو پھر رشوت' بد عنوانی اور ظلم و ستم کا دروازہ کھلتا ہے۔

(9) خلیفہ کو خود بھی ہر مہینہ یا کم از کم سال میں ایک مرتبہ اجلاس خاص کرنا چاہیے۔ اس سے ظالم ڈر جائیں گے اور کمزور و مظلوم لوگوں کو ان کے معاشی حقوق ملنے میں آسانی ہو جائے گی۔

امام ابو یوسف رقم طراز ہیں:

> وقد كتبت لك ما أمرت به وشرحته لك وبينته' فتفقهه وتدبره وردد قراءته حتى تحفظه' فإني قد اجتهدت لك في ذلك ولم آلك والمسلمين نصحا ابتغاء وجه الله وثوابه وخوف عقابه۔ وإني لأرجو إن عملت بما فيه من البيان أن يوفر الله لك خراجك من غير ظلم مسلم ولا معاهد' ويصلح لك رعيتك' فإن صلاحهم بإقامة الحدود عليهم ورفع الظلم عنهم والتظالم فيما اشتبه من الحقوق عليهم(309)

"آپ نے جن باتوں کے قلم بند کرنے کا حکم دیا تھا ان کو میں نے کافی تفصیل و تشریح کے ساتھ مرتب کر دیا ہے۔ آپ ان کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ ان میں غور و فکر کریں اور ان کو بار بار پڑھیں تاکہ آپ کے ذہن نشین ہو

جائیں۔ آپ کی خاطر میں نے اس سلسلہ میں کافی محنت کی ہے اور آپ کی اور عام مسلمانوں کی خیر خواہی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی' اس کے ثواب کا حصول اور اس کی سزا کا خوف ہر آن میرے سامنے رہا ہے۔ اس تحریر میں جو باتیں پیش کی گئی ہیں ان کے مطابق آپ نے عمل کیا تو مجھے توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے خراج میں اضافہ کرے گا بغیر اس کے کہ کسی مسلمان یا معاہد پر ظلم کی نوبت آئے' اور اللہ آپ کی رعایا کی حالت بھی بہتر کر دے گا۔ رعایا کی فلاح و بہبود دراصل اسی میں ہے کہ حدود اللہ نافذ کی جائیں ان پر نہ تو حکومت کی طرف سے کسی طرح کا ظلم ہونے پائے اور نہ وہ حقوق کے مشتبہ ہونے کی وجہ سے باہم ظلم کریں۔"

فصل ہفتم

امام ابو یوسف اور مسائل زمین

اس فصل میں ہم زراعت (Agriculture) کے بارے میں امام ابویوسف کے معاشی فکر کو زیر بحث لائیں گے۔ کتاب الخراج کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابویوسف ایسے ماہر معاشیات نے صرف ملی معاملات ہی پر بحث نہیں کی بلکہ وہ عام اقتصادی معاملات کے ساتھ ساتھ خاص اقتصادی معاملات کو بھی زیر بحث لائے ہیں۔

عرب کے وہ شہر جو زراعت کی ترقی میں مشہور تھے' ان میں مدینہ منورہ کو ایک نمایاں مقام حاصل تھا۔ اسلام کے ابتدائی دور میں مدینہ اور اس کے گردونواح کی زیادہ زمین بنجر (Barren) تھی۔ صرف کھجور اور انگور کی معمولی کاشت کی جاتی تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین نے بنجر زمین کی آبادکاری کے لئے عوام الناس کو ترغیب دی۔ یہی وجہ ہے کہ مدینہ کے فقہاء کے ہاں اقطاع اور احیائے موات کے ضمن میں بحثیں ملتی ہیں۔

بنو عباس کے عہد میں مفتوحہ علاقوں بالخصوص عراق اور مصر میں زراعت کے پیشہ کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ خلفاء نے اس پیشہ کی ترقی کی طرف خاص توجہ دی۔ (510)

اس عہد میں کاشتکاری (Cultivation) کے مختلف طریقے متعارف ہو چکے تھے۔ زیادہ تر کاشتکاری وہاں کے مقامی باشندے کرتے تھے۔ ہارون الرشید (170-193ھ / 786-809ء) کو اس امر کا شدید احساس تھا کہ زراعت کی ترقی کے بغیر ملکی معاشی ترقی ناممکن ہے۔ اس لئے زراعت کی تنظیم اور اس کی ترقی پر خاص توجہ دینی چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے حکومت اور زرعی کارکنوں کے مابین تعلق کو مضبوط کرنے کے لئے زمین کے مختلف مسائل کے بارے میں امام ابویوسف سے راہنمائی طلب کی۔

مزارعت

لفظ مزارعۃ' ثلاثی مزید فیہ کے باب مفاعلۃ کا مصدر ہے۔ اور اس کا مادہ زرع ہے جو تین معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

(ا) انبات'، بمعنی اگانا

(ب) طرح بذر فی الارض'، بمعنی زمین میں تخم ریزی کرنا اور بیج ڈالنا

(ج) نبات کل شئی' ہر شے کی اگی ہوئی کھیتی

چنانچہ جب لفظ زرع کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس وقت پہلا معنی مراد لیا جائے گا کیونکہ کسی شئے کو اگانا صرف اللہ تعالیٰ کا فعل ہے۔ اور جب اس کی نسبت انسان کی طرف ہو تو دوسرا معنی یعنی تخم ریزی کرنا اور بیج ڈالنا مراد لیا جائے گا کیونکہ یہ کام انسان ہی کرتا ہے اور جب اس کی جمع زروع ہو تو اس سے مراد اگی ہوئی کھیتی ہو گا کیونکہ کھیتی مختلف

اور متعدد چیزوں کی ہوتی ہے۔ مثلاً گندم، جو اور دھان وغیرہ کی۔

شرعی اصطلاح کے طور پر اس کی تعریف یہ کی گئی ہے۔

المزارعة هي عقد على الزرع ببعض الخارج (511)

"مزارعت نام ہے اس معاہدے کا جو کھیتی کی پیداوار کے ایک حصے پر طے پاتا ہے۔"

یعنی جس کی بنیاد کھیت اور کھیتی ہوتی ہے اور جس میں ہر فریق کھیت سے پیدا ہونے والے غلہ وغیرہ کے بعض حصے کا حقدار قرار پاتا ہے۔

مزارعت کو مخابرہ اور محاقلہ کا نام بھی دیا گیا ہے اور اہل عراق اسے "قراح" کہتے ہیں۔ (512)

ابوبکر السرخسی کی تحقیق یہ ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا گیا تو انہوں نے زراعت کا پیشہ اختیار کیا اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مقام "جرف" میں زراعت فرمائی۔ (513)

مزارعت کے بارے میں امام ابو حنیفہ کا نقطہ نظر

امام ابو حنیفہ مزارعت (Partnership to cultivate land) کے معاہدہ (Contract) کو باطل (Void) کہتے ہیں۔ امام ابو یوسف نے اپنی کتاب "اختلاف ابی حنیفة و ابن ابی لیلی" میں امام صاحب کا مشہور فتویٰ اس طرح نقل کیا ہے۔

و اذا اعطى الرجل الرجل ارضا مزارعة بالنصف او الثلث او الربع او اعطى نخلا او شجرا معاملة بالنصف او اقل من ذلك او اكثر فان ابا حنيفة رضى الله عنه كان يقول هذا كله باطل (514)

"اور جب کوئی شخص زمین آدھی یا تہائی یا چوتھائی پر کسی دوسرے شخص کو دے یا کھجور و دیگر پھلوں کے باغ کا معاملہ آدھی یا اس سے کم و بیش بٹائی پر کرے تو امام ابو حنیفہ ایسی صورت میں فرمایا کرتے تھے کہ یہ سب باطل ہے۔"

امام ابو یوسف "کتاب الخراج" میں ہارون الرشید کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

و سالت يا امير المومنين عن المزارعة فى الارض البيضاء بالنصف والثلث فان اصحابنا من اهل الحجاز و اهل المدينة على كراهة ذلك و افساده ـ و كان ابو حنيفة رحمه الله ممن يكره ذلك كله فى الارض البيضاء و فى النخل والشجر بالثلث والربع و اقل و اكثر (515)

"امیر المومنین آپ نے دریافت کیا ہے کہ پرتی زمینوں کو نصف یا تہائی پیداوار پر مزارعت کے طور پر (کاشت کاری) دینا کیسا ہے؟ جواب یہ ہے کہ ہمارے حجازی اور مدنی رفقاء اس معاملہ کو مکروہ اور فاسد قرار دیتے ہیں۔ ابو حنیفہ ان لوگوں میں سے تھے جو پرتی زمینوں یا باغات اور نخلستانوں میں تہائی اور چوتھائی یا کم و بیش پیداوار پر اس طرح کا معاملہ کرنے کو ناجائز سمجھتے تھے۔"

امام ابو حنیفہ نے حدیث مخابرہ سے استدلال کیا ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مخابرہ سے منع کیا ہے۔(516)

امام ابو یوسف کا فتویٰ

امام ابو یوسف نے مزارعت کے مسئلہ میں اپنے استاد امام ابو حنیفہ سے اختلاف کرتے ہوئے اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ وہ اسے مضاربت

(A partnership where one provides the capital and the other the labour) پر قیاس کرتے ہیں۔ آپ کتاب الخراج میں لکھتے ہیں۔

فاحسن ما سمعناه فی ذلک واللہ اعلم ان ذلک کله جائز مستقیم صحیح و هو عندی بمنزلة مال المضاربة قد یدفع الرجل الی الرجل المال مضاربة بالنصف والثلث فیجوز و هذا مجهول لا یعلم ما مبلغ ربحه لیس فیه اختلاف بین العلماء فیما علمت۔ و کذلک الارض عندی هی بمنزلة المضاربة الارض البیضاء منهما والنخل والشجر سواء(517)

"اس بارے میں جو سب سے بہتر بات ہم نے سنی ہے واللہ اعلم وہ یہ ہے کہ یہ سب جائز درست صحیح ہے اور یہ میرے نزدیک بمنزلہ مال مضاربت کے ہے۔ ایک شخص دوسرے کو نصف و تہائی نفع پر مضاربت کے طریق پر مال دیتا ہے اور وہ جائز ہے حالانکہ یہ بات مجہول ہے کہ مبلغ نفع کتنا ہو گا لیکن اس میں جہاں تک میں جانتا ہوں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ اسی طرح زمین بھی میرے نزدیک بمنزلہ مضاربت کے ہے۔ سادہ زمین اور کھجور و پھلوں کے درخت برابر ہیں۔"

امام ابو یوسف کے نزدیک مزارعت و مضاربت

امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں مزارعت کے جواز پر دلیل دیتے ہوئے جو کہا ہے کہ یہ میرے نزدیک بمنزلہ مال مضاربت کے ہے' اس سے بعض علماء نے یہ مفہوم لیا ہے کہ امام ابو یوسف مزارعت کو بعینہ مضاربت قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ ابو جعفر الطحاوی نے شرح معانی الآثار میں امام ابو یوسف کے اس نظریہ پر تنقید کی ہے۔ وہ مزارعت اور مساقات کو

مضاربت پر قیاس کرنے کی نفی کرتے ہوئے اس کی دو وجوہات بیان کرتے ہیں۔
(ا) پہلی وجہ یہ ہے کہ مضاربت میں منافع کی تقسیم اس وقت جائز ہوتی ہے جب اصل سرمایہ محفوظ ہو اور وہ رب المال کو واپس مل جائے لیکن مزارعت اور مساقات میں ایسا نہیں ہوتا وہ اس کی ایک صورت یہ بیان کرتے ہیں کہ ایک باغ میں پھل پک چکا ہو اور وہ توڑ لیا گیا ہو مالک اور مساقی کے درمیان پھل تقسیم ہونے سے قبل آگ لگ جانے سے وہ درخت جل جائیں لیکن توڑا ہوا پھل محفوظ رہے تو اس صورت میں وہ محفوظ پھل باغ کے مالک اور مساقی کے درمیان معاہدہ کے مطابق تقسیم ہو جاتا ہے حالانکہ باغ اس وقت پہلی حالت میں نہیں ہے۔
(ب) دوسری وجہ یہ ہے کہ مزارعت اور مساقات کا معاملہ جب غیر معین وقت کے لئے کیا جائے تو فاسد ہوتا ہے جبکہ مضاربت غیر معین وقت کے لئے جائز ہوتی ہے۔(518)

حقیقت یہ ہے کہ امام ابو یوسف نے مزارعت اور مساقات کو مضاربت قرار نہیں دیا۔ آپ ہرگز یہ نظریہ نہیں رکھتے کہ ان دونوں معاملات میں مکمل طور پر مماثلت پائی جاتی ہے۔ آپ نے تو دراصل امام ابو حنیفہ کی اس رائے پر تنقید کی ہے کہ مزارعت اجارہ کی مانند ہے کہ جس میں اجرت زمین و باغ کی پیداوار کے ایک حصے کو بنایا گیا ہے حالانکہ یہ معلوم نہیں کہ پیداوار کچھ ہو گی بھی یا نہیں؟ چنانچہ امام محمد نے کتاب الحجہ میں امام ابو حنیفہ کی رائے کا ذکر اس طرح کیا ہے۔

> کان ابو حنیفة رضی اللہ عنہ لا یجیز المزارعة فی الارض و لا المعاملة فی النخل بالثلث و لا بالربع و لا باقل من ذلک و لا باکثر و کان یقول ھذہ اجارة استوجرت ببعض ما یخرج من الارض والنخل لا یدری ایخرج شیئا ام لا یخرج و قال محمد ھذا کله جائز المعاملة فی النخل والمزارعة فی الارض بالثلث والربع و غیر ذلک و ھذا بمنزلة مال المضاربة(519)
>
> "امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ تہائی اور چوتھائی اور اس سے کم و بیش پر زمین میں مزارعت اور باغ میں مساقات کو جائز نہیں کہتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ اجارہ ہے کہ جس میں اجرت زمین و باغ کی پیداوار کے ایک حصے کو بنایا گیا ہے۔ حالانکہ یہ معلوم نہیں کہ پیداوار کچھ ہو گی بھی یا نہیں۔ امام محمد فرماتے ہیں کہ یہ سب جائز ہیں باغ میں مساقات اور زمین میں مزارعت تہائی و چوتھائی وغیرہ پیداوار پر۔ اور یہ بمنزلہ مال مضاربت کے ہے۔"

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اگر مزارعت اس لئے ناجائز ہے کہ یہ ایک مجہول معاملہ ہے تو پھر مضاربت جس پر سب کا اتفاق ہے اس میں بھی تو نفع کی مقدار نامعلوم ہے۔ ایسا بھی ممکن ہے کہ نفع بالکل ہی نہ ہو لہذا اگر مضاربت مجہول معاملہ ہونے کے باوجود جائز ہے تو پھر مزارعت کس طرح ناجائز ہو سکتی ہے؟

ابو سلیمان احمد بن محمد الخطابی (م 388ھ / 998ء) معالم السنن میں ابویوسف پر ابو جعفر الطحاوی کے وارد کئے ہوئے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

والجواب ان ابایوسف لم یجعل المزارعة والمساقاة مضاربة وانما اراد الجواب عن تعلیل من کرهها بانها اجارة بثمر لم تخلق او اجارة بثمرة او زرع مجهولین فقال ان قولهم انها اجارة فاسدة لیس بصحیح و انما هو عقد علی العمل فی المال ببعض نمائه فهو نظیر المضاربة و ینکسر کل ما ذکروه بالمضاربة فان المضارب یعمل بنمائه و هو معدوم مجهول و قد جاز بالاجماع و هذا نظیره فلیجز کما جاز ثم قد جوز الشارع العقد فی الاجارة علی المنافع المعدومة للحاجة فلم لا یجوز علی الثمرة المعدومة للحاجة(520)

"جواب یہ ہے کہ ابویوسف نے مزارعت و مساقات کو مضاربت قرار نہیں دیا۔ انہوں نے تو محض اس شخص کو جواب دینے کا ارادہ فرمایا کہ جس نے اس کی کراہت کی علت یہ بتائی کہ وہ ایسے پھل پر اجارہ ہے جو ابھی پیدا نہیں ہوا یا غیر معلوم پھل یا کھیتی پر اجارہ ہے۔ تو ابویوسف رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ان لوگوں کو یہ کہنا کہ یہ اجارہ فاسد ہے صحیح نہیں۔ یہ مال میں عمل پر اس کی بعض نماء کی اجرت پر عقد ہے تو یہ مضاربت کی نظیر ہے اور جو ان کے اعتراضات ہیں وہ مضاربت سے ٹوٹ جاتے ہیں۔ کیونکہ مضارب بھی اس کے بعض نماء کے اجرت ہونے پر عمل کرتا ہے حالانکہ وہ نماء معدوم اور مجہول ہے اور مضاربت بالاجماع جائز ہے اور مزارعت اس کی نظیر ہے تو جیسے وہ جائز ہے یہ بھی جائز ہونی چاہیے۔ پھر شارع نے حاجت کی بناء پر منافع معدومہ پر اجارہ کو جائز کہا ہے تو حاجت کی بناء پر ثمر معدوم پر عقد کیوں نہ جائز ہو۔"

پھر لکھتے ہیں۔

و بالجملة فالمراد ان المزارعة نظیر المضاربة والاجارة لا انها عینهما حتی یرد علیه ما اورده الطحاوی مع ان القیاس انما یکون فی الحاق المسکوت عنه بالمنصوص علیه او المجمع علیه فاما فی ابطال نص و خرق اجماع بقیاس نص اخر فلا سبیل الیه فلو سلمنا ان المزارعة والمساقاة کالاجارة بثمرة لم تخلق او زرع لم ینبت فانما یضر ذلک من یقول بجوازها بالقیاس و اما من یقول به بالنص والاجماع فلا یضره ذلک اصلا لما بینا

ان معاملة رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم اهل خیبر بالشطر مشهور متواتر لم یختلف فیه اثنان من المسلمین و کذا عمل الخلفاء به بعده صلی اللّٰه علیه وسلم فهو اصل برأسه کما ان المضاربة والاجارة اصلان برأسیهما فافهم(521)

"بالجملہ مراد یہ ہے کہ مزارعت مضاربت اور اجارہ کی نظیر ہے یہ نہیں کہ وہ بعینہ مضاربت یا اجارہ ہے۔ یہاں تک کہ طحاوی رحمہ اللہ کا وارد کیا ہوا اعتراض پیش آئے۔ نیز قیاس تو اس لئے ہوتا ہے کہ مسکوت عنہ کا منصوص علیہ یا مجمع علیہ کے ساتھ الحاق کیا جاسکے۔ رہا کسی نص کے ابطال یا خرق اجماع میں کسی اور نص پر قیاس کرکے تو یہ جائز نہیں۔ اور اگر ہم تسلیم بھی کرلیں کہ مزارعت اور مساقات ایسے پھل یا کھیتی پر اجارہ ہے جو ابھی پیدا نہیں ہوئی تب بھی یہ اس شخص کے لئے معتبر ہے جو قیاس کی بنا پر ان کے جواز کا قول کرتا ہے۔ رہا وہ شخص جو اجماع یا نص کی بنا پر ان کے جواز کا قائل ہے تو اس کے لئے یہ سرے سے معتبر نہیں ہے کیونکہ ہم بیان کرچکے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اہل خیبر کے ساتھ نصف پر معاملہ مشہور و متواتر ہے کہ جس میں کوئی سے بھی دو مسلمانوں کا اختلاف نہیں ہے۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفاء نے اس پر عمل کیا تو یہ خود مستقل ہے جیساکہ مضاربت اور اجارہ خود مستقل ہیں۔"

امام ابو یوسف نے مزارعت کے جواز میں یہ روایات نقل کی ہیں۔

(ا) حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو نصف پر بٹائی کا معاملہ کرکے یہود کے حوالے کیا تھا۔ آپ حضرت عبداللہ بن رواحہ کو ان کے پاس بھیجتے تھے وہ اندازے سے دو حصے کردیتے پھر ان کو اختیار دے دیتے کہ دونوں حصوں میں سے جو چاہیں خود رکھ لیں یا آپ ان سے یہ کہتے "تم اندازے سے تقسیم کرو اور مجھے اختیار دو" اس پیش کش پر وہ لوگ کہا کرتے تھے "اسی عدل کی وجہ سے زمین و آسمان قائم ہیں۔"

(ب) حجاج نے ابو جعفر سے اور ابو جعفر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے ہم سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے خیبر کو نصف پیداوار کے عوض دیا تھا۔ انہوں نے کہا ہے کہ ابو بکرؓ عمر اور عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم اپنی زمینوں کو تہائی پیداوار کے عوض دیا کرتے تھے۔

(ج) اعمش نے ابراہیم بن مہاجر سے اور انہوں نے موسیٰ بن طلحہ سے روایت کرتے ہوئے ہم سے بیان کیا ہے کہ موسیٰ بن طلحہ نے کہا کہ میں نے سعد بن ابی وقاصؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کو اپنی زمینیں تہائی اور چوتھائی پیداوار کے عوض دیتے ہوئے دیکھا ہے۔

(د) حجاج بن ارطاۃ نے بروایت ابو جعفرؒ بروایت نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے خیبر کو

نصف پیداوار کے عوض دیا تھا۔ نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر' عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم اپنی زمینیں تہائی پیداوار کے عوض دیا کرتے تھے۔ (522)

امام ابو یوسف' مزارعت کے جواز اور عدم جواز والی روایات کے مطالعہ سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں۔

و اما اصحابنا من اهل الحجاز فاجازوا ذلک علی ما ذکرت لک و یحتجون فی ذلک بما عامل علیه رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم اهل خیبر فی التمر والزرع' و لا اعلم احدا من الفقهاء اختلف فی ذلک خلا هولاء الرهط من اهل الکوفة الذین وصف لک۔

قال ابو یوسف = فکان احسن ما سمعنا فی ذلک و اللہ اعلم ان ذلک جائز مستقیم اتبعنا الاحادیث التی جاءت عن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فی مساقاة خیبر لانها اوثق عندنا و اکثر و اعم مما جاء فی خلافها من الاحادیث (523)

"اور جہاں تک ہمارے فقہاء حجاز (مالکی شافعی اور حنبلی فقہاء کرام) کا تعلق ہے۔ انہوں نے اس معاملہ (مزارعت) کی اجازت دی ہے جیسا کہ میں نے آپ سے پہلے بیان کیا ہے۔ اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرز عمل سے استدلال کرتے ہیں جو آپ نے خیبر کے کھیتوں اور کھجور کے باغات کے سلسلہ میں اختیار کیا تھا۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے فقہاء کوفہ کی مذکورہ بالا جماعت کے علاوہ دوسرے فقہاء کے درمیان اس سلسلے میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔

مصنف کے علم و اطلاع کی حد تک بہترین مسلک یہی ہے کہ یہ طریقہ درست اور جائز ہے ہم نے ان احادیث کی پیروی کی ہے جو خیبر کی مساقاۃ کے سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں کیونکہ جو حدیثیں ان کے خلاف جاتی ہیں ان سے یہ احادیث ہماری نظر میں زیادہ قابل اعتماد' زیادہ عموم کی حامل اور تعداد میں بھی زیادہ ہیں۔"

امام ابو یوسف کے نزدیک مزارعت کی جائز صورتیں

امام ابو یوسف کے نزدیک مزارعت کی درج ذیل صورتیں جائز ہیں۔

(1) ایک صورت وہ ہے جس میں اجارہ نہیں ہوتا اس کی شکل یہ ہے کہ کوئی آدمی اپنے بھائی کو کوئی زمین کاشت کے لئے دے اور اس سے کرایہ کا معاملہ نہ کرے۔ عاریت پر لینے والا اپنے پاس سے بیج اور بیل کا انتظام کر کے اپنے خرچہ پر

اسے زیر کاشت لائے اس صورت میں پیداوار کاشتکار کی ہوگی اور زمین کا خراج مالک زمین کے ذمہ ہوگا۔ البتہ اگر یہ زمین عشری ہے تو عشر کاشت کرنے والے کے ذمہ ہوگا۔(524)

(2) زمین ایک آدمی کی ہو اور وہ دوسرے کو کاشت کے لئے دے۔ بیج اور دوسرے تمام اخراجات دونوں برابر برابر برداشت کریں اور پیداوار دونوں کی مشترکہ ملکیت ہو۔ زمین اگر عشری ہے تو عشر پیداوار میں سے نکالا جائے گا اور اگر خراجی ہے تو خراج مالک زمین کے ذمہ ہوگا۔(525)

(3) ایک آدمی کی زمین ہو اور وہ کاشتکار کو تہائی یا چوتھائی پیداوار کے عوض کاشت کے لئے دے۔ زمین پر خراج عاید ہو تو وہ مالک زمین کے ذمہ ہوگا اور عشر واجب ہو تو وہ دونوں کے ذمہ کھیت کی پیداوار میں عائد ہوگا۔(526)

(4) زمین' بیل اور بیج ایک آدمی کے ہوں اور وہ کسی کاشتکار کو پیداوار کے چھٹے یا ساتویں حصہ کے عوض اس پر محنت کروائے۔(527)

(5) ایک شخص کی زمین اور بیج ہوں اور دوسرا آدمی بیل مہیا کرے اور زمین کاشت کرنے کی ذمہ داری لے۔(528)

(6) اگر مالک اور مزارع کے درمیان عقد مزارعت کے وقت یہ شرط ہو کہ غلہ پکنے کے بعد گھر لانے تک اس کے جملہ مصارف عامل کے ذمہ ہوں گے تو امام محمد کے نزدیک یہ معاملہ فاسد ہوگا لیکن امام ابویوسف کے نزدیک اگر یہ شرط اس علاقہ کے لوگوں کے تعامل اور رواج کی بناء پر ہو تو یہ مزارعت جائز ہوگی۔ مشائخ بلخ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ ابوبکر السرخسی فرماتے ہیں کہ ہمارے علاقے میں یہی صحیح تر ہے۔(529) ابوبکر الکاسانی بدائع الصنائع میں لکھتے ہیں کہ ماوراء النہر کے ہمارے بعض مشائخ کا بھی اس پر فتویٰ ہے اور مشائخ خراسان میں سے نصیر بن یحییٰ اور محمد بن مسلمہ کا یہی مختار قول ہے۔(530)

(7) زمین و بیل ایک جانب سے ہوں اور بیج و عمل دوسری جانب سے تو کتب ظاهر الروایۃ(531) کے مطابق یہ صورت جائز نہیں۔ لیکن امام ابویوسف فرماتے ہیں کہ یہ عقد عرف کی بناء پر جائز ہوگا۔ ان کے قول کی دلیل یہ ہے کہ اگر زمین و بیج ایک جانب سے ہوں تو مزارعت جائز ہوتی ہے اور بیل کی منفعت کو عامل کی منفعت کے تابع کر دیا جاتا ہے ایسے ہی جب زمین و بیل ایک جانب سے ہوں تو یہ بھی جائز ہونا ضروری ہے۔(532)

(8) جب بیل اور بیج ایک کی طرف سے ہوں اور کام اور زمین دوسرے کی طرف سے ہو تو امام ابویوسف فرماتے ہیں کہ مضاربت پر قیاس کرتے ہوئے یہ جائز ہوگا۔ اس لئے کہ مزارعت میں بیج کی مثال وہی ہے جو مضاربت میں راس المال کی ہے۔ اور مضاربت میں کارکن کو راس المال سپرد کرنا جائز ہوتا ہے۔ اس طرح مزارعت میں کاشتکاری کے لئے مالک زمین کو بیج سپرد کرنا جائز ہوتا ہے۔(533)

امام ابو یوسف کے نزدیک مزارعت کی فاسد صورت

اگر مزارعت میں یہ شرط رکھی جائے کہ بھوسہ دونوں کے لئے ہو گا تو یہ جائز ہے کیونکہ یہ ایسی شرط ہے جو مقتضائے عقد کو ثابت کرنے والی ہے اور اگر دونوں اس سے سکوت اختیار کریں تو امام ابو یوسف کے نزدیک عقد فاسد ہو گا۔ امام ابو یوسف اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ دونوں یعنی دانے اور بھوسے میں سے ہر ایک عقد سے مقصود ہوتا ہے لہذا بھوسہ سے سکوت ایسے ہی ہو گا جیسے دانوں سے سکوت اور چونکہ وہ پالا جراع مفسد ہے لہذا ایسے ہی یہ بھی مفسد ہو گا۔ (534)

مزارعت فاسدہ کا حکم

امام ابو یوسف کے نزدیک مزارعت فاسدہ میں اجرت مثل مزارعت میں طے شدہ مقدار کے برابر واجب ہوتی ہے۔ (535)

احیائے موات (بنجر اراضی کو آباد کرنا)

موات زمینوں کی تعریف

امام ابو یوسف کے نزدیک مندرجہ ذیل قسم کی اراضی موات زمینوں میں شمار ہوتی ہیں۔

(ا) ایسی زمینیں جن میں تعمیر یا زراعت کے کوئی آثار نہ پائے جائیں اور نہ یہ بستی والوں کی مشترکہ ضروریات کی تکمیل میں کام آتی ہوں' مثلاً تفریح گاہ' مویشیوں اور سواری کے جانوروں کی چراگاہ' ایندھن حاصل کرنے کی جگہ یا قبرستان نہ ہوں۔ یہ نہ تو کسی کی ملکیت میں ہوں نہ کسی کے قبضہ میں۔ (536)

(ب) اہل حرب میں سے جو قوم بھی مٹ چکی ہو اور اب ان میں سے کوئی فرد باقی نہ رہا ہو' ان کی زمینیں معطل پڑی ہوں اور معلوم نہ ہو کہ وہ کسی کے قبضہ میں ہیں یا نہیں۔ نہ کوئی شخص ان میں سے کسی زمین کے بارے میں کوئی دعویٰ لے کر سامنے آئے۔ (537)

(ج) وہ زمین آبادی سے اس قدر دور ہو کہ اگر ایک شخص موات اراضی میں ایک اونچی جگہ کھڑا ہو کر بلند آواز سے پکارے تو آبادی میں سے کوئی فرد یہ آواز نہ سن سکے۔ (538)

احیاء کے ذریعہ ملکیت

امام ابو یوسف کے نزدیک جو شخص ایسی زمین کو تین سال کی مدت میں آباد کر لے وہ اس کا مالک بن جائے گا۔ (539)

انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔

من احیا الرضا مواتا فھی لہ (540)

امام ابو یوسف نے حضرت عمرؓ سے مروی ایک حدیث نقل کی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

عن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنه قال = من اُحیا ارضا میتة فھی له' و لیس لمحتجر حق بعد ثلاث سنین (541)

" عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو کوئی بھی کسی مردہ زمین کو کار آمد بنالے وہ اس کے لئے ہے۔ مگر کسی محتجر کو تین سال بعد کوئی حق نہ رہ جائے گا۔"

امام ابو یوسف رقم طراز ہیں:

فاحد من حدیث عمر من یحتجر حقا بعد ثلاث سنین و لم یعمل به فلا حق له والمحتجر ھو ل یجئی الرجل الی ارض موات فیحظر علیھا حظیرة و لا یعمرھا و لا یحییھا فھو احق بھا الی ثلاث سنین' فان لم یحییھا بعد ثلاث سنین فھو فی ذلک والناس شرع واحد فلا یکون احق به بعد ثلاث سنین (542)

"حضرت عمرؓ کی اس حدیث سے یہ بات نکلتی ہے کہ جو آدمی احتجار کے ذریعہ کسی حق کو خاص کرے اور تین سال گزر جائیں مگر وہ اس پر کاشت نہ کرے تو پھر اس پر اس کا کوئی حق نہیں رہ جاتا۔ محتجر کی تعریف یہ ہے کہ آدمی کسی افتادہ زمین کے گرد حد بندی کر کے اس کو گھیر دے۔ نہ تو اس پر کاشت کرے' نہ اسے کار آمد بنائے۔ تین سال تک تو یہی آدمی اس قطعہ زمین کا زیادہ حق دار ہے۔ اگر تین سال گزر جانے پر بھی وہ اسے کار آمد نہ بنائے تو اب اس زمین کے سلسلہ میں اس کی اور دوسرے انسانوں کی حیثیت یکساں ہو جائے گی۔ تین سال گزر جانے پر وہ دوسرے کے مقابلہ میں اس زمین کا زیادہ حق دار نہ رہ جائے گا۔"

آباد کاری کے طریقے

امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں ایسی زمینوں کی آباد کاری کی مختلف صورتوں کی نشاندہی کی ہے۔

(ا) ایسی زمین پر خود کاشت کرے۔

(ب) کسی دوسرے سے بٹائی کے معاملہ پر کاشت کرائے۔

(ج) کرایہ پر دے دے۔

لیے حکومت کی اجازت ضروری ہے۔ اگر کوئی آدمی حکومت کی اجازت کے بغیر موات زمینوں کو آباد کرے گا تو وہ ان کا مالک نہیں بن جائے گا (جرمانہ)

(د) ایسی زمین میں نہریں کھدوائے۔(543)

حکومت کی اجازت کا مسئلہ

موات زمینوں کی آبادکاری (Cultivation of virgin lands) کے لئے حکومت کی اجازت ضروری ہے یا نہیں؟ اس ضمن میں امام ابو یوسف نے اپنے استاد امام ابو حنیفہ سے اختلاف کیا ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک احیاء کے حکومت کو اختیار ہو گا کہ وہ زمین اس سے لے کر اپنے قبضہ میں لے آئے۔(544)

لیکن امام ابو یوسف نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول احادیث اور حضرت عمرؓ سے مروی آثار کی بنیاد پر یہ رائے قائم کی ہے کہ موات زمینوں کی آبادکاری کے لئے حکومت کی اجازت ضروری نہیں کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی اجازت عام ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

اما انا فاری اذا لم یکن فیه ضرر علی احد و لا لاحد فیه خصومة ان اذن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم جائز الی یوم القیامة فاذا جاء الضرر فهو علی الحدیث و لیس لعرق ظالم حق(545)

"باوجود اس کے میری رائے یہی ہے کہ ایسی شکل میں جب کہ احیاء سے کسی کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچ رہا ہو اور نہ کوئی اس کے خلاف عذردار ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی (دی ہوئی) اجازت قیامت تک کام آتی رہے گی۔ لیکن اگر ضرر رسانی کی صورت پیدا ہو جائے تو اس کا علاج اس حدیث کی روشنی میں کیا جائے گا کہ "ظلم سے والے کا کوئی حق نہیں۔"

ان کی دلیل یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان میں "فهی له" کے الفاظ ملتے ہیں تو پھر کسی دوسری اتھارٹی (Authority) سے اجازت لینے کی کیا ضرورت ہے؟ البتہ حکومت کو صرف نگرانی کرنی چاہیے اور یہ دیکھنا چاہیے کہ اس سے مفاد عامہ کو کوئی ضرر نہ پہنچے۔ ان کا موقف یہ ہے کہ احیاء موات کے بارے میں بعض روایات میں جو یہ الفاظ آئے ہیں کہ "و لیس لعرق ظالم حق" ان میں اسی ضرر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب ان کے نزدیک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی موات زمین میں کوئی درخت غصب کرے جس سے دوسرے کو نقصان پہنچتا ہو تو پھر اس ظلم کا حق اس کو نہ دیا جائے۔

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ ان کے موقف کی تائید قیاس سے بھی ہوتی ہے۔ مثلاً ایک شخص اگر سمندر یا نہر سے پانی لے لیتا ہے تو ایسا کرنے سے وہ مالک بن جاتا ہے۔ اگرچہ سلطان اس کو لینے کی جازت نہ دے اور نہ اس کو اس کی ملک قرار دے۔ اسی طرح اگر ایک شخص شکار کرتا ہے تو وہ اس کی ملکیت ہو جاتا ہے۔ وہ سلطان کی اجازت کا محتاج نہیں

ہوتا۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہی حال مردہ زمین کا ہے کہ اس پر کسی کی ملک نہیں ہے۔ اب جو شخص ایسی زمین میں سے کچھ حصہ آباد کرلے تو وہ اس کی ملکیت ہو جائے گا اور وہ اس میں سلطان کے حکم کا محتاج نہ ہوگا۔(546)

کتاب الخراج میں اپنا موقف واضح کرنے کے ساتھ ساتھ امام ابو یوسف اپنے استاد کے نظریے کی وضاحت بھی کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ اس بارے میں مجھ سے یہ سوال کیا گیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے واضح ارشاد کی موجودگی میں امام ابو حنیفہ نے حکومت کی اجازت کی قید کیوں عائد کی ہے؟ امام ابو حنیفہ ایسی شخصیت بغیر کسی دلیل کے کوئی بات نہیں کہہ سکتی۔ چنانچہ امام ابو یوسف اپنے استاد کی دلیل اور اس کا دفاع کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

قال ابو یوسف = حجته فی ذلک ان یقول = الاحیاء لا یکون الا باذن الامام ارایت رجلین اراد کل واحد منهما ان یختار موضعا واحدا و کل واحد منهما منع صاحبه' ایهما احق به؟ ارایت ان اراد رجل ان یحیی ارضا میتة بفناء رجل و هو مقر ان لا حق له فیها فقال = لا تحیها فانها بفنائی و ذلک یضرنی (547)

"ابو یوسف نے فرمایا = اس سلسلہ میں وہ دلیل کے طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ زمین کی آبادکاری امام کی اجازت کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ اگر دو آدمی ہوں اور ان میں سے ہر ایک ایک ہی جگہ کو (آبادکاری کے لئے) منتخب کرنا چاہے اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کو ایسا کرنے سے روکے تو تمہارا کیا خیال ہے۔ ان دونوں میں سے کون اس جگہ کا زیادہ حقدار ہوگا۔ اگر کوئی شخص کسی دوسرے آدمی کے گھر کے سامنے واقع افتادہ زمین کی آبادکاری عمل میں لانا چاہے اور اس آدمی کو اس کا اقرار بھی ہو کہ وہ اس زمین پر کوئی حق نہیں رکھتا مگر وہ اس شخص سے کہے کہ اس کو آباد نہ کر کیونکہ یہ میرے گھر کے سامنے واقع ہے۔ اور اس کی آبادکاری مجھ کو نقصان پہنچائے گی۔ تو اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟"

مزید لکھتے ہیں۔

فانما جعل ابو حنیفة اذن الامام فی ذلک ههنا فصلا بین الناس فاذا اذن الامام فی ذلک لانسان کان له ان یحییها و کان ذلک الاذن جائزا مستقیما و اذا منع الامام احدا کان ذلک المنع جائزا و لم یکن بین الناس التشاح فی الموضع الواحد و لا الضرار فیه مع اذن الامام و منعه و لیس ما قال ابو حنیفة یرد الاثر انما رد الاثر ان یقول = و ان احیاها باذن الامام فلیست له فاما من یقول هی له فهذا اتباع الاثر و لکن باذن الامام لیکون اذنه فصلا

فیما بینھم من خصوماتھم و لضرار بعضھم ببعض (548)

"حقیقت یہ ہے کہ (امام) ابو حنیفہ نے اس باب میں امام کی اجازت لوگوں کے درمیان نزاع ختم کرنے کے خیال سے ضروری قرار دی ہے۔ جب امام اس بارے میں کسی آدمی کو اجازت دے دے تو اسے آباد کاری کا اختیار مل جائے گا۔ یہ اجازت دینا مناسب اور جائز بات ہے۔ اگر امام کسی فرد کو ایسا کرنے سے روک دے تو یہ روکنا بھی درست ہو گا۔ امام کی اجازت یا ممانعت کی صورت میں لوگوں کے درمیان ایک ہی جگہ کے سلسلہ میں کشمکش کی نوبت نہیں آئے گی۔ اور نہ ایک دوسرے کو ضرر رسانی کی۔

امام ابو حنیفہ نے جو بات کہی ہے وہ اس باب میں سوئی آثار کو رد نہیں کرتی۔ حدیث کا رد تو اس وقت ہوتا جب وہ یہ کہتے کہ "اگر وہ اس زمین کو امام کی اجازت سے آباد کرے تو بھی وہ اس کی ملکیت نہیں بنے گی۔ اب جو یہ کہتا ہے کہ (اس صورت میں) زمین اس کی ملکیت ہو جائے گی تو یہ کہنا اس اثر کا اتباع ہوا۔ اضافہ صرف امام کی اجازت ضروری قرار دینے کا کیا گیا ہے تاکہ لوگوں کے باہمی نزاعات کا سد باب ہو اور ایک دوسرے کو ضرر رسانی کی نوبت نہ آئے۔"

امام ابو یوسف نے امام ابو حنیفہ کے قول کی جو توجیہ کی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی یہ رائے اس صورت میں ہے جب اختلاف کا خدشہ ہو ورنہ عام حالت میں حکومت کی اجازت ضروری نہیں ہے۔

ٹیکس کی ادائیگی

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ جو زمین آباد کی گئی ہے وہ یا تو عشری زمین (The land of ushr) ہو گی یا خراجی (The land of Khiraj)۔ اگر وہ عشری زمین ہے تو پھر جو کچھ اس سے پیداوار ہو گی اس پر عشر ہو گا یعنی 1/10 یا 1/20 جو بھی معروف طریقہ سے ہو۔ اور اگر وہ خراجی زمین ہے تو پھر وہ خراج ادا کرے گا۔ (549)

اگر آباد کردہ زمین ایسے علاقہ کی ہو جو پہلے مشرکین کے قبضہ میں تھا۔ پھر اسے مسلمانوں نے فتح کر لیا اور اسے آباد کرنے والا اس کے لئے کسی ایسے چشمہ وغیرہ سے پانی لاتا ہے جو پہلے مشرکین کے قبضہ میں تھا تو یہ زمین خراجی قرار پائے گی البتہ اگر وہ اس قسم کا پانی استعمال نہیں کرتا بلکہ اسی زمین میں کنواں کھود کر یا اسی میں سے کوئی چشمہ نکال کر اس کا احیاء عمل میں لاتا ہے تو وہ زمین عشری قرار پائے گی لیکن اگر اس کے لئے اس زمین پر ان نہروں سے پانی لانا ممکن ہو جو پہلے عجمی قوموں کے قبضہ میں تھیں خواہ وہ یہ پانی لائے یا نہ لائے۔ یہ زمین خراجی قرار پائے گی۔ (550)

فصل ہشتم

جاگیروں کے بارے میں امام ابو یوسف کا نظریہ

امام ابویوسف نے کتاب الخراج میں جاگیروں کے بارے میں جو معاشی فکر پیش کیا ہے اس کو ہم مختلف عنوانات کے تحت بیان کرتے ہیں۔

شرعی حیثیت

امام ابویوسف کا نظریہ یہ ہے کہ اسلام میں جاگیریں دینے کا رواج 'رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ کرام مثلاً حضرت ابوبکر الصدیقؓ (م 13ھ / 634ء)' حضرت عمر بن الخطابؓ (م 24ھ / 645ء) حضرت زبیر بن العوامؓ (م 36ھ / 656ء) اور مزنیہ وجہنیہ کے کچھ لوگوں کو مختلف قسم کی زمینیں جاگیر کے طور پر دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عمرؓ بن الخطاب (13-24ھ / 634-645ء) اور حضرت عثمان غنیؓ (24-35ھ / 645-655ء) نے بھی یہ سلسلہ جاری رکھا۔ اس ضمن میں انہوں نے مختلف آثار سے استدلال کیا ہے۔ (551)

امام ابویوسف کے بارے میں ڈاکٹر ضیاء الدین الریس کی ایک رائے کا تنقیدی جائزہ

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر ضیاء الدین الریس کی ایک رائے کی تحقیق کی جائے جو انہوں نے اپنی کتاب "الخراج والنظم المالیہ فی الدولۃ الاسلامیۃ" میں امام ابویوسف کے بارے میں دی ہے۔ ان کی بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ یحیٰی بن آدم القرشی (م 203ھ / 818ء) احمد بن یحیٰی بن جابر 'البلاذری (م 279ھ / 892ء) اور ابوالحسن علی بن محمد الماوردی (م 450ھ / 1058ء) کی رائے یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ 'عمرؓ اور علیؓ نے جاگیر کے طور پر کسی کو کوئی زمین نہیں دی' جبکہ امام ابویوسف کی بحث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے بعض لوگوں کو جاگیر دی۔ اس لئے امام ابویوسف کا قول ان مفکرین (یحیٰی بن آدم 'البلاذری' اور الماوردی) کے اقوال کے برعکس ہے۔ نیز امام ابویوسف نے اپنے موقف پر کوئی دلیل بھی نہیں دی۔ (552)

حقیقت یہ ہے کہ یحیٰی بن آدم القرشی 'البلاذری اور الماوردی کا یہ موقف ہرگز نہیں ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ سے قبل کسی نے کوئی جاگیر نہیں دی۔ یحیٰی بن آدم نے اپنی کتاب الخراج میں کئی ایسی روایت نقل کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر' حضرت عمرؓ اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف لوگوں کو جاگیر کے طور پر زمین دی۔ (553)

اسی طرح کی احادیث البلاذری نے "فتوح البلدان" میں نقل کی ہیں۔ (554) اور جب ہم الماوردی کی کتاب "الاحکام السلطانیہ" کا مطالعہ کریں تو وہاں بھی قطائع کے بارے میں ان کی پوری بحث میں ان کا یہ نظریہ کہیں بھی نہیں ملتا۔ (555)

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ امام ابو یوسف نے ایسی کوئی مثال نہیں دی جس سے یہ معلوم ہو کہ حضرت عمرؓ نے کسی کو جاگیر دی ہو یہ رائے بھی درست نہیں۔ امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں ہشام بن عروہ سے جو روایت نقل کی ہے اس میں یہ الفاظ ملتے ہیں۔

ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اقطع العقیق اجمع لناس حتی جازت قطیعۃ ارض عروۃ بن الزبیر - فقال این المستقطعون منذ الیوم فان یکن فیہ خیر فتحت قدمی قال خوات بن جبیر = اقطعنیہ فاقطعہ ایاہ(556)

"یہ کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے عقیق کا سارا علاقہ لوگوں کے درمیان بطور جاگیر تقسیم کر دیا۔ یہاں تک کہ ایک جاگیر عروہ بن زبیر کی زمین سے بھی تجاوز کر گئی۔ پھر آپ نے فرمایا "کہاں ہیں آج کے دن سے جاگیر کے طلب گار' اگر ان (طلب گاروں) میں کچھ بھلائی نظر آئی تو میرے قدموں کے نیچے (بست زمین) ہے۔ "خوات بن جبیر نے کہا' اسے مجھے بطور جاگیر دے دیجئے چنانچہ آپ نے اسے انہیں دے دیا۔"

جاگیر دینے کا اختیار

کتاب الخراج کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو یوسف جاگیر دینے کا اختیار صرف خلیفہ کو دیتے ہیں۔ اس کے سوا حکومت کے کسی عہدہ دار کو خواہ وہ کتنے ہی اہم منصب پر فائز کیوں نہ ہو' یہ حق نہیں ہے۔ خلیفہ ہارون الرشید کو کہتے ہیں۔

و لک ان تقطع ذلک من احببت ورایت و تواجرہ تعمل فیہ بما تری انہ صلاح (557)

"آپ کو بھی یہ اختیار حاصل ہے کہ ایسی زمینیں جسے مناسب سمجھیں بطور جاگیر عطا کریں۔ آپ ان کو کرایہ پر بھی دے سکتے ہیں۔ یا کوئی دوسری مفید شکل سامنے آئے تو اسے بھی اختیار کر سکتے ہیں۔"

امام ابو یوسف کی رائے یہ ہے کہ زمین امام عادل کے لئے بمنزلہ دولت (Wealth) کے ہے اور وہ یہ دولت جس کو چاہے دے سکتا ہے۔ (558) جاگیروں کی منظوری سے متعلق وہ کہتے ہیں۔

والارض عندی بمنزلۃ المال فللامام ان یجیز من بیت المال من کان لہ عناء فی الاسلام و من یقوی بہ علی العدو و یعمل فی ذلک بالذی یری انہ خیر للمسلمین و اصلح لامرھم و کذلک الارضون یقطع الامام منہا من احب من الاصناف التی سمیت(559)

"زمین میرے نزدیک مال کی طرح ہے چنانچہ امام کو یہ اختیار حاصل ہے کہ بیت المال میں سے ان لوگوں کو انعامات دے جنہوں نے اسلام کی کوئی نمایاں خدمت انجام دی ہو۔ یا جو اس مال کے ذریعہ دشمن کے مقابلہ کی تیاری کرنے والے ہوں امام اس باب میں وہ پالیسی اختیار کرے گا جو اس کی رائے میں مسلمانوں کے لئے بہتر اور ان کے حق میں موزوں ہو۔ یہی نوعیت زمینوں کی بھی ہے' میں نے جس قسم کے لوگوں کا اوپر ذکر کیا ہے ان میں سے امام جس کو چاہے جاگیر دے سکتا ہے۔"

ایک جگہ کہتے ہیں۔

و ذلک بمنزلة المال الذی لم یکن لاحد و لا فی ید وارث' فللامام العادل ان یجیز منه و یعطی من کان له غناء فی الاسلام و یضع ذلک موضعه و لا یحابی به' فکذلک هذه الارض (560)

"اس کا مال اس مال جیسا ہے جو کسی کی ملک میں نہ ہو' نہ ہی کسی وارث کے قبضہ میں ہو۔ ایسے مال کے سلسلہ میں امام عادل کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اس میں سے انعامات دے اور جن لوگوں نے اسلام کی کوئی قابل لحاظ خدمت انجام دی ہو ان کو کچھ بطور عطیہ دے اور بے جا ترجیحی سلوک کے بغیر ان اموال کو مناسب طور پر صرف کرے۔ بالکل یہی نوعیت ان زمینوں کی بھی ہے۔"

آگے چل کر ایک جگہ پر کہتے ہیں۔

و للامام ان یقطع کل موات و کل ما کان لیس لاحد فیه ملک و لیس فی ید احد و یعمل فی ذلک بالذی یری انه خیر للمسلمین و اعم نفعا (561)

"اور امام کو یہ حق حاصل ہے کہ ہر افتادہ زمین کو' ہر اس (چیز) کو جس پر کسی کی ملکیت نہ ہو' نہ وہ کسی کے قبضہ میں ہو' بطور جاگیر عطا کر دے۔ امام اس سلسلہ میں وہ طریقہ اختیار کرے گا جو اس کی نظر میں مسلمانوں کے لئے سب سے بہتر ہو اور جس کے فوائد زیادہ سے زیادہ لوگوں کو پہنچ سکیں۔"

غرض و غایت

امام ابو یوسف کے نزدیک جاگیریں دینے کا مقصد یہ ہے کہ زمینیں بے آباد رہنے کی بجائے پیداوار دیں۔ اس طرح خراج میں اضافہ ہو اور ملک ترقی کرے۔ چنانچہ کتاب الخراج میں فرماتے ہیں۔

و لا اری ان یترک ارضا لا ملک لاحد فیها و لا عمارة حتی یقطعها الامام' فان ذلک اعمر للبلاد و اکثر للخراج (562)

"میرے خیال میں غیر مملوکہ اور غیر آباد زمینوں کو بے کار چھوڑ رکھنے کی بجائے امام کو چاہیے کہ انہیں بطور جاگیر مختلف افراد کو دے دے اس طرح ہمارے علاقے زیادہ آباد و خوش حال ہو جائیں گے اور خراج میں بھی اضافہ ہو گا۔"

آپ کی رائے یہ ہے کہ ایسی زمینیں صرف ایسے افراد کو دی جائیں جو ان کو آباد کر سکیں۔ اگر ایک شخص جاگیر لینے کے بعد ویسے ہی بے آباد رکھ چھوڑتا ہے تو پھر وہ زمین اس سے واپس لے لی جائے گی۔ چنانچہ انہوں نے کتاب الخراج میں حضرت عمرؓ کا وہ قول نقل کیا ہے جو انہوں نے حضرت بلال بن حارث مزنی کو کہا تھا۔

انک لا تستطیع ان تعمل ھذا (563)

"اس (سارے علاقہ) کو زیر کاشت لانا تمہارے بس سے باہر ہے۔"

زمانہ خلافت میں لوگوں کو دیے گئے قطائع کے بارے میں امام ابو یوسف کی رائے یہ ہے کہ ان کا مقصد بے آباد زمینوں کی آبادکاری تھا اور یہ کہ وہ لوگ معاش کی فکر سے آزاد ہو کر اپنے آپ کو خدمت خلق کے لئے وقف کر دیں نہ کہ عیش و عشرت کریں۔ آپ کتاب الخراج میں ایک کلیہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

وقد جاءت ھذہ الآثار بان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اقطع اقواما و ان الخلفاء من بعدہ اقطعوا و رای رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الصلاح فیما فعل من ذلک اذ کان فیہ تالف علی الاسلام و عمارۃ للارض و کذلک الخلفاء انما اقطعوا من راوا ان لہ غناء فی الاسلام و نکایۃ للعدو وراوا ان الافضل ما فعلوا و لو لا ذلک لم یاتوہ و لم یقطعوا حق مسلم و لا معاھد (564)

"یہ سارے آثار یہی بتا رہے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو جاگیریں عطا فرمائی ہیں اور آپ کے بعد خلفاء نے بھی جاگیریں دی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ کیا اسی میں بہتری دیکھی کیونکہ اس طرح لوگوں کی اسلام سے وابستگی میں پختگی پیدا ہوتی اور زمین کی آبادکاری بھی عمل میں آتی تھی۔ اسی طرح خلفاء نے بھی صرف انہی لوگوں کو جاگیریں دی ہیں جنہوں نے اسلام کی کوئی نمایاں خدمت انجام دی تھی یا جو دشمن کی سرکوبی کا ذریعہ تھے اور ان حضرات کے نزدیک بہترین طریقہ وہی تھا جسے انہوں نے اختیار کیا۔ یہ بات نہ ہوتی تو انہوں نے ایسا نہ کیا ہوتا۔ انہوں نے کسی مسلمان یا معاہد کا حق کبھی جاگیر کے طور پر کسی دوسرے کو نہیں دیا۔"

جاگیروں کی ملکیت

امام ابو یوسف کی رائے یہ ہے کہ خلیفہ کی طرف سے جس شخص کو جاگیر دی جائے۔ اس کے احیاء کے بعد وہ اس کا مالک بن جاتا ہے۔ اس کو بیع و شراء وغیرہ کے تمام مالکانہ تصرفات حاصل ہوتے ہیں۔ اس کے مرنے کے بعد یہ زمین اس کے وارثوں میں شریعت کے بتائے ہوئے احکام کے مطابق تقسیم ہوگی۔ امام کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ زمین اس سے چھین لے۔ چنانچہ کتاب الخراج میں فرماتے ہیں۔

فلا يحل لمن ياتى بعدهم من الخلفاء ان يرد ذلك و لا يخرجه من يدى من هو فى يده وارثا او مشتريا(565)

"کوئی زمین دی تو ان کے بعد آنے والے خلفاء کے لئے یہ جائز نہیں کہ ان کو واپس لے لیں' یا انہیں لوگوں کے قبضہ سے نکال لیں جن کے پاس یہ زمینیں اس وقت موجود ہیں خواہ ان کو انہوں نے وراثت میں پایا ہو یا کسی سے خرید کر حاصل کیا ہو۔"

اس سے معلوم ہوا کہ جس نے آباد کی ہو خود اس کے یا اس کے آباد کرنے والے سے کسی کو وراثت کے طور پر ملی ہو یا آباد کرنے والے سے کسی نے خریدی ہو کسی سے بھی حکومت اس کی یہ مملوکہ زمین چھین نہیں سکتی۔

حدود

(۱) امام ابو یوسف کا نظریہ یہ ہے کہ جو زمین بطور جاگیر دی جائے اس میں اس بات کو مد نظر رکھا جائے کہ وہ کسی مسلمان یا معاہد کی ملکیت میں نہ ہو۔ کتاب الخراج میں فرماتے ہیں۔

فلا يحل للامام و لا يسعه ان يقطع احدا من الناس حق مسلم و لا معاهد و لا يخرج من يده من ذلك شيئا(566)

"امام کے لئے نہ تو یہ جائز ہے نہ اس کے لئے ایسا کرنے کی کوئی گنجائش ہے کہ کسی فرد کو بھی کسی مسلمان یا معاہد کا حق (چھین کر) بطور جاگیر دے اسے اس طرح کی زمینوں کو ان کے قبضہ سے نہیں نکالنا چاہیے۔"

کسی کی ملکیت سے نکال کر دوسرے شخص کو دے دی جائے تو وہ اسے غصب قرار دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں

فاما ان اخذ الوالى من يد واحد ارضا و اقطعها آخر فهذا بمنزلة الغاصب غصب واحدا و اعطى آخر (567)

"جو زمین والی نے ایک فرد سے لے کر دوسرے کو بطور جاگیر دی ہے تو یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ غاصب ایک فرد سے غصب کر کے دوسرے کو دے دے۔"

(2) امام ابو یوسف کی رائے یہ ہے کہ جاگیر باصلاحیت لوگوں کو دی جائے اور عدل و انصاف کے پہلو کو مد نظر رکھا جائے۔ آپ فرماتے ہیں۔

ویضع ذلک موضعه ولا یحابی به(568)

"اور یہ جاگیر بیجا سلوک کے بغیر ان اموال کو مناسب طور پر صرف کرے۔"

(3) وہ زمینیں جو عام افراد کی ملکیت ہوتی ہے مثلاً خشکی کے میدان 'عوام کے گزرنے کے لئے راستے وغیرہ۔ ان کو بطور جاگیر نہیں دیا جا سکتا۔ آپ کتاب الخراج میں فرماتے ہیں۔

و لا یجوز للامام ان یقطع شیئا من طریق المسلمین مما فیه الضرر علیهم (569)

"امام کو بھی مسلمانوں کی راہ گزر کے کسی حصہ کو 'جس کا کسی فرد کو دے دینا عام مسلمانوں کے لئے نقصان کا باعث ہو' کسی کو بطور جاگیر دینے کا اختیار حاصل نہیں ہے۔"

اقسام

امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ خلیفہ درج ذیل قسم کی اراضی کو بطور جاگیر دے سکتا ہے۔

(ا) عراق 'حجاز' یمن اور طائف کے علاقوں میں یا عرب اور عرب کے علاوہ دوسرے ملکوں میں جو زمین بھی قابل کاشت ہو' نہ کسی کا حق ہو' نہ کسی کے قبضہ میں ہو' نہ کسی کا ورثہ ہو' اور جس پر کسی عمارت کے آثار بھی نہ ہوں۔ (570)

(ب) بزور قوت فتح ہونے والے علاقوں کی زمین۔ (571)

(ج) اسلامی ریاست کی حدود میں غیر مملوکہ اور غیر آباد زمینیں۔ (572)

قطائع (یا جاگیروں) پر ٹیکس

امام ابو یوسف کے نزدیک قطائع ٹیکس سے مستثنیٰ نہیں ہیں چنانچہ کتاب الخراج میں انہوں نے مختلف قسم کی اراضی پر ٹیکس کی شرحیں بتائی ہیں۔ ان کے نزدیک جو زمینیں بہتے پانی سے سیراب ہوتی ہوں وہ عشری قرار پائیں گی۔ اور جو کنوئیں وغیرہ سے سیراب ہوتی ہوں ان پر بیسواں حصہ عائد ہو گا۔ (573)

ایسی زمین اگر خراجی علاقہ میں واقع ہو تو جس شخص کو جاگیر دی گئی ہے وہ خراج ادا کرے گا اور اگر یہ زمین عشری زمینوں میں سے ہو تو وہ عشر ادا کرے گا۔ (574)

امام ابو یوسف کی رائے یہ ہے کہ یہ زمین اصل میں خراجی زمین ہے اور خصوصاً اس وقت جبکہ اس کو خراجی پانی سے سیراب کیا جائے۔ سوائے اس کے کہ امام اس پر عشر عائد کرے۔ چنانچہ کتاب الخراج میں فرماتے ہیں۔

و انما صارت القطائع یوخذ منہا العشر لانہا بمنزلۃ الصدقۃ و انما ذلک الی الامام ان رای ان یصیر علیہا عشرا فعل' و ان رای ان یصیر علیہا عشرین فعل' و ان رای ان یصیرھا خراجا اذا کانت تشرب من انہار الخراج فعل ذلک موسعا علیہ فی ارض العراق خاصۃ' و انما یوخذ منہا العشر لما یغرم صاحب الاقطاع من المونۃ فی حفر الانہار و بناء البیوت و عمل الارض' و فی ھذا مونۃ عظیمۃ علی صاحب الاقطاع' فمن ثم صار علیہ العشر لما یلزم من المونۃ والامر فی ذلک الیک' ما رایت انہ اصلح فاعمل بہ ان شاء اللہ (575)

"جاگیروں سے عشر اس لئے وصول کیا جانے لگا کہ ان کی نوعیت صدقہ کی ہے۔ اصلاً یہ امام کی رائے پر موقوف ہے کہ ان پر عشر عاید کرنا مناسب سمجھے تو ایسا کرے اور عشر کا دوگنا (1/5) عاید کرنا موزوں خیال کرے تو ایسا کرے۔ اسی طرح اگر وہ ان زمینوں کو خراج کے تحت لانا چاہے تو ایسا بھی کر سکتا ہے بہ شرطیکہ ان کو خراجی نہروں سے سینچا جاتا ہو۔ خاص طور پر عراق کی زمین کے سلسلہ میں امام کے لئے (مالیہ عاید کرنے کے باب میں) کھلی گنجائش ہے۔

ان (جاگیروں) سے صرف دسواں حصہ اس لئے لیا جاتا ہے کہ نہروں کی کھدائی' مکانات کی تعمیر اور زمین کی جوتائی وغیرہ کے سلسلہ میں (محنت اور مصارف کا) بار جاگیردار کے سر ہوتا ہے اس سلسلہ میں جاگیردار پر بہت بار پڑ جاتا ہے۔ اسی بار کی وجہ سے ان سے صرف عشر لیا جاتا رہا ہے۔ بہرحال فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔ جس طریقہ کو زیادہ موزوں سمجھئے اسی پر عمل کیجئے۔ ان شاء اللہ"

امام ابو یوسف اس ضمن میں خلیفہ کو مکمل اختیار دیتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں۔

فکل ارض اقطعہا الامام مما فتحت عنوۃ ففیہا الخراج الا ان یصیرھا الامام عشریۃ و ذلک الی الامام اذا اقطع احدا ارضا من ارض الخراج فان رای ان یصیر علیہا عشرا او عشرا و نصفا او عشرین او اکثر او خراجا فما رای ان یحمل علیہ اھلہا فعل' و ارجو ان یکون ذلک موسعا علیہ فکیفما شاء من ذلک فعل (576)

"بزور قوت فتح ہونے والے علاقوں کی جو زمین امام کسی کو بطور جاگیر دے اس پر خراج عائد ہو گا۔ الایہ کہ امام اسے عشری قرار دے دے۔ امام کو اس کا اختیار ہے کہ جب خراجی زمینوں میں سے کوئی زمین کسی کو جاگیر کے

طور پر عطا کرے تو اس پر عشر (1/10) یا عشر اور نصف (3/20) یا دو عشر (2/10) یا اس سے زیادہ' یا کوئی (متعین) خراج' غرض یہ کہ جتنا کچھ بھی عائد کرنا مناسب سمجھے کر دے۔ مجھے امید ہے کہ اس باب میں اس کے لئے کافی گنجائش ہے اور وہ ان مختلف صورتوں میں سے جو صورت چاہے اختیار کر سکتا ہے۔"

فصل نہم

مسائل تجارت سے متعلق امام ابو یوسف کا معاشی فکر

اس فصل میں ہم تجارت (Trade) کے بارے میں امام ابو یوسف کے معاشی فکر کو واضح کریں گے۔

خرید و فروخت

عربی زبان میں خرید و فروخت کے لئے بیع (Contract of sale) کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ لغت میں بیع کے معنی ہیں "مبادلہ" (یعنی تبادلہ میں دینا' تبادلہ کرنا)۔ اور یہ لفظ ان کلمات میں سے جن کے متضاد معنی ہوتے ہیں۔ چنانچہ کہا جاتا ہے "باع کذا" (میں نے یہ چیز اتنے میں خریدی یا اتنے میں فروخت کی)۔ اصطلاح میں اس کا مفہوم یہ ہے "باہمی رضامندی سے مال کا مال کے ساتھ تبادلہ کرنا۔" (577)

فقہ کی معروف کتاب "الھدایہ" میں بیع کی تعریف ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔

بیع ینعقد بالایجاب والقبول اذا کانا بلفظ الماضی مثل ان یقول احدھما بعت والاخر اشتریت(578)

"بیع ایجاب و قبول کے ساتھ منعقد ہوتی ہے۔ جب لفظ ماضی میں استعمال ہوں۔ مثال کے طور پر ان میں سے ایک یہ کہے کہ میں نے فروخت کیا اور دوسرا کہے کہ میں نے خرید لیا۔"

الخیارات

خیارات "خیار" کی جمع ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ دو یا دو سے زائد کاموں میں بہتر کو اختیار کیا جائے۔ اور فقہاء اس سے یہ مراد لیتے ہیں کہ عاقدین (Contractors) میں سے کسی ایک کو یا سب کو حق ہو کہ وہ عقد (Contract) کو جاری رکھے یا فسخ کردے۔ (579)

خیار شرط

خرید و فروخت کا معاملہ طے ہوتے وقت خریدار (Purchaser) نے یہ شرط لگادی کہ میں تین دن کے اندر بتا دوں گا کہ اس چیز کو خریدنا ہے یا نہیں تو اس کو خیار شرط (Stipulation for option) کہتے ہیں۔ یعنی یہ شرط عائد کرنے کی وجہ سے اس کو یہ اختیار (Option) مل گیا۔ اسی طرح بائع (Seller) کو بھی یہ اختیار حاصل ہے۔ وہ مشتری (Purchaser) کی پسندیدہ چیز کے بارے میں کہہ سکتا ہے کہ میں اس کے فروخت کرنے کا فیصلہ تین دن کے اندر کروں گا۔

استاذ علی الخفیف نے اس کی بڑی جامع تعریف کی ہے۔

ھو ما یثبت لاحد العاقدین او لغیرھما فی الحق فی امضاء العقد او فسخہ

بناء علی اشتراط ذلک له(580)

اگر بائع (Seller) نے مشتری (Purchaser) کو کوئی چیز دیتے وقت شرط مقرر کی اور یہ شرط ایسی ہے کہ اس میں کسی کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہے تو یہ شرط باطل (Void) ہے۔ اور بیع صحیح ہو گی۔ مثلاً اگر کسی نے کپڑا اس شرط پر خریدا کہ اس کو فروخت نہیں کروں گا تو یہ شرط لغو ہو گی اور بیع صحیح ہو گی۔ اس لئے کہ اس شرط میں کسی کے لئے بھی کوئی فائدہ نہیں ہے۔

امام ابو یوسف کا موقف یہ ہے کہ بیع کی یہ شرط باطل (Void) ہو گی اس لئے کہ اس میں خریدار کے لئے ضرر کا پہلو ہے کیونکہ وہ اپنی ملکیت میں تصرف کرنے سے معذور ہو جاتا ہے۔ اور وہ شرط جس میں ضرر کا پہلو ہو اس شرط کی طرح ہے کہ جس میں متعاقدین (Contractors) میں سے کسی ایک کے لئے فائدہ ہو۔(581)

امام ابو حنیفہ اور امام زفر کی رائے یہ ہے کہ خیار شرط (Stipulation for option) میں زیادہ سے زیادہ تین دن کی مدت مقرر کی جا سکتی ہے۔ اس سے زیادہ جائز نہیں۔(582)

امام ابو یوسف کے نزدیک اگر مدت متعین اور معلوم ہو تو تین دن سے زائد بھی جائز ہے۔ اگر کوئی شخص خیار شرط میں مہینہ یا دو مہینہ کی مدت کی شرط لگائے تو اس کا پورا کرنا لازم ہے۔(583)

امام ابو حنیفہ کے نزدیک خیار شرط کی صورت میں مشتری (Purchaser) اس مبیع (Thing sold) (فروخت کردہ چیز) کا مالک نہیں بن جاتا۔ جبکہ امام ابو یوسف کی رائے یہ ہے کہ وہ مالک بن جائے گا کیونکہ مبیع اگر ملک بائع سے نکل جائے اور مشتری کی ملکیت میں داخل نہ ہو تو اس مبیع کی کیفیت یہ ہو گی کہ کسی مالک کی ملک میں بھی نہ ہو گی اور شریعت اسلامیہ میں ایسی کوئی مثال نہیں دی جا سکتی کہ چیز مملوک تو ہو لیکن اس کا کوئی مالک نہ ہو۔(584)

اگر دو افراد مل کر کوئی چیز اس شرط پر خریدیں کہ ان دونوں کو اختیار ہے۔ پھر ان میں سے ایک اس سودے پر رضامندی ظاہر کر دے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک دوسرا رد نہیں کر سکتا۔ لیکن امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ وہ رد کر سکتا ہے۔(585)

اگر کوئی شخص مدت کا تعین نہ کرے یا خیار شرط ہمیشہ کے لئے قرار دے یا مدت کو مجہول رہنے دے مثلاً زید کی آمد یا بارش کے ہونے پر موقوف قرار دے تو امام مالک کے نزدیک یہ عقد (Contract) صحیح (Valid) ہو گا اور قاضی کو یہ اختیار حاصل ہو گا کہ وہ طریقے اور عادت کے مطابق مناسب مدت کا تعین کرے۔ لیکن امام ابو یوسف اس ضمن میں یہ رائے رکھتے ہیں کہ اس صورت میں عقد فاسد ہو جائے گا۔(586)

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ جس شخص کو خیار کا حق حاصل ہے خواہ وہ بائع ہو یا مشتری یا اجنبی ہو اس کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ عقد کو فسخ قرار دے دے یا اس کو جاری رکھے اس کے لئے قاضی کا فیصلہ ضروری نہیں ہے۔ اور نہ ہی

دوسرے فریق کی موجودگی شرط ہے۔ (387)

اگر تجارت کے لئے سامان خریدا ہو' اور اس کو حق خیار حاصل ہو تو امام ابو یوسف کے نزدیک مشتری (Purchaser) کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ بغیر کسی دستاویز یا اقرار نامہ کے بائع کی طرف وہ سامان واپس کر دے۔ (388)

"الشاۃ المصراۃ" (Musarrat) (وہ بکری جس کا دودھ کچھ دن تک روک لیا گیا ہو تاکہ وہ زیادہ دودھ دینے والی نظر آئے) کو واپس کرنے کے ضمن میں امام ابو یوسف نے دیگر فقہاء کے مقابلہ میں منفرد قسم کی رائے دی ہے۔ اس بات پر تو تمام فقہاء متفق ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان (389) کی روشنی میں مشتری کو اختیار حاصل ہے کہ وہ جانور واپس کر دے لیکن دودھ کے بدلے میں جو اس نے دوہا ہے کیا کھجوریں دے گا یا اس دودھ کی قیمت ادا کرے گا۔ بعض فقہاء کے نزدیک ظاہر حدیث پر عمل کرتے ہوئے ایسے جانور کی واپسی کے ساتھ مطلقاً" بغیر اس دودھ کی مقدار کو مد نظر رکھتے ہوئے جو اس جانور سے دوہا گیا ہے ایک صاع کھجور واپس کی جائے گی۔

امام ابو حنیفہ کا موقف یہ ہے کہ کھجوریں نہیں دی جائیں گی بلکہ خریدار قیمت کا نقصان وصول کرے گا جو اس جانور کی خریداری میں ہوا ہے۔

امام ابو یوسف یہ رائے دیتے ہیں کہ خریدار اس جانور کو اس دودھ کی قیمت کے ساتھ جو اس نے دوہا ہے واپس کرے گا اور کھجوریں نہیں دے گا کیونکہ ایک صاع کھجور کی قیمت اس کی اصل قیمت سے کم و بیش ہو سکتی ہے۔ (390)

اگر ایک ذمی (nonmuslim) نے دوسرے ذمی سے خیار کی شرط پر شراب خریدی' بعد ازاں خریدار مدت خیار کے دوران میں مسلمان ہو گیا تو امام ابو یوسف کے نزدیک اس کا خیار باطل (Void) ہو جائے گا۔ کیونکہ ذمی مدت خیار کے دوران اس شراب کا مالک ہو چکا تھا اور اب مسلمان ہوتے ہوئے اسے واپس کرنے کا حق حاصل نہ ہو گا۔ (391)

بائع (Seller) اور مشتری (Purchaser) کے علاوہ اگر کسی تیسرے شخص کے لئے شرط ثابت کی گئی ہو تو امام ابو یوسف کے نزدیک اس تیسرے شخص کو مدت خیار کے دوران میں عقد فسخ کرنے کا اختیار ہو گا اور اسے یہ اختیار بھی ہے کہ عقد کی اجازت دے دے۔ ایسا شخص اپنے ساتھی کی موجودگی کے بغیر عقد کی اجازت بھی دے سکتا ہے اور فسخ بھی کر سکتا ہے۔

امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک ایسا شخص ساتھی کی غیر موجودگی میں عقد کی اجازت تو دے سکتا ہے لیکن فسخ نہیں کر سکتا۔

امام ابو یوسف اپنے موقف کی دلیل دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ تیسرے شخص کو اس کے ساتھی کی طرف سے فسخ کا مکمل اختیار حاصل ہے۔ لہٰذا فسخ ساتھی کے علم پر موقوف نہ ہو گا بلکہ ساتھی کی غیر موجودگی میں بھی صاحب خیار فسخ پر

قادر ہو گا۔ جیساکہ اجازت کی صورت میں ہوتا ہے کہ اگر یہ تیسرا صاحب خیار شخص اپنے ساتھی کے علم کے بغیر ہی عقد کی اجازت دے دے تو عقد پایہ تکمیل کو پہنچ جاتا ہے۔ اسی بناء پر ساتھی کی رضامندی ضروری نہیں ہوتی کہ پہلے ساتھی سے رضامندی حاصل کرے پھر عقد کی اجازت دے۔ پس یہ تیسرا شخص وکیل بیع کی طرح ہے اور وکیل بیع اپنی مرضی سے جو تصرف چاہے کر سکتا ہے۔ اس کے تصرفات کے لئے موکل کا موجود ہونا یا اسے معلوم ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ (592)

اگر ایک شخص نے کوئی چیز خریدی لیکن خیار کی شرط کسی دوسرے شخص کے لئے کر دی تو ان دونوں میں سے جو بھی بیع کی اجازت دے دے گا بیع جائز ہو گی۔ اور ان میں سے جو بھی عقد کو فسخ کر دے گا ٹوٹ جائے گا۔ اگر ان میں سے ایک عقد کی اجازت دے دے اور دوسرا فسخ کر دے تو ان میں سے پہلے تصرف کرنے والے کا حق فائق ہو گا۔

اگر ان دونوں کی بات بیک وقت صادر ہو تو امام محمد کے نزدیک عاقد کے تصرف کو ترجیح دی جائے گی لیکن امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ فسخ کرنے والے کا تصرف مرجح ہو گا۔

امام ابو یوسف یہ دلیل دیتے ہیں کہ اجازت کی نسبت فسخ قوی ہوتا ہے کیونکہ جس معاملہ (Transaction) میں اجازت دی گئی ہو اس میں فسخ موثر ہو سکتا ہے۔ لیکن فسخ پر اجازت موثر نہیں ہوتی۔ مثلاً بائع (Seller) کے ہاں مبیع (فروخت کردہ چیز) کے ہلاک ہو جانے سے بیع فسخ ہو جاتی ہے اور اجازت اس سے لاحق نہیں ہو سکتی۔ جب ان دونوں میں سے ہر ایک تصرف کا مالک تھا تو اس صورت میں قوت تصرف کے پیش نظر فسخ کو ترجیح دی۔ اس لئے اجازت اور فسخ کی صورت میں فسخ کو ترجیح دی جائے گی۔ (593)

خیار رویت۔۔(دیکھنے کا اختیار)

احمد بن محمد القدوری (م 428ھ / 1037ء) فرماتے ہیں اگر کسی شخص نے کوئی ایسی چیز خریدی جس کو اس نے دیکھا نہیں تو بیع جائز (Legal) ہے لیکن اس چیز کے دیکھنے پر خریدار کو اختیار ہو گا اگر چاہے تو قیمت دے کر لے لے یا چاہے تو رد کر دے۔ (594)

امام شافعی کے نزدیک ایسی بیع فاسد ہے کیونکہ دیکھنے کے بغیر بیع جائز ہی نہیں۔ امام ابو یوسف کے نزدیک یہ بیع جائز ہے لیکن مشتری (Purchaser) کو اختیار حاصل ہو گا کہ دیکھنے کے بعد چاہے قبول کرے چاہے رد کر دے۔

امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ اگر خریدار نے مکان کا صحن دیکھ لیا تو اس کا خیار رویت (Option on inspection) باقی نہ رہے گا۔ خواہ مکان کو اندر سے نہ بھی دیکھا ہو۔ اسی طرح اگر اس نے مکان کا بیرونی احاطہ دیکھ لیا یا باہر ہی سے باغ کے درختوں پر نظر ڈال لی تو اس کا خیار رویت باقی نہ رہے گا۔

امام زفر کی رائے یہ ہے کہ مکان کے اندر داخل ہو کر دیکھنا بھی ضروری ہے۔ (595) اگر ایک شخص نے کپڑے کی

ایک گٹھڑی خریدی اور اس کو دیکھا نہیں۔ پھر اس میں سے کچھ کپڑا فروخت کر دیا۔ بعد ازاں جو کپڑا بچ گیا اس کو دیکھا تو وہ پسند نہ آیا۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اب اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ اس کو واپس کرے۔ البتہ اگر اس کپڑے میں کوئی عیب Defect ہو تو پھر واپس کر سکتا ہے۔

امام ابو یوسف کے نزدیک خیار رویت (Option on inspection)

خیار شرط (Stipulation for option) کی طرح ہے۔ ساقط ہونے کے بعد اس کا اعادہ نہیں ہوتا۔ (596)

اگر ایک شخص نے کپڑا خریدا اور اس کو دیکھنے سے پہلے ہی اس میں سے کچھ کپڑا ضائع ہو گیا تو کیا وہ یہ کپڑا بائع (Seller) کو واپس کر سکتا ہے؟ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ وہ باقی کپڑے کو واپس کر سکتا ہے۔ وہ دلیل یہ دیتے ہیں کہ دیکھنے سے پہلے عقد (contract) مکمل نہ ہونے کی وجہ سے اس کا خیار (option) ساقط نہیں ہوا۔ (597)

اگر سیپی میں موتی خریدے تو امام ابو یوسف کے نزدیک خریدار (Purchaser) کو موتی نکالنے کے بعد اختیار حاصل ہو گا۔ (598)

اگر گھوڑے، خچر، گدھے یا اس طرح کا کوئی اور جانور خریدا اور ان کے صرف چہرے دیکھے تو کیا اس کا اختیار ساقط ہو جائے گا؟ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اس کے لئے اختیار ہے جب تک کہ وہ جانور کا چہرہ اور اس کا پچھلا حصہ نہ دیکھ لے۔ اس لئے کہ چہرہ اور جانور کا پچھلا تمام حصہ دیکھنا مقصود ہے۔ پس جب تک اس نے ان حصوں کو نہ دیکھا ہو اس کو خیار رویت (Option on inspection) حاصل ہے۔ (599)

اگر ایک اندھا آدمی زمین خریدے تو اس کے اختیار کے بارے میں امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اندھا شخص اگر ایسی جگہ کھڑا ہو کہ اگر وہ بینا ہو تو دیکھ کر یہ کہہ دے کہ میں اس سودے پر راضی ہوں تو اس کا اختیار ساقط ہو جائے گا کیونکہ جہاں حقیقت کا امکان نہ ہو وہاں تفہیم تو مجازی حقیقت کے قائمقام ہو جاتا ہے۔ جس طرح ایک گونگا آدمی نماز میں ہونٹوں کو ہلائے تو یہ قراءت کے قائمقام ہو گی۔ (600)

خیار عیب

اس سے مراد یہ ہے کہ کسی عیب کی بناء پر عقد کو فسخ کرنے یا جاری رکھنے کا اختیار دیا جائے۔ (601)

بیع (contract of sale) کے بعد مشتری (Purchaser) کو مبیع (Thing sold) میں کسی قسم کے عیب یا نقص کا علم ہو تو اسے اختیار ہے، چاہے تو پوری قیمت دے کر وہ چیز لے لے یا چاہے تو واپس کر دے۔ (602)

امام ابو یوسف فرماتے ہیں "جب خریدار نے مبیع (thing sold) میں کوئی عیب defect دیکھا اور اس نے وہ چیز کسی دوسرے آدمی کو دے دی اور اس پر اپنا قبضہ نہ رکھا تو بے شک یہ عیب پر اس کی رضامندی ہے۔ (603)

اگر ایک شخص نے کھانا خریدا جس میں کوئی عیب ہے۔ اب اگر اس نے اس میں سے کچھ حصہ کھا لیا ہو تو امام

ابو حنیفہ کے نزدیک رجوع کا حق نہ ہو گا لیکن امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ وہ واپس کر سکتا ہے۔

اسی طرح اگر مشتری کپڑا خرید کر پہن لے' یہاں تک کہ وہ کپڑا بوسیدہ ہو جائے۔ بعد ازاں اسے عیب کا پتہ چلے تو امام ابو حنیفہ کی رائے یہ ہے کہ اب وہ واپس نہیں کر سکتا۔ لیکن امام ابو یوسف یہاں بھی واپس کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔

امام ابو یوسف ان دونوں معاملات (Transactions) کے ضمن میں دلیل دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ مشتری (Purchaser) نے مبیع (thing sold) (فروخت کردہ چیز) میں ایسا تصرف کیا ہے جو کسی چیز کو خریدنے کا مقصود ہوتا ہے۔ طعام کا مقصد کھانا ہوتا ہے اور لباس کا مقصد اس کو زیب تن کرنا۔ نیز اس قسم کا تصرف لوگوں میں متعارف بھی ہے اس لئے یہ اعتاق کے مشابہ ہو گا۔ اور اعتاق کی طرح اس میں رجوع To,return بھی ممکن ہو گا۔

امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ پورے کھانے میں جو عیب تھا اس کے نقصان کے مطابق تلافی کے لئے رجوع کرے یعنی جو حصہ کھا لیا اس کے عیب کے نقصان کی تلافی بھی کی جائے گی۔

امام ابو یوسف سے دوسری روایت یہ ہے کہ جس قدر طعام باقی ہے وہ واپس کر دے اور جس قدر کھا چکا ہے اس میں عیب کے نقصان کی تلافی کے لئے رجوع کرے کیونکہ اس نوع کی چیزوں کی تفریق و تقسیم میں ضرر لاحق نہیں ہوا کرتا۔ (604)

اگر ایک شخص نے کوئی چیز خریدی اور فروخت کرنے والے نے معاملہ کرتے وقت تمام عیوب سے برات کی شرط لگا دی تو امام ابو یوسف کے قول کے مطابق اس برات میں عقد کے وقت موجود تمام عیب اور قبضے سے پہلے پیدا ہونے والے تمام عیب داخل ہوں گے۔ (605) لیکن امام محمد اور امام زفر کے نزدیک اس میں حادث عیوب شامل نہ ہوں گے۔

امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ اس برات کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مشتری کو جس صحیح و سالم مبیع کا حق ہے وہ ساقط کر کے بیع لازم کی جائے اور یہ مقصد اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے کہ موجود اور قبضہ سے پہلے حادث ہونے والے دونوں قسم کے عیوب سے برات ہو۔ (606)

بیع سلم

نقد قیمت پیشگی دے کر مبیع thingsold (فروخت کردہ چیز) بعد میں لی جائے تو اسے بیع سلم (sale by payment in advance) کہتے ہیں۔ فقہاء نے اس کی مختصر تعریف یہ کی ہے۔ "اخذ عاجل ما آجل" یعنی ایک موجل چیز کی ایک معجل قیمت کے عوض بیع کرنا۔ (607) مثلاً اسلم نے اکرم سے کہا کہ فصل پکنے کو تیار ہے۔ مجھے دس من گندم کی ضرورت ہے۔ میں دس من گندم کی قیمت مثلاً دو ہزار روپے آج دینے کو تیار ہوں۔ اکرم

نے رضامندی کا اظہار کر دیا اور گندم کی قیمت اسی وقت وصول کر لی۔ گندم تیار ہونے پر ادا کی جائے گی۔

امام ابو یوسف کے زمانے میں بغداد بہت بڑا تجارتی مرکز تھا۔ جملہ اطراف عالم سے تجارتی سامان یہاں پہنچتا تھا جو مال منڈیوں (Markets) میں موجود ہوتا وہ فروخت کر دیا جاتا اور جو موجود نہ ہوتا اس میں بیع سلم کی جاتی۔ چنانچہ آپ نے اس امر کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے بیع سلم کے قوانین (Laws) تشکیل دیئے۔ اور بائع و مشتری کو چند حدود و قیود کا پابند کر دیا۔ بیع سلم کے بارے میں آپ کے افکار کو ہم درج ذیل مباحث کی صورت میں بیان کرتے ہیں۔

مسلم فیہ (مبیع) کا وجود

امام ابو یوسف کے نزدیک بیع سلم (Sale by payment in advance) کی صحت کے لئے یہ ضروری ہے کہ مسلم فیہ (جس چیز کا سودا کیا جا رہا ہو مثلاً غلہ وغیرہ) معاملہ کرتے وقت بازار میں یا لوگوں کے پاس موجود ہو اور خریدار کو ادا کرنے تک موجود رہے۔ امام مالک اور امام شافعی اس سے اختلاف رکھتے ہیں۔ امام مالک کے نزدیک ضروری ہے کہ وہ چیز معاملہ کرتے وقت اور ادائیگی کے وقت موجود ہو خواہ درمیان میں موجود نہ رہے اور امام شافعی کے نزدیک ادائیگی کے وقت موجود ہونا ضروری ہے۔ معاملہ کرتے وقت نہیں۔

امام ابو یوسف دو قواعد کی بناء پر استدلال کرتے ہیں:

(ا) بیع و شراء کی تمام اقسام میں تسلیم بیع پر بائع کی قدرت صحت بیع کے لئے پہلی شرط ہے۔ لہٰذا ضروری ہو گا کہ جب تک مبیع اس کے ذمہ واجب الادا رہے۔ یہ قدرت بحال رہے۔

(ب) مہلت والے جو قرض ہوں' مقروض کی موت کے وقت ان کی ادائیگی اسی وقت فوری طور سے کی جاتی ہے۔ مسلم فیہ بائع پر قرض ہے اور اس کے فوت ہونے سے اس کی مہلت ختم ہو جائے گی اور اسی وقت ادائیگی ضروری ہو گی۔ لہٰذا ورثاء پر واجب ہو گا کہ اس کے ذمہ جو قرض ہے اسے ادا کریں۔ (608)

مقام ادائیگی کی تعیین

امام ابو حنیفہ بیع سلم میں یہ شرط عائد کرتے ہیں کہ بائع اور مشتری معاملہ کرتے وقت اس جگہ کا تعین کر لیں جہاں مسلم فیہ مشتری کو ادا کی جائے گی۔ لیکن امام ابو یوسف اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتے ان کا نظریہ یہ ہے کہ اگر معاملہ کرتے وقت جگہ کی وضاحت نہ کی جائے تو جہاں یہ معاملہ قرار پایا ہو اسی جگہ مشتری کو چیز ادا کرنی چاہیے۔ امام ابو یوسف اپنے موقف کی حمایت میں تین دلائل دیتے ہیں۔

(ا) پہلی دلیل یہ ہے کہ مقام عقد ہی مقام التزام ہے۔ لہٰذا بائع اور مشتری نے جو معاملہ کیا ہے اس کی ادائیگی کے لئے یہی مقام متعین ہو گا جس طرح کہ قرض (Loan) کے ضمن میں مقام ادائیگی وہی ہوتا ہے جہاں قرض لیا گیا ہو یا جہاں

کسی چیز کو ہلاک کیا جاتا ہے اس جگہ تاوان ادا کیا جاتا ہے۔

(2) دوسری دلیل یہ ہے کہ مسلم فیہ راس المال (Capital of a business) یعنی قیمت کا معاوضہ ہے جو کہ بائع نے مشتری کو ابھی ادا کرنا ہے اور قیمت کی ادائیگی مقام عقد میں ضروری ہے کیونکہ قیمت کا مجلس میں وصول کرنا بیع سلم کی صحت کے لئے مشروط ہے۔ بائع اور مشتری کے درمیان مساوات قائم رکھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ قیمت اور مسلم فیہ کا مقام ادائیگی ایک ہی ہو بشرطیکہ کوئی اور شرط عائد نہ کی گئی ہو۔

(3) تیسری دلیل یہ ہے کہ مسلم فیہ قرض ہے اور مشتری نے جو راس المال بائع کی مجلس میں ادا کیا اس کے بدلہ میں مسلم فیہ مشتری کا واجب الوصول حق ہے۔ لہٰذا جہاں یہ قرض ثابت ہوا وہ مقام عقد ہے اور یہی وہ جگہ ہے جہاں وہ اس حق کا مالک ہوا اور جہاں کسی چیز کی ملکیت حاصل ہو اسی جگہ اسے اپنی تحویل میں لینا چاہیے۔(609)

راس المال کی تعیین

امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ بیع سلم کی صحت کے لئے یہ ضروری ہے کہ راس المال (Capital of a business) کی تعیین کر دی جائے یعنی اس کی مقدار، جنس اور وصف بتا دیئے جائیں۔

امام ابو یوسف کا نظریہ یہ ہے کہ جب راس المال معین ہو تو اس کی وضاحت کرنے کی ضرورت نہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ مقصد اشارے سے بھی حاصل ہو جاتا ہے۔(610) اور یہ ثمن Price اور اجرت کے مشابہ ہو گا۔ یعنی بیع میں ثمن کی طرف یا اجارے میں اجرت کی طرف اشارہ کر دینا ہی کافی ہوتا ہے۔ یا جس طرح کوئی کپڑے کو راس المال قرار دیتے ہوئے بیع سلم کرے تو یہ ضروری نہیں ہوتا کہ کپڑے کی مقدار بھی بیان کی جائے کہ اتنے گز ہے۔(611)

اگر کسی شخص نے دو جنسوں کے لئے بیع سلم کی اور دونوں جنسوں میں سے کسی کے لئے بھی راس المال کی تعیین نہیں کی تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ عقد درست نہ ہو گا لیکن امام ابو یوسف کے نزدیک درست ہو گا۔(612)

راس المال کا مجلس میں وصول کرنا

امام ابو یوسف کے نزدیک بیع سلم میں یہ ضروری ہے کہ راس المال مجلس برخاست ہونے سے قبل وصول کر لیا جائے۔ کیونکہ بیع سلم کی حقیقت کا تقاضا یہ ہے کہ راس المال پیشگی (Advance) ادا کر دیا جائے۔ دیگر ائمہ احناف کی بھی یہی رائے ہے۔(613)

دو مختلف اقسام کی خریداری میں بیع سلم

اگر راس المال کے عوض ایک چیز کی دو مختلف اقسام خریدی جائیں تو کیا ہر قسم کی الگ قیمت کی وضاحت ضروری ہے یا نہیں؟ فرض کریں راس المال ایک سو دینار ہے اس کے عوض دو مختلف قسم کی روئی خریدنا چاہتے ہیں۔ امام

ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں یہ ضروری ہے کہ وضاحت کردی جائے کہ روئی کی ہر قسم کتنے کی خریدی جائے گی۔ امام ابو یوسف اس وضاحت کو ضروری نہیں سمجھتے۔(614)

راس المال کی علیحدہ اقسام کی صورت میں بیع سلم

اگر راس المال کی دو علیحدہ اقسام ہوں اور جو چیز خریدی جارہی ہے وہ ایک ہو مثلاً راس المال درہم اور دینار ہوں اور ان کے بدلے ایک ہی قسم کی روئی خریدی جارہی ہو تو امام ابو یوسف اس معاملہ کو صحیح قرار دیتے ہیں۔ لیکن امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ معاملہ فاسد ہے۔(615)

کھاری پانی کی مچھلی میں بیع سلم

فقہاء کہتے ہیں کہ کھاری پانی کی مچھلی میں بیع سلم اس طرح کی جائے کہ وزن معلوم ہو تو پھر کوئی حرج نہیں۔ گنتی کے لحاظ سے اس میں بیع سلم صحیح نہیں کیونکہ کچھ مچھلیاں بڑی ہوتی ہیں اور کچھ چھوٹی۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ گوشت میں تو بیع سلم جائز ہے لیکن مچھلی میں وزن کے لحاظ سے بیع سلم جائز نہیں۔(616)

گوشت میں بیع سلم

امام ابو حنیفہ کے نزدیک گوشت میں بیع سلم جائز نہیں ہے۔ کیونکہ گوشت اگرچہ ایک وزنی چیز ہے لیکن وصف کے ذریعہ اس کی تعیین ممکن نہیں۔ مقدار اور صفات کا تعین کرنے کے بعد بھی یہ بہر صورت مجہول ہوتا ہے۔ کیونکہ گوشت کے بعض ٹکڑوں میں بڑی ہڈی ہوتی ہے اور بعض حصوں میں کم۔ لہٰذا تفاوت ضرور پایا جاتا ہے۔ اس طرح ایک جانور فربہ ہو اور دوسرا لاغر تو اس طرح بھی گوشت میں فرق پڑ جاتا ہے۔ اس طرح بائع اور مشتری میں جھگڑے کی صورت پیدا ہو سکتی ہے۔(617)

امام ابو یوسف کی رائے یہ ہے کہ اگر بائع اور مشتری جانور کے کسی خاص عضو کا گوشت متعین کر دیں مثلاً ران کا گوشت اور اس کا معین وصف بھی بتا دیں مثلاً گوشت فربہ جانور کا ہے یا لاغر جانور کا' چربی والا ہے یا چربی کے بغیر ہے تو اس صورت میں بیع سلم جائز ہوگی۔(618) ان کی دلیل یہ ہے کہ ایسا گوشت ایک معلوم اور موصوف وزنی چیز ہوگا لہٰذا دیگر وزنی اشیاء کی طرح اس کی بیع سلم جائز ہوگی۔

پرندوں میں بیع سلم

امام ابو یوسف کے نزدیک جب تک چڑیوں اور ان جیسے چھوٹے پرندوں کی قیمت میں فرق نہ کیا جا سکتا ہو' ان کے گوشت میں بیع سلم جائز ہوگی۔

رس میں بیع سلم

امام ابو یوسف کے نزدیک نچڑے ہوئے رس میں جبکہ اس کا وزن ہو سکتا ہو تو بیع سلم کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اس لئے کہ اس میں دودھ ہی کی طرح وزن کیا جاتا ہے۔ اسی طرح سرکہ میں بھی اگر وزن معلوم ہو تو بیع سلم کی جا سکتی ہے۔

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اس قسم کی چیزوں میں عرف (Custom) کا اعتبار کیا جائے گا۔ ہم دیکھیں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ان کا شمار کیلی اشیاء (Measurable Things) میں ہوتا تھا یا وزنی اشیاء میں؟ احادیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں یہ کیلی اشیاء میں تھیں۔(619)

عدد کے لحاظ سے پیسوں میں بیع سلم

امام ابو یوسف کے نزدیک ایک معین پیسہ کی بیع دو معین پیسوں کے بدلہ میں جائز ہے۔ امام محمد اس کے جواز کے قائل نہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ پیسے ثمن Price ہیں اور ثمن مبیع (Thing sold) نہیں بن سکتا۔

امام ابو یوسف یہ دلیل دیتے ہیں کہ ان پیسوں کی ثمنیت درحقیقت عاقدین کی اصطلاح پر مبنی ہے تو انہی کی اصطلاح اور باہمی رضامندی سے ان کی ثمنیت کو باطل بھی کیا جا سکتا ہے۔ اور جب ثمنیت (نقد ہونے کی صفت) باطل ہو گئی تو معین کر دینے سے وہ متعین ہو جائیں گے۔(620)

روٹی میں وزن کے لحاظ سے بیع سلم

امام ابو یوسف کے نزدیک روٹی میں وزن کے لحاظ سے بیع سلم جائز ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک بیع سلم کے معاملہ میں عدد یا وزن کے لحاظ سے روٹی ادھار لینا جائز نہیں۔ کیونکہ روٹی میں بلحاظ بنانے پکانے والے اور تنور کے اعتبار سے فرق ہوتا ہے۔

امام محمد کے نزدیک عدد اور وزن دونوں طرح سے ادھار پر لینا جائز ہے کیونکہ لوگوں کا تعامل اسی طرح ہے۔

امام ابو یوسف کے نزدیک وزن کے اعتبار سے ادھار پر جائز ہو گا عدد کے اعتبار سے جائز نہ ہو گا کیونکہ ان میں تفاوت ہوتا ہے۔(621)

روٹی کی گندم کے بدلے بیع سلم

امام ابو یوسف فرماتے ہیں "روٹی کی گندم کے بدلے میں بیع سلم کرنے میں کوئی حرج نہیں۔"(622)

بیع سلم میں اختلاف

اگر مشتری اور بائع کے مابین بیع سلم میں اختلاف پیدا ہو جائے تو امام ابو یوسف کے نزدیک بائع کا قول قابل قبول ہو گا۔ مثلاً ایک شخص نے دراہم کے عوض ایک کر گندم کے لئے بیع سلم کی بعد میں بائع نے دعویٰ کیا کہ میں نے خراب قسم کی گندم کی شرط کی تھی۔ جبکہ مشتری نے کسی قسم کی شرط مقرر ہونے سے انکار کیا۔ تو اس صورت میں امام ابو حنیفہ کے نزدیک مشتری کا قول قابل قبول ہو گا کیونکہ وہ صحت عقد کا مدعی ہے اگرچہ بائع اس کا انکار کرتا ہے۔

امام ابو یوسف کا نظریہ یہ ہے کہ بائع کا قول قابل تسلیم ہو گا کیونکہ وہ منکر ہے اور شرعی اصول کے مطابق منکر کا قول ہی قابل قبول ہوتا ہے اگر وہ قسم کھائے کہ میں اپنے انکار میں سچا ہوں۔ (623)

بیع سلم میں قیمت کا بڑھنا اور کم ہونا

اگر ایک شخص نے دوسرے آدمی کو دس قفیز (غلہ ناپنے کا پیمانہ) درمیانی قسم کے غلہ کے لئے دس درہم سپرد کئے۔ بعد میں فروخت کرنے والے نے اسے اچھا غلہ دکھایا اور کہا کہ یہ غلہ لے لو اور مجھے زیادہ قیمت دے دو تو یہ جائز نہیں۔ یہ اس لئے کہ زائد درہم اس نے اچھے غلہ کی وجہ سے طلب کئے ہیں۔ حالانکہ مشتری کو درمیانی قسم کے غلہ کی ضرورت ہے۔

اگر بائع اس کے پاس گیارہ قفیز غلہ لے کر آتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ لے لو اور مجھے ایک درہم زائد دے دو تو یہ جائز ہے۔ یہ اس لئے کہ بائع نے جو زائد درہم مانگا ہے وہ زائد قفیز کے بدلے میں ہے۔

اگر بائع دس قفیز گھٹیا غلہ لے کر آئے اور کہے کہ یہ لے لو اور میں تمہیں ایک درہم واپس کر دیتا ہوں تو یہ جائز نہیں۔ یہ اس لئے کہ اس صفت کی قیمت نہیں ہے۔ پس اس قیمت میں عقد بیع کو فسخ کرنا کیسے صحیح ہو گا۔

اور اگر بائع نو قفیز غلہ لے کر آئے اور کہے کہ یہ لے لو اور میں تمہیں ایک درہم واپس کر دیتا ہوں تو یہ جائز ہو گا کیونکہ اس معاملہ میں ایک قفیز کی قیمت ایک درہم معلوم ہے۔

امام ابو یوسف فرماتے ہیں بیع سلم کی یہ جتنی شکلیں اوپر گزری ہیں۔ یہ سب جائز ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اگر بائع قیمت میں اضافہ کرتا ہے تو یہ اضافہ اصل عقد کے ساتھ ملحق ہے۔ اور اگر وہ قیمت سے کچھ کم کرتا ہے تو اس کا یہ کم کرنا بھی اصل عقد کے ساتھ ملحق ہے۔ (624)

بیع سلم میں وکیل مقرر کرنا

بیع سلم میں جب وکیل نے ایک چیز کی مکمل حفاظت کی لیکن اس کے باوجود وہ اس سے ضائع ہو جائے تو امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ یہ اس کے ہاتھ میں رہن کی طرح ہے اور وہ اس کا ضامن ہو گا۔

اگر وکیل نے بیع سلم کے مقررہ وقت میں تاخیر کی تو امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ اس کا تاخیر کرنا درست نہیں ہے۔
(625)

اگر ایک شخص نے وکیل کو دس درہم سپرد کئے اور اس کو حکم دیا کہ وہ کپڑے میں بیع سلم کرے تو یہ وکالت اس وقت تک صحیح نہیں ہوگی جب تک کپڑے کی قسم واضح نہ کرے۔

امام ابو یوسف کی رائے یہ ہے کہ اگر وکیل موکل کے لباس کو دیکھ کر اس کے مطابق کپڑا خرید لے تو یہ جائز ہوگا اور موکل پر ضروری ہو جائے گا کہ وہ اس بیع کی پابندی کرے۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ ظاہری طور پر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ انسان دوسرے کو وہی کپڑا خریدنے کا حکم دیتا ہے جس کو اس نے خود پہنا ہوا ہے۔ پس اس کا اپنا استعمال شدہ لباس ہی معتبر شمار ہوگا۔(626)

بیع مرابحہ و تولیہ

اگر بائع (Seller) نے اپنی خرید کردہ چیز کو فروخت کرتے وقت اس میں اپنے نفع کی مقررہ مقدار شامل کر دی ہے تو اس بیع کو "بیع مرابحہ" کہا جائے گا۔ اور اگر وہ نفع نہیں لیتا بلکہ اسی قیمت پر دے دیتا ہے جس میں وہ چیز خریدی تھی' اور خریدار وہ تمام چیز خرید لیتا ہے تو اس معاملہ کا نام "تولیہ" ہے۔(627)

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ "بیع مرابحہ"(Selling for a profit) میں جب خریدار تاجروں کی اس عادت سے باخبر ہو کہ وہ جس قیمت پر اشیاء خریدتے ہیں' اس سے زائد قیمت پر فروخت کرتے ہیں تو اس صورت میں یہ بیع جائز ہے لیکن اگر وہ اس سے باخبر نہیں تو یہ خیانت ہوگی۔ اور مشتری (Purchaser) کو علم ہونے کے بعد بیع واپس کرنے کا حق ہوگا۔(628)

امام ابو یوسف کی رائے یہ ہے کہ بیع مرابحہ و تولیہ' دونوں میں بقدر خیانت قیمت کم ہو جائے گی۔(629) اس کی دلیل یہ ہے کہ اس معاملہ میں عقد کا تولیہ اور مرابحہ ہوتا ہے۔ اسی بناء پر عقد بائع کے اس قول سے منعقد ہو جاتا ہے کہ "ولیتک بالثمن الاول" (میں نے یہ شئے تمہیں بطور تولیہ پہلی قیمت پر فروخت کی) یا بعتک مرابحۃ علی الثمن الاول (میں نے یہ چیز پہلی قیمت پر بطور مرابحہ تم کو فروخت کر دی)۔ بشرطیکہ قیمت معلوم و متعین ہو۔ اسی لئے اسے پہلی قیمت پر مبنی کیا جائے گا اور وہ ظاہر ہے کہ زائد قیمت کو ساقط کرکے ہی ہوگی۔ لیکن "تولیہ" میں اصل مال سے خیانت کی مقدار کے بقدر ساقط کی جائے گی اور مرابحہ میں قیمت میں بھی کمی ہوگی اور اسی تناسب سے نفع میں بھی کمی ہوگی۔(630)

گویا امام ابو یوسف کے نزدیک کسی چیز کی پہلی قیمت (First Price) اس کی دوسری قیمت کا اندازہ کرنے میں بنیاد

کا کام دیتی ہے۔ بائع اور مشتری بھی اسی پر رضامند تھے۔ جب خیانت ظاہر ہونے کی بناء پر اصل قیمت ظاہر ہو گئی تو بائع اور مشتری دونوں اس سے اثر پذیر ہوں گے۔ قیمت کا زائد حصہ لغو قرار پائے گا اور خیانت ظاہر ہونے کے بعد قیمت وہی ٹھہرائی جائے گی جس پر دونوں رضامند ہوئے تھے۔

امام ابو یوسف نے بیع مرابحہ کی ایک اور شکل میں امام ابو حنیفہ سے اختلاف کیا ہے۔ امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ اگر بائع کسی چیز کو منافع پر فروخت کرتا ہے اگر وہ دوبارہ وہی چیز خرید کر نفع پر فروخت کرنا چاہے تو وہ سابقہ منافع کو اس کی قیمت میں سے نکال دے اور پھر جو رقم باقی بچے اس پر منافع وصول کرے۔ مثلاً ایک چیز بیس روپے میں خریدی۔ پھر پچیس روپے میں فروخت کر دی' پھر دوبارہ بیس روپے میں خریدی۔

اس صورت میں راس المال (Capital of a business) سے پانچ روپے کم کئے جائیں گے اور وہ اس بنیاد پر فروخت کرے گا کہ اس کی اصل قیمت پندرہ روپے ہے۔

امام ابو یوسف کا نظریہ یہ ہے کہ نفع آخری قیمت پر مبنی ہو گا اور پہلے نفع کو نظرانداز کر دیا جائے گا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ سابقہ معاملات کا کچھ اعتبار نہیں۔ جو معاملات گزر جائیں ان کے احکام بھی ختم ہو جاتے ہیں اور آخری معاملہ کا حکم بحال ہوتا ہے۔(631)

بیع فضولی

اگر ایک شخص نے کسی دوسرے کی مملوکہ چیز اس کی اجازت کے بغیر فروخت کر دی تو مالک کو بیع جاری رکھنے یا اسے فسخ کرنے کا اختیار ہو گا۔(632)

امام شافعی کے نزدیک ایسی بیع منعقد ہی نہیں ہوتی یعنی مالک کے اجازت دینے پر بھی نافذ نہ ہو گی۔(633)

امام ابو یوسف اور دیگر ائمہ احناف کے نزدیک مالک اگر اجازت دے دے تو بیع منعقد ہو جائے گی۔

اگر مالک نے اپنی زندگی میں اجازت دے دی لیکن مبیع (thing sold) کی حالت کا علم نہیں کہ باقی ہے یا تلف ہو چکی ہے تو امام ابو یوسف کے پہلے قول کے مطابق بیع جائز ہو گی لیکن بعد ازاں امام ابو یوسف نے اپنے قول سے رجوع کر لیا اور فرمایا کہ بیع اس وقت تک صحیح نہ ہو گی جب تک کہ یہ معلوم نہ ہو کہ اجازت دینے کے وقت مبیع قائم و موجود ہے کیونکہ عدم علم کی صورت میں اجازت کی شرط مشکوک ہو گئی تو شک کے ہوتے ہوئے اجازت نہ ہو گی۔(634)

اگر کسی شخص نے مالک کے حکم کے بغیر مکان کا احاطہ ایک شخص کے ہاتھ فروخت کر دیا اور مشتری (Pruchaser) نے اس کو اپنی عمارت میں شامل کر لیا تو امام ابو یوسف کے پہلے قول کے مطابق بائع (Seller) قیمت کا ضامن ہو گا جبکہ آخری قول کے مطابق ضامن نہیں ہو گا۔(635)

اقالہ

اقالہ کے معنی رفع اور ازالہ کے ہیں۔ بیع میں بغیر کسی فساد اور خرابی کے باہمی رضامندی کے ساتھ عقد بیع کو فسخ کرنا اقالہ کہلاتا ہے۔(636)

بیع کی طرح اقالہ (Legal annulation of a contract) میں بھی متعاقدین (Contractors) کا ایجاب و قبول ضروری ہو گا۔

امام ابو یوسف کے نزدیک اگر ایک صیغہ امر ہو تو اقالہ درست ہے مثلاً مشتری کہے کہ اقالہ کر لو اور بائع جواب میں کہے کہ میں نے اقالہ کر لیا تو جائز ہو گا لیکن امام محمد فرماتے ہیں کہ دونوں صیغوں کا ماضی میں ہونا ضروری ہے۔(637)

امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک اقالہ درحقیقت فسخ ہوتا ہے لیکن امام ابو یوسف کی رائے یہ ہے کہ اقالہ درحقیقت بیع ہوتا ہے۔ البتہ اگر اسے بیع بنانا ممکن نہ رہے تو فسخ قرار دیا جائے گا۔(638) جیسے مال منقول کا قبضہ میں لینے سے پہلے اقالہ کرتے تو درست نہیں کیونکہ ابھی تک تو بیع ہی مکمل نہیں ہوئی اقالہ کس طرح درست ہو گا بلکہ عقد ہی نامکمل ہے لہذا اسے فسخ قرار دیا جائے گا۔ اور اگر اسے فسخ قرار دینا بھی ممکن نہ ہو تو اقالہ باطل ہو گا جیسا کہ سامان کو دراہم کے عوض فروخت کیا جائے اور سامان کے تلف ہونے کے بعد اقالہ کیا جائے تو اقالہ باطل ہو گا۔(639)

امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ اقالہ متعاقدین (Contractors) کی باہمی رضامندی کے ساتھ مال کا مال سے تبادلہ ہوتا ہے اور بیع کی حقیقت بھی یہی ہے۔ اسی بناء پر سامان کے تلف ہو جانے پر اقالہ باطل ہو جاتا ہے جس طرح کہ بیع مبیع کے تلف ہو جانے سے باطل ہو جاتی ہے۔ اسی وجہ سے مبیع عیب کی بناء پر مشتری کو واپس کیا جا سکتا ہے جبکہ عیب مشتری کی ملکیت میں پیدا ہو اور یہی صورت بیع میں بھی ہوتی ہے کہ عیب کی وجہ سے مبیع بائع کو واپس کیا جاتا ہے۔ اور اسی طرح اقالہ سے حق شفعہ ثابت ہوتا ہے اور یہی تمام احکام بیع کے لئے بھی ہیں۔ لہذا نتیجہ یہ نکلا کہ اقالہ کو بیع قرار دینا ہی مناسب ہے۔(640)

الکاسانی نے بدائع الصنائع میں امام ابو یوسف کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اقالہ چونکہ ہر حال میں بیع ہے اس لئے جو باتیں بیع میں جائز نہیں ہوتیں وہ اقالہ میں بھی درست نہیں۔(641)

خرید و فروخت کے متفرق مسائل کے بارے میں امام ابو یوسف کا فکر

(1) امام ابو یوسف کے نزدیک گوشت کی بیع (Contract of sale) زندہ حیوان کے بدلے جائز ہے۔ امام محمد فرماتے

ہیں کہ حیوان کو اسی کی جنس کے گوشت سے فروخت کیا جائے تو جائز نہ ہو گا البتہ اگر صاف شدہ گوشت اس گوشت سے زائد ہو جو حیوان میں ہے تو جائز ہے۔

امام ابو یوسف یہ دلیل دیتے ہیں کہ اس نے موزونی چیز کو غیر موزونی چیز کے بدلے بیع کی ہے کیونکہ عموماً" حیوان کو تولا نہیں جاتا اور تول کے ذریعے اس کے وزن کی معرفت حاصل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ وہ بعض اوقات اپنے آپ کو ہلکا کر لیتا ہے اور کبھی اپنے اعضاء کے استرخاء اور ان کو ڈھیلا ڈالنے کی وجہ سے اپنے آپ کو وزنی کر لیتا ہے۔ (642)

(2) امام ابو یوسف کے نزدیک روٹی کو گندم یا آٹے کے عوض میں ادھار کے ساتھ فروخت کرنا جائز ہے۔ مثلاً گندم یا آٹا دیا اور اس سے کم مقدار میں روٹی لی تو جائز ہے کیونکہ ان کے نزدیک روٹی موزونی چیز ہے۔ اس لئے روٹی ہر لحاظ سے کیلی چیز ہونے سے خارج ہو جاتی ہے۔

اگر گندم اور آٹا نقد دیئے جائیں جبکہ روٹی ادھار ہو تو امام ابو یوسف دیگر ائمہ کے برعکس اس صورت میں بھی جواز کا فتویٰ دیتے ہیں۔ (643)

(3) امام ابو یوسف کے نزدیک تر کھجوروں کی بیع خشک کھجوروں کے عوض جائز نہیں۔ (644) اسی طرح ان کے نزدیک تر انگوروں کی بیع انگوروں کے بدلے جائز نہیں۔ (645)

(4) امام ابو یوسف کی رائے یہ ہے کہ شہد کی مکھیوں کی بیع جائز نہیں۔ (646) امام محمد اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ جب بھتہ محفوظ جگہ میں ہو تو بیع جائز ہو گی۔ کیونکہ شہد کی مکھی ایک ایسا حیوان ہے جو حقیقتاً" اور شرعاً" دونوں لحاظ سے قابل انتفاع ہے لہذا اس کی بیع جائز ہو گی۔ (647)

امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ شہد کی مکھی بھی کاٹنے والے کیڑوں سے ہے لہذا بھڑوں کی طرح اس کی بیع بھی جائز نہ ہو گی۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ انتفاع ان کی عین ذات سے نہیں بلکہ اس شہد اور موم سے ہوتا ہے جو ان سے اٹھتا ہے۔ شہد کے نکلنے سے قبل یہ کیڑے قابل انتفاع نہیں۔ (648)

(5) امام ابو حنیفہ کی رائے یہ ہے کہ ریشم کے کیڑوں کو فروخت نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ریشم کے کیڑے حشرات الارض سے ہیں۔ امام ابو یوسف کا موقف یہ ہے کہ اگر ریشم ظاہر ہو چکا ہے تو ریشم کے تابع شمار کرتے ہوئے کیڑوں کی فروخت بھی جائز ہو گی۔ (649)

(6) امام ابو یوسف کی رائے یہ ہے کہ جانوروں کی پشت پر اون کی خرید و فروخت جائز ہے۔ (650) اس لئے کہ یہ بالکل مال ظاہر ہے۔ امام سرخسی کے الفاظ ہیں۔

وعن ابی یوسف رحمہ اللہ انہ جوز ذلک لان الصوف عین مال ظاهر (651)

(7) اگر مسلمان کسی مشرک کو قتل کر دیں اور دشمن وہ لاش خریدنا چاہے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ جائز ہے۔ ان کی

دلیل یہ ہے کہ مسلمان ان کا مال غصب بھی کر سکتے ہیں تو جب وہ راضی خوشی اپنا مال حوالے کر رہے ہوں تو اس کا قبول کر لینا زیادہ درست اور بہتر ہو گا۔(652)

امام ابو یوسف اس کو ناجائز (illegal) سمجھتے ہیں۔ آپ کتاب الخراج میں لکھتے ہیں۔

و انا اکرہ ذلک و انھی عنہ' لیس یجوز للمسلمین ان یبیعوا خمرا و لا خنزیرا و لا میتۃ و لا دما من اھل الحرب و لا من غیرھم(653)

"اور میں اس کو برا اور ممنوع سمجھتا ہوں۔ مسلمانوں کے لئے دشمنوں اور دوسرے لوگوں کے ہاتھوں شراب' سور اور مردار اور خون کی فروخت جائز نہیں۔"

امام ابو یوسف اپنی رائے کی تائید میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ایک حدیث نقل کرتے ہیں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرک کی لاش کے عوض مال لینے سے منع فرمایا۔(654)

(8) اگر ایک شخص یہ کہے کہ میں نے تیرے پاس یہ کپڑا جو کہ دس ذراع (ایک پیمانہ جس کی لمبائی 50 سے 70 سینٹی میٹر تک ہوتی ہے) ہے فروخت کیا اور ہر ذراع کی قیمت ایک درہم ہے تو یہ بیع جائز ہے۔ خریدنے کے بعد اگر یہ پتہ چلے کہ نصف ذراع زیادہ ہے یا کم ہے تو امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ نصف ذراع زیادہ ہونے کی صورت میں اصل قیمت پر نصف درہم زیادہ لیا جائے گا اور اس کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اگر وہ چاہے تو ساڑھے دس درہم لے لے اور اگر چاہے تو چھوڑ دے۔

اور اگر کپڑا نصف ذراع کم ہو تو اس صورت میں قیمت میں سے نصف درہم کم کر دیا جائے گا اور اس صورت میں خریدار کو حق حاصل ہے کہ چاہے تو وہ ساڑھے نو درہم کے بدلے کپڑا لے لے اور چاہے تو چھوڑ دے۔(655)

(9) اگر ایک شخص نے گھر فروخت کیا اور اس میں باغ بھی ہو تو امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ بیع میں باغ داخل نہیں ہو گا۔ البتہ اگر سودا کرتے وقت باقاعدہ اس کا ذکر بھی ہو یا وہ گھر کے درمیان واقع ہو تو پھر باغ بھی بیع میں شامل ہو گا۔ اور امام ابو یوسف سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ باغ اس میں داخل ہو گا اگرچہ اس کا ذکر نہ کیا گیا ہو۔(656)

(10) اگر زمین خریدی اور اس میں کھجوروں کے درخت بھی ہوں اور قبضہ سے پہلے ان پر پھل آ گیا اور زمین' درخت اور پھل کی قیمت برابر ہو۔ اگر فروخت کرنے والے نے پھل ضائع کر دیا تو امام ابو یوسف فرماتے ہیں۔ خریدار سے قیمت کا چوتھائی حصہ (1/4) ساقط ہو جائے گا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ قبضہ سے پہلے جو پھل آئے ہیں وہ کھجور کے درختوں پر اضافہ ہیں۔ پس قیمت پہلے زمین اور کھجور میں نصف نصف تقسیم ہو گی۔ پھر دوسرا نصف حصہ کھجور کے درخت اور پھل میں تقسیم ہو گا۔ پس پھل کا حصہ کل قیمت 1/4 ہو گا۔(657)

(11) امام ابو یوسف کی رائے یہ ہے کہ زمین کی فروخت قبضہ سے پہلے بھی جائز ہے۔ لیکن امام محمد اس کے جواز کے

قائل نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چیز کی فروخت سے منع فرمایا ہے جو ابھی تک قبضہ میں نہ آئی ہو۔

امام ابو یوسف یہ دلیل دیتے ہیں کہ بیع کا رکن یعنی ایجاب و قبول (Offer and acceptance) ایسے شخص کی طرف سے صادر ہوا ہے جو اس کی اہلیت رکھتا ہے یعنی عاقل و بالغ ہے اور عقد اپنے مناسب محل میں واقع ہو رہا ہے کیونکہ مبیع مملوک ہے۔ نیز اس بیع میں دھوکے کا خدشہ بھی نہیں کیونکہ زمین میں تلف ہونے کا امکان نادر الوقوع ہے' بخلاف منقول اشیاء کے کہ ان میں تلف نادر الوقوع نہیں ہوتا اور جس دھوکا سے ممانعت کی گئی ہے وہ عقد کے فسخ ہونے کا دھوکا ہے۔ مگر اس صورت میں زمین ہر وقت قبضہ کے لئے موجود ہے۔ (658)

(12) اگر ایک آدمی نے اپنی کوئی چیز دو آدمیوں کے پاس فروخت کی۔ اور ان دو میں سے ایک نے اپنے حصے کی قیمت ادا کر دی تو کیا فروخت کرنے والے کو یہ حق پہنچتا ہے کہ دوسرے کی طرف سے قیمت کی ادائیگی تک وہ فروخت کردہ چیز کو روک لے؟

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ جب ان میں سے ایک نے نصف قیمت ادا کر دی تو وہ نصف مبیع (Thing sold) لے لے گا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک پر نصف قیمت واجب ہے۔ پس جب اس نے اپنے حصہ کی ادائیگی کر دی تو اس پر جو کچھ واجب تھا وہ اس نے ادا کر دیا۔ اب یہ بات کسی طرح درست نہیں کہ جب تک اس کا ساتھی قیمت ادا نہ کرے' اس کا حق روک کر رکھا جائے۔ (659)

(13) اگر ایک شخص نے بکریوں کا ایک گلہ اس شرط پر فروخت کیا کہ ہر بکری کی قیمت ایک درہم ہوگی۔ امام ابو حنیفہ کی رائے یہ ہے کہ تمام بکریوں کی بیع فاسد ہوگی۔ اس طرح اگر کسی نے کپڑے کی کچھ مقدار اس وضاحت کے ساتھ فروخت کی کہ ہر گز کی قیمت ایک درہم ہے لیکن گزوں کی مقدار بیان نہ کی تو تمام کپڑے کی بیع فاسد ہوگی۔

امام ابو یوسف کے نزدیک یہ سودے جائز ہیں۔ وہ دلیل یہ دیتے ہیں کہ ایسی صورتوں میں اگر کوئی ابہام پایا جاتا ہو تو فریقین آسانی سے اس کو دور کر سکتے ہیں۔ (660)

(14) بیع کے ضمن میں وکیل بنانے کے ایک مسئلہ میں امام ابو یوسف نے امام ابو حنیفہ سے اختلاف کیا ہے۔ اگر توکیل مطلق ہو تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اطلاق کی رعایت کی جائے گی۔ لہٰذا وہ قلیل و کثیر رقم کے عوض بیع کرنے کا مجاز ہوگا۔ جبکہ امام ابو یوسف کا قول یہ ہے کہ وہ قیمت میں صرف اتنی کمی بیشی کر سکتا ہے جتنا کہ اس چیز میں عام طور پر لوگ کر لیتے ہیں۔ ابو یوسف کے قول کی وجہ یہ ہے کہ مطلق بیع سے مراد متعارف و مروج بیع لیں گے اور غبن فاحش (قیمت میں عام عادت سے زیادہ کمی بیشی) کے ساتھ بیع متعارف نہیں ہوتی۔ لہٰذا مطلق بیع کو اس کی طرف نہیں پھیریں گے جیسا کہ توکیل بالشراء میں کیا جاتا ہے۔ (661)

امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کو اختیار ہے کہ وہ اثمان مطلقہ (absolute prices) کے ساتھ بیع کر سکتا ہے لیکن امام ابو یوسف کے نزدیک نہیں کر سکتا۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک وہ نقد و ادھار دونوں طرح بیع کر سکتا ہے لیکن امام ابو یوسف کے نزدیک صرف نقد بیع کر سکتا ہے۔(662)

(15) ایک درہم میں دس رطل گوشت خریدنے کا وکیل جب ایک درہم میں بیس رطل ایسا گوشت خریدے کہ اس جیسا ایک درہم میں دس رطل فروخت ہوتا ہے تو امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک موکل کو دس رطل بعوض نصف درہم کے لازم ہوں گے جبکہ ابو یوسف کے نزدیک اس کو بیس رطل بعوض ایک درہم کے لازم ہوں گے۔ اور اگر وہ ایک درہم میں ساڑھے دس رطل خریدے تو ازروئے استحسان موکل کو لازم ہوں گے۔

امام ابو یوسف کے قول کی دلیل یہ ہے کہ یہ (یعنی ایک درہم میں بیس رطل خریدنا) اگرچہ صورت کے اعتبار سے مخالفت ہے معنی کے اعتبار سے نہیں کیونکہ یہ مخالفت بہتری کی جانب ہے اور ایسی مخالفت موکل پر نفاذ سے مانع نہیں جیساکہ جب وہ ایک درہم میں ساڑھے دس رطل خریدے تو وہ موکل کو لازم ہوں گے ایسے ہی اس صورت میں ہوگا۔ (663)

(16) غیر معین شے کو خریدتے وقت جب وکیل اور موکل میں اختلاف ہو جائے' وکیل کہے کہ میں نے اپنے لئے خریدی اور موکل کہے کہ نہیں بلکہ تو نے میرے لئے خریدی تو ثمن (Price) کو حکم بنایا جائے گا اور اگر خریدتے ہوئے کوئی نیت نہ ہو اور دونوں اس پر متفق ہوں تو اس صورت میں بھی امام ابو یوسف کے نزدیک ثمن کو حکم بنایا جائے گا جبکہ امام محمد کے نزدیک شراء وکیل کے لئے ہوگی۔

امام ابو یوسف کے قول کی دلیل یہ ہے کہ مسلمانوں کے امور جہاں تک ممکن ہو اصلاح اور درستگی پر محمول کئے جاتے ہیں اور یہ اس صورت میں کہ ثمن (Price) کو حکم بنایا جائے۔(664)

(17) امام ابو حنیفہ کے نزدیک وکیل بالشراء کو یہ حق نہیں کہ اپنے باپ اور دادا اور اپنی اولاد اور اپنی بیوی اور ہر اس شخص سے کہ جس کی شہادت اس کے حق میں معتبر نہیں خرید سکے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک اگر مثل قیمت یا کم قیمت یا اتنی زیادہ قیمت پر خریدی ہو کہ لوگ اتنا غبن کر لیتے ہیں تو جائز ہے۔(665)

(18) اگر کسی شخص نے وکیل بیع مقرر کیا۔ وکیل نے کسی شخص کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کی اور موکل نے بھی انہیں لمحات میں وہ چیز کسی اور کے ساتھ فروخت کر دی تو امام محمد کے نزدیک موکل کے تصرف کو ترجیح دی جائے گی کیونکہ موکل کو اصل کی حیثیت حاصل ہے اور وکیل کو نائب کی۔ لیکن امام ابو یوسف دونوں کا تصرف معتبر قرار دیتے ہیں کیونکہ دونوں کو ولایت تصرف حاصل ہے۔(666)

(19) بیع بالتعاطی 667 (Sale by payment and delivery) کے بارے میں امام ابو یوسف کا نظریہ یہ ہے کہ

یہ درست ہے۔

سالت ابا یوسف عن رجل یدخل السفینة او یحتجم او یفتصد او یدخل الحمام او یشرب الماء من السقاء ثم یدفع الاجرة و ثمن الماء فقال یجوز استحسانا و لا یحتاج الی العقد قبل ذلک کذافی التاتار خانیة(668)

"ابو یوسف سے پوچھا گیا کہ ایک شخص کشتی میں داخل ہوتا ہے یا پچھنے لگواتا ہے یا فصد کھلواتا ہے یا حمام میں داخل ہوتا ہے یا سنگیزے سے پانی پیتا ہے۔ پھر اجرت اور پانی کی قیمت ادا کرتا ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ ازروئے استحسان یہ جائز ہے اور اس سے پیشتر عقد کرنے کی ضرورت نہیں۔ التاتار خانیہ میں اسی طرح ہے۔"

(20) بیع العینہ کے بارے میں بھی امام ابو یوسف کا ذکر موجود ہے۔ بیع العینہ سے مراد ادھار چیز کو نقد کے مقابلے میں زیادہ قیمت پر فروخت کرنا ہے۔ عبداللہ بن یوسف الزیلعی (م 762ھ / 1360ء) نے اس کی تعریف یہ نقل کی ہے۔

"والعینة" بیع سلعة بثمن موجل ثم یعود فیشتریها بانقص منه حالا (669)

"اور "العینہ" اس بیع کا نام ہے جس میں کوئی چیز ادھار ثمن پر فروخت کی جاتی ہے۔ پھر وہی فروخت کرنے والا خریدار سے وہ چیز بصورت نقد کم قیمت پر خرید لیتا ہے۔"

مثال کے طور پر زید اسلم سے ایک سو روپے قرض مانگتا ہے اسلم اس کو کہتا ہے کہ تم میری یہ چیز سال کے ادھار پر ایک سو دس روپے میں خرید لو اور پھر یہی چیز ایک سو نقد کے بدلے فروخت کر دینا۔ امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک بیع کا یہ معاملہ فاسد ہے۔ امام ابو یوسف پہلے اس کے جواز کے قائل تھے۔ لیکن بعد ازاں آپ نے اس سے رجوع کر لیا۔(670)

(21) امام ابو حنیفہ کے نزدیک شراب کے سوا دوسرے تمام حرام مشروبات کو فروخت کرنا جائز ہے۔ لیکن امام ابو یوسف کے نزدیک جائز نہیں۔ یہ اس لئے کہ جب ان کا پینا حرام ہے تو وہ مال نہ ہوں گے۔ لہذا شراب کی طرح وہ "محل بیع" نہیں ہو سکتے۔ نیز اس لئے بھی کہ جس شے کا پینا حرام ہے اس کا فروخت کرنا بھی حرام ہے۔(671)

(22) غیر منقولہ جائیداد (immovable property) مثلاً زمین کی قبضہ سے قبل فروخت (sale) کے بارے میں امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ ازروئے استحسان اس کی بیع جائز ہے۔ آپ کی دلیل قرآن مجید کے بیع کے متعلق عمومی احکام ہیں جو تخصیص کے بغیر ہیں۔(672)

احتکار

ابن عابدین' احتکار کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "الاحتکار لغة: احتباس الشئی انتظار لغلائه (673) (لغت میں احتکار کے معنی کسی شے کو گرانی کے انتظار میں روک کر رکھنا ہے)۔ یعنی کسی چیز کو مہنگے داموں فروخت کرنے کے لئے روک کر رکھا جائے تو یہ احتکار ہے۔ (674)

حضرت سعید بن المسیب (م 94ھ / 713ء) کے متعلق روایت ہے کہ وہ زیتون یا دوسرے تیل اور جھڑے ہوئے پتوں وغیرہ کا احتکار (hoarding) کرتے تھے۔ (675) ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی (م 279ھ / 892ء) فرماتے ہیں ورخص بعضھم فی الاحتکار فی غیر الطعام (676)

امام ابوحنیفہ کھانے پینے کی چیزوں مثلاً گیہوں' جو' بھوسا' چارہ میں احتکار کو مکروہ کہتے ہیں۔ لیکن امام ابو یوسف کی رائے یہ ہے کہ جس چیز کے بھی روکنے سے عوام کو تکلیف ہو اس کی ذخیرہ اندوزی (hoarding) کرنا ممنوع ہے۔ اس میں سونا' چاندی یا کپڑا وغیرہ سب چیزیں شامل ہیں۔ (677)

اگر ایک شخص نے شہر سے کوئی چیز خریدی پھر اسی شہر میں اس کو مہنگے داموں فروخت کرنے کی نیت سے روک لیا تو وہ ذخیرہ اندوزی کرنے والا ہے۔ لیکن اگر وہ باہر سے کھانے کی کوئی چیز شہر میں لاتا ہے اور اس کو نفع حاصل کرنے کی خاطر روک لیتا ہے تو بعض ائمہ کے نزدیک یہ احتکار نہیں۔ لیکن امام ابو یوسف اس کو بھی احتکار کہتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اس شکل میں بھی تو عوام کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ (678)

مضاربت

مفہوم

یہ لفظ ضرب سے بنا ہے۔ اس کا معنی ہے سفر۔ اس کو مضاربت اس لئے کہتے ہیں کہ تجارت کی غرض سے عام طور پر سفر کرنا پڑتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ (679)

"اور بعض خدا کے فضل (یعنی معاش) کی تلاش میں ملک میں سفر کرتے ہیں۔"

یہاں اس آیت میں تجارت کے لئے سفر مراد ہے۔ مضاربت شرکت کی ایک شکل ہے جس میں ایک جانب سے مال ہوتا ہے اور ایک جانب سے کام۔ مال دینے والے کو رب المال' کام کرنے والے کو مضارب' اور مالک نے جو دیا ہے اس کو راس المال کہتے ہیں۔ منافع میں دونوں کی شرکت ضروری ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ نفع ایک کے لئے ہو گا تو یہ

مضاربت نہیں ہوگی۔

اہل حجاز اس معاہدہ کو مقارضہ کہتے ہیں۔ یہ اصطلاح لفظ قرض سے مشتق ہے۔ اس کے لغوی معنی علیحدہ کرنا اور قطع کرنا ہیں۔ اس کو مقارضہ اس لئے کہتے ہیں کہ مالک اپنے مال کا ایک حصہ کاٹ کر کاروبار میں لگانے کے لئے مضارب کو دے دیتا ہے۔(680)

مضاربت کا جواز سنت اور اجماع (consensus of opinion) سے ملتا ہے۔

مضاربت کی تعریف' امام ابو یوسف کی نظر میں

امام ابو یوسف مضاربت کی تعریف اس طرح کرتے ہیں۔

"اگر ایک آدمی نے دوسرے کو ہزار درہم دیئے اور کہا کہ وہ ان سے سامان خریدے اور فروخت کرے اور جو نفع حاصل ہو وہ ان کے درمیان تقسیم ہو گا تو یہ مضاربت ہے۔(681)

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ مضاربت میں نفع دونوں کے درمیان تقسیم ہو گا لیکن اگر کاروبار میں نقصان ہوا تو وہ صرف رب المال (Owner of the capital) کے ذمہ ہو گا کیونکہ مضارب (Partner who finds the labour in mudarabah) پر نقصان کی شرط فاسد ہوتی ہے۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ مضاربت میں یہ شرط رکھی کہ نقصان دونوں کے ذمہ ہو گا تو یہ شرط باطل ہو جائے گی اور عقد (contract) باقی رہے گا۔(682)

مضاربت کی جائز صورتیں

(1) امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اگر ایک آدمی نے دوسرے کو ہزار درہم دیئے اور مضاربت کا لفظ استعمال نہ کیا اور کہا کہ جو تجھے نفع حاصل ہو وہ ہم دونوں کے درمیان تقسیم ہو گا تو یہ مضاربت صحیح ہو گی کیونکہ نفع خرید و فروخت کے بغیر حاصل نہیں ہوتا اور خرید و فروخت یہاں مضاربت کے معنی میں ہو گی۔(683)

(2) اگر ایک شخص نے دوسرے کی رقم غصب کی ہوئی ہو۔ رب المال غاصب سے کہے کہ تیرے پاس جو غصب شدہ رقم ہے اس کے ساتھ نصف نفع پر مضاربت کر تو امام ابو یوسف کے نزدیک یہ جائز (legal) ہے۔ امام زفر اسے جائز نہیں کہتے۔

امام ابو یوسف یہ دلیل دیتے ہیں کہ جو مال غاصب کے قبضے میں ہے کام شروع کرنے تک اس کی حیثیت غصب شدہ مال کی ہے لیکن جب مضارب اس مال سے خرید و فروخت کرے گا تو وہ اس کے قبضے میں امانت بن جائے گا۔ اس طرح اس میں مضاربت کا معنی پایا جاتا ہے۔ اس لئے مضاربت صحیح ہو گی۔(684)

(3) اگر رب المال نے مضارب کو ایک ہزار درہم دیئے اور کہا کہ تو نفع میں شریک ہو گا لیکن نفع کی مقدار بیان نہ کی تو امام محمد کے نزدیک یہ مضاربت فاسد ہو گی لیکن امام ابو یوسف کے نزدیک یہ جائز ہے۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اس صورت میں نفع دونوں کے درمیان نصف نصف ہو گا۔ وہ کہتے ہیں کہ شرکت مساوات کا تقاضا کرتی ہے۔(685)

(4) اگر ایک آدمی نے دوسرے کو مضاربت پر مال دیا۔ مضارب نے رب المال کی اجازت سے آگے کسی اور شخص کو مضاربت پر وہ سرمایہ دے دیا تو امام ابو یوسف (دیگر ائمہ احناف کی بھی یہی رائے ہے) کے نزدیک یہ صورت جائز ہے۔ صاحب سرمایہ پہلا اور دوسرا کاروباری فریق' تینوں مل کر نفع میں شریک ہوں گے۔(686)

(5) جب ایک آدمی نے دوسرے کو ہزار درہم سپرد کئے اور اس کو کہا کہ وہ اس رقم کے ساتھ مضاربت کرے۔ نصف نفع اس کو ملے گا۔ یہ جائز ہے۔ اس لئے کہ راس المال کا ذکر عقد مضاربت کی صحت کے لئے شرط ہے۔(687)

(6) اگر رب المال نے مضارب کو اس شرط پر مال دیا کہ وہ رب المال کے مکان میں بیع کرے گا تو امام ابو یوسف کے نزدیک یہ جائز ہے۔(688)

مضاربت کی ناجائز صورتیں

(1) امام ابو یوسف (دیگر ائمہ احناف کی بھی یہی رائے ہے) کے نزدیک یہ ضروری ہے کہ مضارب اور رب المال کے درمیان نفع کی تقسیم عام نسبت سے ہو مثلاً نصف (1/2)' تہائی (1/3) یا چوتھائی (1/4)۔ اگر نفع کے لئے متعین عدد طے کر لیا مثلاً یہ کہ ان میں سے ایک کے لئے نفع میں سے سو درہم یا اس سے کم یا زیادہ درہم ہوں گے اور باقی دوسرے کے لئے ہو گا تو یہ جائز نہیں اور مضاربت فاسد ہو گی۔(689)

(2) اگر ایک مسلمان امان لے کر دار الحرب میں داخل ہو اور کوئی حربی اس کو مضاربت پر مال دے کہ اس مسلمان مضارب کو نفع میں سے سو درہم دیئے جائیں گے۔ اگر اس میں نفع ہی سو درہم یا کم ہوا تو وہ تمام مضارب کو ملے گا۔ یہ امام ابو حنیفہ اور امام محمد کی رائے ہے۔ لیکن امام ابو یوسف کے نزدیک یہ مضاربت فاسد ہو گی اور مضارب کو اجرت مثل (similar wage) ملے گی۔(690)

امام ابو یوسف کے نزدیک جب معاملہ مضاربت فاسد ہو جائے تو مضارب کی حیثیت ایک مزدور کی ہوتی ہے۔ کیونکہ اس حالت میں وہ کام کے مطابق مزدوری کا حقدار ہوتا ہے۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ مزدوری اتنی زیادہ ہو گی جتنی کہ معاہدہ کے وقت مضاربت میں مقرر کی گئی تھی۔(691)

(3) امام ابو یوسف کے نزدیک مضاربت صرف دراہم و دنانیر کے ساتھ جائز ہوتی ہے سامان اور دیگر اشیاء کے ساتھ نہیں۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اگر میں ان کے ساتھ مضاربت کو جائز کہتا تو میں مکہ مکرمہ میں غلہ کے ساتھ

مضاربت کو جائز کہتا کیونکہ وہاں لوگ آپس میں بیع گندم کے ساتھ کرتے ہیں۔(692)

(4) جب رب المال کا کسی شخص پر قرض ہو اور وہ اس سے کہے کہ اس رقم سے جو تجھ پر قرض ہے نصف نفع پر مضاربت کر تو امام ابو یوسف کے نزدیک یہ مضاربت فاسد ہو گی۔(693)

(5) اگر ایک آدمی نے دوسرے کو ماہانہ دس درہم کے بدلہ میں اجرت (on wage) پر رکھا تاکہ وہ اس کے لئے خرید و فروخت کرے اس کے بعد مستاجر نے اجیر کو کچھ دراہم مضاربت پر دیئے تو امام محمد کے نزدیک یہ مضاربت جائز ہے لیکن امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ یہ مضاربت فاسد ہو گی۔ تمام نفع رب المال کا ہو گا اور اجیر کو سوائے اجرت کے کچھ نہ ملے گا۔

امام ابو یوسف دلیل یہ دیتے ہیں کہ جب مستاجر نے اس کو اجرت پر رکھا تو وہ اس کے عمل کا مالک ہو گیا۔ اب اگر وہ مضاربت پر اجیر کو مال دیتا ہے تو وہ مضارب کی حیثیت سے اپنے لئے عمل کرتا ہے اور یوں نفع اور اجرت دونوں کا حقدار بن جاتا ہے اور یہ جائز نہیں۔(694)

مضارب کا تصرف

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ مضارب کو اس بات کا اختیار ہے کہ وہ چیز فروخت کرتے وقت خریدار کو قیمت کی ادائیگی میں مہلت دے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ اختیار از روئے معاہدہ خود بخود حاصل ہو جاتا ہے۔ لیکن امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ یہ اختیار صاحب سرمایہ کی اجازت سے ہو گا۔(695)

مضارب مال کو سفر پر لے جا سکتا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں امام ابو یوسف کے مختلف اقوال ملتے ہیں۔ پہلے قول کے مطابق اسے یہ اختیار ہے کیونکہ اس عقد سے مقصود مال میں افزائش ہے اور یہ مقصد سفر سے بہتر طریقہ سے حاصل ہو سکتا ہے۔

امام ابو یوسف کے دوسرے قول کے مطابق مضارب کو یہ اختیار نہیں۔ اس کی وجہ وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ مال کے ساتھ سفر کرنا اس کو خطرے میں ڈالنا ہے۔ اس لئے مضارب رب المال کی واضح اجازت کے بغیر سفر نہیں کر سکتا۔

تیسری روایت کے مطابق امام ابو یوسف اس مال میں جو بوجھ اور مشقت والا ہو اور جو نہ ہو کے درمیان فرق کرتے ہیں۔(696)

امام سرخسی نے اپنی کتاب "المبسوط" میں مضارب کے اس تصرف کے بارے میں (یعنی مضارب کا رب المال کی اجازت کے بغیر سفر کرنا) امام ابو یوسف کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ اگر اسے اس شہر میں مال سپرد کیا گیا جہاں کا وہ رہنے والا ہے تو اس کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اس مال کے ساتھ سفر کرے۔ اور اگر اسے اس شہر میں مال سپرد کیا جائے جہاں اس

کی رہائش نہیں ہے تو اس صورت میں وہ سفر کر سکتا ہے۔ یہ اس لئے کہ غالب امکان یہی ہوتا ہے کہ انسان اپنے وطن کی طرف لوٹتا ہے۔ پس جب یہ علم ہونے کے باوجود کہ مضارب اس شہر میں اجنبی ہے' رب المال اپنا مال اس کے حوالے کر دیتا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ رب المال نے اس بات پر بھی رضامندی ظاہر کر دی ہے کہ مضارب اس کے مال کے ساتھ دوسرے شہر جا سکتا ہے۔ (697)

دیگر مسائل

(1) اگر ایک شخص دوسرے کو ہزار درہم مضاربت صحیح پر دیتا ہے۔ بعد ازاں رب المال اپنے خرچہ کے لئے اس میں سے بیس پچاس لے لیتا ہے اور مضارب خرید و فروخت کے بعد نفع حاصل کرتا ہے تو جس وقت وہ دونوں نفع کا حساب کریں گے تو امام ابو یوسف کے نزدیک راس المال ہزار درہم ہی شمار ہو گا اور نفع دونوں میں برابر برابر ہو گا۔ رب المال نے جو خرچہ لیا اس کو راس المال میں سے کمی قرار نہیں دیا جائے گا بلکہ پورے مال میں سے راس المال کو ہزار شمار کریں گے۔

امام ابو یوسف دلیل یہ دیتے ہیں کہ اگر ہم رب المال کے لئے ہوئے خرچہ کو راس المال میں سے شمار کریں تو اس طرح مضاربت باطل ہو جاتی ہے کیونکہ رب المال اگر اپنے راس المال میں رجوع کرے تو مضاربت باطل ہو جاتی ہے حالانکہ دونوں مضاربت کو باطل نہیں کرنا چاہتے۔ (698)

(2) اگر مضارب پہلے انکار کرے۔ پھر بعد میں اقرار کرے تو ابن سماعہ نے اپنے نوادر میں کہا ہے کہ میں نے امام ابو یوسف کو اس شخص کے بارے میں فرماتے ہوئے سنا' جس نے دوسرے کو مال مضاربت پر دیا پھر بعد میں اس سے طلب کیا تو اس نے جواب" کہا کہ تو نے مجھے کچھ نہیں دیا۔ پھر کہا کیوں نہیں استغفراللہ العظیم واقعی تو نے مجھے ہزار درہم مضاربت پر دیئے تھے تو مضارب مال کا ضامن ہو گا کیونکہ وہ امین ہے اور امین جب امانت کا انکار کر دے تو وہ ضامن ہوتا ہے مثل مودع کے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عقد مضاربت عقد لازم نہیں ہے بلکہ وہ ایسا عقد جائز ہے جو فسخ کو محتمل ہے۔ لہٰذا اس کا انکار اس کا فسخ یا رفع ہو گا اور عقد جب مرتفع ہو جائے تو مال مضمون علیہ (جس کا ضمان دیا جائے) بن جاتا ہے۔ جس طرح ودیعت میں ہوتا ہے۔ (699)

(3) مضارب نے رب المال کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے شخص کو مضاربت پر مال دے دیا تو مضارب اول پر صرف مال دینے سے ضمان عائد نہ ہو گا جب تک کہ مضارب ثانی عمل بھی ابھی نہ کرے۔ خواہ مضارب ثانی کو نفع حاصل ہو یا نہ ہو۔

ایک روایت امام ابو یوسف سے یہ بیان کی جاتی ہے کہ پہلے کارکن کو مضاربت کا مال کسی کو دینے کا جو اصل حق اور اختیار حاصل ہے وہ صرف امانت کے طور پر کسی کے پاس رکھنے کا ہے۔ مضاربت پر آگے دینے کا حق حاصل نہیں ہے۔

لہٰذا مالک مال کی اجازت سے اور مرضی کے بغیر کسی دوسرے کو بطور مضاربت دینے پر ہی پہلے کارکن پر مال کی ضمانت لازم آئے گی۔(700)

شرکت

شرکت کاروبار کی ایک صورت ہے۔ اس کے لغوی معنی حصہ دار ہونا' شریک ہونا ہے۔ اصطلاحی معنی کے لحاظ سے چونکہ شرکت (Partnership) کی بہت سی اقسام ہیں اس لئے شرکت کی الگ الگ صورتیں ہیں۔ اس کے باوجود یہ ضرورت محسوس کی جاتی ہے کہ شرکت کی ایک جامع تعریف کی جائے۔ جس میں سب باتیں شامل ہوں۔ ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی کے الفاظ میں "شرکت یہ ہے کہ دو یا دو سے زائد افراد کسی کاروبار میں متعین سرمایوں کے ساتھ اس معاہدے کے تحت شریک ہوں کہ سب مل کر کاروبار کریں گے اور کاروبار کے نفع و نقصان میں متعین نسبتوں کے ساتھ شریک ہوں گے۔(701)

بشر بن الولید الکندی (م 238ھ / 852ء) کہتے ہیں کہ میں نے ابو یوسف کو ایک شخص کے بارے میں جس نے دوسرے کو کہا کہ آج تو جو شے بھی خریدے وہ میرے اور تیرے درمیان نصف نصف ہے اور دوسرے نے کہا کہ ٹھیک ہے' یہ کہتے ہوئے سنا کہ یہ درست ہے۔(702)

امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے قول کے مطابق مسلمان اور ذمی کے مابین شرکت مفاوضہ (Partnership on equal terms) صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ ذمی ایسی تجارت کے ساتھ مختص ہے جو مسلمان کے لئے جائز نہیں یعنی شراب وغیرہ کی تجارت۔ اس طرح دونوں تجارت میں مساوی نہیں ہوئے۔ لہٰذا مفاوضہ کے معنی نہیں پائے گئے۔ اور ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے۔ کیونکہ دونوں (یعنی مسلمان اور ذمی) وکالت اور کفالت کی اہلیت میں برابر ہیں۔(703)

امام ابو یوسف کے نزدیک شرکت مفاوضہ لفظ کا استعمال کئے بغیر صحیح نہیں ہوتی۔(704)

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اگر دونوں میں سے ایک نے عمل کیا اور دوسرے نے اس کے عمل میں اس کی اعانت کی مثلاً اکٹھا کیا اور رسی باندھی تو تمام نفع عامل (worker) کا ہو گا اور اعانت کرنے والے کو کچھ نہیں ملے گا۔ کیونکہ سب عامل کی جانب سے ہوا ہے۔ نہ کہ اعانت کرنے والے کی طرف سے۔ البتہ اعانت کرنے والے کو اجرت مثل ملے گی۔(705)

فصل دہم

امام ابو یوسف اور مسائل محنت و اُجرت

امام ابو یوسف نے بحیثیت ماہر معاشیات صرف مسائل تجارت ہی پر بحث نہیں کی بلکہ اس کے ساتھ ساتھ وہ مسائل محنت (labour) کو بھی زیر بحث لائے ہیں۔ آجر (employer) اور اجیر (employee) کے بارے میں آپ کے معاشی فکر کو مختلف فقہائے احناف نے اپنی کتب میں "الاجارۃ" کے عنوان کے تحت کیا ہے۔

اجارہ کا مفہوم

اجارہ کے لفظی معنی اجرت اور مزدوری کے ہیں۔ اس کی تعریف یہ کی گئی ہے۔

الاجارة عقد يرد على المنافع بعوض لان الاجارة فى اللغة بيع المنافع (706)

"یہ معاوضے کے بدلے منافع کے حصول کے لئے ایک عقد (معاہدہ) ہے۔ اس لئے کہ لغوی طور پر اجارہ کے معنی ہیں کسی شئے کے منافع کو فروخت کرنا۔"

اصطلاحی طور پر "اجارہ" دو افراد یا فریقین کے مابین طے پانے والا ایک معاہدہ ہے۔ جس سے دونوں میں سے ہر ایک کو فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ مالک کو اجرت کا اور کرایہ دار کو شے استعمال کرنے کا۔" (707)

اجارہ کا جواز قرآن کریم کی اس آیت سے ملتا ہے۔

قَالَتْ اِحْدٰهُمَا يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ○ (708)

"(پھر) ان دو میں سے ایک لڑکی بولی اے ابا ان کو نوکر رکھ لیجئے کیونکہ اچھا نوکر وہی ہے جو قوت دار ہو امانت دار ہو۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک فرمان بھی ہماری راہنمائی کرتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اعطوا الاجير اجره قبل ان يجف عرقه (709)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مزدور کو اس کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو۔"

محنت و اجرت کے بارے میں ابو یوسف کا معاشی فکر

امام ابو یوسف یہ رائے دیتے ہیں کہ آجر اور اجیر کے درمیان انصاف کرنے کے لئے عرف و عادت کا اعتبار کیا جائے گا۔ یعنی اجیر عام طور پر کام میں بددیانتی کرتا ہے لہذا اس بارے میں اگر اختلاف ہو تو آجر کی بات تسلیم کی جائے گی اور اجرت کے بارے میں آجر بددیانتی کرتا ہے اس لئے اس بارے میں اجیر کی بات کو قبول کیا جائے گا۔ (710)

اجرت کے واجب ہونے کا وقت

اجرت پوری مدت اجارہ گزرنے کے بعد واجب ہوتی ہے یا دن بدن واجب ہوتی ہے؟

امام کاسانی نے بدائع الصنائع میں لکھا ہے کہ مسافت کے اجارہ میں مثلاً یہ کہ مکہ تک جانے اور واپس آنے کے لئے اونٹ کرایہ پر لیا تو امام ابویوسف کے نزدیک ہر منزل کا کرایہ منزل پر پہنچنے کے بعد ادا کرے گا یعنی پوری مدت اجارہ گزرنے کے بعد نہیں ہوگا۔ امام ابویوسف سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ کرایہ دار جب تہائی یا نصف راستہ طے کرے تو مستحسن یہ ہے کہ اتنی مسافت کی اجرت ادا کردے۔ ابوالحسن عبیداللہ بن الحسین الکرخی (م 340ھ / 952ء) نے ذکر کیا ہے کہ یہ امام ابویوسف کا آخری قول ہے۔ اور اس قول کی وجہ یہ ہے کہ ایک تہائی یا نصف راستہ طے کرلینا کل منفعت میں ایک مقصود اور معقول منفعت ہے تو جب ایک مقصود اور معقول مقدار منفعت کی حاصل کرلی گئی ہو تو اس پر اتنی منفعت کا کرایہ دینا واجب ہے۔(711)

اصل شے میں اختلاف

بشر بن غیاث المریسی (م 218ھ / 833ء) اور محمد بن سماعہ التمیمی (م 233ھ / 847ء) نے امام ابویوسف سے روایت کیا کہ جس نے کسی باربردار مزدور کو کچھ سامان دیا کہ وہ اتنی اجرت پر فلاں جگہ تک پہنچادے۔ سامان جب مقررہ جگہ پر پہنچ گیا تو سامان کا مالک کہنے لگا کہ یہ میرا سامان نہیں اور مزدور کہنے لگا کہ یہی تیرا سامان ہے تو اس اختلاف میں قسم کے ساتھ باربردار مزدور کا قول معتبر ہوگا اور اس سے کوئی تاوان نہیں لیا جائے گا۔ امام ابویوسف یہ رائے دیتے ہیں کہ اس صورت میں آجر کے ذمہ اجرت صرف اس وقت ہی ہوگی جب وہ مزدور کے دعویٰ کی تصدیق کرکے اس سے اپنا سامان حاصل کرلے۔ لیکن اگر اس نے مزدور کی بات کو تسلیم نہ کیا تو اس کے ذمہ اجرت بھی نہ ہوگی۔(712)

اجیر مشترک پر تاوان

اجیر مشترک (Common employee) سے اگر کوئی چیز ضائع ہو جائے مثلاً دھوبی سے کپڑے گم ہو جائیں یا جل جائیں یا اس درجہ خراب ہو جائیں کہ قابل استعمال نہ رہیں تو دھوبی پر اس کی ذمہ داری عائد ہوگی یا نہیں اور دھوبی سے ان کپڑوں کی قیمت وصول کی جائے گی یا نہیں "اگر کی جائے گی تو کتنی؟

امام ابوحنیفہ' امام زفر اور حسن بن زیاد کی رائے یہ ہے کہ اگر اس چیز کے ضائع ہونے میں اجیر کا کوئی دخل نہ ہو یعنی غیرارادی طور پر نقصان ہوا ہو تو اس سے تاوان نہیں لیا جائے گا۔ ان ائمہ کی دلیل یہ ہے کہ وہ چیز جو تلف ہوئی ہے' اجیر کے ہاتھ میں امانت تھی اور امانت کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ ضائع ہو جائے تو اس کا تاوان اس پر نہیں ہے۔(714)

امام ابو یوسف یہ رائے دیتے ہیں کہ اجیر مشترک صرف اس صورت میں تاوان سے بری الذمہ ہو گا جب سامان کسی عام اور غالب آفت میں تلف ہو مثلاً عام آگ لگ گئی یا عام سیلاب آگیا۔ اور اگر صرف اجیر مشترک ہی کا نقصان ہوا ہے تو اس صورت میں اس سے تاوان لیا جائے گا۔(715)

فتاوی ابراہیم شاہی کے مصنف قاضی احمد بن محمد نظام الدین (م 875ھ / 1471ء) ابن سماعہ کی روایت سے امام ابو یوسف کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ دھوبی کو ان کپڑوں کا ذمہ دار قرار دیا جائے گا اور اس سے ان کی قیمت وصول کی جائے گی کیونکہ یہ کپڑے اس کی وجہ سے اور اس کی تحویل میں گم یا ضائع ہوئے ہیں اور وہ اپنے کام کی اجرت وصول کرتا ہے۔ امام محمد کہتے ہیں کہ ان کپڑوں کی پوری قیمت وصول کی جائے گی لیکن امام ابو یوسف کی رائے یہ ہے کہ ان کپڑوں کی اصل قیمت سے نصف قیمت وصول کی جائے گی۔

عن ابی یوسف رحمۃ اللہ علیہ ان علی القصار نصف القیمۃ باعتبار الاول

(716)

آجر اور اجیر کی معاونت

ابن سماعہ نے امام ابو یوسف سے بیان کیا ہے کہ ایک آدمی نے کسی باربردار کو اس لئے مزدوری پر رکھا کہ وہ گھی کی ایک مشک یا تیل کو اٹھائے۔ پھر مشک والے اور باربردار نے مل کر مشک کو اٹھایا کہ وزن کو باربردار کے سر پر لادیں کہ اچانک مشک پھٹ گئی اور تمام گھی بہہ گیا تو اس صورت میں امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ باربردار اس کا تاوان نہیں دے گا کیونکہ صاحب مشک نے مشک کو باربردار کے سپرد نہیں کیا۔ بلکہ اس کے ہاتھ میں ہے۔

اور اگر باربردار مشک کو اٹھا کر مشک کے مالک کے گھر تک لایا اور یہاں پہنچ کر دونوں مل کر اتارنے لگے کہ دونوں کے ہاتھ سے گر گئی اور گھی ضائع ہو گیا تو باربردار ضامن ہے۔ اس سلسلے میں امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ اٹھایا ہوا سامان باربردار کے قبضے میں آچکا ہے۔ لہٰذا وہ اس سامان کو مالک کے سپرد کرنے سے ہی بری ہو سکتا ہے۔(717)

بشر نے اپنے نوادر میں امام ابو یوسف سے دھوبی کے بارے میں بیان کیا کہ جب وہ کپڑا دھونے میں کپڑے کے مالک سے مدد حاصل کرے۔ پھر کپڑا پھٹ جائے اور یہ نہ معلوم ہو سکے کہ کس کے کوٹنے سے کپڑا پھٹا ہے حالانکہ ان دونوں کے کوٹنے سے پہلے کپڑا صحیح سلامت تھا تو امام ابو یوسف نے فرمایا کہ دھوبی سے نصف قیمت کا تاوان وصول کیا جائے گا۔

آپ کی دلیل یہ ہے کہ خرابی میں جب یہ دونوں احتمال ہیں کہ دھوبی کے فعل سے واقع ہوئی یا مالک کے فعل سے تو دھوبی پر ایک حال میں تاوان واجب ہو گا اور ایک حال میں نہیں تو دونوں حالتوں کا اعتبار کرنا لازم ہوا۔ لہٰذا اس پر نصف قیمت واجب ہو گی۔(718)

شراب اٹھانے پر اجرت لینا

اگر کوئی مسلمان مزدور کسی غیر مسلم ذمی کی شراب اجرت پر اٹھا کر لے جائے تو کیا وہ مزدوری لینے کا حقدار ہے یا نہیں؟ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ وہ اجرت لے سکتا ہے۔ (719) آپ کے قول کی توجیہہ کرتے ہوئے صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ شراب کا پینا حرام ہے اور خود پینے کی نیت سے اس کا ڈھونا بھی حرام ہے۔ لیکن مسلمان مزدور کی غرض تو اجرت حاصل کرنا ہے خواہ پانی ہو یا شراب۔ لہٰذا اس مزدوری کو ناپاک نہیں کہا جا سکتا۔ (720)

امام ابویوسف یہ رائے دیتے ہیں کہ شراب ڈھونے والے کے لئے کوئی معاوضہ نہیں ہوگا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ معصیت پر اجارہ ہے۔ کیونکہ شراب کا اٹھانا ایک قسم کی معصیت ہے اور یہ تعاون علی الاثم کی ایک صورت ہے۔ (721) آپ قرآن حکیم کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں:

وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ (722)

"اور (دیکھو) نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد نہ کیا کرو۔"

نیز آپ اس حدیث سے بھی راہنمائی لیتے ہیں جو حضرت عبداللہ بن عمرؓ (م 73ھ / 692ء) سے روایت کی گئی ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعن اللہ لخمر و شاربها و ساقیها و بائعها (و مبتاعها) و عاصرها و معتصرها و حاملها والمحمولة الیه (723)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے شراب پر اور شراب پینے والے اور پلانے والے پر اور شراب فروخت کرنے والے اور خریدنے والے پر اور نچوڑنے والے اور نچڑوانے والے پر اور شراب اٹھانے والے پر اور اس شخص پر جس کے لیے شراب اٹھا کر لے جائی جائے لعنت فرمائی ہے۔"

بھٹہ مزدور کی اجرت کا وقت

اگر کسی مزدور کو اینٹیں بنانے پر مقرر کیا گیا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک عامل اس وقت تک اجرت کا مستحق نہیں ہو سکتا جب تک کہ اینٹیں خشک نہ ہو جائیں۔ امام ابویوسف کی رائے یہ ہے کہ اینٹوں کا صرف خشک ہونا ہی کافی نہیں بلکہ ان کو کھڑا کر کے تہہ لگانا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ اینٹ کا کام تہہ لگا کر رکھنے ہی سے مکمل ہوتا ہے۔

آپ کی دلیل یہ ہے کہ اینٹیں خراب ہونے سے اس وقت ہی محفوظ ہوتی ہیں جب ان کو تہہ لگا کر جوڑ دیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگوں کے درمیان اس عادت کا رواج ہے کہ اینٹیں بنانے والے اینٹ کی حفاظت کے لئے تہہ لگا دیتے

ہیں۔ لہٰذا یہ تہہ لگانا کام کے مکمل ہونے میں داخل ہے جس طرح کہ تنور سے روٹی پکا کر نکالنا پکانے کے عمل میں داخل ہے۔

امام ابویوسف کے قول کے مطابق اگر اینٹیں تہہ لگانے سے قبل ضائع ہو جائیں تو مزدور کے لئے کوئی مزدوری نہیں ہوگی کیونکہ وہ کام مکمل ہونے سے پہلے ہی ضائع ہو گئی ہیں۔ اور اگر کھڑی کرنے یا تہہ لگانے کے بعد ضائع ہوں تو مزدور کو اجرت دی جائے گی۔ کیونکہ کام پورا کر کے مستاجر کے سپرد کیا جا چکا ہے۔(724)

کیا اجیر اجرت کی وصولی کے لئے سامان کو روک سکتا ہے؟

اگر مستاجر اجیر مشترک کو اجرت نہ دے تو کیا وہ اجرت حاصل کرنے کے لئے اس کے سامان کو روک سکتا ہے؟ امام ابویوسف اس ضمن میں اجیر مشترک کی دو اقسام بتاتے ہیں۔ ایک قسم کے اجیر تو ایسا کر سکتے ہیں اور دوسری قسم کے نہیں۔
امام ابویوسف کی رائے یہ ہے کہ وہ اجیر مشترک جس کے عمل کا اثر اصل شے پر پڑتا ہو یعنی اس کے عمل سے اس میں کوئی تبدیلی ہو جاتی ہو تو اس کو سامان بنانے کے بعد اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ اجرت ملنے تک سامان کو روک لے۔ مثلاً سنار زیور بنا کر اور درزی کپڑا سی کر لایا تو جب تک وہ اجرت وصول نہ کر لیں ان کو حق حاصل ہے کہ وہ سامان نہ دیں۔

دوسری قسم کا اجیر مشترک وہ ہے جس کے عمل کا اثر اصل شے پر نہ پڑتا ہو مثلاً کسی نے قلی سے سامان اٹھوایا تو اس کی اجرت میں اسے سامان کو روکنے کا حق نہیں۔(725)

اختلاف عاقدین کا حکم

ابن سلمہ نے امام ابویوسف سے بیان کیا ہے کہ ایک آدمی نے کسی سے ایک مکان سال کی مدت کے لئے کرایہ پر لیا۔ پھر دونوں میں اختلاف ہو گیا۔ کرایہ دار نے اس بات پر گواہ پیش کر دیئے کہ اس نے گیارہ مہینے کا ایک درہم کرایہ اور بارھویں مہینے کا نو درہم کرایہ دینا طے کیا تھا اور مالک مکان نے اس امر پر گواہ پیش کر دیئے کہ اس نے مکان مطلق دس درہم کے عوض کرایہ پر دیا تھا۔ اس میں گیارہ ماہ اور ایک مہینے کی تفصیل نہیں تھی تو امام ابویوسف نے فرمایا کہ میں مالک مکان کی دلیل کو قبول کروں گا۔ کیونکہ وہ گیارہ مہینوں میں زائد اجرت کا دعویٰ کر رہا ہے اور اس نے اس بات پر گواہ بھی پیش کر دیئے ہیں۔ لہٰذا اس کی دلیل قبول ہوگی۔ اب رہا بارھویں مہینے کا معاملہ تو اس میں مستاجر نے مواجر کے لئے اس کرایہ سے زیادہ کا دعویٰ کیا ہے جس کا مواجر خود مدعی ہے۔ پس مواجر نے اگر مستاجر کی تصدیق کر دی تو فبہا ورنہ اس کے جھٹلانے سے زائد اجرت ساقط ہو جائے گی۔(726)

وقت کی شرط

اگر ایک شخص نے درزی کو کپڑا دیا اور اسے کہا کہ اگر تو اس کو آج سی دے گا تو تیرے لئے ایک درہم اور اگر کل سی دے گا تو نصف درہم ہو گا۔ اس ضمن میں امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ پہلی شرط تو صحیح ہے لیکن دوسری شرط فاسد ہے۔ ان کے نزدیک درزی اگر اسی دن کپڑا سی دے تو اس کے لئے ایک درہم اور اگر دوسرے دن سیا تو اس کے لئے مثلی اجر ہو گا۔

امام ابو یوسف کے نزدیک یہ دونوں شرطیں جائز ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ مالک نے دوسرے دن میں بھی پہلے دن کی طرح معلوم عمل اور معلوم بدل کا تذکرہ کیا ہے۔ لہذا اس میں عقد اجارہ کے فاسد ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ جس طرح کہ پہلے دن میں فاسد نہیں ہو تا۔ (727)

اجارہ کو فسخ کرنے کا اختیار

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اگر مواجر (مالک) بیمار ہو جائے یا اس کے اونٹ کو کوئی بیماری لگ جائے تو وہ عقد اجارہ کو فسخ کر سکتا ہے۔ کیونکہ بیماری کے باوجود چوپائے سے کام لینا' اسے ہلاک کرنے اور طاقت سے زیادہ کام لینے کے مترادف ہے۔ اور اس میں چوپائے کے مالک کا نقصان ہے اس لئے اس کو اجارہ فسخ کرنے کا حق ہو گا۔ اسی طرح مستاجر (کرایہ دار) بھی اونٹ کے بیمار ہونے کی صورت میں اجارہ فسخ کر سکتا ہے کیونکہ اونٹ کی بیماری سے اس کے منافع میں کمی ہو سکتی ہے۔ (728)

مستاجر کو اجرت سے بری کرنا

اگر مواجر (اجارہ کنندہ' مالک شے) مستاجر (اجرت پر لینے والے' کرایہ دار) کو اجرت سے بری الذمہ قرار دے دے یا اس کو اجرت ہبہ کر دے یا اجرت کو اس پر صدقہ کر دے تو امام ابو یوسف کے آخری قول کے مطابق مواجر کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں۔

آپ کے قول کی وجہ ظاہر اور اصل کے مطابق ہے اور وہ یہ کہ مطلق عقد' جس میں اجرت پیشگی دینے کی شرط نہ ہو' مواجر (Hirer of thing) اس اجرت کا مالک نہیں ہوتا' اور بری کنندہ کا کسی کو اس چیز سے بری کرنا جو اس کی ملکیت میں نہیں صحیح نہیں ہے۔ (729)

اجرت میں مبادلہ

مواجر جب مستاجر سے اجرت میں باہمی تبادلہ کرے مثلاً یہ کہ اجرت میں درہم مقرر ہوں اور وہ درہم کی بجائے دینار لینے پر راضی ہو جائے تو امام ابو یوسف کے آخری قول کے مطابق عقد باطل ہو جائے گا۔ ان کا پہلا قول یہ تھا کہ ایسا

کرنا جائز ہے۔

یہاں آپ کے نزدیک اصولی قاعدہ یہ ہے کہ اجرت محض عقد اجارہ سے واجب نہیں ہوئی اور جو چیز باہمی تبادلہ کے عقد سے واجب ہوئی ہے اس میں مجلس عقد کے اندر باہمی قبضہ کرنا نہیں پایا گیا لہٰذا عقد باطل ہو جائے گا جس طرح کہ ایک آدمی دس درہم کے عوض دینار فروخت کرے اور دونوں فریق اپنے اپنے عوضوں پر قبضہ نہ کریں تو عقد بیع باطل ہو جاتا ہے۔ (730)

اجرت کام کی تکمیل کے بعد ہے

باربردار (قلی) کے بارے میں امام ابو یوسف یہ رائے دیتے ہیں کہ جب تک وہ سامان کو مشروط جگہ پر اپنے سر سے اتار کر رکھ نہ دے اس کے لئے کوئی مزدوری واجب نہیں۔ کیونکہ سامان کا رکھنا یا اتارنا بھی کام کے مکمل ہونے میں داخل ہے۔ (731)

قرآن کی تعلیم پر اجرت کا مسئلہ

امام ابو یوسف کے نزدیک قرآن کی تعلیم کے بدلے میں اجرت لینا جائز نہیں۔ (732)

چھوٹے بچے کو مزدوری پر لگانا

بچہ اگر اپنے کسی محرم رشتہ دار کی کفالت میں ہو اور کوئی دوسرا رشتہ دار' جو بچے کے کفیل سے زیادہ قریبی ہو' بچے کو مزدوری پر لگا دے۔ مثلاً بچہ اپنے چچا کی گود میں ہو اور اس کی والدہ اس کو اجارہ پر دے دے' تو امام ابو یوسف کے نزدیک ماں کا اس بچے کو اجارہ پر دینا جائز ہے۔

آپ یہ دلیل دیتے ہیں کہ ذی رحم رشتہ دار کو اجارہ کی یہ ولایت رشتہ داری کے سبب سے ہے تو جو رشتہ داری میں بچے سے زیادہ قریب ہو گا وہ بچے سے عقد اجارہ کرنے میں اولیٰ ہو گا۔ جس طرح کہ ولایت کے ساتھ باپ بچے سے اجارہ کا زیادہ حقدار ہوتا ہے اور جس آدمی کی گود میں بچہ ہے اسے بچے کے اس اجارہ کی اجرت لینے کا حق ہو گا کیونکہ اجرت کا عقد لینا اجارہ کے حقوق میں سے ہے اور دراصل عاقد وہی ہے۔ لہٰذا اسے اجرت لینے کا بھی حق ہو گا۔ البتہ اسے یہ حق نہیں کہ وہ اجرت کو خرچ کرے کیونکہ اجرت بچے کا مال ہے اور اس کو خرچ کرنا بچے کے مال میں تصرف کرنے کے مترادف ہے۔ اور اسے بچے کے مال میں تصرف کرنے کا اختیار نہیں۔ (733)

فصل یازدہم

نفقات واجبہ اور امام ابو یوسف کا معاشی فکر

کتاب الخراج کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کا موضوع نفقات نہیں ہیں۔ یہ اس لئے کہ امام ابو یوسف نے اس کتاب کا آغاز ان الفاظ سے کیا ہے۔

ان امیر المومنین ایدہ اللہ تعالٰی سالنی ان اضع لہ کتابا جامعا یعمل بہ فی جبایة الخراج' والعشور والصدقات والجوالی (734)

"امیر المومنین نے 'اللہ ان کی مدد فرمائے مجھ سے ایک جامع تحریر طلب کی ہے جس کو وہ خراج' عشور' صدقات اور جوالی (735) کی تحصیل میں اپنا دستور العمل بنا سکیں۔"

چنانچہ نفقات واجبہ کے بارے میں امام ابو یوسف کے معاشی فکر کو پیش کرنے کے لئے ضروری ہے کہ مستند کتب احناف کی ورق گردانی کی جائے۔

نفقہ کا مفہوم

نفقہ کے لفظی معنی اخراج کے ہیں۔ لغت میں نفقہ اس شے (Thing) کو کہتے ہیں جو انسان اپنے عیال وغیرہ پر صرف (consumption) کرتا ہے۔ (736)

فقہی اصطلاح میں ایک شخص کا دوسرے کی محنت کے معاوضہ میں اس کی ضروریات زندگی فراہم کرنا نفقہ کہلاتا ہے۔ نفقہ کی تعریف یوں بھی کی جا سکتی ہے۔ وہ مصارف جو از روئے شریعت بیوی کے لئے شوہر کے ذمہ اور اولاد کے لئے والدین کے ذمہ عائد ہوتے ہیں۔

نفقہ (maintenance) تین اسباب کی بناء پر واجب ہوتا ہے۔ یعنی نکاح' نسب اور ملکیت (یعنی کسی کا مالک ہونا) نفقہ کا وجوب قرآن کریم کی درج ذیل آیات سے ہوتا ہے۔

وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ (737)

"اور جس کا بچہ ہے اس کے ذمہ ہے ان (ماؤں) کا کھانا اور کپڑا موافق دستور کے۔"

لِيُنفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ وَمَن قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ (738)

"وسعت والے کو خرچ اپنی وسعت کے موافق کرنا چاہیے۔ اور جس کی آمدنی کم ہو اسے چاہیے کہ اسے اللہ نے جتنا دیا ہے اس میں سے خرچ کرے۔"

امام ابو یوسف کا فکر

صغیرہ بیوی کا نفقہ

امام ابو یوسف صغیرہ بیوی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اگر وہ خاوند کی خدمت کر سکتی ہو اور خاوند بھی اس کی خدمت سے نفع اٹھا سکتا ہو۔ دوسرے یہ کہ وہ اپنے آپ کو خاوند کے سپرد بھی کر دے۔ اب خاوند کی مرضی ہے کہ اسے اپنے پاس رکھے یا نہ رکھے۔ اگر خاوند اس کو اپنے پاس رکھے گا تو اس کے ذمہ نفقہ (Maintenance) ہو گا اور اگر اپنے پاس نہیں رکھے گا تو نفقہ نہیں ہو گا۔

امام ابو یوسف دلیل یہ دیتے ہیں کہ جب وہ وطی کا احتمال نہیں رکھتی تو مطلوبہ تسلیم نہ پائی گئی لہذا خاوند اسے رد کر سکتا ہے۔ اپنے پاس رکھنے پر نفقہ کا حکم اس لئے ہے کہ خاوند اس سے ایک قسم کا فائدہ اٹھا رہا ہے۔ اگرچہ فائدہ ناتمام سہی مگر وہ خود ناتمام تسلیم پر راضی ہو گیا ہے۔ اور اگر خاوند نے صغیرہ بیوی کو اپنے پاس نہ رکھا تو اس کے لئے اس وقت تک نفقہ نہیں ہے جب تک کہ ایسا وقت نہ آجائے جس میں وہ اس کے ساتھ جماع کر سکے کیونکہ ایک تو مطلوبہ تسلیم نہیں پائی گئی دوسرے وہ ناتمام تسلیم پر راضی نہیں۔ (739)

مریضہ بیوی کا نفقہ

اگر عورت خاوند کے ہاں منتقل ہونے سے قبل ایسی مرض میں مبتلا ہو کہ اس سے عمل زوجیت منع ہو اور خاوند کے ہاں منتقل ہونے کے بعد بھی وہ ویسی ہی بیمار رہے تو کیا اس کے لئے نفقہ ہے؟

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ خاوند کے ہاں منتقل ہونے سے قبل تو ایسی عورت کا نفقہ واجب نہیں لیکن جب وہ خاوند کے ہاں منتقل ہو جائے تو اس کو اس بات کا حق ہے کہ اسے واپس میکے بھیج دے۔

امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ عورت کی طرف سے مطلوبہ معنوں میں تسلیم نفس نہیں پائی گئی۔ اس لئے وہ نفقہ کی مستحق نہیں ہے۔ (740) جس طرح کہ وہ صغیرہ مستحق نہیں ہوتی جس سے وطی نہ کی جا سکتی ہو۔

امام ابو یوسف کی رائے یہ ہے کہ جب عورت بیمار ہو اور اس سے جماع کے علاوہ دیگر فوائد اٹھائے جا سکتے ہوں تو خاوند کو اختیار ہے کہ اسے اپنے پاس رکھے یا نہ رکھے۔ اگر اپنے پاس رکھے گا تو پھر نفقہ بھی دینا ہو گا اور اگر نہیں رکھے گا تو نفقہ بھی واجب نہیں ہو گا۔ (741)

امام ابو یوسف فرماتے ہیں 'اگر عورت ایک بار اپنے آپ کو سپرد کر دے پھر بیمار ہو جائے تو سپردگی ثابت ہونے کی وجہ سے نفقہ واجب رہے گا اور اگر پہلے بیمار ہوئی پھر اپنے آپ کو سپرد کیا تو نفقہ واجب نہ ہو گا کیونکہ اس صورت میں تسلیم صحیح نہیں ہے۔ (742)

خاوند کو حق زوجیت سے روکنے والی کا نفقہ

اگر بیوی نے حق مہر وصول کرنے کی خاطر خاوند کو اپنے قریب آنے سے روک دیا تو اس صورت میں کیا وہ نفقہ کی حقدار ہو گی؟ امام ابو یوسف کی رائے یہ ہے کہ جب اس نے دخول سے قبل حق مہر کی وصولی کے لئے حق زوجیت سے انکار کر دیا تو پھر اس کے لئے نفقہ نہیں ہے۔ آپ کے نزدیک خاوند پر بیوی کا نفقہ اس وقت واجب ہوتا ہے جب وہ اس کے گھر منتقل ہو جائے اگر وہ ابھی اس کے گھر منتقل نہیں ہوئی تو خاوند پر نفقہ بھی نہیں۔ اگر وہ اس کے گھر منتقل ہو گئی ہے اور نفقہ کی حقدار ہو گئی تو اب نفقہ صرف اس صورت میں ساقط ہو گا جب وہ بغیر کسی جواز کے خاوند کو اپنے قریب آنے سے روکے گی۔ (743)

حج کے لئے جانے والی بیوی کا نفقہ

اگر خاوند کے مکان میں منتقل ہونے کے بعد عورت فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے جائے مگر خاوند کے علاوہ کوئی دوسرا محرم اس کے ساتھ ہو تو امام محمد کے نزدیک خاوند پر نفقہ واجب نہیں لیکن امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ عورت نفقہ کی حقدار ہو گی۔

امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ عورت جب ایک مرتبہ خاوند کے گھر میں منتقل ہو چکی تو مطلق تسلیم حاصل ہو گئی۔ اب یہ تسلیم ایک سبب یعنی ادائیگی فریضہ کی وجہ سے فوت ہو رہی ہے اور اس قسم کے سبب سے حق نفقہ باطل (void) نہیں ہوتا جیسا کہ خاوند کے گھر میں رمضان کے روزوں کی وجہ سے نفقہ باطل نہیں ہوتا۔ (744)

بیوی کے خادم کا نفقہ

اگر بیوی کا کوئی خادم ہو تو اس کا نفقہ بھی خاوند کے ذمہ واجب ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک عورت خاوند سے صرف ایک خادم کے نفقہ کا مطالبہ کر سکتی ہے اس سے زیادہ کا نہیں۔

امام ابو یوسف سے اس ضمن میں دو قول مروی ہیں۔ پہلے قول کے مطابق عورت خاوند سے دو خادموں کا نفقہ لے سکتی ہے اس سے زیادہ کا نہیں جبکہ دوسرے قول کے مطابق عورت کو اگر دو سے زیادہ خادموں کی ضرورت ہو تو زیادہ خادموں کا نفقہ دینا بھی خاوند کے ذمہ ہو گا۔ (745)

آپ دلیل یہ دیتے ہیں کہ بعض اوقات عورت کا کام ایک خادم سے نہیں چلتا بلکہ اسے دوسرے خادم کی بھی ضرورت ہوتی ہے اور دونوں خادم ایک دوسرے کے مددگار ہوتے ہیں۔ (746)

غائب خاوند پر نفقہ واجب کرنے کے بارے میں قاضی کا اختیار

اگر قاضی (Judge) عورت کے مدعی علیہ کی بیوی کے متعلق نہ جانتا ہو اور عورت مطالبہ کرے کہ وہ اس کے بیوی ہونے کے دلائل سن لے اور غائب خاوند پر اس کے لئے نفقہ فرض کرے۔(۷۴۷) تو ایسی صورت میں امام زفر فرماتے ہیں کہ قاضی اس کی زوجیت کے دلائل سنے اور اس کے لئے نفقہ مقرر کردے۔ اب عورت خاوند کے واپس آنے تک اس کے نام پر قرض لیتی رہے۔

امام ابو یوسف یہ رائے دیتے ہیں کہ اس صورت میں قاضی خاوند پر نفقہ مقرر کرنے کا مجاز نہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ مدعی علیہ کے خلاف دلیل اسی وقت سنی جاسکتی ہے جب وہ حاضر ہو۔ یہاں چونکہ مدعی علیہ ہی موجود نہیں لہٰذا اس کے خلاف دلیل نہیں سنی جائے گی۔(۷۴۸)

عورت کی طرف سے نفقہ کی ضمانت کا مطالبہ

اگر عورت قاضی سے کہے کہ اس کا خاوند غائب ہونے کا ارادہ رکھتا ہے لہٰذا اس سے میرے نفقہ کا ضامن دلوایا جائے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک قاضی خاوند کو ضامن دینے پر مجبور نہیں کرسکتا کیونکہ ان کے نزدیک مستقبل کا نفقہ فی الحال واجب نہیں ہوتا۔ لہٰذا جو چیز واجب ہی نہیں اس کی ضمانت پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

امام ابو یوسف یہ رائے دیتے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ اس سے ایک مہینے کے نفقہ کا ضامن لے لیا جائے۔(۷۴۹) اور اگر یہ معلوم ہو جائے کہ وہ ایک مہینہ سے زائد غائب رہے گا تو پھر اس صورت میں امام ابو یوسف کے نزدیک ایک مہینہ سے زائد نفقہ کا ضامن لیا جاسکتا ہے۔(۷۵۰)

امانت یا قرض سے نفقہ کی ادائیگی

اگر غائب خاوند کا مال کسی کے پاس بطور امانت رکھا ہو اور فی الوقت امین کے ہاتھ میں ہو اور وہ مدعیہ عورت کے بارے میں جانتا ہو کہ وہ صاحب مال کی بیوی ہے یا مقروض اس کا قرض دینے اور عورت کے بیوی ہونے کا اقرار کرتا ہو یا قاضی کو بذات خود اس کے مال اور عورت کے بیوی ہونے کا علم ہو تو ان تمام صورتوں میں امام زفر کے نزدیک قاضی نفقہ مقرر کرنے کا مجاز نہیں۔ لیکن امام ابو یوسف کی رائے یہ ہے کہ قاضی اس مال میں نفقہ مقرر کرسکتا ہے۔

آپ یہ دلیل دیتے ہیں کہ جب مودع نے ودیعت شدہ مال اور عورت کی زوجیت کا یا مدیون (indebted) نے دین (debt) اور عورت کی زوجیت کا اقرار کرلیا تو گویا اس نے اس بات کا اقرار کرلیا کہ عورت کو اس مال میں سے اپنا نفقہ لینے کا حق حاصل ہے۔ کیونکہ عورت کو اپنے خاوند کے مال سے لینے کی اجازت ہے (751)

زوجین میں سے کسی ایک کی وفات سے نفقہ کا سقوط

اگر خاوند عورت کو ایک معینہ مدت کا نفقہ اور کپڑا پیشگی دے چکا ہو۔ پھر اس مدت کے پورا ہونے سے پہلے ہی فوت ہو جائے تو امام ابویوسف کی رائے میں خاوند کے ورثاء کو اس بات کا حق نہیں کہ وہ عورت سے کوئی چیز واپس لیں۔ خواہ نفقہ عورت کے پاس ہو یا وہ اس کو خرچ کر چکی ہو اسی طرح مذکورہ کیفیت میں اگر عورت فوت ہو جائے تو خاوند کو اس بات کا حق نہیں کہ وہ اس کے ترکہ میں سے اپنا باقی نفقہ واپس لے۔(752)

امام ابویوسف یہ رائے دیتے ہیں کہ اگر بیوی نے کوئی مال نہ چھوڑا ہو تو اس کے کفن دفن کا انتظام خاوند کے ذمہ ہو گا۔ اور اسی پر فتویٰ ہے۔(753)

محتاج باپ پر اولاد کا نفقہ

امام ابویوسف فرماتے ہیں کہ وہ چھوٹا لڑکا جس کا باپ محتاج اور کمانے سے عاجز ہو تو اس کا نفقہ باپ کی طرف سے اس کے رشتہ داروں پر ڈالا جائے گا نہ کہ ماں کے اقرباء پر۔ کیونکہ جن کو باپ کے نفقہ پر مجبور کیا جا سکتا ہے انہیں باپ کی معذوری میں اس کی اولاد کے نفقہ پر بھی مجبور کیا جا سکتا ہے۔

امام ابویوسف مزید کہتے ہیں کہ اگر باپ کی طرف سے اس کا کوئی قریبی رشتہ دار نہ ہو تو پھر اس چھوٹے لڑکے کا نفقہ باپ ہی پر لازم ہو گا۔ البتہ ماموں کو حکم کیا جائے گا کہ وہ فی الحال اس لڑکے پر خرچ کرے اور یہ خرچ باپ کے ذمہ قرض ہو گا۔(754)

منفق (خرچ کرنے والے) کے بارے میں دولت مندی کی حد

فقہاء نے منفق کے لئے دولتمند ہونا ضروری قرار دیا ہے۔ اب ضروری ہے کہ دولتمندی کی اس حد کا تعین کیا جائے جس سے یہ نفقہ واجب ہوتا ہے۔

امام ابویوسف اس ضمن میں نصاب زکوٰۃ کا اعتبار کرتے ہیں۔ ابن سماعہ کہتے ہیں کہ میں نے ابویوسف کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ "میں ذی رحم محرم کے نفقہ پر اس آدمی کو مجبور نہیں کرتا جس کے پاس اتنا مال موجود نہ ہو جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہو۔ اور اگر ایک آدمی کے پاس نصاب زکوٰۃ میں سے صرف ایک درہم کم ہو اور اس کے اہل و عیال بھی نہ ہوں اور اس کی ایک محتاج بہن ہو تو میں اسے نصاب زکوٰۃ نہ ہونے کی وجہ سے مجبور نہیں کرتا کہ وہ اپنی محتاج بہن پر خرچ کرے اگرچہ وہ اپنے ہاتھ سے کام کرتا ہو اور ماہانہ پچاس درہم کماتا ہو۔

امام ابویوسف کے قول کی وجہ استدلال یہ ہے کہ ذی رحم کا نفقہ ایک قسم کی صلہ رحمی ہے اور یہ صلہ رحمی غنی ہی پر واجب ہوتی ہے جیسا کہ صدقہ غنی پر واجب ہوتا ہے اور شریعت میں غنا کی حد مال کی وہ مقدار ہے جس پر زکوٰۃ واجب

مرآں ہے (1755)

فصل دوازدہم

امام ابو یوسف کے متفرق معاشی افکار

اس فصل میں مختلف موضوعات پر امام ابو یوسف کے معاشی فکر کو واضح کیا جائے گا۔

حجر (مالکانہ تصرفات پر پابندی)

عربی زبان میں حجر اور تحجیر کے معنی کسی جگہ کے چاروں طرف پتھر نصب کرنے کے ہیں۔ جس جگہ کے چاروں طرف پتھر لگا دیئے گئے ہوں اسے حجر کہتے ہیں۔ اسی مفہوم کی مناسبت سے حطیم کو "حجر الکعبہ" کہا جاتا ہے۔

حجر کے معنی منع کرنے اور روکنے کے بھی ہیں چنانچہ عقل کو بھی اہل عرب حجر کہتے ہیں کیونکہ یہ انسان کو قبیح افعال سے روکتی ہے۔(756) شرعی اصطلاح میں اس کا مفہوم یہ ہے۔

منع الانسان من التصرف فی مالہ(757)

"کسی شخص کو اس کے مال میں تصرف سے روک دینا"

محمد بن احمد الرملی (م 1004ھ / 1596ء) لکھتے ہیں۔

المنع من التصرفات المالیۃ(758)

"مالی تصرفات کی ممانعت کر دینا حجر ہے۔"

یعنی حجر کے معنی کسی شخص کے مالی تصرفات (Financial Uses) پر پابندی عائد کرنا ہے۔ محجور وہ شخص ہے جس پر قانوناً "حجر عائد کیا گیا ہو۔ محجور کے مالی تصرفات غیر قانونی (Illegal) شمار ہوتے ہیں۔

امام ابو حنیفہ اور امام زفر کے نزدیک صرف تین اسباب کی بناء پر

حجر (To place some one under guardianship) کیا جا سکتا ہے۔

(ا) جنون (پاگل پن) (ب) صبا (بچپن) (ج) رق (غلامی)۔(759)

جبکہ امام ابو یوسف کا نظریہ یہ ہے کہ ان تین اسباب کے علاوہ مندرجہ ذیل اشخاص پر بھی حجر واجب ہوتا ہے۔

(1) وہ سفیہ(760) جو غلط مصارف میں اپنا مال خرچ کرتا ہو۔

(2) مالدار ہونے کے باوجود قرض کی ادائیگی نہ کرتا ہو اور قرض خواہ (Creditors) عدالت سے درخواست کریں کہ اس کی جائیداد کو فروخت کر کے اس کے قرض کو چکایا جائے اور اس شخص کو جس پر بہت زیادہ قرض ہو گیا ہو اور اس کی جائیداد ہو اور قرض خواہوں کو ڈر ہو کہ وہ اپنا مال و دولت تجارت میں ضائع کر دے گا چنانچہ وہ معاملے کو عدالت میں لے جائیں اور قاضی (Judge) سے درخواست کریں کہ اس کو تصرف کرنے سے روک دیا جائے۔ یا انہیں خوف ہو کہ وہ اپنی جائیداد کو بعض ورثاء کے لئے خاص کر دے گا اس لئے وہ قاضی سے استدعا کریں کہ اسے قرض خواہوں کے سوا اور کسی کے حق میں اقرار کرنے کی ممانعت کر دی جائے۔(761)

امام ابو یوسف کا نظریہ یہ ہے کہ سفیہ (کم عقل)(A person of weak mind) کو مجور کر دیا جائے۔ وہ اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ چونکہ وہ اپنے مال کو تقاضائے عقل کے خلاف کاموں میں صرف کرکے تبذیر (Waste) کا ارتکاب کرتا ہے۔ اس لئے اس کے مصالح کی نگرانی کے طور پر اس پر بھی اسی طرح حجر کیا جائے گا جس طرح بچے پر کیا جاتا ہے بلکہ اس پر حجر کرنا زیادہ ضروری ہے کیونکہ بچے سے تو تبذیر کا صرف احتمال ہوتا ہے۔ اور اس (عاقل و بالغ) فرد سے تبذیر عملاً صادر ہو چکی ہے۔(762)

مقروض پر پابندی عائد کرنے کے بارے میں آپ کہتے ہیں کہ جب مفلس کے قرض خواہ اس پر حجر عائد کرنے کی درخواست کریں تو حاکم عدالت (قاضی) اس کو مجور کر دے گا اور اس کو فروخت اور ہر قسم کے تصرف و اختیارات سے روک دے گا تاکہ قرض خواہوں کا نقصان نہ ہو۔ کیونکہ ضعیف العقل (سفیہ) پر حجر اس لئے جائز ہے کہ اس کے حق میں بہتری ہو اور مفلس پر حجر کرنے میں قرض خواہوں کی بہتری ہے۔(763)

امام محمد اور بعض دیگر فقہاء کا یہ خیال ہے کہ محض سفاہت ہی کی بناء پر کم عقل شخص پر پابندی لگا دی جائے گی۔ قاضی کو اس پابندی کے بارے میں کوئی حکم صادر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔(764)

لیکن امام ابو یوسف کا نظریہ یہ ہے کہ سفیہ (بیوقوف) پر اس وقت تک پابندی نہیں لگائی جاسکتی جب تک قاضی اس کا فیصلہ نہ کرے۔(765) آپ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ اس کی ممانعت کی بنیاد اس کم عقل شخص کی بھلائی اور مفاد پر ہے۔ اسکی یہ مصلحت دو باتوں کے درمیان دائر ہے یعنی اس کی بھلائی اس میں ہے کہ اس کے مال کی حفاظت کے لئے اس پر پابندی لگائی جائے یا اس میں ہے کہ اس پر پابندی نہ لگائی جائے تاکہ اس کی بات اور قول و قرار بے کار نہ ہو جائیں۔ ایسے امور جن کی دو جہتیں ہوں ان میں قاضی ہی فیصلہ کر سکتا ہے کہ ترجیح کس جہت کو ہو گی۔ قاضی کے علاوہ کوئی دوسرا شخص یہ فیصلہ نہیں کر سکتا۔

نیز یہ کہ سفاہت ایک محسوس چیز نہیں ہے اس کا پتہ معاملات میں دھوکا کھانے سے چلتا ہے لیکن کبھی یہ دھوکا محض حیلہ بھی ہو سکتا ہے۔ اس لئے قاضی کے فیصلہ ہی سے یہ بات ثابت ہو سکتی ہے علاوہ ازیں فقہاء کا اس بات میں اختلاف ہے کہ ایک کم عقل شخص پر پابندی لگانا چاہیے یا نہیں؟ اس لئے قاضی کے فیصلہ ہی سے یہ پابندی عائد کی جا سکتی ہے۔ جس طرح کہ قرض کے سبب کسی شخص پر پابندی لگانے کا حکم ہے جو قاضی کے حکم ہی سے ہوتی ہے۔ جس طرح کسی شخص پر قاضی کے فیصلہ کے بغیر پابندی نہیں لگائی جاسکتی اسی طرح قاضی کے فیصلہ کے بغیر اس پابندی کو اٹھایا بھی نہیں جا سکتا۔(766)

امام ابو یوسف کے نزدیک ایک کم عقل شخص کے معاملات قاضی کی طرف سے پابندی لگانے سے قبل درست اور نافذ سمجھے جائیں گے۔ ابو بکر السرخسی لکھتے ہیں۔

فاما عند ابی یوسف رحمه الله فهذا کله صحیح منه ما لم یحجر علیه القاضی (767)

غلہ کا نرخ اور اس کی رسد

زرعی زمینوں (Agricultural lands) کے محاصل (Taxes) پر بحث کرتے ہوئے امام ابو یوسف نے تسعیر (Price control) پر بھی بحث کی ہے۔ آپ نے اس ضمن میں تین احادیث کا حوالہ دیا ہے۔ آپ نے خیال ظاہر کیا ہے کہ اشیاء کے نرخ Rate ایک جیسے نہیں رہتے بلکہ ان میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔

امام ابو یوسف قیمتوں کے تعین میں اللہ تعالیٰ کے اقتدار اعلیٰ (Sovereignty) کو ترجیح دیتے ہیں۔ آپ کتاب الخراج میں رقم طراز ہیں۔

> والرخص والغلاء بید اللہ تعالیٰ لا یقومان علی امر واحد ۔ و لیس للرخص والغلاء حد یعرف و لا یقام علیه' انما هو امر من السماء لا یدری کیف هو' و لیس الرخص من کثرة الطعام و لا غلاوه من قلته انما ذلک امر اللہ و قضاوه' و قد یکون الطعام کثیرا غالیا' و قد یکون قلیلا رخیصا (768)

"ارزانی اور گرانی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ ان کا حال یکساں نہیں رہتا۔ ارزانی اور گرانی کی کوئی ایک حد نہیں جسے معلوم کیا جا سکے اور جس پر قائم رہا جا سکے۔ (اشیاء کے نرخ کا) معاملہ اوپر آسمان سے طے ہوتا ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ یہ کس طرح طے پاتا ہے۔ ارزانی غلہ کی فراوانی کے سبب نہیں ہوتی اور نہ ہی گرانی اس کی قلت کے سبب ہوتی ہے۔ ارزانی اور گرانی اللہ کے فیصلہ اور حکم کے تحت ہے ایسا بھی ہوتا ہے کہ غلہ فراواں ہو مگر گراں ہو اور یہ بھی ہوتا ہے کہ کم ہو مگر سستا ہو۔"

یعنی امام ابو یوسف نے اس نظریے کی تردید کی ہے کہ اگر غلہ زیادہ ہو تو قیمتیں (Prices) کم ہو جاتی ہیں اور اگر غلہ کی کمی (Shortage) ہو جائے تو اس کے نرخ (Rate) بڑھ جاتے ہیں۔

جدید نظام سرمایہ داری میں بھی معاشیات کا یہ اصول تسلیم کیا جاتا ہے کہ جب کسی چیز کی رسد (Supply) کم ہو جاتی ہے تو اس کی قیمت بڑھ جاتی ہے۔ سرمایہ دار بعض اوقات اپنے نفع (Profit) کو بڑھانے کے لئے جان بوجھ کر کسی چیز کی رسد کو کم کر دیتا ہے۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے وہ اشیاء جو ذخیرہ نہ ہو سکیں ضائع کر دی جاتی ہیں اگرچہ لاکھوں آدمی کسی چیز کے ضرورت مند ہوتے ہیں لیکن مصنوعی قلت پیدا کرنے کے لئے مال کا کچھ حصہ ضائع کر دیا جاتا ہے تاکہ رسد

کم ہونے پر مقررہ مانگی قیمت وصول کی جاسکے۔

امام ابو یوسف نے اپنے دور کے حالات کا بنظر غائر جائزہ لینے کے بعد یہ رائے قائم کی ہے۔ ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی' امام ابو یوسف کے اس معاشی فکر پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"غالباً" عام طور پر یہ سمجھا جاتا تھا کہ غلہ کی گرانی اور ارزانی صرف اس کی رسد کی کمی بیشی پر منحصر ہے۔ قاضی صاحب نے اس نظریے کی تردید کی ہے۔ ان کی تردید کی بنیاد ان کا یہ مشاہدہ ہے کہ بسا اوقات غلہ فراواں ہونے کے باوجود بھی گراں ہوتا ہے اور یہ بھی ہوتا ہے کہ اس کی رسد کم ہو مگر نرخ ارزاں ہو۔ اس مشاہدے کو وہ اس بات کی کافی دلیل خیال کرتے ہیں کہ غلے کے نرخ کے گھٹنے بڑھنے کا انحصار صرف اس کی رسد یا پیداوار پر نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو گراں نرخ کے ساتھ ہمیشہ غلہ کی رسد کی کمی اور ارزاں نرخ کے ساتھ ہمیشہ رسد کی فراوانی نظر آتی۔ چونکہ مشاہدہ بتاتا ہے کہ ایسا نہیں۔ لہذا عام خیال کو صحیح نہیں قرار دیا جاسکتا۔ نہ اس پر کسی ساجی پالیسی مثلاً نظام محاصل کی بنیاد رکھی جاسکتی ہے۔

جیساکہ سیاق و سباق سے ظاہر ہے اس نکتہ کا ذکر اس بحث کے ضمن میں آیا ہے کہ متعین نقد رقم کی شکل میں زرعی محصول وصول کرنا مناسب ہے کہ نہیں۔ اس بحث کے لئے اتنا کافی تھا کہ غلہ کے نرخ اور اس کی پیداوار کے باہمی ربط پر گفتگو کی جائے۔ قاضی صاحب کے نزدیک غلہ کے نرخ (یا درہم کی قوت خرید) اور غلہ کی رسد اور پیداوار کے درمیان کوئی مضبوط ربط نہیں پایا جاتا۔ اسی حقیقت کو انہوں نے اپنی اس رائے کی بنیاد بنایا ہے کہ متعین نقد رقم کی صورت میں زرعی محصول وصول کرنا انصاف کے تقاضوں کو پورا نہیں کرسکتا۔ کیونکہ متعین کی ہوئی رقم کبھی زیادہ غلہ کے برابر ہوگی اور کبھی کم۔ اور یہ کہنا ممکن نہیں کہ پہلی شکل پیداوار کی کمی اور دوسری شکل پیداوار کی کثرت سے وابستہ ہے۔" (۲۰۷)

کرنسی کی قیمت میں تبدیلی

امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں تو اس موضوع پر بحث نہیں کی البتہ احناف کی مشہور کتب فقہ میں کرنسی کے بارے میں ابو یوسف کا نظریہ تحریر کیا گیا ہے۔

جب قبضے سے قبل فلوس (تانبے کے سکے) کی قیمت کم یا زیادہ ہو جائے تو امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ اس سلسلے میں میرا اور ابو حنیفہ کا ایک ہی قول ہے کہ قرض خواہ کو وہی فلوس واپس ہوں گے۔ بعد ازاں ابو یوسف نے اس قول سے

رجوع کر لیا اور یہ مسلک اختیار کیا کہ مقروض پر قیمت لازم ہوگی۔ احناف کے ہاں اسی قول پر فتویٰ ہے۔(770)

امام ابویوسف کے نزدیک اس نقطہ نظر کی دلیل یہ ہے کہ چونکہ فلوس کی ثمنی حیثیت محض لوگوں میں ان کی رواج پذیری کے باعث ہی ہوتی ہے۔ اب اگر لوگوں کا رواج ہی بدل جائے یا ان کے رواج کی کیفیت میں تبدیلی آ جائے تو اصولاً اس تغیر کی رعایت کرنی چاہیے۔

ملکی تجارت

امام ابویوسف نے کتاب الخراج میں ملکی تجارت کے بارے میں بھی رائے پیش کی ہے۔ چنانچہ وہ حربی جس نے اسلامی شہروں سے مال خرید اہو اور اپنے شہر کی طرف جانا چاہتا ہو' اس کے بارے میں لکھتے ہیں۔

فان اراد ھذا الرسول رسول الملک او الذی اعطی الامان ان یرجع الی دار الحرب فانھم لا یترکون ان یخرجوا معھم بسلاح و لا کراع ولا رقیق مما اسر من اھل الحرب' فان اشتروا من ذلک شیئا یرد علی الذی باعہ منھم ورد اولئک الثمن الیھم' فان کان مع ھذا الرسول او الذی اعطی الامان سلاح جید فابدلہ بسلاح اشر منہ او دابۃ فابدلھا باشر منھا فذلک جائز و لا باس بان یترک یخرج بذلک وان کان ابدلہ بخیر منہ رد علیہ سلاحہ و دابتہ ورد ذلک علی صاحبہ الذی ابدلہ' و لا ینبغی للامام ان یترک احدا من اھل الحرب یدخل بامان او رسولا من ملکھم یخرج بشئی من الرقیق والسلاح او بشئی مما یکون قوۃ لھم علی المسلمین (771)

"اگر یہ قاصد۔۔۔بادشاہ کا قاصد۔۔۔ یا وہ شخص جسے امان دی گئی ہو' دارالحرب واپس جانا چاہے تو اس کو اس کا موقع نہ دیا جائے گا کہ اپنے ہمراہ اسلحے' مویشی' یا دشمن سے تعلق رکھنے والے قیدیوں میں سے بنائے ہوئے غلام لے جا سکیں۔ ان میں سے کوئی چیز اگر وہ خرید کر لے جا رہے ہوں تو یہ چیز فروخت کنندہ کو واپس کر کے اس کی قیمت ان لوگوں کو واپس دے دی جائے گی۔ اگر اس قاصد یا امان یافتہ فرد کے پاس دارالاسلام میں داخل ہوتے وقت کوئی عمدہ ہتھیار تھا اور اب اس نے اسے کسی گھٹیا ہتھیار سے بدل لیا ہو' یا کوئی اچھا جانور تھا جسے اس نے کسی خراب جانور سے بدل لیا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اسے اس کو لے جانے دینا چاہیے۔ البتہ اگر اس نے اپنے ہتھیار یا جانور کو بہتر ہتھیار یا جانور سے بدل لیا ہو تو اسے اس کا اپنا ہتھیار یا جانور واپس دلوا دیا جائے گا اور بدلی ہوئی چیز کو اس کے اصل مالک کو لوٹا دیا جائے گا۔ امام کو چاہیے کہ کسی حربی کو جو امان لے کر یا اپنے بادشاہ کا

قاصد بن کر دار الاسلام میں آیا ہو' دار الاسلام سے واپس جاتے وقت اپنے ساتھ غلام' اسلحہ جات یا کوئی ایسی چیز نہ لے جانے دے جس سے مسلمانوں کے مقابلہ میں دشمن کی طاقت میں اضافہ ہو۔"

یعنی امام ابو یوسف نے یہاں یہ اصول پیش کیا ہے کہ حکومت کو چاہیے کہ وہ حربی ملک کے باشندوں کو دار الاسلام (The land governed according to the law of Islam) سے ایسی کوئی چیز خرید کر لے جانے کی اجازت نہ دے جس سے دار الاسلام کی نسبت اس دشمن ملک کی معاشی حالت مضبوط ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ دور حاضر کی اسلامی حکومتوں کے لئے ابو یوسف کے معاشی فکر میں کافی راہنمائی ملتی ہے۔

مشترکہ ملکیت

امام ابو یوسف کا نظریہ یہ ہے کہ قدرت کی عطا کردہ بعض اشیاء (Things) مثلاً سمندر' دریا' جنگلات میں سب انسانوں کی مشترکہ ملکیت (common ownership) ہے۔ آپ کتاب الخراج میں لکھتے ہیں۔

والمسلمون جميعا شركاء في دجلة والفرات و كل نهر عظيم نحوهما او واد يستقون منه و يسقون الشفة والحافر والخف' و ليس لاحد ان يمنع' و لكل قوم شرب ارضهم و نخلهم و شجرهم' لا يحبس الماء عن احد دون احد' و ان اراد رجل ان يكري نهرا في ارضه من هذا النهر الاعظم فان كان في ذلك ضرر في النهر الاعظم لم يكن له ذلك و لم يترك يكريه و ان لم يكن فيه ضرر ترك يكريه (772)

"سارے مسلمان دجلہ اور فرات اور ان جیسے سارے بڑے دریاؤں اور وادیوں میں یکساں طور پر شریک ہیں۔ ان سے وہ سینچائی کے لئے بھی پانی لے سکتے ہیں۔ اور اپنے اور اپنے جانوروں کے پینے کے لئے بھی کسی کو انہیں اس سے روکنے کا حق نہیں۔ ہر گروہ کو اپنی اراضی' کھجوروں اور دوسرے درختوں کی سینچائی کا حق ہے' کسی کو پانی دینے اور کسی سے روکنے کا طریقہ درست نہیں۔ اگر کوئی آدمی اس بڑے دریا سے نہر نکال کر اپنی زمین تک لے جانا چاہتا ہو تو اگر اس سے دریا کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو اسے ایسا نہ کرنے دیا جائے گا اور اسے نہر نکالنے کی اجازت نہ ہو گی البتہ اگر اس طرح کا نقصان نہ پہنچ رہا ہو تو اسے ایسا کرنے دیا جائے گا۔"

حق شفعہ

شفعہ کے لغوی معنی ایک چیز کو دوسری چیز سے ملا لینے کے ہیں۔ اصطلاح شرع میں اس کی تعریف یہ کی گئی ہے "

مشتری کی جائیداد میں جبراً "مالک ہونا" شفعہ ہے۔(773) مجلۃ الاحکام العدلیۃ میں اس کی تعریف یہ نقل کی گئی ہے۔

الشفعة - هی تملک الملک المشتری بمقدار الثمن الذی قام علی المشتری(774)

"کسی خریدار سے اس کے حق ملکیت کو اسی قیمت پر حاصل کرنا جو اس نے خریداری میں ادا کیا ہو شفعہ ہے۔"

امام ابو یوسف کے نزدیک حق شفعہ (Right of Pre-emption) کا اصل سبب "شرکت" (partnership) ہے۔ شرکت کا کوئی حصہ متعین نہیں ہے خواہ شرکت کسی قدر بھی ہو کم ہو یا زیادہ، وہ ہر حالت میں شریک تصور کیا جائے گا۔(775)

آپ کے نزدیک حق شفعہ کے لئے پہلے خریدار (Purchaser) کی حاضری شرط نہیں ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ حق شفعہ مکان کے ساتھ متعلق ہے لہذا اس کے لئے خریدار کا موجود ہونا شرط نہیں ہے۔(776)

آپ سے مروی ہے کہ اگر حصہ دار (Partner) اپنا حق شفعہ چھوڑ دے تو کسی اور شخص کو شفعہ کا کوئی حق حاصل نہ ہو گا۔ آپ کے قول کی دلیل یہ ہے کہ بیع کے وقت شفعہ کا اصل شریک (حصہ دار) کو حاصل تھا۔ کسی اور کو نہیں۔ اس لئے اس کے سوا کوئی اور شخص اس حق کا مطالبہ کرنے کا استحقاق نہیں رکھتا۔ لہذا جب اس نے اپنا حق چھوڑ دیا تو کسی شخص کو قطعاً کوئی حق حاصل نہ ہو گا۔(777)

چھوٹی نہر (ندی، نالہ) جس سے چند لوگوں کی اراضی نخلستان سیراب ہوتے ہوں کہ اگر اس میں سے کچھ اراضی یا باغ نخلستان فروخت کر دیا گیا تو اس چھوٹی نہر کے تمام حصہ دار اس اراضی پر شفعہ کرنے کے حقدار ہوں گے۔ پھر چھوٹی اور بڑی نہر کے مابین حد فاصل میں اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام محمد فرماتے ہیں کہ اگر اس میں کشتیاں چلتی ہوں تو وہ بڑی ورنہ چھوٹی نہر ہے۔ امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ میں اس کی الفاظ میں کوئی حد بندی نہیں کر سکتا۔ جب میں دیکھوں تو بتا سکتا ہوں۔ یعنی امام ابو یوسف کا نظریہ یہ ہے کہ یہ مسئلہ دیکھنے والے کے مشاہدے پر منحصر ہے۔ آپ سے ایک روایت یہ ہے کہ اگر اس سے دو یا تین باغ سیراب ہوتے ہوں تو اس میں کسی شفعہ کا حق ہو گا اور اگر وہ اس سے بڑی نہر ہو تو تب یہ حق حاصل نہ ہو گا۔(778)

امام ابو یوسف سے یہ مسئلہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ اگر ایک گھر دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہو اور ایک اور شخص کا راستہ اس مکان سے ہو کر گزرتا ہو پھر ان میں سے ایک نے اپنے مکان کا حصہ فروخت کر دیا تو شریک (حصہ دار) راستے والے کی نسبت شفعہ کا زیادہ حق رکھتا ہے۔ کیونکہ نفس زمین میں حصے دار حقوق میں اختلاط رکھنے والے سے زیادہ حق رکھتا ہے۔(779)

امام ابو یوسف فرماتے ہیں دو گھر جس میں دو کمرے ہوں۔ ان میں سے ایک دوسرے کے اوپر ہو اور ہر ایک کمرے کا کسی اور گھر میں سے راستہ ہو اور ان دونوں کمرے والوں کی راستے میں شرکت نہ ہو' پھر درمیان والے گھر کے مالک نے اپنا مکان فروخت کر دیا اور راستے والے نے اپنا حق شفعہ چھوڑ دیا تو شفعہ کا حق اوپر اور نیچے کے دونوں کمرے والوں کو ہو گا کیونکہ وہ اس کے ہمسایہ ہونے میں یکساں ہیں۔ پھر اگر اوپر کے کمرے والے نے اپنا کمرہ فروخت کر دیا تو شفعہ کا حق درمیان والے کو ہو گا نہ کہ نیچے والے کو' اس لئے کہ ہمسائیگی کا حقدار وہی ہے نہ کہ نیچے والا۔(780)

امام ابو یوسف نے ایک ایسے مکان کے متعلق جس میں سے کسی دوسرے گھر کا پانی ہو کر بہتا تھا یہ کہا کہ دوسرے گھر والے کی اس میں کوئی شرکت نہ ہو گی اور یہ اس طرح ہی ہو گا جیسے کسی کی دیوار دوسرے گھر میں ہو۔ اور اگر کوئی دیوار دو افراد کے گھروں کے درمیان میں ہو جو ان دونوں کے مابین مشترک ہو تو جو شخص اس دیوار میں شریک ہے وہ اس دیوار میں اس کے ہمسائے کی نسبت شفعہ کا زیادہ حق رکھتا ہے اور باقی کا گھر ان دونوں کے مابین ہمسائیگی کی بنا پر نصف نصف ہو گا۔(781)

امام الکرخی فرماتے ہیں کہ امام ابو یوسف سے صحیح ترین روایت یہ ہے کہ جو شخص دیوار میں شریک ہو وہ باقی گھر میں بھی ہمسائے کی نسبت شفعہ کا زیادہ حق رکھتا ہے۔(782)

امام ابو یوسف سے اس شخص کے بارے میں روایت ہے جس نے زمین سمیت ایک دیوار خریدی' پھر اس نے باقی کا مکان خرید لیا اور پھر دیوار کے ہمسائے نے شفعہ کا مطالبہ کر دیا تو اس کو صرف دیوار میں شفعہ کا حق ہو گا باقی گھر میں نہیں' کیونکہ جب اس مکان کو فروخت کیا گیا تو باقی مکان کے درمیان دیوار حائل تھی' لہٰذا اس کے لئے حق شفعہ ثابت نہ ہو گا۔(783)

امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ اگر کوئی گھر دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہو اور ایک اور آدمی کا اس میں سے راستہ گزرتا ہو پھر ان دونوں میں سے ایک نے اپنے گھر کا حصہ فروخت کر دیا تو اس کا گھر میں حصے دار گھر میں شفعہ کا زیادہ حق دار ہو گا' اور راستے والے کو راستے پر شفعہ کا حق حاصل ہو گا۔(784)

اگر نیچے والی منزل (Ground floor) ایک شخص کی ہو' اور اوپر والی منزل (Upper storey) کسی دوسرے کی' اب اگر اس دو منزلہ عمارت کے ساتھ والا مکان فروخت ہو تو ہر دو منزلوں کے مالکان برابر درجے کے شفیع (pre-emptor) تصور کئے جائیں گے۔ اب اگر دونوں منزلیں منہدم ہو گئیں تو امام ابو یوسف کے نزدیک اس صورت میں صرف اس شخص کو شفعہ کا حق حاصل ہو گا جو نیچے والی منزل کا مالک تھا' کیونکہ اس کی زمین (Land) جو حق شفعہ کا سبب تھی اب بھی موجود ہے۔(785)

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اگر خریدار نے ادھار قیمت پر مکان خریدا ہو تو اس صورت میں بھی شفیع کے لئے

ضروری ہو گا کہ جیسے ہی اسے بیع کا پتہ چلے تو وہ شفعہ کا مطالبہ کر دے۔ پھر اگر وہ اس مدت تک خاموش رہا تو یہ اس کی اپنے حق شفعہ سے دست برداری ہو گی۔ مگر بعد ازاں ابو یوسف نے اپنے قول سے رجوع (To return) کر لیا اور کہا کہ مہلت گزرنے کے بعد اگر اس نے شفعہ کا مطالبہ کر دیا تو اسے شفعہ کا حق ہو گا' اگرچہ اس نے بیع کا علم ہونے کے وقت اس کا مطالبہ نہ کیا ہو۔ ان کے پہلے قول کی دلیل یہ ہے کہ مطالبے کا وقت وہ ہے جب اسے بیع کا علم ہو' ادائگی قیمت کے لئے حاصل کردہ مدت پوری ہونے کے وقت نہیں' تو چونکہ مطالبہ کرنے میں اس نے بلاعذر تاخیر کر دی ہے لہذا اس کا حق شفعہ باطل ہو جائے گا۔ ان کے دوسرے قول کی دلیل یہ ہے کہ مطالبہ بذات خود مطلوب نہیں ہوتا' بلکہ اصل مقصود حق شفعہ کی تاکید اور اس کا استقرار' یعنی پختہ ہوتا ہے۔ اسی طرح حق شفعہ کی تاکید بذات خود مطلوب نہیں' بلکہ وہ تو مکان حاصل کرنے کے لئے ہے' جس کی بنا پر اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ دی گئی مہلت آنے تک اسے نہ لے' اسی طرح اسے مقررہ مدت آنے تک' مطالبہ نہ کرنے کا بھی حق حاصل ہو گا۔ (786)

کیا شفیع (شفعہ کرنے کا حقدار) کو کسی حیلہ کے ذریعے حق شفعہ سے محروم کیا جا سکتا ہے؟ امام محمد کے نزدیک یہ مکروہ ہے۔ لیکن امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ شفیع کو حق شفعہ سے محروم کرنے یا اصلی قیمت کو چھپا کر زیادہ قیمت کا اعلان کر کے اس کی دلچسپی کو کم کرنے میں حیلہ کا استعمال درست ہے۔ بشرطیکہ یہ شفعہ سے قبل ہو۔ (787)

رہن

لفظ رہن کے لغوی معنی ثابت قدم رہنا یا قائم و دائم رہنا ہے۔ اسی طرح یہ لفظ حبس و لزوم یعنی پابند ہو جانے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ عربی زبان میں کہا جاتا ہے ماء راهن (ٹھہرا ہوا پانی) ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ۝ (788)

"ہر شخص اپنے اعمال میں محبوس ہو گا۔"

اصطلاح شریعت میں رہن سے مراد یہ ہے کہ کسی ایسی شئے (thing) کو جو شرعاً مالیت رکھتی ہو' حصول قرض کے لئے پختہ ضمانت بنایا جائے کہ اس شئے کے عوض قرض حاصل کرنا ممکن ہو۔ (789)

رہن (Mortgage) کا معاملہ کرنا کتاب اللہ' سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ مثال کے طور پر قرآن حکیم میں ارشاد ربانی ہے۔

وَإِنْ كُنْتُمْ عَلَىٰ سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَقْبُوضَةٌ ۖ فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ أَمَانَتَهُ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ (790)

"اور اگر تم سفر میں ہو اور کوئی کاتب نہ پاؤ سو رہن رکھنے کی چیزیں ہی جو قبضہ میں دے دی جائیں۔ اور تم میں

سے کوئی کسی اور پر اعتبار رکھتا ہے۔ تو جس کا اعتبار کیا گیا ہے اسے چاہیے کہ دوسرے کی امانت کا حق ادا کر دے
اور چاہیے کہ اللہ (یعنی) اپنے پروردگار سے ڈرتا رہے۔"

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ رہن پر دین (debt) کی زیادتی جائز ہے۔ ان کے قول کی وجہ یہ ہے کہ رہن کے باب میں دین (debt) اسی طرح ہے جیسے بیع کے باب میں ثمن (price) ہے۔(791)

امام ابو یوسف کے نزدیک مرتہن کے لئے رہن سے نفع اٹھانا جائز نہیں ہے۔(792)

اگر قرض کے معاملہ میں راہن (mortgager) اور مرتہن (mortgagee) کے درمیان اختلاف ہو جائے تو امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ راہن کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہو گا۔(793)

ہبہ

انتقال ملکیت کے ذرائع میں سے ہبہ ایک اہم ذریعہ ہے۔ لغت میں اس کے معنی تحفہ (gift) اور عطیہ (donation) کے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے۔

فَهَبْ لِي مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا ۝ (794)

"سو تو مجھے (خاص) اپنے پاس سے وارث دے۔"

ایک اور جگہ فرمایا۔

يَهَبُ لِمَن يَشَاءُ إِنَاثًا وَيَهَبُ لِمَن يَشَاءُ الذُّكُورَ (795)

"جس کو چاہتا ہے (اولاد) مادہ عنایت کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے (اولاد) نرینہ عنایت کرتا ہے۔"

اصطلاح شرع میں اس کی تعریف یہ کی گئی ہے۔

تمليك العين بلا عوض (796)

"یعنی یہ (دوسرے شخص کو) بلامعاوضے کے مالک بنانا ہے۔"

اگر واہب (donor) نے ہبہ میں عوض کی شرط رکھی تو امام ابو یوسف کے نزدیک یہ جائز نہیں۔ (797) اگر قابل تقسیم شے (Thing) مثلاً مکان اور دراہم و دنانیر وغیرہ دو افراد کو ہبہ کی اور انہوں نے اس پر قبضہ کر لیا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ جائز نہیں لیکن امام ابو یوسف کی رائے یہ ہے کہ یہ جائز ہے۔ (798)

اگر واہب یوں کہے کہ "یہ مکان میں نے تم دو کو ہبہ کیا۔ ایک تہائی اس کے لئے اور دو تہائی اس کے لئے' تو امام ابو یوسف کے نزدیک یہ جائز نہیں۔" (799)

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ والد پر واجب ہے کہ ہدیہ میں اپنی اولاد کے درمیان عدل و انصاف کرے۔ لڑکے کو لڑکی پر فضیلت نہ دے۔ (800)

احمد بن محمد' قاضی نظام الدین (م 875ھ / 1471ء) نے فتاویٰ سراجیہ کے حوالے سے لکھا ہے۔

في السراجية في احكام الهدايا' ينبغي ان يعدل بين اولاده في العطايا والعدل عند ابي يوسف رحمه الله ان يعطيهم على السواء (801)

"سراجیہ میں احکام ہدایا کے سلسلے میں بتایا گیا ہے کہ عطایا کے باب میں اپنی اولاد کے درمیان عدل کا برتاؤ کرنا چاہیے اور عدل کا مفہوم ابو یوسف کے نزدیک یہ ہے کہ والد انہیں برابر کے تحفے دے۔"

امام ابو یوسف کی رائے یہ ہے کہ اگر والد نے دوسری اولاد کو ضرر پہنچانے کی نیت سے ہبہ کیا ہو تو ایسا ہبہ واجب الرد ہو گا۔ (802)

دار الحرب میں سود کا مسئلہ

اگر کوئی مسلمان دار الحرب (The land of war) میں بطور تاجر داخل ہوا۔ پھر اس نے حربی کافر کو ایک درہم دو درہموں کے عوض فروخت کر دیا یا اسی طرح کی شرعی نقطہ نظر سے کوئی دوسری فاسد بیع کی تو امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک یہ بیع جائز ہو گی اور ابو یوسف کے نزدیک یہ بیع جائز نہ ہو گی۔(803)

امام ابو حنیفہ اور امام محمد کی دلیل یہ ہے کہ حربی کا مال معصوم نہیں ہے بلکہ فی نفسہ مباح ہے۔ جب حربی اپنی مرضی اور اختیار سے اس کا مبادلہ (Exchange) کر رہا ہے تو یہ جائز ہو گا۔ امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ ربا (interest) کی حرمت جس طرح کہ مسلمانوں کے حق میں ثابت ہے اسی طرح کفار کے حق میں بھی ثابت ہے۔(804)

جرمانہ

جمہور فقہاء اور محدثین کے نزدیک کسی شخص کو مالی سزا نہیں دی جا سکتی۔ ان کی رائے یہ ہے کہ تعزیر بالمال اسلام کے آغاز میں تھی لیکن بعد میں منسوخ ہو گئی۔(805)

فقہائے احناف میں امام ابو یوسف سے جواز کا قول نقل کیا گیا ہے تاہم ابن عابدین نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

> و عن ابی یوسف یجوز التعزیر للسلطان باخذ المال و عندھما و باقی الائمة لا یجوز ۔ و ظاھرہ ان ذلک روایة ضعیفة عن ابی یوسف قال فی الشرنبلالیة - و لا یفتیٰ بھذا لما فیہ من تسلیط الظلمة علی اخذ مال الناس فیاکلونہ(806)

"اور ابو یوسف سے روایت ہے کہ حاکم وقت کے لئے مالی سزا دینا جائز ہے جبکہ طرفین اور باقی ائمہ کے نزدیک ناجائز ہے۔ بظاہر یہ روایت ابو یوسف سے ضعیف معلوم ہوتی ہے۔ شرنبلالیہ میں ہے کہ اس پر فتویٰ نہیں دیا جاتا۔ کیونکہ اس صورت میں ظالم حکام کو لوگوں کے اموال کھانے کی اجازت دینا ہے۔"

ابن عابدین اور ابن نجیم نے ابو یوسف کے فکر کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آپ کے نزدیک تعزیر بالمال کا مفہوم یہ ہے کہ حاکم جرمانہ کر کے مجرم کا مال کچھ مدت کے لئے روک لے۔ تاکہ مجرم اپنے جرم سے باز آ جائے۔ اور اس سے یہ مراد نہیں کہ حاکم اپنی ذات کے لئے یا بیت المال (public treasury) کے لئے وصول کرے جیسا کہ

ظالم حکام نے سمجھ رکھا ہے۔ یہ اس لئے کہ کسی مسلمان کا مال کسی شرعی سبب کے بغیر لینا جائز نہیں۔ (807)

قرض

لغت میں قرض کے معنی علیحدہ کرنا' قطع کرنا اور کترنا کے ہیں۔ مثلاً قرض الفار الثوبة (چوہے کا کپڑے کو کترنا) اس عقد کو قرض کا نام اس لئے دیا گیا ہے کہ قرض دینے والا اپنے مال کے ایک حصے کو کاٹ دیتا ہے اور قرض طلب کرنے والے کے سپرد کر دیتا ہے۔

قرض کا رکن

قرض کے رکن کے بارے میں امام ابو یوسف سے دو اقوال منقول ہیں۔ ایک قول کے مطابق ایجاب (Offer) اور قبول (acceptance) ضروری ہے۔ جبکہ دوسرے قول کے مطابق اس میں صرف ایجاب رکن ہے' قبول نہیں۔ (808)

کن چیزوں میں قرض جائز نہیں

امام ابو یوسف کے نزدیک روٹی میں قرض جائز نہیں۔ نہ تول کر اور نہ ہی گن کر۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ روٹیاں باہم مختلف ہوتی ہیں اس لئے کہ ان کی گوندھائی' پکائی مختلف ہوتی ہے' وزن میں کوئی ہلکی ہوتی ہے اور کوئی بھاری۔ گنتی کے اعتبار سے کوئی چھوٹی ہوتی ہے اور کوئی بڑی۔ (809)

امام ابو یوسف زنگ آلود اور کھوٹ والے دراہم کے قرض لئے جانے کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔ (810)

قرض کا حکم

نوادر میں امام ابو یوسف سے روایت کیا گیا ہے کہ قرض دار مال قرض پر قبضہ کر لینے سے اس کا مالک نہیں بن جاتا تاوقتیکہ وہ اس کو استعمال نہ کرے۔ امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ قرض دینا ادھار (Lending) ہے۔ بایں دلیل کہ اس میں میعاد لازم نہیں ہے۔ اگر یہ معاوضہ (Exchange) ہوتا تو میعاد لازم ہوتی' جیساکہ تمام معاوضات میں لازم ہوتی ہے۔ (811)

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے عراق میں کھانا قرض دیا اور اس کی قیمت مکہ میں وصول کی تو یہ قرض کی واپسی عراقی سکہ (Coin) کے مطابق ہوگی اور اس دن کی قیمت شمار ہوگی جس دن قرض لیا گیا تھا۔ (812)

قرض کی وصولی

الحلوی کے حوالے سے فتاویٰ حماویہ کے مصنف رقم طراز ہیں کہ اگر قرض خواہ (creditor) کسی پر دعویٰ کرے کہ یہ میرا مقروض ہے اور قرض ادا نہیں کرتا اور تفصیلات سننے کے بعد قاضی اس نتیجہ پر پہنچ جائے کہ مدعی حق بجانب ہے مگر مقروض نقد قرض ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتا تو امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ قاضی مقروض کا رہائشی مکان اور دیگر مال و متاع بھی فروخت کر کے اس کی رقم قرض خواہ کو دے سکتا ہے۔(813)

وراثت

وراثت ایک غیر اختیاری انتقال ملکیت ہے۔ جس کے ذریعہ ایک متوفی کا ترکہ اس کے ورثاء کے حق میں بطریق خلافت جانشینی منتقل ہو جاتا ہے۔(814)

حمل کی میراث

اگر ایک شخص فوت ہو جائے اور اس کی بیوی حاملہ ہو تو حمل کے لئے ترکہ کا کس قدر حصہ محفوظ (Reserve) کرنا چاہیے۔ امام ابو حنیفہ کی رائے یہ ہے کہ چار بیٹوں یا چار بیٹیوں میں سے جو زیادہ ہو وہ روک لیا جائے گا۔ امام محمد کے نزدیک تین بیٹوں یا تین بیٹیوں میں سے جو زیادہ ہو وہ حصہ رکھا جائے گا۔

امام ابو یوسف سے اس ضمن میں دو اقوال ملتے ہیں۔ ایک قول کے مطابق دو بیٹوں کا حصہ روک لیا جائے گا۔ دوسرا قول جو احمد بن عمر الخصاف (م 261ھ / 875ء) نے ابو یوسف سے بیان کیا ہے' اس کے مطابق ایک بیٹے کے حصے کے مطابق ترکہ محفوظ کر لیا جائے گا۔(815)

خنثیٰ کی میراث

لغت میں خنثیٰ اس شخص کو کہتے ہیں جس میں مرد عورت' دونوں کی علامتیں موجود ہوں۔ اگر مرد کی علامتیں غالب ہوں تو اسے مرد تصور کیا جائے گا اور اسے مردوں جیسا حصہ ملے گا۔ اگر عورت کی علامتیں غالب ہوں تو اسے عورتوں جیسا حصہ ملے گا۔ اگر دونوں قسم کی علامتیں برابر ہوں تو اس کو خنثیٰ مشکل کہتے ہیں۔ خنثیٰ مشکل کو ترکہ کا کونسا حصہ دیا جائے گا۔

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اس صورت میں وہ کم تر حصہ کا مستحق ہو گا۔ اگر مرد قرار دینے کی صورت میں حصہ کم ملتا ہے۔ تو مرد قرار دیا جائے گا اور اگر عورت قرار دینے سے حصہ کم ملتا ہے تو اس کو عورت قرار دیا جائے گا۔(816)

ذوی الارحام

امام ابویوسف اور دیگر ائمہ احناف کے نزدیک جب ذوی الفروض (Sharers) اور عصبات میں سے کوئی بھی وارث (Successor) موجود نہ ہو تو پھر ترکہ ذوی الارحام (relative through the mother) میں تقسیم ہوتا ہے اور یہی لوگ ترکہ کے وارث ہوتے ہیں۔

ذوی الارحام کے بارے میں امام ابویوسف اور امام محمد کا اختلاف ہے۔ ابویوسف کے نزدیک حقیقی بھائیوں اور بہنوں کی اولاد کے سامنے علاتی بھائی بہنوں کی اولاد محروم ہوتی ہے۔ اور علاتی بھائی بہنوں کی اولاد کے سامنے اخیافی بھائی بہنوں کی اولاد محروم ہوتی ہے۔ یعنی ابویوسف درمیانی مورثوں یعنی "اصول" کی جنس یا قرابت کا مطلق خیال نہیں کرتے۔ ان کی رائے کے مطابق حقیقی دعویداروں یعنی فروع کی جنس اور قرابت کا لحاظ کیا جانا چاہیے۔

امام محمد کی رائے کے مطابق نہ صرف حقیقی دعویداروں بلکہ درمیانی مورثوں کی جنس اور قرابت کا بھی لحاظ کیا جانا ضروری ہے۔ (817)

مثال

فرض کریں کہ ایک میت نے تین بیٹے دختر کی دختر زاہدہ کے اور دو بیٹیاں دختر کی دختر عابدہ کے چھوڑے۔ ہر ایک کا حصہ کیا ہوگا؟
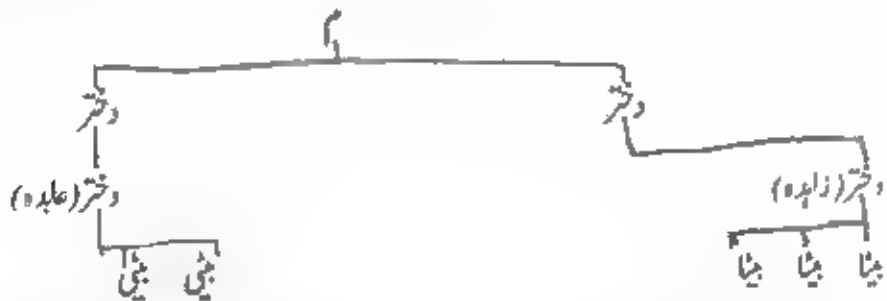
اس مثال میں درمیانی مورث (A Person from whom an inheritance is derived) ایک ہی جنس کے ہیں یعنی عورت۔ اس لئے تقسیم اس طرح ہوگی کہ مذکر کو مونث سے دگنا ملے گا۔ نواسی زاہدہ کے تین لڑکے اور نواسی عابدہ کی دو لڑکیاں ہیں۔ اس لئے جائیداد کے کل آٹھ حصے ہوں گے جن میں سے ہر بیٹے کو دو حصے اور ہر بیٹی کو ایک حصہ ملے گا۔

یہاں امام ابویوسف اور امام محمد میں کوئی اختلاف نہیں۔ دونوں ائمہ کی رائے کے مطابق یہی تقسیم ہوگی۔ کیونکہ یہاں جنس میں اختلاف نہیں۔

درمیانی مورث مختلف الجنس ہونے کی صورت میں ترکہ کی تقسیم

مثال

ایک میت اپنی بیٹی کے بیٹے کی بیٹی اور بیٹی کی بیٹی کا بیٹا چھوڑ کر فوت ہوئی تو ہر وارث کا حصہ کیا ہو گا؟

اس مثال میں درمیانی مورثوں کی جنس میں اختلاف دوسری پشت میں واقع ہوتا ہے۔ اس لئے دوسری پشت ہی میں مرد کو عورت سے دگنا دیا جائے گا۔ یعنی بیٹی کے بیٹے کو 2/3 اور بیٹی کی بیٹی کو 1/3 حصہ دیا جائے گا۔ پھر بیٹی کے بیٹے کا 2/3 اس کی بیٹی کو اور بیٹی کی بیٹی کا 1/3 اس کے بیٹے کو مل جائے گا۔ نتیجہ کے طور پر۔

بیٹی کے بیٹے کی بیٹی کا حصہ = 2/3

بیٹی کی بیٹی کے بیٹے کا حصہ = 1/3

یہ مندرجہ بالا تقسیم امام محمد کی رائے کے مطابق ہو گی۔ لیکن امام ابویوسف کی رائے کے مطابق جائیداد فروع (اولاد) میں ان کی اپنی جنسیت کے مطابق تقسیم ہوتی ہے۔ اس لئے ان کے نزدیک یہ تقسیم اس طرح ہو گی۔

بیٹی کے بیٹے کی بیٹی کا حصہ = 1/3

بیٹی کی بیٹی کے بیٹے کا حصہ = 2/3

مقاسمۃ الجد

امام ابوحنیفہ کی رائے کے مطابق دادا (جد صحیح) حقیقی یا علاتی بھائی بہنوں کو محروم کر دیتا ہے۔ لیکن ابویوسف کے قول کے مطابق ایسا نہیں ہے۔ بلکہ اسے بعض حصص میں سے کسی ایک حصے کے انتخاب کا حق دیا جاتا ہے۔ (۸۱۸)

وصیت

وصیت کی تعریف یہ کی گئی ہے "تبرع کے طریقہ پر کسی شخص کو اپنے مرنے کے بعد کے زمانہ کی طرف نسبت کر کے اپنے مال کا مالک بنانا وصیت کہلاتا ہے۔ (۸۱۹)

اگر ایک شخص دو معلوم آدمیوں میں سے غیر معین طور پر کسی ایک کے حق میں وصیت will کرے تو امام ابو حنیفہ کے قول کے مطابق یہ درست نہیں ہے لیکن امام ابو یوسف کے نزدیک وصیت ان دونوں میں نصف نصف ہو گی۔ امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ جب وہ تعیین کرنے سے قبل ہی فوت ہو گیا تو وصیت ان دونوں کے حق میں غیر معین ہو گی اور ان میں سے کوئی بھی دوسرے سے اولیٰ نہیں ہے۔(820)

اگر ان گنت (countless) لوگوں کے لئے وصیت کی جائے تو ایسی وصیت امام ابو یوسف کے نزدیک باطل ہو گی۔ ان گنت کی تشریح کرتے ہوئے امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ اگر حساب کتاب کے بغیر ان کو شمار نہ کیا جا سکے تو وہ ان گنت ہیں۔(821)

امام ابو یوسف کے نزدیک وصی تہائی مال سارے کا سارا ایک فقیر کو بھی دے سکتا ہے۔(822)

اگر ایک آدمی نے مساکین کے لئے ایک تہائی مال کی وصیت کی اور جس شہر میں فوت ہوا وہ کوئی اور شہر تھا تو ابو یوسف فرماتے ہیں کہ ایک تہائی مال' اس شہر کے مساکین میں تقسیم کیا جائے گا جس میں اس کی رہائش تھی۔(823)

اگر ایک شخص نے کہا کہ بنی فلاں کے لئے وصیت ہے اور فلاں سے مراد ایک باپ ہو جس کی اولاد میں لڑکے بھی ہوں اور لڑکیاں بھی۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ وصیت صرف لڑکوں کے لئے ہو گی۔ آپ کی دلیل یہ ہے کہ بنین جمع ہے ابن کی اور ابن در حقیقت مرد کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ ایسے ہی لفظ بنون ہے۔ پس اس کا اطلاق صرف مردوں پر ہو گا۔(824)

اگر ایک آدمی یہ کہے کہ میں فلاں آدمی کے اہل کے لئے وصیت کرتا ہوں تو امام ابو حنیفہ کے قول کے مطابق یہ وصیت صرف اس فلاں کی بیوی کے لئے ہو گی۔ لیکن امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ یہ اس کے تمام زیر کفالت افراد کے لئے ہو گی۔ اور اگر اولاد بالغ ہو جو اس سے الگ ہو گئی ہو یا بیٹی ہو جس کی شادی ہو چکی ہو تو وہ اس کے اہل میں شمار نہ ہوں گے۔(825)

امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی صلہ میں اپنا تہائی مال وصیت کرے اور اس کے بھائی' بہنیں' بھتیجے اور بھانجے ہوں تو یہ تہائی مال ان تمام قرابت داروں اور موصی کی موت کے بعد چھ ماہ سے کم مدت میں ان قرابت داروں کے ہاں جو بچے پیدا ہوں ان سب میں تقسیم کیا جائے گا کیونکہ صلہ سے مراد صلہ رحم ہے۔ گویا کہ اس نے اس کی وضاحت کر دی ہے۔ اور جو بچہ چھ ماہ سے کم مدت میں پیدا ہو تو یہ بات معلوم ہو گئی کہ موصی (making a will) کی موت کے وقت وہ موجود تھا پس وہ وصیت میں داخل ہو گا۔(826)

امام ابو یوسف نے اس آدمی کے بارے میں' جس نے کوئی وصیت کی' پھر دوسرے دن اس کے سامنے وہ وصیت پیش کی گئی تو اس نے کہا کہ میں اس وصیت کو نہیں جانتا' یہ کہا ہے کہ یہ اس سے رجوع ہے۔(827)

ابن سماعہ نے اپنے نوادر میں امام ابو یوسف سے روایت نقل کی ہے کہ امام ابو یوسف نے کہا کہ اگر کوئی شخص وصیت کرتے ہوئے کہے کہ فلاں شخص کے لئے میری بکریوں میں سے ایک بکری ہے یا میرے کھجور کے درختوں میں سے ایک درخت ہے اور یہ نہ کہے کہ میری ان بکریوں میں سے یا میرے ان درختوں میں سے تو یہ وصیت موصی کی موت کے وقت واقع ہو گی' وصیت کرنے کے دن واقع نہیں ہو گی۔(828)

اگر مرنے والے نے کسی اجنبی کے لئے وصیت کی۔ اور اس کی موت کے بعد تمام ورثاء نے یہ گواہی دی کہ اس نے اجنبی کے لئے وصیت سے رجوع کر لیا تھا تو امام ابو یوسف کے آخری قول کے مطابق وارثوں کی یہ شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔ امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ وہ اجنبی ان پر 1/3 کا استحقاق رکھتا ہے۔ اور ورثاء اپنی گواہی کے ذریعے اس کے اس استحقاق کو باطل کر رہے ہیں۔(829)

جن کے بارے میں وصیت کی گئی ہے' جب وہ اپنا حصہ وصول کر لیں اور ان میں سے ایک یہ کہے کہ جو میرے پاس ہے وہ فلاں کے لئے ہے اور جو تیرے پاس ہے وہ فلاں کے لئے ہے' امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ یہ تقسیم جائز ہو گی۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک اپنے مال میں تصرف کرنے کا مجاز ہے۔

اگر ایک وصی موجود نہ ہو اور دوسرے ترکہ کو اس طرح تقسیم کریں کہ اس کے لئے بڑا حصہ اور اپنے لئے چھوٹے حصے رکھیں تو امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ یہ تقسیم جائز ہو گی۔(830)

اگر موصی (making a will) ایک آدمی کے لئے اپنے چوتھائی مال کی وصیت کرے اور دوسرے کے لئے نصف مال کی اور ورثاء اجازت دے دیں تو ہر دو کو اپنی اپنی وصیت کے مطابق ملے گا۔ لیکن اگر ورثاء اس کی اجازت نہ دیں تو پھر تہائی مال کی وصیت ہی نافذ ہو گی۔ امام ابو حنیفہ کی رائے یہ ہے کہ تہائی مال کو ان دونوں میں سات سہام کر کے تقسیم کیا جائے گا۔ نصف والے موصی لہ کو چار سہام اور چوتھائی والے موصی لہ کو تین سہام لیں گے۔

امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ تہائی مال کو تین سہام کر کے تقسیم کیا جائے گا۔ دو سہام نصف والے موصی لہ کو اور ایک سہم چوتھائی والے موصی لہ کو دیا جائے گا۔(831)

اگر موصی ایک آدمی کے لئے اپنے تہائی مال کی وصیت کرے اور دوسرے آدمی کے لئے نصف مال کی اور ورثاء اس کی اجازت نہ دیں تو امام ابو یوسف کے نزدیک ایک تہائی مال کے پانچ سہام کئے جائیں گے نصف والے کو تین سہام اور تہائی والے کو دو سہام ملیں گے۔(832)

اگر ایک آدمی نے قاتل کے لئے وصیت کی ہو' اور موصی کی موت کے بعد ورثاء وصیت کی اجازت دے دیں تو امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک وصیت جائز ہو گی۔ لیکن امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ وصیت جائز نہ ہو گی۔

امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ وصیت کا تعلق میراث (heritage) سے ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

ہے کہ قاتل وارث نہیں بن سکتا۔(833) آپ نے ورثاء کی اجازت اور عدم اجازت کی حالتوں میں فرق نہیں کیا۔ امام ابویوسف کہتے ہیں کہ اس کے جواز میں مانع تو قتل ہے اور اجازت سے قتل کا مانع دور تو نہیں ہو جاتا۔(834)

آپ کی دوسری دلیل یہ ہے کہ جب اس نے اس کو ناحق قتل کیا تو وہ حربی کی مانند ہو گیا اور حربی کے لئے وصیت جائز نہیں ہوتی۔ خواہ ورثاء اس کی اجازت دیں یا نہ دیں۔ اس طرح قاتل کا حکم ہے۔(835)

اضطراری حالات میں مبتلا اہل حاجت کے حقوق

اگر ایک شخص حالت اضطرار میں ہو اور بنیادی ضروریات پوری نہ ہونے کی صورت میں اس کی جان چلی جانے کا خدشہ ہو تو اہل ثروت پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اس شخص کی مدد کریں۔ اگر یہ افراد اپنی ذمہ داری ادا نہ کریں تو پھر اضطرار میں مبتلا فرد کو کیا حق حاصل ہے؟

اس سوال کا جواب دیتے ہوئے امام ابویوسف "کتاب الخراج" میں لکھتے ہیں۔

فان اصحابنا کانوا یرون القتال علی الماء اذا خاف الرجل علی نفسه بالسلاح اذا کان فی الماء فضل عمن هو معه و لا یرون ذلک فی الطعام و یرون فیه الاخذ و الغصب من غیر قتال' فاما الماء خاصة فانهم کانوا یرون فیه اذا خیف علی النفس قتال المانع منه و هو فی الاوعیة عند الاضطرار اذا کان فیه فضل عمن هو فی یده(836)

"پس بے شک ہمارے اصحاب کی رائے یہ ہے کہ جب آدمی کو اپنی جان چلی جانے کا اندیشہ ہو تو وہ پانی حاصل کرنے کے لئے ہتھیار لے کر جنگ کر سکتا ہے بہ شرطیکہ پانی خود مالک کی ضرورت سے زیادہ ہو۔ کھانے کے بارے میں ان کی یہ رائے نہیں ہے اس کے سلسلہ میں وہ صرف اس حد تک جائز سمجھتے ہیں کہ اسے قتال کے بغیر چھین لیا جائے یا غصب کر لیا جائے۔ قتال کی اجازت ان حضرات نے مخصوص طور پر اس شکل میں دی ہے جبکہ پانی برتنوں میں رکھا ہوا ہو اور اس کا مالک اسے دینے سے انکار کر دے۔ اگرچہ وہ اس کی ضرورت سے زیادہ ہو۔ مگر شرط یہ ہے کہ پانی کی ضرورت شدید ہو اور اس کے بغیر جان چلی جانے کا اندیشہ ہو۔"

نظریۃ التعسف فی استعمال الحق

امام ابویوسف کا نظریہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی ذاتی ملکیت میں اس طرح تصرف کرے کہ وہ قصداً" اپنے

ہمسائے کو نقصان پہنچانا چاہتا ہو تو اس کو اس تصرف سے روک دیا جائے گا۔ (837) آپ کتاب الخراج میں ہارون الرشید کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

و سالت یا امیر المومنین عن الرجل یکون له النهر الخاص فیسقی منه حرثه و نخله و شجره فیسفجر من ماء نهره فی ارضه فیسیل الماء من ارضه الی ارض غیره فیغرقها' هل یضمن؟ قال - لیس علی رب النهر فی ذلک ضمان من قبل ان ذلک فی ملکه' و کذلک لو نزت ارض هذا من الماء ففسدت لم یکن علی رب الارض الاولی شئی و علی صاحب الارض التی غرقت و نزت ان یحصن ارضه' و لا یحل لمسلم ان یتعمد ارضا لمسلم او ذمی بذلک لیهلک حرثه فیها' یرید بذلک الاضرار به(838)

"امیر المومنین! آپ نے ایک مسئلہ یہ پیش کیا ہے کہ اگر کسی شخص کی ذاتی نہر' جس سے وہ اپنے کھیت' کھجور اور دوسرے درختوں کو سیراب کرتا ہو' پھٹ پڑے اور اس کا پانی بہ کر دوسرے کی زمین کو ڈبا دے تو کیا یہ شخص اس کے نقصان کا ضامن ہو گا؟ میری رائے یہ ہے کہ چونکہ یہ نہر اس شخص کی ملکیت تھی لہٰذا اس پر کسی طرح کی ضمان نہ ہو گی۔ اسی طرح اگر اس دوسرے آدمی کی زمین کا پانی سوکھ جائے اور زمین ناکارہ ہو جائے تو پہلی زمین کے مالک پر اس کی کوئی ذمہ داری نہ ہو گی۔ جس فرد کی زمین ڈوبی اور سوکھ گئی ہے۔ اس کی ذمہ داری ہے کہ اپنی زمین کے تحفظ کا بندوبست کرے۔ البتہ کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں کہ دانستہ طور پر کسی مسلمان یا ذمی کی زمین کو ناکارہ کر دے اور اس کی کھیتی تباہ کر کے اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کرے۔"

حواشی و حوالہ جات

(1) ابن خلدون' مقدمہ' الفصل الثانی "فی وجوہ المعاش و اصنافہ و مذاھبہ / 382

(2) ایضاً" 38

(3) Schumpeter, History of Economic Analysis. P. 52, 53

(4) Ibid, P. 52

(5) رشید احمد' مولوی' تاریخ معاشیات' (ڈاکٹر اکرم ( ) کی کتاب "History of Economics" کا اردو ترجمہ) حیدر آباد دکن' / 19

(6) ایس ایم اختر' ڈاکٹر ۔۔ غلام رسول مہر' ''عظماء کے معاشی نظریات (جارج سول George Soule کی کتاب "Ideas of the great Economists" کا اردو ترجمہ)
لاہور = مجلس ترقی ادب' طبع اول 1960ء - / 6

(7) ایضاً" / 8

(8) ایضاً" / 8

(9) رشید احمد' تاریخ معاشیات / 26
ایس ایم اختر' عظماء کے معاشی نظریات / 8

(10) انطوان قیس' تاریخ الفکر الاقتصادی' حلب = کلیۃ العلوم الاقتصادیۃ طبع 1968ء / 30

(11) اس رسالہ کا نام (Economicus) ہے۔

(12) ایس ایم اختر' عظماء کے معاشی نظریات / 9

(13) الخراج" / خلاصہ صفحات 25-29

(14) الطبری' تاریخ الرسل والملوک 4 / 201

(15) الخراج / 124' 125

(16) ایضاً" / 145

(17) علی المتقی' علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین الہندی' کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال' بیروت' موسسۃ الرسالۃ الطبعۃ الخامسۃ 1405ھ - 4 / 549' 587

(18) المقریزی' تقی الدین احمد بن علی بن عبدالقادر' کتاب النقود الاسلامیۃ المسمی' "بشذور العقود فی ذکر النقود (تحقیق = محمد السید علی بحر العلوم) قم = منشورات الشریف الرضی' الطبعۃ الخامسۃ 1387ھ / 8

(19) د نور طہ' عبدالواحد' "صور سیاسۃ الحجاج الثقفی المالیۃ فی العراق" مجلۃ المورد (تصدرھا وزارۃ الاعلام الجمہوریۃ العراقیۃ) العدد الثالث 1396ھ / 25

المقریزی، النقود الاسلامیة/ 8، زرکلی، الاعلام 5/ 45

(20) النقشبندی، السید ناصر محمود، الدرهم الاسلامی المضروب علی الطراز الساسانی بغداد، مجمع العلمی العراقی، 1389ھ/ 38، 40
القزاز، وداد علی، الدراهم الاسلامیة المضروبة علی الطراز الساسانی للخلفاء الراشدین فی المتحف العراقی، مجلة المسکوکات العدد1، 1969ء/ 13، 15

(21) ھود=61

(22) الشریف الرضی، محمد بن الحسین، نہج البلاغة (کلام سیدنا امیر المومنین علی بن ابی طالب) (مع شرح الشیخ محمد عبدہ) بیروت- دار المعرفة للطباعة والنشر، 3/ 27، 28

(23) ایضاً، 3/ 27

(24) ایضاً، / 93

(25) ایضاً، 2/ 198، 199

(26) ایضاً، 3/ 26، 27

(27) ایضاً، 3/ 27

(28) ایضاً، 3/ 96

(29) ایضاً، 3/ 86

(30) ایضاً، 3/ 99

(31) الخراج/ 95

(32) ایضاً/ 83

(33) ابن سعد، الطبقات الکبری، 3/ 28

(34) المازندرانی، السید موسیٰ الحسینی، العقد المنیر فی تحقیق ما یتعلق بالدراهم والدنانیر، طہران- مکتبة الصدوق 1382ھ/ 49، 46

(35) الخراج/ 93

(36) ایضاً/ 142

(37) ابن سعد، الطبقات الکبری، 5/ 356

(38) الخراج، 120

(39) ابن سعد، الطبقات الکبری، 5/ 383

(40) ابن سعد، الطبقات الکبری 5/ 392

(41) ایضاً، 5/ 380

(42) ابو زہرہ، ابوحنیفہ/ (مترجم، غلام احمد حریری) ایڈیشن، فیصل آباد، ملک سنز/ خلاصہ صفحات 610 — 614

(43) ایضاً / 617

(44) الخراج / 69

(45) ایضاً / 96

(46) ایضاً / 3

(47) ایضاً / 135، 136

(48) ایضاً / 52

(49) ایضاً / 93

(50) ایضاً / 92

(51) ایضاً / 53

(52) ایضاً / 132

(53) ایضاً / 55 تا 62، 82 تا 88

(54) ایضاً / 116

(55) ایضاً / 128، 130

(56) ایضاً / 54

(57) ایضاً / 87

(58) ایضاً / 132 تا 135

(59) ایضاً / 69، 92، 93

(60) ایضاً / 121

(61) ایضاً / 143 تا 145

(62) ایضاً / 144

(63) ایضاً / 54

(64) ایضاً / 92

(65) ایضاً / 92

(66) ایضاً / 116، 117

(67) ایضاً / 120، 121

(68) سیوہاروی، محمد حفظ الرحمٰن، قصص القرآن، کراچی، دارالاشاعت، 3 / 248

(69) الخراج / 40

(70) ایضاً / 124

(71) ایضاً"/ 123

(72) ایضاً"/

(73) ایضاً"/ 115'116

(74) ایضاً"/ 118

(75) ایضاً"/ 130

(76) ابن رشد' بدایۃ المجتہد 2 / 178

الشافعی 'ابو عبداللہ محمد بن ادریس 'الام (تصحیح محمد زہری النجار من علماء الازہر) بیروت' دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر 'الطبعۃ الثانیۃ 1393ھ- 2 / 27'28

ابو داؤد' سلیمان بن الاشعث السجستانی 'کتاب مسائل الامام احمد' (تحقیق و تعلیق 'السید محمد رشید رضا) بیروت' دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر / 78'79

المرداوی 'علاء الدین ابو الحسن علی بن سلیمان' الانصاف (تحقیق محمد حامد الفقی) دار احیاء التراث العربی 'الطبعۃ الثانیۃ 1400ھ- 4 / 3

ابن ہبیرہ 'ابو المظفر عون الدین یحیٰی بن محمد 'کتاب الافصاح عن معانی الصحاح الریاض 'المؤسسۃ السعیدیۃ / 196

(77) ابن رشد' بدایۃ المجتہد 1 / 178

(78) المرغینانی 'الہدایۃ 1 / 186

(79) الکاسانی' بدائع الصنائع 2 / 5

(80) السرخسی 'المبسوط 2 / 161

(81) الکاسانی' بدائع الصنائع' 2 / 40

(82) ایضاً" 2 / 39

(83) السرخسی 'المبسوط' 2 / 191

الکاسانی' بدائع الصنائع 2 / 21

(84) ابن رشد' بدایۃ المجتہد 1 / 183

ابو داؤد' کتاب مسائل الامام احمد / 78

الشافعی 'الام 2 / 41

(85) ابو داؤد' سلیمان بن الاشعث السجستانی' سنن ابی داؤد (و معہ کتاب معالم السنن للخطابی)' اعداد و تعلیق عزت عبید الدعاس وعادل السید 'کتاب الزکاۃ باب الکنز ما ھو؟ وزکاۃ الحلی' بیروت' دار الحدیث' للطباعۃ والنشر والتوزیع' 2 / 212-214

(86) الخراج / 83

(87) الخراج / 83

(88) ایضاً، 84 /

(89) ایضاً، 83 /

(90) ایضاً، 83 /

(91) الطحاوی، شرح معانی الآثار، 2 / 39

(92) الخراج / 83، 84

(93) ایضاً، 84 /

(94) ایضاً

(95) ایضاً، 84 /

(96) ایضاً، 84 /

(97) ایضاً، 84 / 85

(98) ایضاً، 85 /

(99) ایضاً / 83

(100) ایضاً

(101) ایضاً

(102) ایضاً

(103) ایضاً، 85 / 86

(104) ایضاً، 87 /

(105) ایضاً

(106) ایضاً

(107) العظیم آبادی، ابو الطیب محمد شمس الحق، عون المعبود شرح سنن ابی داؤد، ملتان، نشر السنة الطبعة الاولی ۱۳۹۱ھ 2 / 37

الجصاص، احکام القرآن، 4 / 324

الشوکانی، نیل الاوطار، 4 / 168

(108) الرازی، فخر الدین ابو عبداللہ محمد بن احمد، التفسیر الکبیر، مطبعة البهیه المصریة الطبعة الاولی 1357ھ - 16 / 107

(109) الطحاوی، شرح، 2 / 31

(110) ابن قدامه ابو محمد عبداللّٰہ بن احمد، المغنی، المدینة المنورة المکتبة السلفیة 2 / 692

(111) الخراج / 87

(112) ایضاً

(113) ایضاً، 87

(114) ایضاً

(115) القسطلانی، ابوالعباس شہاب الدین احمد بن محمد "ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری" بیروت، دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع، الطبعۃ السادسۃ 3/ 57

(116) السرخسی، المبسوط، 3/ 10

الکاسانی، بدائع الصنائع، 2/ 46

(117) الخراج/ 87

(118) ایضاً، 98

(119) الجصاص، احکام القرآن، 4/ 341

الخراج/ 87

(120) الخراج/ 202

(121) الطحاوی، شرح معانی الآثار، 2/ 14

انور شاہ کشمیری، الشیخ محمد، فیض الباری علی صحیح البخاری، قاہرہ، مطبعۃ حجازی، الطبعۃ الاولی 1357ھ / 1938ء، [illegible]

(122) الساعاتی، احمد عبدالرحمۃ البنا، الفتح الربانی مع مختصر شرحہ بلوغ الامانی من اسرار الفتح الربانی، دار احیاء التراث العربی، الطبعۃ الثانیۃ، 9/ 82، 83

(123) الطحاوی، شرح معانی الآثار، 2/ 16

(124) ایضاً، [illegible]

(125) [illegible] کاندھلوی، محمد [illegible] اوجز المسالک الی موطا مالک، ملتان، ادارہ تالیفات اشرفیہ، [illegible]

(126) الطحاوی، شرح معانی الآثار، 2/ 15

(127) ایضاً، 15، 16

(128) الساعاتی، الفتح الربانی، 9/ 87؛ الجصاص، احکام القرآن، 4/ 335

(129) صدیق حسن خان، محمد صدیق، عون الباری لحل ادلۃ البخاری (شرح کتاب التجرید الصریح لاحادیث الجامع الصحیح) حلب، سوریا، دار الرشید، 2/ 482

(130) الطحاوی، شرح، 2/ 34

(131) ایضاً، 34

(132) ایضاً، 33

(133) المرغینانی، الہدایۃ، 1/ 207

السرخسی، المبسوط، 3/ 12

(134) السرخسی، المبسوط، 30/ 240

(135) ابن نجیم، الاشباہ والنظائر، ۲/ 227

(136) ابن تیمیہ، ابوالعباس احمد تقی الدین، القواعد النورانیۃ الفقہیۃ (تحقیق محمد حامد الفقی) الریاض، مکتبۃ المعارف، الطبعۃ الاولی 1402ھ/ 111

(137) الغزالی، ابو حامد محمد بن محمد، احیاء علوم الدین، بیروت، دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر ۲/ 18

(138) الخراج، 86

(139) ابن حجر العسقلانی، احمد بن علی، فتح الباری بشرح صحیح البخاری، بیروت، دار المعرفۃ، 12/ 331

(140) ابوزہرہ، ابوحنیفۃ/ 437

(141) ابو الکلام آزاد، احمد بن خیر الدین، تذکرہ (مرتبہ مالک رام) نئی دلی، ساہتیہ اکادمی طبع اول، 1968ء/ 97

(142) المرغینانی، الھدایۃ ۳/ 201

(143) البقرۃ/ 267

(144) الخراج/ 56

(145) المرغینانی، الھدایۃ/ 201

(146) الخراج/ 56

الشرنبلالی، احمد بن عبدالسلام، کتاب الشرنبلالی شرح نور البیان فی فقہ الامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان، الازہر الشریف 1366ھ/ 185

ابن مازہ، ابو المعالی برہان الدین محمود بن احمد، المحیط البرہانی، مخطوط، قائد اعظم لائبریری لاہور، نمبر ب 11، 691، 250م، ۲/ 355

(147) الخراج/ 57

(148) ابن عابدین، مجموعۃ رسائل، ۲/ 142

(149) ابن عابدین، حاشیہ رد المحتار 2/ 335

(150) دیکھئے۔

ابو یوسف، اختلاف ابی حنیفۃ وابن ابی لیلیٰ/ 41

(151) الکاسانی، بدائع الصنائع، ۲/ 50

(152) الدرویشی محمد فرید، منہاج السنن شرح جامع السنن للامام الترمذی، اکوڑہ خٹک، موتمر المصنفین، 3/ 145، 146

(153) الانعام/ 142

(154) ابن منظور، لسان العرب 7/ 21

(155) السید سابق، فقه السنة، جدة، مکتبة الخدمات الحدیثة، 1 / 429

(156) ابوداؤد، سلیمان بن الاشعث السجستانی، سنن ابی داؤد (مع کتاب معالم السنن للخطابی) اعداد و تعلیق عزت عبید الدعاس و عادل السید، کتاب البیوع والاجارات، باب "فی بیع الثمار قبل ان یبدو صلاحها" بیروت، دار الحدیث للطباعة والنشر والتوزیع، 3 / 667، 668

(157) خلیل احمد سہارنپوری، بذل المجہود فی حل ابی داؤد، ملتان، مکتبہ قاسمیہ، 3 / 31

(158) ابن رشد، بدایة المجتهد، 1 / 184

الشافعی، الام، 2 / 38، 30

(159) المرغینانی، الهدایة، 1 / 202

(160) ابن قدامه، المغنی والشرح الکبیر، 2 / 577

(161) الخراج / 60

(162) ایضاً، 61

(163) المرغینانی، الهدایة، 1 / 202

(164) المرغینانی، الهدایة، 1 / 202

(165) ایضاً

(166) الخراج / 56

(167) الکاسانی، بدائع الصنائع، 2 / 60

(168) الشیبانی، کتاب الاصل، 2 / 162

(169) السرخسی، المبسوط، 2 / 206

(170) ابن قدامه، المغنی، 2 / 645

(171) المرغینانی، الهدایة، 1 / 208

(172) ابن عابدین، حاشیة رد المحتار، 2 / 366

(173) المرغینانی، الهدایة، 1 / 210، الکاسانی، بدائع الصنائع، 2 / 72

(174) المرغینانی، الهدایة، 1 / 201

(175) السرخسی، المبسوط، 3 / 111

الکاسانی، بدائع الصنائع، 2 / 49

اشرف علی تھانوی، مولانا محمد، احکام القرآن الملقب بہ دلائل القرآن علی مسائل النعمان کراچی، 1387ھ، 1 / 401

(176) الکاسانی، بدائع الصنائع، 2 / 73، المرغینانی، الهدایة، 1 / 201

(177) ابن رشد، بدایة المجتهد، 1 / 193

النووی' الانصاف' 3 / 93

(178) الشرقاوی' عبداللہ بن حجازی' فتح المبدی شرح مختصر الزبیدی (مع التجرید الصریح لاحادیث الجامع الصحیح) بیروت' دارالمعرفۃ 2 / 84

(179) البیھقی' ابوبکر احمد بن الحسین بن علی' السنن الکبری مع الجوھرالنقی' ملتان' نشرالسنۃ 4 / 171

ابن الھمام' کمال الدین محمد بن عبدالواحد' فتح القدیر شرح ھدایۃ' المکتبۃ النوریۃ الرضویۃ 2 / 230

(180) ابن حزم' ابو محمد علی بن احمد بن سعید' المحلی (تحقیق الشیخ احمد محمد شاکر) مصر' ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ' الطبعۃ الاولی 1349ھ' 5 / 246

(181) ابن رشد' بدایۃ المجتھد 1 / 193

(182) الخراج / 93

(183) ایضا" / 68' 69

(184) موسوعۃ الفقہ الاسلامی المعروفۃ بموسوعۃ جمال عبدالناصر الفقھیۃ' یصدرھا المجلس الاعلی للشئون اسلامیۃ' القاھرۃ 1390ھ' 5 / 111

(185) المرغینانی' الھدایۃ 2 / 591

(186) المظھری' محمد ثناء اللہ قاضی' التفسیر المظھری' حیدر آباد الدکن' مجلس اشاعۃ العلوم 1 / 383

(187) السرخسی' المبسوط 3 / 7' الکاسانی' بدائع الصنائع 2 / 57' 58

(188) الکاسانی' بدائع الصنائع 2 / 58

(189) الخراج 69

(190) الشیبانی' محمد بن الحسن' القانون الدولی الاسلامی کتاب السیر (تحقیق = مجید خدوری) کراچی' ادارۃ القرآن و العلوم الاسلامیۃ' / 257

(191) الخراج / 131

(192) ایضا" / 63

(193) ایضا" / 64

(194) ایضا" 63' 64

(195) ایضا" / 64

(196) ایضا" / 64

(197) ایضا"

(198) ایضاً / 68

(199) ایضاً / 75

(200) ایضاً / 75

(201) ایضاً / 72

(202) ایضاً / 94

(203) ایضاً 145

(204) ایضاً

(205) ایضاً / 145

(206) ایضاً / 143، 144

(207) ایضاً / 146

(208) ایضاً، تلخیص صفحات 143-148

(209) ایضاً / 144

(210) الشرباصی، احمد الدکتور، المعجم الاقتصادی الاسلامی، دار الجیل / 05

(211) التوبۃ 29

(212) الخراج / 133

(213) ابو عبید، کتاب الاموال / 27

(214) الشافعی، الام 4 / 179

(215) الشافعی، الام 4 / 170

(216) ابن رشد، بدایۃ المجتہد 2 / 295

(217) الخراج / 132

(218) ابو عبید، القاسم بن سلام، کتاب الاموال، ما محمد ال، المکتبۃ الاثریۃ / 40

(219) الخراج / 133، 134

(220) ایضاً / 132

الخربوطلی، علی حسنی الدکتور، الاسلام و اهل الذمۃ قاہرہ، المجلس الاعلی للشؤن الاسلامیۃ طبع اول 1389ھ / 70

(221) الخراج / 132، 139

(222) ایضاً / 132

(223) المرغینانی، الہدایۃ 2 / 597

(224) الخراج/ 132

(225) ابن رشد' بدایۃ المجتہد' 1/ 296

(226) ابو عبید' کتاب الاموال' / 48

(227) الخراج/ 132

(228) ایضاً"

(229) ابن قیم' شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن ابی بکر' احکام اہل الذمۃ (تحقیق الدکتور' صبحی الصالح' بیروت' دار العلم للملایین' الطبعۃ الاولی 1961م -/ 60

(230) الخراج/ 132

(231) ابو عبید' کتاب الاموال/ 41

(232) الخراج/ 133

(233) ایضاً"/ 134

(234) ایضاً"/ 133

(235) ایضاً"/ 133

(236) ایضاً"/ 135

(237) ایضاً"/ 134

(238) ایضاً"/ 27

(239) ایضاً"/ 155' 156

(240) ایضاً"/ 149

(241) ایضاً"/ 149' 150

(242) ابن رجب' حافظ ابو الفرج عبدالرحمٰن بن احمد' الاستخراج' لاحکام الخراج بیروت دار الکتب العلمیۃ' الطبعۃ الاولی 1405ھ / 1985م / 21

(243) الخراج/ 25

(244) الحشر' 7

(245) الخراج/ 93

(246) الزیلعی' فخر الدین عثمان بن علی' تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق' ملتان' مکتبہ امدادیہ' 2/ 287

البابرتی' اکمل الدین محمد بن محمود' شرح العنایۃ علی الهدایۃ (مع فتح القدیر' و نتائج الافکار)' کوئٹہ' مکتبہ رشیدیہ' 2/ 179

(247) الشافعی، الام 2/ 42، 44

(248) الخراج، / 23، 24

(249) ایضاً، / 24

(250) البوبکانی، المخدوم محمد جعفر ابن عبدالکریم، المنالة فی مرمة الخزانة (فتاوی البوبکانی) تحقیق و تعلیق، ابوسعید غلام مصطفی السندی) کراتشی - لجنة احیاء الادب السندی، / 334

(251) الخراج / 23

(252) ایضاً، / 24

(253) ایضاً

(254) ایضاً، / 23

(255) ایضاً، 23

(256) ایضاً، 23

(257) ایضاً، 73

(258) السرخسی، محمد بن احمد، شرح کتاب السیر الکبیر لمحمد بن الحسن الشیبانی (تحقیق - الدکتور صلاح الدین المنجد) المکتب للحرکة الثورة الاسلامیة 5 / 2163
یحیی الصدیقی، ابو زکریا محمد، لامع الدراری علی جامع البخاری (افادات رشید احمد الگنگوهی) مکة المکرمہ، المکتبة الامدادیة، سنة الطبع 1396ه / -3 / 98
ابراهیم فاضل المعاش والرکاز (بحث مقارن فی الاقتصاد الاسلامی، بغداد، مطبعة دار الرسالة/ 17

(259) الخراج / 73

(260) ایضاً، / 73

(261) ایضاً، / 76

(262) ایضاً

(263) ایضاً، / 198، 199

(264) ابن قدامه، المغنی 6 / 318

(265) ابن رشد، بدایة المجتهد 2 / 229

(266) الخراج / 199

(267) ایضاً، / 201

(268) ایضاً / 19

(269) المرغینانی ' الهدایۃ 2 / 572

(270) الخراج / 19

(271) ایضاً / 20

(272) ایضاً / 20

(273) الشافعی ' الام 4 / 140 ' 141

(274) الخراج / 212 ' 213

(275) ایضاً / 213

(276) ایضاً / 213

(277) السرخسی ' المبسوط ' 12 / 27

(278) المرغینانی ' الهدایۃ 2 / 637 '

عبدالنبی ' جامع العلوم 3 / 460

(279) ابن عابدین ' حاشیہ ردالمحتار ' 4 / 338

داماد آفندی ' مجمع الانہر ' 1 / 731

ابن ہمام ' کمال الدین محمد بن عبدالواحد ابن عبدالحمید بن مسعود ' فتح القدیر شرح ہدایۃ (مع تکملۃ نتائج الافکار اور شرح العنایۃ) کوئٹہ ' مکتبہ رشیدیہ 5 / 417 ' 418

(280) المرغینانی ' الهدایۃ 2 / 637 ' جماعت من العلماء ' فتاویٰ عالمگیری ' مکتبہ ' اور کتب خانہ ' 2 / 955

(281) ابن نجیم ' زین الدین ' البحر الرائق شرح کنز الدقائق ' بیروت ' دار المعرفۃ الطبعۃ الثانیۃ ' 5 / 717

علی فکری ' السید ' المعاملات المادیۃ الادبیۃ ' مصر ' مطبعۃ مصطفی البابی الحلبی الطبعۃ الاولیٰ 1357ھ / 1938ء / ص 299 ' 300

علاءالدین الحنفی ' الدر المختار ' 2 / 298

(282) فتاویٰ عالمگیری ' 2 / 997 ' ابوزھرہ ' محمد بن احمد ' محاضرات فی الوقف دارالفکر العربی / 178

(283) ایضاً ' 2 / 355 ' 359

(284) السرخسی ' المبسوط ' 12 / 41

(285) ابن ہمام ' فتح القدیر 5 / 428

(286) ابن حجر ' فتح الباری ' 5 / 403

(287) تنزیل الرحمٰن ' ڈاکٹر ' مجموعہ قوانین اسلام ' اسلام آباد ' ادارہ تحقیقات اسلامی ' طبع دوم 1985ء 3 / 1083 ' 1084

(288) المرغینانی' الهدایة 2/ 637

(289) السرخسی' المبسوط 12/ 34

(290) فتاوی عالمگیری' 2/ ۔ : 960

(291) المرغینانی' الهدایة 2/ 622

(292) ایضاً' / 618

(293) السرخسی' المبسوط 12/ 36' 37

(294) ایضاً' 12/ 42

(295) ایضاً' 12/ 41

(296) الخراج/ 48' 49

الطبری' تاریخ الرسل والملوک 4/ 46

ابن خلدون' مقدمہ/ 243' 244

ابن خلدون نے لکھا ہے کہ جب حضرت ابو ہریرہؓ (عبدالرحمن بن صخر الدوسی) (م 59ھ / 679ء) بہت سا مال لے کر بحرین سے آئے اور اس کے تقسیم کرنے میں دشواری پیش آئی اور لوگوں نے مال کا اندراج کا اور عطیات و حقوق کو ضبط کرنا چاہا تو حضرت خالد بن ولیدؓ نے محکمہ دیوان قائم کرنے کا مشورہ دیا اور فرمایا کہ میں نے شام کی حکومتوں میں دیوانی محکمے دیکھے ہیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے آپ کی رائے کے مطابق یہ محکمہ قائم فرمادیا۔ اور یہ بھی مروی ہے کہ جب عمر بن نے دیکھا کہ حضرت عمرؓ بغیر دیوان کے نوج بھیج رہے ہیں تو پوچھا کہ اگر کوئی جوان حاضر نہ ہو تو کیسے معلوم ہو۔ ظاہر ہے کہ نہ حاضر ہونے والا اپنی جگہ خالی چھوڑ کر گزبڑ کا باعث بنے گا۔ اس لئے فوجیوں کا اندراج رجسٹر میں ضرور ہونا چاہیے۔ اس طرح یہ محکمہ قائم ہو گیا۔ دیکھئے

ابن خلدون' مقدمہ/ 244

احمد شلبی' الدکتور' الاقتصاد فی الفکر الاسلامی' القاهرة' مکتبة النهضة المصریة الطبعة السادسة 1987ء/ 165

الرفاعی' انور' النظم الاسلامیة دار الفکر/ 169

(297) الجہشیاری' کتب الوزراء/ 38

(298) ابن الاثیر' الکامل فی التاریخ 4/ 163' 164

(299) الطبری' تاریخ الرسل والملوک 8/ 71' 72

(300) الخطیب' تاریخ 14/ 9' 10' 11

(301) الخراج/ 39

امام ابو یوسف کا یہ معاشی فکر قرآن کریم کی اس آیت سے ماخوذ ہے۔

وَمَن كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَن كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ (النساء=6)

"اور جو شخص خوشحال ہو وہ اپنے آپ کو بالکل روکے رکھے۔ البتہ جو شخص نادار ہو وہ مناسب مقدار میں کھا سکتا ہے۔"

(302) الخراج/ 39

(303) ایضاً/ 50

(304) ایضاً/ 202

(305) ایضاً/ 201

(306) ایضاً/ 202

(307) ایضاً/ 202، 203

(308) یہاں ڈاک سے مراد آج کل کی پوسٹل سروس (Postal Service) نہیں بلکہ اس وقت کا سرکاری محکمہ خبر رسانی ہے جو سیاسی امور کے بارے میں حکام کو باخبر رکھتا تھا۔

(309) الخراج/ 201

(310) ایضاً/ 202

(311) السقاف عبدالعزیز الدکتور، مبادی السیاسة المالیة فی الدولة الاسلامیة مجلة الشریعة والقانون جامعة صنعاء کلیة الشریعة والقانون

(312) الخراج، 45، 46

(313) ایضاً/ 46

(314) ایضاً/

(315) ایضاً/ تلخیص 45-50

(316) ایضاً/ 66

(317) الانفال 41

(318) الخراج/ 21

(319) ایضاً/ 22

(320) ایضاً/ 22، 23

(321) الخراج/ 3

(322) ایضاً/ 40

صحیح البخاری میں حضرت عمرؓ کا یہ قول ان الفاظ کے ساتھ نقل ہوا ہے فقال عمر = لان سلمنی اللہ لادعن ارامل اهل العراق لا یحتجن الی رجل بعدی ابدا

البخاری، ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب مناقب عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ 1/ 523

(323) الخراج/ 4

(324) ایضاً / 9

(325) ایضاً / 82

(326) ایضاً / 5

(327) ایضاً / 18

(328) ایضاً / 136

(329) ایضاً / 155'156

(330) ایضاً / 5

(331) ایضاً / 13

(332) ایضاً / 3

(333) ایضاً / 4

(334) ایضاً / 6

(335) ایضاً / 6

(336) ایضاً / 6

(337) ایضاً / 120'121

(338) یوسف' ابراہیم یوسف الدکتور' المنہج الاسلامی فی التنمیة الاقتصادیة مطابع الاتحاد الدولی للبنوک الاسلامیة 1401ھ / 195

(339) الخراج / 121

(340) ایضاً / 71

(341) ایضاً / 120

(342) ایضاً / 66

(343) ایضاً / 63

(344) ایضاً / 65

(345) ایضاً / 68

(346) ایضاً / 68

امام بخاری نے یہ روایت ان الفاظ میں نقل کی ہے۔

عن عائشة رضی اللہ عنہا قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من ظلم قید شبر من الارض طوقه من سبع ارضین البخاری' ابوعبداللہ محمد بن اسمعیل' صحیح البخاری' ابواب المظالم والقصاص' باب اثم من ظلم شیئا من الارض 1/ 332

(347) الخراج / 69

(348) ایضاً / 119

(349) ایضاً / 125، 126

(350) ایضاً / 126

(351) ایضاً / 126

(352) ایضاً / 126، 127

(353) ایضاً / 87

(354) ایضاً / 87، 88

(355) ایضاً / 69

(356) ایضاً / 101

(357) ایضاً

(358) ایضاً / 103

(359) ایضاً / 102

(360) ایضاً / 118، 119

(361) ایضاً / 119

(362) ایضاً / 105، 106

(363) نجات اللہ صدیقی، ڈاکٹر "امام ابو یوسف کا معاشی فکر" ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور، شمارہ ستمبر 64ء / 52

(364) نجات اللہ صدیقی، ڈاکٹر "امام ابو یوسف کا معاشی فکر" ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور، شمارہ ستمبر 64ء / 52، 53

(365) الخراج / 102

(366) ایضاً / 106

(367) ایضاً / 100، 101

(368) ایضاً / 102

(369) ایضاً / 102، 103

(370) ایضاً / 119

(371) ایضاً / 119، 120

(372) ایضاً / 201

(373) ایضاً / 66

(374) ایضاً / 71

(375) ایضاً/ 96

(376) ایضاً/ 8281

(377) ایضاً/ 95

(378) ایضاً/ 3

(379) ایضاً/ 4

(380) ایضاً/ 117

(381) الخراج/ 3

(382) الیعقوبی' احمد بن ابی یعقوب بن جعفر بن وهب' تاریخ الیعقوبی' بیروت' دار صادر للطباعة والنشر 1379ھ/ 2/ 393

(383) المومنون-72

(384) ابن منظور' لسان العرب 2/ 252

(385) الزمخشری' محمود بن عمر' الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل و عیون الاقاویل فی وجوه التاویل' (تصحیح - مصطفی حسین احمد) القاهرة - مطبعة الاستقامة' 1365ھ 3/ 196

(386) Cl. cahen. kharadj The Encyclopaedia of Islam. (New edition)
Leiden .E.J. Brill, 1978 - IV /1030.

(387) Shemesh, A.Ben. "Taxation in Islam. (Revised second edition)
Leiden, E.J.Brill 1967 1/6.

(388) سعدی' ابوحبیب' القاموس الفقهی لغة و اصطلاحاً' دمشق - دارالفکر -/ 114

(389) قلعه جی' محمد رواس قنیبی حامد صادق' معجم لغة الفقهاء (عربی انکلیزی) کراتشی' ادارة القرآن والعلوم الاسلامیة/ 194

(390) ابن قدامه / المغنی 2/ 579' 580

(391) ابن الہمام' فتح القدیر' 5/ 287' 288

(392) ویحیی' الخراج' (طبع بولاق' 1302ھ) 11-235
یحیی ابن آدم القرشی' کتاب الخراج صححه و شرحه و وضع فهارسه - ابو الاشبال احمد محمد شاکر لاهور المکتبة العلمیة' الطبعة الاولی 1395ھ/ 1-199

(393) الموسوعة الفقهیة 19/ 52

(394) الخراج/ 30

(395) الریس' الدکتور محمد ضیاء الدین' الخراج والنظم المالیة للدولة الاسلامیة' قاهرة' دار الانصار' الطبعة الرابعة 1977/ 403
احمد شلبی' الدکتور' الاقتصاد فی الفکر الاسلامی' القاهرة - مکتبة النهضة المصریة' / 177

(396) المرسی' محمود الدکتور' دراسة تحلیلیة للنظام المحاسبی فی الدواوین فی عصر

الحلافظلعباسیۃبمصر 659ھ-923ھ- مجلۃ جامعۃ ام القری (جامعۃ ام القری / مکۃ المکرمۃ) العدد الثانی' العام 1409ھ / 264

محمد عثمان شبیر' احکام الخراج فی الفقہ الاسلامی' الکویت' در الارقم' الطبعۃ الاولی 1406ھ / 1986ء / 21

(397) الخراج / خلاصہ صفحات 23 تا 29

(398) الحشر' 6 تا 10

(399) الخراج / 25

(400) جو چیز گہرے سبز رنگ کی ہوتی ہے اس کو عرب عموماً "سواد" یعنی سیاہی مائل کہا کرتے ہیں۔

(401) الخراج / 25-26

ابن الجوزی' ابو الفرج عبد الرحمن بن علی' تاریخ عمر بن الخطاب (تعلیق۔ اسامہ عبد الکریم الرفاعی) دمشق - دار احیاء علوم الدین 112' 113

(402) ان میں حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ حضرت زبیر بن العوامؓ اور حضرت بلالؓ پیش پیش تھے۔

(403) تمام صحابہ کرام کے ناموں کا ذکر نہیں ہے۔ صرف بعض جلیل القدر صحابہ' حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ حضرت طلحہؓ وغیرہ کا ذکر ہے۔ ایک روایت میں ہے فاستشار المهاجرين الاولين' (آپ نے مہاجرین اولین سے مشورہ کیا) الخراج / 27۔ اور بعض روایتوں میں ہے کہ فارسل الی عشرۃ من الانصار ' خمسۃ من الاوس و خمسۃ من الخزرج من کبرائهم و اشرافهم الخراج / 27 (ترجمہ "پھر آپ نے انصار میں سے دس افراد کو بلا بھیجا۔ اوس اور خزرج (دونوں قبائل) کے اکابر و اشراف میں سے پانچ پانچ افراد۔"

(404) الخراج' 25' 27

(405) ایضاً / 27

(406) یہ علاقہ اس وقت ایرانیوں کے قبضہ میں تھا اور ان ہی سے مسلمانوں نے لیا تھا۔

(407) الخراج / 27

(408) الحشر' 6

(409) الحشر' 7

(410) الحشر' 10

(411) الخراج / 28' 29

(412) ایضاً / 29

(413) الحشر / 7

(414) الجصاص' احکام القرآن' 3 / 319

(415) الخراج / 27

(416) ایضاً / 29

(417) الرحبی' عبدالعزیز بن محمد' فقہ الملوک و مفتاح الرتاج المرصد علی خزانۃ کتاب الخراج (تحقیق الدکتور احمد عبید الکبیسی) بغداد' احیاء التراث الاسلامی' 1973ء / 1 /

204'203

(418) الزیلعی' تبیین الحقائق 3 / 273

بدوی' عبداللطیف عوض - النظام المالی الاسلامی المقارن - مصر المجلس الاعلی للشؤن الاسلامیۃ الطبعۃ الاولی 1392ھ / 55

(419) الخراج / 38'39

(420) ابو المعالی الجوینی' امام الحرمین عبدالملک بن عبداللّٰہ' غیاث الامم فی التیاث الظلم (تحقیق و دراسۃ - الدکتور مصطفی حلمی - الدکتور فواد عبدالمنعم احمد) الاسکندریہ' دار الدعوۃ / 209

(421) ابن اثیر' الکامل فی التاریخ' 4 / 104

(422) ابن الاثیر' الکامل فی التاریخ' 4 / 163

الطبری' تاریخ الرسل والملوک 6 / 569

(423) الجہشیاری' کتاب الوزراء / 134

(424) دیکھئے۔ محمد ابو النصر، ابو جعفر منصور، بغداد، شرکۃ التجارۃ والطباعۃ / 84

(425) ابو النصر' عمر' آثار ابن المقفع' بیروت - منشورات دار مکتبۃ الحیاۃ الطبعۃ الاولی 1966ء / خلاصہ صفحات 345 تا 361

(اس کتاب میں رسالۃ فی الصحابۃ مکمل شکل میں موجود ہے)

(426) محمد کرد علی' محمد بن عبدالرزاق' کتاب خطط الشام' دمشق' مطبعۃ الترقی 1346ھ - 5 / 62'63

(427) ابن العمرانی' محمد بن علی' الانباء فی تاریخ الخلفاء' (تحقیق - الدکتور قاسم السامرائی) لائیڈن' 1973ء / 72

(428) الریس' الخراج / 406

الدجیلی' خولہ شاکر' بیت المال نشاتہ و تطورہ من القرن الاول حتی القرن الرابع الہجری' بغداد' مطبعۃ وزارۃ الاوقاف 1396ھ / 48

العزاوی' المحامی عباس' تاریخ الضرائب العراقیۃ (من صدر الاسلام الی آخر العہد العثمانی) بغداد - شرکۃ التجارۃ والطباعۃ' 1958ء / 100

(429) دیکھئے۔ السقاف ۔ عبدالعزیز الدکتور، حدد اسامت فی الخراج، مجلۃ الدعوۃ الاسلامیۃ شوال 1402ھ / 112

(430) دیکھئے۔ ایضاً / 114

(431) دیکھئے۔ ایضاً / 114

(432) ایضاً / 116

(433) الخراج / 51

(434) ایضاً / 52

(435) ایضاً / 52

(436) ایضاً / 53

(437) ایضاً / 53'54

(438) ایضاً / 54

(439) عراق کی سالانہ

(440) الخراج / 92

(441) ایضاً / 93

(442) ایضاً / 91

بدر الدین العینی، ابو محمد محمود بن احمد، عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، بیروت، محمد امین دمج، 16 / 210

(443) الخراج / 92،91

(444) ایضاً / 92

(445) Lokkegaard, Frede, Islamic Taxation in the calssic period"

Lahore, Sind Sagar Academy. P 94.

(446) ابن منظور، لسان العرب، 11 / 544

(447) ایضاً

(448) الطریحی، فخرالدین بن محمد بن علی، مجمع البحرین و مطلع النیرین، (تحقیق، احمد الحسینی) نجف= دار الکتب، 1961ء-5 / 449

الزمخشری، جار اللہ ابو القاسم محمود بن عمر، اساس البلاغۃ (کتاب پر ناشر کا نام اور مقام اشاعت درج نہیں) 1399ھ / 490

(449) الخراج / 114

(450) ایضاً

(451) Ziaul Haque, Landlord and peasant in early Islam.

Islamabad, Islamic research institute, 1984 / 288.

(452) Lokkegaard, Taxation, 94.

(453) Ziaul Haque. Landlord and peasant in early Islam. / 288

(454) الجہشیاری، کتاب الوزراء والکتاب / 61

(455) ایضاً / 254

(456) الکندی، ابو عمر محمد بن یوسف، ولاۃ مصر، (تحقیق = دکتور حسین نصار) بیروت = دار صادر طبع، 1379ھ / 1959ء / 166، 167

المقریزی، تقی الدین احمد بن علی بن عبدالقادر بن محمد، کتاب الخطط المقریزیۃ (المواعظ والاعتبار فی ذکر الخطط والآثار) لبنان، مکتبۃ احیاء العلوم، 1 / 144

(الزرکلی نے بھی اپنی کتاب "الاعلام" میں اس واقعہ کو نقل کیا ہے)

دیکھئے الاعلام 3 / 291

(457) الخراج / 114

(458) امام ابو یوسف نے اس ضمن میں درج ذیل آیات سے استدلال کیا ہے وَإِذَا تَوَلَّىٰ سَعَىٰ فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ○ (البقرة = 205)

"اور جب پیٹھ پھیر جاتا ہے تو اس دوڑ دھوپ میں رہتا ہے کہ زمین پر فساد کرے اور کھیتی اور جانوروں کو تلف کرے حالانکہ اللہ فساد کو (بالکل) پسند نہیں کرتا"

وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا ۔ (الاعراف = 56)

"اور ملک میں اس کی درستی کے بعد فساد نہ کرنا"

(459) الخراج / 114' 115

(460) ایضاً / 115' 116

(461) ایضاً / 116

(462) ایضاً

(463) ایضاً / 114

(464) ایضاً / 115

(465) ایضاً / 116

(466) ایضاً / 116

(467) ایضاً / 116

(468) ایضاً / 115

(469) ایضاً / 116

(470) ایضاً / 116' 117

(471) ایضاً / 117

(472) غفاری، نور محمد ڈاکٹر "اسلام میں جاگیرداری اور زراعت" سہ ماہی منہاج لاہور، اپریل 1990ء / ص 92

(473) الخراج / 118

(474) ایضاً / 117

(475) ایضاً / 118

(476) ایضاً / 118

(477) ایضاً

(478) ایضاً / 117

(479) ایضاً / 117

(480) ایضاً / 117' 118

(481) ایضاً / 87

(482) ایضاً / 145

(483) ایضاً / 87

(484) ایضاً / 162

(485) ایضاً/ 163

(486) ایضاً/ 162

(487) ایضاً

(488) ایضاً/ 161

(489) ایضاً/ 162

(490) ایضاً/ 162، 163

(491) ایضاً/ 163

(492) ایضاً/ 115

(493) ایضاً/ 116

(494) ایضاً/ 123

(495) المجمع الملکی لبحوث الحضارة الاسلامیة التنمیة من منظور الاسلامی، عمان، آل البیت/ 387

(496) الخراج/ 115

(497) ایضاً/ 142، 143

(498) ایضاً/ 133

(499) ایضاً/ 86، 87

(500) روزنامہ جنگ لاہور، 19 مئی 1996ء

(501) دیکھئے۔ معین الدین ندوی، تاریخ اسلام (عہد خلافت راشدہ) ایڈیشن لاہور ناشران قرآن/ 235، 236، 293، 294

(502) الخراج/ 120

(503) ایضاً/ 120

(504) ایضاً/ 120

(505) ایضاً/ 143

(506) ایضاً/ 121

(507) ایضاً/ 128

(508) ایضاً/ 125

(509) ایضاً/ 6

(510) دیکھئے

السامرائی، حسام الدین، دراسات فی الاقتصاد الزراعی للدولة العباسیة۔ مجلة البحث العلمی والتراث الاسلامی، مکہ مکرمہ 1402ھ/ 300

(511) الزیلعی، تبیین الحقائق، 5/ 278

والدآفندی، مجمع الانہر، 2/ 498

الکاسانی، بدائع الصنائع، 6/ 175

المرغینانی، الہدایة، 4/ 424

(512) داماد آفندی' مجمع الانہر' 2/ 498'499

(513) السرخسی' المبسوط' 23/ 2

(514) ابو یوسف' اختلاف ابی حنیفۃ وابن ابی لیلیٰ/ 41

(515) الخراج/ 95'96

(516) داماد آفندی' مجمع الانہر' 2/ 499

(517) الخراج/ 96

(518) الطحاوی' شرح معانی الآثار' (عربی متن مع ترجمہ)' 4/ 128'129

(519) الشیبانی' ابو عبداللہ محمد بن الحسن' کتاب الحجۃ علی اہل المدینۃ (تحقیق و تعلیق مفتی مہدی حسن الشاہجہانپوری) لاہور' دار المعارف النعمانیۃ 4/ 138 تا 141

(520) الخطابی' ابو سلیمان احمد بن محمد' معالم السنن' قاہرہ' مطبعۃ السعادۃ 1357ھ/ 3/ 94

(521) الخطابی' معالم السنن' 3/ 94

(522) الخراج/ 97'98

(523) ایضاً/ 96

(524) ایضاً/ 98

(525) ایضاً

(526) ایضاً

(527) ایضاً/ 98'99

(528) المرغینانی' الہدایۃ 4/ 426

(529) ایضاً= 4/ 430

(530) الکاسانی' بدائع الصنائع' 6/ 181

(531) کتب ظاہر الروایۃ سے مراد امام محمد کی چھ کتب ہیں جن پر فقہ حنفی کا انحصار ہے۔ (1) کتاب الاصل المعروف بالمبسوط (2) الجامع الصغیر (3) الجامع الکبیر (4) السیر الصغیر (5) السیر الکبیر (6) کتاب الزیادات

(532) الکاسانی' بدائع الصنائع' 6/ 179

السرخسی' المبسوط 23/ 20

(533) الکاسانی' بدائع الصنائع 6/ 179

السرخسی' المبسوط 23/ 22

(534) الکاسانی' بدائع الصنائع 6/ 181

(535) ایضاً/ 6

(536) الخراج/ 69

(537) ایضاً/ 71

(538) الکاسانی' بدائع الصنائع 6/ 194

الطحطاوی' احمد بن محمد' حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار' بیروت' دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر 4/ 213

(539) الخراج / 69، 71

(540) ایضاً / 69

(541) الخراج / 110

(542) ایضاً

(543) ایضاً / 71

(544) ایضاً / 69

(545) ایضاً / 70

(546) الطحاوی، شرح معانی الآثار (عربی متن مع ترجمہ) 3 / 395

(547) الخراج / 69، 70

ظفر احمد عثمانی، مولانا، اعلاء السنن، کراچی، طبع باہتمام المولوی محمد بشیر علی التھانوی، سنۃ الطبع 1385ھ 18 / 43

(548) الخراج / 70

(549) ایضاً / 71

(550) ایضاً / 72

(551) دیکھئے

ایضاً / 66، 67

(552) الریس، الخراج / 145

(553) یحیٰی بن آدم، کتاب الخراج (صححہ و شرحہ و وضع فھارسہ ابو الاشبال احمد محمد شاکر) لاہور، المکتبۃ العلمیۃ الطبعۃ الاولی 1395ھ / 84

(554) البلاذری، احمد بن یحیٰی بن جابر، فتوح البلدان (نشرہ و وضع ملاحقہ و فھارسہ الدکتور صلاح الدین المنجد) قاہرہ، مکتبۃ النہضۃ المصریۃ 1 / 26

(555) الماوردی، ابو الحسن علی بن محمد حبیب البصری، الاحکام السلطانیۃ والولایات الدینیۃ مصر، دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع 1404ھ باب نمبر 16، ص 164 تا 171

(556) الخراج / 66، 67

(557) ایضاً / 69

(558) المصری، احمد الدکتور، السیاسۃ الاقتصادیۃ والنظم المالیۃ فی الفقہ الاسلامی مصر مکتبۃ الکلیات الازہریہ، / 215

الخراج / 66

(559) الخراج / 66

(560) ایضاً / 63

(561) ایضاً / 71

(562) ایضاً / 66

(563) ایضاً / 67

(564) ایضاً" / 68

(565) ایضاً" / 66

(566) ایضاً" / 66

(567) ایضاً" / 66

(568) ایضاً" / 63

(569) ایضاً" / 101

(570) ایضاً" / 65

(571) ایضاً" / 65

(572) ایضاً" / 66

(573) ایضاً" / 53

(574) ایضاً" / 65

(575) ایضاً" / 63

(576) ایضاً" / 65

(577) الزیلعی' تبیین الحقائق' 4 / 2

(578) المرغینانی' الہدایۃ' 3 / 18

(579) علی الحفیف' مختصر احکام المعاملات الشرعیۃ' قاہرہ' مطبعۃ السنۃ المحمدیۃ الطبعۃ الرابعۃ' 1371ھ / 141

(580) ایضاً" / 142

(581) السرخسی' المبسوط' 13 / 15

(582) المرغینانی' الہدایۃ' 3 / 29

(583) الکوثری' محمد زاہد بن الحسن' النکت الطریفۃ فی التحدث عن ردود ابن ابی شیبۃ علی ابی حنیفۃ' القاہرۃ' مطبعۃ الانوار' الطبعۃ الاولی 1365ھ / 160
الشیبانی' کتاب المخارج فی الحیل / 39

(584) المرغینانی' الہدایۃ' 3 / 30' 31

(585) ایضاً" 35

(586) ابن رشد' بدایۃ المجتہد' 2 / 158

(587) ابن الہمام' فتح القدیر' 5 / 506

(588) السرخسی' المبسوط' 13 / 44

(589) حدیث کے الفاظ یہ ہیں من اشتری غنما مصراۃ فاحتلبھا فان رضیھا امسکھا و ان سخطھا ففی حلبتھا صاع من تمر (ترجمہ جس نے مصراۃ بکری خریدی اور اس کا دودھ دوہ لیا۔ پھر اگر وہ راضی ہو تو اسے رکھ لے اور اگر راضی نہ ہو تو دودھ دوہنے کے بدلے کھجور کا ایک صاع دے دے)
البخاری' ابو عبداللہ محمد بن اسمعیل' صحیح البخاری' کتاب البیوع' باب ان شاء رد

المصرة وفی حلبتها صاع من تمر 3/ 26

(590) الزرقاء مصطفیٰ احمد' الفقه الاسلامی فی ثوبه الجدید' دمشق' مطبعة الحیاة 1383ھ - 1/ 412

ابن دقیق ابو الفتح تقی الدین' احکام الاحکام شرح عمدة الاحکام' بیروت' دار الکتب العلمیة 3 119

(591) المرغینانی' الهدایة' 3/ 32

(592) ایضاً'' 3/ 32

(593) ایضاً'' 3/ 32

(594) ایضاً'' 35

(595) السرخسی' المبسوط' 13/ 76'77

المرغینانی' الهدایة' 3/ 37

(596) السرخسی' المبسوط' 13/ 74

(597) ایضاً'' 13/ 72

خزانة

(598) السمرقندی' ابو نصر محمد بن احمد بن ابراہیم' الفقه و عیون المسائل والنوازل (تحقیق الدکتور صلاح الدین) بغداد' مطبعة اسعد (جامعة بغداد) 1386ھ-2/ 141

قدوری افندی' عبد القادر بن یوسف مجموعة الفتاوی قدوری آفندی المعروف بہ واقعات المفتیین آسیا آباد (کران بلوچستان) دائرة المعارف الاسلامیة -/ 92

(599) الکاسانی' بدائع الصنائع' 5/ 293

(600) المرغینانی' الهدایة' 3/ 38

(601) علی الخفیف' مختصر احکام المعاملات الشرعیة'/ 153

(602) المرغینانی' الهدایة' 3/ 40

(603) السمرقندی' خزانة الفقه' 2/ 152

(604) المرغینانی' الهدایة' 3/ 43

(605) ایضاً''/ 48

(606) المرغینانی' الهدایة' 3/ 48

(607) العینی' ابو محمد بدر الدین محمود بن احمد' البنایة فی شرح الهدایة المشهور عینی شرح هدایة' مکة المکرمة' المکتبة الامدادیة' 3/ 179

(608) ابو زہرہ' ابو حنیفہ' خلاصہ صفحات 373-377

الطبری' ابو جعفر محمد بن جریر' اختلاف الفقهاء' تصحیح و تعلیق الدکتور فرید ریک (البرلیمی) بیروت' دار الکتب العلمیة الطبعة الثانیة/ 72

(609) ابو زہرہ' ابو حنیفہ' خلاصہ صفحات 373-377

(610) المظهری' التفسیر المظهری 1/ 415 (ایڈیشن بلوچستان بک ڈپو)

(611) المرغینانی' الهدایة' 3/ 95

(612) ایضاً

(613) ابوزہرہ، ابو حنیفہ (ترجمہ) ص/63

(614) ایضاً ص/635

(615) الکاسانی، بدائع الصنائع، 5/ 202

(616) السرخسی، المبسوط، 12/ 138

(617) المرغینانی، الہدایہ، 3/ 94

(618) ایضاً

(619) السرخسی، المبسوط، 12/ 141، 142

(620) المرغینانی، الہدایہ، 3/ 92، 93

(621) ایضاً، 3/ 87

(622) السمرقندی، خزانۃ الفقہ، 2/ 158

(623) المرغینانی، الہدایہ، 3/ 99

(624) السرخسی، المبسوط، 12/ 154

(625) ایضاً، 205

(626) ایضاً، 209، 210

(627)

(628) السرخسی، المبسوط، 13/ 90
الکاسانی، بدائع الصنائع، 5/ 224

(629) المرغینانی، الہدایہ، 3/ 71
داماد آفندی، مجمع الانہر، 2/ 76
السرخسی، المبسوط 13/ 86

(630) المرغینانی، الہدایہ، 3/ 72

(631) ابوزہرہ، ابو حنیفہ

(632) المرغینانی، الہدایہ، 3/ 88

(633) ایضاً

(634) ایضاً، 3/ 90، 91

(635) ایضاً، 3/ 91

(636) التہانوی، محمد اعلیٰ بن علی، کشاف اصطلاحات الفنون، کلکتہ 1278، 4/ 1211
المرغینانی، الہدایہ، 3

(637) الکاسانی، بدائع الصنائع، 5/ 306

(638) ایضاً

السنہوری، عبدالرزاق، مصادر الحق فی الفقہ الاسلامی، بیروت دار احیاء التراث العربی جلد 2 الجزء السادس، ص 249

(639) المرغینانی'الھدایۃ'3/ 70'69

(640) الکاسانی'بدائع الصنائع'5/ 306

المرغینانی'الھدایۃ'3/ 70'69

(641) الکاسانی'بدائع الصنائع'5/ 307

(642) المرغینانی'الھدایۃ'3/ 83'82

(643) ایضاً'/ 85

(644) ایضاً'/ 83

(645) ایضاً'/ 84

(646) ایضاً'/ 54

(647) ایضاً'3/ 54

(648) ایضاً'3/ 54

(649) ایضاً'/ 54

(650) الکاسانی'بدائع الصنائع5/ 148

(651) السرخسی'المبسوط'12/ 195

(652) الخراج/ 216

(653) ایضاً

(654) ایضاً'/ 216

(655) الکاسانی'بدائع الصنائع5/ 161

(656) السمرقندی'تحفۃالفقہ2/ 132

(657) النسفی' عمر بن محمد بن احمد بن اسماعیل' الخلافیات' بغداد' مکتبۃ الاوقاف الطبعۃ الاولی1083م/ 315

(658) المرغینانی'الھدایۃ'3/ 74

(659) الکاسانی'بدائع الصنائع5/ 250

(660) المرغینانی'الھدایۃ'3/ 22

(661) الکاسانی'بدائع الصنائع6/ 27

(662) ایضاً

(663) ایضاً'6/ 30

(664) ایضاً'6/ 31

(665) ایضاً'6/ 31

(666) المرغینانی'الھدایۃ'3/ 33

(667) بیع بالتعاطی سے مراد ہے زبان سے ایجاب و قبول کے کلمات ادا کئے بغیر بائع (seller) کا مشتری (purchaser) کو مبیع (thing sold) پکڑانا اور مشتری کا بائع کو ثمن (price) دینا۔ یہ ایک خاموش لین دین کا معاملہ ہے۔ خرید و فروخت کا ایک

معاملہ یوں بھی طے پاتا ہے کہ ایک شخص بازار سے گزر رہا ہوتا ہے۔ دکاندار آواز لگاتا ہے کہ "ہر مال دو دو روپیہ" وہ سامان پر نظر ڈالتا ہے، کوئی چیز پسند کر کے سامان والے کے ہاتھ پر دو روپے رکھتا ہے اور پسندیدہ چیز اٹھا کر آگے بڑھ جاتا ہے۔

یا ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص ڈیپارٹمنٹل سٹور (Departmental Store) میں داخل ہوتا ہے۔ ضرورت کی اشیاء اکٹھی کر کے کاؤنٹر پر بیٹھے ہوئے شخص کے سامنے رکھ دیتا ہے۔ وہ بل بنا کر دیتا ہے۔ خریدار بل کی ادائیگی کر کے سامان وصول کر لیتا ہے۔

یعنی ان دونوں مواقع میں کوئی لفظ زبان سے ادا کئے بغیر خریداری کا عمل پورا ہو گیا۔

(668) ابن عابدین، حاشیہ رد المحتار 6/6

جماعۃ من علماء الہند، فتاویٰ عالمگیری، (لکھنؤ، منشی نول کشور) کتاب الاجارۃ، 3/ 747

(669) الزیلعی، نصب الرایۃ 4/ 16، 17

(670) الغزنوی، ابو حفص سراج الدین عمر بن اسحاق، الغرۃ المنیفۃ فی ترجیح مذہب الامام ابی حنیفۃ مخطوطہ، کراچی، کتب خانہ ہمدرد، دو خانہ نمبر 1188/ 214

(671) الکاسانی، بدائع الصنائع 5/ 143

(672) ایضاً، 5/ 180، 181

(673) ابن عابدین، حاشیہ رد المحتار 5/ 255 (ایڈیشن، بیروت، دار احیاء التراث العربی)

(674) الشرباصی، احمد الدکتور، المعجم الاقتصادی الاسلامی، بیروت، دار الجیل، / 19

(675) الترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ، جامع الترمذی، ابواب البیوع، باب ما جاء فی الاحتکار، 1/ 239

(676) ایضاً

(677) المرغینانی، الہدایۃ، کتاب الکراہیۃ، 4/ 468 (ایڈیشن، کراچی، نور محمد کارخانہ اسلامی کتب)

داود العبادی، عبدالسلام الدکتور، الملکیۃ فی الشریعۃ الاسلامیۃ طبیعتھا و وظیفتھا و قیودھا دراسۃ مقارنۃ بالقوانین والنظم الوضعیۃ، عمان، مکتبۃ الاقصیٰ، الطبعۃ الاولیٰ 1977ء، 2/ 49

(678) الکاسانی، بدائع الصنائع 5/ 129

(679) المزمل/ 20

(680) داماد آفندی، مجمع الانہر، 2/ 321

الزیلعی، تبیین الحقائق 5/ 52

(681) الکاسانی، بدائع الصنائع 6/ 80

(682) ایضاً، 6/ 80

(683) ایضاً

(684) ایضاً، 6/ 83

(685) ایضاً، 6/ 85

(686) ایضاً، 6/ 97

(687) السرخسی، المبسوط، 22/ 29

(688) الکاسانی، بدائع الصنائع، 6/ 86

(689) ایضاً" 6/ 85، 86

(690) السرخسی، المبسوط 22/ 131

الکاسانی، بدائع الصنائع 6/ 82

(691) فتاویٰ عالمگیری، کتاب المضاربت

(692) الکاسانی، بدائع الصنائع 6/ 82

(693) ایضاً" 6/ 83

(694) ایضاً" 6/ 101

(695) ایضاً" 6/ 87، 88

(696) ایضاً" 6/ 88

(697) السرخسی، المبسوط 22/ 39

الطحاوی، احمد بن محمد بن سلامہ، مختصر الطحاوی، (تحقیق ابو الوفا الافغانی) القاہرۃ، 1370ھ/ 125

(698) الکاسانی، بدائع الصنائع 6/ 108

(699) ایضاً" 6/ 110، 111

(700) داماد آفندی، مجمع الانہر 2/ 328

(701) نجات اللہ صدیقی، ڈاکٹر، شرکت و مضاربت کے شرعی اصول، لاہور، اسلامک پبلی کیشنز طبع سوم 1981ء/ 19

(702) الکاسانی، بدائع الصنائع 6/ 57

(703) ایضاً" 6/ 61

(704) ایضاً" 6/ 62

(705) ایضاً" 6/ 63

(706) المرغینانی، الہدایۃ، کتاب الاجارات 2/ 291 (ایڈیشن کراچی، محمد علی کارخانہ اسلامی کتب)

(707) الجزیری، عبد الرحمٰن بن محمد، کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ، بیروت، دار الفکر، 1969ء 3/ 94

(708) القصص/ 26

(709) ابن ماجہ، ابو عبد اللہ محمد بن یزید، سنن (تحقیق و تعلیق محمد فواد عبد الباقی) باب الرھون، باب اجر الاجراء، دار احیاء التراث العربی 2/ 817

(710) الکاسانی، بدائع الصنائع 4/ 222

(711) ایضاً" 4/ 202

(712) ایضاً" 4/ 221

(713) اجیر مشترک اس مزدور کو کہتے ہیں جو اپنا ایک مستقل فنی کاروبار کرتا ہے اور ہر شخص اس کام کے سلسلے میں اس سے خدمت لیتا ہے۔ مثلاً کپڑا بننے یا کپڑا سینے وغیرہ کا کام لینا۔ اور اجیر خاص سے مراد وہ مزدور ہے جو اپنی خدمات کسی ایک شخص کے لئے بعوض وقف کر دے، مثلاً گھر کا ملازم، بیرہ اور باورچی۔

(714) الکاسانی، بدائع الصنائع 4/ 210

(715) السمرقندی، ابو بکر علاء الدین محمد بن احمد، تحفۃ الفقہاء، (تحقیق و تعلیق الدکتور محمد زکی عبد البر) قطر، ادارۃ احیاء التراث

الاسلامی 2/ 523

الجوہری، محمد بن الحسن، نوادر الفقہاء (تحقیق: الدکتور محمد فضل عبدالعزیز المراد) دمشق، دار القلم للطباعة والنشر والتوزیع، الطبعة الاولی 1414ھ/ 256

الطرابلسی، ابوالحسن علاء الدین علی بن خلیل، معین الحکام فیما یتردد بین الخصمین من الاحکام، القاہرۃ، المطبعة المیمنیة 1310ھ/ 200

الکاسانی، بدائع الصنائع 4/ 210

(716) قاضی نظام الدین، شہاب الدین احمد بن محمد، فتاویٰ ابراہیم شاہی (عربی مخطوطہ) نمبر 98، 11، 1897 پنجاب یونیورسٹی لائبریری، 2/ ورق 170 الف

(717) الکاسانی، بدائع الصنائع 4/ 210، 211

(718) ایضاً 4/ 212

السرخسی، المبسوط 16/ 14

(719) المرغینانی، الهدایة، کتاب الکراهیة 2/ 471 (ایڈیشن کراچی، محمد علی کارخانہ اسلامی کتب)

(720) ایضاً

(721) الکاسانی، بدائع الصنائع 4/ 190

(722) المائدۃ 2

(723) ابوداؤد، سلیمان بن الاشعث السجستانی، سنن ابی داؤد (و معه کتاب معالم السنن للخطابی) اعداد و تعلیق عزت عبید الدعاس، عادل السید، کتاب الاشربة باب العصیر للخمر، بیروت، دار الحدیث للطباعة والنشر 4/ 92

(724) الکاسانی، بدائع الصنائع 4/ 205

(725) المرغینانی، الهدایة، کتاب الاجارات

(726) الکاسانی، بدائع الصنائع 4/ 210

(727) ایضاً 4/ 186

(728) ایضاً 4/ 190

السرخسی، المبسوط 16/ 4

(729) الکاسانی، بدائع الصنائع 4/ 203

(730) ایضاً 4/ 202

(731) ایضاً 4/ 201

(732) ایضاً 4/ 191

(733) ایضاً 4/ 178

السمرقندی، تحفة الفقهاء 2/ 234

(734) الخراج/ 3

(735) یہ "جالیہ" کی جمع ہے۔ اجلاء اس کے معنی گروہ کے ہیں۔ جن ذمیوں کو حضرت عمرؓ نے جزیرۃ العرب سے جلاوطن کر دیا تھا

اس کو اسی مناسبت سے جلیہ کہا جانے لگا۔ پھر یہ لفظ اس جزیہ کے لئے بولا جانے لگا جو ان سے وصول کیا جاتا تھا۔ رفتہ رفتہ ہر طرح کے جزیہ کو یہی نام دے دیا گیا۔ خواہ جزیہ دینے والا کبھی بھی جلاوطن نہ کیا گیا ہو۔ (ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی ' اسلام کا نظام محاصل) 100

(736) الجزیری ' کتاب الفقہ علی المذاهب الاربعۃ 4 / 553

ابن نجیم ' البحر الرائق 4 / 188 (ایڈیشن کوئٹہ ' المکتبۃ الماجدیۃ)

(737) البقرۃ = 2:193

(738) العلق = 7

(739) الکاسانی ' بدائع الصنائع 4 / 19

(740) البوبکانی ' المثانۃ / 447

(741) الکاسانی ' بدائع الصنائع 4 / 19

(742) المرغینانی ' الهدایۃ 2 / 418

(743) السرخسی ' المبسوط 5 / 186

(744) الکاسانی ' بدائع الصنائع 4 / 20

(745) البوبکانی ' المثانۃ / 447 ' 448

(746) الکاسانی ' بدائع الصنائع 4 / 24

ابن عابدین ' حاشیۃ رد المحتار 3 / 589 ' 590

(747) ابن ابی الدم الحموی ' شہاب الدین ابو اسحاق ابراهیم بن عبداللہ کتاب ادب القضاء و هو الدرر المنظومات فی الاقضیۃ والحکومات (تحقیق الدکتور محمد مصطفی الرحیلی) دمشق دار الفکر ' الطبعۃ الثانیۃ 1402ھ / 586

(748) الکاسانی ' بدائع الصنائع 4 / 27

(749) ایضاً 4 / 28

البوبکانی المثانۃ / 452

ابن عابدین ' حاشیۃ رد المحتار علی الدر المختار 3 / 582

(750) البوبکانی ' المثانۃ / 452

ابن عابدین ' حاشیۃ رد المحتار 3 / 582

(751) الکاسانی ' بدائع الصنائع 4 / 27

(752) ایضاً 4 / 29

(753) ابن نجیم ' البحر الرائق 2 / 177

(754) الکاسانی ' بدائع الصنائع 4 / 36

(755) ایضاً 4 / 35

(756) الزیلعی ' تبیین الحقائق 5 / 190

الراغب الاصفهانی ' الحسین بن محمد ' المفردات فی غریب القرآن ' کراتشی نور محمد ' اصح المطابع ' / 108 ' 109

(757) ابن قدامة' المغنی 4/ 508

(758) الرملی' شمس الدین محمد بن احمد' نہایۃ المحتاج الی شرح المنهاج فی الفقه علی مذهب الامام الشافعی' دار الفکر للطباعة والنشر والتوزیع 4/ 353

(759) الکاسانی' بدائع الصنائع 7/ 169

(760) فخر الدین عثمان بن علی' الزیلعی (م 743ھ / 1342ء) نے سفیہ کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔
"السفیه من عادته التبذیر والاسراف فی النفقة وان یتصرف تصرفا لا لغرض او لعرض لا یعده العقلاء من اهل الدیانة غرضا" (تبیین الحقائق 5/ 192)
"سفیہ وہ ہے جس کی عادت تبذیر اور اخراجات میں اسراف ہو اور جو بغیر مقصد تصرف کرے یا اس کے تصرف کا مقصد ایسا ہو جسے دین دار عقلاء مقصد شمار نہ کریں۔"

(761) الکاسانی' بدائع الصنائع 7/ 169
شلتوت' محمود محمد السایس محمد علی' مقارنة المذاهب فی الفقه مصر' مطبعة محمد علی' طبع 1373ھ / 1953ء / 146

(762) المرغینانی' الهدایة 3/ 354

(763) ایضاً" 3/ 358' 359

(764) الکاسانی' بدائع الصنائع 7/ 169

(765) الجصاص' احکام القرآن 2/ 216

(766) السرخسی' المبسوط' 24/ 163

(767) ایضاً" 24/ 175

(768) الخراج/ 52

(769) نجات اللہ صدیقی' ڈاکٹر "امام ابو یوسف کا معاشی فکر" ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور' شمارہ ستمبر 1964ء/ 46' 47

(770) الـ[illegible]کافی حامد میرزا العرعانی' الفتح الرحمانی فی فتاوی [illegible] فی المعانی [illegible] القاهرة مطبعة دار الجهاد الطبعة الثانیة 1306ھ 2/ 100
[illegible] کمال حماد' الدکتور [illegible] العقود و اثره علی الدیون فی الفقه الاسلامی مجلة البحث العلمی والتراث الاسلامی (طبع باشراف دار مکة) العدد الثالث 1400ھ [illegible]

(771) الخراج/ 204

(772) ایضاً"/ 105

(773) الزیلعی' تبیین الحقائق 5/ 219

(774) لجنة مولفه من العلماء المحققین مجلة الاحکام العدلیة کراتشی قدیمی کتب خانه مادة/ 950

(775) الکاسانی' بدائع الصنائع 5/ 5

(776) ایضاً"

(777) ایضاً" 5/

(778) ایضاً 9/5

(779) ایضاً 5/ 9

(780) ایضاً 10/5

(781) ایضاً

(782) ایضاً

(783) ایضاً

(784) ایضاً

(785) فتاویٰ عالمگیری

(786) الکاسانی' بدائع الصنائع 5/ 23

(787) ایضاً 5/ 35

(788) الدر 38

(789) الزیلعی' تبیین الحقائق 62/6

(790) البقرۃ=283

(791) الکاسانی' بدائع الصنائع 6/ 118

(792) الجصاص' احکام القرآن 1/ 531

(793) ایضاً 1/ 533

(794) مریم=5

(795) الشوریٰ=49

(796) الزیلعی' تبیین الحقائق 5/ 91

(797) الکاسانی' بدائع الصنائع 6/ 118

(798) ایضاً 6/ 121

(799) ایضاً 6/ 123

(800) ایضاً 6/ 127

(801) قاضی نظام الدین' شہاب الدین احمد بن محمد' فتاویٰ ابراہیم شاہی حصہ دوم' مخطوطہ' پنجاب یونیورسٹی لائبریری نمبر 1198
1857' ورق / ب 150

(802) ابن حجر' فتح الباری 5/ ص 214 (ایڈیشن بیروت دار المعرفۃ
العینی' عمدۃ القاری ج 13/ 146 (ایڈیشن دار الفکر)

(803) الکاسانی' بدائع الصنائع 5/ 192

(804) ایضاً

(805) الکرمانی' محمد بن یوسف' الکواکب الدراری فی شرح صحیح البخاری' القاہرۃ
موسسۃ المطبوعات الاسلامیۃ 5 / 37

رمضان علی السید' الدکتور' التعزیر بالمال فی الشریعۃ الاسلامیۃ (العقوبۃ بالمال) مجلۃ

الشریعۃ والقانون العدد الاول 1978ء جامعۃ صنعاء کلیۃ الشریعۃ والقانون / 98

(806) ابن عابدین، حاشیۃ رد المحتار 4 / 61

(807) ابن نجیم، البحر الرائق 3 / 44

ابن عابدین، حاشیۃ رد المحتار 4 / 61

(808) الکاسانی، بدائع الصنائع 7 / 394

(809) ایضاً، 7 / 395

(810) ایضاً

(811) ایضاً، 7 / 396

(812) الاتاسی، محمد خالد، شرح المجلۃ، کوئٹہ، مکتبۃ اسلامیۃ 2 / 437

(813) الناگوری، ابوالفتح رکن بن حسام، فتاوی حمادیہ (ایک فقہی مخطوطہ) پنجاب یونیورسٹی لائبریری، شیرانی کلیکشن نمبر 3000 ورق 211 /

(814) تنزیل الرحمٰن، ڈاکٹر، مجموعہ قوانین اسلام، اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی، طبع دوم 1985ء، 5 / 1569

(815) السجاوندی، سراج الدین محمد بن عبدالرشید، السراجی فی المیراث (مع حاشیہ دلیل الوارث) ملتان، مکتبہ شرکت علمیہ / 52

بدران، ابو العینین بدران، احکام الترکات والمواریث فی الشریعۃ الاسلامیۃ والقانون مصر، دار المعارف، الطبعۃ الاولی 1964ء / 290

[illegible] احکام المواریث فی الشریعۃ الاسلامیۃ، مصر، دار المعارف، الطبعۃ الثانیۃ [illegible] / 197

(816) السجاوندی، السراجی، / 49

(817) ابو زہرہ، محمد بن احمد، احکام الترکات والمواریث، دار الفکر العربی، / 228، 229

[illegible] المفتی، [illegible] محمد [illegible] علم الفرائض المواریث فی الشریعۃ الاسلامیۃ والقانون [illegible] (الکتب؟ باشراہم آرٹ پریس) طبع 1401ء / 340، 341

[illegible] السراجی / 40

(818) [illegible] السراجی / 39

(819) الزیلعی، تبیین الحقائق 6 / 182

(820) الکاسانی، بدائع الصنائع 7 / [illegible]

(821) ایضاً

(822) ایضاً، 7 / [illegible]

(823) السمرقندی، تحفۃ الفقہاء 3 / 73

(824) الکاسانی، بدائع الصنائع 7 / 344

(825) ایضاً، 7 / 350

(826) ایضاً

(827) ایضاً، 7 / 380

(828) ایضاً، 7/333

(829) السرخسی، المبسوط، 28/41، 42

(830) ایضاً، 28/35، 36

(831) الکاسانی، بدائع الصنائع، 7/374

(832) ایضاً

(833) السرمدی، حسن بن محمد، علی لفظ المیراث القاتل، ایڈیشن الریاض، مکتب التربیۃ العربی، 2/215

(834) الکاسانی، بدائع الصنائع، 7/340

(835) ایضاً

(836) الخراج/ 105

(837) الدرینی، فتحی الدکتور، نظریۃ التعسف فی استعمال الحق، بیروت، موسسۃ الرسالۃ، الطبعۃ الثالثۃ 1401ھ/ 245

(838) الخراج/ 107

باب چہارم

امام ابو یوسف کے معاشی افکار و نظریات کا تنقیدی جائزہ

فصول

فصل اوّل — کتاب الخراج پر ایک تحقیقی نظر

فصل دوم — مالیات عامہ

فصل سوم — خراج اور جزیہ سے متعلق ابو یوسف کے معاشی فکر پر مستشرقین کی تنقید اور اس کا تحقیقی جائزہ

فصل چہارم — اسلامی ریاست کی معاشی ذمّہ داریاں

فصل پنجم — معاشی اصلاحات کی افادیت

فصل ششم — مسائل زمین

فصل ہفتم — متفرق معاشی افکار

فصل اوّل

کتاب الخراج پر ایک تحقیقی نظر

امام ابو یوسف کو دیگر مسلم ماہرین معاشیات پر اس لحاظ سے فوقیت حاصل ہے کہ آپ نے ایک اسلامی حکمران کی راہنمائی کے لئے عام فقہی آراء سے الگ' خالص اقتصادی فکر (Economic Thinking) پر مبنی کتاب پیش کی۔ اس کتاب کے مطالعہ سے ہارون الرشید (170 193ھ / 786-809ء) کے عہد کے معاشی حالات سے بھی آگاہی ہوتی ہے۔

کتاب الخراج کا موضوع وہ معاملات ہیں جو حکومت اور علما کے مابین رونما ہوتے ہیں اور جن کا تعلق اس بات سے ہے کہ مملکت کا نظام چلاتے وقت حکومت کی پالیسی کس طرح کی ہونی چاہیے۔ مثلاً بندوبست اراضی' نظام آبپاشی' نظام محصولات' قوانین جرائم' غیر مسلموں کے ساتھ رویہ وغیرہ۔

کتاب الخراج کی ابتداء ایک طویل مقدمہ سے ہوئی ہے۔ جس میں امام ابو یوسف نے نہایت مخلصانہ اور اثر انگیز انداز میں خلیفہ کو رعیت پروری کی ہدایت کی ہے۔

یہ کتاب متوسط تقطیع کے 235 صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تقریباً 158 ارشادات اور صحابہ و تابعین کے 336 اقوال بیان ہوئے ہیں۔ ان روایات میں اکثر تو مختصر ہیں لیکن ایک خاص تعداد ایسی روایتوں کی بھی ہے جو کئی کئی صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں۔ یہ روایات خلفائے اربعہ اور پہلی دوسری صدی ہجری کے صحابہ کرام اور تابعین کی بہترین فقہی و قانونی آراء پر مشتمل ہیں اور قرن اول و ثانی کی اسلامی دنیا کے بارے میں اہم معلومات فراہم کرتی ہیں۔

امام ابو یوسف کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے دربار خلافت کے سوال کا جواب دیتے ہیں اور پھر اس جواب کی تائید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' صحابہ یا تابعین کے قول یا فعل کو بطور سند پیش کرتے ہیں۔ کتاب الخراج کے مطالعہ کے بعد یہ رائے قائم کی جا سکتی ہے کہ آپ نے احادیث و روایات کے انتخاب میں گہری دینی بصیرت کا ثبوت دیا ہے۔ وہ صرف ایسی احادیث پیش کرتے ہیں جو قرآن اور اسلام کی روح سے ہم آہنگ ہیں۔

آپ نے احکام اراضی اور ٹیکسوں کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تقریباً ساٹھ (60) ارشادات نقل کئے ہیں۔ ان احادیث میں سے پچپن (55) احادیث وہ ہیں جن کی سند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہے۔ اور باقی پانچ وہ ہیں جن میں یہ الفاظ ملتے ہیں "عن بعض اشیاخنا" (1)

امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں جو احادیث نقل کی ہیں ان کو صحاح ستہ کے مولفین اور دیگر اہم محدثین نے اپنی کتب میں تحریر کیا ہے۔ ہم یہاں صرف معاشیات کے موضوع پر چند احادیث کی مثالیں پیش کرتے ہیں۔

(1) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تزول قدما عبد یوم القیامۃ حتی یسأل عن اربع عن علمہ ما عمل فیہ' و عن عمرہ فیم افناہ' و عن مالہ من

این اکتسبہ و فیم انفقہ؟ و عن جسدہ فیم ابلاہ(2)

اس حدیث کو ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی (م 279ھ / 892ء) نے اپنی جامع 'ابواب صفة القیامة' باب ما جاء فی شان الحساب والقصاص میں حضرت ابی برزہ الاسلمی سے روایت کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ "ھذا حدیث حسن صحیح"(3)

(2) و حدثنی سفیان بن عیینة عن ایوب عن الحسن قال - غلا السعر علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال الناس یا رسول الله الا تسعر لنا؟ فقال صلی الله علیه وسلم ان الله هو المسعر' ان الله هو القابض' ان الله هو الباسط' و انی والله ما اعطیکم شیئا و لا امنعکموه' و لکن انما انا خازن اضع هذا الامر حیث امرت' و انی لا رجو ان القی الله و لیس احد یطلبنی' بمظلمة ظلمتها ایاه فی نفس و لا دم و لا مال(4)

اس حدیث کو ابو عبداللہ محمد بن یزید' ابن ماجہ (م 273ھ / 887ء) نے سنن 'کتاب التجارات' باب من کرہ ان یسعر میں حضرت انسؓ بن مالک (م 93ھ / 712ء) کی روایت سے تحریر کیا ہے۔(5)

(3) قال - و حدثنی محمد بن عبدالرحمن بن ابی لیلی عن الحکم بن عتیبة عن مقسم عن عبدالله بن العباس رضی الله عنهما ان رسول الله صلی الله علیه وسلم افتتح خیبر فقال له اهلها = نحن اعلم بعملها منکم فاعطاهم ایاها بالنصف' ثم بعث عبدالله ابن رواحة یقسم بینه و بینهم فاهدوا الیه فرد هدیتهم و قال لم یبعثنی النبی صلی الله علیه وسلم لاکل اموالکم و انما بعثنی لاقسم بینکم و بینه' ثم قال ان شئتم عملت و عالجت و کلت لکم النصف و ان شئتم عملتم و عالجتم و کلتم النصف فقالوا - بهذا قامت السموات والارض(6)

اس حدیث کو ابن ماجہ نے سنن 'کتاب الزکوٰۃ' باب خرص النخل والعنب' میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ (م 68ھ / 687ء) کی روایت سے تحریر کیا ہے۔(7)

(4) و فی الرکاز الخمس فقیل له = ما الرکاز یا رسول الله؟ فقال الذهب والفضة الذی خلقه الله فی الارض یوم خلقت(8)

اس حدیث کو سلیمان بن الاشعث' ابو داؤد (م 275ھ / 889ء) نے سنن 'کتاب الخراج والامارۃ والفئی' باب ما جاء

فی الرکاز میں حضرت ابوہریرہؓ عبدالرحمٰنؓ بن صخر (م 59ھ / 679ء) سے کچھ الفاظ کے اختلاف کے ساتھ نقل کیا ہے۔(9)

(5) عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالی عنہما عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال - لیس فیما دون خمسۃ اوسق صدقۃ(10)

اس حدیث کو ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری (م 256ھ / 870ء) نے اپنی کتاب "الصحیح" کی کتاب الزکاۃ' باب ما ادی زکاتہ فلیس بکنز میں نقل کیا ہے۔(11)

(6) عن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ' انہ قال = ما سقت السماء ففی کل عشرۃ واحدۃ' و ما سقی بالعرب ففی کل عشرین واحد(12)

مالک بن انس (179ھ / 795ء) نے الموطا' کتاب الزکاۃ باب زکاۃ ما یخرص من ثمار النخیل والاعناب میں حضرت سلیمان بن یسار کی روایت سے کچھ الفاظ کے اختلاف کے ساتھ یہ حدیث تحریر کی ہے۔(13)

(7) عن سعید بن زید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسل من اخذ شبرا من لرض بغیر حق طوقہ من سبع ارضین(14)

امام بخاری نے الصحیح' کتاب بدء الخلق' باب ما جاء فی سبع ارضین میں ام المومنین حضرت عائشہؓ (م 58ھ / 678ء) سے کچھ الفاظ کے اختلاف کے ساتھ نقل کی ہے۔(15)

(8) عن عائشۃ رضی اللہ عنہا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من احیا ارضا میتۃ فھی لہ' و لیس لعرق ظالم حق(16)

یہ حدیث ابوداود نے سنن' کتاب الخراج والامارۃ والفئی باب فی احیاء الموات میں نقل کی ہے۔(17)

(9) قال ابو یوسف - حدثنا مسلم الخراسانی عن انس بن مالک ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دفع خیبر الی الیھود مساقاۃ بالنصف و کان یبعث الیھم عبداللہ بن رواحۃ فیخرص علیھم ثم یخیرھم ای النصفین شاء وا و یقول لھم اخرصوا انتم و خیرونی' فیقولون = بھذا قامت السماوات والارض(18)

امام مالک نے الموطا' کتاب المساقاۃ' باب ما جاء فی المساقاۃ میں حضرت سلیمانؓ بن یسار سے یہ حدیث نقل کی ہے۔(19)

(10) قال = و حدثنی ھشام بن عروۃ عن ابیہ عن ابی حمید الساعدی' قال

استعمل النبی صلی اللہ علیہ وسلم رجلا یقال لہ ابن اللتبیۃ علی صدقات بنی سلیم' فلما قدم قال - ھذا لکم و ھذا اھدی الی' قال فقام النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی المنبر فحمد اللہ و اثنی علیہ' ثم قال ما بال عامل ابعثہ فیقول ھذا لکم و ھذا اھدی الی - افلا قعد فی بیت ابیہ و بیت امہ حتی ینظر ایھدی الیہ ام لا؟ والذی نفسی بیدہ لا یاخذ منھا شیئا الا جاء بہ یوم القیامۃ یحملہ علی رقبتہ' اما بعیر لہ رغاء او بقرۃ لھا خوار اوشاۃ تیعر - ثم رفع یدیہ حتی روی بیاض ابطیہ - فقال اللھم ھل بلغت؟ (20)

اس حدیث کو ابو داؤد نے سنن "کتاب الخراج والامارۃ والفئی باب فی ھدایا العمال میں تحریر کیا ہے۔ (21)

جہاں تک صحابہ کے اقوال کا تعلق ہے تو آپ نے ان صحابہ کو سند کے لئے پیش کیا ہے جن کے کارنامے زیادہ مشہور ہیں۔ مثلاً اس کتاب میں حضرت عمرؓ بن الخطاب (13-24ھ / 634-645ء) کے اقوال و افعال کے حوالے سب سے زیادہ پیش کئے گئے ہیں۔ ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی کے الفاظ میں "حضرت عمرؓ کا نسبتاً طویل عہد خلافت اور انتظامی اور مالی امور میں آپ کے اختیار کئے ہوئے طریقے اس کتاب میں ابو یوسف کے استنباط و اجتہاد کا سب سے بڑا ماخذ ہیں۔ آپ کے عہد کی فتوحات' مفتوحہ علاقوں کا بندوبست' نصاریٰ بنو تغلب کے ساتھ آپ کا برتاؤ' محاصل چنگی کا آغاز' عراق و شام کی زمینوں کے بارے میں آپ کا تاریخی فیصلہ' اموال فے کی تقسیم کے بارے میں آپ کی پالیسی' آپ کے زمانہ میں ان کی شرحیں اور ان کی تحصیل کے طریقے' اہل ذمہ کے ساتھ آپ کا برتاؤ' آپ کے مقرر کئے ہوئے عہدے اور عمال حکومت کی سیرت و کردار' طرز رہائش اور مشاہروں کے بارے میں آپ کا نظریہ وغیرہ وہ اہم موضوعات ہیں جن پر اس کتاب میں قیمتی تاریخی مواد ملتا ہے۔ (22)

حضرت ابو بکر صدیقؓ (عبداللہ بن ابی قحافہ عثمان) (11-13ھ / 632-634ء) اور حضرت علیؓ بن ابی طالب (35-40ھ / 656-661ء) کے عمل سے بھی استناد کیا گیا ہے۔ حضرت عثمان غنیؓ (24-35ھ / 645-655ء) کے عہد کے بعض نظائر بھی پیش کئے گئے ہیں جو نجران کے اہل ذمہ' جاگیروں اور بعض فوجداری قوانین سے متعلق ہیں۔ اس طرح اس کتاب میں خلافت راشدہ سے متعلق بہت سا تاریخی مواد فراہم کر دیا گیا ہے۔

حضرت عمرؓ کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ (99-101ھ / 717-719ء) کے اقوال و آراء سب سے زیادہ بطور سند بیان کئے گئے ہیں۔ (23) محاصل کی تحصیل اور اس کے طریقہ میں شرعی اصلاحات کے نفاذ' عشر' خراج' جزیہ اور

عشور کی شرحوں اور فلاح عامہ سے متعلق امور پر آپ کے نظائر سے استنباط کیا گیا ہے۔ عبد الملک بن مروان (م 65-86ھ / 686-707ء) کے دور کی ایک نظیر عراق میں جزیہ اور خراج کی شرحوں کے سلسلہ میں پیش کی گئی ہے۔ (24)

مالی نظام کے سلسلہ میں ان تاریخی تفصیلات کی بڑی اہمیت ہے کیونکہ اسلامی معاشرہ کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کی سنت احکام شریعت کا ماخذ ہے۔ اس مبارک دور کے بعد کے صالح حکمرانوں کا طرز عمل بھی بعد میں آنے والوں کے لئے راہنمائی حاصل کرنے کا ایک اہم ذریعہ ہے' لگان کی تقسیم' زمینوں کا بندوبست' محاصل کا نظام' صلح و جنگ' معاہدہ' امان اور ثالثی کے ضابطے اور دوسرے سیاسی' مالی اور انتظامی امور میں جو طریقے قرن اول اور بعد کے صالح حکمرانوں کے دور میں اختیار کئے گئے تھے ان کے مطالعہ اور تجزیہ کے بغیر قاضی ابو یوسف اس بات کا فیصلہ نہیں کر سکتے تھے کہ ان کے دور میں خلیفہ کو ان امور میں کیا طرز عمل اختیار کرنا چاہیے۔ (25)

مختلف صحابہ اور تابعین کے جو اقوال کتاب میں ملتے ہیں ان میں بہت سے ایسے ہیں جن کی توثیق و تائید تاریخی و ادبی کتابوں سے ہو جاتی ہے اور کچھ اقوال ایسے ہیں جو دیگر کتب میں تو نہیں ملتے لیکن ان حضرات کی زندگی اور ان کی حکومت کی پالیسی (Policy) سے گہری موافقت رکھتے ہیں اس لئے ان کو درست تسلیم کیا جا سکتا ہے اور حقیقت میں یہی اقوال اس کتاب کا نہایت قیمتی سرمایہ ہیں۔

آپ نے کتاب الخراج میں تقریباً چار سو مسند نصوص نقل کی ہیں جن میں ان شیوخ کے نام بھی نقل کئے ہیں' جن کے واسطے سے وہ نقل کی گئی ہیں۔ کتاب میں ستائیس (27) نصوص وہ ہیں جن میں وہ اپنے شیخ کا نام نقل نہیں کرتے بلکہ صرف یہ کہتے ہیں حدثنا بعض اشیاخنا (26)

تقریباً اسی (80) نصوص وہ ہیں جن میں انہوں نے اپنے شیخ کا نام لکھنے کی بجائے یہی کہنے پر اکتفا کیا ہے)۔ "شیخ من اهل الشام" (27) "شیخ من اهل المدینة" (28) "شیخ من قریش" (29) "شیخ من علماء البصرة" (30) "غیر واحد من علماء اهل المدینة" (31) "بعض اهل العلم" (32) "بعض علماء اهل الكوفة" (33)

امام ابو یوسف نے علمائے تابعین میں صرف ان حضرات کے اقوال نقل کئے ہیں جن پر آپ کو اعتماد ہے یا جن کے اقوال قرآن و اسلام کے بنیادی اصولوں سے نہیں ٹکراتے۔ ان علماء میں کوفہ کے شیوخ ہی نہیں بلکہ حجاز اور شام کے شیوخ بھی شامل ہیں۔ وہ مختلف ائمہ کے فتوے بیان کرتے ہیں جس سے ان کی عدم تعصبی اور وسعت قلبی کا پتہ چلتا ہے۔ یہاں چند نام نقل کئے جاتے ہیں۔

سعید بن المسیب (م 94ھ / 713ء)' عروہ بن زبیر (م 94ھ / 713ء)' ابراہیم بن یزید النخعی (م 96ھ / 715ء)' عامر بن شراحیل الشعبی (م 103ھ / 721ء)' حسن بصری (حسن بن یسار) (م 110ھ / 728ء)' محمد بن سیرین

ابو عبید اللہ نافع (مولیٰ ابن عمرؓ)

(م 110ھ / 728ء)' مکحول (م 112ھ / 730ء)' عطاء بن ابی رباح (م 115ھ / 733ء)' ~~انس بن عمرو~~

117ھ / 735ء)' قتادہ بن دعامہ (م 118ھ / 736ء)' حماد بن ابی سلیمان (م 120ھ / 738ء)' محمد بن مسلم بن شہاب الزہری (م 124ھ / 742ء)' یزید بن ابی حبیب (م 128ھ / 746ء)' یحییٰ بن سعید الانصاری (م 143ھ / 760ء)' سلیمان بن مہران الاعمش (م 148ھ / 765ء)' محمد بن عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ (م 148ھ / 765ء)' ابو حنیفہ النعمان بن ثابت (م 150ھ / 767ء)' مالک بن انس (م 179ھ / 795ء)

امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں درج ذیل تابعین کی روایات کو بھی نقل کیا ہے۔

عمرو بن میمون (م 75ھ / 695ء)' عمرو بن دینار (م 126ھ / 744ء)' جابر بن یزید (م 128ھ / 746ء)' عمر بن مہاجر (م 139ھ / 757ء)' اسماعیل بن ابی خالد (م 147ھ / 764ء)' مسعر بن کدام (م 152ھ / 769ء) حسن بن عمارہ (م 153ھ / 770ء)' ابو معشر (م 170ھ / 786ء)' اسرائیل بن یونس (م 172ھ / 788ء)' سفیان بن عیینہ (م 198ھ / 814ء)

اس میں شک نہیں کہ امام ابو یوسف زیادہ تر علمائے کوفہ کا فقہی نقطہ نظر پیش کرتے ہیں تاہم ان کو علمائے حجاز یا شام یا "مدرسہ حدیث" سے کوئی عداوت نہیں ہے بلکہ ان کی رواداری کا حال یہ ہے کہ وہ جس طرح کوفہ کے علماء کے بارے میں کہتے ہیں۔ "ولما اصحابنا من اهل الكوفة فاختلفوا فى ذلك"(34)

(ہمارے کوفی رفقاء اس باب میں مختلف الرائے واقع ہوئے ہیں۔) وہ حجاز کے علماء کی نسبت بھی ایسے ہی الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ "قال اصحابنا من اهل الحجاز و اهل المدينة على كراهة ذلك و افساده"(35)

(ہمارے حجازی اور مدنی رفقاء اس معاملہ کو مکروہ اور فاسد قرار دیتے ہیں۔)

اسی طرح وہ ایسے راویوں کی روایت قبول کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے جو عام محدثین کی نظر میں مطعون یا ضعیف ہیں۔ مثلاً اشعث بن سوار (م 138ھ / 756ء)' حجاج بن ارطاۃ (م 139ھ / 757ء)' مجالد بن سعید (م 144ھ / 761ء)' محمد بن اسحاق (م 151ھ / 768ء) کیونکہ ان کے پیش نظر یہ نہیں کہ راوی کس گروہ یا نظریہ سے تعلق رکھتا ہے بلکہ یہ کہ وہ جو کچھ کہتا ہے وہ کہاں تک حق سے کلی یا جزوی موافقت رکھتا ہے۔

کتاب کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ کہیں رد و قدح یا دوسروں پر اعتراض اور اپنے مسلک کی برتری کا اظہار جو فقہی کتب کی امتیازی شان ہے موجود نہیں ہے۔

آپ نے کتاب الخراج میں جن شیوخ سے زیادہ نصوص نقل کی ہیں ان کے نام اور نصوص کی تعداد درج ذیل ہے۔

محمد بن اسحاق (32)' الاعمش (25)' حجاج بن ارطاۃ (23)' اشعث بن سوار (19)' حسن بن عمارہ (16)' ہشام بن

عیینہ

عروہ (15)' اسماعیل بن ابی خالد (13)' سعید بن ابی عروبہ (12)' سفیان بن (10)' یحیٰ بن سعید (10)

امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں چودہ مقالات پر امام ابو حنیفہ کی آراء کو نقل کیا ہے اور ان کو "الفقیہ المقدم " کہا ہے۔ (36) آپ جب بھی امام ابو حنیفہ کی رائے کو بیان کرتے ہیں تو ساتھ ہی اس کے دلائل بھی دیتے ہیں اور قیاس واستحسان کی وجہ بھی بتاتے ہیں۔ علمی امانت کی لوائگی کی فکر انہیں اس قدر زیادہ ہوتی ہے کہ وہ بعض مقالات پر استاد کے دلائل کو بیان کرنا اتنا ہی ضروری سمجھتے ہیں جس قدر اپنے دلائل کو۔ اس ضمن میں واضح مثال احیائے موات (Cultivation of virgin land) کا مسئلہ ہے۔ (37)

آپ نے کتاب الخراج میں خلفائے راشدین کے عہد کے اکثر عمال کا بھی ذکر کیا ہے۔ خصوصاً عراق کے والیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ مثلاً ابو عبیدہؓ ابن الجراح (عامر بن عبداللہ) (م 18ھ / 639ء)' عیاضؓ بن غنم الفہری (م 20ھ / 641ء)' سعدؓ بن ابی وقاص (م 55ھ / 675ء)' سعیدؓ بن العاص (م 59ھ / 679ء)' ابو موسیٰ الاشعری (عبداللہ بن قیس) (م 44ھ / 665ء)' عبداللہ بن عباسؓ (م 68ھ / 687ء)

اموی عہد میں خاص طور پر حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عمال کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ مثلاً عدی بن ارطاۃ (م 102ھ / 720ء)' عبدالحمید بن عبدالرحمٰن (م 107ھ / 725ء)' میمون بن مہران (م 117ھ / 735ء)'

اگر کسی مسئلہ میں سلف کی دو یا زائد رائیں ہوتی ہیں اور ان میں کوئی اصولی نقص نہیں ہوتا تو وہ خلیفہ سے کہہ دیتے ہیں کہ آپ کو آزادی ہے۔ ان میں سے جس کو چاہیں اختیار کرلیں۔ (38) ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی کے الفاظ میں "بعض مسائل میں قاضی ابو یوسف دو مختلف طریقوں کی وضاحت کے بعد اس بات کی صراحت کر دیتے ہیں کہ خلیفہ کو اختیار ہے کہ ان میں سے جس طریقہ کو مسلمانوں اور اسلام کے لیے زیادہ نفع بخش سمجھے اختیار کرے۔ حکومت کی دی ہوئی جاگیروں پر خراج لیا جائے یا ان زمینوں کی پیداوار میں سے عشر وصول کیا جائے' اس بارے میں انتخاب کی پوری آزادی ہے۔ کسی علاقہ کے باشندے باہمی تعاون کے ذریعہ دجلہ و فرات سے ایک نہر نکال کر اپنے علاقہ تک لے جانا چاہیں تو نہر کی تعمیر کے مصارف ان باشندوں کے درمیان کس طرح تقسیم کیے جائیں۔ اس کے دو مختلف طریقے تجویز کیے گئے ہیں اور دونوں میں سے کوئی بھی اختیار کیا جاسکتا ہے۔

بعض مسائل میں وہ دو مختلف رایوں میں سے کسی ایک کو دلائل کی روشنی میں ترجیح دینے کے باوجود خلیفہ کے لئے اس بات کی گنجائش سمجھتے ہیں کہ وہ مناسب سمجھے تو مرجوح رائے پر بھی عمل کر سکتا ہے۔ مصالح عامہ سے تعلق رکھنے والے بعض دوسرے امور میں بھی ابو یوسف خلیفہ کو کسی ایک طریقہ کا پابند سمجھنے کے بجائے اس کے لئے ماثور طریقوں میں سے کسی ایک کے انتخاب یا اسلام اور مسلمانوں کے مجموعی مفاد کو سامنے رکھتے ہوئے کسی نئے طریقہ کے اختراع کی گنجائش محسوس کرتے ہیں۔ ایسے مسائل میں وہ خود کوئی متعین راہ عمل تجویز کرنے کے باوجود اس حقیقت کی صراحت

کر دیئے ہیں۔(۳۹)

کتاب الخراج میں بعض مقامات پر آپ نے قیاس کو چھوڑ کر کسی مصلحت سے "استحسان" کا دامن تھاما ہے۔ وہ مسئلہ جس میں آپ نے نقل صحابی (حضرت عمرؓ) کے مقابلہ میں اپنا اجتہاد استعمال کیا ہے۔ ان کی معاملہ فہمی اور روشن دماغی کی ایک عمدہ مثال ہے۔

کتاب الخراج کی وہ فصول جو معاشیات سے متعلق ہیں ان کے عنوانات اور صفحات کی تقسیم درج ذیل ہے۔

فی الجزائر فی دجلۃ والفرات والغروب (99-101)

فی القنی والآبار والانہار والشرب (101-106)

اتحاد الرحل مشرعتی لرضہ علی شاطی نہر بوجر مایسقی الناس منہا (106-110)

فی تقبیل السواد واختیار الولاۃ لہم والتقدم الیہم (114-129)

فیمن تجب علیہ الجزیۃ (131-137)

فی العشور (142-148)

من ای وجہ تجری علی القضاۃ والعمال الارزاق؟ (202-203) (40)

کتاب کا خاتمہ ایسے مضمون پر ہوا ہے جس کا سیاق و سباق سے بظاہر کوئی تعلق نہیں ہے اور یہ شبہ ہوتا ہے کہ اس مضمون کا تعلق مستقل فصول سے تھا جو بعد میں نکال دی گئی ہیں۔ مثلاً کتاب کی آخری فصل میں مشرکوں اور باغیوں سے جنگ کے مسائل بیان ہوئے ہیں اس فصل کے آخر میں اچانک یہ عبارت ملتی ہے۔

سالت ابا حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ عن الیہودی والنصرانی یموت لہ الولد او القرابۃ کیف یعزی؟ (41)

"یعنی میں نے ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے دریافت کیا کہ جس (مسلمان کے) یہودی یا نصرانی (دوست) کا لڑکا یا عزیز فوت ہو جائے تو اس کی تعزیت کن الفاظ میں کی جائے"

آخر میں اس بات کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے کہ امام ابو یوسف کی تحریر کردہ کتاب الخراج کے مباحث کی وہ ترتیب نہیں ہے جو کہ جدید دور کی معاشی کتب میں پائی جاتی ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

"ابو یوسف کی کتاب الخراج ... ان ساری کتابوں کے مولفین میں ایک کوتاہی یہ نظر آتی ہے کہ انہوں نے تاریخی نقطہ نظر کو ملحوظ نہیں رکھا یعنی یہ کبھی نہیں بتایا کہ عہد نبوی میں مالیات کے متعلق ابتدائی صورت یا ہجرت سے پہلے مکہ میں کیا صورت تھی۔ مدینہ آنے کے بعد ابتداء کیا تھی۔ رفتہ رفتہ کیا تبدیلی ہوئی اور بالآخر اس نے کیا صورت اختیار کی۔ ان باتوں کا وہ کہیں بھی ذکر نہیں کرتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بعض اوقات ہمارے دلوں میں خلش رہ جاتی ہے۔ (42)

تاہم کتاب الخراج کی اہمیت اس لحاظ سے بڑھ جاتی ہے کہ اسلامی معاشیات کے موضوع پر یہ کتاب دوسری صدی ہجری یعنی آٹھویں صدی عیسوی میں تحریر کی گئی۔ یہ وہی دور ہے جس کو یورپی مصنفین نے علم معاشیات کے ارتقاء کی تاریخ میں تاریک دور (Dark Age) قرار دیا ہے۔ کتاب الخراج کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یورپی مصنفین کے

اس نظریہ میں کوئی صداقت نہیں۔

امام ابو یوسف نے کتاب الخراج کے مقدمہ میں اسلامی معاشیت کی بنیادوں پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ آپ کے نزدیک اسلامی معاشیات کی اہم بنیاد تقویٰ یعنی خدا سے ڈرنا ہے۔

اس کتاب کے مطالعہ سے مختلف اسلامی شہروں کی معاشی ترقی (Econonuc development) کے اشارات بھی ملتے ہیں۔(43)

کتاب الخراج کے مطالعہ سے مغربی مفکرین کے اس نظریہ کی تردید بھی ہوتی ہے کہ مسلمانوں کے علوم یونانیات سے ماخوذ ہیں۔ ہم اس بحث کو ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی کے ان الفاظ پر ختم کرتے ہیں۔

> "قاری کو یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ جس زمانے میں یہ کتاب لکھی گئی تھی معاشیات کا علم وجود میں نہیں آیا تھا۔ اس کی تصنیف کا زمانہ آدم سمتھ کی دولت اقوام (Wealth of Nations) سے ایک ہزار سال پہلے ہے اور قرون وسطیٰ کے معاشی فکر کا سب سے بڑا نمائندہ ٹامس اکوئیناس ابو یوسف کے پانچ سو برس بعد پیدا ہوا تھا۔ ارسطو اور دوسرے یونانی علماء کی کتابیں اس وقت تک عربی میں منتقل نہیں ہوئی تھیں اور عرب علماء ان کے تجزیاتی کام سے ناواقف تھے۔"(44)

فصل دوم

مالیات عامه

مالیات عامہ (Public Finance) کے شعبہ میں کسی ریاست کے محاصل و مصارف (Taxes and Expenditures) کے بارے میں بحث کی جاتی ہے۔ امام ابویوسف کے معاشی فکر کی روشنی میں سرکاری محاصل و مصارف کے درج ذیل اصول اخذ کئے جا سکتے ہیں۔

محاصل کے اصول

(1) براہ راست محصولات (Direct Taxes) کے دائرہ کار کو وسعت دی جائے۔

(2) عدل کے عنصر کو فوقیت دی جائے۔

(3) پیداوار میں اضافہ کی کوشش کی جائے۔

(4) ٹیکس افسروں کے صوابدیدی اختیارات میں مناسب کمی کر دی جائے۔ تاکہ انہیں عوام کے استحصال (Extortion) کا موقع نہ ملے۔

(5) ٹیکس چوری (Tax evasion) اور رشوت کے رجحان کو ختم کیا جائے۔

مصارف کے اصول

(1) مصارف بہترین معاشرتی فائدے (Maximum social advantage) کے اصول پر پورے اترتے ہوں۔ بیت المال (Public Treasury) کا ایک ایک روپیہ معاشرے کی بہتری کے لئے خرچ کیا جانا چاہیے نہ کہ کسی خاص گروہ پر خرچ کر دیا جائے۔ اس ضمن میں معاشرے کے مختلف طبقات میں امتیاز روا نہیں رکھنا چاہیے۔ بلکہ مقصد یہ ہونا چاہیے کہ فلاح عامہ کے تقاضے پورے ہوں۔

(2) حکام کو چاہیے کہ وہ ہر قسم کی فضول خرچی سے بچیں۔ جائز ذرائع سے حاصل کی ہوئی بیت المال کی آمدنی کفایت شعاری کے اصول کے مطابق خرچ کرنی چاہیے۔

(3) سرکاری مصارف کے ذریعے پیداوار (Production) اور تقسیم دولت (Distribution of wealth) پر اچھے اثرات مرتب ہونے چاہئیں۔

(4) غیر منصفانہ تقسیم دولت کی حوصلہ شکنی کی جائے۔

مالیات عامہ

یہاں مالیات عامہ کے بارے میں ابویوسف کے معاشی فکر کا تنقیدی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

زکوۃ

ائمہ متقدمین میں امام ابو یوسف پہلے ماہر معاشیات ہیں جنہوں نے زکوۃ پر مستقل اور خصوصی تحقیق کی ہے۔ آپ نے کتاب الخراج میں زکوۃ اور صدقہ کی اصطلاحوں میں فرق کو مد نظر رکھا ہے۔ اگرچہ قرآن و سنت میں زکوۃ اور صدقہ کی اصطلاحات ایک ہی معنی میں استعمال ہوئی ہیں اور اکثر ائمہ نے زکوۃ اور صدقہ کو ایک ہی چیز قرار دیا ہے لیکن تحقیقی بات یہی ہے کہ صدقہ فرض اور زکوۃ باہم مترادف ہیں لیکن صدقہ نافلہ اور زکوۃ میں فرق ہے۔ جیسا کہ امام محمد بن ادریس الشافعی (م ۲۰۴ھ / 820ء) نے اس فرق کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قال الشافعی و لا بأس ان یتصدق علی المشرک من النافلة و لیس له فی الفریضة من الصدقة حق (۴۵)

"امام شافعی نے کہا مشرک کو صدقہ نافلہ دینے میں کوئی حرج نہیں البتہ صدقہ فرض سے اس کو کوئی حصہ لینے کا حق نہیں۔"

امام ابو یوسف "کتاب الخراج" میں مویشیوں کی زکوۃ کے لئے صدقہ کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں اور ان کے علاوہ اصناف پر جو زکوۃ مسلمانوں سے لی جائے اسے وہ عشر کہتے ہیں۔ بارانی زمین کی زکوۃ تو واضح طور پر عشر یعنی دسواں حصہ ہے۔ چاہی زمین پر نصف عشر یعنی (بیسواں حصہ) ہے اور سونے، چاندی اور اموال تجارت پر ربع عشر (یعنی چالیسواں حصہ) ہے۔ اس اعشاری (Decimal) تناسب کے پیش نظر مویشیوں کے علاوہ تمام اصناف کی زکوۃ کو عشر کہنا امام ابو یوسف کے ریاضیاتی ذہن (Mathematical Brain) پر دلالت کرتا ہے۔ تاہم ان دونوں اصطلاحات کی تفریق کے ساتھ ان کا قدر مشترک بھی امام ابو یوسف کے ذہن میں ہے۔ کتاب الخراج میں لکھتے ہیں۔

فاذا اجتمعت الصدقات من الابل والبقر و الغنم جمع الی ذلک ما یوخذ من المسلمین من العشور عشور الاموال و ما یمر به علی العاشر من متاع وغیرہ لان موضع ذلک کله موضع الصدقة (۴۶)

"جب صدقہ کا مال اونٹ، گائے، بیل اور بھیڑ بکریاں جمع ہو جائیں تو مسلمانوں سے لئے جانے والے عشور یعنی اموال (تجارت) اور ان سامانوں کی چنگی جنہیں لے کر لوگ (محصل چنگی) عاشر کے پاس سے گزریں۔ انہی اموال (صدقہ) کے ساتھ جمع کر دیے جائیں کیونکہ ان تمام (آمدنیوں) کے مدات صرف وہی ہیں جو صدقہ کے ہیں۔"

بچہ اور دیوانہ کے مال پر زکوۃ کے بارے میں امام ابو یوسف کی رائے دلائل کے لحاظ سے کمزور معلوم ہوتی ہے۔ زکوۃ کی اصل حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مالداروں کے مال میں غریبوں کا حق مقرر کیا ہے اور غنی کے بالغ اور عاقل

ہونے کی شرط کے بارے میں کوئی نص بھی موجود نہیں تو پھر بچہ اور مجنون سے زکوۃ کس طرح ساقط ہو سکتی ہے؟ امام ابو یوسف نے زکوۃ کو نماز پر قیاس کیا ہے حالانکہ نماز اور زکوۃ کے احکام میں اس لحاظ سے فرق ہے کہ نماز بندوں پر اللہ کا حق ہے لیکن زکوۃ اللہ تعالی کی طرف سے مالداروں کے مال میں غریبوں کے حق سے متعلق ہے۔ ابو عبید القاسم بن سلام (م 224ھ / 838ء) اس ضمن میں لکھتے ہیں۔

والذی عندی فی ذلک ان شرائع الاسلام لا یقاس بعضها ببعض، لانها امهات تمضی کل واحدة علی فرضها و سنتها و قد وجدناها مختلفة فی اشیاء کثیرة (47)

"اس باب میں میری رائے یہ ہے کہ اسلام کے قوانین و شرائع کو ایک دوسرے پر قیاس نہیں کرنا چاہیے۔ اس لئے کہ وہ بجائے خود اصول ہوتے ہیں اور ان میں سے ہر قاعدہ و قانون کو اس کی فرضیت و سنت کے لحاظ سے رو بہ عمل لایا جائے گا۔ اس لئے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ یہ قوانین و شرائع بہت سی چیزوں میں ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔"

یتیم کے مال پر زکوۃ کے بارے میں ابو عیسیٰ الترمذی نے اپنی کتاب میں یہ حدیث نقل کی ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیه وسلم خطب الناس فقال الا من ولی یتیما له مال فلیتجر فیه و لا یترکه حتی تاکله الصدقة (48)

"یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے خطاب کیا اور فرمایا خبردار جس شخص کو یتیم کا والی بنایا جائے (اور) اس کا مال (بھی) ہو۔ اسے چاہیے کہ وہ اس سے تجارت کرے اور اسے اس طرح نہ چھوڑ دے کہ وہ صدقہ ہی کی نذر ہو جائے۔"

امام ابو یوسف یتیم اور مجنون پر پیداوار کی زکوۃ (عشر) تو واجب قرار دیتے ہیں لیکن بقیہ اموال پر زکوۃ کو تسلیم نہیں کرتے حالانکہ قیاس کی رو سے بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ جس کی زرعی پیداوار (Agricultural Production) پر عشر واجب ہو اس کے دوسرے اموال پر زکوۃ بھی واجب ہونی چاہیے۔ ابو الولید محمد بن احمد ابن رشد (م 595ھ / 1198ء) لکھتے ہیں۔

و اما من فرق بین الحبوب و غیر الحبوب و بین الناض و غیر الناض فلا اعلم له شبهة بینة (49)

"جن فقہاء نے اجناس (اناج) اور غیر اجناس میں، اور نقدین و غیر نقدین میں فرق کیا ہے مجھے ان کی کسی واضح دلیل کا علم نہیں ہو سکا۔"

زیورات پر زکوٰۃ کے ضمن میں امام ابو یوسف کا موقف قوی ہے۔ کیونکہ قیاس کے مقابلے میں حدیث کو رد نہیں کیا جاسکتا۔ کسی ایک حدیث کی صحت پر تو کلام کیا جاسکتا ہے لیکن اس کے جواز کی تمام احادیث کو ضعیف نہیں کہا جاسکتا۔ مولانا عبدالرحمن مبارکپوری نے اپنی کتاب "تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی" میں اس موضوع پر چھ احادیث نقل کرنے کے بعد لکھا ہے۔

قلت القول بوجوب الزکوۃ فی حلی الذهب والفضة هو الظاهر الراجح عندی یدل علیه لحادیث (50)

"میں کہتا ہوں کہ سونا اور چاندی کے زیورات میں زکوٰۃ واجب ہونے کا جو قول ہے۔ وہ ظاہر ہے۔ میرے نزدیک قابل ترجیح ہے اس پر احادیث بھی دلالت کرتی ہیں۔"

حنفی محدث ابو محمد عبداللہ الزیلعی (م 762ھ / 1360ء) نے اپنی کتاب "نصب الرایۃ لاحادیث الهدایۃ" میں ان احادیث کی سندوں پر تفصیلی بحث کی ہے۔ وہ الدار قطنی کی ایک حدیث کی سند کے بارے میں بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ھذا اسند رواته ثقات' والرفع فیه زیادة من الثقة فوجب قبوله (51)

"اس سند کے راوی ثقہ ہیں اور اس کا مرفوع ہونا ثقہ راویوں پر ایک اور اضافہ ہے۔ پس اسے قبول کرنا واجب ہے۔"

سونا اور چاندی اپنی پیدائش کے اعتبار سے تجارت کے لئے ہیں۔ اس لئے عقلی طور پر بھی امام ابو یوسف کی رائے کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔ اگر زیورات کی زکوٰۃ وصول نہ کی جائے تو کچھ لوگ زکوٰۃ سے بچنے کے لئے زیورات بنانے کا حیلہ اختیار کریں گے اور اس طرح ارتکاز دولت کا مسئلہ پیدا ہوگا۔ شاہ ولی اللہ دہلوی (م 1176ھ / 1763ء) نے اپنی کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" میں اس مسئلہ پر ائمہ کا اختلاف بیان کیا ہے۔ وہ اپنی رائے پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ زیورات کی زکوٰۃ ادا کی جائے۔(52)

مصارف زکوٰۃ پر امام ابو یوسف کی بحث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک زکوٰۃ کی اصل غرض و غایت معاشرہ سے غربت و افلاس کا خاتمہ کرنا ہے۔ ایک ماہر معاشیات کی حیثیت سے آپ کا مقام بڑھ جاتا ہے۔ جب آپ یہ رائے دیتے ہیں کہ زکوٰۃ میں فقراء اور مساکین کا حصہ لازمی ہے۔ اور ایک شہر یا آبادی کے اغنیاء (The upper classes) سے حاصل کی ہوئی زکوٰۃ کو اسی جگہ کے حاجت مندوں پر صرف کیا جائے۔(53) آپ کے معاشی فکر کی اہمیت اس بات سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ آپ کے نزدیک زکوٰۃ کا مقصد یہ ہرگز نہیں کہ ہر سال امراء غرباء کو خیرات کے طور پر کچھ رقم دے دیں بلکہ وہ کہتے ہیں کہ انہیں اتنی زکوٰۃ دینی چاہیے جس سے متوسط معیار زندگی (Quality of life) کے

لوازمات (Necessaries) پورے کر سکیں۔ اس طرح انہوں نے زکوۃ کے ذریعے کفالت عامہ کا تصور پیش کیا ہے۔ اور زکوۃ کی وصولی کا اصل مقصد بھی معاشرہ کے غرباء و مساکین اور حاجت مند افراد کو معاشی تحفظ عطا کرنا ہے۔

امام ابو یوسف فقیر اور مسکین میں فرق نہیں کرتے' حالانکہ قرآن حکیم کی آیت (55) سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ فقراء اور مساکین دو الگ مدیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر علماء نے فقیر اور مسکین کے فرق کو مد نظر رکھا ہے۔ حضرت مجاہد (م 104ھ / 722ء)' حضرت عکرمہ مولی ابن عباسؓ (م 105ھ / 723ء) اور محمد بن مسلم بن شہاب الزہری (م 124ھ / 742ء) لکھتے ہیں کہ مسکین وہ ہے جو سوال کرے اور فقیر وہ ہے جو سوال نہ کرے۔ (56)

امام شافعی کا قول ہے "فقیر وہ ہے جس کے پاس مال ہو نہ ہی وہ کوئی پیشہ جانتا ہو اور مسکین وہ ہے جس کے پاس مال تو ہو یا وہ کوئی ہنر بھی جانتا ہو لیکن اس کی گزر اوقات مشکل سے ہوتی ہو۔ خواہ وہ دوسروں سے سوال کرے یا نہ کرے۔ (57)

ابو عبد اللہ محمد بن عمر الرازی (م 606ھ / 1210ء) نے تفسیر کبیر میں فقیر اور مسکین کے فرق پر روشنی ڈالی ہے۔ ہم یہاں ان کی بحث کا خلاصہ پیش کرتے ہیں۔

(1) مختلف روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فقر (محتاجی) سے پناہ مانگتے تھے۔ آپ کا ارشاد ہے کاد الفقر ان یکون کفرا (58) (قریب ہے کہ غریبی اور فاقہ کشی کفر بن جائے)۔ آپ کا یہ فرمان بھی ہے اللھم احینی مسکینا و امتنی مسکینا و احشرنی فی زمرۃ المساکین (59) اگر فقیر اور مسکین میں کوئی فرق نہیں تو پھر ان دونوں ارشادات میں تناقض پیدا ہوتا ہے۔

(2) قرآن حکیم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسکین کے لئے ضروری نہیں کہ اس کے پاس مال نہ ہو مثلاً ارشاد ربانی ہے "اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ" (60) لیکن ایسی کوئی دلیل نہیں ملتی کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو فقیر کہا ہو اور ساتھ ہی اس کے بارے میں کسی چیز کے مالک ہونے کا بھی ذکر کیا ہو۔

(3) حضرت عبد اللہؓ بن عباس فرماتے ہیں کہ فقیر وہ محتاج ہے جس کی کوئی ملکیت نہیں ہوتی مثلاً اصحاب صفہ اور مساکین وہ ہیں جو لوگوں سے سوال کرتے ہیں۔

(4) آیت قرآنی "وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ" (61) میں سائل سے مراد مسکین ہے اور محروم سے مراد فقیر ہے۔ (62)

مولفۃ القلوب کے بارے میں امام ابو یوسف کا یہ نظریہ کہ حضرت عمرؓ کے تعامل کی وجہ سے اب یہ مد ہمیشہ کے لئے ختم ہو چکی ہے' صحیح نہیں۔ اگر حضرت عمرؓ نے اپنے دور میں غلبہ اسلام کی بناء پر اس مد کو ساقط کر دیا تھا تو اس سے یہ مفہوم نہیں لیا جا سکتا کہ بعد کے ادوار میں تالیف قلب کی ضرورت ہی نہیں رہی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے بعد

متعدد فقہاء نے اپنے زمانہ کے حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے اس مد کی ضرورت کو محسوس کیا اور اس مصرف کو ضروری قرار دیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز (99-101ھ / 717-719ء) اپنے زمانہ خلافت میں مال زکوۃ سے لوگوں کو تالیف قلوب کے لئے دیتے تھے۔ ابو عبداللہ محمد ابن سعد (م 230ھ / 844ء) کے الفاظ ہیں۔

انه اعطى بطريقا الف دينار يستالفه على الاسلام (63)

"یہ کہ آپ نے ایک رومی جرنیل کو اسلام کی طرف مائل کرنے کے لئے ایک ہزار دینار عطا کئے۔"

امام ابو عبید جو اسلام کے نظام مالیات کی تشریح و توضیح میں حجت سمجھے جاتے ہیں وہ بھی مولفۃ القلوب کی مد کو ہمیشہ کے لئے قائم رکھنے کے حق میں ہیں۔ وہ اپنی تصنیف "کتاب الاموال" میں لکھتے ہیں۔

و اما ما قال الحسن و ابن شهاب فعلى ان الامر ماض ابدا و هذا هو القول عندى' لان الآية محكمة' لا نعلم لها ناسخا من كتاب و لا سنة (64)

"لیکن حسن اور ابن شہاب کے قول کے مطابق یہ صورت حال ہمیشہ جاری رہے گی اور میں بھی اسی قول سے اتفاق کرتا ہوں۔ اس لئے کہ آیت محکم ہے اور کتاب و سنت میں ہمیں اس کا کوئی ناسخ نہیں ملتا۔"

امام شافعی کی رائے کے مطابق بھی حاکم کو حق حاصل ہے کہ وہ لوگوں کو اسلام کی طرف مائل کرنے کے لئے تالیف قلب کے طور پر دے۔ (65) حضرت حسن بصری کی رائے بھی یہی ہے کہ مولفۃ القلوب کی مد باقی ہے۔ (66) امام رازی التفسیر الکبیر میں لکھتے ہیں۔

والصحيح ان هذا الحكم غير منسوخ و ان للامام ان يتالف قوما على هذا الوصف و يدفع اليهم سهم المولفة لانه دليل على نسخه البتة (67)

"اور درست یہ ہے کہ یہ حکم غیر منسوخ ہے۔ اور یہ کہ امام کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ کسی قوم کی جو اس لائق ہو' تالیف قلب کرے اور مولفۃ القلوب کا حصہ ان کو دے۔ اس لئے کہ اس (مد) کے منسوخ ہونے پر کوئی دلیل ہی باقی ہے وہ قطعی (نہیں ہے)۔"

ابو الحسن علی بن سلیمان المرداوی (م 885ھ / 1480ء) اپنی کتاب "الانصاف" میں لکھتے ہیں۔

الصحيح من المذهب - ان حكم المولفة باق (68)

ابو العباس احمد بن تیمیہ (م 728ھ / 1128ء) کے نزدیک بھی یہ مد منسوخ نہیں ہوئی۔ وہ مولفۃ القلوب کی مد کو ساقط قرار دینے والے فقہاء کی تردید میں لکھتے ہیں۔

و ما شرعه النبى صلى الله عليه وسلم شرعا معلقا بسبب انما يكون مشروعا عند وجود السبب = كاعطاء المولفة قلوبهم فانه ثابت بالكتاب

والسنة و بعض الناس ظن ان هذا نسخ لما روى عن عمر ان الله ذكر ان الله اغنى عن التالف فمن شاء فليومن و من شاء فليكفر و هذا الظن غلط' و لكن عمر استغنى فى زمنه عن اعطاء المولفة قلوبهم' فترك ذلك لعدم الحاجة اليه لا لنسخه كما لو فرض انه عدم فى بعض الاوقات ابن السبيل والغارم و نحو ذلک(69)

"اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں جو کچھ ثابت ہے وہ کسی نہ کسی سبب سے وابستہ ہے۔ کیونکہ وہ مشروع اسی وقت ہے جب کوئی سبب موجود ہو۔ جیسا کہ مولفۃ القلوب کو دینا کیونکہ یہ قرآن و سنت سے ثابت ہے اور بعض لوگوں کا یہ گمان ہے کہ یہ (مد) منسوخ ہو چکی ہے۔ کیونکہ حضرت عمرؓ سے یہ روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے تالیف (قلب) سے بے نیاز کر دیا ہے۔ پس جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے کفر کرے اور یہ گمان غلط ہے۔ بلکہ حضرت عمرؓ (کا موقف یہ تھا) کہ مجھے میرے زمانہ میں مولفۃ القلوب کو دینے سے بے نیاز کیا گیا ہے۔ پس آپ نے ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے اس کو چھوڑ دیا۔ اس کے منسوخ ہونے کی وجہ سے نہیں جیسا کہ بعض حالات میں مسافر اور مقروض اور اسی طرح دوسری (مدات) اگرچہ فرض ہیں لیکن وقتی طور پر ختم ہو سکتی ہیں۔"

شاہ ولی اللہ دہلوی نے بھی حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے کہ تالیف قلب کے لئے غیر مسلموں کو زکوۃ دی جا سکتی ہے۔ (70) جدید دور بھی اس امر کا متقاضی ہے کہ مولفۃ القلوب کی مد کو قائم رکھا جائے کیونکہ اسلام کو وہ عظمت حاصل نہیں رہی جو حضرت عمرؓ کے دور میں تھی۔

زکوۃ کے بارے میں سورۃ التوبہ کی مذکورہ آیت (60) کو اور اس واقعہ کو' جس میں صحابہ کا اس مد کے سقوط پر اجماع مانا ہے' ملایا جائے اور آج کل کے حالات سامنے رکھے جائیں تو ایک نیا پہلو سامنے آتا ہے۔ وہ یہ کہ قرآنی حکم میں زکوۃ کی تقسیم کا قاعدہ بطور امر قانون (Question of Law) بیان ہوا ہے۔

جس کی تائید جب تک امر واقعہ (Question of Fact) سے نہ ہو' اس وقت تک اس پر عمل نہیں کیا جا سکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک امر قانون اور امر واقعہ پہلو بہ پہلو چلتے رہے لہذا قرآنی حکم پر عمل ہوتا رہا۔ حضرت عمرؓ کے دور میں امر واقعہ' امر قانون کے مطابق نہ رہا۔ اس لئے نص پر عمل درآمد روک دیا گیا۔ اس کا منطقی نتیجہ یہی برآمد ہوتا ہے کہ جب بھی امر واقعہ اور امر قانون میں مطابقت پیدا ہو جائے یہ مد بحال ہو سکتی ہے۔ یہ اسی طرح ہے کہ کسی معاشرے سے مساکین ختم ہو جائیں تو مساکین کی مد ساقط ہو جاتی ہے۔ اسی طرح تنگ دست قرض دار معاشرے میں نہ ہوں تو یہ خرچ کسی دوسرے مفید کام پر ہو سکتا ہے۔ (71)

امام ابویوسف نے مصارف زکوۃ کے ضمن میں "غارم" کی تشریح کرتے ہوئے اس کے مفہوم میں وسعت پیدا کر دی ہے۔ ڈاکٹر نور محمد غفاری کے الفاظ میں "امام ابویوسف کی رائے کو اگر مان لیا جائے تو پھر یہ مد مسلمان اغنیاء کے ان قرضوں کی انشورنس کرتی ہے جو وہ اپنے غریب مسلمان بھائیوں کو بلاسود دیتے ہیں۔(72)

"فی سبیل اللہ" کی تشریح کرتے ہوئے امام ابویوسف نے جو یہ رائے قائم کی ہے کہ یہاں اس سے مراد مجاہدین ہیں' زیادہ درست اور حکمت پر مبنی ہے یہ اس لئے کہ قرآن و سنت اور صحابہ کرام کی زبان میں جب "فی سبیل اللہ" مطلق بولا جاتا ہے تو اس سے مراد جہاد ہی ہوتا ہے۔ ابو جعفر محمد ابن جریر' الطبری' (م 310ھ / 923ء) نے "جامع البیان فی تفسیر القرآن" (73) میں' ابو محمد عبداللہ بن احمد' ابن قدامہ (م 620ھ / 1223ء) نے "المغنی" (74) میں' احمد بن علی' ابن حجر العسقلانی (م 852ھ / 1449ء) نے "فتح الباری" (75) میں "فی سبیل اللہ" کا یہی مفہوم بتایا ہے۔ مجد الدین المبارک بن محمد' ابن الاثیر (م 606ھ / 1210ء) نے لکھا ہے کہ یہ لفظ جہاد کے معنی میں اس کثرت سے استعمال ہوا ہے کہ گویا اس کے صرف یہی معنی ہیں۔(76)

تاہم مجاہد اور غازی کے لئے ابویوسف نے فقر اور محتاجی کی جو شرط عائد کی ہے' راقم کو اس سے اتفاق نہیں ہے۔ زکوۃ کے مال میں ایک نادار اور محتاج آدمی کا حق تو ویسے ہی ہے پھر "فی سبیل اللہ" کے الفاظ سے ایک نئی اور مستقل صنف بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ ایک غازی یا مجاہد نے یہ رقم لے کر اپنی ذاتی ضروریات پر تو خرچ نہیں کرنی بلکہ اس نے جہاد کے اخراجات پر صرف کرنی ہے اس لئے راقم الحروف کے خیال میں غازی اور مجاہد خواہ فقیر ہو یا غنی' اس کو زکوۃ کے مال سے دیا جا سکتا ہے۔ امام شافعی نے "الام" (77) میں' شہاب الدین السید محمود' الآلوسی (م 1270ھ / 1854ء) نے "روح المعانی" (78) میں' ابو عبداللہ محمد بن احمد' القرطبی (م 671ھ / 1272ء) نے الجامع لاحکام القرآن" (79) میں' محمد' رشید رضا (م 1354ھ / 1935ء) نے "المنار" (80) میں' اور ابو محمد علی بن احمد' ابن حزم (م 456ھ / 1064ء) نے المحلی (81) میں یہی رائے پیش کی ہے۔ حنابلہ کی مستند کتب "المختصر للخرقی" (82) اور "الاقناع فی فقہ الامام احمد بن حنبل" (83) میں بھی اسی قول کی تائید کی گئی ہے۔ امام مالک اور ابو عبید کا مذہب بھی یہی ہے۔(84) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہماری راہنمائی کے لئے کافی ہے۔

لا تحل الصدقة لغنی الا لخمسة لغاز فی سبیل اللہ او لعامل علیها او لغارم او لرجل اشتراها بماله او لرجل کان له جار مسکین فتصدق علی المسکین فاهداها المسکین للغنی(85)

"صدقہ (واجب) کسی غنی کے لئے حلال نہیں۔ بجز پانچ (قسم کے افراد کے) وہ جو اللہ کی راہ میں لڑنے کے لئے نکلا ہو یا جو صدقات کی وصولی پر مقرر ہوا ہو یا جو مقروض ہو یا جو صدقے کا مال کسی مسکین سے قیمتاً خرید لے' یا وہ

جس کا پڑوسی مسکین ہو اور اس کو کسی نے صدقہ دیا ہو۔ پھر یہ مسکین صدقے کا حاصل شدہ مال اپنے غنی پڑوسی کو بطور ہدیہ دے۔"

یہاں ایک اور اہم نکتہ کی طرف اشارہ کرنا بھی ضروری ہے کہ امام ابو یوسف نے "فی سبیل اللہ" کی تشریح کرتے ہوئے اسے عسکری جہاد تک ہی محدود رکھا ہے حالانکہ دور حاضر میں جہاد بالقلم اور جہاد باللسان کی اہمیت بھی جہاد بالسیف سے کم نہیں۔ مسلمانوں کو اپنے دین پر قائم رکھنے کے لئے اور غیر مسلموں کو اسلام کی طرف راغب کرنے کے لئے فکری جہاد کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی بات کو مد نظر رکھتے ہوئے سید رشید رضا نے تفسیر المنار میں لکھا ہے۔

و من اهم ما ينفق في سبيل الله في زماننا هذا اعداد الدعاة الى الاسلام و ارسالهم الى بلاد الكفار من قبل جمعيات منظمة تمدهم بالمال الكافي كما يفعله الكفار في نشر دينهم(86)

"اور ہمارے زمانے میں فی سبیل اللہ کے مصرف میں سب سے اہم خرچ اسلام کے داعیوں کو تیار کرنا اور ان کو بلاد کفار میں بھیجنا ہے۔ ایسی منظم جماعتوں کی طرف سے جو انہیں کافی مال دیں جیساکہ کفار اپنے دین کو پھیلانے میں کر رہے ہیں۔"

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے بھی یہی حقیقت واضح ہوتی ہے۔ آپ کا ارشاد ہے۔

جاهدوا المشركين باموالكم وانفسكم والسنتكم(87)

"مشرکین سے جہاد کرو اپنے اموال کے ساتھ اور اپنی جانوں اور اپنی زبانوں کے ساتھ۔"

امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں مصارف زکوٰۃ کی تشریح کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ

و سهم في اصلاح طرق المسلمين (88)

"اور ایک حصہ مسلمانوں کے راستوں کی مرمت کے لئے رکھا جائے گا۔"

اسی طرح کا ایک قول ابو عبید القاسم بن سلام نے کتاب الاموال میں حضرت انس بن مالکؓ اور حضرت حسن بصری سے بھی نقل کیا ہے۔

ما اعطيت في الجسور والطرق فهي صدقة ماضية(89)

"تم نے جو کچھ پل بنانے یا سڑک درست کرنے میں خرچ کیا وہ صدقہ جاریہ ہے۔"

دور حاضر کے بعض متجددین نے امام ابو یوسف اور حضرت انسؓ کے ان اقوال سے دلیل لیتے ہوئے یہ رائے قائم کی ہے کہ زکوٰۃ کے مال کو رفاہ عامہ کے ہر قسم کے کاموں میں صرف کیا جا سکتا ہے۔ راقم الحروف کی رائے یہ ہے کہ امام ابو یوسف کی یہ روایت شاذ اور مشتبہ ہے۔ اس کی پہلی وجہ یہ ہے کہ معتبر کتب احناف میں مصارف زکوٰۃ کے بارے میں

امام ابو یوسف کا جو معاشی فکر بیان ہوا ہے وہ اس روایت کے بالکل برعکس ہے۔ ائمہ احناف اس بات پر متفق ہیں کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کرتے وقت متعلقہ شخص کو مالک بنانا ضروری ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ امام ابو یوسف نے "اصلاح طرق" کو ایک مستقل سہم قرار دیا ہے۔ حالانکہ قرآن حکیم میں جو آٹھ مصارف بیان ہوئے ہیں ان میں اس سہم کا ذکر نہیں۔ یہاں یہ شبہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ نے اس کو "فی سبیل اللہ" کے عموم میں داخل کیا ہو لیکن ابو بکر محمد بن احمد السرخسی (م 483ھ / 1090ء) نے "المبسوط" میں "فی سبیل اللہ" کے مفہوم میں امام ابو یوسف کا جو قول نقل کیا ہے اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ اپنے لغوی مفہوم کے اعتبار سے اگرچہ عام ہے اور اس میں تمام نیک کام شامل ہیں لیکن عرف میں اس کو جہاد کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس لئے اس آیت میں مجاہدین مراد ہیں۔(۹۰)

یہ امر بھی ممکن ہے کہ امام ابو عبید نے حضرت انسؓ اور حضرت حسن بصری کے قول کی جو تاویل کی ہے وہی مراد ہو۔ یعنی "اصلاح طرق" سے مراد سڑکوں اور پلوں کی تعمیر یا مرمت نہیں بلکہ چوروں اور ڈاکوؤں سے راستوں کو صاف کرنا مقصود ہے۔ اور یہ کام اس دور میں انہیں عاملین صدقہ کے سپرد ہوتا تھا جو راستوں پر زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے مقرر ہوتے تھے۔ اس لئے "اصلاح طرق" سے مراد ان عاملین کو مال زکوٰۃ دینا ہے۔

[illegible] امام ابو یوسف کی حقیقی رائے یہی ہے کہ زکوٰۃ کی رقم سے سڑکوں کی تعمیر و مرمت ہو سکتی ہے تو اس صورت میں ہم ان ائمہ کی رائے کو ترجیح دیں گے جو اس کے قائل نہیں کیونکہ ذرائع آمدورفت کی تعمیر و مرمت قرآن کریم کی متعین کردہ مدات میں سے کسی مد میں بھی شامل نہیں۔ اگر ہر قسم کا نیکی کا کام "فی سبیل اللہ" میں شامل ہوتا تو پھر مصارف متعین کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟

آیت مصارف زکوٰۃ کے آغاز میں "انما" کا لفظ عربی زبان میں حصر و اختصاص کے لئے آیا ہے۔ اگر "فی سبیل اللہ" کے مفہوم میں نیکی کے تمام کام ہی شامل کر لئے جائیں تو پھر انما کا مفہوم بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔ [illegible] کی یہ حدیث ہماری راہنمائی کے لئے کافی ہے۔ زیاد بن حارث صدائی فرماتے ہیں کہ ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کچھ صدقہ طلب کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو فرمایا۔

> ان اللہ لم یرض بحکم نبی ولا غیرہ فی الصدقات حتی حکم فیہا ہو
> فجزأہا ثمانیۃ اجزاء فان کنت من تلک الاجزاء اعطیتک [illegible] (۱۲۲)

> "بے شک اللہ تعالیٰ نے صدقات کے بارے میں کسی نبی یا غیر نبی کے فیصلے کو بھی پسند نہیں کیا بلکہ خود ہی اس نے ان کے آٹھ مصارف متعین کر دیئے ہیں اگر تم ان آٹھ مصارف میں سے ہو تو میں تمہیں حق دے دوں گا۔"

ذرائع آمدورفت کی تعمیر و مرمت اور دیگر رفاہ عامہ کے کاموں کے مصارف دوسرے ٹیکسوں سے حاصل کردہ رقوم

سے پورے ہونے چاہئیں۔

بنو ہاشم کے لئے زکوٰۃ حرام ہونے کے بارے میں امام ابو یوسف کی رائے صحیح احادیث کے مطابق ہے۔ اس بارے میں اتنی احادیث ہیں کہ ان کو معنیً متواتر کہا جاسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ احناف کا مفتیٰ بہ قول امام ابو یوسف کی رائے کے مطابق ہی ہے۔

امام ابو حنیفہ کی اس غیر مشہور اور شاذ روایت کے برعکس تمام ائمہ دین کا اس بات پر تقریباً اجماع ہے کہ بنو ہاشم کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی۔ ابن قدامہ رقم طراز ہیں۔

لا نعلم خلافا فی ان بنی هاشم لا تحل لهم الصدقة المفروضة(92)

"یعنی مجھے اس بارے میں کسی کا اختلاف معلوم نہیں کہ صدقات مفروضہ بنی ہاشم کے لئے حلال نہیں ہیں۔"

ہاشمی کو تحصیل زکوٰۃ کی ذمہ داری سونپنے کے بارے میں امام رازی بھی امام ابو یوسف کے فکر کی تائید میں کہتے ہیں کہ ہاشمی کو یہ ذمہ داری نہیں سونپنی چاہیے۔(93)

گھوڑوں پر زکوٰۃ کے مسئلہ میں امام ابو یوسف نے اپنے استاد امام ابو حنیفہ سے اختلاف کرتے ہوئے جو رائے دی ہے وہ صحیح احادیث کی روشنی میں زیادہ قوی ہے۔ امام ابو حنیفہ کا استدلال اس روایت پر ہے۔

عن جابر قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم فی الخیل السائمة فی کل فرس دینار (94)

"حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر سائمہ (باہر چراگاہ میں چر کر پلنے والے) گھوڑے پر ایک دینار زکوٰۃ ہے۔"

نیز حضرت عمرؓ کے متعلق ایک روایت نقل کی جاتی ہے کہ انہوں نے اپنے ایک عامل (Governor) کو حکم دیا کہ گھوڑوں کی زکوٰۃ وصول کرے۔(95) لیکن احمد بن الحسین البیہقی (م 458ھ / 1066ء) اور علی بن عمر الدار قطنی (م 385ھ / 995ء) اور دیگر محدثین نے ان روایات کو ضعیف قرار دیا ہے۔ اس لئے دیگر ائمہ انہیں قابل حجت تسلیم نہیں کرتے۔(96) اکثر فقہاء مثلاً ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی (م 321ھ / 933ء) حسن بن منصور قاضی خان (م 592ھ / 1196ء) اور ابو محمد عبداللہ بن یوسف الزیلعی (م 762ھ / 1360ء) نے امام ابو یوسف کی رائے پر ہی فتویٰ دیا ہے۔(97) محمد بن عبدالباقی الزرقانی (م 1122ھ / 1710ء) نے لکھا ہے کہ ابو یوسف نے اس مسئلہ میں جمہور علماء کے ساتھ اتفاق کیا ہے۔(98) محمد یوسف البنوری لکھتے ہیں۔ "هو قول اکثر اهل العلم"(99) اگرچہ صاحب فتح القدیر نے امام ابو حنیفہ کے قول کو ترجیح دینے کی کوشش کی ہے لیکن انہوں نے جو دلائل دیئے ہیں وہ ناکافی ہیں۔(100) ابو جعفر الطحاوی اپنی کتاب شرح معانی الآثار میں مختلف احادیث نقل کرنے کے بعد اپنی رائے دیتے ہوئے کہتے

ہیں۔

فاما لم یکن فی شئی مما ذکرنا من ھذہ الآثار دلیل علی وجوب الزکوۃ فی الخیل السائمۃ و کان فیھا ما ینفی الزکوۃ منھا ثبت بتصحیح ھذہ الاثار قول الذین لا یرون فیھا زکوۃ (101)

"پس ان آثار میں سے کوئی اثر بھی سائمہ گھوڑوں پر زکوۃ کے وجوب پر دلالت نہیں کرتا بلکہ ان میں سے بعض آثار زکوۃ الخیل کی نفی پر دلالت کرتے ہیں تو ان آثار کی تصحیح یعنی ہے' ان لوگوں کا قول ثابت ہوا جو گھوڑوں کی زکوۃ کے قائل نہیں۔"

آپ کے نزدیک قیاس کی رو سے بھی گھوڑوں کی زکوۃ واجب نہیں۔ ابو یوسف کے قول کو پسند کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

و ھذا قول ابی یوسف و محمد و ھو احب القولین الینا و قد روی ذلک عن سعید بن المسیب (102)

"اور یہی امام ابو یوسف اور امام محمد کا قول ہے اور یہی قول ہمارے نزدیک پسندیدہ ہے اور سعید بن المسیب سے بھی ایسا ہی روایت کیا گیا ہے۔"

امام ابو یوسف نے حضرت زینبؓ (زوجہ حضرت عبد اللہؓ بن مسعود) سے متعلق حدیث (103) سے استدلال کرتے ہوئے یہ فتویٰ دیا ہے کہ بیوی شوہر کو زکوۃ دے سکتی ہے حالانکہ جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ اس حدیث سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت زینبؓ عبد اللہؓ بن مسعود پر جو مال خرچ کرتی تھیں وہ مال زکوۃ میں سے نہ تھا بلکہ نفلی صدقہ تھا۔ ابو جعفر الطحاوی نے اپنی کتاب شرح معانی الآثار میں لکھا ہے۔

فھذا ایضا دلیل علی فساد تاویل ابی یوسف و من ذھب الی قولہ للحدیث الاول و قد بطل بما ذکرنا ان یکون فی حدیث زینب ما یدل ان المراۃ تعطی زوجھا من زکوۃ مالھا اذا کان فقیرا و انما نلتمس حکم ذلک بعد من طریق النظر و شواھد الاصول فاعتبرنا ذالک فوجدنا المراۃ باتفاقھم لا یعود علیھا زوجھا من زکوۃ مالہ و ان کانت فقیرۃ (104)

"پہلی حدیث کی بنیاد پر ابو یوسف اور جنہوں نے ان کے قول کے مطابق رائے دی ہے' ان کے قول کے باطل ہونے پر یہ بھی ایک دلیل ہے۔ جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔ یہ بات غلط ہے کہ حدیث زینبؓ سے یہ دلیل دی جائے کہ عورت اپنے مال کی زکوۃ میں سے اپنے تنگ دست خاوند کو دے سکتی ہے۔ لہذا ہم اس مسئلہ کا حکم

بطریق نظر و قیاس شواہد مقررہ معلوم کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ اس مسئلہ پر اتفاق ہے کہ مرد اپنی بیوی کو زکوۃ کے مال سے نہیں دے سکتا چاہے وہ تنگ دست ہی کیوں نہ ہو۔"

محی الدین یحیٰ بن شرف النووی (م 676ھ / 1277ء) حدیث زینبؓ کی شرح میں لکھتے ہیں۔

فیہ الحث علی الصدقة علی الاقارب و صلة الارحام و ان فیھا اجرین ... و هذا المذکور فی حدیث المراة ابن مسعود المراة الانصاریة من النفقة علی ازواجهما و ایتام فی حجورهما و نفقة ام سلمة علی بنیها المراد به کله صدقة تطوع و سیاق الاحادیث یدل علیه(105)

"اس میں قریبی رشتہ داروں پر صدقہ کرنے کی ترغیب پائی جاتی ہے اور اس میں دو اجر ہیں ... اور یہی بات (حضرت عبداللہ) بن مسعود کی بیوی اور انصاری عورت جو اپنے خاوندوں اور اپنی گود میں پلنے والے بچوں پر خرچ کرتی تھیں سے متعلق حدیث میں ذکر کی گئی ہے اور حضرت ام سلمہؓ جو کچھ خرچ کرتی تھیں اس سے مراد نفل صدقہ ہے اور احادیث کا سیاق و سباق (بھی) اس پر دلالت کرتا ہے۔"

شبیر احمد عثمانی نے بھی "فتح الملہم" میں اسی رائے کا اظہار کیا ہے۔(106)

عشر

امام ابو یوسف نے عشر واجب ہونے کے بارے میں پیداوار کی جو تخصیص (Allocation) کی ہے' وہ عشر و زکوۃ کے فلسفہ عدل اجتماعی (Social Justice) کے برعکس ہے۔ دور حاضر میں امام ابو یوسف کی رائے کو وہ اہمیت حاصل نہیں ہو سکتی جو امام ابو حنیفہ کے فکر کو حاصل ہے۔ اس دور میں کاشتکار سبزیوں کو تجارتی مقاصد کے تحت کاشت کرتے ہیں اور وہ اناج کی نسبت سبزیوں اور دیگر نفع بخش پیداواروں سے کثیر رقم کماتے ہیں اور سائنسی ترقی کی بدولت انہیں ذخیرہ کرنا بھی ممکن ہے۔ یہ بات انصاف سے بعید ہے کہ مختلف قسم کا غلہ کاشت کرنے والوں سے تو عشر وصول کیا جائے لیکن سبزیاں اگانے والے کاشتکار نفع بھی زیادہ حاصل کریں اور انہیں عشر کی ادائیگی بھی نہ کرنی پڑے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر حنفی علماء نے امام ابو حنیفہ کی رائے ہی کو پسند کیا ہے۔ (107) ابو بکر علاء الدین السمرقندی (م 540ھ / 1145ء) اپنی کتاب "تحفۃ الفقہاء" میں امام ابو حنیفہ کے معاشی فکر کو پسند کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

والصحیح ما قالہ ابو حنیفۃ لقولہ تعالی "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَ مِمَّاۤ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ" (البقرۃ: 267) (108)

"اور صحیح وہ ہے جو (امام) ابو حنیفہ نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی روشنی میں کہا ہے "اے ایمان والو! جو تم نے کمایا ہے اس میں سے عمدہ چیزیں خرچ کرو اور اس میں سے (بھی) جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالی ہیں۔
"

محمد انور شاہ الکشمیری نے بھی امام ابو حنیفہ کے نظریہ کی تائید کی ہے۔ محمد یوسف البنوری' انور شاہ الکشمیری کے فکر کی ترجمانی کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

و عمومات کتاب اللہ فیہا مویدۃ لمذہب الامام' و لا یصلح الاحاد الضعیفۃ مخصصۃ لعموم النصوص المقطوعۃ' و ایدنہا آثار' و حمل تلک الاحاد علی المعنی المذکور منجہ معقول فلا ریب ان مذہبہ الاحوط من جہۃ الدلیل والانفع حکمۃ لمصالح الامۃ واللہ اعلم (109)

"امام (ابو حنیفہ) کے مذہب کی تائید کتاب اللہ کی عام آیات سے ہوتی ہے۔ نصوص قطعیہ کے عموم کی وجہ سے ضعیف احادیث سے (پیداواروں) کی تخصیص صحیح نہیں ہے۔ آثار سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے اور اس معنی کی روشنی میں اخبار احاد کی معقول توجیہہ بھی ہو سکتی ہے۔ کوئی شک نہیں کہ (امام ابو حنیفہ) کے مذہب پر عمل کرنے میں دلیل کے لحاظ سے زیادہ احتیاط ہے' اور از روئے حکمت امت کے مصالح کے لئے اس میں زیادہ نفع ہے اور اللہ خوب جانتے ہیں۔"

ابوبکر عبداللہ ابن ابی شیبہ (م 235ھ / 849ء) نے لکھا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز (99 101ھ / 717 719ء) نے اہل یمن کو لکھا کہ زمین سے جو پیداوار بھی حاصل کی جائے خواہ کم ہو یا زیادہ اس سے عشر لیا جائے گا۔ (110) محمد انور شاہ کشمیری نے بھی "العرف الشذی" میں لکھا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے مختلف عمال کو یہ تحریر بھیجی تھی کہ وہ سبزیوں پر عشر وصول کریں۔ (111) ایک مالکی فقیہ ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی (م 543ھ / 1148ء) امام ابو حنیفہ کے مذہب کی تائید کرتے ہوئے شرح ترمذی میں لکھتے ہیں۔

و قوى المذاهب فى المسالة مذهب ابى حنيفة دليلا و احوطها للمساكين' و لولاها قياما شكر النعمة و عليه يدل عموم الاية والحديث (112)

"عشر کی پیداوار اور نصاب کے مسئلہ میں ابو حنیفہ کا مسلک دلیل کی روشنی میں زیادہ قوی ہے، مساکین کے لئے زیادہ محتاط، اللہ کی نعمت کے شکر میں سب سے بہتر ہے اور عام آیات اور احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں۔"

ابن عربی نے "احکام القرآن" میں بھی امام ابو حنیفہ کی رائے کو ہی ترجیح دی۔ (113)

امام ابو یوسف اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے سبزیوں کو عشر سے مستثنیٰ کرتے ہیں۔

ليس فى الخضروات صدقة (114)

"سبزیوں میں صدقہ نہیں۔"

محدثین کے نزدیک اس حدیث کی اسناد درست نہیں۔ امام ترمذی اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

اسناد هذا الحديث ليس بصحيح و ليس يصح فى هذا الباب عن النبى صلى الله عليه وسلم شئ و انما يروى هذا عن موسى بن طلحة عن النبى صلى الله عليه وسلم مرسلا (115)

"اس حدیث کی اسناد صحیح نہیں اور اس باب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ منقول نہیں ہے۔ اور یہ موسیٰ بن طلحہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے "مرسلاً" روایت کی ہے۔"

احمد الشرقاوی کی یہ رائے درست ہے کہ قرآن کریم اور مشہور احادیث کے مقابلہ میں اس ضعیف حدیث سے استدلال درست نہیں۔ (116)

بعض حنفی فقہاء نے اس ضعیف حدیث کو رد نہیں کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ حاکم اور اس کے مقرر کردہ کارندے سبزیوں کی زکوۃ نہیں لیں گے لیکن سبزیوں کے مالک اپنے طور پر اس بات کے پابند ہوں گے کہ وہ عشر ادا کریں۔ (117)

زرعی پیداوار کے نصاب کے بارے میں امام ابو یوسف کی رائے عقل و نقل کی روشنی میں درست معلوم ہوتی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک صحیح حدیث جس کو امام بخاری نے نقل کیا ہے' اسی پر دلالت کرتی ہے۔

عن ابی سعید الخدری عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لیس فیما اقل من خمسة اوسق صدقة(118)

"حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانچ وسق سے کم میں صدقہ نہیں ہے۔"

امام بخاری بھی غالباً یہی مسلک رکھتے ہیں کیونکہ انہوں نے اپنی کتاب میں جو باب باندھا ہے اس کا عنوان یہ ہے۔

"لیس فیما دون خمسة اوسق صدقة"(119)

اور صحیح مسلم کی حدیث میں یہ الفاظ ملتے ہیں۔

عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس فیما دون خمسة اوساق من تمر ولا حب صدقة(120)

"حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانچ وسق سے کم مقدار پر صدقہ واجب نہیں نہ کھجور پر اور نہ غلہ پر۔"

امام ابو عبید نے "کتاب الاموال" میں امام ابو یوسف کے قول کی ہی تائید کی ہے۔(121) امام ابو حنیفہ کا استدلال اس حدیث سے ہے جس میں ارشاد ہوا ہے۔

فیما سقت السماء العشر (122)

"جس کو بارش کے پانی نے سیراب کیا ہو اس میں عشر ہے۔"

لیکن یہ حدیث پانچ وسق والی حدیث کی معارض نہیں ہے۔ دونوں حدیثوں پر عمل واجب ہے۔ اس لئے کہ حدیث "بارش کے پانی کی پیداوار میں عشر ہے" سے مقصود درحقیقت یہ واضح کرنا ہے کہ عشر کس قسم کی پیداوار میں واجب ہے۔ اور نصف عشر کس قسم کی پیداوار میں۔ اس حدیث میں نصاب کا ذکر نہیں کیا گیا۔ نصاب کے بارے میں آپؐ نے ایک دوسری حدیث میں وضاحت فرمائی ہے۔

جہاں تک حولان حول (Completion of a year) کی شرط کے نہ ہونے سے عدم نصاب کا تعلق ہے تو یہ بات دل کو اس لئے نہیں لگتی کہ زراعت میں کھیتی کٹ جانے سے نمو تام ہو جاتا ہے جبکہ دیگر اموال میں سال بھر نمو کا امکان باقی رہتا ہے۔ اسی لئے ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ ابن قدامہ لکھتے ہیں۔

و انما لم یعتبر الحول لانه یکمل نماوه باستحصاده لا ببقائه و اعتبر الحول

فی غیرہ لانہ مظنة لکمال النماء فی سائر الاموال والنصاب اعتبر لیبلغ حدا یحتمل المواساة منه فلهذا اعتبر فیه(123)

امام ابو یوسف پانچ وسق والی حدیث نقل کرکے لکھتے ہیں۔

والقول عندنا علی هذا(124)

"اور ہمارے نزدیک صحیح قول یہی ہے۔"

عقلی طور پر بھی امام ابو یوسف کی رائے کو ترجیح حاصل ہے کیونکہ جب شریعت نے دوسرے تمام اموال میں نصاب کو مد نظر رکھا ہے تو زرعی پیداوار کا نصاب بھی مقرر ہونا چاہیے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ زکوۃ صرف اغنیاء (The upper classes) پر واجب ہے اور نصاب کی حقیقت یہی ہے کہ وہ غنا کی کم سے کم حد ہے۔ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں۔

و لانه صدقة فیشترط فیه النصاب لیتحقق الغنی(125)

"یعنی عشر ایک صدقہ ہے لہٰذا اس میں بھی نصاب کی شرط ہوگی تاکہ غناء کا تحقق ہو جائے۔"

ابن قدامہ لکھتے ہیں۔

یحققه ان الصدقة انما تجب علی الاغنیاء ۔ و لا یحصل الغنی بدون النصاب کسائر الاموال الزکاتیة(126)

اگر زمین ٹھیکہ پر (on rent) دی گئی ہو تو امام ابو یوسف کے نزدیک عشر کی ادائیگی کاشتکار کے ذمہ ہوگی کیونکہ ان کے نزدیک عشر پیداوار پر واجب ہوتا ہے۔ اکثر ائمہ نے امام ابو یوسف کے قول پر ہی فتویٰ دیا ہے۔ محمد امین ابن عابدین (م 1252ھ / 1836ء) نے اپنے عہد کے حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے کہا ہے کہ اگر امام ابو حنیفہ کے قول کو تسلیم کیا جائے تو اس سے اوقاف کی اراضی پر ظلم ہوتا ہے۔ آپ لکھتے ہیں۔

و قد وقعت هذه الحادثة فی زماننا و تکرر السوال عنها و ملت فیها الی الجواب بقول الامامین لانه قول مصحح ایضا. و لانه یلزم علی قول الامام فی زماننا حصول ضرر عظیم علی جهة الاوقاف و غیرها لا یقول به احد و ذلک انه جرت العادة فی زماننا ان اصحاب التیمار والزعماء الذین هم وکلاء مولانا السلطان نصره الله تعالیٰ یاخذون العشر و الخراج من المستاجرین و کذا جرت العادة ایضا ان حکام السیاسة یاخذون الغرامات الواردة علی الاراضی من المستاجرین ایضا و غالب القری والمزارع اوقاف

والمستاجر بسبب ما ذكرناه لا يستاجر الارض الا باجرة يسيرة جدا فقد تكون قرية كبيرة اجرة مثلها اكثر من الف درهم فيستاجرها بنحو عشرين درهما لما ياخذه منه حكام السياسة من الغرامات الكثيرة و لما ياخذه منه اصحاب التيمار فاذا آجر المتولى هذه القرية بعشرين درهما فهل يسوغ لاحد ان يفتى صاحب العشر باخذ عشر ما يخرج من جميع القرية من المتولى هذا شئى لا يقول به احد فضلا عن امام الائمة و مصباح الامة ابى حنيفة النعمان رحمه الله تعالى بل الواجب ان ننظر الى اجرة مثل هذه القرية... فاذا امكن المتولى ان يوجرها بالاجرة الوافرة فح نفتى بقول الامام و اذا كان لا يمكنه ذلك بان كان لا يرضى احد ان يستاجرها الا بالاجرة القليلة لجريان العادة باخذ العشر منه فح يتعين الافتاء بقول الامامين هذا هو الانصاف الذى لا ينبغى لاحد فيه خلاف (127)

"اور یہ واقعہ ہمارے زمانہ میں پیش آیا اور بار بار ہم سے پوچھا گیا۔ میں نے اس میں صاحبین کا موقف اختیار کیا ہے کیونکہ وہ بڑا صحیح قول ہے..... اور یہ اس لئے کہ ہمارے زمانے میں امام (ابو حنیفہ) کے قول پر عمل کرنے سے اوقات کی اراضی پر ظلم عظیم ہو گا۔ جس کا کوئی قائل نہیں۔ بات یہ ہے کہ ہمارے زمانے کا دستور ہے کہ سلطان (اللہ اس کی مدد کرے) کے کارندے مستاجرین سے عشر و خراج وصول کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ رسم بھی چل نکلی ہے کہ ارباب سیاست زمین پر جو تاوان وغیرہ ہوتے ہیں سب مستاجرین سے وصول کرتے ہیں۔ دیہات اور اراضی زیادہ تر اوقاف سے تعلق رکھتے ہیں اور ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ مستاجر بہت تھوڑی رقم کے معاوضہ میں زمین اجارہ پر لیتا ہے۔ ایک بڑا گاؤں جس کا اجارہ ہزار درہم سے بھی زیادہ ہونا چاہیے وہ صرف بیس درہم کے عوض لیتا ہے۔ کیونکہ حکام اکثر مستاجرین سے تاوان وغیرہ کثرت سے وصول کرتے رہتے ہیں۔ جب مالک یہ پورا گاؤں بیس درہم کے عوض دے دے تو کوئی مفتی یہ فتوی کیونکر صادر کر سکتا ہے کہ عشر وصول کرنے والا پورے گاؤں کا عشر مالک سے وصول کرے۔ کوئی شخص ایسی بات نہیں کہہ سکتا چہ جائیکہ امام الائمہ و مصباح الامہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالی ایسا فتوی دیتے۔ نہایت ضروری ہے کہ ہم یہ دیکھیں کہ اکثر حالات میں ایسے گاؤں کا معاوضہ کیا ہوتا ہے..... جب مالک زیادہ اجارہ (ٹھیکہ) وصول کرے گا تو ہم امام کے قول پر فتوی دیں گے اور اگر ایسا ممکن نہیں اور کوئی شخص زیادہ اجارہ دینے کے لئے تیار نہیں کیونکہ حسب عادت اس سے عشر وصول کیا جاتا ہے تو اس صورت میں صاحبین کے قول پر فتوی دینا ضروری ہو گا۔ یہ انصاف کی بات ہے

جس میں مجال اختلاف نہیں ہے۔"

ابن قدامہ نے بھی امام ابو یوسف کی رائے کو ترجیح دی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اسے زمین کا وظیفہ کہنا صحیح نہیں۔ اس لئے اگر یہ زمین کا وظیفہ ہوتا تو خراج کی طرح کاشت کے بغیر بھی واجب ہوتا۔ آپ لکھتے ہیں۔

و من استاجر ارضا فزرعها فالعشر علیه دون مالک الارض، و بهذا قال مالک والثوری و شریک و ابن المبارک والشافعی و ابن المنذر (128)

"اور جس نے اجرت پر زمین لی پھر اس کو کاشت کیا تو عشر بھی اس کے ذمہ ہے۔ زمین کے مالک پر نہیں۔ اور یہی رائے مالک، ثوری، شریک، ابن مبارک، شافعی اور ابن منذر کی ہے۔"

علاء الدین ابو بکر الکاسانی (م 587ھ / 1191ء) لکھتے ہیں۔

لیس بشرط لوجوب العشر و انما الشرط ملک الخارج (129)

"زمین کا مالک ہونا عشر واجب ہونے کے لئے شرط نہیں بلکہ پیداوار کا مالک ہونا شرط ہے۔"

امام ابو عبید (130) اور احمد رضا خاں (م 1340ھ / 1922ء) (131) کی تحقیق بھی امام ابو یوسف کی رائے کے مطابق ہے۔ شہد پر عشر واجب ہونے کے بارے میں امام ابو یوسف کی رائے شریعت کے منشاء کے قریب ہے۔ اگرچہ جمہور فقہاء کی یہ رائے درست ہے کہ شہد کے متعلق کوئی صحیح حدیث آپ ؐ سے ثابت نہیں لیکن بہت سی ضعیف احادیث مل کر قوی بن جاتی ہیں۔ نیز شہد چونکہ درختوں اور پھلوں سے حاصل ہوتا ہے اور اس کا ذخیرہ بھی ہو سکتا ہے اس لئے قیاس کا اقتضا بھی یہ ہے کہ اس پر عشر واجب ہو۔ محمد بن علی الشوکانی (م 1250ھ / 1834ء) نے "نیل الاوطار" میں یہی رائے دی ہے۔ (132) جمہور کی یہ دلیل کہ دودھ میں از روئے اجماع زکوۃ نہیں تو اس کا جواب ابن قدامہ نے یہ دیا ہے کہ دودھ کی زکوۃ اس کی اصل یعنی حیوانات سائمہ میں واجب ہے۔ بخلاف شہد کے۔ (133)

ناقابل پیمائش چیزوں کے نصاب کے بارے میں امام ابو یوسف کی رائے ان کی اعلیٰ اقتصادی بصیرت پر دلالت کرتی ہے۔ ظاہر ہے کہ شارع نے جب ان چیزوں کے نصاب کے بارے میں وضاحت نہیں کی تو ان کے نصاب کا اعتبار دوسری چیزوں کے ذریعہ ہی کیا جائے گا اور جن چیزوں کو ناپا جا سکتا ہو ان کی قیمت کو ایسی چیزوں کے نصاب کے تعین کا ذریعہ بنایا جائے گا۔

امام ابو یوسف جب یہ رائے دیتے ہیں کہ قیمت کا اعتبار کرنے میں سب سے زیادہ کم قیمت والی چیز مثلاً جو، مکئی وغیرہ کو معیار بنایا جائے تو اس سے وہ حاجت مندوں کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچانا چاہتے ہیں۔

پیداواری اخراجات (Cost of Production) عشر کی ادائیگی سے قبل منہا کئے جائیں گے یا نہیں؟ اس بارے میں فتاویٰ عالمگیری کے مولفین کا رجحان ابو یوسف کے معاشی فکر کے مطابق ہے۔ چنانچہ اس میں یہ لکھا گیا ہے کہ

کام کرنے والوں کی اجرت' نہر کھودنے اور بیلوں کا خرچ' محافظ کی اجرت' اور دیگر اخراجات پیداوار سے منہا نہیں کئے جائیں گے۔ بلکہ کل پیداوار (Total Production) میں سے عشر (1/10) یا نصف عشر (1/20) کی ادائیگی کی جائے گی۔(134)

صدقہ فطر

صدقہ فطر کے نصاب کے بارے میں امام ابو یوسف کی رائے کے برعکس جمہور فقہاء کی رائے صدقہ فطر کے فلسفہ سے ہم آہنگ ہے۔ شارع نے اس کی دو بڑی حکمتیں بیان کی ہیں۔ یعنی اس کے ذریعہ ایک مسلمان روزہ دار کو لغو باتوں سے پاکیزگی حاصل ہوتی ہے اور مساکین کو عید کی خوشیوں میں شریک کیا جاتا ہے۔ یہ صدقہ دوسرے فرض صدقات کے مقابلے میں اس لحاظ سے مختلف ہے کہ دیگر صدقات مختلف اموال پر عائد ہوتے ہیں اس لئے ان اشیاء کا نصاب بھی ضروری ہے۔ لیکن صدقہ فطر افراد پر عائد ہوتا ہے اس لئے یہ بات زیادہ قرین قیاس ہے۔ کہ اس کا نصاب نہ ہو۔ احمد بن حنبل (م 241ھ / 855ء) نے اپنی مسند میں یہ روایت نقل کی ہے۔

عن ابی ھریرۃ فی زکوۃ الفطر = علی کل حر و عبد' ذکر او انثی' صغیر او کبیر' فقیر او غنی' صاع من تمر' او نصف صاع من قمح(135)

"زکوۃ الفطر کے بارے میں ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ہر آزاد اور غلام' مرد یا عورت' چھوٹا یا بڑا' فقیر یا مالدار اس پر ایک صاع کھجور یا نصف صاع گندم ہے۔"

امام ابو یوسف کا یہ نظریہ کہ صدقہ فطر کی ادائیگی کے لئے آٹا گندم سے بہتر ہے اور نقد رقم آٹے سے بہتر ہے بہت مناسب ہے۔ اس طرح غرباء و مساکین اپنی حاجات بہتر طریقہ سے پوری کر سکتے ہیں۔ اگر محتاج آدمی کو نقد رقم مل جائے تو وہ اپنی ضرورت کی دیگر اشیاء خرید سکتا ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز اور حسن بصری سے یہی منقول ہے۔(136) ابو جعفر الطحاوی نے ابو یوسف کی اس رائے کو پسند کیا ہے۔(137) دور حاضر میں بالخصوص وہ صنعتی علاقے' جہاں نقدی کے ذریعے ہی لین دین ہوتا ہے' وہاں ابو یوسف کی رائے پر عمل کرنے سے فقراء کے لئے بہت آسانی ہے۔

نیز قلم او صدقہ فطر دینے کے بارے میں امام ابو یوسف کی رائے پر ہی فتویٰ ہے ابن عابدین کے الفاظ ہیں "ال الفتوی علی قول ابی یوسف"(138)

پیمانہ صاع کا وزن

امام ابو یوسف نے پیمانہ صاع کے وزن کے بارے میں اہل مدینہ کے صاع کو اس لئے معتبر قرار دیا کہ اہل مدینہ زیادہ

تر زراعت پیشہ تھے انہیں پیمانہ سے زیادہ واسطہ پڑتا تھا اس لئے ان کے پیمانے زیادہ صحیح ہوتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک فرمان سے بھی امام ابویوسف کی رائے کو تقویت ملتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ (م 73ھ / 692ء) فرماتے ہیں۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الوزن وزن اهل مكة والمكيال مكيال اهل المدينة(139)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تول میں مکہ والوں کی تول معتبر ہے اور ماپ میں مدینہ والوں کی ماپ"

ڈاکٹر محمد ضیاء الدین الریس نے اپنی کتاب "الخراج والنظم المالية للدولة الاسلامية" میں امام ابویوسف ہی کی رائے کو ترجیح دی ہے۔ آپ کی بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ہارون الرشید کی موجودگی میں امام مالک بن انس اور امام ابویوسف کے درمیان صاع کے وزن کے بارے میں مباحثہ ہوا اور اس کے نتیجے میں امام ابویوسف نے امام مالک اور اہل مدینہ کی رائے کو تسلیم کر لیا۔ امام مالک سے بڑھ کر مدینہ کے آثار سے اور کون واقف ہو سکتا ہے؟ اور فقیہ ابویوسف سے بڑھ کر اور کون سی بڑی گواہی ہو سکتی ہے؟(140)

عشری اور خراجی زمینیں

امام ابویوسف نے عشری اور خراجی زمینوں پر بحث کرتے وقت بڑے احسن طریقہ سے عشری زمینوں کو خراجی زمینوں سے ممتاز کر دیا ہے۔ لیکن جب وہ یہ کہتے ہیں کہ وہ تمام زمینیں جن کے مالک مسلمان ہو گئے ہوں عشری زمین ہے خواہ وہ جزیرۃ العرب میں ہو یا اس سے باہر تو وہ جزیرۃ العرب سے باہر کی عشری زمین کی کوئی مثال بیان نہیں کرتے۔ ڈاکٹر ضیاء الدین احمد رقم طراز ہیں۔

"Neither Abu Yusuf, nor any other authority gives any instance of Ushr land outside Arabian Peninsula on this Score" (141)

"نہ ہی امام ابویوسف اور نہ ہی کوئی دوسرا مستند مصنف اس بنیاد پر جزیرۃ العرب سے باہر عشری زمین کی کوئی ایک مثال دیتا ہے۔"

ابن عابدین نے ابویوسف کے اس قول پر اعتماد کیا ہے کہ کسی زمین کو عشری یا خراجی قرار دیتے ہوئے یہ اصول سامنے رکھا جائے گا کہ اس کے قرب و جوار کی زمین کس نوعیت کی ہے۔(142)

امام ابویوسف جب حاکم کو یہ اختیار دیتے ہیں کہ وہ عشر یا خراج دونوں میں سے کوئی ایک عائد کر سکتا ہے تو اس سے

ان کا مقصد بیت المال کے ذرائع آمدن میں اضافہ کرنا ہے۔ یعنی اگر حاکم یہ محسوس کرے کہ ایسی زمینوں پر عشر لینے کی صورت میں' ملکی خزانہ میں خاطر خواہ اضافہ نہیں ہوتا اور حکومت کو اخراجات کے لئے رقم کی ضرورت ہے تو عشر کی بجائے خراج بھی عائد کر سکتا ہے۔ اس طرح امام ابو یوسف نے کسی ریاست کی معاشی بدحالی کو ترقی میں بدلنے کے لئے قانونی تحفظ مہیا کیا ہے۔

امام ابو یوسف جب یہ کہتے ہیں کہ ایک ہی زمین پر عشر اور خراج اکٹھے نہیں ہو سکتے تو در اصل وہ تحصیل محاصل میں اصول عدل کو مد نظر رکھتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں۔

ما احب ان یجمع علی المسلم صدقة المسلم و جزیة الکافر (143)

"مجھے یہ بات پسند نہیں کہ میں مسلمان پر' مسلمان کی زکوۃ اور کافر کا جزیہ (دونوں کو) جمع کروں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ کسی بھی خلیفہ یا منتظم نے سواد کی زمین پر خراج کے ساتھ عشر کا ٹیکس نہیں لگایا۔" (144)

خراج اصل میں کفر کی وجہ سے واجب ہوتا ہے۔ یہ بزور قوت فتح کئے جانے والے علاقوں میں وہاں کے باشندوں کی سرزنش ہے جبکہ عشر ایک عبادت ہے جو نفس اور مال کی تطہیر اور اللہ کے شکر کے طور پر واجب ہوتا ہے۔ پس دونوں کے وجود کا مقصد ایک دوسرے کے بالکل برعکس ہے۔ اور ایسی دو چیزوں کا اجتماع نہیں ہو سکتا۔

وہ علماء جو اسلامی معاشیات میں حجت سمجھے جاتے ہیں' ان کی رائے یہ ہے کہ خراجی زمین کا مالک اگر اسلام قبول کر لے تو خراج ساقط ہو جائے گا۔ اس کے ذمہ صرف عشر کی ادائیگی ہو گی۔ اور اس کو اپنی زمین فروخت کرنے کا حق ہو گا۔ (145)

عشور

امام ابو یوسف عشور (Custom Duty) پر بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ غیر مسلموں سے حرام چیزوں مثلاً سور اور شراب کے کاروبار کا ٹیکس لیا جائے گا اور اسے بیت المال میں جمع کرایا جائے گا۔ راقم کی رائے یہ ہے کہ ان کا یہ نظریہ اسلام کے مجموعی مزاج سے ہم آہنگ نہیں۔ ایک اسلامی ریاست میں صرف حلال اشیاء اور حلال کاموں پر ہی ٹیکس عائد کے جا سکتے ہیں۔ حرام اشیاء اور حرام کاموں پر ٹیکس نہیں لیا جا سکتا۔ امام ابو عبید نے کتاب الاموال میں صحیح کہا ہے کہ عشور کو جزیہ و خراج پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ آپ لکھتے ہیں۔

و هذا لیس من الباب الاول' و لا یشبهه' لان ذلک حق وجب علی رقابهم و ارضیهم' و ان العشر ههنا انما هو شئی یوضع علی الخمر والخنازیر انفسها' فکذلک ثمنها لا یطیب لقول رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم "ان

اللّٰہ اذا حرم شیئاً حرم ثمنہ"(146)

"ہمارے خیال میں اس مسئلہ کا (یعنی عشور کا) پہلے مسئلہ سے نہ تعلق ہے نہ مشابہت۔ اس لئے کہ وہ ایک ایسا حق تھا جو ان کے افراد اور ان کی زمینوں پر واجب ہوا تھا۔ لیکن یہاں عشر (چنگی) خود شراب اور سوروں پر لگایا جا رہا ہے حالانکہ ان کی طرح ان کی قیمت بھی ناپسندیدہ اور ناروا ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلاشبہ اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کو حرام قرار دیتا ہے تو اس کی قیمت بھی حرام ہو جاتی ہے۔"

حضرت عمر بن الخطابؓ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز کے فرامین بھی اس ضمن میں ہماری راہنمائی کرتے ہیں۔ امام ابو عبید اپنی تصنیف کتاب الاموال میں حضرت عبداللہ بن ہبیرہ سبائی کی یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ عتبہ بن فرقد نے حضرت عمرؓ کو شراب کا ٹیکس وصول کر کے چالیس ہزار درہم بھیجے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے انہیں لکھا "تم نے مجھے شراب کا ٹیکس بھیج دیا حالانکہ مہاجرین کے مقابلہ میں تم اس کے زیادہ حقدار تھے۔ پھر آپ نے فرمایا "بخدا اس کے بعد میں تمہیں کسی چیز کی خدمت کے لئے بھی مامور نہ کروں گا۔"(147)

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے عدی بن ارطاۃ کو لکھا "مجھے اپنے پاس آنے والے اموال کے بچ رہنے والے حصہ کے متعلق مطلع کرو کہ وہ کہاں سے آیا؟ چنانچہ انہوں نے اس کے جواب میں مختلف اصناف سے وصول ہونے والی آمدنیوں کی تفصیلی فہرست لکھ بھیجی۔ اپنے اس مکتوب میں انہوں نے یہ بھی لکھا تھا "شراب کے ٹیکس سے چار ہزار درہم وصول ہوئے" کچھ مدت کے بعد اس کے جواب میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کی یہ تحریر آئی "تم نے اپنے خط میں مجھے شراب کے ٹیکس میں چار ہزار درہم کی وصولی کا لکھا۔ حالانکہ مسلمان نہ شراب کا ٹیکس (عشور) وصول کرتا ہے' نہ اسے پیتا ہے اور نہ فروخت کرتا ہے۔ لہٰذا جب میرا یہ خط تمہیں ملے تو اس شخص کو بلاؤ (جس سے یہ ٹیکس وصول کیا گیا ہے) اور یہ رقم اسے واپس کر دو کہ وہ اس کا زیادہ مستحق ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس شخص کو بلایا اور اسے وہ چار ہزار درہم واپس کئے گئے۔ اور عدی بن ارطاۃ نے کہا "میں اپنے اس عمل کی خدا سے معافی چاہتا ہوں۔ بلاشبہ مجھے اس بارے میں کوئی معلومات نہ تھیں۔(148)

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے عبدالحمید بن عبدالرحمٰن کے نام جو خط تحریر کیا تھا اس میں یہ الفاظ بھی لکھے تھے "تم ان سے دراہم نکاح" نہ وصول کرنا۔ اس خط میں "دراہم نکاح" سے مراد ہے طوائفوں کی کمائی۔ ان طوائفوں سے خراج لیا جاتا تھا۔(149)

امام ابو یوسف نے خود کتاب الخراج صفحہ 93 پر حضرت عمر بن عبدالعزیز کا اثر نقل کیا ہے جو ان کے معاشی فکر کے خلاف ہے۔

جزیہ

جزیہ (Capitation Tax) کے بارے میں امام ابو یوسف کے معاشی فکر کی ایک خوبی یہ ہے کہ آپ نے اس پر بحث کرتے وقت ان قوانین (Laws) کو پیش نظر رکھا ہے جو جدید دور کے ماہرین معاشیات کے نزدیک ایک اچھے ٹیکس کے لئے ضروری ہیں۔ ایک ٹیکس کو درج ذیل قوانین کا پابند ہونا چاہیے۔

(ا) قانون معدلت

(ب) قانون تیقن

(ج) قانون سہولت

(د) قانون کفایت

(ر) قانون تغیر پذیری

وہ ٹیکس جس میں یہ خوبیاں موجود نہ ہوں ماہرین کے نزدیک ناقص ٹیکس کہلاتا ہے۔ امام ابو یوسف نے جزیہ کو معاشی حیثیت سے ایک نہایت ہی عمدہ ٹیکس کے طور پر پیش کیا ہے۔ ان کے نزدیک مذکورہ بالا قوانین کی خلاف ورزی سے ذمی رعایا کی معاشی ترقی و خوشحالی کو ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

قانون معدلت کا مفہوم یہ ہے کہ رعایا سے ان کی مالی حیثیت کے مطابق ٹیکس لیا جائے۔ امام ابو یوسف نے اس قانون کو مد نظر رکھتے ہوئے عوام کے مختلف طبقات کی مالی حالت کے مطابق مختلف شرح سے ٹیکس تجویز کیا ہے۔ امراء پر بشرح اعلیٰ، متوسطین بشرح متوسط اور غرباء پر بشرح ادنیٰ تاکہ تمام ٹیکس دہندگان مساوی بوجھ محسوس کریں۔ وہ امراء، متوسطین اور غرباء پر بشرح مختلف 48'24'12 درہم سالانہ ٹیکس عائد کرتے ہیں۔

اصول معدلت کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ شرح محصول مختلف ہونے کے باوجود ایک حد تک محدود ہو۔ یعنی اس پر متواتر اضافہ نہ ہو سکے تاکہ اضافہ آمدنی کسی حالت میں بھی لوگوں کے لئے نقصان دہ نہ ہو۔

امام ابو یوسف نے امارت و غربت کے لحاظ سے انسانی طبقوں کے لئے جزیہ کی جو شرحیں مقرر کی ہیں وہ اگرچہ بذات خود مختلف ہیں لیکن ہر شرح محدود ہے۔ یعنی بالفاظ دیگر ہر طبقہ کی آمدنی کے متعدد مدارج قرار دے کر ان کے لئے علیحدہ علیحدہ شرحیں قائم نہیں کی ہیں بلکہ تمام غرباء کے لئے ایک شرح ہے تمام متوسطین کے لئے ایک اور تمام امراء کے لئے ایک۔ اس طریقہ سے ہر طبقہ پر جزیہ کا یکساں الگ الگ بوجھ پڑتا ہے اور کسی خاص طبقہ کو زیادہ استطاعت کی وجہ سے جزیہ زیادہ بوجھ معلوم نہیں ہوتا۔

قانون تیقن کا مفہوم یہ ہے کہ جو ٹیکس عائد کیا جائے اس کی قانونی حیثیت، مقدار، ادائیگی کا وقت، طریقہ ادائیگی وغیرہ سب امور واضح ہوں۔

امام ابو یوسف نے جزیہ کے بارے میں بحث کرتے وقت اس امر کو پیش نظر رکھا ہے کہ جزیہ ادا کرنے والے کو اپنی مالی حیثیت کے مطابق واجب الادا رقم کی صحیح مقدار کا علم ہو تاکہ جبر یا دھوکے سے کوئی شخص مقررہ ٹیکس سے زیادہ نہ وصول کر سکے ان کے نزدیک جزیہ کی شرح میں تغیر و تبدل ممکن نہیں۔ انہوں نے اس کی ادائیگی کا وقت بھی بتایا ہے۔ یعنی یہ سال کے آخر میں وصول کیا جائے۔ اس سے قبل اس کا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا۔(150)

امام ابو یوسف نے قانون سہولت کو بھی مد نظر رکھا ہے۔ وہ جزیہ کی ادائیگی کا طریقہ بتاتے ہوئے کہتے ہیں کہ نقدی کے علاوہ جانور' سامان اور پیشہ کی ہر چیز جزیہ کے طور پر دی جا سکتی ہے۔ صرف مردار' سور اور شراب پیش نہیں کی جا سکتی۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر یہ چیزیں جزیہ میں وصول ہوں تو اہل حرفت کے ذریعے ان کو فروخت کر کے ان کی قیمت دفتر میں جمع کرنی چاہیے کیونکہ اس میں اہل جزیہ کو سہولت ہوتی ہے۔(151)

قانون کفایت سے مراد یہ ہے کہ ٹیکس دہندگان پر اتنا ہی ٹیکس لگایا جائے جو سرکاری اخراجات کے لئے کافی ہو' ٹیکسوں کی وصولی پر اتنی رقم خرچ نہ کر دی جائے جس سے اصل رقم کا ایک بڑا حصہ ختم ہو جائے۔

امام ابو یوسف نے اتنا ہی ٹیکس تجویز کیا ہے جو سرکاری اخراجات کے لئے کافی ہو۔ جزیہ ادا کرنے والوں کو مقدار جزیہ سے زیادہ نہیں دینا پڑتا۔ جو کچھ فراہمی جزیہ میں صرف ہوتا ہے اس کی مقدار بمقابلہ ماحصل جزیہ ادائی سے ادنیٰ ہوتی ہے۔ یعنی اس کے فراہم کرنے کے مصارف اصل مطالبات سے کم اور بہت کم ہوتے ہیں۔

البتہ امام ابو یوسف کے فکر میں ایک خامی یہ ہے کہ انہوں نے جزیہ کے ضمن میں قانون تغیر پذیری کو مد نظر نہیں رکھا۔ اس قانون کا مفہوم یہ ہے کہ ٹیکس متعدد ذرائع پر مختلف شرحوں سے اس طرح قائم کرنا چاہیے کہ حسب حالات اس کی مقدار ماحصل میں اضافہ و تخفیف ہو سکے۔ بعض اوقات حکومت کو مصارف کے لئے زیادہ رقم کی ضرورت پڑتی ہے اور کبھی کم۔ اگر ہر حالت میں جیسا کہ امام ابو یوسف کا نظریہ ہے۔ جزیہ کی شرح یہی رہے تو اس صورت میں ایسا بھی ممکن ہے کہ کبھی تو مصارف کے لئے یہ رقم ناکافی ہو اور کبھی زائد بچ رہے۔ ہمارے خیال میں یہاں امام ابو عبید کی رائے زیادہ مناسب معلوم ہوتی ہے کہ حاکم کو جزیہ کی شرح میں کمی بیشی کا اختیار ہے۔(152) اگرچہ امام ابو یوسف نے بھی کتاب الخراج میں ایسے واقعات نقل کئے ہیں جن سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ان کے نزدیک جزیہ کی شرحوں میں کمی بیشی ہو سکتی ہے تاہم زیادہ واضح انداز میں ان کا موقف یہی نظر آتا ہے کہ جزیہ میں تخفیف نہیں کی جا سکتی۔(153)

امام ابو یوسف نے کتاب الخراج صفحہ 80 پر لکھا ہے کہ نجران کے وہ عیسائی جو عراق چلے گئے تھے انہوں نے حضرت عثمان غنی (24 35ھ / 645-655ء) کے زمانہ خلافت میں تخفیف جزیہ کی درخواست کی تو امیر المومنین نے ولید بن عقبہ حاکم عراق کے نام ایک فرمان بھیجا جس میں یہ الفاظ بھی تھے۔

وانی قد خففت عنهم ثلاثین حلة من جزیتهم(154)

"اور میں نے ان کے جزیہ سے تیس جوڑے کم کر دیئے ہیں۔"

یحییٰ بن آدم القرشی (م 203ھ / 818ء) نے اپنی تصنیف "کتاب الخراج" میں لکھا ہے کہ حسن بن صالح کا قول تھا کہ جن لوگوں پر حضرت عمرؓ نے 48'24'12 کی شرح سے جزیہ مقرر کیا تھا ان پر اس سے زیادہ نہ مقرر ہونا چاہیے۔ اور ان میں سے جو ادانہ کر سکتا ہو اس کے جزیہ میں تخفیف کر دی جائے۔ کیونکہ حضرت عمرؓ یہ بھی فرماتے تھے کہ ان کو طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے۔(155)

امام ابو یوسف نے جزیہ کو خراج کے مماثل قرار دیا ہے۔ مفسرین 'فقہاء اور ائمہ لغت کے اقوال سے ان کے اس نظریہ کی تائید ہوتی ہے مثلاً ابن جریر الطبری اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

حتی یعطوا الخراج عن رقابھم (156)

"یہاں تک کہ وہ اپنے افراد کی طرف سے خراج دیں۔"

ابو بکر السرخسی اپنی کتاب "المبسوط" میں لکھتے ہیں۔

وضع الخراج علی روس الرجال (157)

"آدمیوں پر فی راس خراج (لگانا جزیہ) ہے۔"

امام ابو یوسف کے نزدیک جزیہ کسی چیز کا محصول نہیں بلکہ مالی امداد ہے تاکہ اسلامی ریاست ذمی رعایا کی حفاظت کا فریضہ سرانجام دے سکے۔ اس سے بحیثیت ایک معاشی مفکر کے ان کی مثبت اور اعلیٰ سوچ کی نشاندہی ہوتی ہے جو غیر مسلم رعایا کے احترام کے متعلق ان کے دل میں موجود تھی۔ اور اس کے ساتھ ساتھ مستشرقین کے ان اعتراضات کا ازالہ بھی ہو جاتا ہے جو جزیہ کے بارے میں کئے گئے ہیں۔ ایسا محصول جو مالی امداد ہو کسی شخص کی دل آزاری یا ذلت کا باعث نہیں ہو سکتا۔

امام ابو یوسف نے "کتاب الخراج" میں مختلف پیشوں کے حوالے سے امیر اور نادار طبقہ کی جس طرح تقسیم کی ہے وہ ان کی معاشی سوچ کی بلندی اور دور اندیشی پر دلالت کرتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ امام ابو یوسف نے بارہ سو سال قبل معاشی لحاظ سے مختلف پیشوں کی جو تقسیم کی ہے' آج کے دور میں بھی اس تقسیم کو اختیار کرنے کی گنجائش موجود ہے۔ تاہم اس ضمن میں راقم کی رائے یہ ہے کہ عرف (Custom) کو معتبر رکھا جائے۔ جیسا کہ ابو جعفر الطحاوی نے بھی کہا ہے کہ ہر شہر کا عرف معتبر ہے۔ پس جس کو اہل شہر غنی یا متوسط یا غریب کہتے ہوں۔ وہی معتبر ہے۔(158) فتاویٰ عالمگیری میں اسی کو صحیح ترین قول کہا گیا۔(159) امام ابو یوسف اگر متوسط طبقہ کی بھی کچھ تفصیل بتا دیتے تو اس سے بڑی سہولت پیدا ہو جاتی۔

وہ ذمی جو سال گزرنے کے بعد مسلمان ہوا ہو اس سے جزیہ لینے کے بارے میں امام ابو یوسف نے جو رائے دی ہے

وہ حضرت عمرؓ بن الخطاب (13-24ھ / 634-645ء)، حضرت علیؓ بن ابی طالب (35-40ھ / 656-661ء) اور حضرت عمر بن عبدالعزیز (99-101ھ / 717-719ء) کے عمل کے برعکس ہے۔ ان حضرات کے تعامل کے بارے میں جو روایات ملتی ہیں ان میں وقت کی قید نہیں لگائی گئی۔ حضرت عمرؓ نے ایک ایسے ذمی کو جس سے اسلام قبول کرنے کے بعد بھی جزیہ لیا جا رہا تھا یہ پروانہ لکھ کر دیا کہ اس سے جزیہ وصول نہ کیا جائے۔ (160) ایک زمیندار اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت علیؓ کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے اس سے کہا کہ اب تم سے جزیہ نہیں لیا جائے گا۔ (161) خود امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں ایک جگہ یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے ایک عامل نے ان کو لکھا کہ وہ یہودی، عیسائی اور مجوسی جو اسلام قبول کر رہے ہیں ان سے حسب سابق جزیہ لینے کی اجازت دی جائے۔ آپ نے اس کے جواب میں اس کو لکھا۔

ان اللہ جل ثناوہ بعث محمدا داعیا الی الاسلام و لم یبعثہ جابیا فمن اسلم من اھل تلک الملل فعلیہ فی مالہ الصدقۃ و لا جزیۃ علیہ (162)

"اللہ جل شانہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلام کا داعی بنا کر بھیجا تھا نہ کہ محصل بنا کر۔ ان مذاہب کے پیروؤں میں سے جو شخص اسلام لے آئے اس کے ذمہ اپنے مال کی زکوٰۃ ہوگی اور اس پر جزیہ عائد نہیں ہوگا۔"

ابو عبید نے کتاب الاموال میں بالکل صحیح لکھا ہے۔

افلا تری ان ھذہ الاحادیث قد تتابعت عن ائمۃ الھدی باسقاط الجزیۃ عمن اسلم، و لم ینظروا - فی اول السنۃ کان ذلک و لا فی آخرھا فھو عندنا علی ان الاسلام اھدر ما کان قبلہ منھا (163)

"ائمہ ہدی کے بالتواتر یہ مروی آثار اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ اسلام قبول کر لینے والے سے جزیہ نہیں لیا جائے گا۔ ان حضرات نے اس بارے میں شروع سال یا آخر سال کی کوئی قید نہیں لگائی۔ ان وجوہ کی بنا پر ہمارا فیصلہ یہی ہے کہ اسلام اپنے سے پہلے کے بقیہ جزیہ کو ساقط کر دیتا ہے۔"

امام ابو یوسف کی یہ رائے درست ہے کہ مرنے والے ذمی کے وارثوں سے جزیہ کی رقم کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا نہ اس کے ترکہ میں سے یہ رقم وصول کی جائے گی کیونکہ اس کی نوعیت اس فرد کے ذمہ قرض کی نہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز (99-101ھ / 717-719ء) نے اپنے عہد میں یہ حکم جاری کیا تھا کہ اگر کوئی شخص فوت ہو گیا یا بھاگ گیا تو اس کے ذمہ جزیہ کی جو رقم واجب الادا تھی، وہ اس کے وارثوں سے وصول نہیں کی جائے گی۔ (164)

ابو بکر السرخسی بھی ابو یوسف کے فکر کی پیروی کرتے ہوئے جزیہ کو قرض نہیں سمجھتے بلکہ علیہ اور صلہ قرار دیتے ہیں۔ آپ "المبسوط" میں لکھتے ہیں۔

لان الجزیۃ صلۃ مالیۃ و لیست بدین واجب" (165)

"اس لئے کہ جزیہ ایک مالی صلہ ہے واجب قرض نہیں۔"

امام ابو یوسف کے نزدیک مصارف عامہ کا بنیادی اصول بہبود عامہ ہے۔ انہوں نے جزیہ کے مصارف کو مختلف مدوں میں اس طرح تقسیم کیا ہے کہ عوام کو ہر مد کے مصارف سے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل ہو۔

فئے

فئے کے بارے میں امام ابو یوسف کی تعریف حضرت عمرؓ کے اس فرمان پر مبنی ہے جو آپ نے عراق کی فتح کے بعد حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو جاری کیا تھا۔ آپ نے ان کو لکھا تھا:

اما بعد، فقد بلغنی کتابک تذکر فیه ان الناس سالوک ان تقسم بینهم مغانمهم، وما افاء الله علیهم، فاذا اتاک کتابی هذا فانظر ما اجلب الناس علیک به الی العسکر من کراع و مال، فاقسمه بین من حضر من المسلمین و اترک الارضین والانهار لعمالها (166)

"اما بعد! مجھے تمہارا خط ملا جس میں تم نے لکھا ہے کہ لوگوں نے تم سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ ان کے اموال غنیمت، اور جو کچھ اللہ نے انہیں بطور فئے عطا کیا ہے وہ سب ان کے درمیان تقسیم کر دیا جائے میرا یہ خط پہنچنے کے بعد جائزہ لو کہ لوگ تمہارے پاس لشکر میں از قسم مال و مویشی وغیرہ کیا کیا لے کر آئے ہیں۔ ان تمام چیزوں کو تم ان مسلمانوں کے درمیان تقسیم کر دو جو موجود ہوں (اور جنگ میں شریک رہے ہوں) زمینیں اور نہریں ان پر محنت کرنے والوں کے پاس چھوڑ دو۔"

لقطہ اور لاوارث ترکے

لقطہ اور لاوارث ترکے کے بارے میں امام ابو یوسف کی رائے بہت وزن رکھتی ہے کیونکہ اس طرح اسلامی ریاست غرباء اور محتاجوں کی بہتر طریقہ سے مدد کر سکتی ہے۔ ابو یوسف کے نزدیک کفالت عامہ اسلامی ریاست کی اہم معاشی ذمہ داری ہے اس لئے اسلامی ریاست ہی ایسے مال کی مالک ہے تاکہ ضرورت مند افراد کی مدد کی جا سکے۔

امام ابو یوسف کی اس رائے کو حضرت عمرؓ کے اس اثر سے بھی تقویت ملتی ہے۔

ان عمرو بن العاص کتب الی عمر بن الخطاب فی رهبان یترهبون بمصر فیموت احدهم و لیس له وارث فکتب الیه عمر ان من کان منهم له عقب

فادفع میراثه الی عقبه و من لم یکن له عقب فاجعل ماله فی بیت مال المسلمین فان ولاءه للمسلمین (167)

"عمرو بن العاص (والئ مصر) نے عمرؓ بن الخطاب کو مصر کے ایسے راہبوں کے بارے میں لکھا جو فوت ہو جاتے ہیں اور ان کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ حضرت عمرؓ نے انہیں جواب میں یہ لکھا کہ ان میں سے جس کے پیچھے ان کی نسل میں سے کوئی ہو اس کی میراث ان کے حوالہ کر دی جائے اور جس کے پیچھے اس کی نسل میں سے کوئی نہ ہو اس کا مال مسلمانوں کے بیت المال میں داخل کر دیا جائے۔ کیونکہ ان کی ولایت مسلمانوں کو پہنچتی ہے۔"

ابوالحسن علی بن محمد الماوردی (م 450ھ / 1058ء) نے "الاحکام السلطانیہ" میں اور ابوبکر الکاسانی نے بدائع الصنائع میں امام ابویوسف کے فکر ہی کی تائید کی ہے۔(168)

امام ابویوسف، حاکم کو ٹیکس میں اضافہ یا کمی کرنے کا مکمل اختیار دیتے ہیں راقم کی رائے یہ ہے کہ کسی فرد واحد کو یہ اختیار نہیں دینا چاہئے۔ اسلام ایک خالص شورائی نظام کا تصور پیش کرتا ہے جس میں ہر قسم کے قومی فیصلے مجلس مشاورت کے ذریعے ہونے چاہئیں۔ اور ٹیکس عائد کرنا ایک قومی معاملہ ہے اس لئے یہ ذمہ داری اجتماعی طور پر مجلس شوریٰ کے اراکین پر عائد ہوتی ہے۔

ٹیکسوں کے بارے میں امام ابویوسف کی بحث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ظالمانہ ٹیکسوں کی مذمت کی ہے اور عادلانہ ٹیکسوں کی ضرورت پر زور دیا ہے۔

وقف

وقف کے لازم ہونے کے سلسلہ میں امام ابویوسف نے اپنے استاذ امام ابوحنیفہ اور دیگر ائمہ سے جو اختلاف کیا ہے وہ عقلی و نقلی دلائل کی روشنی میں زیادہ قرین صواب ہے کیونکہ وقف کا لفظ ہی اپنے خاص معنی و مفہوم میں اس کے لزوم اور ابدیت پر دلالت کرتا ہے نیز ان کی رائے اسلام کے عمومی مزاج سے بھی ہم آہنگ ہے۔

امام ابوحنیفہ کی رائے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی نظر صرف فرد کے مفاد یا احترام حریت پر ہے جبکہ امام ابویوسف کے فکر کو اختیار کرنے سے فرد کے مقابلے میں جماعت اور معاشرہ کو زیادہ فائدہ پہنچتا ہے۔ اسلام بھی فرد کے مقابلے میں اجتماعی مفاد کو زیادہ اہمیت دیتا ہے۔

وقف کی بنیادی غرض و غایت عموماً فلاحی اور رفاہی قسم کی ہوتی ہے اور زیادہ تر معاشرے کا نادار اور متوسط طبقہ ہی اس سے استفادہ کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر امام ابویوسف کی رائے کے برعکس وقف میں لزوم اور ابدیت نہ ہو اور مالک یا اس کے وارث جب چاہیں اس کو فسخ کرنے کا حق رکھتے ہوں تو اس سے اجتماعی مفاد کو کس قدر نقصان پہنچے گا۔

وقف کے ضمن میں حدیث و تاریخ کی کتب میں جس قدر آثار و روایات موجود ہیں ان سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وقف کا لازم ہونا ضروری ہے۔ امام بخاری نے "الصحیح" کے باب "الشروط فی الوقف" میں حضرت عمرؓ سے یہ روایت نقل کی ہے۔

لا نباع و لا توھب و لا تورث(169)

امام ترمذی لکھتے ہیں۔

والعمل علی ھذا عند اھل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم و غیرھم لا نعلم بین المتقدمین منھم فی ذلک اختلافا فی اجازۃ وقف الارضین و غیر ذلک(170)

"اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اور ان کے علاوہ اہل علم کا عمل اسی پر ہے۔ ہم زمین وغیرہ کو وقف کرنے کی اجازت دینے کے بارے میں متقدمین کے درمیان کوئی اختلاف نہیں جانتے۔"

امام طحاوی نے اپنی کتاب شرح معانی الآثار میں فقہاء کے اختلاف کو نقل کرنے کے بعد امام ابو یوسف کی رائے کو پسند کیا ہے۔ لکھتے ہیں۔

فثبت بما ذکرنا ما ذھب الیہ ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ(171)

"پس ہمارے بیان مذکور سے امام ابو یوسف کا مذہب ثابت ہوا۔"

امام ابو یوسف کے موقف کو اس امر سے بھی تقویت حاصل ہوتی ہے کہ صحابہ کرام میں سے کوئی بھی اپنے اوقاف کے دوبارہ مالک نہیں ہوئے۔ آپ کی پہلی رائے امام ابو حنیفہ کے موافق ہی تھی لیکن جب آپ نے ہارون الرشید کے ساتھ حج کیا اور مدینہ طیبہ اور اس کے نواح میں صحابہ کرام کے اوقاف دیکھے تو امام ابو حنیفہ کے مذہب سے رجوع کر لیا اور لزوم وقف کا فتویٰ دیا۔(172)

وقف کے دوامی ہونے کے بارے میں امام ابو یوسف کا قول مفتی بہ اور زیر عمل ہے۔(173) محمد بن عبد الواحد' ابن الہمام (م861ھ / 1457ء) ابو یوسف کے قول کی تائید میں لکھتے ہیں۔

قال الصدر الشھید و مشایخ بلخ یفتون بقول ابی یوسف و نحن نفتی بقولہ ایضا لمکان العرف (174)

"الصدر الشہید نے کہا اور مشائخ بلخ ابو یوسف کے قول پر فتویٰ دیتے ہیں اور ہم بھی ان کے قول پر فتویٰ دیتے ہیں۔ کیونکہ عرفاً وقف اسی مفہوم میں مستعمل ہے۔"

مصر' شمالی افریقہ اور ممالک روم میں بھی عموماً ابو یوسف کے قول پر ہی فتویٰ دیا جاتا ہے۔ زین العابدین بن ابراہیم'

ابن نجیم (م970ھ / 1562ء) اپنی کتاب البحرالرائق میں لکھتے ہیں۔

و مشایخنا اخذوا بقول ابی یوسف ترغیبا للناس فی الوقف(175)

"اور ہمارے مشائخ نے لوگوں کو وقف کی ترغیب دلانے کے لئے ابو یوسف کا قول لیا ہے۔"

صاحب درمختار' امام ابو یوسف کے قول کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

والاخذ بقول الثانی احوط و اسہل و فی الدرر و صدر الشریعۃ و بہ یفتی و اقرہ المصنف(176)

"اور دوسرا قول (یعنی ابو یوسف کا قول) لینا احوط اور اسہل ہے۔ اور درر غرر اور شرح وقایہ میں ہے کہ اسی کا فتویٰ ہے اور مصنف نے بھی اپنی شرح میں اسی کو ثابت رکھا ہے۔"

امام ابو یوسف کی اس رائے سے کہ وقف مالک کے قول ہی سے کامل ہو جاتا ہے' کلکتہ' رنگون اور بمبئی کی ہائی کورٹوں نے بھی اتفاق کیا ہے۔(177) ابن ہمام نے فتح القدیر میں لکھا ہے کہ اکثر اہل علم اور محققین نے ابو یوسف کے قول ہی کو پسند کیا ہے۔ کیونکہ اس طرح بہتر طریقہ سے غرباء کی مدد ہو سکتی ہے۔(178) فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے۔

و ہو قول الائمۃ الثلثۃ و ہو قول اکثر اہل العلم و علی ہذا مشائخ بلخ و فی المنیۃ و علیہ الفتویٰ کذا فی فتح القدیر (179)

وقف کی سپرداری یعنی قبضہ (Possession) کے بارے میں بھی ابو یوسف کی رائے بہتر ہے۔ امام سرخسی نے قبضہ کے مسئلہ میں ابو یوسف اور امام محمد کے اقوال نقل کرنے کے بعد قاضی ابو عاصم کا یہ قول نقل کیا ہے۔

و کان القاضی ابو عاصم رحمہ اللہ یقول قول ابی یوسف من حیث المعنیٰ اقویٰ لمقاربتہ بین الوقف والعتق من حیث انہ لیس فی کل واحد منہما معنی التملیک(180)

"قاضی ابو عاصم فرمایا کرتے تھے کہ معنوی طور پر ابو یوسف کا قول زیادہ قوی ہے۔ کیونکہ (معنوی طور پر) وقف اور غلام کی آزادی ایک جیسے امور ہیں۔ اس لئے کہ ان دونوں ہی میں کسی دوسرے شخص کو مالک بنانا نہیں ہوتا۔"

فقہاء کی کثیر تعداد نے یہ رائے قائم کی ہے کہ وقف کی سپرداری کے بارے میں اگر ابو یوسف کے قول پر عمل کیا جائے تو اس سے وقف کے نام پر مختص کی جانے والی جائیدادوں میں بدعنوانی (Corruption) کے امکانات کافی حد تک کم ہو جاتے ہیں۔

مشترک (مشاع) اشیاء کے وقف کے بارے میں بھی حنفی فقہاء نے امام ابو یوسف کی رائے کو پسند کیا ہے۔ فتاویٰ

عالمگیری کے مطابق فتویٰ امام ابو یوسف کی رائے پر ہی ہے۔(181)

وقف شدہ جائیداد کو کسی دوسری جائیداد سے تبدیل کرنے کے بارے میں امام ابو یوسف کے فکر میں یہ خامی ہے کہ اس طرح ظالم اور بد عنوان قاضیوں کو اوقاف باطل کرنے کا موقع مل سکتا ہے۔ لہٰذا راقم کا خیال یہ ہے کہ ان ائمہ کی رائے ہی عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرتی ہے' جن کی رائے میں وقف جائیداد کو کسی دوسری جائیداد سے تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔

امام ابو یوسف کے اس قول پر فتویٰ دیا جاتا ہے کہ ایک شخص وقف کو اپنی زندگی تک اپنے لئے اور اپنے بعد فقراء کے لئے مخصوص کر سکتا ہے۔ مشائخ بلخ نے اسی رائے کو پسند کیا ہے تاکہ عوام الناس اپنی جائیداد وقف کرنے کی طرف راغب ہوں۔(182)

امام ابو یوسف کی اس رائے پر بھی فتویٰ دیا جاتا ہے کہ جس جگہ مسجد تعمیر ہو جائے وہ ہمیشہ کے لئے مسجد کے حکم میں ہو گی اور وہ کسی کی میراث نہیں ہو سکتی خواہ بعد میں وہ منہدم ہو جائے اور اس کی تعمیر و آبادی ممکن نہ ہو۔

حسن بن عمار' الشرنبلالی (م 1069ھ / 1659ء) اپنے رسالہ "سعادۃ الساجد بعمارۃ المساجد" میں لکھتے ہیں۔

> قال ابو یوسف هو مسجد ابدا الی قیام الساعة لا یعود میراثا و لا یجوز نقله و نقل ماله الی مسجد آخر سواء کان یصلون فیه اولا یصلون و علیه الفتوٰی کذا فی الحاوی القدسی و فی المجتبیٰ واکثر المشائخ علی قول ابی یوسف و رجح فی فتح القدیر قول ابی یوسف(183)
>
> "ابو یوسف نے کہا کہ وہ ہمیشہ کے لئے مسجد ہے۔ تاقیام قیامت کبھی میراث نہ ہو گی اور نہ خود اس کا یا اس کے مال کا دوسری مسجد میں منتقل کرنا درست ہے۔ خواہ اس دوسری مسجد میں لوگ نماز پڑھتے ہوں یا نہ پڑھتے ہوں۔ اس پر فتویٰ ہے جیسا کہ حاوی قدسی میں ہے اور مجتبیٰ میں ہے کہ اکثر مشائخ ابو یوسف کے قول پر عمل کرتے ہیں اور فتح القدیر میں ابو یوسف کے قول کو ترجیح دی گئی ہے۔"

فصل سوم

خراج اور جزیہ سے متعلق ابو یوسف کے معاشی فکر پر مستشرقین کی تنقید اور اس کا تحقیقی جائزہ

خراج اور جزیہ کے متعلق مستشرقین نے ہمیشہ یہ غلط فہمی پھیلانے کی کوشش کی ہے کہ یہ قوانین غیر انسانی اور ظلم واستبداد پر مبنی ہیں۔ اپنے نظریات کو ثابت کرنے کے لئے انہوں نے ان سے متعلق نصوص میں تضاد و تناقض ظاہر کیا ہے اور مفروضات کا سہارا لیا ہے۔

اسلامی نظام مالیات میں امام ابو یوسف کی کتاب الخراج کی اہمیت چونکہ مسلمہ ہے اس لئے اس کی اہمیت کے پیش نظر بعض مستشرقین نے اس کو اپنی تحقیق و حاشیہ کے ساتھ شائع کیا ہے۔ اس سلسلہ میں ان کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اصل عربی متن کے ساتھ اس کا ترجمہ بھی کر دیتے ہیں۔ پھر اپنی طرف سے حاشیہ کا اضافہ کرتے ہیں۔ لیکن ان کے حاشیہ اور امام ابو یوسف کے فکر میں کوئی مطابقت نہیں ہوتی۔

امام ابو یوسف کی کتاب الخراج پر مستشرقین کے حواشی غلط بیانات سے بھرپور ہیں۔ کیونکہ ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ امام ابو یوسف کی کتب کو بنیاد بنا کر خراج کے متعلق اسلامی قوانین کو مسخ شدہ شکل میں پیش کیا جائے تاکہ ان کے غلط نظریات کی تائید ہو سکے۔(184)

مستشرقین کا نظریہ یہ ہے کہ خراج کے جو احکام و قوانین عہد اول میں متعین تھے بعد میں ان کے خلاف عمل کیا گیا۔ اس طرح سے قانون اور حقیقت واقعہ میں مطابقت نہیں۔ لہٰذا اس تضاد کی بنیاد پر فرضیت خراج کی کوئی بنیاد باقی نہیں رہتی۔ (185) لاک گارڈ (Lokke gaard) لون کائتانی (Lone Caetani)' ایڈولف گرہمن (Adolf Grohmann)' بیکر (Becker)' ہنری لامنز (Henry Lammens)' آگنیڈز (Aghnides) اور ڈوزی (Dozy) نے عفو' فضل اور طاقت کے مفہوم کی ایسی تشریح کی ہے جو قانون خراج کی روح سے کوئی مطابقت نہیں رکھتی۔ ان کا نظریہ یہ ہے کہ اسلام نے ضروریات سے زائد ٹیکس وصول کرنے کی جو تاکید کی ہے' اس سے مراد استطاعت کا انتہائی درجہ ہے' جس کا مفہوم یہ ہے کہ عفو یا فضل جو بھی معاہدین سے وصول کیا جائے وہ انسانی طاقت کی آخری مقدار کے مطابق ہو۔(186)

حقیقت یہ ہے کہ امام ابو یوسف نے خراج اور جزیہ کے بارے میں جو افکار پیش کئے ہیں وہ اسلام کی روح عدل و احسان کے عین مطابق ہیں۔ قرآن و سنت میں غیر مسلموں کے ساتھ جس حسن سلوک اور نرمی کا حکم دیا گیا ہے' امام ابو یوسف نے قانون خراج کی تشریح میں اس کا پورا پورا لحاظ رکھا ہے اور اس وقت کے جو معاشی حالات تھے ان کو بھی مد نظر رکھا ہے۔

امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں فقہ خراج کی جو مختلف اصطلاحات "عفو"' "فضل"' اور "طاقۃ" استعمال کی ہیں ان کو سمجھنے میں بھی مستشرقین نے سخت غلطی کی ہے۔ انہوں نے ان اصطلاحات کی تشریح اس طرح کی ہے کہ اس میں قانون کی روح عدل کی نفی اور ظلم و استبداد کے معنی پیدا ہو گئے ہیں۔ مستشرقین کو یہ غلط فہمی اس وجہ سے ہوئی کہ

انہوں نے آراضی مفتوحہ کے بارے میں خراج کے احکام و قوانین کا بنظر غائر مطالعہ نہیں کیا کیونکہ صلح سے فتح کئے ہوئے اور جنگ سے فتح کئے ہوئے ممالک کے مسائل خراج میں بڑا فرق ہے۔ مستشرقین نے دراصل ان دونوں کو خلط ملط کر دیا جس کی بناء پر انہیں تناقض نظر آیا۔

ان تینوں اصطلاحات (عفو، فضل اور طاقہ) کا ذکر ان احادیث میں بھی ملتا ہے جن میں خراج کی فرضیت، زمین کی ملکیت اور اس سے حق انتفاع کا ذکر ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ عفو، فضل اور طاقہ کی اصطلاحات کا ذکر بہت سی ان روایات میں بھی ملتا ہے جو پہلی صدی ہجری کے مالیاتی اور دیگر امور سے متعلق ہیں۔ سرسری مطالعہ کرنے والا ان الفاظ کو عام مفہوم و معنی میں استعمال کرتا ہے۔ مستشرقین نے بھی کچھ تو غلط فہمی سے اور کچھ تعصب کی بناء پر ان الفاظ کے غلط معنی متعین کئے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ امام ابویوسف نے تینوں اصطلاحات کو ایک خاص معنی میں استعمال کیا ہے تاکہ جو مسائل جزوی طور پر مختلف فیہ ہیں وہ اچھی طرح واضح ہو جائیں۔ لیکن مستشرقین نے اس موقعہ کو غنیمت جان کر احکام خراج کی بنیادی نصوص اور امام ابویوسف کی توضیحات میں تضاد قائم کر دیا۔ حالانکہ حقیقتاً ایسا نہیں ہے۔

امر واقعی یہ ہے کہ امام ابویوسف کی استعمال کردہ قانونی اصطلاحات نے مصر، شام، عراق اور دیگر مشرقی ممالک میں خراج کی فرضیت اور وصولی کے متعلق بہت سے نامناسب طریقوں کی جڑ کاٹ دی۔

جزیہ کے بارے میں امام ابویوسف کے فکر سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ذمی رعایا کی استطاعت اور قدرت کو مدنظر رکھتے ہوئے جزیہ کی شرح عائد کرتے ہیں۔ ان کے نظریہ کے مطابق یہ ٹیکس مختلف قوموں کے ساتھ کئے گئے معاہدوں کے نتیجہ میں عمل میں آتا تھا۔ آپ نے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ بہت سے ممالک نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ کر لیا تھا جس کے تحت ہر شخص ایک دینار جزیہ ادا کرتا تھا اور جزیہ کی یہ آمدنی ملت اسلامیہ کی فلاح و بہبود کے کاموں کے لئے خاص تھی۔ (187)

امام ابویوسف نے سواد عراق کی مفتوحہ زمینوں کے متعلق کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ جب تمام صحابہ کرام نے حضرت عمرؓ کی رائے سے اتفاق کر لیا تو آپ نے خراج کے قوانین وضع کرنے کی طرف توجہ فرمائی اور صحابہ کرام کے مشورے سے عثمانؓ بن حنیف کو عراق کی زمینوں کی پیمائش کے لئے روانہ کیا۔ انہوں نے وہاں پہنچ کر اپنے کام کو بہترین طریقے سے انجام دیا اور پھر رپورٹ پیش کی کہ سواد عراق کی زمینوں کا کل رقبہ تین کروڑ ساٹھ لاکھ (36000000) جریب ہے۔ (188)

امام ابویوسف فرماتے ہیں کہ پیمائش کی رپورٹ موصول ہونے پر حضرت عمرؓ نے غلہ پیدا کرنے والی زرعی زمینوں پر فی جریب ایک درہم اور ایک قفیز غلہ، انگور کے باغات پر فی جریب دس درہم اور کھجور کے باغات پر پانچ درہم کے

حساب سے مالیہ عاید کیا۔(189)

امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ شروع کے چند سالوں میں سواد عراق سے خراج کی کل آمدنی 8 کروڑ 60 لاکھ درہم ہوئی تھی پھر جلد ہی یہ آمدنی دس کروڑ درہم تک پہنچ گئی۔(190)

امام ابو یوسف کے اس بیان سے مستشرقین نے یہ مغالطہ پیدا کرنے کی کوشش کی ہے کہ خراج کی آمدنی میں قلیل عرصہ میں جو غیر معمولی اضافہ ہوا وہ صرف اس بناء پر تھا کہ غیر مسلموں سے خراج کی وصولی میں ظلم سے کام لیتے ہوئے مقررہ مقدار سے زیادہ وصول کیا گیا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ اس کا واحد سبب صرف صوافی (191) زمینوں کی پیداوار تھا ورنہ مفتوحہ زمینوں کا خراج تو بیشتر معاہدین پابندی وقت سے ادا بھی نہیں کرتے تھے اور اس کی وصولی میں ان کے ساتھ بہت نرمی برتی جاتی تھی۔

کتاب الخراج کی جن روایت میں "عفو" کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے ان کے بارے میں مستشرقین کا نقطہ نظر یہ ہے کہ ان روایت میں عفو مسامحت اور اعفا کے معنی میں ہے۔ انہوں نے بعض ایسی نصوص کو نظرانداز کر دیا ہے جن سے ان کے غلط نظریات پر زد پڑتی تھی۔ دراصل غلط توضیحات سے مستشرقین کا مقصد اپنے قارئین کو یہ باور کرانا ہے کہ عرب اپنی غیر مسلم رعایا پر تحصیل خراج میں بہت تشدد کرتے تھے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ان اصطلاحات کے معانی ہر جگہ بدلتے رہتے ہیں چنانچہ مختلف روایت میں یہ اصطلاح ایک خاص معنی میں مستعمل ہوئی ہے۔

امام ابو یوسف کی ایک روایت میں عفو کا ذکر فضل یعنی ضرورت سے زائد کے مفہوم میں ہے۔ اس کی تائید امام ابو یوسف ہی کی ایک دوسری روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں حضرت حذیفہؓ بن الیمان نے حضرت عمرؓ کو جواب دیتے ہوئے کہا کہ میں نے زمین پر قابل برداشت بوجھ ڈالا ہے اور جو کچھ باقی رہ گیا ہے وہ بہت زیادہ ہے۔(192) اصل بات یہ ہے کہ امام ابو یوسف نے تغیر اسناد اور تکرار روایت کی جو توضیح کی ہے اس کی بناء پر عفو و فضل میں ترادف اور لفظی تقابل پیدا ہو گیا ہے۔ جیسا کہ امام ابو یوسف کی ایک روایت میں عفو کا لفظ زمین کی قوت برداشت کے مفہوم میں آیا ہے اور دوسری روایت میں اس کے برخلاف ہے۔ چنانچہ امام ابو یوسف بسند بیان کرتے ہیں کہ

عن عبداللہ ابن عباس قال: لیس فی اموال اهل الذمة الا العفو (193)

"حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ اہل ذمہ کے اموال سے اتنا ہی وصول کیا جا سکتا ہے جو ان کی ضروریات سے فاضل ہو"

اس نص میں عفو سہولت و آسانی کے معنی میں نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ درحقیقت اس سوال کے جواب میں ہے کہ هل نوخذ الزکوة من اهل الذمة؟۔ اسی طرح امام ابو یوسف کی ایک دوسری روایت میں عفو کا مفہوم مذکورہ بالا مفہوم سے مختلف ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

كتب عدى بن ارطاة عامل كان لعمر بن عبدالعزيز۔ اليه "اما بعد فان اناسا قبلنا لا يودون ما عليهم من الخراج حتى يمسهم شئى من العذاب"

"حضرت عمر بن عبدالعزیز کے ایک عامل عدی بن ارطاۃ نے آپ کو لکھا کہ ہمارے یہاں کچھ لوگ ایسے ہیں جو اپنے ذمہ واجب الادا خراج اس وقت تک ادا نہیں کرتے جب تک انہیں کچھ سزا نہ دی جائے۔"

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس خط کے جواب میں لکھا

اما بعد فالعجب كل العجب من استئذانك اياى فى عذاب البشر كانى جنة لك من عذاب الله و كان رضاى ينجيك من سخط الله و اذا اتاك كتابى هذا فمن اعطاك ما قبله عفوا و الا فاحلفه(194)

"مجھے سخت تعجب ہے کہ تم نے مجھ سے انسانوں کو سزا دینے کی اجازت طلب کی ہے گویا میں تمہیں عذاب الٰہی سے بچاؤں گا یا میری رضامندی تمہیں غضب خداوندی سے بچالے گی۔ میرا یہ خط پانے کے بعد یہ طریقہ اختیار کرو کہ جو شخص اپنے ذمہ کی واجب رقم با آسانی ادا کردے اس سے لے لو اور جو نہ دے اس سے حلف لے کر اسے چھوڑ دو۔"

اس روایت میں عفو طیب خاطر اور خوشدلی کے معنی میں ہے یعنی جو شخص اپنی استطاعت کے مطابق خوش دلی سے جتنا خراج دے سکے اتنا ہی اس سے وصول کیا جائے۔ مستشرقین نے اس کا مفہوم بھی اپنے حسب منشالیا ہے جو صحیح نہیں ہے امام ابو عبید کی ایک روایت میں عفو کا ذکر غیر مسلموں کو صدقہ و زکوٰۃ سے بری کردینے کے معنی میں آیا ہے۔ امام ابو یوسف کی کتاب الخراج میں جو روایات و نصوص بیان ہوئی ہیں ان کا اصل مطلب یہ ہے کہ

(ا) خراج ضروریات سے زائد مال پر وصول کیا جائے۔

(ب) حسب استطاعت لیا جائے۔

(ج) کسی کی قوت برداشت سے زائد نہ ہو۔

(د) طیب خاطر اور خوش دلی سے دیا جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ عفو فقہ کی ایک فنی اصطلاح ہے جو متعدد معنی میں استعمال ہوتی ہے۔ مثلاً حضرت علیؓ نے اپنے عامل کو جواب دیتے ہوئے جو یہ فرمایا کہ "انما امرنا ان ناخذ منهم العفو يعنى الفضل" (195) اس میں عفو کے معنی یہ ہیں کہ غیر مسلموں سے ان کی ضروریات سے فاضل ہی خراج لیا جائے اور اگر ان کی ضروریات سے فاضل مال نہ ہو تو خراج کی تحصیل میں سہولت برتی جائے۔

طاقت

اس سلسلہ کی ایک نئی اصطلاح "طاقت" بھی ہے۔ یہ لفظ کتاب الخراج کے باب الجزیہ میں متعدد جگہ استعمال ہوا ہے۔ طاقت کا مفہوم عام طور سے معلوم اور واضح ہے اس لئے اس کی توضیح کی ضرورت نہیں ہے۔ جیساکہ امام ابو یوسف کی درج ذیل روایات سے ظاہر ہو گا۔ امام موصوف اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

و کان فیما تکلم به عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ عنه عند وفاته "اوصی الخلیفة من بعدی بذمة رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم ان یوفی لهم بعهدهم و ان یقاتل من ورائهم و لا یکلفوا فوق طاقتهم" (196)

"حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے وفات کے وقت جو کچھ فرمایا تھا اس میں یہ بات بھی تھی کہ میں اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کو وصیت کرتا ہوں کہ جن لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذمہ حاصل ہے ان سے کئے ہوئے عہد کی پابندی کرے۔ ان کا دفاع کرے اور ان پر ان کی برداشت سے زیادہ بار نہ ڈالا جائے۔"

وقد روی عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم انه قال "من ظلم معاهدا او کلفه فوق طاقته فانا حجیجه (197)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا "جو کسی معاہد پر ظلم کرے گا، اس پر اس کی برداشت سے زیادہ بار ڈالے گا اس سے میں (اس معاہد کی جانب سے قیامت کے دن) بحث کروں گا۔"

امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں ایک روایت بیان کی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اموی حکام ذمیوں سے ان کی طاقت سے زیادہ جزیہ وصول کرتے تھے جس کی ادائیگی کے لئے ان کو اپنا سامان (مصنوعات وغیرہ) سستا بیچنا پڑتا تھا۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز سے کسی نے ان کے وقت میں اشیاء کی گرانی کا سبب پوچھا تو انہوں نے فرمایا "مجھ سے پہلے خلیفہ ذمیوں سے ان کی طاقت سے زیادہ جزیہ اور خراج لیتے تھے' جس سے وہ اپنا سامان ارزاں فروخت کرنے پر مجبور ہو جاتے تھے اور اشیاء سستی ہو جاتی تھیں۔ اور میں ذمی سے اتنا لیتا ہوں جتنا وہ آسانی سے ادا کر سکتا ہے' اب وہ جس قیمت پر چاہتا ہے اپنا مال فروخت کرتا ہے۔" (198)

امام ابو یوسف ان روایات کو مد نظر رکھتے ہوئے فرماتے ہیں۔

و لا یضرب احد من اهل الذمة فی استیدائهم الجزیة' و لا یقاموا فی الشمس و لا غیرها' و لا یجعل علیهم فی ابدانهم شئی من المکاره و لکن یرفق بهم (199)

"جزیہ وصول کرنے کی خاطر کسی ذمی کو مارا نہیں جائے گا' نہ اسے دھوپ میں' یا کسی اور جگہ کھڑا کیا جائے گا۔ ان

کو کسی طرح کی جسمانی تکلیف نہیں پہنچائی جائے گی۔ بلکہ ان کے ساتھ نرمی کا سلوک کیا جائے گا۔"

وہ ہارون الرشید کو ناصحانہ انداز میں کہتے ہیں۔

و قد ینبغی یا امیر المومنین ایدک اللہ ان تتقدم فی الرفق باھل ذمۃ نبیک و ابن عمک محمد صلی اللہ علیہ وسلم والتقدم لھم حتی لا یظلموا و لا یوذوا و لا یکلفوا فوق طاقتھم (200)

"اے امیر المومنین! اللہ تعالیٰ آپ کی مدد کرے' جن لوگوں کو نبی کریمؐ' آپ کے چچا زاد بھائی' محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذمہ حاصل ہے ان کے ساتھ نرمی برتنے اور ان کے احوال کا جائزہ لیتے رہنے میں ذرا بھی کوتاہی نہ برتے' تاکہ ان لوگوں پر ظلم و زیادتی کا سدباب ہو' ان پر ان کی برداشت سے زیادہ بار نہ ڈالا جائے۔"

امام ابو یوسف کی جس روایت میں حضرت عمر بن الخطاب (13-24ھ / 634-645ء) کا اپنے عاملین عثمان بن حنیف (م بعد 41ھ / بعد 661ء) اور حذیفہ بن الیمان (م 36ھ / 656ء) سے سواد کے خراج کے بارے میں بار بار سوال کا ذکر آیا ہے۔ اس میں "طاقت" کا لفظ موجود ہے۔ اور وہاں بھی اس کا مفہوم اسی عام معنی میں ہے کہ "شاید تم نے اہل سواد کی قوت برداشت سے زیادہ بوجھ ڈال دیا ہے۔" امام ابو یوسف نے ایک دوسری روایت میں اس مفہوم کی مزید وضاحت کی ہے۔(201)

مذکورہ بالا تفصیلات سے عفو' فضل اور طاقت کی اصطلاحات کے مخصوص مفہوم اور معنی سامنے آگئے اور یہی قانون خراج کی بنیاد ہیں اور ان ہی کے مطابق ہمیشہ غیر مسلموں کے ساتھ معاملہ کیا گیا ہے' یعنی اتنا ہی ٹیکس اہل ذمہ پر عائد کیا گیا جو ان کی استطاعت اور قوت برداشت کے مطابق اور ضروریات سے فاضل تھا۔ امام ابو یوسف نے "ان العرب ما ان یاخذ منھم العفو" کی تشریح کرتے ہوئے بہت صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ "اس کا مطلب غیر مسلموں سے ان کی استطاعت کے مطابق اور ضروریات سے فاضل خراج وصول کرنا ہے۔"(202)

معاہدہ رہا

ذیل میں ہم رہا کے معاہدہ کے متعلق کتاب الخراج کی ایک طویل روایت نقل کرتے ہیں پھر مستشرقین نے حقیقت کو مسخ کرنے کے لیے جو مغالطہ دہی کی کوشش کی ہے اس کا تفصیلی جائزہ لیں گے۔ یہ روایت خراج اور فتوحات سے متعلق تمام کتابوں میں مذکور ہے اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ یہی معاہدہ بعد میں سرحدی شہروں اور علاقوں کے خراج کی بنیاد قرار پایا' جس کے مطابق اہل زمین کے مصالح اور ان کی استطاعت کو ہمیشہ پیش نظر رکھا گیا۔ وہ روایت حسب ذیل ہے۔

وجہ ابو عبیدۃ عیاض بن غنم الفھری الی الجزیرۃ و مدینۃ مسک الروم یومئذ

الرها فعمد لها عياض ابن غنم و لم يتعرض لشئی مما مربه من القری والرساتيق و لم يلق كيدا و لا جندا حتی نزل الرها فاغلق اصحابها ابوابها و اقام عياض عليها لبنا لم يسم لی فلما رای صاحبها الحصار و يئس من المدد فتح لها بابا فی الجبل ليلا فهرب و اكثر من كان معه من الجند و بقی فی المدينة اهلها من الانباط و هم كثير و من لم يرد الهرب من الروم و هم قليل فارسلوا الی عياض بن غنم يسالونه الصلح علی شئی سموه(203)

"حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح نے عیاض بن غنم الفہری کو الجزیرہ کی طرف روانہ کیا۔ اس وقت رومی علاقہ کا مرکزی شہر رہا تھا۔ عیاض نے اسی کا رخ کیا اور راستہ میں جو قصبات اور گاؤں پڑے ان سے کوئی چھیڑ چھاڑ نہ کی۔ اس لئے کسی سے جھڑپ کی نوبت نہیں آئی اور وہ رہا پہنچے۔ وہاں کے باشندوں نے شہر کے دروازے بند کر لئے۔ عیاض کچھ عرصہ ۔۔ مجھے یہ نہیں بتایا گیا کہ کتنا عرصہ وہاں محاصرہ کئے پڑے رہے' جب رئیس قلعہ نے دیکھا کہ محاصرہ جاری ہے اور کسی جانب سے کوئی کمک اسے کی امید نہ رہی تو ایک رات پہاڑی کی طرف ایک دروازہ کھول کر بھاگ نکلا۔ اس کے ساتھ اس کے اکثر فوجی بھی بھاگ گئے' اور شہر میں وہاں کے بعض باشندے رہ گئے جن کی تعداد بہت کافی تھی۔ کچھ رومی بھی رہ گئے جنہوں نے بھاگنا پسند نہیں کیا مگر ان کی تعداد کم تھی۔ ان لوگوں نے عیاض بن غنم کے پاس قاصد بھیج کر ایک متعین رقم (خراج) کی ادائیگی پر صلح کی درخواست کی۔"

حضرت عیاضؓ بن غنم (م 20ھ / 641ء) نے ابوعبیدہؓ بن الجراح (م 18ھ / 639ء) کو لکھ بھیجا' ان کو خط ملا تو انہوں نے حضرت معاذؓ بن جبل (م 18ھ / 639ء) کو بلا کر یہ خط دکھایا۔ حضرت معاذؓ بن جبل نے جواب دیتے ہوئے فرمایا۔

انک ان اعطیتهم الصلح علی شئی مسمی فعجزوا عنه لم یکن لک ان تمنعهم و لم تجد بدا من ابطال ما اشترطت علیهم من التسمیة و ان ایسروا ادوه علی غیر الصغار الذی امر الله به فیهم' فاقبل منهم الصلح و اعطهم اياه علی ان یودوا الطاقة' فان ایسروا او عسروا لم یکن لک علیهم الا ما یطیقون' و تم لک شرطک و لم یبطل(204)

"اگر آپ ان سے کسی متعین چیز پر صلح کر لیتے ہیں اور بعد میں وہ اس کو ادا کرنے سے عاجز رہیں تو آپ کو انہیں قتل کرنے کا حق حاصل نہیں ہو گا۔ آپ کے لئے عملاً صرف یہی شکل رہ جائے گی کہ متعینہ رقم کو منسوخ کر

دیں۔ جب ان میں اس کی ادائیگی کی استطاعت پیدا ہو جائے گی تو وہ کسی جبر کے بغیر اس کو ادا کر دیں گے۔ اس لئے مناسب یہ ہو گا کہ آپ ان کی درخواست صلح اس شرط پر منظور کر لیں کہ وہ اپنی قوت برداشت کے مطابق خراج ادا کریں گے، پھر آئندہ وہ خوش حال ہو جائیں یا تنگ دست رہیں، آپ ان سے ان کی استطاعت کے مطابق وصول کر سکیں گے اور آپ کی شرط ہر حال میں پوری ہوتی رہے گی، اس کو منسوخ کرنے کی نوبت نہ آئے گی۔"

حضرت ابوعبیدہؓ نے معاذؓ بن جبل کا یہ مشورہ قبول کر لیا اور اسے عیاضؓ بن غنم کو لکھ بھیجا۔ یہ خط عیاضؓ بن غنم کو ملا تو انہوں نے باشندگان شہر کو اس کے مضمون سے مطلع کیا۔ امام ابو یوسف لکھتے ہیں۔

فاختلف علیه فی هذا الموضع، فقال قائل = قبلوا الصلح علی قدر الطاقة و قال آخر = انكروا ذلک و علموا ان فی ایدیهم اموالا و فصولا تذهب ان اخذوا بالطاقة وابوا الا شیئا مسمی، فلما رای عیاض ابائهم و حصانة مدینتهم و ایس من فتحها عنوة صالحهم علی ما سالوا والله اعلم ای ذلک کان، الا ان الصلح قد وقع و فتحت علیه المدینة لا شک فی ذلک(205)

"اس کے بعد کیا ہوا، اس سلسلہ میں مختلف روایتیں ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ انہوں نے حسب استطاعت ادائیگی کی شرط پر صلح منظور کر لی، اور بعض کا کہنا ہے کہ اس کے قبول کرنے سے انکار کیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ان کے پاس ضرورت سے زیادہ مال و دولت کافی مقدار میں موجود ہے اگر حسب استطاعت ادا کرنے کی شرط قبول کرتے ہیں تو یہ سب چلا جاتا ہے اس لئے انہوں نے خراج کی رقم متعین کرنے پر اصرار کیا۔ عیاضؓ نے جب ان کا یہ اصرار دیکھا اور قلعہ کی مضبوطی کی بناء پر اس کو بزور قوت فتح کر لینے کی امید نظر نہیں آئی تو انہی کی پیش کردہ شرط پر صلح کر لی، اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ دونوں صورتوں میں سے کونسی اختیار کی گئی تھی البتہ اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں کہ صلح ہوئی تھی اور شہر ان کے ہاتھوں فتح ہوا۔"

اصل میں بزور قوت اور صلح سے فتح کی ہوئی زمینوں کی نوعیت کے اختلاف نے عرب مورخین کی آراء میں بھی اختلاف پیدا کر دیا۔ جو زمینیں صلح کے ذریعہ فتح ہوتی تھیں ان پر عام طور سے متعینہ لگان مقرر کیا جاتا تھا لیکن رہا کے معاملہ میں عربوں کا اصرار تھا کہ اہل رہا کی حسب استطاعت خراج کی تعیین کی جائے، ان کے اس اصرار کا حقیقی سبب بھی عدل و مساحت ہی کا جذبہ تھا لیکن مستشرق فاگنان (Fagnan) نے اس نص کی تشریح کرتے وقت "قدر الطاقة" (حسب استطاعت) کو ایک لغو بنیاد قرار دے دیا۔(206) مستشرق ڈینٹ (Dannett) مذکورہ بالا روایت پر حاشیہ آرائی کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "اہل رہا سے جن شرطوں پر صلح ہوئی تھی، انہیں خود عرب مجاہدین نے ان کے سامنے

پیش کیا تھا۔ (207) مگر یہ رائے اس اصول کے قطعی مطابق نہیں ہے جس کی بنیاد پر عربوں نے صلح کے ذریعہ فتح کئے ہوئے شہروں میں عملدر آمد کیا۔

اس کے علاوہ لوک گارڈ (Lokke gaard) نے "حسب استطاعت" کو اس شہر کے تشخیص خراج کی بنیاد ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ جو بزور قوت فتح ہوا ہو' حالانکہ مذکورہ بالا روایت سے اس کا اشارہ بھی نہیں ملتا۔

درحقیقت رہا کی فتح کی نوعیت اور حسب استطاعت خراج متعین کرنے کے بارے میں عرب فاتحین کی حکمت عملی کو مورخین اور مستشرقین یورپ صحیح طور پر سمجھ نہ سکے۔ اسی لئے ان کی آراء میں باہم بہت تضاد پایا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں دو اہم باتیں خاص طور سے ملحوظ رہنی چاہئیں۔

(ا) اول یہ کہ شہر رہا سرحدی خطہ میں واقع تھا۔

(ب) دوسرے یہ کہ اہل رہا کی نیتیں خراب تھیں' جیسا کہ اوپر کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے۔ وہ حیلہ سازی سے اپنی دولت کو ٹیکس سے بچانا چاہتے تھے وہ یہ سمجھتے تھے کہ اگر "حسب استطاعت" کے اصول پر خراج کی تعیین ہوئی تو ان کے ہاتھ سے بڑی دولت نکل جائے گی' اسی لئے انہوں نے فاتحین کی تجویز کو قبول کرنے سے انکار کیا تھا اور خراج کو متعین کر دینے پر مصر تھے۔

مسلمانوں کو خراج متعین کرنے میں تذبذب اس لئے تھا کہ یہ تعیین شریعت کی روح عدل کے خلاف تھی کیونکہ گو اس وقت یہ متعینہ رقم اہل رہا کی قوت برداشت سے بہت کم تھی' لیکن اس کا امکان تھا کہ آئندہ یہ متعینہ مقدار ان کی استطاعت سے زیدہ ہو جائے گی' اس لئے خود اہل رہا کی مصلحت اور فائدہ کے پیش نظر فاتحین چاہتے تھے کہ وہ حسب استطاعت خراج کی ادائیگی پر رضامند ہو جائیں۔ ڈینٹ (Dannett) نے یہاں بھی ایک قسم کی پیچیدگی پیدا کر دی ہے اور روایت کے الفاظ "واللہ اعلم ای ذلک کان" (208) کی عجیب و غریب تشریح کر کے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ شرائط صلح کو قبول کرنے کے بارے میں اہل رہا کے مابین خود اختلاف موجود تھا (209) حالانکہ فی الواقع "اختلف علیہ فی ھذا الموضع ... واللہ اعلم ای ذلک کان" میں امام ابو یوسف نے فقہاء اور رواۃ عرب کے اس اختلاف کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ان میں سے بعض کی رائے ہے کہ اہل رہا سے حسب استطاعت مقدار خراج پر صلح ہوئی تھی اور بعض کا خیال ہے کہ متعینہ خراج پر۔ (210)

خراج کی تعیین میں مجاہدین اور اہل رہا کے نقطہ نظر میں اختلاف کی وجہ اوپر بیان کی جا چکی' اس کی مزید تفصیل یہ ہے کہ رہا سرحدی علاقہ تھا' مسلمانوں کے لئے یہاں کے باشندوں کا مفاد پیش نظر رکھنا ضروری تھا اور ان کا مفاد اس میں تھا کہ رقم کی تعیین نہ کی جائے تاکہ اہل رہا حسب استطاعت خراج ادا کر سکیں' لیکن اہل رہا دولت مند تھے اس لئے ان کو خطرہ تھا کہ اگر حسب استطاعت کی شرط رکھی گئی تو رومیوں سے جنگ کے زمانہ میں مسلمان ان کی ساری دولت پر

قبضہ کرلیں گے اس لئے وہ متعین رقم کے لئے مصر تھے۔

مستشرقین یا تو عربوں کی حکمت عملی کو سمجھ ہی نہ سکے یا جان بوجھ کر اہل رہا کے حسب استطاعت خراج کی پیش کش سے گریز و فرار پر پردہ ڈالنے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ عرب فاتحین اپنے ماتحت غیر مسلموں کو لگان دینے پر مجبور کرتے اور اس کی تحصیل میں سختی برتتے تھے۔ اس لئے ذیل میں اہل رہا سے جو صلح نامہ ہوا تھا اس کا اصل متن درج کیا جاتا ہے۔ اس سے مستشرقین کے نظریہ کی پوری تردید ہو جاتی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ھذا کتاب من عیاض بن غنم و من معہ من المسلمین لاھل الرھا انی امنتھم علی دمائھم و اموالھم و ذراریھم و نسائھم و مدینتھم و طواحینھم اذا ادوالحق الذی علیھم ولنا علیھم ان یصلحوا جسورنا و یھدوا ضالنا شھد اللہ و ملٰئکتہ والمسلمون (211)

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" یہ تحریر عیاض بن غنم اور ان کے ساتھ کے تمام مسلمانوں کی طرف سے اہل رہا کے لئے ہے کہ میں نے اہل رہا کی جان، مال، نسل، عورتوں، شہروں وغیرہ کو اس شرط پر امان دیا ہے کہ وہ اس حق کو ادا کرتے رہیں جو ان پر مقرر کیا گیا ہے اور ہمارا ان پر حق یہ ہے کہ وہ ہمارے پلوں کو درست رکھیں اور ہمارے بھولے بھٹکوں کی راہنمائی کریں۔ اس عہد نامہ پر خدا، اس کے فرشتے اور مسلمان گواہ ہیں۔"

غرض امام ابو یوسف کی روایات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ متعینہ خراج کا اصول صرف آغاز اسلام کی فتوحات میں جاری تھا لیکن جب فتوحات کی کثرت سے بہت سی زمینیں اور جاگیریں مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں تو زمین کے مالکوں کی قوت برداشت اور "حسب استطاعت" کا اصول عام طور سے رائج ہو گیا تھا۔

مذکورہ بالا دلائل اور تصریحات سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ مستشرقین کا یہ نظریہ صریحاً غلط ہے کہ "قدر طاقت" سے مراد اس کی آخری حد ہے اور مسلم حکمران خراج کی وصولی میں اس لئے تشدد سے کام لیتے تھے کہ خراج کی آمدنی میں زیادہ سے زیادہ اضافہ ہو سکے۔ "طاقت" کے حقیقی معنی جیسا کہ شواہد کے ساتھ اوپر مذکور ہوئے یہ ہیں کہ اہل خراج کی ضروریات سے فاضل، ان کی معاشی حالت کے مطابق، اور پیداوار کی حالت کے پیش نظر خراج کی تعیین کی جائے۔

مستشرق ولہاؤزن (Wellhausen) اور لون کائتانی (Lone Caetant) نے جزیہ کے بارے میں بہت سی بے اصل باتیں تحریر کی ہیں۔ ان کا نظریہ یہ ہے کہ امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں صرف اپنے وقت کے عام معمولات پیش کئے ہیں اور ان کی بنیاد عہد سابق سے منسوب کر دی ہے۔(212)

امام ابو یوسف نے الجزیرہ کے محاصل کے بارے میں جو معلومات دی ہیں ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس علاقہ کے

محاصل کی تاریخ کو مختلف ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ آپ رقم طراز ہیں۔

و وضع عیاض بن غنم الفهری علی الجماجم بالجزیرة علی کل جمجمة دینارا و مدین قمحا و قسطین زیتا و قسطین خلا و جعلهم جمیعا طبقة واحدة فلم یبلغنی ان هذا علی صلح و لا علی امر اثبته و لا بروایة عن الفقهاء و لا باسناد ثابت فلما ولی عبدالملک بن مروان بعث الضحاک بن عبدالرحمن الاشعری فاستقل ما یوخذ منهم فاحصی الجماجم و جعل الناس کلهم عمالا بایدیهم و حسب ما یکسب العامل سنته کلها ثم طرح من ذلک نفقته فی طعامه و ادمه و کسوته و حذائه و طرح ایام الاعیاد فی السنة کلها فوجد الذی یحصل بعد ذلک فی السنة لکل واحد اربعة دنانیر فالزمهم ذلک جمیعا و جعلها طبقة واحدة ثم حمل الاموال علی قدر قربها و بعدها فجعل علی کل مائة جریب زرع مما قرب دینارا و علی کل الف اصل کرم مما قرب دینارا و علی کل الفی اصل مما بعد دینارا و علی الزیتون علی کل مائة شجرة مما قرب دینارا و علی کل مائتی شجرة مما بعد دینارا و کان غایة البعد عنده مسیرة الیوم والیومین و اکثر من ذلک و ما دون الیوم فهو فی القرب و حملت الشام علی مثل ذلک و حملت الموصل علی مثل ذلک(213)

"اور عیاض بن غنم الفہری نے الجزیرہ کے سرداروں پر فی کس دو دینار، دو مد گیہوں، دو قسط زیتون کا تیل اور دو قسط سرکہ (بطور خراج) مقرر کر دیا۔ انہوں نے (محصول عاید کرنے میں ہر سردار کے ماتحت) لوگوں کو ایک طبقہ شمار کیا تھا۔ مجھے اس بارے میں کوئی خبر نہیں ملی کہ یہ بطور صلح کیا گیا تھا یا اس معاملہ کی نوعیت کچھ اور تھی۔ اس باب میں میں نے نہ تو فقہاء سے کوئی روایت سنی ہے۔ نہ کسی دوسرے مستند واسطہ سے مجھے کوئی خبر مل سکی ہے۔

جب عبدالملک بن مروان حکمران ہوا تو اس نے ضحاک بن عبدالرحمن الاشعری کو وہاں بھیجا۔ ان لوگوں سے جو کچھ وصول کیا جا رہا تھا وہ ان کو کم معلوم ہوا' لہٰذا انہوں نے سرداروں کا از سر نو شمار کروایا' اور سارے عوام کو ان کے تحت کام کرنے والے محنت کاروں کی حیثیت دی۔ انہوں نے حساب لگا کر معلوم کیا کہ ایک محنت کش سال بھر کتنا پیدا کرتا ہے پھر اس مقدار میں سے وہ اخراجات گھٹا دیئے' جو وہ غلہ' سالن' لباس اور جوتے پر

کرنا تھا اور تہواروں کے دنوں کو سال کے ایام کار سے کم کر دیا اس حساب سے یہ معلوم ہوا کہ سال بھر میں ہر فرد کے پاس چار دینار فاضل بچ رہتے ہیں۔ انہوں نے یہی شرح ہر ایک پر عائد کر دی اور اس معاملہ میں سب کو یکساں شمار کیا۔ پھر انہوں نے (شہر سے) دور اور قرب کے لحاظ سے بھی مختلف املاک پر مختلف شرحیں عاید کیں چنانچہ انہوں نے قریب کے ہر سو جریب کے کھیت پر ایک دینار' اور دور کے ہر دو سو جریب کے کھیت پر ایک دینار عائد کیا۔ قریب کی ہر ایک ہزار انگوری بیلوں پر ایک دینار' اور دور کی دو ہزار بیلوں پر ایک دینار' نیز قریب کے زیتون کے سو درختوں پر ایک دینار اور دور کے دو سو درختوں پر ایک دینار عائد کیا۔ دوری کا معیار انہوں نے ایک یا دو دن یا اس سے زیادہ کی مسافت کو رکھا۔ (محصول عاید کرنے کا) یہی طریقہ شام اور موصل میں بھی اختیار کیا گیا۔"

امام ابو یوسف کے اس بیان سے ولہاؤزن (Wellhausen) اور لون کائتانی (Lone Caetani) کے نظریہ کی واضح طور پر تردید ہو جاتی ہے۔

امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں سورہ توبہ کی آیت نمبر 29 کا حوالہ دیا ہے۔ اس آیت میں ایک لفظ "صاغرون" سے استدلال کرتے ہوئے مستشرقین نے یہ لکھا ہے کہ اس ٹیکس کی وصولی کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ ذمی رعایا کی ذلت و تحقیر کی جائے۔ (214)

حالانکہ امام ابو یوسف نے "و ھم صاغرون" کا مفہوم صراحۃ" یا کنایۃ" وہ نہیں بتایا۔ (215) جو بعد کے کچھ فقہاء اور قاضیوں نے پیش کیا اور جس کی بدولت جزیہ کا تصور اور ادائیگی غیر مسلموں کے لئے لعنت عظمیٰ اور توہین کی علامت بن گئی اور اسی بنیاد پر مستشرقین کو بھی اعتراضات کا موقع ملا۔

امام ابو یوسف کی بحث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ وہ خوشی سے جزیہ دینا قبول کریں اور ان کی سرکشی ٹوٹ چکی ہو امام شافعی نے "کتاب الام" میں "و ھم صاغرون" کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ان پر اسلامی حکومت کے قوانین جاری ہو جائیں۔ یعنی وہ اسلامی حکومت کے قوانین کے آگے جھک جائیں۔ (216)

امام ابو یوسف نے ذمیوں کے ساتھ حکومت کی پالیسی (Policy) کے سلسلہ میں حضرت عمرؓ کے اس منشور (Edict of umar) کا بھی ذکر نہیں کیا جس کو بعد کے فقہاء بڑے شوق سے نقل کرتے ہیں اور جس کی رو سے ذمیوں پر بہت سی پابندیاں اور توہین آمیز قیود عائد کی گئی تھیں۔ آپ نے صرف چند پابندیوں کا جو زیادہ مکروہ نہیں ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ حضرت عمرؓ نے عائد کی تھیں۔ مگر تعجب یہ ہے کہ امام ابو یوسف جو بلا استثناء اپنے ہر قول کی تائید میں کم از کم ایک ورنہ دو دو' تین تین چار چار روایتیں پیش کرتے ہیں' ان پابندیوں سے متعلق حضرت عمرؓ کی کوئی روایت پیش نہیں کر سکے' جس کا سبب غالباً" یہ ہے کہ اس باب میں حضرت عمرؓ کی کوئی معتبر روایت ان کو نہیں ملی۔ اور انہوں نے جو

کہ وہ سنی سنائی بات تھی۔ اس کے علاوہ حضرت خالدؓ بن ولید (م 21ھ / 642ء) نے عراق کے نصاریٰ سے جو معاہدہ کیا تھا اس میں اگرچہ بعض پابندیوں کا ذکر ہے تاہم اس نوع کی پابندیوں کا مطلق ذکر نہیں جو خلیفہ ثانی کی طرف منسوب کی گئی ہیں۔ آپ نے کتاب الخراج میں حضرت خالدؓ بن ولید کی اہل حیرہ کے ساتھ صلح کا جو متن نقل کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے۔

"میں نے ان پر شرط لگائی ہے کہ اسلامی حکومت کی مخالفت نہیں کریں گے اور کسی غیر مسلم کو مسلمانوں کے خلاف مدد نہیں دیں گے' نہ غیر مسلموں کو حکومت کی عسکری کمزوریوں یا رازوں سے مطلع کریں گے' اگر انہوں نے ان امور کی خلاف ورزی کی تو اسلامی حکومت کی حفاظت اور امان سے باہر ہو جائیں گے اور اگر انہوں نے ان امور کی پابندی کی تو ان کو وہ سارے حقوق حاصل ہوں گے جو ایک معاہد کو حاصل ہوتے ہیں اور ان کی جان و مال کی حفاظت ہمارے ذمہ ہو گی..... ان کا جو بوڑھا کام کاج سے معذور ہو جائے یا اس پر کوئی مصیبت نازل ہو' یا جو پہلے مالدار رہا ہو اور پھر ایسا غریب ہو جائے کہ اس کے ہم مذہب اسے خیرات دینے لگیں تو اس کا جزیہ معاف ہو جائے گا اور جب تک وہ دارالاسلام میں رہے گا اس کے اور اس کے اہل و عیال کے مصارف مسلمانوں کے بیت المال سے پورے کئے جائیں گے۔ اور اگر اس کا کوئی غلام مسلمان ہو جائے تو اس کو مسلمانوں کے بازار میں زیادہ سے زیادہ قیمت پر بغیر کسی عجلت کے فروخت کیا جائے گا اور اس کی قیمت اس کے مالک کو دے دی جائے گی۔ اہل حیرہ کو اس بات کا حق ہے کہ جو لباس چاہیں پہنیں بشرطیکہ وہ لباس جنگی نہ ہو اور نہ وہ مسلمانوں کے لباس سے مشابہت کی کوشش کریں۔ اگر ان میں سے کوئی فوجی لباس میں دیکھا جائے گا تو اس سے اس کی بابت سوالات کئے جائیں گے۔ اگر اس نے کوئی معقول عذر پیش کیا تو چھوڑ دیا جائے گا ورنہ جتنا فوجی لباس اس نے پہن رکھا ہو گا اسی کی مناسبت سے اسے سزا دی جائے گی۔ (217)

امام ابو یوسف نے لکھا ہے کہ حضرت خالد بن ولیدؓ نے شام کی طرف پیش قدمی کے دوران میں متعدد مقامات پر اس سے ملتے جلتے معاہدے کئے اور یہ کہ ان معاہدوں کو چاروں پہلے خلفاء نے بحال رکھا۔ (218)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نام نہاد منشور عمرؓ اور لباس کے سلسلہ میں جو قیود ان کی طرف منسوب کی گئی ہیں بعد کے فقہاء کے اجتہادات ہیں۔

امام ابو یوسف نے کتاب الخراج صفحہ 149 تا 160 پر کچھ ایسے صلح ناموں کا ذکر کیا ہے جو صحابہ

کرام نے اہل ذمہ سے کیے تھے۔ آپ ہارون الرشید (170-193ھ / 786-809ء) کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس دور میں بھی ان صلحناموں اور امان ناموں کی شرائط پر عمل درآمد کیا جائے اور ان کی خلاف ورزی نہ کی جائے۔ آپ کے الفاظ ہیں۔

ولست اری لی یهدم شئی مما جری علیه الصلح (219)

"میری رائے میں ذمیوں کی جو عمارتیں ان صلحوں کے تحت آتی ہیں ان کو مسدم نہیں کرنا چاہیے۔"

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ جب بھی مسلمان حکمرانوں میں سے کسی نے اس کے خلاف کرنے کی جرأت کی تو ذمیوں نے وہ کاغذات پیش کیے جو صلح نامے اور امان نامے کی شکل میں ان کے پاس موجود تھے۔ چنانچہ اس وقت کے فقہاء نے ذمیوں کی حمایت کی اور حکمرانوں کے اس ارادہ کو ناجائز اور غلط قرار دیا اور سختی کے ساتھ مخالفت کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنے ارادے سے باز آگئے۔ فکفوا عما ارادوا من ذلک (220)

امام ابو یوسف نے جزیہ کی بحث میں مختلف قسم کے لوگوں پر جزیہ کو ساقط بتایا ہے۔ اس طرح آپ نے غیر مسلموں کے ساتھ زیادہ سے زیادہ نرمی اختیار کرنے کے اصول وضع کیے ہیں۔

فصل چہارم

اسلامی ریاست کی معاشی ذِمّہ داریاں

امام ابویوسف کا مقام اس لحاظ سے بہت بلند ہے کہ آپ پہلے مسلم ماہر معاشیات ہیں جنہوں نے خلیفہ کو اس کی معاشی ذمہ داریوں سے آگاہ کیا ہے۔ آپ اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے کہ جہاں ملوکیت پر مبنی نظام حکومت ہو۔ وہاں سلطنت کے استحکام کا راز اسی میں پوشیدہ ہوتا ہے کہ حکمران اپنی معاشی ذمہ داریوں سے آگاہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے کتاب الخراج کے مقدمہ میں بھی اس موضوع پر گفتگو کی ہے۔ آپ نے خلیفہ کو اس کی ذمہ داریوں سے آگاہ کرتے ہوئے "راعی" کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ راعی کے لفظی معنی چرواہے کے ہوتے ہیں جو اپنے جانوروں کی نگرانی کرتا ہے۔ یعنی کسی قوم کا سربراہ راعی ہوتا ہے اور شہری اس کی رعیت ہیں۔

اس طرح امام ابویوسف نے جدید دور کے ایک اہم مسئلہ کی طرف توجہ دی ہے یعنی رعایا کے معاشی حقوق کی حفاظت و نگہداشت کے سلسلہ میں حکومت کی کیا ذمہ داری ہے؟ کتاب الخراج کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک حکومت کے قیام کا مقصد عام لوگوں کے مصالح و مفادات کا تحفظ ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک فرمان سے بھی یہی حقیقت ظاہر ہوتی ہے۔ امام احمد بن حنبل' اپنی مسند میں یہ روایت نقل کرتے ہیں۔

فقال ابن عمر ... فانی سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول = کل راع مسؤول عن رعیتہ(221)

"(حضرت عبداللہ) بن عمر نے فرمایا۔ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ہر نگران سے اس کی رعیت کے متعلق سوال کیا جائے گا۔"

حکومت کی ذمہ داری کے متعلق ابویوسف کا یہ معاشی فکر آج کل کے جدید اور ترقی یافتہ نظریات کے بالکل مطابق ہے۔

امام ابویوسف کی یہ رائے بالکل صحیح ہے کہ حکومت اور اس کے چھوٹے بڑے تمام حکام اور عہدیدار دراصل رعایا کے خادم اور ان کے حقوق کے محافظ ہیں نہ کہ ظلم و بربریت کرنے والے۔ ابوالعلاء المعری' احمد بن عبداللہ (م 449ھ / 1057ء) نے اس فکر کو فراموش کر دینے پر تنقید کرتے ہوئے بالکل صحیح کہا ہے۔

ظلموا الرعیۃ واستجازوا کیدھا .
فعدوا مصالحھا و ھم اجراؤھا . (222)

"حکام رعایا پر ظلم اور ان کے معاملوں میں ہر قسم کے فریب کو روا اور ان کی ضرورتوں سے بے پرواہ ہو گئے ہیں۔ اس لئے یہ حاکم نہیں درندے ہیں۔"

امام ابویوسف نے ہارون الرشید کو اس قاعدہ کی جانب صرف توجہ ہی نہیں دلائی بلکہ عملاً اور براہ راست اس کو انجام دینے پر بھی زور دیا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ابویوسف کے معاشی فکر میں رعایا کی مصلحتوں' ضرورتوں اور عوام کے مفادات

وحقیقۃ کا جو لحاظ ضروری ہے اس کی اس میں پوری رعایت موجود ہے۔

امام ابو یوسف نے کفالت عامہ (Social Security) کا ایسا جامع اور وسیع تصور پیش کیا ہے جس پر عمل پیرا ہو کر عصر حاضر کی اسلامی حکومتیں رعایا کی معاشی فلاح و بہبود کے کئی منصوبے تشکیل کر سکتی ہیں۔ آپ کے اس معاشی فکر کی روشنی میں حکومت کی طرف سے ان لوگوں کو امداوی وظیفہ دلوانے کا اصول اپنایا جا سکتا ہے جو کسی بیماری، بڑھاپے یا کسی حادثہ کی وجہ سے بے روزگار ہو گئے ہوں۔ اس طرح امام ابو یوسف نے سماجی تحفظ (Social Security) کی ایک بہترین صورت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ مختلف ادوار میں عالم اسلام کے ماہرین معاشیات نے کفالت عامہ کا جو تصور پیش کیا ہے وہ آپ کے معاشی فکر سے بہت مطابقت رکھتا ہے۔

امام ابو یوسف اس لحاظ سے بھی ایک انفرادی حیثیت کے حامل ماہر معاشیات ہیں کہ آپ نے معاشی ترقی کے لئے ایک جامع ماڈل پیش کیا ہے۔ آپ نے معاشی ترقی کے اہتمام کے لئے جن بنیادوں کی طرف اشارہ کیا ہے، اور ساتھ ہی اس کے حصول کے لئے جن منصوبوں کا ذکر کیا ہے، ان پر عمل کئے بغیر آج بھی کوئی ملک معاشی طور پر مضبوط نہیں ہو سکتا۔

امام ابو یوسف کا یہ نظریہ بالکل درست ہے کہ عدل و مساوات کی حکمرانی سے ملک معاشی طور پر مضبوط ہوتا ہے اور ظلم و تعدی اور ناانصافی سے حکومت معاشی طور پر مفلوج ہو جاتی ہے۔ آپ یہاں قرآنی فکر سے متاثر نظر آتے ہیں۔ قرآن حکیم کی تعلیم یہ ہے کہ جس شخص کو حکمرانی کا منصب دیا جائے اس پر لازم ہے کہ وہ رعایا کے مابین عدل و انصاف کرے۔ ارشاد ربانی ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ ۔ (223)

"بے شک اللہ عدل کا اور احسان کا حکم دیتا ہے۔"

سورہ مائدہ میں فرمایا۔

وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ○ (224)

"اور اگر آپ فیصلہ کریں تو ان کے درمیان (قانون) عدل کے مطابق فیصلہ کریں۔ بے شک اللہ عدل کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔"

حدیث میں ہے۔

عن ابی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم یا اباهريرة عدل ساعة افضل من عبادة ستين سنة قيام ليلها و صيام نهارها و يا اباهريرة جور ساعة فی حكم اشد و اعظم عند الله عزوجل من معاصی

مستین مسنفا(225)

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابو ہریرہ ایک گھڑی کا انصاف ساٹھ سال کی عبادت جس میں رات کو قیام اور دن کو روزہ ہو ' سے افضل ہے اور اے ابو ہریرہ ایک گھڑی کا ظلم اللہ کے نزدیک ساٹھ سال کے گناہوں سے زیادہ سخت ہے۔"

ایک حدیث میں آپ کے یہ الفاظ نقل کئے گئے ہیں۔ "قیامت کے دن جب کہ اللہ تعالیٰ کے سایہ کے سوا کوئی دوسرا سایہ نہ ہو گا۔ سات افراد کو اللہ تعالیٰ اپنے سایہ میں لے گا۔ جن میں ایک شخص امام عادل ہو گا۔" (226)

حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں۔

اذا کان الامام عادلا فمه الاجر و علیک الشکر ' و اذا کان جائرا فله الوزر و علیک الصبر (227)

"جب حاکم عادل ہو تو اس کے لئے اجر ہے اور آپ پر شکر لازم ہے اور جب وہ ظالم ہو تو اس پر بوجھ ہے اور آپ کے ذمہ صبر ہے۔"

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں۔

ان الارض لتزین فی اعین الناس اذا کان علیها امام عادل و تقبح اذا کان علیها امام جائر (228)

"بے شک زمین لوگوں کی نظروں میں مزین ہو جاتی ہے جب اس پر حاکم عدل کرنے والا ہو اور قابل نفرت ہو جاتی ہے جب اس پر حاکم ظلم کرنے والا ہو۔"

انسانی بستیوں کی آبادی عدل ہی کی بدولت ہے۔ جب حکمران عدل و انصاف کریں تو رعایا بھی ان کی اطاعت گزار ہو جاتی ہے۔ اردشیر نے اپنے بیٹے کو جو نصیحت کی اس میں یہ الفاظ بھی تھے۔

یا بنی ان الملک والعدل اخوان لا غنی لاحدهما عن صاحبه(229)

"اے بیٹے بے شک بادشاہی اور انصاف دو بھائی ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک دوسرے سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔"

جعفر بن یحییٰ (م 187ھ / 803ء) کا قول ہے۔

الخراج عمود الملک ' و ما استغزر بمثل العدل ' و لا استنزر بمثل الظلم (230)

حضرت سعید بن سوید نے حمص کے مقام پر لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

ایها الناس' ان للاسلام حائطا منیعا و بابا وثیقا فحائط الاسلام الحق و بابه العدل' و لا یزال الاسلام منیعا ما اشتد السلطان' و لیس شدة السلطان قتلا بالسیف و لا ضربا بالسوط' و لکن قضاء بالحق و اخذ بالعدل(231)

"اے لوگو! بے شک اسلام کے لئے ایک رکاوٹ پیدا کر دینے والا احاطہ اور مضبوط دروازہ ہے۔ پس اسلام کا احاطہ حق ہے اور اس کا دروازہ عدل ہے۔ اور جب تک سلطان میں قوت ہوتی ہے' اسلام کے اس رکاوٹ پیدا کرنے والے (احاطہ) کو زوال نہیں آتا۔ اور سلطان کی قوت اس سے (ظاہر نہیں ہوتی) کہ وہ تلوار سے قتل کرے اور کوڑے سے مارے بلکہ (اس سے ظاہر ہوتی ہے) کہ وہ حق کے ساتھ فیصلہ کرے اور انصاف کرے۔"

فضل بن یحییٰ (م 193ھ / 808ء) کا قول ہے۔

لو کان عندی دعوة مستجابة لم اجعلها الا فی الامام' فانه اذا صلح اخصبت البلاد و امنت العباد (232)

"اگر میرے پاس قبول ہو جانے والی دعا ہوتی تو میں اس کو صرف حاکم کے لئے کرتا۔ اس لئے کہ جب وہ صحیح ہو تو شہروں میں خوشحالی ہوتی ہے اور بندوں کو امن و سکون ملتا ہے۔

ظلم اور ناانصافی کی مذمت کرتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ان اللہ تعالی یقول و عزتی لا جیبن دعوة المظلوم و ان کان کافرا(233)

"بے شک اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں مجھے اپنی عزت کی قسم میں مظلوم کی دعا کا جواب ضرور دیتا ہوں چاہے وہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔"

حضرت علیؓ بن ابی طالب (35-40ھ / 656-661ء) کو اطلاع ملی کہ آپ کے کچھ حکام جور و ظلم سے کام لے رہے ہیں۔ یہ معلوم کر کے آپ نے دعا کی۔

اللهم انی لم امرهم ان یظلموا خلقک و لا یترکوا حقک(234)

"اے اللہ میں نے ان کو تیری مخلوق پر ظلم و ستم کا حکم نہیں دیا ہے اور نہ اس بات کا کہ تیرا حق چھوڑ دیں۔"

اللہ تعالیٰ بھی اسی سلطنت کو باقی رکھتے ہیں جو انصاف پسند ہو۔ ظالم سلطنت کی مدد من جانب اللہ نہیں ہوتی۔ ابن تیمیہ نے بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ آپ رقم طراز ہیں۔

و لهذا قیل ان اللہ یقیم الدولة العادلة و ان کانت کافرة و لا یقیم الظالمة و ان کانت مسلمة و یقال الدنیا تدوم مع العدل والکفر و لا تدوم مع الظلم

والاسلام(235)

"اور اسی لئے یہ کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عادل حکومت کو قائم رکھتے ہیں چاہے وہ کافر حکومت ہی کیوں نہ ہو اور ظالم کو قائم نہیں رکھتے چاہے وہ مسلم حکومت ہی کیوں نہ ہو۔ اور یہ کہا جاتا ہے کہ دنیا عدل اور کفر کے ساتھ تو رہ سکتی ہے لیکن ظلم اور اسلام کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔"

عدل کی برکت..... ایک تاریخی حقیقت

امام ابو یوسف کتنے خوبصورت الفاظ میں عدل کے معاشی فائدہ پر روشنی ڈالتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں۔

ان العدل و انصاف المظلوم و تجنب الظلم مع ما فی ذلک من الاجر یزید به الخراج و تکثر به عمارة البلاد والبرکة مع العدل تکون و هی تفقد مع الجور' والخراج الماخوذ مع الجور تنقص البلاد به و تخرب(236)

"عدل و انصاف کرنے اور ظلم و جور سے پرہیز کرنے میں جو اخروی اجر ہے اس کے ماسوا اس سے علاقوں کی خوشحالی میں اضافہ ہوتا ہے اور خراج کی آمدنی بڑھتی ہے۔ برکت عدل سے وابستہ ہے' ظلم و جور سے برکت ختم ہو جاتی ہے۔ جو خراج ظلم و جور کے ذریعہ وصول کیا جاتا ہے اس سے ملک میں بدحالی اور تباہی آتی ہے۔"

ابو یوسف کے بعد پانچویں صدی ہجری کے اسلامی مفکر الماوردی نے بھی یہی رائے پیش کی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ اگر عدل و انصاف سے ٹیکس وصول کئے جائیں تو اس سے بیت المال کی آمدنی میں اضافہ ہوتا ہے اور ظلم و جور سے آمدنی کم ہو جاتی ہے۔(237)

حضرت عمرؓ بن الخطاب (13-24ھ / 634-645ء) اپنے دور میں اہل خراج کے ساتھ کامل عدل و انصاف کا معاملہ کرتے اور ان پر سے ہر طرح کے ظلم کا ازالہ کرتے تھے۔ آپؓ کے زمانہ میں عراق سے دس کروڑ (100000000) درہم کی آمدنی ہوتی تھی۔ جبکہ اس زمانہ میں درہم کا وزن ایک مثقال ہوتا تھا۔(238)

میمون بن مہران (م 117ھ / 735ء) کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے پاس دس آدمی کوفہ سے اور دس بصرہ سے آتے اور ہر آدمی اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر چار بار یہ گواہی دیتا کہ یہ رقم پاکیزہ طریقہ سے وصول کی گئی ہے۔ اس میں سے کچھ کسی مسلم یا معاہد پر ظلم کر کے نہیں وصول کی گئی۔(239)

بعد ازاں عبدالملک بن مروان (م 65-86ھ / 685-705ء) اور ولید بن عبدالملک (86-96ھ / 705-714ء) کے ادوار میں جب حجاج بن یوسف ثقفی (م 96ھ / 714ء) عراق کا حاکم تھا تو اس کے مظالم کی وجہ سے خراج کی آمدنی صرف دو کروڑ اسی لاکھ (28000000) تک رہ گئی۔(240)

حضرت عمر بن عبدالعزیز (99 101ھ / 717-719ء) کے دور میں باوجود اس کے کہ اہل ذمہ کو جزیہ کی وصولی میں بہت سہولتیں دی گئیں اور مختلف قسم کی ناجائز آمدنیوں کا سدباب کر دیا گیا تھا' بیت المال کی آمدنی میں اضافہ ہوا۔ عراق کی آمدنی حجاج بن یوسف کے دور سے کہیں زیادہ بڑھ گئی۔(241)

حضرت عمر بن عبدالعزیز فرمایا کرتے تھے کہ حجاج بن یوسف باوجود اپنے مظالم کے عراق سے دو کروڑ اسی لاکھ (28000000) سے زیادہ وصول نہ کر سکا اور زمین کی آبادی کے لئے کاشت کاروں کو بیس لاکھ (2000000) قرض دینے کے بعد کل ایک کروڑ سات لاکھ (10700000) کا اضافہ ہوا۔ اور میرے دور حکومت میں بغیر کسی ظلم و زیادتی کے بارہ کروڑ چالیس لاکھ آمدنی ہو گئی۔ اگر میں زندہ رہا تو ابھی اس آمدنی میں اور اضافہ ہو گا۔(242)

آپ کو بعض عمال نے یہ لکھا کہ ہماری نرمی کی وجہ سے بعض شہروں میں محصول کی وصولی کم ہو گئی ہے۔ ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ آپ نے ان کو یہ تحریر بھیجی کہ ہر صورت میں عدل و انصاف کو پیش نظر رکھو کیونکہ ظلم اور معاشی خوشحالی ایک جگہ اکٹھے نہیں ہو سکتے۔(243)

امام ابو یوسف پہلے ماہر معاشیات ہیں جنہوں نے کسی ملک کی معاشی ترقی کے لئے ذرائع آمدورفت کی تعمیر و اصلاح پر بڑا زور دیا ہے۔ آپ کی حیثیت ایک ایسے صاحب بصیرت معاشی مفکر کی ہے' جس کی دور رس نگاہیں یہ دیکھ رہی تھیں کہ جب تک ذرائع آمدورفت موثر اور عمدہ نہیں ہوں گے اس وقت تک اقتصادی نظام پست اور غیر مستحکم رہے گا۔ زرعی پیداوار (Agricultural Products) کو ملک کے ہر علاقہ تک پہنچانا' مصنوعات کا منڈیوں (Markets) تک لے جانا اور قیمتوں (Prices) میں یکسانیت پیدا ہونا موثر ذرائع آمدورفت کے ہونے سے ہی ممکن ہے۔ ان کی وجہ سے ہی بے روزگاری کم ہوتی ہے۔ نیز انفرادی اور اجتماعی سطح پر خوشحالی میں اضافہ ہوتا ہے۔

امام ابو یوسف نے معاشی ترقی کی تحقیق کے لئے ایک خاص اسلوب اختیار کیا ہے۔ یعنی جن راستوں اور منصوبوں کی تعمیر کی ضرورت ہے ان پر خصوصی توجہ دی جائے۔ ترقیاتی اسکیموں کے بارے میں انہوں نے جو معاشی فکر پیش کیا ہے وہ اس لحاظ سے خاص اہمیت کا حامل ہے کہ اس کا مقصد کسی خاص طبقہ کے مفادات کے تحفظ کی بجائے عام انسانوں کی فلاح و بہبود سے ہے۔ گویا امام ابو یوسف کے نزدیک کسی ملک کی معاشی ترقی کا اندازہ اس کے عوام الناس کی فلاح و بہبود اور معیار زندگی (Quality of life) سے ہی ہوتا ہے۔

انہوں نے بڑے موثر انداز میں حکمرانوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ ہر فرد کی فلاح و بہبود کے بارے میں ان سے باز پرس ہو گی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس میں وہ بڑی حد تک کامیاب ہوئے ہیں۔

معاشی ترقی کے ضمن میں امام ابو یوسف کے فکر کی اہمیت اس لحاظ سے اور بھی بڑھ جاتی ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ آپ کے تقریباً تیس برس بعد ایک اور اسلامی مفکر احمد ابن ابی الربیع (م 272ھ / 885ء) نے اپنی کتاب "سلوک

المالک فی تدبیر الممالک" میں عباسی خلیفہ معتصم باللہ (218-227ھ / 833-841ء) کی راہنمائی کے لئے وہی فکر پیش کیا جو امام ابو یوسف کتاب الخراج میں پیش کر چکے تھے۔ وہ لکھتے ہیں کہ امام کے لئے یہ ضروری ہے کہ

"عدل کے کاموں میں سے ایک یہ ہے کہ ممالک کی خوشحالی کا اہتمام کیا جائے۔ دو طرح کے علاقے ہیں = زرعی علاقے اور بڑی شہری آبادیاں۔ خلق خدا کے مصالح اور ان کی زندگی کا قیام زرعی علاقوں سے وابستہ ہے اور ان علاقوں کے سلسلہ میں امام پر تین حقوق واجب ہیں۔ پانی کے ذخیروں کو درست حالت میں رکھا جائے تاکہ دور اور نزدیک کے لوگ ان سے فائدہ اٹھا سکیں۔ مزارعین کو ظلم اور معصیت سے محفوظ رکھا جائے تاکہ وہ زراعت ترک کر کے دوسرے کاموں میں نہ الجھ جائیں اور ان سے جو محاصل وصول کئے جائیں وہ حکم شریعت اور اصول انصاف کے مطابق وصول کئے جائیں۔ تاکہ ان پر کوئی ظلم و زیادتی نہ ہو۔ اگر کسی معاملہ میں ان کی حق تلفی کی گئی یا ان کے ساتھ ظلم و جور کا طریقہ اختیار کیا گیا تو خوشحالی کے بجائے اس کے برعکس صورت حال پیدا ہو جائے گی۔" (244)

ابو بکر السرخسی نے "المبسوط" میں بڑی نہروں کی کھدائی اور صفائی کے سلسلہ میں جو معاشی فکر پیش کیا ہے اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ امام ابو یوسف کے معاشی فکر سے بہت متاثر ہیں۔ ان نہروں پر اٹھنے والے اخراجات کے بارے میں آپ نے امام ابو یوسف کے فکر کی ہی تائید کی ہے۔ (245)

ترقیاتی اسکیموں کی لاگت (Cost) کے بارے میں امام ابو یوسف کے فکر کا تنقیدی جائزہ پیش کرتے ہوئے ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی رقم طراز ہیں۔

"ترقیاتی اخراجات کی ذمہ داری کی یہ تقسیم ابو یوسف کی بصیرت اور انصاف پسندی کا ثبوت ہے۔ انہوں نے عام کاشتکاروں کے مفاد کے ساتھ اس بات کا بھی لحاظ رکھا ہے کہ کس قسم کی نہروں سے کس کو زیادہ فائدہ پہنچتا ہے اور کون اخراجات کی ذمہ داری اٹھانے کی استطاعت رکھتا ہے۔ استفادہ اور استطاعت کی اس متوازن رعایت کے ساتھ انہوں نے دوسری اور تیسری قسم کی نہروں کے درمیان جو تفریق برتی ہے وہ ان کی معاشی بصیرت پر گواہ ہے۔ اگر وہ پہلی اور دوسری قسم کی نہروں کی لاگت اہل خراج کے ذمے ڈالتے تو زرعی ترقی کے اس اہم کام میں رکاوٹ پیش آتی' اور اگر تیسری قسم کی نہروں کی مرمت اور صفائی تمام تر ریاست کے ذمے رکھتے تو نہ صرف یہ کہ اس پر بے جا بار پڑتا بلکہ کاشتکار ان نہروں کی صفائی اور حفاظت کی طرف سے بے پرواہ ہو جاتے۔ اس طرح انہوں نے پہلی قسم کی نہروں میں اس بنیاد پر تفریق برتی ہے کہ اول الذکر کا افادہ عام ہے اور آخر

للذکر کا افادہ متعین افراد اور گروہوں تک محدود ہے۔ اخراجات کی ذمہ داری تقسیم کرتے وقت انہوں نے اس فرق کا لحاظ رکھا ہے۔ مسئلے کے ان تمام پہلوؤں پر اگر ان کی نظر نہ ہوتی تو وہ اتنا متوازن فارمولا نہ تجویز کر سکتے۔"

اس بحث کا یہ پہلو خاص طور پر قابل غور ہے کہ ترقیاتی اخراجات کا بار ریاست کے ذمے ڈالتے وقت ابو یوسف اس آمدنی کا حوالہ دیتے ہیں جو ان زمینوں کے خراج سے حکومت کو ہوتی ہے۔ رعایا کے سلسلے میں حکومت کی ذمہ داریاں گناتے وقت اس سے وصول کئے جانے والے محاصل کے حوالے ابو یوسف نے بار بار دیئے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک حکومت کا یہ حق کہ وہ اپنے شہریوں سے محاصل وصول کر سکتی ہے کوئی مطلق حق نہیں بلکہ ایک بامقصد حق ہے جس کے ساتھ کچھ فرائض بھی وابستہ ہیں۔ زرعی زمینوں کی پیداوار سے محصول وصول کرنے کا حق متقاضی ہے کہ ان زمینوں کو سیلاب یا پانی کی کمی کی وجہ سے برباد ہونے سے بچایا جائے اور ان کی آبپاشی کے لئے نہریں تعمیر کی جائیں۔" (246)

آپ مزید لکھتے ہیں۔

"بحیثیت مجموعی ہم یہ رائے قائم کرنے میں حق بجانب ہوں گے کہ مالیات عامہ سے تعلق رکھنے والے مسائل میں امام ابو یوسف کا فکر بہت پختہ اور بلند ہے۔ وہ حکومت کی آمدنی اور اس کے اخراجات کو کسی محدود زاویہ نگاہ سے نہیں دیکھتے بلکہ اسے فلاح عامہ اور ملک کی مجموعی بہبود و ترقی سے تعلق رکھنے والا ایک اہم شعبہ سمجھتے ہیں۔" (247)

ترقیاتی اسکیموں کی لاگت (Cost) کے بارے میں امام ابو یوسف کی یہ رائے قرین انصاف ہے کہ چھوٹی چھوٹی نہریں جن کے ذریعہ لوگ اپنی زمینوں، کھیتوں اور انگور کی کیاریوں وغیرہ تک پانی لے جاتے ہیں ان کی کھدائی اور صفائی کے اخراجات انہی افراد کو برداشت کرنے ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ جب ان نہروں سے خاص انہی لوگوں نے فائدہ اٹھانا ہے تو اس کے اخراجات بھی ان کو ہی برداشت کرنے ہوں گے۔ آپ کی یہ رائے اس قاعدہ پر مبنی ہے کہ الغرم بالغنم (یعنی جو فائدہ اٹھاتا ہے وہ اس فائدہ اٹھانے کا خرچہ بھی برداشت کرے۔) (248)

یہ قاعدہ دراصل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے ماخوذ ہے کہ الخراج بالضمان (249) یعنی کسی چیز سے فائدہ اٹھانا اس کا حق ہے جو اس چیز کے تاوان کی ذمہ داری بھی اٹھاتا ہے۔

ترقیاتی اسکیموں کے بارے میں ابو یوسف کے معاشی فکر پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر عابدین احمد سلامہ (250) لکھتے ہیں۔

The advice of Abu Yusuf implies that a Muslim state of today should take care of revenue bases and should prevent any decline of the base as erosion of the revenue base may lead to increased rates and hence further reduction in the revenue base. (251)

"امام ابو یوسف کی رائے دلالت کرتی ہے کہ آج کی ایک مسلم ریاست کو آمدنی کی بنیادوں کے متعلق احتیاط کرنی چاہیے اور آمدنی کی بنیاد میں کمی کو روکنا چاہیے۔ اس طرح سے ریٹ میں اضافہ ہوگا اور ٹیکس کی بنیاد میں مزید کمی ہوگی۔"

دور حاضر کی اسلامی سلطنتیں معاشی فلاح و بہبود کے منصوبوں (Schemes) کی تکمیل کے لئے ابو یوسف کے فکر سے استفادہ کر سکتی ہیں۔ آپ نے ترقیاتی اسکیموں پر نگران اہل کاروں کے لئے جن اوصاف و شرائط کو ضروری قرار دیا ہے۔ ان کی اہمیت و افادیت آج بھی مسلم ہے۔ ڈاکٹر عابدین احمد سلامہ لکھتے ہیں۔

Such an advice gives a further indication of the fact that kheraj revenue was used in developing agriculture and hence economic growth. Little attention in many of the Muslim countries is given to agriculture and agricutlural land. (252)

"ایسی رائے مزید اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ خراج کی آمدنی ترقی پذیر زراعت کے لئے استعمال کی گئی اور اس طرح سے زرعی اور معاشی اضافہ کے لئے بھی بہت سے مسلم ممالک میں زراعت اور زرعی زمینوں پر بہت کم توجہ دی جاتی ہے۔"

فصل پنجم

معاشی اصلاحات کی افادیّت

امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں جن معاشی اصلاحات کو پیش کیا ہے' ان کے مطالعہ سے نہ صرف اس دور کی اقتصادی اور انتظامی خرابیوں سے آگاہی حاصل ہوتی ہے بلکہ آپ ایک ایسے ماہر معاشیات کے طور پر سامنے آتے ہیں' جس کے سینے میں ایک حساس اور دردمند دل ہے۔ اور جسے عوام الناس کی معاشی فلاح و بہبود بہت عزیز ہے۔ ان اصلاحات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اپنے دور کے پیش آمدہ معاشی مسائل کو بڑے قریب سے دیکھا ہے۔

آپ کی پیش کردہ معاشی اصلاحات کے مطالعہ کے بعد یہ رائے قائم کرنے میں بہت آسانی ہو جاتی ہے کہ اس فریضہ میں وہ تمام مسلم ماہرین معاشیات پر سبقت لے گئے ہیں۔ آپ کی معاشی اصلاحات کا نقطہ ماسکہ (Focus) یہ ہے کہ کاشتکار طبقہ اور ریاست' میں سے کسی فریق کو بھی نقصان نہ پہنچے۔ بالخصوص انہیں کاشتکاروں کا مفاد زیادہ عزیز ہے۔ آپ کے نزدیک جس ملک کے زراعت پیشہ طبقہ کو مراعات اور سہولتیں حاصل ہوں گی وہ معاشی طور پر مضبوط ہو گا اور جہاں کسانوں پر بھاری ٹیکس عائد کیے جائیں گے وہاں معاشی بدحالی ہو گی۔

ابو یوسف نے جب نظام المساحہ (A fixed land tax) کی بجائے
نظام المقاسمہ (Khirajul maquasamah) کی سفارش کی تو اس سے کاشتکار طبقہ کو بہت فائدہ ہوا۔ اس سے قبل نظام المساحہ کے تحت ان زمینوں پر بھی خراج وصول کیا جاتا تھا جو قابل کاشت تو ہوتی تھیں لیکن بعض وجوہات کی بناء پر کاشتکار ان میں کاشت نہیں کر سکتے تھے۔ اب امام ابو یوسف کے تجویز کردہ نظام المقاسمہ کے تحت کاشتکاروں پر سے یہ اضافی بوجھ ختم ہو گیا۔ کیونکہ اب خراج صرف ان زمینوں سے ہی لیا جاتا تھا جو زیر کاشت تھیں۔

آپ کے تجویز کردہ نظام کا ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ اس سے کاشتکار طبقہ افسران حکومت کے ظلم و ستم سے بھی محفوظ ہو گیا۔ کیونکہ اس سے قبل افسران حکومت کھیتوں کی پیمائش کرتے وقت اصل رقبہ سے زائد محصول عائد کر دیتے۔ اب چونکہ کھیتوں کی پیمائش کی ضرورت ہی نہ رہی اس لئے استحصال کا یہ دروازہ بھی بند ہو گیا۔

اس کے ساتھ ساتھ اسلامی ریاست کو یہ فائدہ ہوا کہ اب زیر کاشت زمینوں کی کثرت کی بناء پر مجموعی قومی پیداوار (Aggregate national produ.tion) میں اضافہ ہوا۔ کیونکہ اس سے قبل بعض کاشتکار افتادہ' ناکارہ یا زیر آب زمینوں کی آبادکاری میں اس لئے دلچسپی نہیں لیتے تھے کہ ایسا کرنے کی صورت میں انہیں کچھ متعین خراج (Land tax) ادا کرنا پڑتا۔ جس کی ادائیگی فوری طور پر کرنا پڑتی حالانکہ ایسی زمینوں سے شروع میں کئی سال تک کافی لاگت کے بعد وہ جو پیداوار حاصل کرتے وہ متعین محصول سے کم ہوتی اس طرح فائدہ کی بجائے انہیں نقصان اٹھانا پڑتا تھا۔ اب اس نئے نظام کی وجہ سے ایسی بے کار زمینوں کی آبادکاری میں یہ رکاوٹ دور ہو گئی۔ کاشت کار طبقہ نے ایسی زمینوں کی آبادکاری میں خوب دلچسپی لی اور اس طرح ملکی پیداوار میں بھی اضافہ ہوا۔ لاک گارڈ (Lokke gaard) نے نظام المقاسمہ کی خوبی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ "یہ تھاوہ نظریہ جس کی وجہ سے اسلامی سلطنت نے مزید

ترقی کی اور وہ خود مختار زمینوں تک وسیع ہوتی چلی گئی۔(253)

مہدی (158-169ھ / 775-785ء) اور ہارون الرشید (170-193ھ / 786-809ء) کے ادوار میں خراج کی رقم میں جو بے بہا اضافہ ہوا اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ نظام المقاسمہ کا طریقہ رائج تھا۔

جدید اصطلاح میں نظام المساحہ اور نظام المقاسمہ کے درمیان وہی فرق ہے جو محصول زمین (Land Tax) اور زرعی آمدنی کے محصول (Agricultural income tax) کے درمیان ہے۔ موخر الذکر ایک متناسب محصول (Proportional tax) ہے۔ جس سے ہونے والی آمدنی پیداوار کے ساتھ بڑھتی رہتی ہے۔ امام ابویوسف کی بحث سے واضح ہوتا ہے کہ وہ ان دونوں محاصل (Taxes) کے فرق اور موخر الذکر محصول کے بہتر ہونے کے اسباب پر نظر رکھتے تھے۔(254)

خراج وظیفہ (A fixed land tax) کی جگہ خراج مقاسمہ (Khurajul Maquasamah) تجویز کرتے وقت انہوں نے جو شرحیں بیان کی ہیں وہ سابق شرحوں کی نسبت کم ہیں۔ ڈاکٹر ضیاء الدین ادریس نے اپنی کتاب "الخراج والنظم المالیہ فی الدولۃ الاسلامیہ" میں عباسی خلیفہ مہدی (158-169ھ / 775-785ء) کے وزیر ابوعبیداللہ معاویہ بن عبیداللہ بن یسار (م 170ھ / 786ء) اور امام ابویوسف کی پیش کردہ شرحوں کا تقابلی جائزہ پیش کیا ہے جو کہ درج ذیل ہے:

زمین کی قسم	مہدی کے دور میں ابوعبیداللہ معاویہ کی نافذ کردہ شرحیں	ابویوسف کی مجوزہ شرحیں
(ا) بارانی زمین	(پیداوار کا) 1/2	(پیداوار کا) 2/5
(ب) محنت سے سینچی جانے والی زمین	(پیداوار کا) 1/3	(پیداوار کا) 3/10
(ج) کھجور، انگور، باغات وغیرہ	متعین مقداریں (خراج مساحت)	(پیداوار کا) 1/3
(د) دولاب سے سینچی جانے والی زمین	(پیداوار کا) 1/4	(پیداوار کا) 1/4 (255)

اس نقشہ سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ امام ابویوسف نے ابوعبیداللہ کے مقابلے میں خراج کی شرحوں کو کس قدر منصفانہ بنا دیا ہے۔ یہاں یہ امر پیش نظر رہے کہ مختلف ادوار میں زمین کے خراج کی جس شرح پر سب سے زیادہ عمل ہوتا رہا ہے وہ وہی ہے جو امام ابویوسف نے تجویز فرمائی تھی۔ ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی نے امام ابویوسف کے تجویز کردہ نظام المقاسمہ کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"امام ابویوسف نے جو نظام مقاسمہ تجویز کیا ہے اس میں یہ خوبی ہے کہ قیمتوں کے اتار چڑھاؤ اور

پیداوار کی کمی بیشی کا اثر کاشتکاروں اور سرکاری خزانہ دونوں پر یکساں پڑتا ہے اور ان تبدیلیوں سے دونوں کے مفاد میں کوئی ٹکراؤ نہیں پیدا ہوتا۔ نہ آئے دن خراج کی شرحیں تبدیل کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔" (256)

ڈاکٹر ضیاء الدین الریس نے نظام المساحہ اور نظام المقاسمہ کا تقابلی جائزہ پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ نظام المساحہ کی صورت میں مزارعین کو صرف اس وقت ہی فائدہ ہوتا تھا جب پیداوار کی قیمتیں زیادہ ہوتی تھیں کیونکہ اس صورت میں تو انہیں صرف ایک مقررہ خراج ہی ادا کرنا پڑتا تھا۔ لیکن اگر پیداوار کی قیمتیں کم ہو جاتیں تو انہیں نقصان بھی ہو سکتا تھا۔ اس کے نظام المقاسمہ مزارعین کے لئے زیادہ فائدہ مند تھا کیونکہ قیمتوں میں کمی بیشی کی صورت میں انہیں نقصان پہنچنے کا احتمال بہرحال نہیں تھا۔ (257)

خراج مساحہ کے بارے میں امام ابو یوسف کی تجزیاتی بصیرت (Analytical approach) پر تنقیدی نگاہ ڈالتے ہوئے ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی رقم طراز ہیں۔

"امام ابو یوسف نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ جب غلہ گراں ہو گا تو کاشتکاروں کو ایک متعین رقبہ زمین کے محصول کے طور پر غلہ کی ایک متعین مقدار دینا گراں گزرے گا لیکن انہوں نے اجمال سے کام لیا ہے اور یہ واضح نہیں کیا ہے کہ ایسا کیوں ہو گا۔ اس کا سبب خراج ادا کرنے والوں کا یہ احساس ہے کہ وہ باعتبار قیمت پہلے سے زیادہ محصول ادا کر رہے ہیں یا اور کچھ؟

یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ متعین مقدار غلہ کی شکل میں محصول عائد کرنے کی معنرت واضح کرتے وقت امام ابو یوسف نے یہ نہیں کہا ہے کہ چونکہ پیداوار میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے اس لئے محصول کے طور پر دیئے جانے والے غلہ کی مقدار کا متعین ہونا انصاف کے خلاف ہے۔ اگر غلہ کی گرانی کا سبب اس کی پیداوار کا معمول سے کم ہونا ہو تو کاشتکار کو کم پیداوار میں سے بھی اتنا ہی غلہ بطور محصول دینا ہو گا جتنا وہ زیادہ پیداوار میں سے ادا کرتا تھا۔ یہ بات اس پر گراں گزرے گی۔ یہ طرز استدلال اختیار کرنے کی بجائے انہوں نے اپنی توجہ صرف غلہ کے نرخ بازار پر مرکوز کی ہے ایسا نہیں کہ انہیں اس بات کا شعور نہ ہو کیونکہ انہوں نے خود محصول کا جو نظام تجویز کیا ہے اس کا تقاضا ہے کہ انہیں اس کا پورا پورا شعور ہو' اس نکتہ کی صراحت نہ کرنے کی وجہ غالباً" یہ ہے کہ وہ یہ موقف نہیں اختیار کرنا چاہتے کہ غلہ سستا ہونے کا سبب ہمیشہ پیداوار کی فراوانی اور اس کے گراں ہونے کا سبب ہمیشہ پیداوار کی قلت ہوتی ہے اس کی بجائے وہ صرف یہ کہتے ہیں کہ غلہ کا نرخ کم اور زیادہ ہوتا رہتا ہے ایک سطح پر نہیں قائم رہتا اور اسی بات کو متعین مقدار غلہ کی شکل میں محصول

وصول کرنے کی مضرت کی بنیاد قرار دیتے ہیں۔ (258)

آگے چل کر مزید لکھتے ہیں۔

"یہاں اس مئلے کا ایک اور پہلو بھی قابل غور ہے۔ غلہ کے نرخ کی گرانی اور ارزانی کا تعلق پورے بازار میں اس کی رسد کے گھٹنے اور بڑھنے سے ہوتا ہے نہ کہ ہر منفرد کاشتکار کی پیداوار میں کی بیشی سے ابویوسف یہاں جس موضوع پر گفتگو کر رہے ہیں اس کا تعلق محصول ادا کرنے والے ہر فرد' بلکہ اس کے زیر کاشت کھیت سے ہے۔ لہٰذا وہ یہ فرض کر کے نہیں چلتے کہ غلہ کی ارزانی اس بات کی علامت ہے کہ ہر کھیت میں پیداوار زیادہ ہوئی ہے اور اس کی گرانی اس بات کی علامت ہے کہ ہر کھیت میں پیداوار کم ہوئی ہے۔ غالباً" یہی وجہ ہے کہ انہوں نے متعین غلہ کی شکل میں محصول عائد کرنے کی خرابی واضح کرتے وقت وہ طرز استدلال نہیں اختیار کیا ہے۔ جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے یہ حقیقت پسندی ان میں اس لئے آئی ہے کہ وہ ایک واقعی صورت حال کا مشاہدہ کر کے ایک عملی مشورہ دے رہے ہیں۔ نظری معاشیت پر کوئی مقالہ نہیں مرتب کر رہے ہیں۔

متعین رقم کی شکل میں خراج وصول کرنے کی مضرت کو وہ متعین مقدار غلہ کی شکل میں خراج وصول کرنے کی مضرت کے مثل قرار دیتے ہوئے اس بات کی بھی صراحت کرتے ہیں کہ اس سلسلے میں چند دوسرے عوامل کو بھی دخل حاصل ہے۔ دونوں میں یہ مماثلت تو واضح ہے کہ غلہ سستا ہو گا تو متعین نقد محصول ادا کرنا کاشتکاروں کے لئے زیادہ مشکل ہو گا۔ گراں ہو گا تو نسبتہً آسان ہو گا۔ لیکن یہ دوسرے عوامل کیا ہیں جن پر قاضی صاحب نے طوالت کے اندیشے سے گفتگو نہیں کی ہے۔ کیا ان کے ذہن میں درہم (259) کی قوت خرید سے متعلق کچھ نکات تھے یا وہ اشیاء کے بدلتے ہوئے نرخ کے ساتھ متعین نقد آمدنی کو بیت المال کے نقطہ نظر سے قابل قبول نہیں سمجھتے تھے؟ اس معاملہ میں ہم قیاس آرائی کو دخل نہیں دے سکتے۔ اگر ابویوسف نے طوالت کا لحاظ نہ کرتے ہوئے ان عوامل پر روشنی ڈالی ہوتی تو ہمیں ان کی تجزیاتی بصیرت کو سمجھنے کا زیادہ موقع ملتا۔ (260)"

امام ابویوسف نے قبالہ پر بحث کرتے وقت بڑے خوبصورت انداز میں اپنے دور کے معاشرتی و معاشی حقائق کی نشاندہی کی ہے۔ دیگر معاشی مفکرین کے برعکس آپ نے اس موضوع پر تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ آپ نے خلیفہ ہارون الرشید کو بروقت اس نظام کی خرابیوں سے آگاہ کیا۔

امام ابویوسف کی تائید میں بہت سے مسلم و غیر مسلم مفکرین نے یہ کہا ہے کہ ٹھیکیداری کا نظام ملکی معیشت کو تباہ

کرنے والا تھا۔ یہ نظام ملکی دولت کو ضائع کرنے والا اور اکثر بے انصافی پر منتج ہوتا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ متقبل نے ہمیشہ اپنے اختیارات کا ناجائز فائدہ اٹھایا ہے اس دور کے معاشرہ میں بہت سے مظالم اور ناانصافیاں اسی قبالہ کے نظام کی وجہ سے ہوئیں۔ (261) اس امر میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ امام ابو یوسف نے قبالہ کے نظام کی ممانعت کر کے کاشتکار طبقہ کو بڑے زمینداروں کے معاشی استحصال (Economic extortion) سے بچانے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ اگر آپ کی پیش کردہ اس معاشی اصلاح کو عملی طور پر نافذ کر دیا جاتا تو اس کے نتیجہ میں کاشتکاروں کو بہت سے معاشی فوائد حاصل ہوتے۔

کلاؤڈ کہن (Claude Cahen) اور لاک گارڈ (Lokke gaard) نے صحیح کہا ہے کہ بنو عباس کے زوال کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب قبالہ کا نظام تھا۔ (262)

کیونکہ آخری دور میں اس مالیاتی ادارے (Financial Institution) کا استعمال اس قدر وسیع و عریض ہو گیا تھا کہ بالآخر یہ ریاست کے لئے مہلک ثابت ہوا۔ محمد بن علی ابن الطقطقی (م 709ھ / 1309ء) نے لکھا ہے کہ عباسی خلافت کے اختتام پر خراج کی رقم میں اضافہ کرنا مشکل ہو گیا تھا۔ (263)

امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں کئی مقامات پر قبالہ کی اصطلاح استعمال کی ہے لیکن آپ نے اس کی تعریف کا تعین نہیں کیا۔ آپ کی بحث سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ آپ کے نزدیک قبالہ کا نظام بذات خود شریعت کے خلاف نہیں جیسا کہ بعد کے کچھ مفکرین نے موقف اختیار کیا ہے۔

امام ابو یوسف نے قبالہ کی ممانعت میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ یا حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ایک بھی حدیث کا حوالہ نہیں دیا۔ جیسا کہ محمد بن مکرم ابن منظور (م 711ھ / 1311ء) امام ابو عبید، الماوردی، قاضی ابو یعلیٰ محمد بن الحسین (م 458ھ / 1066ء) اور عبدالرحمٰن بن احمد ابن رجب (م 795ھ / 1393ء) نے حوالے دیئے ہیں۔ یہ مسلم مفکرین قبالہ کو ایک خالص سودی معاملہ کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ (264) جس کی ایک اسلامی مملکت میں کسی صورت بھی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

اس طرح امام ابو یوسف نے قبالہ کی ممانعت میں وہ شدت اختیار نہیں کی جو دیگر مفکرین کے ہاں ملتی ہے۔ لیکن آپ کے فکر میں عدم جواز کا پہلو ضرور غالب ہے۔ امام ابو یوسف کے فکر سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ٹھیکیداری نظام کے تحت جو ظلم و استبداد ہوتا ہے وہ اس کا پیدائشی وصف نہیں ہے جیسا کہ ربو کا ہے۔

قبالہ کے بارے میں محمد ابن عبدون التجیبی کا نظریہ کسی حد تک امام ابو یوسف کے فکر سے مماثلت رکھتا ہے۔ امام ابو یوسف کی طرح ابن عبدون التجیبی بھی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی کسی حدیث کا حوالہ نہیں دیتے۔ تاہم وہ متقبل کو ایک خالص برائی کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ متقبل پر اللہ تعالیٰ اور تمام انسانوں کی لعنت

ہوتی ہے۔

ابن عبدون التجیبی نے امام ابویوسف کی نسبت زیادہ واضح انداز میں متقبل کے اختیارات کو متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کا موقف یہ ہے کہ متقبل لوگوں کی دولت کو غصب کرتا ہے اور بہت سی ناانصافیاں کرتا ہے۔ اس لئے یہ بہت ضروری ہے کہ وزیر قاضی کی منظوری کے ساتھ متقبل کے واجبات کی رقم کو محدود کردے۔ یہ بات متقبل کی مرضی پر نہیں چھوڑنی چاہیے کہ وہ جو چاہے وصول کرتا پھرے بلکہ وزیر کو چاہیے کہ وہ واجبات کا ایک شیڈول (Schedule) بنائے اور قاضی کو اس کی منظوری دینی چاہیے۔ اور اسے نافذ کرنا چاہیے۔ (265)

امام ابویوسف نے قبالہ کے ضمن میں جو بحث کی ہے اس کا بنظر غائر مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ متقبل اور ضامن میں فرق نہیں کرتے۔ آپ کی گفتگو سے قبالہ اور ضمان کی اصطلاحات میں کوئی فرق واضح نہیں ہوتا۔ امام ابویوسف متقبل یا ضامن کے اختیارات و حدود کا تعین بھی نہیں کرتے۔ اور نہ ہی انہوں نے اس بات کو واضح کیا ہے کہ متقبل اور ضامن کس قدر منافع لے سکتا ہے۔ اگرچہ آپ یہ بیان کرتے ہیں کہ کچھ منافع جات غیر قانونی یا ضروریات سے زیادہ ہو سکتے ہیں لیکن وہ یہ واضح نہیں کرتے کہ اس غیر قانونیت یا زیادتی (ضرورت سے زیادہ ہونے) کی بنیاد کیا ہے؟

اسی طرح یہ بھی غیر واضح ہے کہ خلیفہ کے اختیارات اور متقبل یا ضامن کی نگرانی کی حد کیا ہے؟ دوسرے الفاظ میں امام ابویوسف قبالہ سے متعلق کچھ توصیفی (Descriptive) راہنمائی مہیا کرتے ہیں لیکن اگر قانونی پس منظر میں دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی بحث سے قانونی وضاحت سامنے نہیں آتی۔ (266)

امام ابویوسف خراج کے بارے میں بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ خراج ادا کرنے والوں کی ترقی و خوشحالی ہی میں ملکی بقاء کی ضمانت ہے۔ اگر رعایا خوشحال ہوگی تو ملک بھی معاشی لحاظ سے مضبوط ہوگا۔ اس ضمن میں آپ حضرت علیؓ بن ابی طالب (35-40ھ / 656-661ء) کے معاشی فکر سے متاثر نظر آتے ہیں۔ ابو حامد عزالدین ابن ابی الحدید (م 656ھ / 1258ء) نے نقل کیا ہے کہ حضرت علیؓ کے ایک عامل نے آپ سے اراضی خراج اور اہل خراج کے بارے میں مشورہ طلب کیا تو آپ نے اس کو جو نصیحت کی اس میں یہ الفاظ بھی تھے۔

و تفقد امر الخراج بما يصلح اهله' فان في صلاحه و صلاحهم صلاحا لمن سواهم' و لا صلاح لمن سواهم الا بهم' لان الناس كلهم عيال على الخراج و اهله' و ليكن نظرك في عمارة الارض ابلغ من نظرك في استجلاب الخراج لان ذلك لا يدرك الا بالعمارة' و من طلب الخراج بغير عمارة اخرب البلاد و اهلك العباد (267)

"مالگزاری کے معاملہ میں مالگزاری ادا کرنے والوں کا مفاد پیش نظر رکھنا کیونکہ باج اور باجگزاروں کے بدولت ہی دوسروں کے حالات درست کئے جا سکتے ہیں۔ سب اسی خراج اور خراج دینے والوں کے سہارے پر جیتے ہیں۔ اور خراج کی جمع آوری سے زیادہ زمین کی آبادی کا خیال رکھنا کیونکہ خراج بھی تو زمین کی آبادی ہی سے حاصل ہو سکتا ہے۔ اور جو آباد کئے بغیر خراج چاہتا ہے وہ ملک کی بربادی اور بندگان خدا کی تباہی کا سامان کرتا ہے۔"

امام ابویوسف جب یہ رائے دیتے ہیں کہ عاملین کی تنخواہیں بیت المال سے دی جائیں' اور انھیں عوام سے براہ راست (Direct) کوئی مالی فائدہ لینے کی اجازت نہ دی جائے' تو اس سے ان کا مقصد عوام کو ہر طرح کے ظلم اور استحصال سے محفوظ رکھنا ہے۔

امام ابویوسف یہاں حضرت عمر بن عبدالعزیز کے فکر سے متاثر نظر آتے ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے ایک عامل کو لکھا تھا۔

و لا تاخذن اجور الضرابين' ولا هدية النوروز والمهرجان' و لا ثمن الصحف و لا اجور الفتوح (268)

"لگان تشخیص اور وصول کرنے والوں کی تنخواہیں رعایا سے وصول نہ کرنا اور نہ نوروز و مہرجان کا نذرانہ لینا' نہ خطوط اور پشہ رسانی کی اجرت لینا۔"

امام ابویوسف کی یہ رائے مناسب ہے کہ اگر کاشتکار طبقہ ناگہانی آفات کی وجہ سے مقررہ خراج ادا نہ کر سکے تو حاکم کو چاہیے کہ وہ اس میں مناسب تخفیف کر دے۔ حضرت علیؓ نے اپنے عامل کو اسی طرح کی ہدایت دی تھی۔ آپؓ فرماتے ہیں۔

فان شكوا ثقلا او علة او انقطاع شرب او بالة او احالة ارض اغتمرها غرق او اجحف بها عطش خففت عنهم بما ترجو ان يصلح به امرهم - و لا يثقلن عليك شئى خففت به المؤنة عنهم فانه ذخر يعودون به عليك فى عمارة بلادك و تزيين و لاتك' مع استجلابك حسن ثنائهم - و تبجحك باستفاضة العدل فيهم - معتمدا فضل قوتهم بما ذخرت عندهم من اجمامك لهم والثقة منهم بما عودتهم من عدلك عليهم فى رفقك بهم - فربما حدث من الامور ما اذا عولت فيه عليهم من بعد احتملوه طيبة انفسهم به' فان العمران محتمل ما حملته' و انما يوتى خراب الارض من اعواز اهلها و

انما یعوز اھلھا لا شراف انفس الولاۃ علی الجمع' و سوء ظنھم بالبقاء و قلۃ انتفاعھم بالعبر (269)

"اگر کاشتکار خراج کی زیادتی کی' کسی آسمانی آفت کی' آب پاشی میں خلل پڑ جانے کی' رطوبت میں تنت کی' سیلاب یا خشکی کے سبب قطاوی (270) کے خراب ہو جانے کی شکایت کریں تو ان کی سننا اور خراج کم کر دینا کیونکہ کاشتکاری تمہارا اصل خزانہ ہیں۔ ان سے جو رعایت بھی کرو گے اس سے ملک کی فلاح ہو گی۔ حکومت کی رونق بڑھے گی۔ نیز تم رعایا سے مال کے خراج کے ساتھ تعریف کا خراج بھی وصول کرو گے۔ اس وقت ان میں عدل پھیلانے سے تمہیں اور زیادہ خوشی حاصل ہو گی۔ مشکلات میں ان کی قوت پر تمہارا بھروسہ بڑھ جائے گا اور جو راحت تم نے انہیں پہنچائی ہے اور جس انصاف کا انہیں خوگر بنا دیا ہے اس پر ان سے شکر گزاری تمہارے لئے خزانہ بن جائے گی۔ ممکن ہے مشکلات نازل ہوں اور ان لوگوں پر بھروسہ کرنے کی مجبوری پیش آ جائے۔ ایسی حالت میں وہ بخوشی تمہارا ہر مطالبہ قبول کر لیں گے۔ ملک کے عوام کی آبادی و سرسبزی ہر بوجھ اٹھا سکتی ہے۔ لہٰذا اس کا ہمیشہ خیال رکھنا۔ ملک کی بربادی تو باشندوں کی غربت ہی سے ہوتی ہے اور باشندوں کی غربت کا سبب یہ ہوتا ہے کہ حاکم دولت سمیٹنے پر کمر باندھ لیتے ہیں کیونکہ انہیں اپنے تبادلے اور زوال کا دھڑکا لگا رہتا ہے اور وہ عبرتوں سے فائدہ اٹھانا نہیں چاہتے۔"

ہم دیکھتے ہیں کہ ابو یوسف کے تقریباً چالیس برس بعد عباسی خلیفہ معتصم باللہ (218-227ھ / 833-841ء) نے اپنے عمال کو زمین کی آبادکاری کے بارے میں جو ہدایات دیں' ان میں ابو یوسف کے معاشی فکر کی جھلک نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔ وہ کہتا تھا۔

"زمین کی آبادی میں بہت سے فوائد ہیں۔ اس سے مخلوق کی زندگی قائم ہے' خراج بڑھتا ہے' ملک کی دولت و ثروت میں اضافہ ہوتا ہے۔ مویشیوں کے لئے چارہ مہیا ہوتا ہے۔ نرخ ارزاں ہوتا ہے۔ کسب معاش کے ذریعے بڑھتے ہیں معاش میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔" (271)

امام ابو یوسف نے خراج کی وصولی کے لئے بے جا سختی سے منع کیا ہے۔ حضرت علیؓ کے معاشی فکر میں بھی ہمیں اس قسم کی راہنمائی ملتی ہے۔ آپؓ نے ایک عامل (Worker) کو جسے خراج کی وصولی پر مقرر کیا تھا' نصیحت کرتے ہوئے کہا۔

فانصفوا الناس من انفسکم و اصبروا لحوائجھم فانکم خزان الرعیۃ و وکلاء الامۃ' و سفراء الائمۃ' و لا تحسموا احدا عن حاجتہ ولا تحبسوہ عن طلبتہ'

و لاتبیعن للناس فی الخراج کسوة شتاء و لا صیف' و لا دابة یعتمون علیها و لا عبداً و لا تضربن احد سوطا لمکان درهم' ولا تمسن مال احد من الناس مصل و لا معاهد(272)

"پس اپنے معاملے میں لوگوں سے انصاف کرو۔ اور ان کی ضرورتیں پوری کرنے میں برداشت سے کام لو۔ تم رعایا کے خزانچی ہو' امت کے وکیل ہو' اماموں کے سفیر ہو۔ کسی کو بھی اس کی ضرورت سے نہ روکو۔ خبردار ایسا نہ ہو کہ لوگ خراج ادا کرنے کے لئے اپنے گرمی جاڑے' اپنی روزی کے مویشی اور غلام فروخت کرنے لگیں۔ پیسے کے لئے کسی کو کوڑے نہ لگائے جائیں۔ کسی کا مال چاہے مسلمان ہو یا معاہد نہ چھونا۔"

اپنے ایک عامل (Governor) کو ہدایت دیتے ہوئے کہتے ہیں۔

فاستعن باللہ علی ما اهمک' و اخلط الشدة بضغث من اللین' و ارفق ما کان الرفق ارفق' واعتزم بالشدة حین لا یغنی عنک الا الشدة و اخفض للرعیة جناحک' و الن لهم جانبک و آس بینهم فی اللحظة والنظرة والاشارة والتحیة' حتی لا یطمع العظماء فی حیفک' و لا ییاس الضعفاء من عدلک' والسلام(273)

"اپنے ہر اس کام میں جو فکر پیدا کرنے والا ہے۔ خدا سے مدد مانگا کرو۔ رعایا سے نرمی و سختی کا مخلوط برتاؤ کرو جہاں نرمی مناسب ہو' نرمی برتو۔ جہاں سختی کے بغیر کام نہ چلے سختی سے کام لو۔ رعایا کے لئے خاکسار ہو۔ اپنے دل میں اس کے لئے نرمی پیدا کرو۔ اور سب افراد کو اپنی نظر' اشارے' سلام میں برابر رکھو تاکہ بڑے لوگ تم سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی طمع نہ کریں۔ اور کمزور تمہارے انصاف سے مایوس نہ ہو جائیں۔ والسلام"

خراج کی بروقت وصولی کے لئے امام ابو یوسف نے جو سفارشات پیش کی ہیں ان کو بنظر غائر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کاشتکاروں کے انفرادی مصالح پر بھی نظر رکھتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ سرکاری خزانے (Public Treasury) کو بھی نقصان سے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں۔ اس طرح ایک معاشی مفکر کی حیثیت سے آپ کی مثبت سوچ کی نشاندہی ہوتی ہے۔

امام ابو یوسف معاشی اصلاحات کے ذریعے درج ذیل مقاصد حاصل کرنا چاہتے تھے۔

(ا) ہر قسم کی بدعنوانی (Corruption) کا خاتمہ ہو جائے۔

(ب) مختلف طریقوں سے لئے خراج کا جو استحصال کیا جاتا ہے' اس کو بند کیا جائے۔

(ج) قومی دولت میں جس قدر ممکن ہو' اضافہ کیا جائے۔

(د) خراج کی وصولی میں عدل و انصاف کے اصولوں کو مدنظر رکھا جائے۔

فصل ششم

مسائل زمین

معاشیات میں ہر پیشہ کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے لیکن زراعت ایک ایسا پیشہ ہے جو قدیم ہونے کے ساتھ ساتھ انسانی زندگی کے لئے ناگزیر بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام ابو یوسف نے زمین کے متعلق مسائل پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ اس فصل میں ہم مزارعت 'احیائے موات' اقطاع اور تحدید ملکیت زمین ایسے زرعی مسائل (Agricultural Problems) کے بارے میں امام ابو یوسف کے معاشی فکر کا تنقیدی جائزہ پیش کریں گے۔

مزارعت

مزارعت کے بارے میں امام ابو یوسف کے معاشی فکر کے مطالعہ سے عباسی دور کے عراقی معاشرے کی زرعی معاشیات (Agricultural Economics) کے بارے میں کافی معلومات ملتی ہیں۔ زمیندار اور کاشتکار کے درمیان زرعی معاہدے کس قسم کے ہوتے تھے اور فریقین کے درمیان حصوں کا تناسب کیا ہوتا تھا اس پر بھی کافی مواد ملتا ہے۔

آپ کی بحث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس دور کے معاشرہ میں بے زمین کاشتکاروں اور کھیت میں کام کرنے والے مزدوروں یعنی محنت کشوں کی ایک بڑی تعداد قیام پذیر تھی۔ اور یہ کاشتکار طبقہ ان زمینوں کو کاشت کرتا تھا جن کے مالک بلحاظ اراضی سے دور رہتے تھے۔

کاشتکار اپنی محنت کے عوض فصل کا ایک حصہ وصول کرتے تھے جبکہ زمیندار زمین پر اپنی ملکیت ہونے کی وجہ سے اپنا حصہ لینے کے حقدار سمجھے جاتے تھے۔ فصل میں کاشتکار کا حصہ مختلف قسم کے ان دو طرفہ معاہدات کے ذریعہ متعین کیا جاتا تھا جو زمیندار اور کاشتکار کے درمیان ہوتے تھے یا بعض اوقات رواجی قوانین کے ذریعے بھی مقرر کیا جاتا تھا۔

امام ابو یوسف کے عہد میں کاشتکاروں کی معاملہ طے کرنے کی قوت خاص اقتصادی وجوہات کی بناء پر اور ایک خاص زرعی ضلع میں محنت کی رسد (Supply of labour) کی بنا پر بہت محدود تھی۔ اگر ایک خاص ضلع میں محنت کی رسد میں کمی واقع ہو جاتی تو زمینداروں کو اپنی زمینوں پر کشش پیدا کرنے کے لئے دوسرے زرعی ضلعوں کے کاشتکاروں کو مناسب حال شرائط پیش کرنا پڑتی تھیں۔(274)

امام ابو یوسف نے زرعی معاہدہ (Agricultural contract) کی ان پانچ مختلف شکلوں کا حوالہ دیا ہے جو ہارون الرشید (170-193ھ / 786-809ء) کے دور میں رائج تھیں۔ مزارعت کے بارے میں امام ابو یوسف کے معاشی فکر میں ایک خاص بات یہ ہے کہ اکثر دیگر مفکرین کی طرح آپ نے بھی مزارعت کے معاہدہ کی مختلف قسموں (Kinds) کا ذکر تو کیا ہے لیکن زمیندار اور کاشتکار کے اپنے اپنے حصوں (Shares) کی وضاحت نہیں کی۔ آپ صرف ایک حصہ (Share) کا ذکر کرتے ہیں (ایک تہائی ایک چوتھائی وغیرہ) اور یہ نہیں بتاتے کہ یہ حصہ زمیندار وصول کرے گا یا کاشتکار؟ اس طرح کی غیر یقینی کیفیت سے یہ شبہ بھی ہو سکتا ہے کہ شاید ایک فریق ہمیشہ ہی بڑا حصہ وصول کرتا

تھا جبکہ دوسرا فریق صرف کم حصہ ہی لیتا تھا۔

امام ابو یوسف نے مزارعت کی جس پہلی جائز صورت کی طرف اشارہ کیا ہے اس قسم کے معاہدہ (contract) کے بارے میں ایک اباضی فقیہہ (Ibadi jurist) قتادہ بن دعامہ (م 118ھ / 736ء) نے بھی اپنی قانونی رائے پیش کی ہے۔ امام ابو یوسف کی رائے تو یہ ہے اور یہی بہتر ہے کہ زمین مالک زمین کی ہوگی اور پیداوار کاشتکار لے گا۔ لیکن قتادہ کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص اپنی غیر مزروعہ زمین رضامندی اور خوشی سے کاشتکار کو اس شرط پر دیتا ہے کہ زمین کی آبادکاری کے بعد یہ زمین اس کے اصل مالک کو واپس مل جائے گی تو اس قسم کا معاہدہ مکروہ ہے۔ (275) ان کی رائے یہ ہے کہ کسان کو اس بات پر مجبور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ زمین اس کے مالک کو واپس کردے تاہم اگر کاشتکار اپنی مرضی سے اس کو واپس کردیتا ہے تو یہ جائز ہے۔

دونوں مفکرین امام ابو یوسف اور قتادہ بن دعامہ آٹھویں صدی عیسوی کے عراقی فقیہہ ہیں۔ مزارعت کے اس قسم کے معاہدہ کے بارے میں امام ابو یوسف کے بیان سے سرکاری نقطہ نظر کی جھلک نظر آتی ہے جبکہ قتادہ کا بیان ایک آزاد فقیہہ کے طور پر ہے۔ اس معاہدے پر ان دو مفکرین کی مختلف آراء کے باوجود عراقی معاشرے میں زیادہ تر امام ابو یوسف کی رائے ہی پر عمل کیا گیا۔

امام ابو یوسف نے مزارعت کی جو دوسری شکل بتائی ہے وہ پہلی سے بڑی حد تک مختلف ہے۔ امام ابو یوسف اور قتادہ دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ یہ معاہدہ اس وقت ہی درست تسلیم کیا جائے گا جب کاشتکاری کے اخراجات میں دونوں فریق برابر کے شریک ہوں گے اور زمیندار و کاشتکار کو ایک جیسے حصے ملیں گے البتہ قتادہ نے مزارعت کی اس قسم پر بحث کرتے ہوئے اس بات کا اضافہ کیا ہے کہ اگر زمیندار کاشتکار سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اسے پیداوار میں اپنے حصہ کے علاوہ پانی اور زمین کو استعمال کرنے کے عوض مزید کرایہ دے تو اس قسم کا معاہدہ مکروہ ہو جاتا ہے۔ (276) قتادہ کہتے ہیں کہ زمیندار کی طرف سے اس طرح کے مطالبات سے کاشتکار طبقہ کے معاشی استحصال کی راہ ہموار ہوتی ہے۔

امام ابو یوسف کے نزدیک مزارعت کی تیسری قسم فصل میں حصہ داری کی قسم ہے جو فصل میں ایک تہائی یا ایک چوتھائی کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ اس قسم کی مزارعت کا فقہی لٹریچر میں اکثر ذکر ملتا ہے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ عرب میں اس کا عام رواج تھا۔ زید بن علی (م 122ھ / 740ء) کی رائے یہ ہے کہ اس قسم کی مزارعت جو ایک سال یا اس سے زائد مدت کے لئے ہو وہ قانونی ہے۔ (277) مزارعت کی اس شکل کے بارے میں زید بن علی نے امام ابو یوسف کی نسبت زیادہ واضح انداز میں بحث کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ اس معاہدہ کے تحت تمام کام کاشتکار کرے گا اور بیج کی فراہمی دونوں کے ذمہ ہوگی۔ (278) مزید کہتے ہیں کہ کاشتکار اور زمیندار جس صورت پر بھی راضی ہو جائیں، معاہدہ قانونی طور پر جائز ہی ہوگا لیکن اگر زمیندار مزارع پر کاشتکاری کی بجائے کوئی اور محنت ڈال دیتا ہے تو اس صورت میں

معاہدہ فاسد اور باطل ہو جاتا ہے۔(279)

امام ابو حنیفہ اس قسم کے معاہدہ مزارعت کو فاسد کہتے ہیں وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ مزارع کے کام کے مناسب حال اس کو اجرت دے دی جائے۔(280)

الربیع بن حبیب (م 160ھ / 777ء) جو بصرہ کے ایک اباضی فقیہہ ہیں بڑے زوردار انداز میں اس قسم کی مزارعت کی مخالفت کرتے ہیں۔ وہ اسے صرف ایک مکروہ معاہدہ کے طور پر سمجھتے ہیں۔(281) جابر بن زید (م 93ھ / 712ء) ابتدائی اباضی فقیہہ ہیں انہوں نے بھی پیداوار میں ایک تہائی یا ایک چوتھائی حصہ کی پیداوار پر مزارعت کا معاملہ کرنے کو ناپسند کیا ہے۔(282) انہوں نے اس قانونی مسئلہ کی متبادل صورت پیش کی ہے وہ کہتے ہیں کہ زمیندار بجائے اس کے کہ مزارع کو فصل میں ایک تہائی یا ایک چوتھائی حصہ پر اپنے ساتھ شامل کرے اس کو چاہیے کہ وہ ایک مقررہ اجرت کے بدلے اس کو اپنے ہاں ملازم رکھے۔(283)

امام ابو یوسف مزارعت کی اس قسم پر بحث کرتے وقت یہ بھی نہیں بتاتے کہ بیج، پانی، بیلوں کی جوڑی وغیرہ فراہم کرنا کس کی ذمہ داری ہوگی؟ اگر تمام اشیاء کی فراہمی زمیندار کے ذمہ ہی ہو پھر بھی یہ احتمال باقی رہتا ہے کہ اگر فصل بعض قدرتی آفات کے نتیجے میں تباہ ہو جاتی ہے تو مزارع کی محنت اس صورت میں تو مکمل طور پر بغیر صلہ کے ہی چلی گئی۔

امام ابو یوسف مزارعت کی چوتھی قسم کی قانونی حیثیت کا صحیح طور پر دفاع کرتے ہیں۔ آپ کے معاشی فکر کی ایک خوبی یہ ہے کہ آپ مزارعت کی مختلف جائز صورتیں بتاتے ہوئے اس بارے میں بھی راہنمائی دیتے ہیں کہ فریقین (زمیندار اور کاشتکار) میں سے ٹیکس کی ادائیگی کس کے ذمہ ہوگی؟

امام ابو یوسف کی شخصیت اور ان کے معاشی فکر پر مولانا محمد طاسین کی تنقید

عصر حاضر کے ایک معروف معاشی مفکر مولانا محمد طاسین نے "مروجہ نظام زمینداری اور اسلام" کے عنوان سے ایک تحقیقی مقالہ تحریر کیا ہے۔ یہ مضمون ماہنامہ "حکومت قرآن" میں پندرہ اقساط کی صورت میں شائع ہوا ہے۔ اور اب کتاب کی شکل میں بھی دستیاب ہے۔

اس میں فاضل مقالہ نگار نے مزارعت کی حرمت بیان کرتے ہوئے امام ابو یوسف کی شخصیت اور ان کے معاشی فکر پر بھی بحث کی ہے۔ اس ضمن میں آپ کی تصنیف سے چند اقتباسات یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔

"غرضیکہ دلائل کے لحاظ سے مزارعت کے متعلق صاحبین کا موقف امام ابو حنیفہ کے مقابلہ میں بہت کمزور تھا لیکن

چونکہ قاضی ابو یوسف عباسی خلیفہ ہارون الرشید کے عہد میں قاضی القضاۃ تھے اور ان کا مملکت میں غیر معمولی اثر و رسوخ تھا لہٰذا دلائل کے اعتبار سے کمزور ہونے کے باوجود قاضی ابو یوسف کے موقف کو قبول عام حاصل ہوا اور امام ابو حنیفہ کے موقف کو اپنے قوی اور مضبوط دلائل کے علی الرغم وہ قبول عام حاصل نہ ہوا جس کا وہ مستحق تھا۔ دوسری وجہ قاضی ابو یوسف کے موقف کو قبول عام حاصل ہونے کی یہ ہوئی کہ ان کا موقف ان حالات سے زیادہ مطابقت رکھتا تھا جو ملوکیت اور شاہی نظام حکومت کے قائم ہو جانے کے نتیجہ میں پیدا ہو چکے تھے۔ شاہی نظام حکومت جاگیرداری کی بنیاد پر استوار تھا۔ حکومت کے مختلف مناصب پر فائز لوگوں کو ان کی خدمات کے صلہ میں بڑے بڑے قطعات اراضی بطور جاگیر ملے ہوئے تھے جن کو وہ ظاہر ہے کہ خود تو کاشت کر سکتے نہیں تھے لہٰذا ان کے لئے ان اراضی پر فائدہ اٹھانے کا طریقہ صرف یہی تھا کہ وہ ان کو مزارعت اور اجارے پر دیں اور فائدہ اٹھائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور مزارعت رائج ہو گئی جس کا حقیقی سبب وہ سیاسی نظام اور حکومتی ڈھانچہ تھا جو خلافت راشدہ کے کچھ ہی عرصہ بعد اسلامی مملکت میں قائم ہو گیا تھا۔ گویا مزارعت اس نظام حکومت کے لئے ایک ضروری چیز تھی اور اس نظام کے موجود ہوتے ہوئے مزارعت اور کراء الارض کو ختم کرنا تقریباً ناممکن تھا۔ ممکن ہے قاضی ابو یوسف نے اسی چیز کو دیکھتے ہوئے کہ مزارعت کو ان حالات میں ختم نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا انہوں نے اس کے جواز کا فتویٰ دے دیا۔ حالانکہ اسلام کے تصور عدل اور قرآن و حدیث کے تصور معاملات کی رو سے امام ابو حنیفہ کا موقف بالکل درست تھا اور اسلام کے پیش نظر جس قسم کے مثالی اور آئیڈیل معاشرے کا قیام تھا وہ مزارعت کے جواز کی بنیاد پر نہیں بلکہ عدم جواز کی بنیاد پر ہی عمل میں آ سکتا تھا۔ میں سمجھتا ہوں امام ابو حنیفہ کی نظر ان تمام پہلوؤں پر تھی۔ لہٰذا انہوں نے غلط حالات کے ساتھ مصالحت کی بجائے مزارعت کے متعلق وہ موقف اختیار کیا جو اسلام کے اصل منشاء کے مطابق اور نظری طور پر بالکل صحیح و درست تھا۔ (284)

"اور کہنا چاہیے کہ یہ مسلمانوں کی بدقسمتی تھی کہ انہوں نے مزارعت کے بارے میں امام ابو حنیفہ کے موقف کو چھوڑ کر قاضی ابو یوسف کے موقف کو عملاً اختیار کر لیا اور اس کی وجہ سے ان کو ناقابل تلافی نقصان اٹھانا پڑا۔" (285)

"معاشیات کے موجودہ دور میں اسلام کے معاشی نظام کی 'اشتراکی نظام پر بہتری و برتری اگر ہم نظری طور پر ثابت کر سکتے ہیں تو مزارعت کے متعلق قاضی ابو یوسف کے موقف کی بناء پر نہیں بلکہ امام ابو حنیفہ اور دوسرے ائمہ کے موقف کی بناء پر کر سکتے ہیں جو مزارعت کے عدم جواز کے قائل تھے۔" (286)

"لیکن مقام افسوس ہے کہ امام ابو حنیفہ کی تقلید کے دعویٰ اور حنفی کہلانے کے باوجود حنفیوں نے مزارعت کے معاملہ میں اپنے امام کے موقف و مسلک کو بری طرح نظرانداز کیا اور باوجود کمزور دلائل کے صاحبین یعنی قاضی ابو یوسف اور امام محمد الشیبانی کے موقف و مسلک کو اختیار کیا اور اس پر عمل پیرا رہے اور ہیں۔ اگر کتاب و سنت کے اصولی اور جزوی دلائل کے لحاظ سے صاحبین کا موقف مضبوط اور قوی ہوتا تو ترجیح کی ایک وجہ ہو سکتی تھی لیکن یہاں معاملہ برعکس

ہے۔"(287)

"بہرحال یہ کہنا کہ امت مسلمہ کا مزارعت پر تعامل رہا ہے خلاف واقعہ اور جھوٹ ہے جن لوگوں کا مزارعت پر عمل رہا ہے ان کی تعداد پوری امت مسلمہ میں پانچ فی صد بھی ثابت نہیں کی جا سکتی۔ امت مسلمہ میں جن لوگوں کا پیشہ اور ذریعہ معاش زراعت تھا وہ دو طبقوں پر مشتمل تھے۔ ایک طبقہ مالکان زمین اور زمینداروں کا تھا اور دوسرا مزارعین اور کاشتکاروں کا' مالکان زمین اور زمیندار جو کاشتکاروں کے مقابلہ میں پانچ فیصد بھی نہ تھے' بعض ان میں سے مزارعت کو ناجائز سمجھتے اور اپنی زمینیں خود کاشت کرتے تھے اور بعض اسے جائز سمجھتے اور اس پر عمل پیرا تھے۔"(288)

"ان میں سے جو مزارعت کو جائز سمجھتے اور اس پر عمل پیرا تھے وہ اس لئے نہیں کہ مزارعت کے جواز کے دلائل ان کے نزدیک عدم جواز کے دلائل سے زیادہ قوی اور زیادہ قابل اعتبار تھے یا ان فقہاء کو وہ علم و فہم اور تفقہ و تقویٰ میں دوسرے فقہاء سے اعلیٰ و برتر سمجھتے تھے جن کی طرف مزارعت کے جواز کا فتویٰ منسوب تھا یعنی ایسا نہیں تھا کہ وہ مثلاً قاضی ابو یوسف کو امام ابو حنیفہ' امام مالک اور امام شافعی کے مقابلہ میں علم و فہم تفقہ و اجتہاد کے لحاظ سے بڑا سمجھتے ہوں لہٰذا انہوں نے مزارعت کے جواز کے متعلق ان کے فتویٰ کو ترجیح دے کر اختیار کر لیا ہو بلکہ اصل بات یہ تھی کہ مزارعت کے جواز کا قول ان کے مفادات سے مطابقت رکھتا اور ان کے مفید مطلب تھا لہٰذا انہوں نے اسے اختیار کر لیا اور اس پر عمل پیرا ہو گئے۔"(289)

"اس اجمال کی کچھ تفصیل یہ ہے کہ تاریخ بتلاتی ہے کہ جب اسلام کا ظہور ہوا اس وقت دنیا کے تمام زرعی ممالک میں جاگیرداری نظام رائج تھا جس کی بنیاد مزارعت، بٹائی پر قائم تھی اور جس کے تحت زراعت سے تعلق رکھنے والے لوگ دو مختلف طبقوں میں منقسم تھے۔ ایک طبقہ مالکان زمین کا تھا اور دوسرا مزارعین کا اول الذکر طبقہ معاشی لحاظ سے خوشحال' معاشرتی اور سیاسی لحاظ سے معزز اور بااثر طبقہ تھا جبکہ اس کے مقابلے میں ثانی الذکر معاشی لحاظ سے پسماندہ' معاشرتی لحاظ سے پست و گرا ہوا اور سیاسی لحاظ سے غلام و محکوم اور یہ حالت دونوں طبقوں میں موروثی طور پر پشت در پشت چلی آ رہی تھی۔ پھر جب ان میں سے بعض ممالک کے اندر دین اسلام پھیلا اور ان کی بڑی آبادی مشرف باسلام ہوئی تو منجملہ دوسرے مسائل کے مزارعت و بٹائی کا مسئلہ بھی سامنے آیا جس پر مروجہ جاگیرداری اور زمینداری نظام قائم تھا اور پتہ چلا کہ فقہائے اسلام کے درمیان اس مسئلے کے متعلق اختلاف ہے۔ بعض اس کو جائز اور بعض ناجائز کہتے ہیں تو جاگیردار و زمیندار طبقے کو اس سے بڑی خوشی ہوئی کہ بعض فقہاء کی رائے کے مطابق ان کا جاگیرداری نظام اپنی سابقہ حالت پر قائم و برقرار رہ سکتا ہے۔ اور ان کی سابقہ معاشی' معاشرتی اور سیاسی حالت کو تحفظ مل سکتا ہے لہٰذا انہوں نے قطع نظر اس سے کہ قرآن و حدیث کی رو سے جواز مزارعت والی رائے صحیح اور قوی ہے یا عدم جواز والی رائے' یا یہ کہ جواز اور عدم جواز کی رائے دینے والا کون ہے اور کون نہیں مزارعت کے جواز والی رائے کو لے لیا اور حسب سابق

اس پر سختی سے کاربند ہو گئے۔ اور اپنی سابقہ حیثیت اور پوزیشن کو بحال رکھا۔" (290)

"بہرحال مزارعت کے ناجائز و ممنوع ہونے کی صورت میں جاگیرداری و زمینداری نظام کا خاتمہ لازمی تھا لہٰذا زمیندار اور جاگیردار طبقہ نے جواز مزارعت کی رائے کو ابھارنے اور بروئے کار لانے میں اپنا پورا زور اور سارا اثر و رسوخ صرف کیا اور بعض علمی حلقوں کی تائید حاصل کرنے میں بھی کامیاب ہو گئے۔ اس طرح مزارعت کے عدم جواز والی بات کتابوں میں تو رہ گئی لیکن عملی طور پر سامنے نہ آ سکی۔ خصوصاً ان معاشروں میں جہاں فقہ حنفی کا چرچا تھا۔" (291)

"مزارعت کو جائز قرار دینے اور رائج کرنے میں اس سیاسی نظام کا بھی بڑا کردار اور عمل دخل تھا جو خلافت راشدہ کے بعد ملوکیت اور بادشاہت کی صورت میں اسلامی ممالک کے اندر قائم ہوا۔ بادشاہت کے اس سیاسی اور حکومتی نظام کی بنیاد نظام جاگیرداری پر قائم تھی اور نظام جاگیرداری مزارعت و بٹائی کے بغیر چل نہیں سکتا تھا۔ حکومت کے مختلف عہدوں اور منصبوں پر فائز حضرات کو ان کی خدمت کے عوض دربار شاہی سے بڑے بڑے قطعات اراضی اور علاقے ملے ہوئے تھے جن کی آمدنی ان کی معاشی خوشحالی کا اہم ذریعہ تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ حضرات ان طویل و عریض اراضی کو خود تو کاشت کر سکتے تھے نہیں۔ اپنے منصبی کاموں میں مشغولیت کی وجہ سے نہ ان کے پاس فرصت تھی اور نہ وہ اس پیشے کو اپنے شایان شان سمجھتے تھے۔ لہٰذا ان کے لئے ان اراضی سے فائدہ اٹھانے کی صرف یہی صورت تھی کہ وہ ان کو مزارعت اور اجارہ پر دیتے اور جواز مزارعت کی رائے کو اختیار کر کے اس پر عمل پیرا ہوتے چنانچہ ایسا ہی ہوا اور جاگیرداری پر مبنی شاہی نظام حکومت کے اندر مزارعت عملاً جائز قرار پائی اور اسے سہارا ملا۔" (292)

"جہاں تک ان مزارعین اور کاشتکاروں کا تعلق تھا جو مزارعت پر زمینیں کاشت کرتے تھے' ان کا مزارعت پر عمل بادل نخواستہ اور بامر مجبوری تھا اپنی مرضی خوشی سے نہ تھا وہ معاشی لحاظ سے پسماندہ اور خستہ حال تھے لہٰذا اگر وہ ایسا نہ کرتے تو بھوکوں مرتے اور معاشی پریشانیوں میں مبتلا ہوتے۔ علاوہ ازیں ان کی معاشرتی' سماجی اور سیاسی حیثیت زمیندار طبقہ کے مقابلہ میں محکوموں اور غلاموں کی سی تھی وہ ہر اس فیصلے کو ماننے پر مجبور تھے جو زمیندار اور جاگیردار طبقہ کی طرف سے سامنے آتا۔ چنانچہ جب زمیندار طبقہ نے اپنے مفادات کی خاطر مزارعت کو قائم رکھنے اور اس پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا تو پھر کاشتکار طبقہ کے لئے سوائے اس کے کوئی چارہ کار نہ تھا کہ وہ اس فیصلہ کو مانیں اور اس کے مطابق کام و عمل کریں۔" (293)

"جب مزارعت کے عدم جواز کا قول کتاب و سنت کے دلائل کے لحاظ سے زیادہ قوی اور زیادہ قابل اعتماد تھا اور ائمہ مجتہدین کا اختیار کردہ تو پھر فقہائے متاخرین خصوصاً" اصحاب الترجیح نے جواز کے قول کو عدم جواز کے قول پر کیوں ترجیح دی اور اسے فتویٰ کا مدار کیوں بنایا یعنی اسے مفتی بہ اور علیہ الفتویٰ کیوں ٹھہرایا؟ اس کا جواب یہ دیا جا سکتا ہے کہ

انہوں نے ایسا اپنے وقت کے مخصوص حالات کے پیش نظر کیا۔ مطلب یہ ہے کہ جب انہوں نے یہ دیکھا کہ اس وقت معاشرے کے جو ذہنی اور خارجی حالات ہیں ان میں مزارعت کے جواز والا قول قابل عمل اور عدم جواز والا قول تقریباً ناقابل عمل ہے۔ لاکھ اسے ناجائز کہا جائے جن لوگوں کا اس سے مفاد وابستہ ہے وہ اسے کسی طرح چھوڑنے کے لئے تیار نہیں تو انہوں نے قابل عمل ہونے کی وجہ سے جواز والے قول کو عدم جواز والے قول پر ترجیح دے کر اس کے مطابق فتویٰ دے دیا لیکن چونکہ اس فتویٰ کے ساتھ اس قسم کی کوئی وضاحت نہ تھی کہ یہ فتویٰ مخصوص حالات کے پیش نظر ہے جو اس وقت موجود تھے۔ قرآن و حدیث کے اصل منشا کے مطابق نہیں لہٰذا بعد والے غلطی سے یہ سمجھ بیٹھے کہ یہ فتویٰ قرآن و حدیث کے عین مطابق اور قطعی و آخری طور پر ایک صحیح اسلامی فتویٰ ہے۔ رفتہ رفتہ مزارعت کے عدم جواز والی بات ہی ذہن سے نکل گئی اور یہ کھٹکا ہی ختم ہو گیا کہ وہ ناجائز بھی ہو سکتی ہے۔" (294)

"اور چونکہ یہ ایک امر واقعہ ہے کہ حکومت جو ایک طاقتور سیاسی ادارہ ہے جس چیز کی حمایت اور سرپرستی کرتی ہے وہ ضرور قائم ہوتی اور قائم رہتی ہے۔ علماء دین کے فتوے اس کے خلاف عملاً بے اثر ثابت ہوتے اور دب کر رہ جاتے ہیں اس کی واضح مثال مسلم ممالک میں موجود بنکاری نظام کی ہے۔ جمہور علماء اسے سودی نظام کہہ کر اس کے حرام و ناجائز ہونے کا فتویٰ دے چکے ہیں لیکن چونکہ اس کو ہر جگہ حکومتوں کی حمایت و سرپرستی اور پشت پناہی حاصل ہے لہٰذا علماء کے فتووں کے علی الرغم یہ نظام قائم اور ترقی کے مراحل طے کر رہا ہے اور تیزی کے ساتھ پھیل رہا ہے اگر ماضی میں ایسا ہی معاملہ مزارعت پر مبنی نظام زمینداری کے ساتھ ہوا ہے تو اس میں حیرت اور تعجب کی کوئی بات نہیں.... الخ" (295)

مولانا محمد طاسین کے ان اقتباسات سے امام ابو یوسف کی شخصیت اور ان کے معاشی فکر کے بارے میں درج ذیل نکات سامنے آتے ہیں۔

(1) امام ابو یوسف نے جواز مزارعت کا فتویٰ دلائل کی بنیاد پر نہیں دیا۔ انہوں نے محض غلط حالات کے ساتھ مصالحت کر لی۔

(2) مزارعت کو جائز قرار دے کر دراصل آپ نے زمینداروں اور جاگیرداروں کے مفادات کا تحفظ کیا۔

(3) آپ 'امام مالک اور امام شافعی سے علم و فہم' تفقہ و اجتہاد میں کمتر تھے۔

(4) عباسی خلافت میں ایک اہم عہدہ پر فائز ہونے کی وجہ سے آپ نے مزارعت کو رائج کرنے کے لئے حکومت کی سطح پر بھی کوششیں کیں۔

(5) مزارعت کے بارے میں تعامل امت کا دعویٰ کرنا جھوٹ' سراسر غلط اور گمراہ کن ہے۔

(6) متاخرین فقہاء خصوصاً "اصحاب الترجیح نے اپنے دور کے مخصوص حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے مزارعت کے جواز کے قول کو عدم جواز کے قول پر ترجیح دی حالانکہ وہ اس کے جواز کے قائل نہ تھے۔

(7) مزارعت کے بارے میں امام ابو یوسف کے قول کو اختیار کرنے کی وجہ سے مسلمانوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔

تحقیقی جائزہ

مولانا محمد طاسین نے اپنے مقالہ میں امام ابو یوسف ایسی شخصیت کے بارے میں کچھ اچھے جذبات و خیالات کا اظہار نہیں کیا۔ مزارعت کے مسئلہ میں آغاز اسلام ہی سے فقہاء کے درمیان اختلاف رہا ہے اور اس کی بڑی وجہ وہ روایات ہیں جو مختلف ائمہ محدثین نے اپنی کتب میں مختلف صحابہ کرام سے نقل کی ہیں۔ مولانا انور شاہ کشمیری "فیض الباری" میں لکھتے ہیں۔

ثم ان مادة جوازها والنهی عنها موجودة فی الاحادیث(296)

"پھر یہ کہ اس کے جواز اور ممانعت کا ثبوت احادیث میں موجود ہے۔"

ابن عابدین شامی نے لکھا ہے۔

لاختلاف فیه من الصحابة والتابعین لتعارض الاخبار عن سیدالمرسلین صلوات الله علیه و علیهم اجمعین الی یوم الدین کما فی المبسوط(297)

"صحابہ اور تابعین کے اختلاف کی وجہ سے 'اور سید المرسلین 'ان پر اور صحابہ و تابعین پر قیامت تک اللہ کی رحمتیں ہوں' سے مروی روایات کے تعارض کی وجہ سے۔"

ابن نجیم نے "البحرالرائق" میں لکھا ہے۔

والقیاس یترک بمثل هذا (ای التعامل) والنص ورد بخلافه(298)

"اور قیاس اس کی وجہ سے چھوڑ دیا جائے گا (یعنی تعامل کی وجہ سے) اور ایک نص دوسری کے خلاف بھی وارد ہوئی ہے۔"

مولانا محمد طاسین سے قبل بھی کچھ لوگوں نے ابو یوسف کی شخصیت پر اعتراضات کئے ہیں۔ انور شاہ کشمیری نے "فیض الباری" میں کسی کا نام لئے بغیر ان معترضین کو من لا فقه له فی الدین کی سند عطا کی ہے اور امام ابو یوسف کے اس عمل کی جو دین کی سمجھ نہ رکھنے والوں کے نزدیک قابل اعتراض تھا۔ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو موسیٰ الاشعری کے قول و عمل سے جواز کی سند عطا فرمائی اور پھر الدرالمختار کے حوالہ سے امام ابو یوسف کے خوف خداوندی کا ایک واقعہ نقل کرنے کے بعد لکھا ہے۔

فما ظنک برجل هذا شانه و لکن من لا دین له یرید ان یصرف وجوه الناس

الیہ بکل حیلۃ(299)

"اس طرح کے آدمی کے بارے میں تمہارا کیا گمان ہے؟ لیکن جس شخص کا کوئی دین نہیں وہ چاہتا ہے کہ ہر حیلہ کے ساتھ وہ لوگوں کے چہروں کو اس طرف پھیر دے۔"

مولانا محمد طاسین کی ایک عبارت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ امام ابو یوسف نے یہ جانتے ہوئے کہ مزارعت کے بارے میں ان کے دلائل کمزور ہیں 'غلط حالات کے ساتھ مصالحت کر کے فتویٰ دیا۔ راقم کے خیال میں کسی مجتہد کے بارے میں ایسی رائے قائم کرنا مناسب نہیں۔ حالانکہ امام ابو یوسف کتاب الخراج میں لکھتے ہیں۔

فکان احسن ما سمعنا فی ذلک واللہ اعلم ان ذلک جائز مستقیم اتبعنا الاحادیث التی جاء ت عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی مساقاۃ خیبر لانہا اوثق عندنا واکثر واعم مما جاء فی خلافہا من الاحادیث(300)

"پس اس بارے میں ہم نے جو بہترین بات سنی ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے ہیں کہ یہ طریقہ درست اور جائز ہے۔ ہم نے ان احادیث کی پیروی کی ہے جو خیبر کی مساقات کے سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں کیونکہ جو حدیثیں ان کے خلاف جاتی ہیں ان سے یہ احادیث ہماری نظر میں زیادہ قابل اعتماد 'زیادہ عموم کی حامل اور تعداد میں بھی زیادہ ہیں۔"

اور پھر یہ کہ اس مسئلہ میں امام ابو یوسف تنہا تو نہیں ہیں بلکہ مزارعت کے حامیوں کی صف میں مشہور اہل علم کے نام بھی ملتے ہیں مثلاً محمد بن الحسن الشیبانی (م 189ھ / 805ء) 'عبد الرحمن بن عمرو الاوزاعی (م 157ھ / 774ء) 'محمد بن عبد الرحمن بن ابی لیلی (م 148ھ / 765ء) 'سفیان بن سعید الثوری (م 161ھ / 778ء) 'اسحاق بن ابراہیم ابن راہویہ (م 238ھ / 852ء) 'لیث بن سعد (م 175ھ / 792ء) وغیرہ۔ کیا ان اہل علم کے بارے میں یہ رائے قائم کی جاسکتی ہے کہ انہوں نے زمینداروں اور جاگیرداروں کے اثر و رسوخ کو قائم رکھنے کے لئے جواز مزارعت کا فتویٰ دیا؟ امام بخاری نے اپنی کتاب میں یہ روایت نقل کی ہے۔

ما بالمدینۃ اہل بیت ھجرۃ الا یزرعون علی الثلث والربع و زارع علیؓ و سعدؓ ابن مالک و عبداللہؓ بن مسعود' و عمر بن عبدالعزیز والقاسم و عروۃ و آل ابی بکرؓ و آل عمرؓ و آل علیؓ و ابن سیرین(301)

"مدینہ میں مہاجرین کا کوئی گھرانہ ایسا نہیں تھا جو (پیداوار کے) تہائی یا چوتھائی حصہ پر کاشت نہ کرتا ہو' علیؓ سعدؓ بن مالک' عبداللہ بن مسعودؓ' عمر بن عبدالعزیز' قاسم' عروہ' حضرت ابو بکرؓ کی اولاد' حضرت عمرؓ کی اولاد' حضرت علیؓ کی اولاد اور ابن سیرین نے بٹائی پر کاشت کی تھی۔"

کیا اہل مدینہ اور دیگر صحابہ و تابعین بھی جاگیرداری نظام کے حامی اور دور ملوکیت کی پیداوار تھے؟ امام احمد بن حنبل جنہوں نے خلق قرآن کے مسئلہ پر وقت کے حکمرانوں سے ٹکر لی کیا انہوں نے بھی مزارعت کے جواز کا فتویٰ دے کر غلط حالات کے ساتھ مصالحت کر لی تھی؟ کیا وہ بھی جاگیرداری نظام کے حامی تھے؟

مولانا محمد طاسین مزارعت کے بارے میں تعامل امت کے دعویٰ کو تسلیم نہیں کرتے۔ ان کی یہ رائے درست نہیں کہ جب تک امت کی غالب ترین اکثریت کاشتکار اور زمیندار نہ بن جائے تو اس کو امت کا تعامل کہنا ہی ناممکن ہے۔ متعدد فقہاء نے تعامل امت کی بناء پر مزارعت کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں۔

الا ان الفتوى على قولهما لحاجة الناس اليها و لظهور تعامل الامة بها والقياس يترك بالتعامل (302)

"لیکن فتویٰ امام ابو یوسف اور امام محمد کے قول پر ہے کیونکہ لوگوں کو مزارعت کی حاجت ہے اور امت کا مزارعت پر عمل ہے اور تعامل کے مقابلہ میں قیاس ترک کر دیا جاتا ہے۔"

ابن الہمام نے "فتح القدیر" میں مزارعت کے بارے میں تعامل امت کو تسلیم کیا ہے۔ (303) شارح وقایہ نے بھی و بہ یفتی کی توجیہہ میں لتعامل الناس کے الفاظ لکھے ہیں۔ (304) ابن نجیم نے البحر الرائق کے باب المساقات میں لکھا ہے۔

الا ان المزارعة لما كانت كثيرة الوقوع فى عامة البلاد كانت الحاجة اليها اكثر من المساقات فقدمت على المساقات (305)

"مگر مزارعت عام شہروں میں کثرت سے وقوع پذیر تھی۔ اس کی ضرورت مساقات سے زیادہ تھی۔ اس طرح یہ مساقات سے بڑھ گئی۔"

ابو بکر السرخسی المبسوط میں لکھتے ہیں۔

و فى هذا العقد (المزارعة) عرف ظاهر فيما بين الناس فى جميع البلدان كما فى المضاربة فيجوز بالعرف (306)

"اور اس عقد (مزارعت) میں وہ عرف ظاہر ہے جو سب شہروں میں لوگوں کے درمیان تھا جیسا کہ مضاربت میں ہے۔ پس عرف کی وجہ سے یہ جائز ہے۔"

یہ بات درست ہے کہ آج کی مروجہ زمینداریوں میں کاشتکاروں پر بہت زیادہ بوجھ ڈال دیا گیا ہے اور اس طبقہ کا استحصال ہو رہا ہے لیکن یہ نظریہ قائم کر لینا کہ ابو یوسف اور ان کے ساتھیوں نے اس قسم کی مزارعت کا فتویٰ دیا تھا' درست نہیں اور نہ ہی اصحاب الترجیح نے اس قسم کی مزارعت کو تعامل امت قرار دیا ہے۔ ڈاکٹر عبد الواحد نے مولانا محمد

طاسین کے مقالہ "موجہ نظام زمینداری اور اسلام" پر تبصرہ کرتے ہوئے چند قابل اعتراض امور کی طرف توجہ دلائی ہے۔ ان کو یہاں انہیں کے الفاظ میں بیان کیا جاتا ہے۔

(1) محض اٹکل سے اسلام میں داخل ہونے والوں کے بارے میں یہ بدگمانی رکھنا کہ "جاگیردار و زمیندار طبقے کو اس سے بڑی خوشی ہوئی کہ بعض فقہاء کی رائے کے مطابق ان کا جاگیرداری نظام اپنی سابقہ حالت پر قائم و برقرار رہ سکتا اور ان کی سابقہ معاشی، معاشرتی اور سیاسی حالت کو تحفظ مل سکتا ہے لہٰذا انہوں نے قطع نظر اس سے کہ قرآن و حدیث کی رو سے جواز مزارعت والی رائے صحیح اور قوی ہے یا عدم جواز والی رائے یا یہ کہ جواز اور عدم جواز کی رائے دینے والا کون ہے اور کون نہیں مزارعت کے جواز والی رائے کو لے لیا اور حسب سابق اس پر سختی کے ساتھ کاربند ہو گئے اور اپنی سابقہ حیثیت و پوزیشن کو بحال رکھا۔ آخر ہمارے پاس کونسی دلیل ہے جس کی بناء پر ہم دور اول میں مسلمان ہونے والوں کے بارے میں ایسی رائے قائم کریں کہ ان کی نیتیں اس قول کو اختیار کرنے میں یہ تھیں کہ غیر فطری معاشرتی اور سماجی اونچ نیچ قائم رہے اور مزارعین و کاشتکاروں کو معاشی لحاظ سے پس ماندہ، معاشرتی لحاظ سے پست و گرا ہوا اور سیاسی لحاظ سے غلام و محکوم رکھیں۔

(2) یہ لوگ جو مسلمان ہوئے نہ تو فقہاء و مجتہد تھے اور نہ تبحر فی العلم تھے کہ ان سے یہ توقع کی جاتی کہ وہ اس بات پر غور کرتے کہ قرآن و حدیث کی رو سے جواز مزارعت والی رائے صحیح اور قوی ہے یا عدم جواز والی رائے بلکہ وہ تو عامی تھے اور عامی کے لئے اپنے مفتی کا فتویٰ بس کافی ہوتا ہے۔ دلائل پر نظر کرنا اس کا وہ مکلف ہی نہیں ہوتا۔ آخر مقلد محض کا تقلید کے علاوہ اور کیا کام ہے اور تقلید کی تعریف مشہور ہے کہ "هو الاخذ بقول الغير بغير معرفة دليله"

(3) یہ بات مسلم ہے کہ اس دور میں تقلید شخصی واجب نہ تھی کہ وہ یہ دیکھتے کہ جواز اور عدم جواز کی رائے دینے والا کون ہے اور کون نہیں۔ جس مفتی مجتہد سے چاہا فتویٰ لے لیا اور اس بات کا اندیشہ ابھی اتنا ظاہر نہیں ہوا تھا کہ لوگوں میں تقویٰ اور خدا خوفی بہت کم ہو اور نفس پرستی زیادہ ہو تو جب تقلید شخصی واجب نہ تھی تو اگر انہوں نے کسی بھی مجتہد کا قول لے لیا تو ان پر کیا طعن ہے اور اگر فی الواقع ان کے دلوں میں کھوٹ بھی تھا تو ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے ہم جب اصولی طور پر یہ بات تسلیم کر چکے ہیں کہ اس دور میں جس سے چاہتے فتویٰ لیا جا سکتا تھا تو ہمیں طعن کرنے کا کوئی اختیار نہیں۔

(4) اکثر فتوحات اسلامیہ خلفائے راشدین کے دور میں ہو چکی تھیں اور کچھ بنو امیہ کے دور میں ہوئی تھیں۔ ان مفتوحہ علاقوں کے لوگ بڑی تعداد میں اسی وقت مسلمان ہو گئے تھے۔ خلفائے راشدین کے دور میں یہ کیونکر ممکن تھا کہ خلفاء ان کو وہ حالت اختیار کرنے کے لئے آزاد چھوڑ دیتے جس سے وہ معاشرے کے ایک طبقے کو اپنا محکوم و غلام بنائے رکھتے۔ یہ کوئی گھر کی کوٹھری میں بیٹھ کر معاملہ تو نہیں ہوتا۔ بڑی بڑی جاگیروں پر تو نظام قائم ہوتا ہے۔ کیا خلفاء اور ان کے نائبین

نے اتنی بڑی غفلت مجرمانہ برتی۔ اس الزام سے خلاصی کی بس یہی صورت ہے کہ ہم یہ تسلیم کرلیں کہ خلفائے راشدین کی نظروں میں بھی یہ مجتہد فیہ مسئلہ ہوگا یا پھر اس کے جواز کے قائل ہوں گے۔ مولانا ہی کی عبارت سے یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ عہد صحابہ ہی میں اس مسئلے پر دو رائیں تھیں ورنہ یہ نئے اسلام لانے والوں کو قاضی ابو یوسف اور احمد بن حنبل ابھی دستیاب نہیں ہوئے تھے۔ ان کا زمانہ تو عباسی دور کا ہے جبکہ ملوکیت قائم ہو چکی تھی اور ہارون الرشید اپنی سلطنت خوب مضبوط کرچکا تھا۔

(5) مولانا کی ان عبارات سے یہ تاثر ملتا ہے کہ دور جاہلیت کے نظام مزارعت کو فقہائے اسلام نے جائز قرار دیا ہے کیونکہ مولانا فرماتے ہیں کہ "جاگیردار طبقے کو اس سے بڑی خوشی ہوئی کہ بعض فقہاء کی رائے کے مطابق ان کا جاگیرداری نظام اپنی سابقہ حالت پر قائم و برقرار رہ سکتا ہے اور ان کی سابقہ معاشی معاشرتی اور سیاسی حالت کو تحفظ مل سکتا ہے۔" حالانکہ جو شخص بھی مزارعت سے متعلق فقہاء کی شرائط سے واقف ہے وہ جانتا ہے کہ یہ آپس کا ایک معاملہ ہوتا ہے جس میں حاکیت کو کوئی دخل نہیں ہوتا اور وہ ہر اس طریقے کو ناجائز قرار دیتے ہیں جس سے کسی کو دھوکا ہو یا اس کے ساتھ ناانصافی ہو۔

(6) جہاں تک جاگیروں کا تعلق ہے 'خلفائے راشدین کے دور میں بھی جاگیریں دی گئیں امام ابو یوسف کی کتاب الخراج میں ایسی متعدد روایات ملتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ لوگ اپنے منصب اور ذمہ داریوں کی بنا پر اس بات کی استطاعت نہ رکھتے تھے کہ خود ان میں کاشت کریں۔ لہٰذا جاگیرداری اگر پورے نظام کے طور پر نہیں تو کم از کم اس کے جواز کی بنیادیں تو خلفائے راشدین کے دور میں بھی فراہم تھیں۔ لہٰذا تخصیص ذکر کے لئے کوئی وجہ چاہیے تھی۔

(7) اگر جاگیردار طبقہ مزارعین کو اپنا محکوم و غلام سمجھنے لگا تو مجوزین مزارعت نے تو اس کی گنجائش نہیں رکھی تھی۔ آخر مضاربت اور اجارہ بھی تو اس سے ملتی جلتی شکلیں ہیں۔ یہ تمام اشکالات جو ہمیں مزارعت میں پیش آرہے ہیں مضاربت اور اجارے میں بھی تو پیش آتے ہیں۔ اپنے ماحول پر نظر ڈالئے کیا تمام اجیروں کو جتنی اجرت ملنی چاہیے اتنی ملتی ہے؟ کتنے ہی آجر ہیں جو سمجھتے ہیں کہ ہمیں اس کا اختیار ہے کہ ہم جتنی اجرت چاہیں طے کریں اور اجیر مجبور ہوتے ہیں کہ بھوکوں مرنے سے بچنے کے لئے انتہائی کم اجرت پر کام کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ خود حکومت ایک بہت بڑی آجر ہے لیکن اس کے کتنے ہی اجیر ہیں جن کی بنیادی ضروریات بھی پوری نہیں ہوتیں تو کیا کسی آجر کے ظلم و ستم کی نسبت ہم مجوزین اجارہ شخصی کی طرف کریں گے؟

(8) مولانا یہ ثابت کر رہے ہیں کہ مزارعت ایک ربوی (سودی) معاملہ ہے جو حرام ہے مزارعین کا اپنے آپ کو پیش کرنا کیا ہر حالت میں اضطراری تھا کیا انہوں نے اور ذرائع آمدنی کو آزما لیا تھا اور کیا ان کو یقین ہو چلا تھا کہ اگر انہوں نے اس پیشہ کو ترک کیا تو وہ بھوک سے مر جائیں گے۔ اگر واقعتاً" ایسا ہوا تھا تو مولانا پر واجب تھا کہ اس تحقیقی مقالے میں

اس کے شواہد پیش کرتے اور اگر ایسا نہیں ہوا تھا تو مولانا یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ ان کا مزارعت پر عمل بادل نخواستہ اور بامر مجبوری تھا اپنی مرضی و خوشی سے نہ تھا بلکہ یہ تو ان کی طرف سے حرام کا ارتکاب اور اعانت علی المعصیت ہوئی اور حرام کا ارتکاب اور اس پر اعانت خواہ معاشی اعتبار سے اونچا کرے یا پست کرے بہرحال مذموم ہے۔

(9) کیا فقہاء کے اجتہاد کو شرعی حکم کی حیثیت حاصل نہیں ہے اگر ہے اور یقیناً ہے تو کیا اس کے اختیار کرنے کو بدقسمتی سے تعبیر کرنا انتہائی غیر مناسب نہیں اور اگر بالفرض تسلیم بھی کر لیا جائے کہ مسلمانوں کو مزارعت اختیار کرنے سے نقصان پہنچا تو کیا مزارعت کی جو صورتیں رائج ہوئیں یا ہیں جن میں مزارعین کو مجبور و بے کس رکھا گیا ہو کیا وہ بھی قاضی ابویوسف کی تجویز کردہ صورتیں ہیں؟

(10) حیرت اور تعجب کی بات ہے کہ جب مولانا خود یہ قرار دے رہے ہیں کہ حکومت جب ایک نظام کو چلانا چاہتی ہے تو خواہ وہ حرام و ناجائز ہی کیوں نہ ہو وہ اس کو چلاتی ہے اور اس کو چلانے میں کامیاب رہتی ہے تو نظام زمینداری چلانے کے لئے اس کو کسی فتوے کی حاجت تو نہ تھی کیونکہ ملوکیت کی بنیاد مولانا کے بقول زمینداری و جاگیرداری نظام ہی ہے اور قاضی ابویوسف اور اصحاب الترجیح کو بھی یقیناً علم ہو گا تو پھر آخر ان کو کیا ضرورت پیش آئی کہ وہ اس کے حق میں فتویٰ دے کر اور اس کو مفتی بہ قرار دے کر حرام کو حلال بنائیں اور اس طرح غلط حالات سے مصالحت تو کیا ان کے آگے اپنے ہتھیار ڈال دیں۔ کیسی عجیب بات ہے کہ اس دور کے اہل حق تو بنکاری نظام کو سودی اور حرام کہنے پر ڈٹ جائیں اور تبع تابعین، جلیل القدر محدثین اور فقہاء و مجتہدین اپنے دور کے غلط حالات سے مصالحت کر کے ایک ناجائز کام کے لئے جانتے بوجھتے کمزور دلائل مہیا کرتے ہوں اور اصحاب الترجیح بھی اس ناجائز کام کے اختیار کو ترجیح دیتے ہوں۔ نہ جانے مولانا کس مردہ انقلابی سوچ میں محو تھے جو ایسی باتیں کہہ گئے کہ جو تضاد سے بھی خالی نہیں۔ (307)

حدیث خیبر سے استدلال درست نہیں

امام ابویوسف نے کتاب الخراج میں مزارعت کے جواز پر جو دلائل دیئے ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کو خیبر کی زمین بٹائی پر دی تھی لیکن راقم الحروف کے خیال میں ان علماء کی رائے میں کافی وزن ہے جو اس کو مزارعت کی بجائے خراج مقاسمہ کا معاملہ قرار دیتے ہیں۔ فتح خیبر کے بعد وہاں کے یہود کی حیثیت ذمیوں کی تھی اور ذمی پر جزیہ و خراج عائد کیا جاتا ہے۔ اگر یہ مزارعت کا معاملہ تھا تو معاہدہ میں اس کی مدت کا تعین ہونا چاہیے تھا حالانکہ ایسا نہیں ہوا۔ کتاب الحجہ کے حاشیہ پر یہ لکھا ہے۔

و معاملة النبی صلی اللہ علیہ وسلم باھل خیبر کان خراج مقاسمة بطریق المن علیھم والصلح و ھو جائز لا خراج وظیفة والدلیل علیہ انہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یبین المدة و لو کانت مزارعة لبینھا لھم لان

المزارعة لا تجوز عند من يجيزها الا ببيان المدة وايضا فقد روى ابن عمر ان رسول الله صلى الله عليه وسلم لما ظهر على خيبر سالته اليهود ان يقرهم بها على ان يكفوه عملها و لهم نصف الثمرة فقال لهم نقركم بها على ذلك ما شئنا رواه البخاري و مسلم و احمد و هذا صريح بانها كانت خراج مقاسمة و انهم كانوا ذمة للمسلمين والذمي اذا اقر على ارضه بقيت على ملكه و ما يوخذ من ارضيه خراج(308)

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اہل خیبر کے ساتھ معاملہ خراج مقاسمہ کا تھا اور یہ ان پر احسان اور ان کے ساتھ صلح کے طریق پر تھا اور یہ جائز ہے۔ یہ خراج موقت نہیں تھا اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدت کو بیان نہیں کیا۔ اگر وہ معاملہ ان کے درمیان مزارعت کا ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو ضرور بیان کرتے کیونکہ مجوزین مزارعت کے نزدیک بغیر مدت کو بیان کئے مزارعت جائز نہیں ہوتی۔ نیز حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو فتح کیا تو آپ سے یہود نے درخواست کی کہ آپ ان کو خیبر میں ٹھہرنے دیں اس شرط پر کہ یہود آپ کے لئے عمل کی کفایت کریں گے اور ان کے لئے نصف پھل ہو گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ ہم تمہیں اس شرط پر یہاں ٹھہرائیں گے جب تک ہم چاہیں گے (بخاری و مسلم و احمد) یہ حدیث اس بات پر صریح دلالت ہے کہ وہ معاملہ خراج مقاسمہ کا تھا اور یہ کہ وہ مسلمانوں کے ذمی تھے اور ذمی کو جب اس کی زمین پر برقرار رکھا جائے تو وہ اس کی ملکیت میں باقی رہتی ہے اور جو کچھ اس کی زمین سے لیا جاتا ہے وہ خراج ہوتا ہے۔"

ابوبکر السرخسی نے بھی اس کو خراج مقاسمہ سے تعبیر کیا ہے۔ آپ رقم طراز ہیں۔

انه من عليهم برقابهم و اراضيهم و نخيلهم و جعل شطر الخارج عليهم بمنزلة خراج المقاسمة و للامام راى فى الارض الممنون بها على اهلها ان شاء جعل عليها خراج الوظيفة و ان شاء جعل عليها خراج المقاسمة(309)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی جانوں، زمینوں اور نخلستانوں کو آزاد اور بحال رکھتے ہوئے ان پر احسان فرمایا اور ان پر پیداوار کا نصف حصہ بطور خراج مقاسمہ مقرر کر دیا اور یہ امام کی صوابدید پر منحصر ہے کہ وہ زمین بطور احسان مفتوح قوم کے قبضہ میں چھوڑ دے اس پر وہ خراج مقاسمہ لازم کر دے یا خراج وظیفہ۔"

مولانا محمد انور شاہ کشمیری نے "فیض الباری" میں حدیث خیبر کی تشریح کرتے ہوئے اسے خراج مقاسمت کا معاملہ ہی قرار دیا ہے۔(310)

مزارعت اور مضاربت

امام ابو یوسف کی یہ رائے درست ہے کہ مزارعت کو مضاربت پر قیاس کرتے ہوئے جائز قرار دیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ مخالفین مزارعت کی طرف سے اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ مضاربت پر قیاس' قیاس مع الفارق ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مضاربت میں اگر نقصان ہوتا ہے تو وہ صاحب سرمایہ اور محنت کش دونوں کو برداشت کرنا پڑتا ہے لیکن مزارعت کی صورت میں اگر نقصان ہو تو مزارع کی محنت ضائع ہو جاتی ہے لیکن زمین محفوظ رہتی ہے۔ زمیندار کو کسی قسم کا نقصان نہیں ہوتا وہ صرف پیداوار کے منافع سے محروم ہوتا ہے۔

لیکن مضاربت اور مزارعت میں اس طرح فرق کرنا درست نہیں۔ مضاربت میں بھی بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ مالک مال کا اصل سرمایہ Capital محفوظ رہ جاتا ہے اور کاروبار میں نفع نہ ہونے کی وجہ سے محنت کش اپنی معاشی جدوجہد کا کوئی ثمر نہیں پاتا۔ اس ممکن الوقوع احتمال کے باوجود مضاربت کے جواز پر تمام اہل علم متفق ہیں۔ ابو سلیمان احمد بن محمد' الخطابی (م 388ھ / 998ء) نے ایک فقہی نکتہ بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں۔

> و اصل المضاربة فی السنة المزارعة والمساقاة فكيف يجوز ان يصح الفرع و يبطل الاصل(311)
>
> "سنت (احادیث) میں مضاربت کے جواز کی اصل (جڑ اور بنیاد) مزارعت اور مساقات ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اصل تو ختم ہو جائے اور فرع (شاخ) قائم رہے۔"

یعنی مضاربت کے جواز کا دارومدار ان روایات پر ہے جن سے مزارعت کا جواز نکلتا ہے تو یہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ مزارعت کو تو حرام سمجھا جائے اور مضاربت کو جائز قرار دیا جائے۔

امام محمد کہا کرتے تھے کہ میرے نزدیک زمین مضاربت کے سرمایہ کی طرح ہے۔ مضاربت کی صورت میں سرمایہ کے ساتھ جن شرائط کا وابستہ کرنا مناسب ہے وہی مزارعت میں زمین کے ساتھ وابستہ کرنا مناسب ہے' اور جو باتیں مضاربت میں سرمایہ کے لئے نامناسب ہیں وہی باتیں مزارعت میں زمین کے لئے نامناسب ہیں۔

> كان محمد يقول الارض عندى مثل مال المضاربة فما صح فی مال المضاربة صلح فی الارض و مالم يصلح فی مال المضاربة لم يصلح فی الارض(312)

ممانعت مزارعت والی روایات کا صحیح منشا

مختلف ائمہ نے مزارعت کی ضرورت و اہمیت کو مد نظر رکھتے ہوئے اس کے جواز کا فتوی دیا ہے۔ اس لئے کہ بعض

لوگوں کے پاس زمین تو ہوتی ہے لیکن وہ ذاتی طور پر عمل زراعت کی اہلیت نہیں رکھتے۔ اس طرح کچھ لوگ زراعت میں دلچسپی رکھتے ہیں لیکن ان کے پاس زمین نہیں ہوتی۔ وہ ائمہ جو مزارعت کو بالکلیہ حرام قرار نہیں دیتے احادیث حرمت کی توجیہہ و تشریح اس طرح کرتے ہیں:

(1) حضرت جابر بن عبداللہؓ (م 78ھ / 697ء) اور حضرت ابو ہریرہؓ عبدالرحمن بن صخر (م 59ھ / 679ء) کی روایات میں مزارعت کو حرام قرار نہیں دیا گیا بلکہ دراصل ایک اخلاقی فضیلت کی طرف راہنمائی کی گئی ہے۔ یعنی اپنے مسلمان بھائی کو زمین بٹائی پر دینے کی بجائے اسے ہبہ کر دینا افضل اور بہتر ہے۔ عہد رسالتؐ میں بعض ایسے صحابہؓ تھے جن کی اپنی زمینیں تھیں اور بعض نادار تھے جو مزارعت پر زمین لے کر بمشکل گزارہ کرتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش یہ تھی کہ جن کے پاس زمینیں ہیں وہ حسن معاشرت' اسلامی اخوت اور بلند اخلاق کا نمونہ پیش کرتے ہوئے اپنی زائد زمینیں اپنے ضرورت مند بھائیوں کے لئے وقف کر دیں۔ جیسا کہ حضرت عبداللہؓ بن عباس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس (مزارعت) سے روکا نہیں ہے بلکہ آپ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ تمہارا اپنے بھائی کو زمین ہبہ کر دینا اس سے بہتر ہے کہ اپنے بھائی سے (پیداوار میں سے) کچھ معاوضہ ہو۔ (313) صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ طاؤس کہتے ہیں کہ اس مسئلہ مزارعت کے بارے میں سب سے زیادہ باخبر شخصیت حضرت عبداللہ بن عباسؓ ہیں۔ انہوں نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع نہیں فرمایا بلکہ آپؐ نے صرف یہ فرمایا تھا کہ اگر کوئی شخص اپنے بھائی کو اپنی زمین بخش دے۔ یہ اس سے بہتر ہے کہ اس کا ایک متعین محصول وصول کرے۔ (314)

(2) عہد رسالت میں بعض لوگ مزارعت کا معاملہ کرتے وقت زمین کے کسی خاص قطعہ کی پیداوار اپنے لئے مخصوص کر لیتے تھے۔ اس صورت میں چونکہ دوسرے فریق کی حق تلفی ہوتی تھی اس لئے آپؐ نے مزارعت کی اس صورت میں منع کیا تھا۔ حدیث مخابرہ میں مزارعت کی اسی شکل کی ممانعت ہے۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں یہ روایت نقل کی ہے "حضرت رافع بن خدیجؓ" فرماتے ہیں کہ سب مدینہ والوں میں ہمارے کھیت بہت تھے۔ ہم زمین کو بٹائی پر دیا کرتے تھے اس شرط پر کہ زمین کے ایک معین حصے کی پیداوار ہم لیں گے تو کبھی ایسا ہوتا کہ اس حصے کی پیداوار خراب ہو جاتی' باقی زمین کی اچھی رہتی اور کبھی ساری زمین کی خراب ہو جاتی' باقی زمین کی بچی رہتی اس لئے ہم کو اس سے منع کر دیا گیا۔ (315)

(3) بعض لوگ اس شرط پر معاملہ کرتے تھے کہ نہر اور نالیوں کے پاس کی پیداوار صاحب زمین کی ہوگی اور بقیہ پیداوار کاشت کار کی ہوگی۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جس جگہ سے پانی ہو کر گزرتا ہے وہاں کی پیداوار زیادہ ہوتی ہے اس صورت میں کاشتکار کی حق تلفی کا اندیشہ تھا۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مذکورہ مقام کی پیداوار زیادہ پانی ہو جانے کی وجہ

سے خراب ہو جاتی ہے۔ اس صورت میں صاحب زمین کی حق تلفی ہوتی تھی۔ حضرت رافع بن خدیج (م 74ھ / 693ء) فرماتے ہیں میرے چچا بیان کرتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگ زمین مزارعت پر دیتے تو یہ شرط کر لیتے کہ نہر کے متصل کی پیداوار ہماری ہوگی' یا کوئی اور استثنائی شرط کر لیتے (مثلاً اتنا غلہ ہم پہلے وصول کریں گے پھر بٹائی ہوگی) آنحضرتؐ نے اس سے منع فرمایا..... حضرت لیثؒ فرماتے ہیں' مزارعت کی جس شکل کی ممانعت فرمائی گئی تھی اگر حلال و حرام کی فہم رکھنے والے لوگ غور کریں تو بھی اسے جائز نہیں کہہ سکتے کیونکہ اس میں معاوضہ ملنے نہ ملنے کا اندیشہ تھا۔ (316)

(4) نہی کی بعض روایات اس پر محمول ہیں کہ بعض اوقات زائد قیود و شرائط کی وجہ سے فریقین میں نزاع کی صورت پیدا ہو جاتی تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر فرمایا تھا کہ اس سے بہتر تو یہ ہے کہ تم اس قسم کی مزارعت کے بجائے زر نقدی پر زمینیں لیا دیا کرو۔ چنانچہ حضرت زید بن ثابت (م 45ھ / 665ء) کو جب یہ خبر پہنچی کہ رافع بن خدیج مزارعت سے منع فرماتے ہیں تو آپ نے افسوس کے لہجہ میں فرمایا' اللہ تعالیٰ رافع کی مغفرت فرمائے بخدا' میں اس حدیث کو ان سے بہتر سمجھتا ہوں' واقعہ یہ تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں انصار کے دو شخص آئے ان کے مابین مزارعت پر جھگڑا تھا اور نوبت مرنے مارنے تک پہنچ گئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر فرمایا "جب تمہاری یہ حالت ہے تو مزارعت کا معاملہ ہی نہ کرو۔ رافعؓ نے بس اتنی بات سن لی "تم مزارعت کا معاملہ نہ کیا کرو۔" (317)

(5) حضرت رافعؓ بن خدیج کی روایات میں سند اور متن دونوں اعتبار سے اضطراب اور اختلاف پایا جاتا ہے۔ ملا علی قاری (م 1014ھ / 1606ء) نے "مرقاۃ شرح مشکوٰۃ" میں لکھا ہے۔

> و جملة القول فی الوجه الجامع بینها ان یقال ان رافع بن خدیج سمع احادیث فی النهی و عللها متنوعة فنظم سائرها فی سلک واحد فلهذا مرة یقول سمعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم و تارة یقول حدثنی عمومتی و اخری اخبرنی عمای والعلة فی بعض تلک الاحادیث انهم کانوا یشترطون شروطا فاسدة و یتعاملون علی اجرة غیر معلومة فنهوا عنها و فی البعض انهم کانوا یتنازعون فی کراء الارض حتی افضی بهم الی التقابل فقال النبی صلی اللّٰه علیه وسلم ان کان هذا شانکم فلا تکرو المزارع و قد بین ذلک زید بن ثابت فی حدیثه و فی البعض انه کره ان یاخذ المسلم خرجا معلوما من اخیه علی الارض ثم تمسک السماء قطرها و تخلف

الارض ربعها فيذهب ماله بغير شئي فيتولد منه التنافر والبغضاء و قد تبين لنا ذلک من حديث ابن عباس من كانت له ارض فيزرعها الحديث و ذلک من طريق المروة والمواساة(318)

"ان احادیث کے مابین جو وجہ جامع ہے وہ یہ ہے کہ کہا جائے کہ رافع بن خدیج نے ممانعت کی حدیثیں سنیں حالانکہ ان کی علتیں مختلف تھیں تو انہوں نے سب کو ایک ہی لڑی میں پرو دیا۔ لہٰذا کبھی تو فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا اور کبھی کہتے ہیں کہ مجھے میرے چچاؤں نے بتایا اور کبھی کہتے ہیں کہ میرے دو چچاؤں نے مجھے خبر دی۔ اور ان میں سے بعض احادیث کی علت یہ تھی کہ لوگ فاسد شرطیں لگاتے تھے اور نامعلوم اجرت پر معاملہ کرتے تھے تو اس سے منع کئے گئے اور بعض میں یہ علت تھی کہ کراء الارض میں جھگڑا کرتے تھے یہاں تک کہ نوبت مقاتلہ کی آجاتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تمہارا معاملہ یہ ہے تو کھیت اجارہ پر نہ دو اس کو زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اپنی حدیث میں بیان کیا۔ اور بعض کی علت یہ تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو ناپسند کیا کہ ایک مسلمان اپنے بھائی سے زمین کے عوض معلوم اجرت طے کرے پھر بارش نہ ہو یا پیداوار نہ ہو تو اس کا مال بلامقابلہ ضائع ہو جائے تو اس سے باہمی نفرت اور بغض پیدا ہو۔ یہ بات ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے حاصل ہوتی ہے اور یہ مروت و مواسات کا معاملہ ہے۔"

پس مزارعت کی صرف وہ صورتیں ناجائز ہیں جن میں دھوکا' فریب' نزاع و جدال اور ایک فریق کے لئے نقصان اور دوسرے فریق کے لئے نفع کا قوی احتمال موجود ہو۔ ان کے علاوہ باقی شکلیں جائز ہیں۔

احیائے موات

امام ابو یوسف نے احیائے موات کے ضمن میں آبادی سے دور ہونے کے بارے میں جو جو رائے دی ہے' امام سرخسی نے اس کو پسند کیا ہے۔ ملا علی قاری نے "شرح النقایۃ" میں لکھا ہے "و شمس الائمہ اعتمد علی ما اختارہ ابو یوسف" (319) البتہ حکومت کی اجازت کے مسئلہ پر امام ابو حنیفہ کی رائے' ابو یوسف کی رائے سے بہتر ہے۔ جدید دور میں مصالح عامہ کے تحت امام ابو حنیفہ کے نظریہ کی اہمیت اور زیادہ بڑھ گئی ہے۔ ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی رقم طراز ہیں:

"ظاہر ہے کہ اس باب میں امام ابو حنیفہ کی رائے زیادہ تر مصالح عامہ کی رعایت پر مبنی ہے۔ مصالح عامہ کے نقطۂ نظر سے ان کی رائے کی اہمیت جدید حالات میں اور بڑھ گئی ہے۔ ایک زمانہ تھا جب

اس طرح کی افتادہ زمینیں بافراط پائی جاتی تھیں۔ اب شاذ و نادر ہی مل سکتی ہیں۔ انسانی آبادی بہت بڑھ گئی ہے۔ ذرائع نقل و حمل کی فراوانی نے آبادی سے دور ہونے یا نزدیک ہونے کے فرق کو ناقابل لحاظ بنادیا ہے۔ ریاست کی اجازت ضروری ہو تو اس خطرے کا ازالہ ہو سکتا ہے کہ کوئی ایک صاحب دولت اٹھ کھڑا ہو اور ڈھونڈ ڈھونڈ کر اس طرح کی ساری زمینوں کو اپنی ملکیت بنالے۔ یہ احیائے موات کی ایک ایسی شکل ہوگی جس سے مفاد عامہ کو بالآخر نقصان پہنچے گا۔ ان وجوہ سے موجودہ حالات میں مناسب یہی ہو گا کہ افتادہ زمینوں کی آبادکاری کے خواہاں افراد کو ریاست سے اجازت حاصل کرنے کا مکلف بنادیا جائے۔ اسلامی قانون کے جدید ماہرین کا رجحان مجلۂ عثمانیہ کی طرح اس رائے کو ضابطہ کی شکل دے دینے کے حق میں ہے۔" (320)

"مجلۃ الاحکام العدلیۃ" میں اس رائے کو ضابطہ کی شکل دے دی گئی ہے۔ (321)

اقطاع

امام ابو یوسف نے جاگیروں کے بارے میں جو بحث کی ہے۔ وہ اس لحاظ سے نامکمل ہے کہ آپ نے جاگیروں کی اس قسم کا ذکر تو کیا ہے جو "اقطاع التملیک" کی بنیاد پر دی گئی تھیں۔ لیکن انہوں نے "اقطاع للاجارۃ" کا ذکر نہیں کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء نے بعض قطعات "اقطاع للاجارۃ" کی بنیاد پر دیئے تھے۔ ایسی زمینیں سرکاری ملکیت ہوتی تھیں۔ حضرت عثمان غنیؓ (24-35ھ / 645-655ء) نے علاقہ سواد کی زمینیں اور دوسری جائیدادیں بیت المال کی آمدنی بڑھانے کے لئے کرایہ (لگان) کی بنیاد پر دیں۔ آپ کے دور میں ایسی جاگیروں کی آمدنی بڑھ کر پچاس کروڑ ہو گئی۔ حضرت عثمان غنیؓ اس میں سے انعامات اور عطیے دیتے۔

بدقسمتی سے 82ھ میں عبدالرحمٰن بن محمد بن اشعث (م 85ھ / 704ء) کی بغاوت کے دوران اس قسم کی زمینوں اور ان کے لگان سے متعلق تمام سرکاری ریکارڈ جل گیا۔ (322) اس سرکاری ریکارڈ کی تباہی کے بعد با اختیار لوگوں نے ان زمینوں کو غصب کر لیا اور اس طرح یہ ذاتی جائیدادوں میں تبدیل ہو گئیں۔ ڈاکٹر محمد ضیاء الدین الریس کہتے ہیں کہ سرکاری ریکارڈ کا جل جانا اقطاع کی تاریخ میں ایک بہت بڑا المیہ تھا۔ اس واقعہ نے بنو امیہ کے دور میں با اختیار لوگوں کی حوصلہ افزائی کی کہ وہ اقطاع کے ساتھ ذاتی جائیدادوں جیسا سلوک کریں جو کہ پہلے سرکاری ملکیت تھیں۔ (323)

امام ابو یوسف نے جاگیروں کی منظوری دیتے ہوئے کہا ہے کہ زمین دولت کی طرح ہے۔ یعنی اسی کو یہ عطیہ دیا جا سکتا ہے جو اس کو صحیح طرح استعمال کرے اس کی پیداوار سے دوسرے مسلمانوں کو بھی فائدہ ہو۔ ڈاکٹر ضیاء الحق کے الفاظ میں "بطور دولت کے زمین کا یہ تصور اس دور کا وصف ہے جس میں فقہاء مساقات مزارعت اور مضاربت کے

نظریات کو حل کر رہے تھے۔"(324)

تحدید ملکیت زمین

تحدید ملکیت زمین کے مسئلہ پر امام ابو یوسف نے جو رائے دی ہے وہ قرآن و سنت کے مطابق ہے۔ اس پر خلفائے راشدین کا تعامل ہے اور فقہاء امت کا اجماع اور اتفاق ہے۔ ڈاکٹر سعدی ابو حبیب نے "موسوعۃ الاجماع فی الفقہ الاسلامی" کے نام سے ایک کتاب تحریر کی ہے۔ اس میں ان تمام مسائل کو جمع کیا ہے جن پر فقہاء امت کا اجماع اور اتفاق رہا ہے۔ اس میں وہ لکھتے ہیں۔

اجمع جمیع الخاصة والعامة علی ان اللہ عزوجل حرم اخذ مال امری مسلم او معاھد بغیر حق اذا کان الماخوذ منہ مالہ غیر طیب النفس بان یوخذ منہ ما اخذ و قد اجمعوا جمیعا علی ان اخذہ علی السبیل التی وصفنا آثم و ظالم(325)

"تمام خاص و عام کا اس بات پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی مسلمان یا ذمی کا مال ناحق لینے کو حرام قرار دیا ہے۔ جبکہ وہ شخص جس سے مال لیا جا رہا ہے اس بات سے خوش دلی سے راضی نہ ہو کہ اس سے مال لیا جائے۔ نیز اس بات پر بھی اجماع ہے کہ جو شخص مذکورہ طریقے پر کسی کا مال لے وہ ظالم اور گنہگار ہے۔"

ابن حزم لکھتے ہیں۔

واتفقوا ان اخذ اموال الناس کلھا ظلما لا یحل(326)

"اس بات پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ لوگوں کے کسی بھی قسم کے مال کو ناحق لے لینا حلال نہیں ہے۔"

فصل ہفتم

متفرق معاشی افکار

خرید و فروخت

خرید و فروخت سے متعلق امام ابو یوسف کے افکار و نظریات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ عوام الناس کی نفسیات اور ان کے مصالح سے پوری طرح واقفیت رکھتے تھے۔ آپ کے معاشی افکار سے ایک طرف اس دور کے معاشی حالات کا علم ہوتا ہے تو ساتھ ہی لوگوں کے جذبات، احساسات اور عرف و عادت کے بارے میں بہت سی مفید معلومات بھی ملتی ہیں آپ نے جس طرح جامع انداز میں تجارتی مسائل پر گفتگو کی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ خرید و فروخت کے قواعد سے پوری طرح آگاہ تھے۔

خیار شرط (Stipulation of option) کے ضمن میں امام ابو یوسف کی یہ رائے بہت مناسب ہے کہ اگر مقررہ مدت کی وضاحت کر دی جائے تو تین دن سے زائد مدت بھی جائز ہے۔ اس لئے خیار شرط کی اجازت اس ضرورت کے تحت دی گئی ہے کہ بائع (Seller) اور مشتری (Purchaser) اچھی طرح غور و فکر کر لیں۔ تاکہ کسی فریق کے لئے خسارے یا دھوکے کا احتمال نہ رہے بعض اوقات بڑی خریداری کے معاملات میں بائع اور مشتری کو زیادہ سوچ بچار کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایسے معاملات میں تین دن کی مدت کافی نہیں ہو سکتی۔

امام ابو حنیفہ اور امام شافعی نے حضرت منقذ بن عمرو (یا ان کے بیٹے حبان بن منقذ) کی جس روایت (327) سے استدلال کیا ہے۔ راقم کے خیال میں اسے ان کی خصوصیت پر محمول کرنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ابن قدامہ "المغنی" میں لکھتے ہیں۔

> وللخیار یجوز اکثر من ثلاث و یجوز اشتراط الخیار ما یتفقان علیہ من المدۃ المعلومۃ قلت مدتہ او کثرت(328)
>
> "خیار تین دن سے زائد کے لئے بھی درست ہے۔ خیار کی شرط اتنی مقررہ مدت کے لئے جائز ہے جس پر فریقین متفق ہوں خواہ وہ کم ہو یا زیادہ"

ابن رشد نے اپنی کتاب "بدایۃ المجتہد" میں امام مالک بن انس (م 179ھ / 795ء) کا جو نظریہ بیان کیا ہے اس سے امام ابو یوسف کی رائے کی توثیق ہوتی ہے۔ امام مالک کہتے ہیں کہ اس کی فی نفسہ کوئی مدت متعین نہیں ہے بلکہ مدت کی تحدید خریدی جانے والی مختلف اشیاء کے فرق پر مبنی ہے۔ مثلاً کپڑے کی خریداری میں خیار شرط ایک یا دو دن کی ہو سکتی ہے جبکہ گھر کی خریداری کے لئے خیار شرط ایک ماہ ہو سکتی ہے۔(329)

"الشاۃ المصراۃ" (وہ بکری جس کا دودھ کچھ دن تک روک لیا گیا ہو تاکہ وہ زیادہ دودھ دینے والی نظر آئے) کے بارے میں امام ابو یوسف نے جو رائے دی ہے وہ ان کی معاشی بصیرت پر دلالت کرتی ہے۔ ڈاکٹر ساجد الرحمن صدیقی امام ابو یوسف کی رائے پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> "اس کا مطلب یہ ہے کہ امام ابو یوسف نے حدیث میں ایک صاع کھجور واپس کرنے کے حکم کو اس امر پر محمول کیا ہے کہ مذکورہ واقعہ میں نبی اکرمؐ نے اس وقت کے دودھ کی قیمت کو مد نظر رکھتے ہوئے اس کے برابر کھجوریں دینے کا حکم فرمایا تھا اور یہ حکم آپؐ نے اس لئے دیا تھا کہ اس زمانے میں کھجور ایسا مال تھا جو با آسانی اور بہ سہولت میسر تھا۔ ظاہر ہے کہ تاوان میں قیمت ہی لازم آتی ہے۔ اس مسئلے میں امام ابو یوسف کی رائے زیادہ عادلانہ اور فقہی لحاظ سے زیادہ موزوں ہے اور اس رائے پر اعتماد کیا جانا چاہیے۔ بلکہ ان کی یہ رائے ان کے استاد امام ابو حنیفہ کی رائے سے بہتر ہے کہ

عقد کو فسخ نہ کیا جائے۔ بلکہ اگر اس "مصراۃ" جانور کی قیمت میں کوئی کمی ہے تو خریدار وہ قیمت لے لے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ خریدار کا مقصود بھی اس وصف کا نہ ہونا ہو جس کا اس شے میں موجود ہونے کا تاثر دیا گیا ہے۔ "المجلہ" نے اس مسئلہ کو قابل اختیار نہیں سمجھا ہے حالانکہ المجلہ کو یہ مسئلہ بیان کرنا چاہئے تھا۔ اور اس میں امام ابو یوسف کی رائے اختیار کرنی چاہیے تھی۔" (330)

مصطفیٰ احمد الزرقاء نے اپنی کتاب الفقہ الاسلامی فی ثوبہ الجدید میں ایسی ہی رائے کا اظہار کیا ہے۔ وہ رقم طراز ہیں۔

ورای ابی یوسف کما تری فی ھذہ القضیۃ ھو اعدل الاراء و اوجہھا فقھا و ھو الذی یجب التعویل علیہ و ھو احسن من قول امامہ ابی حنیفۃ (331)

مکان کی خریداری کے لئے خیار رویت (option on inspection) کے بارے میں امام زفر بن الہذیل (م 158ھ / 775ء) کی رائے' ابو یوسف کی رائے سے بہتر ہے۔ صاحب ہدایہ نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اس دور کے مکانات اور ان کی طرز تعمیر میں کوئی خاص فرق نہیں ہوتا تھا لیکن آج کل کے دور میں طرز تعمیر میں کافی تبدیلیاں آ چکی ہیں اس لئے صرف باہر سے ہی نظر ڈالنے سے مکان کی اندرونی حالت کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ (332) امام ابو یوسف کی رائے پر عمل کرنے سے خریدار کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہے۔

احمد بن محمد القدوری (م 428ھ / 1037ء) نے ابو یوسف کے اس قول پر اعتماد کیا ہے کہ "خیار رویت خیار شرط کی طرح ہے' ساقط ہونے کے بعد اس کا اعادہ نہیں ہو سکتا" (333)

بیع سلم (Sale by payment in advance) میں مسلم فیہ (مبیع) (Thing sold) کے بارے میں امام ابو یوسف کے فکر سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ امکانی حد تک فریقین کے مابین دھوکا اور نزاع کی ہر صورت کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ آپ اس امر کو ضروری قرار دیتے ہیں کہ جس چیز کا سودا کیا جا رہا ہے وہ بازار میں یا لوگوں کے پاس موجود ہو اور خریدار کو ادا کرنے تک موجود رہے۔ آپ کے معاشی فکر سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ بازار کے اخبار و احوال اور معاملات میں لوگوں کے اغراض و مقاصد سے پوری واقفیت رکھتے تھے۔ ابو بکر الکاسانی "بدائع الصنائع" میں ابو یوسف کے معاشی فکر کی ترجمانی کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

ان القدرۃ علی التسلیم ثابتۃ للحال و فی وجودھا عند المحل شک لاحتمال الھلاک فان بقی حیا الی وقت المحل ثبتت القدرۃ و ان ھلک قبل ذلک لا تثبت والقدرۃ لم تکن ثابتۃ فوقع الشک فی ثبوتھا فلا تثبت مع الشک (334)

"بائع میں فی الحال مسلم فیہ کے ادا کرنے کی قدرت پائی جاتی ہے۔ مگر اس میں شبہ ہے کہ مبادا وہ چیز ادائیگی کے وقت موجود نہ رہے لہٰذا اگر وہ ادائیگی کے وقت موجود ہو گی تو اس کا معنی یہ ہوا کہ قدرت موجود ہے۔ اور اگر پہلے ضائع ہو گئی تو قدرت بھی ثابت نہ ہو سکی اور تصور کر لیا جائے گا کہ قدرت پہلے سے تھی ہی نہیں۔ لہٰذا ثبوت قدرت میں شک واقع ہوا اور شک پیدا ہونے سے قدرت ثابت نہ ہو سکے گی۔"

ابو بکر السرخسی لکھتے ہیں۔

فان قیل حیاته معلومة فی الحال والاصل بقاوه حیا الی ذلک الوقت و انما الموت موهوم قبله قلنا نعم و لکن بقاوه حیا الی ذلک الوقت باستصحاب الحال فیکون معتبرا فی ابقاء ماله علی ملکه لا فی توریثه من مورثه فبهذا الطریق لا تثبت قدرته علی التسلیم الا ان یکون موجودا فی الحال حتی تکون حیاته متصلة باوان ذلک الشئ (335)

"اگر سوال کیا جائے کہ اس کی زندگی فی الحال موجود ہے اور اصل یہی ہے کہ وہ اس وقت تک زندہ رہے گا اور ادائیگی سے پہلے موت کا آنا ایک فرضی امر ہے۔ ہم اس کا جواب دیں گے کہ بات ٹھیک ہے۔ مگر اس وقت تک بائع کی زندگی کا بقا استصحاب الحال کے قاعدہ پر مبنی ہو گا۔ لہٰذا اس کی زندگی اس کے اپنے مال پر قابض رہنے میں تو معتبر سمجھی جائے گی مگر یہ نہیں ہو سکے گا کہ وہ اپنے مورث کا وارث بھی قرار پائے۔ لہٰذا اس طریق سے ادائیگی پر اس کی قدرت ثابت نہ ہو سکے گی۔ مگر اس صورت میں کہ وہ چیز فی الحال موجود ہو تاکہ اس کی زندگی جملہ اوقات میں وقت تسلیم تک اس چیز سے متصل رہے۔"

بیع سلم میں مقام ادائیگی کی تعیین سے متعلق، امام ابو یوسف نے اپنے استاد امام ابو حنیفہ سے جو اختلاف کیا ہے وہ ٹھوس دلائل پر مبنی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے اس بارے میں بڑی باریک بینی سے کام لیا ہے۔ آپ کے طرز استدلال سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ بائع و مشتری کو ہر قسم کے امکانی جھگڑوں سے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں۔

تاہم امام ابو یوسف کے فکر میں ایک سقم بھی پایا جاتا ہے۔ بیع سلم میں قبضہ کا استحقاق کچھ مدت کے بعد ہوتا ہے اور یہ مدت طویل بھی ہو سکتی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ جہاں معاملہ کیا گیا ہو ادائیگی کے وقت وہاں یہ صورت ممکن ہی نہ ہو کہ بائع مشتری کو مبیع حوالے کر سکے۔ امام ابو حنیفہ سے یہ قول مروی ہے۔

ارایت لو عقدا عقد السلم فی السفینه فی لجة البحر اکان یتعین موضع العقد للتسلیم عند حلول الاجل (336)

"غور فرمایئے اگر بحر مواج میں ایک کشتی سمندر کی لہروں کو چیرتی ہوئی جارہی ہو اور وہاں بیع سلم کا معاملہ منعقد

ہوا ہو تو کیا وقت مقرر آنے پر اس کشتی میں خرید کردہ چیز مشتری کو دی جائے گی؟"

گوشت کی بیع سلم سے متعلق امام ابو حنیفہ کی رائے' امام ابو یوسف کے فکر سے بہتر ہے امام ابو یوسف کے استدلال سے واضح ہوتا ہے کہ آپ نظر و قیاس سے زیادہ کام لیتے ہیں۔ آپ کی رائے نظری قسم کی ہے لیکن آپ کے استاد امام ابو حنیفہ کی رائے عملی ہے۔ آپ نے لوگوں کی نفسیات کو مد نظر رکھتے ہوئے باہمی نزاع کو روکنے کی کوشش کی ہے۔ امام ابو یوسف کی رائے کے مطابق اگر جانور کے گوشت کا خاص وصف متعین بھی کر دیا جائے' پھر بھی اس بات کا امکان باقی رہتا ہے کہ بائع اور مشتری کے درمیان جھگڑے کی صورت پیدا ہو جائے۔

بیع سلم میں بائع و مشتری کے درمیان اختلاف کی صورت میں امام ابو یوسف نے بائع کے قول کو قابل قبول کہا ہے۔ آپ کے اس نظریے کی تائید نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے ہوتی ہے۔

عن ابن مسعودؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اختلف البیعان فالقول قول البائع(337)

"حضرت عبداللہؓ بن مسعود فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب فروخت کرنے والے اور خریدنے والے کے درمیان اختلاف ہو تو معتبر بات فروخت کرنے والے کی ہے۔"

امام ابو یوسف کی اس رائے پر فتویٰ دیا جاتا ہے کہ روٹی کو گندم یا آٹے کے عوض میں زیادتی سے فروخت کرنا جائز ہے مثلاً گندم یا آٹا دیا اور اس سے کم مقدار میں روٹی لی تو جائز ہے۔(338) اسی طرح امام ابو یوسف کی اس رائے پر بھی فتویٰ دیا جاتا ہے کہ اگر گندم اور آٹا نقد دیے جائیں جبکہ روٹی ادھار ہو تو یہ جائز ہے۔(339)

عقود بالتعاطی کے بارے میں امام ابو یوسف کے فکر سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ نے عرف کی بناء پر اس کو جائز قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال قرار دیا ہے لیکن اس کی کیفیت کو بیان نہیں کیا۔ لہذا کیفیت میں عرف و رواج ہی کا اعتبار ہونا چاہیے۔

احتکار کے بارے میں امام ابو یوسف کی یہ رائے بہتر ہے کہ احتکار صرف غذائی اشیاء ہی میں نہیں بلکہ ہر وہ چیز جس کے روکنے سے عام لوگوں کو نقصان پہنچے' وہ احتکار ہے۔ ابو الطیب شمس الحق (م 1329ھ / 1911ء) اپنی کتاب عون المعبود شرح سنن ابی داؤد میں لکھتے ہیں۔

والحاصل ان العلة اذا کانت ھی الاضرار بالمسلمین لم یحرم الاحتکار الا علی وجه یضرھم و یستوی فی ذلک القوت وغیرہ لانھم یتضررون بالجمیع واللہ اعلم(340)

محنت و اجرت

اجیر مشترک (Common employee) پر تاوان عائد کرنے کے بارے میں امام ابو یوسف کی رائے' امام ابو حنیفہ کی رائے سے بہتر ہے۔ خاص طور پر دورِ حاضر میں جبکہ لوگوں میں امانت و دیانت کا فقدان ہے' امام ابو حنیفہ کی رائے پر عمل کرنے سے لوگوں کے اموال کو محفوظ نہیں رکھا جا سکتا۔ حضرت عمر بن الخطابؓ (13-24ھ / 634-645ء) اور حضرت علیؓ بن ابی طالب (35-40ھ / 656-661ء) نے جب مختلف پیشہ وروں اور کاریگروں کی بد دیانتی کا مشاہدہ کیا تو انہوں نے ان پر تاوان عائد کر دیا تھا۔ (341) حضرت عمرؓ کے بارے میں ابو بکر الکاسانی کے الفاظ ہیں۔

و روی ان عمر رضی الله عنه کان یضمن الاجیر المشترک احتیاطا لا موال الناس (342)

"اور روایت ہے کہ حضرت عمرؓ لوگوں کے مال کی حفاظت کے خیال سے احتیاطاً" اجیر مشترک سے تاوان لیتے تھے۔"

صاحب ہدایہ کہتے ہیں۔

"قیاساً" تو یہی بات درست ہے کہ ان سے ضمان نہ لیا جائے گا مگر صاحبین نے استحساناً" ضمان عائد کر دی ہے اور ان کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کی چیزیں اور اموال ضائع نہ ہونے پائیں۔" (343)

ہدایہ کے محشی اس پر اضافہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

فان الاجیر المشترک یقبل اعیانا کثیرة رغبة فی کثرة الاجر و قد یعجز عن قضاء حق الحفظ فیها فیضمن حتی لا یقصر فی حفظها و لا یاخذ الا بقدر ما یقدر علی حفظه (344)

"اجیر مشترک سے تاوان اس لئے لیا جائے گا کہ وہ لوگوں کا سامان زیادہ اجرت کی حرص کی وجہ سے لیتا چلا جاتا ہے حالانکہ اس کی حفاظت اس کے بس سے باہر ہو جاتی ہے تو تاوان کی وجہ سے وہ اتنا ہی سامان لے گا جتنے سامان کی وہ باقاعدہ حفاظت کر سکے۔"

فتاویٰ عالمگیری کے مولفین کا رجحان بھی اسی جانب ہے۔ اس میں لکھا ہے۔

و بقولهما یفتی الیوم لتغیر احوال الناس و به یحصل صیانة اموالهم کذا فی التبیین (345)

"آج کل صاحبین کے قول پر فتویٰ ہے۔ کیونکہ لوگوں کے حالات بدل گئے ہیں اور اس کے مال اسی طرح محفوظ رہ سکتے ہیں۔ جیسا کہ تبیین میں ہے۔"

اگر اجیر مشترک کو اجرت نہ دی جائے تو وہ اس کے حصول کے لئے سامان روک سکتا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں امام مالک کی رائے' امام ابو یوسف کی رائے سے بہتر ہے امام مالک کا نظریہ یہ ہے کہ ہر قسم کے اجیر کو خواہ اس کے عمل کا اثر اصل چیز پر پڑے یا نہ پڑے' یہ حق ہے کہ اگر اس کو اجرت کی ادائیگی نہیں کی گئی تو وہ اصل چیز کو روک لے۔ وہ فرماتے ہیں۔

لهم ان يحبسوا ما عملوا حتى يعطوا اجورهم(346)

"ان کو حق ہے کہ اجرت کی ادائیگی تک اصل کو روک لیں۔"

حقیقت یہ ہے کہ دور حاضر میں مزدوروں کے حقوق کا تحفظ اسی صورت میں ممکن ہے جب امام مالک کی رائے پر عمل کیا جائے۔ مجیب اللہ ندوی لکھتے ہیں۔

"عاجز کے نزدیک امام ابو حنیفہ اور ان کے تلامذہ کی رائے ایک اچھے معاشرے کے لئے اخلاقی حیثیت سے بالکل صحیح ہے مگر تمدنی اور معاشی نقطہ نگاہ سے امام مالک کی رائے زیادہ صحیح اور قابل عمل ہے اگر اجیروں کو یہ حق نہ دیا جائے تو ان پر بڑا ظلم ہوگا اور ان کی بڑی حق تلفی ہوگی۔ خاص طور سے آج کے حالات میں۔"(347)

دور حاضر میں امام ابو یوسف کی اس رائے پر عمل کرنا مشکل ہے کہ دینی علوم (قرآن' حدیث' فقہ) کی اجرت لینا جائز نہیں۔ کیونکہ اس دور میں علماء کو بیت المال سے باقاعدہ وظائف دیے جاتے تھے اور بعض حالات میں ان کے تلامذہ بھی معاشی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ان کی معاونت کرتے تھے۔ لیکن اس دور میں وہ علماء جو حکومت کی سرپرستی کے بغیر قرآن و حدیث کی تعلیم کے لئے اپنے آپ کو وقف کیے ہوئے ہیں' اگر ان کو اجرت نہ دی جائے تو وہ اپنی معاش کا بندوبست کس طرح کر سکیں گے؟ یہی وجہ ہے کہ متاخرین حنفیہ نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ صاحب "تبیین الحقائق" کی یہ رائے درست ہے کہ استحسان کی رو سے بھی یہ جائز ہونا چاہیے۔ ان کے الفاظ ہیں۔

والفتوى اليوم على جواز الاستئجار لتعليم القرآن و هو مذهب المتاخرين من مشايخ بلخ استحسنوا ذلك(348)

"اور آج فتویٰ قرآن کی تعلیم کی اجرت لینے کے جواز پر ہے اور یہی مذہب مشائخ بلخ میں سے متاخرین کا ہے۔ وہ اس کو اچھا سمجھتے ہیں۔"

چھوٹے بچوں کو مزدوری پر لگانے کے بارے میں امام ابو یوسف کی رائے بہتر نہیں۔ راقم کی رائے میں کم عمر بچوں کو مزدوری پر لگانا اخلاقی اور قانونی لحاظ سے درست نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد اور صحابہ کرام کا عمل ہماری راہنمائی کے لئے کافی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں۔

اہل مدینہ کا اس کے جواز پر اجماع ہے۔ اسی لیے امام مالک نے فرمایا ہے۔ لم يبلغني أن أحدا كره تعليم القرآن والكتابة بأجرة 349

مجھے قرآن حکیم کی تعلیم اور اس کی کتابت پر اجرت لینے کے بارے میں کسی سے کراہت (کا قول) نہیں ملا۔

للمملوک

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طعامہ و کسوتہ بالمعروف ولا یکلف من العمل الا ما یطیق (350)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مملوک کے لئے کھانا اور پہننا معروف طریقہ سے مہیا کیا جائے اور اس کو ایسے کام پر پابند نہ کیا جائے کہ وہ جس کی استطاعت نہ رکھتا ہو۔

موطا امام مالک میں حضرت عمرؓ کے بارے میں لکھا ہے۔

ان عمر بن الخطاب کان یذھب الی العوالی کل سبت فاذا وجد عبدا فی عمل لا یطیقہ وضع عنہ منہ (351)

"حضرت عمرؓ ہر ہفتہ کو اوپر کے علاقے میں جاتے اگر دیکھتے کہ کوئی غلام ایسے کام میں ہے جو اس کی استطاعت سے باہر ہے تو وہ اس سے روک دیتے۔"

بچوں سے مزدوری لینے کے بارے میں حضرت عثمان غنیؓ کے یہ الفاظ تو بالکل واضح ہیں۔ آپ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا۔

ولا تکلفوا الصغیر الکسب (352)

"اور بچوں سے کام نہ کرایا جائے"

حضرت عثمان غنیؓ کے اس ارشاد میں کسب سے مراد پیشہ ورانہ مزدوری ہے۔

نفقات واجبہ

نفقات واجبہ کے بارے میں امام ابو یوسف نے جو معاشی فکر پیش کیا ہے اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک مفلوک الحال اور نادار رشتہ داروں کی مالی کفالت ان کے مالدار رشتہ داروں پر لازم ہے۔ نفقۃ الاقارب کے بارے میں آپ کے فکر کی روشنی میں گداگری کا انسداد بھی کیا جا سکتا ہے۔

دور حاضر میں اگر امام ابو یوسف کے اس معاشی فکر پر عمل کیا جائے تو غریب خاندانوں کی کفالت کا انتظام بہتر طریقہ سے ہو سکتا ہے۔

امام ابو یوسف عورت کو یہ حق دیتے ہیں کہ وہ خاوند سے دو یا زائد خادموں کا نفقہ لے سکتی ہے۔ ابن عابدین نے لکھا ہے کہ اکثر مشائخ نے اس ضمن میں امام ابو یوسف کے قول کو اختیار کیا ہے۔ (353)

امام ابو یوسف غائب خاوند پر نفقہ واجب کرنے کے بارے میں قاضی کے اختیار کو تسلیم نہیں کرتے۔ ابو بکر الکاسانی اپنی کتاب بدائع الصنائع میں امام ابو یوسف کے قول کی تعریف کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

والصحیح قول ابی یوسف لان البینة علی اصل اصحابنا لا تسمع الا علی حصم حاصر و لا خصم فلا نسمع و ما ذکرہ زفر ان بینتها نقبل فی حق صحة الفرض غیر سدید لان صحة الفرض مبنیة علی ثبوت الزوجیة فاذا لم یکن الی اثبات الزوجیة بالبینة سبیل لعدم الخصم لم یصح فلا سبیل الی القبول فی حق صحة الفرض ضرورة هذا(354)

"صحیح بات وہی ہے جو امام ابو یوسف نے فرمائی ہے کیونکہ ہمارے اصحاب (احناف) کے اصول کے مطابق مدعی علیہ یا مدمقابل کے خلاف دلیل اسی وقت سنی جا سکتی ہے جب وہ حاضر ہو یہاں چونکہ مدمقابل موجود نہیں لہٰذا اس کے خلاف دلیل نہیں سنی جائے گی۔ امام زفر کا یہ کہنا کہ بینہ (دلائل) فرض (نفقہ مقرر کرنے) کی صحت کے حق میں سنی جائے گی صحیح نہیں کیونکہ فرض (نفقہ مقرر کرنے) کی صحت زوجیت کے ثبوت پر مبنی ہے۔ جب مدمقابل کی غیر حاضری کی وجہ سے اثبات زوجیت کی بینہ (گواہی) سننے کا جواز نہیں تو فرض کی صحت کی بینہ سننے کا جواز بھی ضرورۃً نہیں۔"

بیوی کے نان و نفقہ کا شوہر ذمہ دار ہے اس لئے اگر شوہر کے سفر کا اندیشہ ہو تو امام ابو یوسف نے بربنائے استحسان عورت کو یہ حق دیا ہے کہ وہ ایک مہینہ کے نفقہ کے لئے شوہر سے سفر سے پہلے ہی کوئی کفیل مقرر کرالے۔ ابن عابدین کہتے ہیں کہ امام ابو یوسف کے اس قول پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ ان کے الفاظ ہیں "وعلیہ الفتوی" (355) محمد جعفر ابوبکانی نے بھی لکھا ہے کہ فتویٰ ابو یوسف کے قول پر ہے۔ (356)

منفق (خرچ کرنے والے) کے بارے میں دولت مندی کی حد کے سلسلہ میں امام ابو یوسف کے قول پر ہی فتویٰ دیا جاتا ہے۔ (357) ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن لکھتے ہیں۔

"فتویٰ امام ابو یوسف کے قول پر ہے چنانچہ آدمی کی بنیادی ضروریات سے اتنا مال زائد ہو جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہو تو اس پر اپنے ذی رحم رشتہ داروں کا نفقہ واجب ہوگا۔" (358)

حجر

سفیہ (بیوقوف) پر حجر کرنے کے بارے میں امام ابو یوسف نے جو رائے پیش کی ہے وہ عقلی و نقلی دلائل کی روشنی میں زیادہ قرین صواب ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس مسئلہ میں ابو یوسف کا نظریہ عمل و تجربہ پر مبنی اور اجتماعی معاملات میں لوگوں کے عادات و اطوار کے مطابق ہے کیونکہ سفیہ اور بیوقوف کمزور ارادے کا مالک ہوتا ہے۔ اس لئے اس کو تصرف سے روکنے میں دراصل اس کی خیر خواہی اور اس کے جان و مال دونوں کی حفاظت ہے۔ اگر اس کے مالی تصرفات پر پابندی

عائد نہ کی جائے تو وہ جلد ہی اپنی دولت سے محروم ہو جائے گا اور آخر کار گداگری اختیار کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔

فضول خرچ' لاپرواہ' اور بے عقل شخص کو اس کی ملکیت میں تصرف سے روک دیا جائے تو اس سے اسلامی معاشرہ بھی نقصان سے محفوظ ہو جاتا ہے کیونکہ اگر یہ اپنی دولت کا غلط استعمال کرے گا تو اس سے معاشرے پر بھی برے اثرات پڑتے ہیں۔ ابن جریر طبری نے قرآن حکیم کی آیت "و لا تو توا السفہاء اموالکم" کی تفسیر میں مفسرین کے اقوال نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ہمارے نزدیک صحیح و صواب یہ ہے کہ یہ آیت ہر سفیہ کے حق میں عام حکم دیتی ہے کہ ان کو تصرفات میں پابند رکھا جائے' خواہ وہ بالغ ہو یا نابالغ' مرد ہو یا عورت' سفیہ اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنے مال کو ضائع کرے یا اس کو فساد کا ذریعہ بنائے اور صحیح تدبیر کے ساتھ تصرف نہ کر سکے۔ (359)

ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی (م 510ھ / 1117ء) نے لکھا ہے کہ سفیہ کی بندش اختیار پر تمام صحابہ متفق تھے۔ (360) محمد بن ابراہیم' ابن المنذر (م 318ھ / 930ء) کے الفاظ ہیں۔

و اجمعوا علی ان الحجر یجب علی کل مضیع لما له من صغیر و کبیر (361)

ابوالبرکات احمد بن محمد الدردیر (م 1201ھ / 1786ء) اپنی کتاب الشرح الصغیر علی اقرب المسالک الی مذهب الامام مالک میں لکھتے ہیں کہ حجر کے سات اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہے کہ ایک عاقل و بالغ آدمی اپنے مال کو غیر شرعی مصارف میں خرچ کرے۔ (362)

امام بخاری نے اپنی کتاب صحیح البخاری میں ایک باب کا عنوان یہ لکھا ہے۔

باب ما ینهی عن اضاعة المال و قول الله تعالٰی و الله لا یحب الفساد' و لا یصلح عمل المفسدین و قال اصلوتک تامرک ان نترک ما یعبد اباونا او ان نفعل فی اموالنا مانشوا ا، و قال و لا تو توا السفهاء اموالکم و الحجر فی ذلک و ما ینهی عن الخداع (363)

"مال ضائع کرنے کی ممانعت اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ "اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا" (اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ) اور مفسدین کے کام نہیں بناتا" اور (اللہ نے) فرمایا' (انہوں نے کہا اے شعیب) کیا تمہاری نماز تمہیں یہ سکھاتی ہے کہ جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے آئے ہیں ہم ان کو چھوڑ دیں یا اپنے اموال میں جو تصرف کرنا چاہیں نہ کریں۔ اور (اللہ نے) ارشاد فرمایا "اور کم عقلوں کو اپنے اموال نہ دو۔" اور اس کی وجہ سے پابندی اور دھوکے کی ممانعت"

ابن ہمام "فتح القدیر" میں لکھتے ہیں۔

وھو الصحیح عند المحققین (364)

اسی طرح قرض خواہوں کے مطالبہ پر مفلس قرض دار یا ادائیگی قرض میں ٹال مٹول کرنے والے کو بھی تصرف سے روک دینا مبنی بر حکمت اور عدل کے تقاضوں کے مطابق ہے۔ اگر ایک آدمی قرضہ کی ادائیگی سے انکار کرتا ہے تو وہ ظالم ہے اور قاضی کا کام ہے کہ وہ ظلم دور کرنے کے لئے انصاف کرے اور یہ اس صورت ہی ہو گا جب مقروض کے مال کو فروخت کر کے قرض واپس لیا جائے گا۔

قرضہ کی ادائیگی کے لئے مقروض کے مال کو فروخت کرنے کی شریعت میں گنجائش موجود ہے۔ بعض ایسے آثار ملتے ہیں جن سے ابو یوسف کے موقف کو تقویت ملتی ہے۔ مثلاً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ کا قرض ادا کرنے کے لئے ان کا مال فروخت کر دیا تھا اور اس کی قیمت قرض خواہوں کے قرض کے مطابق ان میں بانٹ دی تھی۔ (365)

حضرت عمرؓ نے اسیفع جہینہ کا مال ان کے قرض کی ادائیگی کے لئے فروخت کر دیا تھا۔ (366)

نرخ کی تعیین

نرخ کی تعیین کے بارے میں امام ابو یوسف کے معاشی نظریے پر تنقید کرتے ہوئے ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی رقم طراز ہیں۔

> "چونکہ غلہ کے نرخ کا مسئلہ محض ضمناً سامنے آیا تھا لہذا ابو یوسف نے اس پر مزید بحث نہیں کی ہے۔ نہ انہوں نے اس کا گہرا تجزیہ کیا ہے۔ انہوں نے رسد کے بالمقابل طلب کے حالات کی طرف توجہ کی ہے۔ نہ آمدنیوں میں کمی بیشی یا معاشرے میں مقدار زر کی کمی بیشی اور نرخ کے درمیان کوئی ربط تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن یہ بات یہ نتیجہ اخذ کرنے کے لئے کافی نہیں کہ ان عوامل پر ان کی نظر نہیں ہے اس کی دلیل علاوہ اس بات کے کہ ان کا اصل موضوع نرخ کے تعین کا مسئلہ نہیں ہے' یہ ہے کہ انہوں نے اس ضمن میں احتکار کرنے والوں کی سرگرمیوں کا بھی کوئی ذکر نہیں کیا ہے جبکہ وہ اور ان سے پہلے کے فقہاء اس بات سے اچھی طرح واقف تھے کہ احتکار کے نتیجہ میں نرخ گراں ہو جاتا ہے۔ مزید برآں ان سطروں سے ذرا پہلے یہ خیال ظاہر کرتے وقت کہ متعین نقد رقم کی شکل میں زرعی محصول وصول کرنا خلاف عدل ہے' وہ یہ بھی کہہ چکے ہیں کہ اس سلسلے میں چند دوسرے عوامل کو بھی دخل حاصل ہے۔"

ان باتوں کے پیش نظر' اور بیان کو سامنے رکھتے ہوئے کہ "نہیں معلوم کہ یہ کس طرح طے پاتا ہے" ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ ان کے نزدیک نرخ کا انحصار صرف اس کی رسد پر نہیں' وہ اس سلسلے میں بعض دوسرے عوامل کو بھی

دخیل سمجھتے ہیں۔ مگر ان عوامل کا احاطہ نہیں کر سکے ہیں۔ اس رائے کو تجزیاتی اعتبار سے بہت وقیع نہیں قرار دیا جا سکتا لیکن ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ امام ابو یوسف کو اس باب میں نہ تو اپنے علمی ماخذ سے کوئی واضح رہنمائی ملی تھی' نہ وہ ارسطو کے تجزیے سے باخبر تھے (جو خود ناقص تھا اور رسد و طلب کے تعامل پر مبنی تعیین نرخ کا نظریہ نہیں پیش کر سکا تھا۔ بحوالہ شمپیٹر = 60) رسد اور طلب کے باہمی تعامل سے نرخ کی تعیین کا نظریہ امام ابو یوسف کے صدیوں بعد باقاعدہ شکل اختیار کر سکا۔ خود مسلمان مفکرین میں ان کے بعد آنے والے علماء مثلاً ابن تیمیہ (367) اور ابن خلدون (368) کے یہاں ہمیں ان سے بہتر تجزیہ ملتا ہے۔ (369)

مسئلہ سود

دار الحرب میں سود کے لین دین کے بارے میں امام ابو یوسف کا نظریہ قرآن و سنت کی قطعی اور عام نصوص کے مطابق ہے۔ قرآن حکیم کی آٹھ آیات اور چالیس سے زائد احادیث میں سود کی حرمت بیان ہوئی ہے اور سودی کاروبار کرنے والوں کے لئے شدید وعید کا ذکر ہوا ہے۔ خود امام ابو حنیفہ نے لا تاکلوا الربوا والی آیت کو قرآن کی سب سے زیادہ خوفناک آیت فرمایا ہے' جیسا کہ صاحب مدارک التنزیل' عبداللہ بن احمد النسفی (م 710ھ / 1310ء) نے لکھا ہے کہ:

> کان ابو حنیفۃ رضی اللہ عنہ یقول = ھی اخوف آیۃ فی القرآن حیث اوعد اللہ المومنین بالنار المعدۃ للکافرین ان لم یتقوہ فی اجتناب محارمہ (370)
>
> "(امام) ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔ یہ اس لحاظ سے قرآن کی خوفناک ترین آیت ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اس آگ سے ڈرایا ہے جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ اگر انہوں نے اس کی حرام کی ہوئی چیزوں کو چھوڑنے میں پرہیز نہ کی۔"

حرمت ربو کی تمام آیات اور احادیث عام ہیں۔ سودی معاملات چاہے دار الاسلام میں کئے جائیں یا دار الحرب اور دار الکفر میں اور مسلمان چاہے دار الاسلام میں سود لے یا دار الحرب میں' ہر جگہ اس کے لئے سودی معاملہ کرنا ناجائز ہے۔ یہ اس لئے کہ بحیثیت مسلمان ہر جگہ وہ احکام اسلام کا پابند ہے۔ امام سرخسی لکھتے ہیں۔

> ان المسلم من اھل دار الاسلام فھو ممنوع من الربا بحکم الاسلام حیث کان (371)
>
> "یہ کہ دار الاسلام کے مسلمان کو اسلام کے حکم کی بناء پر سود سے منع کیا گیا ہے۔ چاہے جہاں بھی رہے۔"

ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں۔

و یحرم الربا فی دار الحرب کتحریمه فی دار الاسلام (372)

"سود دار الحرب میں بھی اسی طرح حرام ہے جس طرح دار الاسلام میں حرام ہے۔"

امام ابو حنیفہ اور امام محمد نے جس حدیث (لا ربو بین المسلم والحربی فی دار الحرب) سے استدلال کرتے ہوئے دار الحرب میں سودی کاروبار کی اجازت دی ہے۔ وہ متقدمین و متاخرین محدثین کے نزدیک ثابت نہیں۔ ابن حجر عسقلانی نے اپنی کتاب "الدرایة فی تخریج احادیث الهدایة" میں لکھا ہے۔

حدیث = لا ربا بین المسلم والحربی فی دار الحرب لم اجده (373)

"مسلمان اور حربی کے درمیان دار الحرب میں سود نہیں" اس حدیث کو میں نے نہیں دیکھا۔

بدر الدین العینی (م 855ھ / 1451ء) لکھتے ہیں۔

هذا حدیث غریب لیس له اصل مسند (374)

اس حدیث کی سند متصل نہیں ہے بلکہ یہ مرسل ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو روایت کرنے والے حضرت مکحول ہیں جو تابعی ہیں صحابی نہیں۔ اسی بناء پر امام شافعی نے لکھا ہے۔

و هذا الحدیث لیس بثابت فلا حجة فیه (375)

"یہ حدیث ثابت نہیں ہے اس لئے حجت نہیں بن سکتی۔"

ابو محمد عبد اللہ الزیلعی بالعموم ہدایہ میں نقل کردہ احادیث کا ماخذ بیان کرتے ہیں لیکن اس حدیث کو انہوں نے بھی غریب کہنے کے بعد امام شافعی کا مندرجہ بالا قول نقل کیا ہے اور اس کی تردید نہیں کی۔ (376) ابن قدامہ لکھتے ہیں۔

مجهول لم یرد فی صحیح و لا مسند و لا کتاب موثوق به و هو مع ذلک مرسل (377)

"یہ غیر معروف روایت ہے جو کسی صحیح اور متصل سند کے ساتھ نقل نہیں ہوئی اور نہ کسی معتمد کتب میں نقل ہوئی ہے اور مرسل بھی ہے۔"

اگر اس روایت کو ثابت تسلیم کر بھی لیا جائے تو پھر بھی "لا ربا" میں "لا" کو بمعنی نہی و ممانعت لیا جا سکتا ہے جیساکہ نصوص شرعیہ میں بکثرت وارد ہے مثلاً فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ (378) میں نفی نہی کے معنوں میں ہے اس صورت میں مفہوم یہ ہوگا کہ دار الحرب میں بھی حربی اور مسلمان کے درمیان سود حرام اور ممنوع ہے۔ اسی کو یحییٰ بن شرف النووی نے لکھا ہے کہ حدیث کے معنی ہیں "لا یباح الربا فی دار الحرب (379) (دار الحرب میں ربا جائز نہیں)

امام ابو یوسف کی رائے اس لئے بھی قوی ہے کہ قرآن کی نص قطعی پر خبر واحد کے ساتھ اضافہ نہیں کیا جا سکتا۔
ابن الہمام "فتح القدیر" میں لکھتے ہیں۔

و هذا لا يفيد لعارضة اطلاق النصوص الا بعد ثبوت حجية حديث مكحول و قد يقال لو سلم حجيته فالزيادة بخبر الوحد لا تجوز و اثبات قيد زائد على المطلق من نحو لا تاكلوا الربا و نحوه هو الزيادة فلا يجوز (380)

"اور یہ (قرآن) کی نصوص کے ساتھ مقابلہ کرنا مفید نہیں ہے ہاں اگر (حضرت) مکحول کی حدیث کی حجیت ثابت ہو جائے۔ اور کبھی یوں بھی کہا جاتا ہے کہ اگرچہ اس کی حجیت ثابت ہو جائے پھر بھی خبر واحد کے ساتھ اس پر اضافہ کرنا جائز نہیں۔ مطلق آیات "سود نہ کھاؤ اور اس طرح کی دوسری آیات پر زائد قید کا اضافہ کرنا' یہ ایسا اضافہ ہے جو جائز نہیں۔"

امام ابو یوسف کے نزدیک معاوضہ مال جہاں کہیں ہو' جب اس کا کوئی ایک فریق مسلمان ہو' اس میں اضافہ کی شرط سے ربو کا تحقق ہو جائے گا لیکن امام ابو حنیفہ اور امام محمد اس میں ایک اور شرط کا بھی اعتبار کرتے ہیں وہ یہ کہ دونوں فریق کا مال "مال معصوم" ہونا چاہیے۔ اگر کسی ایک کا مال معصوم نہیں ہے تو اس میں ربو کا وجود نہ ہو گا' اگرچہ صورۃ" ربو محسوس ہو۔

امام ابو یوسف کے نزدیک دار الحرب میں حربی سے سود لینا' سود ہی ہے اس لئے جائز نہیں ہے۔ ان کی اس دلیل میں کافی وزن ہے کہ حربی کا مال اگرچہ مباح ہے لیکن مسلمان کے حق عقد ربو' حرام ہے خواہ کہیں بھی ہو اور کسی کے ساتھ ہو۔ یہ درست ہے کہ دار الحرب میں حربی سے ربوی معاملہ کے ذریعے حاصل کیا ہوا مال اس کی رضامندی سے لیا گیا ہے مگر دیکھنا چاہیے کہ یہ تحصیل مال عقد ربا کی وجہ سے ہے۔ ظاہر ہے کہ کافر حربی اپنا مال جو مسلمان کے حوالے کر رہا ہے' وہ اس لئے ہے کہ دونوں کے درمیان لین دین کا ایک معاملہ ہو رہا ہے' وہ اسی لین دین پر رضامند ہے' اس کی رضا اس کے علاوہ اور کسی بنیاد پر نہیں ہے' کیا وہ یہ سمجھ رہا ہے کہ اس کا مال مسلمان کے لئے مباح ہے' اور وہ اسے لے سکتا ہے۔ جب یہ بات نہیں ہے تو یہ تاویل کہ مسلمان اس کی رضامندی سے مال مباح پر قبضہ کر رہا ہے تاویل بعید ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ عقد ربوٰی ہے جو کہ ناجائز ہے۔
ابو بکر السرخسی لکھتے ہیں۔

والمعنى فيه ان المسلم من اهل دار الاسلام فهو ممنوع من الربا بحكم الاسلام حيث كان و لا يجوز ان يحمل فعله على اخذ مال الكافر بطيبة

نفسه لانه قد اخذه بحكم العقد ولان الكافر غير راض باخذ هذا المال منه الا بطريق العقد منه و لو جاز هذا فی دار الحرب لجاز مثله فی دار الاسلام بين المسلمين على ان يجعل الدرهم بالدرهم والدرهم الاخر هبة(381)

"وجہ یہ ہے کہ دارالاسلام کا مسلمان ربو سے ممنوع ہے بحکم اسلام اور یہ جائز نہیں ہے کہ اس کے اس معاملہ کو اس پر محمول کیا جائے کہ اس نے کافر کا مال اس کی رضا سے لیا ہے کیونکہ اس نے یہ بحکم عقد لیا ہے اور اس لئے کہ کافر کی رضا اس مال کے دینے پر بحکم عقد ہی ہوئی ہے' اور اگر یہ دارالحرب میں جائز ہو' تو اس جیسا معاملہ دارالاسلام میں بھی جائز ہونا چاہیے کہ ایک درہم ایک درہم کے عوض میں ہو اور دوسرا درہم ہبہ سمجھ لیا جائے"

امام اوزاعی بھی دارالحرب میں سود کو حرام قرار دیتے ہیں۔ (382) اجراء عمل کے لحاظ سے امام ابو یوسف کا مسلک احوط ہے کہ اس سے بہت سے مفاسد سے حفاظت رہتی ہے۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سود کی حرمت کا اعلان فرمایا اس وقت حضرت عباس بن عبدالمطلب اور دوسرے مسلمانوں کے سودی کاروبار کا بڑا حصہ کافروں سے متعلق تھا مگر ہر قسم کے سود یک قلم منسوخ کر دیئے گئے اور ایسا کوئی فرق روا نہیں رکھا گیا۔ اگر دارالحرب میں سودی معاملات جائز ہوتے اور دارالحرب کے حربی سے مسلمانوں کے لئے سود لینا جائز ہوتا تو آپ کبھی بھی مسلمانوں کے ان سودی بقایاجات کے خاتمہ کا اعلان نہ فرماتے جو غیر مسلموں سے متعلق تھے۔ قرآن حکیم میں مسلمانوں سے کہا گیا ہے۔ "وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ" (383) (اور جو کچھ سود کا بقایا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم ایمان والے ہو) یعنی اس آیت میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ بقایا سود چھوڑ دیں' چاہے وہ غیر مسلموں کے ذمہ ہو یا مسلمانوں کے۔

امام ابو یوسف نے جرمانہ کے بارے میں دیگر ائمہ احناف سے اختلاف کرتے ہوئے جو موقف اختیار کیا ہے وہ عقلی و نقلی دلائل کی روشنی میں زیادہ قوی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ موجودہ زمانے میں مالی سزا کے بغیر معاشرہ کی اصلاح بعض حالات میں مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ مالی سزا کا مقصد انفرادی اور اجتماعی مصالح کا تحفظ اور ضرر کا ازالہ ہوتا ہے۔ تعزیر بالمال سنت سے ثابت ہے۔ ابن تیمیہ کے الفاظ ہیں۔

دلت عليه سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم(384)

"سنت سے مالی تعزیر کا جائز ہونا ثابت ہے۔"

صحیح رائے یہی ہے کہ مالی جرمانہ منسوخ نہیں۔ تعزیر بالمال کے بارے میں نسخ کا دعوی کرنے والوں کے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے۔ محقق محمد بن ابی بکر ابن قیم (م 751ھ / 1350ء) نے عہد نبوت اور دور خلافت کے پندرہ واقعات

اپنی تالیف "الطرق الحکمیۃ" میں درج کئے ہیں جن سے تحقیقی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ مالی جرمانہ جائز ہے۔
(385)

یہ اعتراض کہ مالی جرمانہ کی صورت میں ظالم حکمرانوں کو اس بات کا موقع مل جائے گا کہ وہ عوام الناس کا مال ناحق طور پر چھین لیں، اس کا جواب دیتے ہوئے عبدالقادر عودہ (م 1374ھ / 1954ء) نے بجا طور پر لکھا ہے۔

و فی عصرنا الحاضر حیث نظمت شؤن الدولۃ و روقبت اموالھا و حیث تقرر الھیئۃ التشریعیۃ الحد الادنی والحد الاعلی للغرامۃ و حیث ترک توقیع العقوبات للمحاکم، لم یعد ھناک محل للخوف من مصادرۃ اموال الناس بالباطل و بذلک یسقط احد الاعتراضات التی اعترض بھا علی الغرامۃ (386)

"ہمارے زمانہ میں جبکہ امور مملکت کو باقاعدہ منضبط کیا جا چکا ہے اور اس کے اموال کی باقاعدہ نگرانی اور جانچ ہوتی ہے اور اس شکل میں جبکہ مجلس قانون ساز جرمانہ کی کم سے کم اور زیادہ سے مقدار مقرر کردے اور ان سزاؤں کے دینے کا اختیار صرف عدالتوں کو دیا جائے تو اس بات کا کوئی اندیشہ باقی نہ رہے گا کہ (ان سزاؤں کی آڑ لے کر) عوام کے مال ناحق ضبط کئے جا سکیں۔"

البتہ امام ابو یوسف کے معاشی فکر میں یہ خامی ہے کہ آپ کہتے ہیں کہ مجرم کے تائب ہونے کے بعد جرمانہ کی رقم اس کو واپس کر دی جائے۔ اس سے مالی جرمانہ کا اصل مقصد حاصل نہیں ہو سکتا کیونکہ مجرم کو جب یہ معلوم ہو گا کہ اس کی رقم ایک نہ ایک دن ضرور واپس مل جائے گی تو اس جرمانہ کا اس پر کوئی اثر مرتب نہیں ہو گا وہ ایسے ہی خیال کرے گا کہ اس کو سزا ہی نہیں دی گئی۔ راقم الحروف کی رائے یہ ہے کہ اگر یہ رقم مجرم کو واپس کرنے کے بجائے معاشرہ کے غریب و نادار طبقہ کی معاشی فلاح و بہبود کے لئے خرچ کی جائے تو زیادہ مناسب ہو گا۔

وراثت

قانون وراثت کے بارے میں امام ابو یوسف کے معاشی افکار کی اہمیت و افادیت نمایاں ہے۔ ذوی الارحام کے مسئلہ میں آپ کی رائے بہت آسان ہے۔ اس کے برعکس امام محمد کی رائے پیچیدہ ہے۔

متاخرین حنفیہ نے امام ابو یوسف کی اس رائے پر فتویٰ دیا ہے کہ میت کے دادا کی موجودگی میں بھائی بہن بھی وارث ہوتے ہیں اور دادا کو مثل ایک بھائی کے شریک کیا جائے گا۔ ڈاکٹر تنزیل الرحمن' امام ابو یوسف کی رائے کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> "حنفیہ میں ایک طویل زمانہ تک امام صاحب کے قول پر فتویٰ دیا جاتا رہا ہے لیکن ماضی قریب میں امام ابو یوسف کے قول کو اختیار کر لیا گیا ہے اور مصر وغیرہ میں بھی اس کے مطابق قانون سازی کی گئی ہے۔ موجودہ زمانے میں جبکہ مال کی حرص میں ایک وارث' دوسرے وارث کو' جس کا وارث ہونا کتاب و سنت سے مسلم ہے' محروم کرنے کی کوشش و سعی میں لگ جاتا ہے تو ان ورثاء کو جنہیں صحابہ کرام کے ایک گروہ اور اکثر مذاہب فقہ میں بعض صورتوں میں وارث تسلیم کیا گیا ہے' ان صورتوں کے تحت' وارث تسلیم کرنا اور ان کو حصہ دینا' دینی مصالح کے قریب تر ہو گا۔" (387)

حمل کے لئے ترکہ کی مقدار کے بارے میں بھی امام ابو یوسف کی رائے پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ (388) ابو بکر السرخسی' ابو یوسف کے قول کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> هو الاصح و عليه الفتوى ـ فان النادر لا يعارض الظاهر' والعام الغالب ان المرأة لا تلد فى بطن واحد الا واحدا (389)
>
> "وہ صحیح ترین (قول) ہے اور فتویٰ اسی پر ہے۔ اس لئے کہ کم ہی ایسا ہوتا ہے کہ ظاہر کے خلاف ہو۔ عام غالب امکان یہ ہے کہ عورت ایک حمل میں ایک ہی بچہ جنتی ہے۔"

ترکہ میں خنثی مشکل کے حصہ کے بارے میں ابو یوسف کی رائے پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ (390)

ابو یوسف کے معاشی فکر کے خصائص

ابو یوسف کے معاشی فکر کے خصائص درج ذیل ہیں۔

(1) سہولت و آسانی

ایک معاصر معاشیات کی حیثیت سے امام ابو یوسف کا ایک اہم اور نمایاں کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے معاملات میں

زیادہ سے زیادہ آسانیاں پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ اس حقیقت کو ثابت کرنے میں کافی حد تک کامیاب رہے ہیں کہ شریعت اسلامیہ ہر دور اور ہر ملک میں ترقی اور تمدن کی ضرورتوں کو ساتھ لے کر چلتی ہے نہ کہ خود اس کو ان کا تابع بننا پڑتا ہے۔

مشکل اور دقیق معاشی مسائل کا صحیح اندازہ وہی شخص کر سکتا ہے جس کو ان مسائل کا عملی تجربہ اور براہ راست سامنا کرنا پڑے۔ آپ ایک اہم عہدہ پر فائز تھے اور انسانی دشواریوں سے خوب آگاہ تھے اس لئے انہوں نے جہاں تک ہو سکا ان میں گنجائش اور سہولت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ تاکہ معاملات و مسائل صحیح شکل میں انجام پا سکیں اور باہمی جھگڑوں کا آسانی سے تصفیہ ہو سکے۔ اور مشقت و تنگی بھی باقی نہ رہے۔

آپ صرف تخیل کی بنا پر نظریہ سازی نہیں کرتے بلکہ عملی تجربوں سے فائدہ اٹھا کر اصول کا استخراج کرتے ہیں۔ وہ مسائل جن کا تعلق جائیداد کی تقسیم و انتقال سے ہوتا ہے' ان کی رائے مستند اور واجب العمل سمجھی جاتی ہے۔ ابن عابدین لکھتے ہیں۔

الفتوی علی قول ابی یوسف فیما یتعلق بالقضاء۔ ای لحصول زیادة العلم له به التجربة(391)

"وہ معاملات جو قضاء سے متعلق ہیں ان کا زیادہ علم اور تجربہ ہونے کی وجہ سے فتویٰ ابو یوسف کے قول پر ہے۔"

(2) انفرادی اور اجتماعی دونوں پہلوؤں پر نظر

آپ کے معاشی افکار کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ انفرادی اور اجتماعی دونوں پہلوؤں پر نظر رکھتے ہیں۔ مثلاً جب وہ کم عقل یا مقروض پر حجر کی حمایت کرتے ہیں تو اس سے ان کا مقصد انسان کو انفرادی طور پر اور پورے معاشرے کو اجتماعی طور پر نقصان سے محفوظ رکھنا ہے۔

(3) اجتماعی مفاد زیادہ عزیز ہے

ابو یوسف اجتماعی مفاد کو ترجیح دیتے ہیں۔ آپ نے شام و عراق کے مفتوحہ علاقوں کی ملکیت کے بارے میں حضرت عمر کی رائے کو اس لئے پسند کیا کہ اگر ان زمینوں کو قانون غنیمت کے مطابق جو سورہ انفال کی آیت 41 میں بیان ہوا ہے' مجاہدین میں تقسیم کر دیا جاتا تو اس طرح زیادہ اراضی (Lands) انفرادی جاگیروں کی شکل اختیار کر جاتیں اور ان کے کاشتکار شخصی غلام بن جاتے۔ اور اس کے نتیجے میں کثیر آبادی کا استحصال ہوتا' چند لوگوں کو تو اس سے فائدہ پہنچتا لیکن اجتماعی مفادات کو ٹھیس پہنچتی۔ ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی لکھتے ہیں۔

"قاضی صاحب کو رعایا کا مجموعی مفاد' ان کی اجتماعی قوت اور ان کی آئندہ نسلوں کی بہبود بہت عزیز

ہے۔ وہ متبادل طریقوں میں ہمیشہ اس طریقہ کو اختیار کرنے کی ترغیب دیتے ہیں جو مسلمانوں کے لئے زیادہ مفید اور رعایا کے لئے زیادہ خوش آئند ہو۔ اس بارے میں ان کے نقطہ نظر کو ان کے اس تبصرہ کے مطالعہ سے سمجھا جاسکتا ہے۔ جو انہوں نے عراق و شام کی زمینوں کے بارے میں حضرت عمرؓ کے تاریخی فیصلہ کی روئیداد کو نقل کرنے کے بعد کیا ہے۔(392)

وقف اور اجیر مشترک پر تاوان کے مسئلہ میں بھی آپ نے معاشرہ کے اجتماعی مفاد کو پیش نظر رکھا ہے۔

(4) خوشحالی معاشیات کا تصور

معاشی مسائل (Economic Problems) کا مطالعہ کرنے کے لئے دو نقطہ ہائے نظر دیئے جاتے ہیں۔ ایک یہ کہ واقعات کا مطالعہ اسی طور پر کیا جائے جس طرح وہ نظر آتے ہیں اسے ایجابی نقطہ نظر (Positive) کہتے ہیں۔ دوسرا یہ کہ واقعات کا مطالعہ اس طرح کیا جائے کہ انہیں کیا ہونا چاہیے اسے معیاری نقطہ نظر (Normative) کہتے ہیں۔ اس میں حالات و واقعات کو ایک خاص زاویہ نگاہ سے پرکھا جاتا ہے اور یہ فیصلہ کیا جاتا ہے کہ انہیں یوں ہونا چاہیے۔ اس کی اہم شکل خوشحالی معاشیات (Welfare Economic) ہے۔ امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں جس طرح معاشی مسائل کا حل پیش کیا ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ

آپ خوشحالی معاشیات (Welfare Economics) کے علمبردار ہیں۔

باب "ابو یوسف کے معاشی افکار" میں راقم نے تفصیل سے یہ بتایا ہے کہ آپ کو انسانوں کی مادی فلاح و بہبود کس قدر عزیز ہے۔ وہ اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ معاشی خوشحالی کے لئے حکومت کیا کردار ادا کر سکتی ہے؟ ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی لکھتے ہیں۔

> "اس طرح انہوں نے تفصیل کے ساتھ یہ بتایا ہے کہ حکومت کی آمدنی کن مدات پر صرف کی جانی چاہیے کن لوگوں کے ذریعے صرف کرائی جانی چاہیے۔ ان مصارف کی نگرانی اور اس بات کا اہتمام کہ جس کام پر مال صرف کیا جائے وہ ٹھیک طور پر انجام پائے' کس طرح کیا جانا چاہیے۔ ان اخراجات میں وہ جہاں فوجیوں کی تنخواہوں اور سرحدوں کے استحکام کو شامل کرتے ہیں وہاں زرعی معیشت کو ترقی دینے والی اسکیموں کا بھی ذکر کرتے ہیں جگہ کی قلت کے باعث ہم زکوٰۃ و عشر سے ہونے والی آمدنی اور اس کے مصارف کے سلسلے میں امام ابو یوسف کے مشوروں کا جائزہ نہیں لے سکے ہیں۔ ان کے ان مشوروں کے مطالعے سے ہماری اس رائے کو مزید سند ملتی ہے کہ وہ حکومت کے اخراجات کو فلاح عامہ کے حصول کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ ریاست کی ذمہ داریوں کے بارے میں ان کا تصور فلاحی ریاست کا تصور ہے اور ان کا تصور فلاح ایک جامع تصور ہے۔ جس طرح عوام کی

مادی اور معاشی بہبود' ان کو ظلم وجور سے بچانا اور آزادی کے ساتھ باعزت زندگی بسر کرنے کے مواقع فراہم کرنا شامل ہے۔ اسی طرح ان کی اخلاقی تعمیر اور روحانی تطہیر کا اہتمام بھی شامل ہے۔
(393)

(5) حقوق کی بذریعہ کفالت توثیق

امام ابو یوسف کے معاشی افکار کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ مختلف لوگوں کے حقوق کی بذریعہ کفالت توثیق کا اہتمام بھی کرتے ہیں۔ مثلاً بیوی کے نان و نفقہ کا ذمہ دار شوہر ہے۔ اس لئے اگر شوہر کے سفر کا اندیشہ ہو تو ابو یوسف نے عورت کو یہ حق دیا ہے کہ وہ ایک مہینہ کے نفقہ کے لئے شوہر سے سفر سے پہلے ہی کوئی کفیل مقرر کرا لے۔(394)

اسی طرح اگر ورثاء کے درمیان کوئی ایسا وارث ہو جو ماں کے پیٹ میں ہو اور وہ اس کی ولادت سے پہلے ہی ترکہ تقسیم کرلینا چاہتے ہوں تو ابو یوسف ایک لڑکے کا حصہ روک رکھنے کے علاوہ مزید یہ شرط بھی عائد کرتے ہیں کہ ان لوگوں کو ایک ایسا کفیل بھی مقرر کرنا پڑے گا جو کئی بچے پیدا ہونے کی صورت میں ان کے حصوں کا ضامن بن سکے۔(395)

(6) معاملات کی گہرائی کا شعور

آپ معاملات کی گہرائی اور سوسائٹی کی ضروریات کو بہت حد تک دیکھتے تھے۔ بیوقوف شخص پر حجر کرنے کے بارے میں ابو یوسف نے جو رائے پیش کی ہے وہ اجتماعی معاملات میں لوگوں کے عادات و اطوار کے مطابق ہے۔
آپ کے لطیف فتووں میں سے ایک وہ بھی ہے جو شارع عام میں کنواں کھودنے کے متعلق ہے۔ اگر کسی پتھر سے ٹھوکر کھا کر کوئی شخص اس کنوئیں میں گر پڑے تو پتھر رکھنے والے کو تاوان دینا پڑے گا۔ گویا اس نے اس کو گرایا ہے' لیکن اگر پتھر رکھنے والے کا پتہ نہ چل سکے تو کنوئیں والے پر تاوان عائد ہو گا۔(396)
اگر کوئی شخص حکومت کی اجازت کے بغیر کسی مزدور کے ذریعے مسلمانوں کے عام راستے میں کنواں کھدوائے' اور کوئی آدمی اس میں گر کر ہلاک ہو جائے تو قیاس کی رو سے اس کی ضمان مزدور کے سر ہونی چاہیے۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ ہم نے اس مسئلہ میں قیاس کو اختیار نہیں کیا۔ کیونکہ جب اس کنوئیں کی تعمیر پر زیادہ عرصہ گزر جاتا ہے تو مزدوروں کا پتہ نہیں ملتا۔ اس لئے مرنے والے کی ضمان مستاجر کے عاقلہ کے ذمہ ہو گی۔(397)

(7) مقاصد کی بلندی

مصارف زکوٰۃ پر آپ کی بحث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک زکوٰۃ کی اصل غرض وغایت معاشرہ سے غربت و افلاس کا خاتمہ کرنا ہے۔ آپ کے نزدیک زکوٰۃ کا مقصد یہ ہرگز نہیں کہ ہر سال امراء' غرباء کو خیرات کے طور پر

کچھ رقم دے دیں بلکہ وہ کہتے ہیں کہ انہیں اتنی زکوٰۃ دی جائے جس سے متوسط معیار زندگی (Quality of life) کے لوازمات پورے ہو سکیں۔(398)

عشر پر بحث کرتے ہوئے جب آپ یہ رائے دیتے ہیں کہ قیمت کا اعتبار کرنے میں سب سے زیادہ کم قیمت والی چیز مثلاً جو' مکئی وغیرہ کو معیار بنایا جائے تو اس سے وہ حاجت مندوں کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچانا چاہتے ہیں۔

(8) مالیات عامہ کے وظائف کا جامع تصور

ابو یوسف نے مملکت کے لئے انصاف پر مبنی یکساں طور پر مفید مالیاتی نظام تجویز کیا ہے۔ اس نظام میں عوام کی خوشحالی اور حکومت کی مالی ضروریات کو بالعموم اور ملکی معاشی ترقی کو بالخصوص مد نظر رکھا ہے۔

(9) دردمند' حساس اور خیر اندیش دل

کتاب الخراج کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو یوسف ایک نہایت دردمند' حساس اور خیر اندیش دل رکھتے ہیں جن کی نظر میں قیام انصاف' استیصال ظلم' اور رعایا کی فلاح و بہبود زندگی کا سب سے اہم فریضہ ہے اور اس فریضہ کا احساس وہ خلیفہ کے دل میں اسی لگن سے پیدا کرنا چاہتے ہیں جس طرح خود ان کے دل میں موجود ہے۔ انہوں نے کتاب الخراج میں مختلف مقامات پر ہارون الرشید کو جو مشورے دیئے ہیں ان سے ان کی نرمی' دل سوزی اور غریب طبقہ سے ہمدردی ظاہر ہوتی ہے مثلاً ایک جگہ لکھتے ہیں۔

> و قد ینبغی یا امیر المومنین ایدک اللّٰہ ان تتقدم فی الرفق باھل ذمۃ نبیک و ابن عمک محمد صلی اللہ علیہ وسلم والتقدم لھم حتی لا یظلموا و لا یوذوا و لا یکلفوا فوق طاقتھم و لا یوخذ شئی من اموالھم الا بحق یجب علیھم(399)
>
> "امیر المومنین ! اللہ آپ کی مدد کرے' جن لوگوں کو نبی کریمؐ" آپ کے چچا زاد بھائی' محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذمہ حاصل ہے ان کے ساتھ نرمی برتے اور ان کے احوال کا جائزہ لیتے رہنے میں ذرا بھی کوتاہی نہ برتئے۔ تاکہ ان لوگوں پر ظلم و زیادتی کا سدباب ہو' ان پر ان کی برداشت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے۔ اور ان کے مال میں سے اتنا ہی لیا جائے جو حق کی رو سے ان پر واجب ہو۔"

حواشی وحوالہ جات

(1) مثال کے طور پر دیکھئے' الخراج / 107

(2) الخراج / 5

(3) الترمذی ابوعیسٰی محمد بن عیسٰی' جامع الترمذی مع شرح تحفۃ الاحوذی ابواب صفۃ القیامۃ' باب ماجاء فی شان الحساب والقصاص' ملتان نشر السنۃ 3 / 29

(4) الخراج / 53

(5) ابن ماجہ' ابوعبداللہ محمد بن یزید' سنن ابن ماجہ' کتاب التجارات' باب من کرہ ان یسعر (ایڈیشن مع تحقیق و تعلیق محمد فواد عبدالباقی' دار احیاء التراث العربی 2 / 741'742

(6) الخراج / 55

(7) ابن ماجہ' ابوعبداللہ محمد بن یزید' سنن ابن ماجہ' کتاب الزکوۃ' باب خرص النخل والعنب' (ایڈیشن مع تعلیق محمد فواد عبدالباقی' دار احیاء التراث العربی) 1 / 582

(8) الخراج / 24

(9) ابوداؤد' سلیمان بن الاشعث' سنن ابی داؤد (و معہ کتاب معالم السنن للخطابی) اعداد و تعلیق عزت عبید الدعاس و عادل السید' کتاب الخراج والامارۃ والفیٔ' باب ماجاء فی الرکاز 3 / 462

(10) الخراج / 57

(11) البخاری' ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل' صحیح البخاری' کتاب الزکاۃ باب ما ادی زکاتہ فلیس بکنز (ایڈیشن مع تخریج الدکتور مصطفی دیب البغا بیروت دار ابن کثیر) 2 / 509

(12) الخراج / 58

(13) مالک بن انس' الموطا (مع تعلیق' محمد فواد عبدالباقی) کتاب الزکاۃ' باب زکاۃ ما یخرص من ثمار النخیل والاعناب' (دار احیاء التراث العربی) 1 / 270

(14) الخراج / 68

(15) البخاری' ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل' صحیح البخاری' (مع فہارس مصطفی دیب البغا) کتاب بدء الخلق' باب ما جاء فی سبع ارضین (ایڈیشن' دمشق دار ابن کثیر) 3 / 1167'1168

(16) الخراج / 70

(17) ابوداؤد' سلیمان بن الاشعث' سنن ابی داؤد (و معہ کتاب معالم السنن للخطابی) اعداد و تعلیق عزت عبید الدعاس و عادل السید' کتاب الخراج والامارۃ والفیٔ باب فی احیاء الموات (ایڈیشن بیروت' دار الحدیث للطباعۃ والنشر 3 / 454

(18) الخراج / 54

(19) مالک بن انس' الموطا (مع تعلیق' محمد فواد عبدالباقی) کتاب المساقاۃ باب ما جاء فی المساقاۃ (ایڈیشن' بیروت دار احیاء التراث العربی) 2 / 703'704

(20) الخراج / 88

(21) ابوداود، سلیمان بن الاشعث، سنن ابی داود (و معہ کتاب معالم السنن للخطابی) اعداد و تعلیق عزت عبید الدعاس، عادل السید، کتاب الخراج والامارۃ والفئی، باب فی ہدایا العمال 3 / 354، 355

(22) نجات اللہ صدیقی، اسلام کا نظام محاصل، 71

(23) ابراہیم البنا، تحقیق و تعلیق کتاب الخراج / 11

(24) الخراج / 44

(25) نجات اللہ صدیقی، اسلام کا نظام محاصل / 71، 72

(26) مثال کے طور پر دیکھئے، الخراج / 107

(27) ایضاً / 17

(28) ایضاً / 18

(29) ایضاً / 234

(30) ایضاً / 141

(31) ایضاً / 26

(32) ایضاً / 149

(33) ایضاً / 128

(34) ایضاً / 95

(35) ایضاً

(36) ایضاً / 20

(37) دیکھئے ایضاً / 69، 70

(38) ایضاً / 102

(39) نجات اللہ صدیقی، اسلام کا نظام محاصل، 85، 86

(40) الخراج / 3-235

(41) ایضاً / 235

(42) حمید اللہ، محمد، ڈاکٹر، خطبات بہاولپور، بہاولپور اسلامیہ یونیورسٹی اشاعت اول 1401ھ / 271

(43) العوضی، رفعت السید، منہج الادخار والاستثمار فی الاقتصاد الاسلامی، القاهرة الاتحاد الدولی للبنوک الاسلامیة، الطبعة الاولی 1400ھ، الفصل الرابع

(44) نجات اللہ صدیقی، امام ابو یوسف کا معاشی فکر، ماہنامہ ترجمان القرآن، لاہور، شمارہ اگست 64ء / 84

(45) الشافعی، الام 2 / 61

(46) الخراج / 87

(47) ابو عبید، الاموال / 454

(48) الترمذی' ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ' جامع الترمذی' ابواب الزکوٰۃ' باب ما جاء فی زکوٰۃ مال الیتیم 1 / 139

(49) ابن رشد' بدایۃ المجتہد 1 / 179

(50) عبدالرحمٰن' المبارکفوری' مولانا' تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی' دہلی' ادارۃ الحکیم ذکی احمد' ابواب الزکوٰۃ باب ما جاء فی زکوٰۃ الحلی' 2 / 11

(51) الزیلعی' نصب الرایۃ' 2 / 373

(52) شاہ ولی اللہ' قطب الدین احمد' حجۃ اللہ البالغۃ' لاہور' المکتبۃ السلفیۃ' 2 / 44

(53) الخراج / 87

(54) ایضاً

(55) التوبہ = 60

(56) المنذری' ابو محمد عبدالعظیم بن عبدالقوی' مختصر سنن ابی داود' (تحقیق احمد محمد شاکر و محمد حامد الفقی) سانگلہ ہل' المکتبۃ الاثریۃ' الطبعۃ الاولیٰ 1368ھ 2 / 232

(57) ایضاً

(58) الخطیب' ولی الدین محمد بن عبداللہ' مشکوٰۃ المصابیح' کتاب الآداب' باب ما ینہیٰ عنہ من التہاجر والتقاطع واتباع العورات

(59) ایضاً' کتاب الرقاق' باب فضل الفقراء وما کان من عیش النبی صلی اللہ علیہ وسلم' / 447

(60) الکہف = ۷۹

(61) الذّٰریٰت = ۱۹

(62) الرازی' التفسیر 16 / خلاصہ صفحات 107 تا 110

(63) ابن سعد' الطبقات الکبریٰ 9 / 330

(64) ابو عبید' الاموال / 607

(65) الترمذی' جامع' ابواب الزکوٰۃ' باب ما جاء فی اعطاء المؤلفۃ قلوبہم' 1 / 144

(66) المنذری' ابو محمد عبدالعظیم بن عبدالقوی' مختصر سنن ابی داود' (تحقیق احمد محمد شاکر و محمد حامد الفقی) سانگلہ ہل' المکتبۃ الاثریۃ' الطبعۃ الاولیٰ 1368ھ - 2 / 231

(67) الرازی' التفسیر 16 / 111

(68) المرداوی' الانصاف 3 / 228

(69) عبدالرحمٰن بن محمد بن قاسم (مرتب)' مجموع فتاویٰ شیخ الاسلام احمد بن تیمیہ (طبع بامر خادم الحرمین الشریفین فہد بن عبدالعزیز آل سعود)' 33 / 94

(70) شاہ ولی اللہ' حجۃ اللہ البالغۃ' 2 / 45

(71) شہزادہ اقبال شام' اسلام کا نظام مصارف' اسلام آباد' شریعہ اکیڈمی' / 12

(72) [illegible]' ڈاکٹر محمد' اسلام کا نظام مالیات' ڈیرہ اسماعیل خان' مکتبہ نعمانیہ / 95

(73) الطبری، ابو جعفر محمد بن جریر، جامع البیان فی تفسیر القرآن، بولاق مصر، المطبعۃ الکبری الامیریہ الطبعۃ الاولی 1347ھ 10 / 114

(74) ابن قدامہ، المغنی، 2 / 700

(75) ابن حجر، فتح الباری، 3 / 334

(76) ابن الاثیر مجد الدین ابو السعادات المبارک بن محمد الجزری، النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر (تحقیق محمد الطناحی - طاہر احمد الزاوی)، دار احیاء الکتب العربیۃ عیسیٰ البابی الحلبی و شرکاہ الطبعۃ الاولی 1383ھ، 2 / 339

(77) الشافعی، الام، 2 / 72

(78) الآلوسی، ابو الفضل شہاب الدین السید محمود، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، ملتان، مکتبہ امدادیہ، 10 / 123

(79) القرطبی، ابو عبد اللہ محمد بن احمد، الجامع لاحکام القرآن، قاہرہ، دار الکتب للطباعۃ والنشر 1387ھ، 8 / 185

(80) رشید رضا، محمد، تفسیر القرآن الحکیم الشہیر بتفسیر المنار، بیروت، دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر، 10 / 504

(81) ابن حزم، المحلیٰ 6 / 151

(82) الخرقی، ابو القاسم عمر بن حسین، المختصر للخرقی مع المغنی، مصر، مکتبۃ الجمہوریۃ العربیۃ 6 / 435 تا 437

(83) ابو النجا المقدسی، شرف الدین موسیٰ، الاقناع فی فقہ الامام احمد بن حنبل، (تحقیق و تعلیق عبد اللطیف محمد موسیٰ) بیروت، دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر 1 / 296

(84) الرازی، التفسیر 16 / 113

(85) ابو داؤد، سنن ابی داؤد، کتاب الزکوٰۃ، باب ما یجوز فیہ الصدقۃ 1 / 238

(86) رشید رضا، المنار 10 / 506

(87) ابو داؤد، سنن، کتاب الجہاد، باب کراہیۃ ترک الغزو 1 / 346

(88) الخراج / 87

(89) ابو عبید، الاموال، 2 / 574

(90) السرخسی، المبسوط، 3 / 10

(91) ابو داؤد، سلیمان بن الاشعث، سنن ابی داؤد، کتاب الزکوٰۃ، باب من یعطی من الصدقۃ وحد الغنیٰ 1 / 237

(92) ابن قدامہ، المغنی 2 / 519

(93) الرازی، التفسیر 16 / 110

(94) البیہقی، السنن، کتاب الزکوٰۃ، باب من رای فی الحلی صدقۃ، 4 / 119
الدار قطنی، سنن، کتاب الزکوٰۃ، باب زکوٰۃ مال التجارۃ و سقوطہا عن الخیل والرقیق 2 / 126

(95) البیہقی، السنن، کتاب الزکوٰۃ، باب من رای فی الحلی صدقۃ 4 / 120

(96) الشوکانی، نیل الاوطار 4 / 146

(97) الطحاوی، شرح معانی الآثار 2 / 43

قاضی خان، الحسن بن المنصور بن محمود الاوزجندی، الفتاوی القاضی خان (مع الفتاوی السراجیہ) کوئٹہ بلوچستان بکڈپو، 1405ھ 1

/ 119

الزیلعی نصب الرایۃ' 2 / 357' 358

(98) الزرقانی' محمد' شرح الزرقانی علی موطا الامام مالک' (مع هذه الطبعة تحقیقه من علماء الازهر الشریف) مصر' ملتزم الطبع والنشر عبدالحمید احمد حنفی' صندوق بوستة الغوریة 2 / 137

(99) البنوری' محمد یوسف بن السید محمد زکریا' معارف السنن شرح سنن الترمذی' کراچی' المدرسة العربیة الاسلامیة' الطبعة الاولی 1389ھ' 5 / 168

(100) دیکھئے ابن الھمام فتح القدیر 2 / 137 تا 139

(101) الطحاوی' شرح معانی الآثار 2 / 42

(102) ایضاً" 2 / 43

(103) البخاری' ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل' صحیح البخاری' کتاب الزکوٰۃ' باب الزکوٰۃ علی الزوج والایتام فی الحجر 1 / 198

مسلم بن حجاج قشیری' الصحیح لمسلم (مع شرح الکامل للنواوی' کتاب الزکوۃ باب "فصل النفقۃ والصدقۃ علی الاقربین والزوج والاولاد والوالدین ولو کانوا مشرکین 1 / 323

(104) الطحاوی' شرح معانی الآثار 2 / 36

(105) مسلم بن حجاج قشیری' الصحیح لمسلم (مع شرح الکامل للنواوی) کتاب الزکوۃ باب "فصل النفقۃ والصدقۃ علی الاقربین والزوج والاولاد والوالدین ولو کانوا مشرکین" 1 / 323' 324

(106) شبیر احمد العثمانی' فتح الملھم شرح صحیح مسلم' کراتشی' المکتبۃ الرشیدیۃ 3 / 35' 36

(107) ابن عابدین' حاشیۃ رد المحتار' 2 / 326

(108) السمرقندی' علاء الدین' تحفۃ الفقہاء' (تحقیق و تعلیق الدکتور محمد زکی عبدالبر) قطر' ادارۃ احیاء التراث الاسلامی' 1 / 306

(109) البنوری معارف السنن' 5 / 232

(110) ابن ابی شیبۃ' ابوبکر عبداللہ بن محمد' مصنف ابن ابی شیبۃ (محمد عبدالخالق الافغانی) کراچی' ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ' طبع 1406ھ' کتاب الزکوۃ باب فی کل شیء اخرجت الارض زکوۃ' 3 / 139

الرروبوی' محمد فرید منھاج السنن شرح جامع السنن للامام الترمذی اکوڑہ خٹک' موتمر المصنفین دار العلوم حقانیہ' 3 / 152

(111) انور شاہ الکشمیری السید محمد' العرف الشذی علی جامع الترمذی روھتم بطبعۃ حافظ محمد یوسف) سہارنپور' المکتبۃ الرحیمیۃ' 1 / 273

(112) ابن عربی' ابوبکر محمد بن عبداللہ "عارضۃ الاحوذی بشرح صحیح الترمذی' بیروت' دار الکتب العلمیہ' 3 / 135

(113) ابن عربی' ابوبکر محمد بن عبداللہ' احکام القرآن' (تحقیق علی محمد البجاوی) عیسی البابی الحلبی' الطبعۃ الثانیۃ 1387ھ' 2 / 750' 751

(114) الترمذی' ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ' جامع الترمذی' کتاب الزکوۃ' باب ماجاء فی زکوۃ الخضروات 1 / 138

(115) الترمذی' ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ' جامع الترمذی' کتاب الزکوٰۃ' باب ما جاء فی زکوٰۃ الخضروات 1 / 138

(116) الشرقاوی' التبیان / 184

(117) الکاسانی' بدائع الصنائع 2 / 59

(118) البخاری' ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل' صحیح البخاری' کتاب الزکوٰۃ' باب لیس فیما دون خمسۃ اوسق صدقۃ 1 / 201

(119) ایضاً

(120) مسلم بن حجاج قشیری' الصحیح لمسلم (مع شرح الکامل للنووی) کتاب الزکوٰۃ' (ایڈیشن دہلی کتب خانہ رشیدیہ) 1 / 316

(121) ابو عبید' الاموال / 480' 481

(122) البخاری' ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل' صحیح البخاری' کتاب الزکوٰۃ' باب

(123) ابن قدامہ' المغنی 2 / 554

(124) الخراج / 57

(125) المرغینانی' الھدایۃ

(126) ابن قدامہ' المغنی 2 / 554

(127) ابن عابدین' مجموعۃ رسائل 2 / 142' 143

(128) ابن قدامہ' المغنی 2 / 592

(129) الکاسانی' بدائع الصنائع 2 / 56

(130) ابو عبید' الاموال / 479

(131) احمد رضا' امام' فتاویٰ رضویہ' فیصل آباد' سنی دار الاشاعت 1394ھ' 4 / 450

(132) الشوکانی' نیل الاوطار 4 / 156

(133) ابن قدامہ' المغنی 2 / 577

(134) لجنۃ من علماء الھند' فتاوٰی عالمگیری 1 / 185

(135) احمد بن حنبل' المسند' 14 / 150' 151' حدیث نمبر 7710

(136) ابن قدامہ' المغنی 2 / 662

(137) المرغینانی' الھدایۃ / —— 210

(138) ابن عابدین' حاشیۃ ردالمحتار 2 / 369

(139) ابو داؤد' سلیمان بن الاشعث' سنن ابی داؤد' کتاب البیوع' باب فی قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم' المکیال مکیال [المدینۃ] 2 / 118

(140) الرئیس' الخراج / 315

(141) Zia uddin Ahmed, "USHR AND 'USHR LAND" (Journal, Islamic Studies, Summer 1980, Pr[illegible] at Islamic Research institute press. / 86.

(142) ابن عابدین' حاشیہ رد المحتار 4 / 176

(143) ابوعبید' الاموال / 89

(144) السرخسی' المبسوط' 2 / 208

(145) ابن زنجویۃ' حمید بن مخلد' کتاب الاموال' (تحقیق الدکتور شاکر ذیب فیاض) الریاض' المرکز الملک فیصل للبحوث والدراسات الاسلامیۃ' 1406ھ' 1 / 187 و ما بعدھا۔
ابن قدامہ' ابوالفرج عبدالرحمن بن ابی عمر محمد' الشرح الکبیر' المدینۃ المنورۃ المکتبۃ السلفیۃ' جلد 10 / 538 و مابعدھا
یحییٰ' الخراج / 19 و مابعدھا
ابوعبید' الاموال / 77
قدامہ بن جعفر الکاتب' نبذ من کتاب الخراج و صنعۃ الکتابۃ (شرح و تعلیق = محمد حسین الزبیدی) بغداد و زارۃ الثقافۃ والاعلام' الطبعۃ الاولی 1981 / 204

(146) ابوعبید' الاموال / 51

(147) ایضاً

(148) ایضاً / 51

(149) ایضاً' 47

(150) الخراج / 132

(151) ایضاً

(152) ابوعبید' الاموال / 41

(153) الخراج' / 133

(154) ایضاً / 80

(155) یحییٰ' الخراج / 20

(156) الطبری' جامع البیان فی تفسیر القرآن 10 / 77

(157) السرخسی' المبسوط' 10 / 77

(158) علاء الدین الحصکفی' الدر المختار' 2 / 277

(159) فتاوی عالمگیری' 2 / 867

(160) ابوعبید' الاموال' 48

(161) ایضاً

(162) الخراج / 142

(163) ابوعبید' الاموال' 48

(164) ایضاً / 49

(165) السرخسی، المبسوط، 10/ 80

(166) الخراج/ 25، 26

(167) ابن عبد الحکم، ابو القاسم عبد الرحمن بن عبد اللہ، فتوح مصر و اخبارہا، لیڈن، مطبعہ بریل، 1920/ 90

(168) دیکھئے الماوردی، الاحکام السلطانیہ/ 167

الکاسانی، بدائع الصنائع، 2/ 68

(169) البخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، کتاب الشروط باب الشروط فی الوقف 1/ 382

(170) الترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ، جامع الترمذی، ابواب الاحکام، باب ماجاء فی الوقف 1/ 256

(171) الطحاوی، شرح معانی الآثار 4/ 97

(172) علاء الدین الحصکفی، الدر المختار (ترجمہ) 2/ 566

(173) ابن عابدین، حاشیہ رد المحتار 4/ 338

شفیق العانی، احکام الاوقاف، بغداد احیاء التراث الاسلامی، 1960ء/ 10

(174) ابن الہمام، فتح القدیر 5/ 418

(175) ابن نجیم، البحر الرائق 5/ 212

(176) علاء الدین الحصکفی، الدر المختار 2/ 299

(177) امیر علی، سید، اصول شرع محمدی (ترجمہ) (مترجم مولوی سید علی رضا) لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، / 158

فرید وجی، سر ونشا ملا بانٹ، اصول شرع اسلام (ترجمہ) (مترجم مولوی مسعود علی) لاہور، منظور پبلشرز، بار اول 1979ء/ 285

(178) ابن الہمام، فتح القدیر، 5/ 418، 424

(179) فتاویٰ عالمگیری، 2/ 936

(180) السرخسی، المبسوط، 12/ 36

(181) فتاویٰ عالمگیری 2/ 956

(182) ایضاً

(183) عبد الحی، محمد، مجموعۃ الفتاویٰ، لکھنؤ، مطبع یوسفی، 1321ھ/ 243

(184) مثال کے طور پر دیکھئے۔ Shemesh, A. Ben "Taxation in Islam (revised second edition) Leiden, E.J.Brill, 1967.

(185) ڈینیٹ، ڈینیل سی، جزیہ اور اسلام (اردو ترجمہ (Conversion and the poll tax in early Islam

(مترجم مولانا غلام رسول مہر) لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، طبع اول 1962ء/ 20-26

(186) ایضاً Lokke gaard, Islamic Taxation.

(187) الخراج/ 138

(188) ایضاً/ 38

(189) ایضاً

(190) ایضاً / 28

(191) صوافی ان زمینوں کو کہتے ہیں جو کسریٰ' اس کے خاندان والوں' جنگ میں مارے جانے والوں' یا بھاگ جانے والوں کی ملکیت تھیں۔ ایسی تمام زمینیں حضرت عمرؓ نے بحق حکومت خاص کر لی تھیں۔

(192) الخراج / 40

(193) ایضاً / 133

(194) ایضاً / 120

الآجری' ابو بکر محمد بن الحسین' اخبار ابی حفص عمر بن عبدالعزیز و سیرته (تحقیق = عبداللہ عبدالرحیم) بیروت' موسسۃ الرسالۃ 1399ھ / 78

ابن الجوزی' ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی' سیرۃ عمر بن عبدالعزیز' مصر' مطبعۃ المؤید 1331ھ / 68

ابن عبدالحکم' ابو محمد عبداللہ' سیرۃ عمر بن عبدالعزیز' مصر' مطبعہ رحمانیہ 1346ھ / 65

الزحیلی' وھبۃ الدکتور' عمر بن عبدالعزیز' دمشق = دار قتیبۃ / 181

(195) یحییٰ' الخراج / 81

(196) الخراج / 135

(197) ایضاً

(198) ایضاً / 142

(199) ایضاً / 133

(200) ایضاً / 134'135

(201) ایضاً / 52

(202) ایضاً / 133

(203) ایضاً / 43

(204) ایضاً

(205) ایضاً

(206) دیکھئے کتاب الخراج کا فرانسیسی ترجمہ E. Fagnan, "LIVRE DE L'IMPOT FONCIER (KITAB EL KHARADJ), Paris, Librairie Orientaliste paul Geuthner, 1921. P. 74

(207) ڈینٹ' جزیہ اور اسلام (ترجمہ) / 82

(208) الخراج / 43

(209) ڈینٹ' جزیہ اور اسلام (ترجمہ) / 81

(210) الخراج / 43

(211) البلاذری' فتوح البلدان / 174

(212) ڈینٹ' جزیہ اور اسلام (ترجمہ) / 84

(213) الخراج / 44'45

(214) ڈینٹ' جزیہ اور اسلام (ترجمہ) / 19

(215) الخراج / 219

(216) الشافعی' الام 4 / 176

(217) الخراج / 155'156

(218) ایضاً" / 159

(219) ایضاً"

(220) ایضاً"

(221) احمد بن حنبل' المسند 8 / 172 حدیث نمبر 5869

(222) المعری' ابوالعلاء' لزوم مالا یلزم (اللزومیات) بیروت' دار صادر' 1 / 54

(223) النحل = 90

(224) المائدۃ = 42

(225) المنذری' عبدالعظیم بن عبدالقوی' الترغیب والترھیب' مصر = ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ 3 / 135

(226) البخاری' ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل' صحیح البخاری' کتاب المحاربین من اھل الکفر والردۃ' باب فضل من ترک الفواحش 2 / 1005

(227) النویری' نھایۃ الارب 6 / 34

(228) ایضاً" 6 / 36

(229) ایضاً" 6 / 34

(230) الابشیھی' شھاب الدین محمد بن احمد' المستطرف فی کل فن مستطرف' بیروت = دار احیاء التراث العربی 1 / 108

النویری' نھایۃ الارب' 6 / 35

(231) النویری' نھایۃ الارب' 6 / 35

(232) ایضاً" 6 / 37

(233) ایضاً"

(234) ابن تیمیہ ابوالعباس احمد' السیاسۃ الشرعیۃ فی احوال الراعی والرعیۃ مصر = دار الکتاب العربی 1955ء / 14

(235) ابن تیمیۃ ابوالعباس احمد' الحسبۃ فی الاسلام او وظیفۃ الحکومۃ الاسلامیۃ - مطبعۃ المؤید' 1318ھ / 68

(236) الخراج / 120'121

(237) الماوردی، ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب، تسہیل النظر و تعجیل الظفر فی اخلاق الملک و سیاسۃ الملک (تحقیق ہلال السرحان) بیروت = دار النہضہ 1981ء / 178

(238) الخراج / 121

الحضری بک، محمد بن عفیفی، محاضرات تاریخ الامم الاسلامیۃ (الدولۃ العباسیۃ) مصر = المکتبۃ التجاریۃ الکبری، 1970ء / 143

(239) الخراج / 124

قلعہ جی، محمد رواس الدکتور، موسوعۃ فقہ عمر بن الخطاب عصرہ و حیاتہ، بیروت = دار النفائس، الطبعۃ الرابعۃ 1409ھ / 383

(240) المقدسی، ابوعبداللہ محمد بن احمد، احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم، بیروت = مکتبۃ خیاط۔ / 133

المسعودی، ابوالحسن علی بن الحسین، التنبیہ والاشراف (تصحیح، عبداللہ اسماعیل الصاوی) بغداد 1357ھ / 274

الابشیہی، المستطرف 1 / 101

(241) ایضاً

(242) الابشیہی، المستطرف 1 / 101

(243) ابن الجوزی، ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی، الشفاء فی مواعظ الملوک والخلفاء (تحقیق، الدکتور فواد عبدالمنعم احمد) الاسکندریۃ دار الدعوۃ / 46

(244) ابن ابی الربیع، شہاب الدین احمد بن محمد، سلوک المالک فی تدبیر الممالک (مترجم مظہر علی کامل) کراچی، شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ کراچی یونیورسٹی، طبع اول 1962 / 88

(245) السرخسی، المبسوط 23 / 175

(246) نجات اللہ صدیقی، امام ابویوسف کا معاشی فکر، ماہنامہ ترجمان القرآن، ستمبر 64ء / 54

(247) ایضاً / 54، 55

(248) سلیم رستم باز، شرح المجلہ، بیروت، دار احیاء التراث العربی، دفعہ نمبر 87، ص 58

(249) ابوداؤد، سنن، کتاب البیوع، باب فیمن اشتری عبداً فاستعملہ ثم وجد بہ عیباً 2 / 139

الترمذی، جامع، ابواب البیوع، باب ماجاء فیمن یشتری العبد و یستغلہ ثم یجد بہ عیباً 1 / 241

(250) ڈاکٹر عابد احمد، علامہ ریاض یونیورسٹی میں اسسٹنٹ پروفیسر ہیں۔

(251) Zia uddin Ahmed, (Munawar Iqbal M Fahim Khan), Fiscal Policy and Resource Allocation in Islam. Islamabad, institute of policy studies / 108

(252) Ibid

(253)

(253) *Lokke gaard, "Islamic Taxation" P. 58, 113*

(254) نجات اللہ صدیقی' ڈاکٹر "امام ابو یوسف کا معاشی فکر" ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور شمارہ ستمبر 64ء' ص 42

(255) الریس' الخراج / 426

(256) نجات اللہ صدیقی' مقدمہ کتاب الخراج / 67

(257) الریس' الخراج / 406'405

(258) نجات اللہ صدیقی' امام ابو یوسف کا معاشی فکر' ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور' شمارہ ستمبر 64' ص 39

(259) اس وقت کا مروجہ چاندی کا ایک سکہ جس کا وزن تقریباً 3 گرام ہوتا تھا۔

(260) نجات اللہ صدیقی' امام ابو یوسف کا معاشی فکر' ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور' شمارہ ستمبر 1964ء' ص 39'40

(261) ابن مسکویہ' ابوعلی احمد بن محمد' تجارب الامم' مصر' مطبعۃ السبیل' / 70'71'72

(262) *Claude Cahen "Bayt al-Mal" The Encyclopaedia of Islam*

(new edition) 1 / 1144

Lokke gaard, Islamic Taxation / 93, 94

(263) ابن المقفع' الفخری / 228

(264) ابن منظور' لسان العرب' 11 / 544

ابو عبید' کتاب الاموال' 70

الماوردی' الاحکام السلطانیۃ / 152

ابو یعلی' محمد بن الحسین الفراء' الاحکام السلطانیۃ' لاہور دار نشر الکتب الاسلامیہ' / 170

ابن رجب' الاستخراج' 51'53

(265) ابن عبدون التجیبی' محمد' رسالہ فی القضاء والحسبہ' بیروت دار احیاء التراث العربی' الطبعۃ الاولی 1405ھ' ص 30'31

(266) *Khaled Abou El Fadl, "Tax Farming in Islamic law"*

(Qibalah and daman of Kharaj) = A search for a concept.

(journal, Islamic, studies 1992, p. 16, 17

(267) ابن ابی الحدید' عزالدین بن هبۃ اللہ' شرح نہج البلاغۃ (تحقیق: الشیخ حسن تمیم) بیروت' دار مکتبۃ الحیاۃ' 1964ء' 5 / 52

البحرانی' کمال الدین میثم بن علی' شرح نہج البلاغۃ' تہران' موسسۃ النصر 1384ھ' 5 / 166

(268) ابن الاثیر' الکامل فی التاریخ' 4 / 163

(269) الشریف الرضی نہج البلاغۃ (مع شرح الشیخ محمد عبدہ) 3 / 96'97

(270) اس سے مراد وہ رقم ہے جو زمینداروں کو حکومت کی طرف سے امداد کے لئے قرض کے طور پر دی جاتی ہے۔

(271) المسعودی' مروج الذھب' 4 / 47

(272) الشریف الرضی، نہج البلاغۃ (مع شرح الشیخ محمد عبدہ) 3/80، 81

(273) ایضاً، 3/76

(274) *Mohammad Abdul Jabbar Beg, Dr, "Agricultural and irrigation labourers in social and Economic life of Iraq, During the Umayyad and Abbasid caliphates (An Examination of contracts (UQUD) (Journal "Islamic Culture" January 1973. Published by the Islamic Culture Board Hyderabad - India - page . 15.*

(275) ایضاً، بحوالہ قلمی، اقوال قلمی

(276) ایضاً، 3/131

(277) ابو زہرہ، محمد بن احمد، الامام زید حیاتہ و عصرہ - آراؤہ و فقہہ، دار الفکر العربی/313

(278) ایضاً

(279) ایضاً

(280) الخراج/52

(281) ابو زہرہ، الامام زید/313

(282) جابر بن زید، رسائل، رسالہ نمبر 8

(283) ایضاً

(284) محمد طاسین، مولانا، مروجہ نظام زمینداری اور اسلام، لاہور، مرکزی انجمن خدام القرآن/223

(285) ایضاً/224

(286) ایضاً

(287) ایضاً، 232

(288) ایضاً/244، 245

(289) ایضاً/245

(290) ایضاً/246

(291) ایضاً/247

(292) ایضاً/247

(293) ایضاً/245

(294) ایضاً/248، 249

(295) ایضاً/247، 248

(296) انور کشمیری، فیض الباری، 3/295

(297) ابن عابدین، حاشیہ رد المحتار، 6/275

(298) ابن نجیم' البحر الرائق' 8/ 181

(299) انور شاہ کشمیری' فیض الباری' 3/ 260

(300) الخراج/ 96

(301) البخاری = ابوعبداللہ محمد بن اسمعیل' صحیح البخاری' کتاب الوکالۃ' ابواب الحرث والمزارعۃ و ما جاء فیہ' (ایڈیشن کراچی' نور محمد اصح المطابع)' 1/ 313

(302) المرغینانی' الہدایۃ' 4/ 425

(303) ابن الہمام' فتح القدیر' 8/ 386

(304) شرح وقایہ (اردو ترجمہ از محمد عبدالحفیظ المحسنی) لاہور' ملک سراج الدین 4/ 897

(305) ابن نجیم' البحر الرائق' 8/ 186

(306) السرخسی' المبسوط' 23/ 17

(307) عبدالواحد' ڈاکٹر "مروجہ نظام زمینداری" اور اسلام" پر تبصرہ' سہ ماہی منہاج لاہور مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری' شمارہ جولائی 1987ء صفحات 35'36'37'40'41'43'44

(308) مہدی حسن' المفتی' حاشیہ کتاب الحجۃ علی اہل المدینۃ' 4/ 140

(309) السرخسی' المبسوط' 23/ 3

(310) انور شاہ کشمیری' فیض الباری' 3/ 296'301

(311) الخطابی' ابوسلیمان احمد بن محمد' معالم السنن (مع مختصر سنن ابی داود للمنذری) تحقیق احمد محمد شاکر' محمد حامد الفقی' سانگلہ ہل' المکتبۃ الاثریۃ الطبعۃ الاولی 1368' 5/ 56

(312) النسائی' احمد بن علی بن شعیب' سنن النسائی' کتاب الایمان والنذور' باب شروط المزارعۃ والوثائق' (ایڈیشن کراچی' قدیمی کتب خانہ) 2/ 156

(313) البخاری' ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل' صحیح البخاری' کتاب الوکالۃ' ابواب الحرث والمزارعۃ وما جاء فیہ (ایڈیشن کراچی' نور محمد اصح المطابع' الطبعۃ الثانیۃ' 1381ھ 1/ 313

(314) ایضاً"

حضرت طاؤس کی یہ روایت کچھ الفاظ کے اختلاف کے ساتھ' عبدالرزاق ابن ہمام (م 211ھ /) نے بھی نقل کی ہے۔ دیکھیے۔

الصنعانی' عبدالرزاق بن ہمام' المصنف' (تحقیق = حبیب الرحمٰن الاعظمی) کتاب البیوع' باب المزارعۃ علی الثلث والربع بیروت = المجلس العلمی' طبع 1972ء' 8/ 97'98

(315) البخاری' ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل' صحیح البخاری' کتاب الوکالۃ ابواب الحرث والمزارعۃ وما جاء فیہ' (ایڈیشن کراچی' نور محمد اصح المطابع) 1/ 313

(316) ایضاً" 1/ 315

(317) ابوداود' سلیمان بن الاشعث السجستانی' سنن ابی داود' کتاب البیوع' باب فی المزارعۃ (ایڈیشن کراچی' ایچ' ایم' سعید) 2/

125 /

(318) الملا علی القاری، علی بن سلطان محمد، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح، ملتان، مکتبہ امدادیہ، 6 / 132

(319) الملا علی القاری، حافظ علی بن محمد سلطان الحنفی، شرح النقایۃ (بحاشیہ شرح مولوی الیاس) کراچی، ایچ، ایم، سعید، 2 / 204

(320) نجات اللہ صدیقی، ڈاکٹر، اسلام کا نظریہ ملکیت، لاہور، اسلامک پبلیکیشنز، 1 / 135، 136

(321) لجنۃ مولفۃ من العلماء المحققین، مجلۃ الاحکام العدلیۃ، دفعہ / 1272

(322) الرئیس، الخراج / 258

(323) ایضاً / 259

(324) Ziaul Haque, "Metayage and Tax-Farming in the medieval Muslim Society"
Journal, "Islamic Studies" Islamabad, Islamic research institute,
Autumn 1975, / 229, 230

(325) سعدی، ابوحبیب، موسوعۃ الاجماع فی الفقہ الاسلامی، دمشق، دار الفکر، الطبعۃ الثانیۃ 1404ھ، 2 / 968

(326) ابن حزم، ابو محمد علی بن احمد، مراتب الاجماع فی العبادات والمعاملات والاعتقادات، مکتبۃ القدسی، 1357ھ / 59

(327) البیہقی، ابوبکر احمد بن الحسین، السنن الکبری، کتاب البیوع، باب الدلیل علی ان لا یجوز شرط الخیار فی البیع اکثر من ثلاثۃ ایام، (ایڈیشن، مع الجوہر النقی) ملتان، نشر السنۃ، 5 / 273

الشوکانی، محمد بن علی نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار من احادیث سید الاخیار صلی اللہ علیہ وسلم، باب شرط السلامۃ من الغبن، (ایڈیشن لاہور، انصار السنۃ المحمدیۃ) 5 / 194

نیل الاوطار میں یہ حدیث ان الفاظ میں منقول ہے۔ "وعن ابن عمر ان منقذ سفع فی راسہ فی الجاھلیۃ مامومۃ فخبلت لسانہ، فکان اذا بایع یخدع فی البیع، فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بایع و قل لا خلابۃ ثم انت بالخیار ثلاثا قال ابن عمر، فسمعتہ، یبایع و یقول لا خلابۃ لا خلابۃ"

"حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ منقذ کے سر میں زمانہ جاہلیت میں چوٹ آگئی تھی جس سے ان کی زبان میں تتلاہٹ پیدا ہو گئی، اور وہ جب کوئی شے خریدتے تو اس میں نقصان ہو جایا کرتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا کہ جب تم کوئی شے خریدو تو یہ کہہ دیا کرو "لا خلابہ" (کوئی دھوکہ نہیں ہو گا) پھر تمہیں تین دن کا اختیار ہو گا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ میں نے ان کو خریداری کرتے ہوئے سنا کہ وہ کہہ رہے تھے، "لا خلابۃ لا خلابۃ"

(328) ابن قدامہ، المغنی، 4 / 95، 96

(329) ابن رشد' بدایۃ المجتہد 2 / 158

(330) ساجد الرحمن صدیقی' ڈاکٹر "حدیث خلابہ اور فقہی اجتہادات" سہ ماہی منہاج لاہور' مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری' شمارہ جولائی۔ اکتوبر 1988ء / 85-86

(331) الزرقاء' مصطفی احمد' الفقہ الاسلامی فی ثوبہ الجدید' دمشق' مطبعۃ الحیاۃ' 1383ھ' 1 / 412

(332) الہدایۃ' 3 / 37

(333) ایضاً' 39

(334) الکاسانی' بدائع الصنائع' 5 / 211

(335) السرخسی' المبسوط' 12 / 135

(336) ایضاً' 12 / 128

(337) الترمذی' ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ' جامع الترمذی' (مع شرح)' ابواب البیوع باب ماجاء اذا اختلف البیعان' ایڈیشن' کراچی' ایچ' ایم سعید 1 / 240

(338) الہدایۃ' 3 / 85

(339) ایضاً

(340) ابو الطیب شمس الحق' محمد' عون المعبود شرح سنن ابی داؤد' ملتان' نشر السنۃ' الطبعۃ الاولیٰ 1399ھ' 3 / 286

(341) ابن رشد' بدایۃ المجتہد 2 / 175

(342) الکاسانی' بدائع الصنائع 4 / 210

(343) الہدایۃ' 3 / 310

(344) ایضاً

(345) فتاویٰ عالمگیری' 3 / 822

(346) سحنون' عبدالسلام بن سعید التنوخی' المدونۃ الکبریٰ' (روی المدونۃ فی فروع المالکیۃ عن عبدالرحمن بن قاسم' عن الامام مالک) دار الفکر للطباعۃ والنشر' مطبعۃ السعادۃ' 1323ھ' 4 / 448

(347) مجیب اللہ ندوی' مولانا' اسلامی قانون محنت واجرت' لاہور' دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری / 218' 219

(348) الزیلعی' تبیین الحقائق 5 / 124

شرف بن علی الشریف' الدکتور' "الاجارۃ الواردۃ علی عمل الانسان" جدہ' دار الشروق للنشر و التوزیع والطباعۃ' الطبعۃ الاولیٰ 1400ھ / 154' 155

(349) احمد بن غنیم' "الفواکہ الدوانی علی رسالۃ ابن ابی زید القیروانی" خرطوم' المکتبۃ الاھلیۃ 1331ھ' 2 / 164

(350) مالک بن انس الامام' موطا الامام مالک' باب الامر بالرفق بالمملوک' ایڈیشن' نور محمد اصح المطابع' کراچی) / 730

(351) ایضاً

(352) ایضاً

(353) ابن عابدین، حاشیہ رد المختار، 3/ 590

(354) الکاسانی، بدائع الصنائع، 4/ 27

(355) ابن عابدین، حاشیہ رد المحتار 3/ 582

(356) البوبکانی، المثالة/ 451

(357) ابن عابدین، حاشیہ رد المحتار 3/ 621

(358) تنزیل الرحمن، ڈاکٹر، "مجموعہ قوانین اسلام" 3/ 912

(359) الطبری، ابوجعفر محمد بن جریر، جامع البیان عن تاویل ای القرآن مصر، شرکة مکتبة و مطبعة مصطفی البابی الحلبی، الطبعة الثانیة 1373ھ، 4/ 247، 248

(360) البغوی، ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء، معالم التنزیل، (تحقیق، خالد عبدالرحمن، مروان سوار) ملتان، ادارہ تالیفات اشرفیہ 1/ 395

(361) ابن المنذر، ابوبکر محمد بن ابراهیم، الاجماع یتضمن المسائل الفقهیة المتفق علیها عند اکثر علماء المسلمین (تحقیق، فواد عبدالمنعم احمد - عبداللہ بن زید) الاسکندریة، من ذخائر التراث الاسلامی، طبع 1402ھ/ 99

(362) الدردیر، ابوالبرکات، احمد بن محمد، الشرح الصغیر علی اقرب المسالک الی مذهب الامام مالک، (تحقیق و تخریج، الدکتور مصطفی کمال وصفی) مصر، دار المعارف 1393ھ، 3/ 381، 382

(363) البخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسمعیل، صحیح البخاری، کتاب فی الاستقراض و اداء الدیون والحجر والتفلیس (ایڈیشن کراچی، نو محمد اصح المطابع) 1/ 324

(364) ابن الہمام، فتح القدیر، 5/ 417

(365) البیهقی، ابوبکر احمد بن الحسین، السنن الکبری مع الجوهر النقی، کتاب التفلیس، باب الحجر علی المفلس و بیع ماله فی دیونه، (ایڈیشن، ملتان، نشر السنة) 6/ 48

(366) ایضاً، 6/ 49

(367) دیکھئے ابن تیمیة، ابوالعباس احمد، الحسبة فی الاسلام او وظیفة الحکومة الاسلامیة، مطبعة المؤید، الطبعة الاولی، 1318ھ

(368) دیکھئے۔ ابن خلدون، عبدالرحمن بن محمد، مقدمة، فصل فی اسعار، المدن (الفصل الثانی عشر) تلخیص صفحات 362-364

(369) نجات اللہ صدیقی، امام ابو یوسف کا معاشی فکر، ترجمان القرآن، شمارہ ستمبر 1964ء/ 47، 48

(370) النسفی، ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود، تفسیر النسفی (مدارک) دار احیاء الکتب العربیہ، 1/ 181

(371) السرخسی' المبسوط' 14 / 57

(372) ابن قدامہ' المغنی' 4 / 162

(373) ابن حجر' ابوالفضل شہاب الدین احمد بن علی' الدرایۃ فی تخریج احادیث الھدایۃ لاہور' دار نشر الکتب الاسلامیہ' 2 / 158

(374) العینی' البنایۃ' 3 / 165

(375) الشافعی' الام' 7 / 359

(376) الزیلعی' نصب الرایۃ' 4 / 44

(377) ابن قدامہ' المغنی' 4 / 163

(378) البقرة: 197

(379) النووی' ابوزکریا محی الدین یحیی بن شرف' المجموع شرح المھذب' المدینۃ المنورۃ' المکتبۃ السلفیۃ' 9 / 392

(380) ابن الہمام' فتح القدیر' 6 / 178

(381) السرخسی' المبسوط' 14 / 57

(382) ابن قدامہ' المغنی' 4 / 162

(383) البقرۃ' 278

(384) ابن تیمیۃ' فتاوی' 28 / 110

(385) دیکھئے۔ ابن قیم' شمس الدین محمد بن ابی بکر' الطرق الحکمیۃ فی السیاسۃ الشرعیۃ' بیروت' دار الکتب العلمیۃ

(386) عبدالقادر عودہ' التشریع الجنائی الاسلامی مقارنا بالقانون الوضعی' بیروت' دار احیاء التراث العربی' الطبعۃ الرابعۃ 1405ھ' 1 / 706

(387) تنزیل الرحمن' ڈاکٹر' مجموعہ قوانین اسلام' 3 / 1769' 1770

(388) السمرقندی' السراجی' / 52

بدران' احکام الترکات والمواریث / 290

(389) السرخسی' المبسوط' 30 / 52

(390) دیکھئے۔ خیری' المفتی' علم الفرائض والمواریث' / 288

(391) ابن عابدین' حاشیۃ رد المحتار 1 / 71

(392) نجات اللہ صدیقی' مقدمہ کتاب الخراج / 78

(393) نجات اللہ صدیقی' امام ابو یوسف کا معاشی فکر' ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور شمارہ ستمبر 1964' / 31

(394) الکاسانی' بدائع الصنائع 4 / 28

البویکانی' المنتقۃ / 451' 452

ابن عابدین، حاشیۃ رد المحتار علی الدر المختار، 3/582

(395) البلاذری، الخراج / 52

(396) الخراج / 174

(397) ایضاً

(398) ایضاً / 87

(399) ایضاً / 134، 135

باب پنجم

امام ابو یوسف کی اقتصادی بصیرت کے اثرات

فصول

فصل اول:

وہ کتب جن پر ابو یوسف کے معاشی فکر کے اثرات ہیں۔

فصل دوم:

مسلم ریاستوں کے مالیاتی و معاشی نظام میں آپ کے افکار و نظریات کے اثرات

فصل سوم:

مسلم ممالک کے قوانین میں آپ کے افکار کے اثرات

اس باب میں اس امر پر بحث کی جائے گی کہ امام ابویوسف کے معاشی افکار و نظریات سے کس حد تک استفادہ کیا گیا' ہارون الرشید (170-193ھ / 786-809ء) اور بعد کے مسلمان حکمرانوں کے ادوار میں حکومت اور انتظامیہ پر ان کے معاشی فکر کے کیا اثرات مرتب ہوئے؟

اس بحث کو راقم نے مندرجہ ذیل تین فصول میں سمیٹنے کی کوشش کی ہے۔

فصل اول

وہ کتب جن پر ابویوسف کے معاشی فکر کے اثرات ہیں۔

فصل دوم

مسلم ریاستوں کے مالیاتی و معاشی نظام میں آپ کے افکار و نظریات کے اثرات

(ا) خلافت عباسیہ

(ب) خلافت عثمانیہ

(ج) سلاطین دہلی اور عہد مغلیہ کا مالیاتی نظام

فصل سوم

مسلم ممالک کے قوانین میں آپ کے افکار کے اثرات

(ا) مجلۃ الاحکام العدلیہ

(ب) دیگر ممالک کے قوانین

فصل اوّل

وہ کُتب جن پر ابو یوسف کے معاشی فکر کے اثرات ہیں

امام ابویوسف کی تصنیف "کتاب الخراج" سے متاثر ہو کر بعد ازاں متعدد علماء نے اس موضوع پر قلم اٹھایا۔ امام ابویوسف کی مثال اس ضمن میں بارش کے پہلے قطرے کی سی ہے۔ اسلامی تاریخ میں اس موضوع پر جو کام بھی ہوا وہ آپ کے کام سے بے نیاز نہ ہو سکا۔ مصطفیٰ بن عبداللہ' حاجی خلیفہ (م 1067ھ / 1657ء) نے اپنی کتاب "کشف الظنون" میں خراج کے موضوع پر ایسی چار کتب کے نام تحریر کیے ہیں جو امام ابویوسف کی کتاب الخراج کے بعد تحریر کی گئیں۔(1) اور محمد بن اسحاق الندیم (م 438ھ / 1047ء) نے "الفہرست" میں ایسی پندرہ کتب کے نام گنوائے ہیں۔ (2)

ذیل میں ہم ان کتب اور مولفین کے نام نقل کرتے ہیں۔

- ابو زکریا یحییٰ بن آدم القرشی (م 203ھ / 818ء)۔ کتاب الخراج (3)
- ابو علی الحسن بن زیاد اللولوی (م 204ھ / 819ء)۔ کتاب الخراج (4)
- ابو عبدالرحمن الہیثم بن عدی الثعل (م 207ھ / 822ء)۔ کتاب الخراج (5)
- احمد بن محمد بن عبدالکریم بن ابی سہل الاحول (م 207ھ / 822ء)۔ کتاب الخراج (6)
- عبدالملک بن قریب الاصمعی (م 213ھ / 828ء)۔ کتاب الخراج (7)
- ابو محمد جعفر بن مبشر الثقفی (م 234ھ / 848ء)۔ کتاب الخراج (8)
- ابو عثمان عمرو بن بحر الجاحظ (م 255ھ / 869ء)۔ رسالۃ ابی النجم بالخراج (9)
- احمد بن عمر بن مہیر الشیبانی الخصاف (م 261ھ / 875ء)۔ کتاب الخراج (10)
- ابو سلیمان داؤد بن علی ظاہری (م 270ھ / 884ء)۔ کتاب الخراج (11)
- احمد بن محمد بن سلیمان بن بشار الکاتب (م 270ھ / 884ء)۔ کتاب الخراج الکبیر (12)
- ابو القاسم عبیداللہ بن احمد بن محمد الکلوذانی (م کان حیا" = 336ھ / 947ء)۔ کتاب الخراج (13)
- قدامہ بن جعفر بن قدامہ (م 337ھ / 948ء)۔ کتاب الخراج وصنعۃ الکتابۃ (14)
- ابو الحسن علی بن الحسن" الملقب بابن الماشطہ۔ کتاب الخراج (15)
- اسحاق بن شریح الکاتب النصرانی۔ کتاب الخراج (16)
- عبدالرحمن بن عیسیٰ بن داؤد الجراح۔ کتاب کبیر فی الخراج (17)
- ابو الحسن علی بن وصیف۔ کتاب الایضاح والتشبیب فی آئین الخراج ورسومہ (18)
- اسحاق بن یحییٰ بن سریج۔ کتاب الخراج الکبیر اور کتاب صناعۃ الخراج الصغیر (19)
- ابو نصر محمد بن مسعود العیاشی۔ کتاب الجزیہ والخراج (20)

- علی بن احمد بن سلام۔ کتاب الخراج(21)
- محمد بن احمد بن علی بن خیار الکاتب۔ کتاب الخراج(22)
- نصر بن موسیٰ الرازی۔۔۔ کتاب الخراج(23)
- زین الدین عبدالرحمن بن احمد بن رجب الحنبلی (م 795ھ 1393ء)۔۔۔ الاستخراج لاحکام الخراج(24)
- ابو القاسم عبداللہ ابن العرمرم۔ کتاب الخراج(25)

شیخ محمد محسن بزرگ الطہرانی (م 1389ھ / 1969ء) نے اپنی تصنیف "الذریعۃ الی تصانیف الشیعۃ" میں خراج کے موضوع پر درج ذیل کتب کا ذکر کیا ہے۔

(ا) کتاب الخراج والمقاسمۃ

(ب) السراج الوھاج فی حرمۃ الخراج

(ج) حل الخراج(26)

عبدالجبار الرفاعی نے "فہرست الاقتصاد الاسلامی باللغۃ العربیۃ" میں احمد الاردبیلی کی کتاب "الرسالۃ الخراجیۃ" اور عبداللہ افندی کی کتاب "الخراجیۃ" کا ذکر کیا ہے۔ الاردبیلی اور افندی کی ان دونوں کتب کے مخطوطے قم (ایران) کے مکتبہ آیۃ اللہ السید المرعشی میں موجود ہیں۔(27)

علماء کی ایک جماعت نے اسی موضوع پر "الاموال" کے نام سے کتب تحریر کی ہیں۔

- ابو عبید القاسم بن سلام (م 224ھ / 838ء)۔۔۔ کتاب الاموال (28)
- حمید بن مخلد ابن زنجویہ (م 251ھ / 865ء)۔۔۔ کتاب الاموال (29)
- قاضی اسماعیل بن اسحاق (م 282ھ / 895ء)۔۔۔ الاموال والمغازی (30)
- ابو جعفر احمد بن نصر الداودی المالکی (م 402ھ / 1019ء)۔۔۔ کتاب الاموال (31)
- ابو الحسن علی بن محمد المدائنی۔ کتاب اموال النبیؐ (32)
- عبداللہ بن محمد الاصفہانی (م 369ھ / 979ء)۔۔۔ کتاب الاموال (33)

خراج کے موضوع پر جن کتب کی فہرست پیش کی گئی ہے اس میں شامل بعض کتب اب نایاب ہیں۔ کچھ کتابیں دنیا کے مختلف کتب خانوں میں مخطوطات کی شکل میں محفوظ ہیں اور ابھی تک شائع نہیں ہو سکیں۔ ان میں سے درج ذیل کتب زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں۔

(ا) یحییٰ بن آدم القرشی کتاب الخراج (لاہور سے المکتبۃ العلمیہ نے شائع کی ہے)

(ب) ابو عبید القاسم بن سلام کتاب الاموال (سانگلہ ہل سے المکتبۃ الاثریہ نے شائع کی ہے)

(ج) حمید بن مخلد 'ابن زنجویہ' کتاب الاموال (الریاض سے المرکز الملک فیصل للبحوث والدراسات الاسلامیہ نے شائع کی ہے۔

(د) قدامہ بن جعفر بن قدامہ 'کتاب الخراج وصنعۃ الکتابۃ (لیدن' مطبع بریل سے 1306ھ میں شائع ہوئی)

(ر) زین الدین عبدالرحمٰن بن احمد بن رجب الحنبلی 'الاستخراج لاحکام الخراج' (بیروت سے دار الکتب العلمیہ نے شائع کی)

وہ کتب جو شائع ہو چکی ہیں ان کے مباحث پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان پر ابو یوسف کی کتاب الخراج کے کافی اثرات ہیں۔ ان علماء نے انہی موضوعات پر قلم اٹھایا ہے جن پر امام ابو یوسف پہلے بحث کر چکے تھے۔

خاص خراج کے موضوع پر ان تصانیف کے علاوہ دیگر علماء نے اپنی تصانیف میں خراج کے موضوع پر بحث کی ہے۔ مثلاً محمد بن ادریس الشافعی (م 204ھ / 820ء) نے "کتاب الام" میں خراج کے موضوع پر روشنی ڈالی ہے۔ (34) بعض جغرافیہ دانوں نے بھی اپنی کتب میں خراج کو موضوع بحث بنایا۔ ابو القاسم عبید اللہ بن احمد' ابن خرداذبہ (م 280ھ / 893ء) تیسری صدی ہجری کا ایک مشہور جغرافیہ دان ہے اس نے اپنی کتاب "المسالک والممالک" میں ہر اقلیم کی مقدار خراج کو بیان کیا ہے۔ (35) ابو الحسن علی بن محمد 'الماوردی (م 450ھ / 1058ء) نے اپنی مشہور کتاب "الاحکام السلطانیہ" میں بڑی وضاحت سے خراج کے موضوع پر لکھا ہے۔ (36) قاضی ابو یعلیٰ محمد بن الحسین (م 458ھ / 1066ء) کی کتاب "الاحکام السلطانیہ" میں بھی خراج کے موضوع پر بحث ملتی ہے۔ (37) ابو عبد اللہ محمد بن عبدوس الجشیاری (م 331ھ / 942ء) نے اپنی تصنیف "کتاب الوزراء والکتاب" میں خراج پر بحث کی ہے۔ (38) تقی الدین احمد بن علی المقریزی (م 845ھ / 1441ء) نے "الخطط" میں مصر کے مالیاتی نظام اور خراج کی تاریخ پر روشنی ڈالی ہے۔ (39)

ان کتب کے علاوہ فقہ کے موضوع پر جس قدر اہم کتب ہیں ان میں اس موضوع پر ضرور بحث کی گئی ہے۔

فصل دوم

مُسلم ریاستوں کے مالیاتی و معاشی نظام میں آپ کے افکار و نظریات کے اثرات

(ا) خلافت عباسیہ

امام ابو یوسف نے یہ کتاب ہارون الرشید (170-193ھ / 786-809ء) کی راہنمائی کے لئے تحریر کی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ہارون الرشید کے عہد کے معاشی و مالیاتی نظام میں ابو یوسف کے معاشی فکر کے بہت اثرات ہیں۔

امام ابو یوسف نے معاشی ترقی کے حصوں کے لئے مختلف منصوبوں پر کام کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ ہارون الرشید نے بیت المال (Public Treasur) کی آمدنی سے ایک کثیر رقم مختلف سڑکوں، شاہراہوں اور پلوں کی تعمیر پر صرف کی۔ نئی نہروں کی کھدائی اور صفائی پر خاص توجہ دی گئی۔ (40) یہ کام دیوان الخراج کے ذمہ تھا۔ حکومت نے اس کام کے لئے اعلیٰ درجہ کے کاریگر ملازم رکھے ہوئے تھے۔ زراعت کی طرف خاص توجہ کی گئی، کھیتوں کو سیراب کرنے کے لئے آبپاشی کے بڑے بڑے منصوبوں کو پایہ تکمیل تک پہنچایا گیا۔ مختلف دریاؤں مثلاً دجلہ و فرات وغیرہ پر بند تعمیر کئے گئے اور پرانے بندوں کی تعمیر کرائی گئی۔ (41)

ہارون الرشید کے دور میں نہروں کی کھدائی کا کام اپنے عروج کو پہنچ چکا تھا۔ ابجشیاری کے بیان کے مطابق اس دور میں بیت المال سے دو کروڑ درہم آبپاشی کے منصوبوں پر خرچ کئے گئے۔ (42) نہریں کھودنے والوں کو "اصحاب القناء" کہا جاتا تھا جو بغداد کے ایک خاص کوارٹر میں رہتے تھے۔ عراقی معاشرہ میں ان کو خاص مقام حاصل تھا۔ (43)

ہارون الرشید نے امام ابو یوسف کی پیش کردہ سفارشات کو مد نظر رکھتے ہوئے زمین کی آبادکاری اور رعایا کی معاشی حالت کو بہتر بنانے کے لئے بہت سے اقدامات کئے۔ اس دور میں بکثرت غیر آباد زمینیں سرسبز و شاداب ہو گئیں اور زرعی پیداوار (Agricultural Production) میں اضافہ ہوا۔

اس عہد میں آبادی کی اکثریت زراعت پیشہ تھی۔ ابو یوسف کی اقتصادی اصلاحات کی بدولت محاصل کی شرح میں کمی ہو گئی اور اس کے نتیجہ میں کسان خوشحال اور فارغ البال ہو گئے۔ محاصل (Taxes) کی ادائیگی کے بعد بھی کاشتکار کے پاس اتنی پیداوار بچ رہتی کہ جس سے وہ اطمینان اور خوشحالی کی زندگی بسر کر سکے۔ امام ابو یوسف نے خلیفہ کو مشورہ دیا تھا کہ اگر مختلف آفات کی وجہ سے کاشتکار کی فصل ضائع ہو جائے تو اس صورت میں ٹیکس میں مناسب تخفیف کر دی جائے۔ ہارون الرشید کے دور میں جب بھی کاشتکار طبقہ مشکلات سے دوچار ہوتا تو ان کے ٹیکس میں کمی کر دی جاتی۔ (44)

امام ابو یوسف کی سفارش پر عمل کرتے ہوئے ہارون الرشید نے ارض سواد کو زیادہ سے زیادہ سرسبز و شاداب بنانے کی کوشش کی۔ زراعت کی ترقی اور اجناس کی فراوانی کی وجہ سے اس علاقہ میں اشیائے خورد و نوش کی قیمتیں خاصی کم ہو گئیں۔ رعایا خوشحال ہو گئی اور حکومت کو مالی استحکام حاصل ہوا۔ ہارون الرشید کے دور کے بعد علاقہ سواد سے خراج کی آمدنی میں غیر معمولی اضافہ ہوا۔ ہم یہاں سواد کے خراج کے اعداد و شمار نقل کرتے ہیں۔ یہ اعداد 204ھ کے دیوان

الخراج سے ماخوذ ہیں۔ یہی وہ تاریخ ہے جس کے اعداد بالتفصیل ہم کو معلوم ہیں کیونکہ اس سے پہلے کے اعداد محمد الامین بن ہارون (193-198ھ / 809-813ء) کے قتل کے وقت 198ھ میں بغداد کے فتنہ و فساد میں جلا دیے گئے۔ ان اعداد سے اس علاقے کی خوشحالی اور شادابی مکمل طور پر واضح ہو جائے گی۔

نام علاقہ	تعداد	کر گندم	کر جو	مقدار سکہ (درہم)
	انبارہائے گندم			
ابار	250	2300	1400	150000
مسکن	150	3000	1000	150000
قطربل	220	1000	1000	300000
بادوریا	420	3500	1000	2000000
بہرسیر	240	1900	1700	150000
رومقان	240	3300	3300	250000
نہرور قیط	125	2000	2000	200000
نہرجوبر	227	1700	6000	150000
کورۃ الزوابی	244	1400	7200	250000
بابل اور خطرنیہ	378	3000	5000	350000
فلوجہ العلیا	240	500	500	70000
فلوجہ اسفلی	72	2000	3000	280000
نحرین	181	300	400	45000
عین التمر	14	300	400	45000
جبہ اور البداۃ	71	1200	1600	150000
سورا اور بربیسما	265	700	2400	100000
بادوسا اور نہرالملک	764	1500	4500	250000
سیبین اور روقوف	+	500	5500	50100
فرات بادقلی	271	2000	2500	900000
سیلحین	34	1000	1700	140000

روزمستان ہرمزجود	+	500	5000	10000
نستر	173	1250	2000	300000
ایغار یقطین	+	1200	2000	404000
کسکر	+	3000	20000	200000
بزرجسابور	263	2500	2200	300000
راذانین	362	4800	4800	120000
نہربوق	+	200	1000	100000
کلواذی اور نہربین	34	1600	1500	330000
جاذر اور مدینۃ العتیقہ	116	1000	1500	140000
روستقباذ	+	1000	1400	170000
مہروز سلسل	+	2000	2500	250000
جلولا	76	1000	1000	100000
ذ ۔ ۔ کن	230	700	1300	40000
رسکی	44	2000	2000	70000
براز الروز	86	3000	5500	120000
بسلبیحین	54	600	500	100000
بادرایا باکسایا	207	4700	5000	3300000
کوروستان شاذ فیروز	+	+	+	1800000
نہروان الاعلی	+	2700	1800	350000
نہروان الاوسط	380	1000	500	100000
نہروان الاسفل	+	1000	1200	150000

221ھ میں ابوالعباس عبداللہ بن طاہر کو خراسان سے حسب ذیل خراج وصول ہوا۔ (44846000) درہم نقد۔ سواری کے جانور 13 عدد تین ہزار (3000) بکریاں' دو ہزار (2000) قیدی جن کی قیمت چھ لاکھ (600000) درہم تھی۔ ایک ہزار ایک سو ستاسی (1187) عدد کپڑے ایک ہزار تین سو (1300) عدد لوہے کے صندوق اور چادریں۔(46)

آخر میں تمام سلطنت کے خراج کو صوبہ وار درج کیا جاتا ہے۔ اس سے اس زمانے کی معاشی ترقی و خوشحالی کا اندازہ

بخوبی ہو سکتا ہے۔

نام صوبہ	خراج (الفاظ میں) مطابق درہم	ہندسوں میں
سواد	گیارہ کروڑ چوالیس لاکھ ستاون ہزار چھ سو پچاس درہم	(114457650)
اہواز	دو کروڑ تیس لاکھ	(23000000)
فارس	دو کروڑ چالیس لاکھ	(24000000)
کرمان	ساٹھ لاکھ	(6000000)
مکران	دس لاکھ	(1000000)
اصبہان	ایک کروڑ پانچ لاکھ	(10500000)
بجستان	دس لاکھ	(1000000)
خراسان	تین کروڑ ستر لاکھ	(37000000)
حلوان	نو لاکھ	(900000)
ماہ الکوفہ	پچاس لاکھ	(5000000)
ماہ البصرہ	اڑتالیس لاکھ	(4800000)
ہمدان	سترہ لاکھ	(1700000)
ماسبذان	بارہ لاکھ	(1200000)
مہرجان قذق	گیارہ لاکھ	(1100000)
الایغارین	اکتیس لاکھ	(3100000)
قم اور قاشان	تیس لاکھ	(3000000)
آذربجان	پینتالیس لاکھ	(4500000)
رے اور دماوند	دو کروڑ اسی ہزار	(20080000)
قزوین وزنجان وابہر	اٹھارہ لاکھ اٹھائیس ہزار	(1828000)
قومس	گیارہ لاکھ پچاس ہزار	(1150000)
جرجان	چالیس لاکھ	(4000000)
طبرستان	بیالیس لاکھ اسی ہزار سات سو	(4280700)

تکریت اور طیرہان	نو لاکھ	(900000)
شہرزور اور الصامغان	ستائیس لاکھ پچاس ہزار	(2750000)
الموصل اور اس سے ملحقہ علاقے	تریسٹھ لاکھ	(6300000)
قردی اور بذیدی	بتیس لاکھ	(3200000)
دیار ربیعہ	چھیانوے لاکھ پینتیس ہزار	(9635000)
ارزن اور میافارقین	بیالیس لاکھ	(4200000)
طرون	ایک لاکھ	(100000)
ارمینیہ	چار لاکھ	(400000)
آمد	بیس لاکھ	(2000000)
دیار مضر	ساٹھ لاکھ	(6000000)
اعمال طریق الفرات	انتیس لاکھ	(2900000)
قنسرین اور عواصم	تین لاکھ ساٹھ ہزار	(360000)
حمص	دو لاکھ اٹھارہ ہزار	(218000)
دمشق	ایک لاکھ دس ہزار	(110000)
اردن	ایک لاکھ نو ہزار	(109000)
فلسطین	دو لاکھ پچانوے ہزار	(295000)
مصر اور اسکندریہ	پچیس لاکھ	(2500000)
حرمین	ایک لاکھ	(100000)
یمن	چھ لاکھ	(600000)
یمامہ اور بحرین	پانچ لاکھ دس ہزار	(510000)
عمان	تین لاکھ	(47)(300000)

امام ابویوسف نے خراج وظیفہ کی بجائے خراج مقاسمہ کی سفارش کی تھی۔ ہارون الرشید نے اس تجویز کو سرکاری طور پر منظور کر کے تمام ملک میں نافذ کرا دیا۔ ڈاکٹر صبحی صالح نے اپنی کتاب "النظم الاسلامیۃ" میں لکھا ہے کہ جب امام ابویوسف کی سفارش کے مطابق ہارون الرشید نے خراج مقاسمہ کا طریقہ نافذ کیا تو اس کے مثبت نتائج نکلے۔ اس سے رعایا بھی خوشحال ہو گئی اور خراج کی آمدنی میں بھی اضافہ ہو گیا۔ (48)

آپ نے خلیفہ کو یہ نصیحت کی تھی کہ خراج کی وصولی میں سختی نہ کی جائے ہارون الرشید نے اس پر عمل کیا اور خراج کی وصولی میں سختی کو یک قلم موقوف کر دیا۔ سولد کے علاقہ میں خراج کی مقررہ شرح سے زیادہ جو دسواں حصہ لیا جاتا تا اس کو بند کر دیا۔ (49)

امام ابو یوسف کی نصیحت کو مد نظر رکھتے ہوئے ہارون الرشید' عمال کے تقرر کے وقت ان کو عدل و انصاف کی ہدایت کرتا۔ (50) آپ نے کتاب الخراج میں ہارون الرشید کو یہ نصیحت کی تھی کہ ظالم اور خائن قسم کے عمال کو عبرت انگیز سزائیں دی جائیں۔ ہارون الرشید نے اس پر بھی عمل کیا۔ خراسان کے ایک عباسی امیر علی بن عیسی کے ظلم و ستم سے مسلمان اور ذمی سب تنگ تھے۔ وہ حکومت کے مقررہ ٹیکس کے علاوہ لوگوں سے ناجائز طور پر رقم وصول کرتا تھا۔ ہارون الرشید نے علی بن عیسی کو معزول کر کے اس کی جگہ ہر ثمہ بن امین (م 200ھ / 816ء) کا تقرر کیا۔ تقرر کا جو پروانہ لکھا تھا اس میں ہارون الرشید نے ہر ثمہ بن امین کو کہا کہ علی بن عیسیٰ نے عوام سے جو ناجائز مال اکٹھا کیا ہوا ہے اس کا ایک ایک درہم وصول کرے اور اس کے اصل حقداروں کو واپس کرے۔ (51)

امام ابو یوسف نے جن ذمیوں کو جزیہ کے ٹیکس سے مستثنیٰ کیا ہے ان سے جزیہ نہیں لیا جاتا تھا۔ (52) عشور کا ٹیکس بھی امام ابو یوسف کے فکر کے مطابق سال میں ایک بار ہی وصول کیا جاتا تھا۔ لقطہ اور لاوارث اشیاء بیت المال میں جمع ہوتی تھیں۔

امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں احتساب کی اہمیت پر بہت زور دیا ہے۔ ہارون الرشید نے آپ کے مشورہ کے مطابق احتساب کے نظام کو مضبوط بنیادوں پر قائم کیا۔ ڈاکٹر منیر العجلانی لکھتے ہیں۔

> فاقام الرشید محتسبا یطوف بالاسواق و یفحص الاوزان والمکاییل من الغش (53)

احتساب کے نظام سے غلہ کی تجارت کو ترقی ہوئی اور محکمہ احتساب کی سفارش سے ذخیرہ اندوزی پر بھی کافی حد تک قابو پا لیا گیا' جس سے غریب و متوسط طبقہ کی معاشی حالت بہتر ہو گئی۔

امام ابو یوسف نے قبالہ کے نظام کی مخالفت کی تھی اور اس کو ختم کرنے کی سفارش کی۔ لیکن آپ کی اس تجویز پر عمل نہیں کیا گیا۔ اور خراج و جزیہ کی تحصیل کو ٹھیکہ پر دینے کا رواج جاری رہا۔ الجہشیاری اور المقریزی کے بیان کے مطابق عہد ہارون الرشید کے آخری ایام (یعنی ابو یوسف کی وفات کے بعد) میں بھی قبالہ کا نظام اسی طرح چلتا رہا۔ (54) المقریزی نے لکھا ہے کہ مامون الرشید کے دور میں بھی اس پر عمل ہوتا تھا۔ (55)

مقتدر باللہ (295-320ھ / 908-932ء) کے عہد حکومت میں بھی اس نظام پر عمل ہوتا رہا۔ المقریزی نے الخطط والآثار جلد 1' میں مصر کے خراج کے بارے میں جو معلومات دی ہیں ان سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ تیسری صدی

ہجری میں وہاں قبالہ کا نظام رائج تھا۔ اندلس میں قبالہ 1101ء میں رائج تھا۔ بارہویں صدی عیسوی میں اطالیہ کی بندرگاہوں اور صقلیہ کے نارمنوں کے ہاں بھی رائج تھا۔ (56)

محمد ضیاء الدین الریس کے بیان کے مطابق علاقہ سواد کی بارانی زمینوں سے بدستور نصف پیداوار وصول کی جاتی رہی اور امام ابویوسف کی تجویز کردہ نئی شرح (یعنی 2/5 پیداوار) اختیار نہیں کی گئی۔ (57) البتہ مامون الرشید (198-218ھ / 813-833ء) نے اپنے عہد خلافت میں یہ شرح نصف کے بجائے 2/5 کر دی۔ (58) جیسا کہ امام ابویوسف نے تجویز کیا تھا۔

امام ابویوسف نے کتاب الخراج میں بیت المال کے بارے میں یہ تصور دیا ہے کہ یہ خلیفہ کے پاس قوم کی امانت ہے اس لئے اس کے استعمال میں احتیاط برتی چاہیے لیکن آپ کے اس فکر پر عمل نہیں کیا گیا۔ ہارون الرشید کے عہد میں اور بعد کے ادوار میں بھی بیت المال کا بے دریغ استعمال اسی طرح جاری رہا۔ شعراء، ادباء اور دیگر لوگوں کو بیت المال سے بڑی بڑی رقمیں دی جاتی تھیں۔ (59)

ہارون الرشید کے بعد مختلف عباسی خلفاء کے ادوار میں بھی امام ابویوسف کے معاشی فکر کے اثرات ملتے ہیں۔ عباسی عہد میں زراعت کی ترقی کے لئے خاص اہتمام کیا گیا۔ خلفاء کو یہ احساس تھا کہ جب تک زراعت پیشہ طبقہ معاشی لحاظ سے مضبوط نہیں ہو گا اس وقت تک ملکی معاشی ترقی ممکن نہیں۔ کاشتکاروں کے مصالح پر خصوصی توجہ دی گئی جب عباسی خلیفہ معتصم باللہ (218-227ھ / 833-841ء) نے بغداد کے قریب سامرا کا شہر آباد کیا تو وہاں کی زمین بالکل بنجر تھی۔ پانی کمیاب تھا۔ خلیفہ نے اس کو زرخیز اور شاداب بنانے کے لئے مختلف ممالک سے آبی زمین شناخت کرنے والے اور اس سے پانی نکالنے والے مہندسین اور زمین کو زرخیز بنانے والے ماہرین جمع کر کے نہریں نکلوائیں۔ (60) محمد بن جریر الطبری (م 310ھ / 923ء) اور علی بن محمد ابن الاثیر (م 630ھ / 1233ء) نے لکھا ہے کہ عباسی خلیفہ متوکل علی اللہ (232 246ھ / 847 861ء) نے سامراء کے شمال میں ماحوزہ کے مقام پر جب متوکلیہ کا شہر آباد کیا تو وہاں کی زرعی زمینوں کو سیراب کرنے کے لئے بیت المال سے کثیر رقم صرف کی۔ (61)

عباسی خلیفہ معتضد باللہ (279-289ھ / 892-902ء) نے کاشتکاروں کی فلاح و بہبود کے لئے جو فرامین جاری کئے۔ (62) وہ ان تجویز سے ہم آہنگ ہیں جو امام ابویوسف نے خلیفہ ہارون الرشید کو پیش کی تھیں۔

معتضد باللہ کے ابتدائی دور میں، میراث کی تقسیم میں ذوی الارحام (Relative through the mother) کا کوئی حصہ نہیں تھا۔ ترکہ کی تقسیم کے وقت اگر ذوی الفروض اور عصبات میں سے کوئی بھی موجود نہ ہوتا تو متوفی کا ترکہ بیت المال میں داخل کر دیا جاتا۔

امام ابویوسف کے نزدیک عصبات کے بعد ذوی الارحام وارث ہیں۔ معتضد کے آخری دور میں ابویوسف کے

معاشی فکر کے مطابق ذوی الارحام کو حصہ ملنے لگا۔ اس سے رعایا پر بہت اچھا اثر پڑا اور ہر شخص کی زبان سے اس کے لئے دعا نکلنے لگی۔(63)

عباسی خلیفہ طائع للہ (363-381ھ / 974-991ء) نے اپنے عمال کو یہ حکم دیا تھا کہ عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور راہبوں سے جزیہ نہ لیا جائے۔(64)

بنو عباس کے عہد میں پیمائش کے لئے ایک پیمانہ یوسفیہ استعمال ہوتا تھا اس کو امام ابو یوسف نے بنایا تھا۔ محمد بن الحسین، ابو یعلی (م 458ھ۔1066ء) کے الفاظ ہیں۔

و اما الیوسفیة = فهی التی یذرع بها القضاة الدور بمدینة السلام، و هی اقل من الذراع السوداء بثلثی اصبع، و اول من وضعها ابو یوسف القاضی (65)

"اور یوسفیہ جس سے بغداد کے قاضی مکان کی پیمائش کرتے ہیں ذراع سوداء سے 1/3-1 انگشت کم ہے۔ اس کو سب سے پہلے قاضی ابو یوسف نے بنایا ہے۔"

(ب) خلافت عثمانیہ

امام ابو یوسف نے قبالہ کے نظام کے بارے میں جو رائے دی تھی، عباسی عہد میں تو اس پر عمل نہ ہو کا لیکن اسلامی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض عثمانی خلفاء نے ٹیکسوں کی وصولی میں ٹھیکہ کے نظام کو ختم کر دیا۔ مثلاً سلیم ثالث (1203 1222ھ) نے یہ فرمان جاری کیا کہ ٹیکس کی وصولی کے لئے جو ٹھیکے اہم لوگوں کو دیئے جاتے ہیں وہ سب ختم کر دیئے جائیں اور آئندہ تمام ٹیکس صرف سرکاری خزانہ کے عمال کے ذریعہ ہی وصول کئے جائیں۔(66) اسی طرح سلطان عبدالمجید خاں (1255-1277ھ) نے 21 فروری 1856ء کو ایک اہم اعلان جاری کیا کہ ٹھیکہ داروں کی وساطت سے جو ٹیکس وصول کئے جاتے تھے وہ ختم کئے جاتے ہیں اور آئندہ حکومت کے عہدہ دار براہ راست ٹیکس وصول کریں گے۔(67)

امام ابو یوسف نے جزیہ کا محصول تجویز کرتے وقت ذمیوں کو معاشی لحاظ سے تین اقسام میں تقسیم کیا ہے۔ سیمان ثانی (1099-1103ھ) نے بھی اپنے دور میں جزیہ کا محصول لیتے وقت آمدنی کے لحاظ سے تین طبقات قرار دیئے۔ یعنی طبقہ امراء، متوسط طبقہ اور ادنٰی طبقہ۔(68)

(ج) سلاطین دہلی اور عہد مغلیہ کا مالیاتی نظام

ہندوستان میں سلطنت دہلی اور مغلیہ دور کے نظام محاصل پر نظر ڈالی جائے تو اس میں بھی امام ابو یوسف کے معاشی فکر کے اثرات نمایاں طور پر ملتے ہیں۔

جمہور فقہاء کے برعکس امام ابو یوسف کی رائے یہ ہے کہ ایک ہی زمین پر عشر و خراج اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ سلطان قطب الدین ایبک (1206-1210ء) نے اپنے عہد میں یہ فرمان جاری کیا تھا کہ جو زمینیں مسلمانوں کی مملوکہ ہیں ان پر عشر یا نصف عشر عائد کیا جائے اور اس کے علاوہ ان سے خراج وغیرہ کچھ نہ وصول کیا جائے۔(69)

سلطان التمش (1210-1236ء) کے عہد کے سرکاری خطوط و دستاویزات کے مشہور مجموعہ "انشاء ماہرو" میں صاف طور پر یہ لکھا ہے کہ آراضی ہندو حالت سے خالی نہیں یا تو وہ خراجی ہو گی یا عشری۔(70)

امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں خراج وظیفہ کی بجائے خراج مقاسمہ کی سفارش کی ہے۔ سلطان علاؤالدین خلجی (1296-1316ء) نے خراج وظیفہ کے طریقے کو بدل کر خراج مقاسمہ کا طریقہ نافذ کیا۔(71) یہ طریقہ یہاں بہت آسان اور قابل قبول ثابت ہوا کیونکہ ہندو اپنی زمینوں کی پیداوار کو مختلف صورتوں میں حکومت کے ساتھ بانٹنے کے عادی تھے۔ وہ یہ بات تسلیم کرتے تھے کہ حکومت زرعی پیداوار کا ایک حصہ لینے کا حق رکھتی ہے۔ اس طرح شرع کے تقاضوں اور ہندو روایات میں آسانی سے مفاہمت پیدا کی جا سکتی تھی۔

امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں ہارون الرشید کو یہ مشورہ دیا ہے کہ بیت المال سے محتاج اور بے سہارا لوگوں کے لیے وظائف مقرر کیے جائیں تاکہ انہیں بھیک مانگنے کی نوبت نہ آئے۔ صاحب مسالک الابصار کے بیان کے مطابق سلطان محمد تغلق (1325-1351ء) نے بھیک مانگنے پر مکمل پابندی عائد کی اور فقراء و بے سہارا لوگوں کے لئے سرکاری خزانہ سے روزینہ جاری کیا۔(72)

امام ابو یوسف کا نظریہ یہ ہے کہ حاکم وہی ٹیکس عائد کرنے کا مجاز ہے جو شریعت سے ثابت ہیں۔ سلطان فیروز شاہ تغلق (1351-1388ء) کی بابت خاص طور سے مورخین یہ شہادت پیش کرتے ہیں کہ اس نے بیت المال کے وسائل کو ان محاصل تک ہی محدود رکھا جو شریعت سے ثابت تھے اور باقی دیگر محاصل کو یک قلم ممنوع قرار دیا۔(73)

اس کے عہد میں خراج مقاسمہ کا طریقہ رائج تھا۔ اس نے خراج کی وصولی میں ہر طرح کی بے ضابطگیوں کو ممنوع قرار دیا تھا۔ اس نے عمال و محصلین خراج کے نام یہ فرمان جاری کیا کہ کاشتکار پر خراج کی وہ مقدار عائد کی جائے جسے وہ آسانی سے ادا کر سکیں۔ ان پر سختی نہ کی جائے اور نہ ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ ان پر ڈالا جائے۔ اس لئے کہ کسان ہی سرکاری خزانہ (Public Treasury) میں اضافہ کا ذریعہ بنتے ہیں۔(74)

امام ابو یوسف کا معاشی فکر یہ ہے کہ بیت المال کی آبادی ہی میں سلطنت کی معاشی ترقی مضمر ہے۔ سلطان فیروز شاہ نے خان جہاں کو وزیر مقرر کرتے وقت اس کی جو ذمہ داریاں یاد دلائیں ان میں نظم محاصل کی نگرانی اور حکومت کی آمدنی میں اضافہ کی تدبیر بھی شامل تھی اور اس کی وجہ یہ بیان کی کہ سلطنت کی تعمیر و ترقی بیت المال کی آبادی اور ذرائع آمدنی میں اضافہ سے منسلک ہے۔(75)

سلاطین دہلی کے عہد میں جزیہ کی تحصیل امام ابویوسف کی تجویز کردہ تین شرحوں کے مطابق ہوتی تھی۔ یعنی دولت مند طبقہ سے اڑتالیس تنکہ سالانہ' متوسط طبقہ سے چوبیس تنکہ سالانہ' ادنیٰ طبقہ سے بارہ تنکہ سالانہ۔
عورتیں' بچے' محتاج' اپاہج' بوڑھے' مذہبی پیشوا اور فوجی خدمات انجام دینے والے غیر مسلم جزیہ سے مستثنیٰ تھے۔ (76)

امام ابویوسف نے کاشتکاروں سے خراج کی بروقت وصولی پر بھی زور دیا ہے تاکہ کاشتکار اور ریاست دونوں کو نقصان نہ اٹھانا پڑے۔ سلاطین دہلی کے دور میں اس بات کا خاص خیال رکھا جاتا تھا کہ مالیے کی تشخیص کرنے والی جماعت کے انتظار میں کٹی ہوئی فصل کھلے میدان میں نہ پڑی رہے۔ (77)
امام ابویوسف کی رائے یہ ہے کہ ایسے تمام ترکے جن کا کوئی وارث نہ ہو بیت المال میں جمع کیے جائیں گے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ عہد مغلیہ میں بیت المال کے وسائل میں جس چیز کا سب سے زیادہ ذکر ملتا ہے وہ "لاوارث ترکے" ہیں۔ تمام مغل بادشاہوں کے زمانہ حکومت میں یہ مسلمہ اصول معمول بہ رہا ہے کہ اگر کوئی شخص بغیر کوئی شرعی وارث چھوڑے وفات پا جاتا تو اس کی جائیداد بیت المال کی ملک ہو جاتی۔ جلال الدین محمد اکبر (1556-1605ء) کے زمانہ میں اس سے متعلق جو قانون جاری کیا گیا تھا اس کی وضاحت معاصر مورخ بدایونی کے یہاں ان الفاظ میں ملتی ہے کہ اگر میت کا کوئی وارث نہ ہو تو اسے بیت المال میں داخل کیا جائے۔ (78) نورالدین محمد جہانگیر (1605-1627ء) نے تخت نشینی کے بعد جو بارہ مشہور ضوابط جاری کیے تھے ان میں ایک یہ بھی تھا کہ مسلم و غیر مسلم متوفی کی جائیداد اس کے ورثاء کے حوالے کر دی جائے اور لاوارث جائیداد سرکاری تحویل میں لی جائے۔ (79) اورنگ زیب عالمگیر (1658-1707ء) نے 1667ء میں اسی نوعیت کا حکم جاری کیا تھا۔ (80)
اورنگ زیب عالمگیر نے اپنے دور میں مفلس' اندھوں' اپاہجوں اور بوڑھے افراد جو کام کرنے کے قابل نہ ہوں۔ ان کو جزیہ کے محصول سے مستثنیٰ قرار دیا۔ (81)

امام ابویوسف نے کتاب الخراج میں غریب و نادار قیدیوں کی معاش کے بارے میں بھی فکر پیش کیا ہے۔ یعنی بیت المال سے ان کی خوراک اور لباس کا انتظام ہونا چاہیے۔ اور لاوارث قیدیوں کی تجہیز و تکفین بیت المال سے کی جائے۔ اورنگ زیب عالمگیر نے 1697ء میں قاضی ابوالفرح خاں کو احمد آباد کے صوبائی بیت المال کا امین (نگران) مقرر کرتے ہوئے قیدیوں کے بارے میں یہ حکم صادر فرمایا کہ سردی کے موسم میں ہر غریب قیدی کو بیت المال سے ایک قبا' ایک شلوار اور ایک ٹوپی فراہم کی جائے۔ اور گرمی کے دنوں میں ایک چادر' ایک شلوار اور ایک ٹوپی دی جائے۔ (82) اس کے دور میں یہ قانون بھی رائج تھا کہ اگر متوفی کے عزیز و اقارب میں کوئی زندہ نہ ہوتا تو مقامی قاضی اس کی تجہیز و تکفین کا انتظام کرتا تھا اور اس کے اخراجات بیت المال سے ادا کیے جاتے تھے۔ (83) امام ابویوسف نے بھی کتاب الخراج میں

خلیفہ کو یہی مشورہ دیا ہے۔

بیت المال کے مصارف کے بارے میں امام ابویوسف نے بنیادی اصول یہ پیش کیا ہے کہ یہ ادارہ خلیفہ کی ذاتی ملکیت نہیں کہ وہ اسے جس طرح چاہے استعمال کرے بلکہ یہ اس کے پاس قوم کی امانت ہے۔ اس کو عوام کی معاشی فلاح و بہبود کے کاموں ہی میں خرچ کرنا چاہیے۔ تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد وسطیٰ کے ہندوستان میں بیت المال کے وسائل کو عوام کی فلاح و بہبود کے کاموں میں صرف کیا جاتا تھا۔ سلطان یا بادشاہ بیت المال میں بس اتنا ہی اپنا اختیار سمجھتے تھے جتنا کسی مال یا جائیداد پر اس کے امین یا نگران کا ہوتا ہے۔ سلاطین دہلی میں ناصرالدین محمود (1246-1266ء) کا واقعہ مشہور ہے کہ جب ان کی اہلیہ نے بیت المال سے گھر کے کام کاج کے لئے ایک خادمہ کی فراہمی کا مطالبہ کیا تو سلطان نے جواب دیا کہ بیت المال خدا کے بندوں کا حق ہے مجھے اس میں ذاتی تصرف کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ (۸۹) دیگر سلاطین کی بھی ایسی متعدد مثالیں ملتی ہیں۔

امام ابویوسف نے اس بات پر زور دیا ہے کہ حکومت کو مختلف ذرائع سے جو کچھ آمدنی ہو اسے الگ الگ مدات میں خرچ کیا جائے۔ سلاطین دہلی اور عہد مغلیہ کی فقہی تالیفات میں یہ صراحت ملتی ہے کہ مختلف ذرائع سے جو محاصل اکٹھے کئے جاتے تھے انہیں الگ الگ مدات میں خرچ کیا جاتا تھا۔ بیت المال کی آمدنی کے چار شعبے قائم کئے گئے تھے اور ان میں سے ہر ایک کے مصارف علیحدہ ہوتے تھے۔

فصل سوم

مُسلم ممالک کے قوانین میں آپ کے افکار کے اثرات

(۱) مجلۃ الاحکام العدلیہ

یہ وہ دستاویز (Document) ہے جس میں خلافت عثمانیہ کے زمانے میں فقہاء کی ایک جماعت نے فقہ حنفی کی روشنی میں شریعت اسلامیہ کے قوانین کو دفعہ وار مرتب کر دیا۔ خلافت عثمانیہ کے زمانے میں اور اس کے بعد بھی ایک عرصہ تک ان ممالک میں جو خلافت عثمانیہ کے ماتحت رہ چکے تھے' مجلۃ الاحکام العدلیہ کے مطابق ملکی عدالتیں فیصلے کرتی رہیں۔

یہ مجلہ 1851 دفعات پر مشتمل ہے جس میں ایک مقدمہ اور 16 ابواب ہیں۔ ان مسائل کا تعلق معاملات سے ہے۔ اس مجلہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مرتبین نے امام ابویوسف کے افکار سے بہت استفادہ کیا ہے۔ یہاں چند ایسی مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

(1) امام ابویوسف کا نظریہ یہ ہے کہ زمان و مکان کے اختلاف اور حالات کی تبدیلی سے اجتہادات' احکام اور فتووں میں بھی تغیر و تبدل ہو جاتا ہے اور اس کا سبب علت یا عادت کی تبدیلی یا ضرورت و مصلحت کا تقاضا ہوتا ہے۔ امام ابویوسف کی اس رائے کو مجلۃ الاحکام العدلیہ میں اختیار کیا گیا ہے۔ اس میں یہ تصریح کی گئی ہے۔

لا ینکر تغیر الاحکام بتغیر الازمان(85)

"زمانے کی تبدیلیوں کی وجہ سے احکام میں تبدیلیاں کرنا کوئی معیوب اور ناپسندیدہ بات نہیں۔"

مجلہ کی تدوین میں حصہ لینے والوں نے اس دفعہ کی مزید تشریح ان الفاظ میں کی ہے۔

انہ بتبدل الاعصار تتبدل المسائل التی یلزم بناؤھا علی العرف والعادۃ(86)

"ان مسئلوں کا دارومدار عرف و عادت پر ہوا کرتا ہے۔ وہ زمانے کی تبدیلیوں کی وجہ سے بدل جایا کرتے ہیں۔"

(2) متعاقدین کی نیت کی تشریح میں امام ابویوسف' امام ابوحنیفہ سے اختلاف کرتے ہوئے یہ رائے رکھتے ہیں کہ اگر کسی معاملہ میں حقیقی اور مجازی معنی کے درمیان تعارض پیدا ہو جائے اور مجازی معنی کا استعمال عرفاً' عام اور مشہور ہو تو مجازی معنی کو حقیقی معنی پر ترجیح دی جائے گی۔ امام ابویوسف کے اس قول کو مجلہ میں قاعدہ کلیہ کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔

الحقیقۃ تترک بدلالۃ العادۃ(87)

"عادت کی دلالت کی بناء پر حقیقت کو ترک کر دیا جائے گا۔"

(3) خرید و فروخت کے معاملات میں مسئلہ خیار شرط (Stipulation for option) کی بحث میں امام ابویوسف کی رائے کو بہتر سمجھتے ہوئے مجلہ کے مرتبین نے تین دن کی قید کا ذکر نہیں کیا۔ اس میں لکھا ہے۔

یجوز ان یشرط الخیار بفسخ البیع او اجازتہ مدۃ معلومۃ لکل من البائع والمشتری او لاحدھما دون الآخر (88)

"کسی معاملہ بیع میں یہ شرط کر دینا جائز ہے کہ بائع اور مشتری کو یا دونوں کو ایک معین و معلوم مدت کے اندر اس معاملہ کے باقی رکھنے یا توڑ دینے کا اختیار حاصل ہوگا۔"

(4) سفیہ پر حجر کے بارے میں امام ابو یوسف کی یہ رائے ہے کہ حجر قاضی کے عائد کرنے سے ہوتا ہے۔ مجلہ میں امام ابو یوسف کی اس رائے کو اختیار کیا گیا ہے۔

للحاکم ان یحجر علی السفیہ(89)

"حاکم (قاضی) کے لئے سفیہ پر حجر لگانا درست ہے۔"

مقروض پر حجر کرنے کے بارے میں بھی امام ابو یوسف کی رائے کو اختیار کیا گیا ہے۔ مجلہ میں ہے۔

للحاکم ان یحجر علی المدیون بطلب الغرماء (90)

"حاکم کو یہ اختیار حاصل ہے کہ قرض خواہوں کی درخواست پر کسی قرضدار کو محجور قرار دے۔"

امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ جب قاضی کسی پر حجر عائد کرے تو اس کا سبب بیان کرے اور لوگوں کے سامنے اس کی تشہیر بھی کرائے۔ مجلہ میں اس کو اختیار کیا گیا ہے۔

اذا حجر السفیہ والمدیون من طرف الحاکم یشھد و یعلن الناس ببیان سببہ(91)

"اگر کوئی سفیہ یا مدیون حاکم کی جانب سے محجور قرار دیا جائے تو یہ لازمی ہے کہ اس کا سبب خاص بتایا جائے اس کا اعلان بھی کر دیا جائے اور اشتہار عام بھی ہو جائے۔"

(5) امام ابو یوسف کی رائے یہ ہے کہ کسی شخص کو اس کی ذاتی ملکیت میں استعمال سے اس وقت روک دیا جائے گا جب اس کے پڑوسی کو سنگین قسم کا نقصان پہنچ رہا ہو۔ مجلہ کے مرتبین نے آپ کی اس رائے کو اختیار کرتے ہوئے لکھا ہے۔

لا یمنع احد من التصرف فی ملکہ ابدا الا اذا کان ضررہ لغیرہ فاحشا(92)

"کسی شخص کو اس کی ملکیت میں تصرف سے کبھی بھی روکا نہیں جا سکتا بجز اس صورت کے جس میں اس کے تصرف سے دوسرے کو شدید قسم کا نقصان پہنچتا ہو۔"

آگے چل کر یہ بھی تصریح کی گئی ہے کہ سنگین قسم کے نقصان کو جس طرح ممکن ہوگا ختم کیا جائے گا۔ مجلہ میں یہ الفاظ ملتے ہیں۔

یدفع الضرر الفاحش بای وجہ کان(93)

امام ابو یوسف کے اس استحسان کی بنیاد اس قاعدہ کلیہ پر ہے جس کا ذکر مجلہ میں ان الفاظ کے ساتھ کیا گیا ہے۔

درء المفاسد اولی من جلب المنافع (94)

"دفع مفاسد جلب منافع سے زیادہ ضروری اور اہم ہے۔"

(6) امام ابویوسف نے کتاب الخراج میں موات (بنجر و غیر آباد) زمینوں کی جو تعریف کی ہے' مجلہ میں اسی کو ایک دفعہ کی صورت میں بیان کیا گیا ہے۔

الاراضی الموات ھی الاراضی التی لیست ملکا لاحد و لا ھی مرعی و لا محتطبا لقصبة او قریة و ھی بعیدة عن اقصی العمران یعنی ان جھیر الصوت لو صاح من اقصی الدور التی ھی طرف تلک القصبة او القریة لا یسمع منھا صوته (95)

"موات زمینوں سے مراد ایسی زمینیں ہیں جو نہ کسی کی ملک میں ہوں نہ کسی شہر یا گاؤں کے باشندے انہیں چراگاہ کے طور پر یا ایندھن حاصل کرنے کے لئے استعمال کرتے ہوں اور جو آبادی کی آخری حد سے کم از کم اتنے فاصلے پر واقع ہوں کہ ایک بلند آواز آدمی اگر وہاں کھڑا ہو کر پوری قوت سے چلائے تو بھی وہاں نہ سنائی دے۔"

(7) اجیر مشترک (Common Employee) سے اگر کوئی چیز ضائع ہو جائے' تو امام ابویوسف کے نزدیک اس سے تاوان لیا جائے گا۔ مجلہ میں اس کو اختیار کیا گیا ہے۔

الاجیر المشترک یضمن الضرر والخسار الذی تولد عن فعله و صنعه (96)

"اجیر مشترک اس نقصان اور گھاٹے کا تاوان دے گا جو اس کے کام اور عمل سے رونما ہوا۔"

(8) امام ابویوسف کی رائے یہ ہے کہ اجرت محض عقد اجارہ سے واجب نہیں ہوتی۔ مجلہ کی ایک دفعہ اس کے مطابق تحریر کی گئی ہے۔

لا تلزم الاجرة بالعقد المطلق (97)

(9) امام ابویوسف کہتے ہیں کہ اگر غاصب کے پاس غصب شدہ مال ضائع ہو جائے تو اس پر ضمان واجب ہو گا اور قیمت کا اعتبار اس دن کی قیمت کے مطابق ہو گا جب مال غصب کیا گیا تھا۔ سلیم رستم باز اللبنانی "شرح المجلہ" میں لکھتے ہیں۔

و اختار صاحب النھایة قول ابی یوسف لانه اعدل الاقوال (98)

"اور صاحب نہایہ نے ابویوسف کا قول اختیار کیا ہے' اس لئے کہ یہ سب سے زیادہ انصاف پر مبنی قول ہے۔"

(10) امام ابویوسف کے معاشی فکر کی رو سے ہر انسان کے لئے اپنے حقوق کا استعمال کرنا جائز ہے اور مجرد اس استعمال سے تاوان و ضمان عائد نہیں ہو سکتا۔ مجلہ میں اس کو اختیار کیا گیا ہے۔

الجواز الشرعی ینافی الضمان مثلا لو حفر انسان فی ملکه بئرا فوقع فیها حیوان رجل و هلک لا یضمن حافر البئر شیئا(99)

"اگر کوئی چیز شرعاً جائز ہو تو اس کے کرنے میں کوئی تاوان نہیں عائد ہو گا مثلاً اگر کوئی انسان اپنی ملکیت کی زمین میں کوئی کنواں کھودے اور اس میں کسی آدمی کا جانور گر کر ہلاک ہو جائے تو کنواں کھودنے والے کو کوئی تاوان نہیں دینا پڑے گا۔"

اس کی وجہ یہ ہے کہ کنواں کھودنے والے نے ایسا کام کیا تھا جو شرعاً جائز تھا۔ اس شرعی جواز نے اس کو اس نقصان کی ذمہ داری سے جو حیوان کے کنوئیں میں گر کر ہلاک ہونے سے ہوا ہے بری کر دیا۔

(11) مجلہ کی اس دفعہ پر بھی ابو یوسف کے معاشی فکر کا اثر ظاہر ہے۔

لا یجوز لاحد ان یاخذ مال احد بلا سبب شرعی(100)

"کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی کا مال کسی شرعی سبب کے بغیر لے۔"

(12) غلہ کے کسی ڈھیر کی فروخت اگر اس طرح ہو کہ ہر مد اتنی قیمت میں فروخت کیا تو امام ابو یوسف کے نزدیک اس کا اطلاق تمام ڈھیر پر ہو جائے گا' چاہے وہ کتنے مد ہو۔ خریدار مقررہ نرخ فی مد کے حساب سے قیمت کی ادائیگی کے بعد تمام غلہ حاصل کرے گا۔ مجلہ میں امام ابو یوسف کی اس رائے کو اختیار کیا گیا ہے۔

بیع المقدرات صفقه واحدة مع بیان ثمن کل فرد و قسم منها صحیح' مثلا لو باع صبرة حنطة او وسق سفینة من حطب او قطیع غنم او قطعة من جوخ علی ان کل کیل من الحنطة او قنطار من الحطب او رس من الغنم او ذراع من الجوخ بکذا صح البیع(101)

"ناپی' تولی' اور گنی جانے والی اشیاء کو قسم بیان کر کے اور ہر ایک کی قیمت بیان کر کے فروخت کرنا جائز ہے مثلاً اگر کسی نے گیہوں کا ایک ڈھیر فروخت کیا' یا ایک کشتی بھر لکڑی فروخت کی' یا بکریوں کا ایک ریوڑ فروخت کیا یا کھادی کا ایک تھان فروخت کیا اور بات یہ کی کہ گیہوں فی من یہ دام ہو گا' لکڑی فی گانٹھ یہ دام ہو گی' بکری فی راس یہ دام ہو گی' کھادی فی گز اس دام پر ہو گی تو یہ بیع صحیح ہو گی۔"

(13) مجلہ کی دفعہ 392 بھی امام ابو یوسف کے معاشی فکر سے ماخوذ ہے۔

اذا انعقد الاستصناع فلیس لاحد العاقدین الرجوع و اذا لم یکن المصنوع علی الاوصاف المطلوبة المبینة کان المستصنع مخیرا(102)

"جب معاہدہ بیع استصناع ہو گیا تو کسی فریق کو اس سے روگردانی کا حق حاصل نہیں۔ البتہ اگر مطلوبہ شے

اس طرح کی نہ ہوئی جیسی کہ معاملہ میں بیان کی گئی تھی تو صاحب فرمائش کو فسخ معاملہ کا حق حاصل ہوگا۔"

(ب) دیگر ممالک کے قوانین

(1) سفیہ (کم عقل شخص) پر حجر کرنے کے بارے' مصر کے دیوانی قانون میں امام ابو یوسف کی رائے کو اختیار کیا گیا ہے۔ چنانچہ یہ تصریح کی گئی ہے کہ سفیہ پر پابندی عدالت کے حکم ہی سے لگائی جائے گی اور عدالت کے حکم سے یہ پابندی اٹھائی جائے گی۔(103)

عراق کے دیوانی قانون میں بھی امام ابو یوسف کی رائے کو اختیار کیا گیا ہے۔ دیوانی قانون کی دفعہ 95 کے مطابق ذاتی طور پر محض سفاہت ہی کی وجہ سے پابندی عائد نہیں ہوتی بلکہ اس کے لئے جو عدالت مخصوص ہے اس کا فیصلہ بھی ضروری ہے۔(104)

(2) وقف مشاع کے مسئلہ میں 1946ء تک مصر میں امام ابو یوسف کی رائے کے مطابق عمل ہوتا رہا۔(105)

(3) مصر کے قانون میں اس امر کی تصریح کر دی گئی ہے کہ حمل کے لئے لڑکے یا لڑکی کا' دونوں کے حصوں میں جو زیادہ ہو وہ حصہ روکا جائے گا۔(106)

یہی قانون شام اور تیونس میں بھی رائج ہے۔(107)

(4) مصر کے قانون المواریث کے تحت خنثی مشکل کی یہ تعریف کی گئی ہے "خنثی مشکل وہ ہے جس کے متعلق یہ معلوم نہ ہو کہ وہ مرد ہے یا عورت اس کے لئے مرد یا عورت دونوں کے حصہ میں جو بھی کم ہو دیا جائے گا۔(108)

حواشی و حوالہ جات

(1) حاجی خلیفہ، کشف الظنون 2 / 1415

(2) دیکھئے ابن الندیم، الفہرست، 60، 61، 112، 143، 144، 145، 150، 151، 154، 208، 258، 259، 283، 303، 304

(3) ایضاً، / 283

(4) حاجی خلیفہ، کشف الظنون 2 / 1415

ابن الندیم، الفہرست / 258

الزرکلی، الاعلام 2 / 191

(5) ابن الندیم، الفہرست / 112

(6) ایضاً، / 150

(7) ایضاً، / 60، 61

(8) ابن الندیم، الفہرست / 208

(9) A. Ben shemesh " Taxation in Islam." 1/4

(10) ابن الندیم، الفہرست / 259

الزرکلی، الاعلام 1 / 185

(11) ابن الندیم، الفہرست، / 303، 304

(12) حاجی خلیفہ، کشف الظنون 2 / 1415، ابن الندیم، الفہرست / 150

(13) ابن الندیم، الفہرست / 145، کحالہ، معجم المؤلفین 6 / 237

(14) ابن الندیم، الفہرست / 144، الزرکلی، الاعلام 5 / 191

(15) ابن الندیم، الفہرست / 150، حاجی خلیفہ، کشف الظنون 2 / 1415

(16) ابن الندیم، الفہرست / 145

(17) کحالہ، معجم المؤلفین 5 / 164، ابن الندیم، الفہرست / 143

(18) ابن الندیم، الفہرست / 154

(19) کحالہ، معجم المؤلفین 2 / 239، ابن الندیم، الفہرست، 151

(20) Shemesh, A. Ben "Taxation in Islam." 1/6

(21) یاقوت، معجم الادباء 5 / 225

(22) ابن الندیم، الفہرست / 151

(23) حاجی خلیفہ، کشف الظنون 2 / 1415

(24) ابن رجب، ابو الفرج عبدالرحمن بن احمد، الاستخراج لاحکام الخراج، بیروت، دار الکتب العلمیہ، الطبعۃ الاولیٰ 1405ھ

(25) ابن الندیم، الفہرست / 143

(26) بزرگ الطہرانی، محمد محسن "الذریعة الی تصانیف الشیعة" طہران - الطبعة الاولی 1367ھ / 1948ء - 7/ 144، 145

(27) الرفاعی، عبدالجبار "فہرست الاقتصاد الاسلامی باللغة العربیة" مجلة التوحید قم نمبر 6، ص 160

(28) ابن الندیم، الفہرست / 78

(29) الرجبی، فقہ الملوک 1/ 8

فواد سید، فہرس المخطوطات المصورة/ 547، 548

الزرکلی، الاعلام 2/ 283

(30) الولیدی، ابراہیم، من رواد الاقتصاد الاسلامی (حمید بن زنجویہ) مجلة الاقتصاد الاسلامی (الامارات العربیہ) / 275

(31) فواد سید، فہرس المخطوطات المصورة/ 547، 548

الرجبی، فقہ الملوک 1/ 8

ابو جعفر الداؤدی المالکی کی تصنیف کتاب الاموال کا ایک نادر نسخہ میڈرڈ (اسپین) کی سکیوریل لائبریری میں محفوظ ہے۔ اس کا نمبر 1059 ہے۔ اس کی مائکرو فلم ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد کی لائبریری میں ہے۔

(32) ابن الندیم، الفہرست / 113، 114

(33) الولیدی، ابراہیم، من رواد الاقتصاد الاسلامی (حمید بن زنجویہ) مجلة الاقتصاد الاسلامی (الامارات العربیہ / 275)

(34) دیکھئے الشافعی، الام 7/ 357

(35) دیکھئے ابن خرداذبہ "المسالک والممالک" لیڈن، مطبع بریل 1306ھ

(36) دیکھئے الماوردی، الاحکام السلطانیہ

(37) دیکھئے ابو یعلیٰ، الاحکام السلطانیہ 153 — 187

(38) دیکھئے الجہشیاری، الوزراء، 23، 51، 142، 281 — 288

(39) دیکھئے المقریزی، الخطط 1/ 175 — 179

(40) حسن ابراہیم حسن، تاریخ الاسلام 2/ 302، 303

(41) حسام السامرائی، الدکتور، السیاسة الزراعیة للدولة العباسیة (خلال القرن الثالث الهجری) مجلة کلیة الامام الاعظم، بغداد، مطبعة العانی، العدد الثانی 1394ھ / 142

(42) الجہشیاری، الوزراء / 177

(43) *Mohammad Abdul Jabbar Beg, Dr, "Agricultural and Irrigation Labourers in soc. ' and Economic life of "Iraq" during the Umayyad and Abbasid caliphates" P. 27*

(44) السامرائی، حسام الدین، دراسات فی الاقتصاد الزراعی للدولة العباسیة (حتی نهایة القرن

الثالث الهجری) مجلة البحث العلمی والتراث الاسلامی' مکہ مکرمہ 1402ھ / 366

(45) کرفلہ کا ایک پیمانہ تھا اور عراق میں استعمال ہوتا تھا

(46) قدامة بن جعفر' نبذ من کتاب الخراج و صنعة الکتابة لیدن' مطبع بریل 1306ھ / 243

ابن خرداذبہ' المسالک والممالک / 35'34

تحسین رحمن' سلطنت اسلام کا خراج عہد عروج کے زمانہ میں' ماہنامہ معارف (اعظم گڑھ) جولائی 1920ء / 44 تا 47

(47) رفاعی' احمد فرید' عصر المامون' القاهرة' مطبعة دار الکتب المصریة الطبعة الثانیة 1346ھ - / 327'326

(48) صبحی الصالح' الدکتور' النظم الاسلامیة / 388

(49) جرجی زیدان' جرجی بن حبیب' تاریخ التمدن الاسلامی' بیروت' دار مکتبة الحیاة / 337

(50) ابن اثیر' الکامل' 5 / 133'132

الطبری' تاریخ' 8 / 353

العزاوی' المحامی عباس' تاریخ الضرائب العراقیة (من صدر الاسلام الی آخر العهد العثمانی) .. شرکة التجارة والطباعة 1958 / 19

(51) الطبری' تاریخ' 8 / 331

(52) آدم متز' (نقله الی العربیة محمد عبدالهادی ابوریده) الحضارة الاسلامیة فی القرن الرابع الهجری' القاهرة' مکتبة الخانجی' 1 / 101

(53) المحلاوی' منیر الدکتور' عبقریة الاسلام فی اصول الحکم' بیروت' دار النفائس' الطبعة الاولی 1403ھ / 290

(54) الجهشیاری' کتاب الوزراء' 234' المقریزی' الخطط' 1 / 144

(55) المقریزی' الخطط' 1 / 149

(56) اردو دائرہ معارف اسلامیہ' 16 / 1' آرٹیکل "قبالہ"

(57) الریس' الخراج / 444'427

(58) ابن الاثیر' الکامل' 5 / 196

(59) الخطیب' تاریخ' 14 / 9

(60) السامرائی' حسام الدین دراسات فی الاقتصاد الزراعی للدولة العباسیة (حتی نهایة القرن الثالث الهجری) مجلة البحث العلمی والتراث الاسلامی' مکہ مکرمہ 1402ھ العدد خامس / 362' 364

(61) الطبری' تاریخ' 245ھ کے واقعات

ابن الاثیر' الکامل' 5 / 298

(62) دیکھئے' الصابی' ابوالحسن الهلال بن المحسن بن ابراهیم الکاتب' کتاب تحفة الامراء فی

تاریخ الوزراء بیروت' مطبعۃ الآباء الیسوعیین' 1904ء / 256'257

(63) ایضاً / محمد معین الدین ندوی، تاریخ اسلام 2/295

(64) الدوری' عبد العزیز' تاریخ العراق الاقتصادی فی القرن الرابع الہجری' بغداد' مطبعۃ المعارف / 196

(65) ابو یعلیٰ' قاضی محمد بن الحسین' "الاحکام السلطانیۃ" مصر' شرکہ مکتبۃ و مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی' الطبعۃ الثانیۃ 1386ھ / 158 (ایک ایڈیشن کے مطابق صفحہ 174 ہے)

(66) عزیز' محمد

دولت عثمانیہ' اعظم گڑھ' معارف پریس' 1362ھ-1 / 447

(67) ایضاً' 2 / 90

(68) ایضاً' 1 / 311

(69) سرہندی' تاریخ فخر الدین مبارک شاہ (تصحیح سرڈینی سن راس) لندن' 1927ء ص 33'34

(70) عین الدین ماہرو' انشاء ماہرو (تصحیح پروفیسر عبد الرشید) لاہور' 1965 مکتوب نمبر 28' ص 63

(71) محمد شفیع' مفتی' اسلام کا نظام اراضی' کراچی' دار الاشاعت' ایڈیشن سوم' اپریل 1979ء' / 85

(72) العمری' شہاب الدین' مسالک الابصار' علی گڑھ 1943 / 39 السیرہندی' یحییٰ بن احمد بن عبد اللہ' تاریخ مبارک شاہی (تصحیح' محمد ہدایت حسین) کلکتہ' ایشیاٹک سوسائٹی' 1931ء / 143

(73) عفیف' شمس سراج' تاریخ فیروز شاہی' (تصحیح مولوی ولایت) کلکتہ' ایشیاٹک سوسائٹی' 1891ء / 278'279

فیروز شاہ سلطان' فتوحات فیروز شاہی' (تصحیح شیخ عبد الرشید) علی گڑھ' مسلم یونیورسٹی 1954 / 6'5

(74) برنی' ضیاء الدین' تاریخ فیروز شاہی' کلکتہ 1862 / 574

(75) ماہرو' انشاء' منشور نمبر 2' ص 9

(76) اشتیاق حسین قریشی' برصغیر ہندوستان (سلطنت دہلی) اردو دائرہ معارف اسلامیہ' 12 / 340

علی الکوفی' بن حامد' فتح نامہ سندھ المعروف بہ چچ نامہ (تصحیح' عمر بن محمد داؤد پوتہ) حیدر آباد دکن' مجلس مخطوطات فارسیہ' 1358ھ / 208'209

(77) اشتیاق حسین قریشی' برصغیر ہندوستان (سلطنت دہلی) اردو دائرہ معارف اسلامیہ 12 / 341

(78) بدایونی' عبد القادر بن ملوک شاہ "منتخب التواریخ" (تصحیح ولیم ناسو لیس و منشی احمد علی) کلکتہ' 1865 2 / 391

(79) جہانگیر' نور الدین' تزک جہانگیری (ترجمہ مولوی احمد علی رام پوری) لاہور' سنگ میل پبلی کیشنز' 42

(80) علی محمد' محمد حسن مرزا' مرات احمدی (تصحیح و حاشیہ سید نواب علی) کلکتہ' بپٹسٹ مشن پریس' 1928' 1 / 267

(81) ایضاً' 1 / 314

(82) علی محمد' مرات احمدی 1 / 340

(83) ایضاً

(84) بدایونی' منتخب التواریخ' 1 / 90

(85) مجلۃ الاحکام العدلیۃ' دفعہ / 39

(86) صبحی محمصانی' فلسفۃ التشریع فی الاسلام/ 160

(87) مجلۃ الاحکام العدلیۃ' دفعہ/ 40

(88) ایضاً' دفعہ / 300

(89) ایضاً' دفعہ / 958

(90) ایضاً' دفعہ / 959

(91) ایضاً' دفعہ / 961

(92) ایضاً' دفعہ / 1197

(93) ایضاً' دفعہ / 1200

(94) ایضاً' دفعہ / 30

(95) ایضاً' دفعہ / 1270

(96) ایضاً' دفعہ / 611

(97) ایضاً' دفعہ / 466

(98) سلیم رستم باز اللبنانی' شرح المجلۃ بیروت' دار احیاء التراث العربی' طبعۃ ثالثۃ ص 490

(99) مجلۃ الاحکام العدلیۃ' دفعہ/ 91

(100) ایضاً' دفعہ / 97

(101) ایضاً' دفعہ=220

(102) ایضاً' دفعہ / 392

(103) زیدان' عبدالکریم الدکتور' الوجیز فی اصول الفقہ (مترجم ڈاکٹر احمد حسن) / 150

(104) ایضاً' / 149

(105) ابو زہرہ محمد بن محمد' محاضرات فی الوقف' دار الفکر العربی / 102

(106) بدران' ابو العینین بدران' احکام الترکات والمواریث فی الشریعۃ الاسلامیۃ والقانون' مصر' دار المعارف' الطبعۃ الاولی 1964ء / 296 بحوالہ قانون المواریث' مصر 77 بابت 1943ء' دفعہ 42

(107) تنزیل الرحمن' مجموعہ قوانین اسلام 5 / 1875 1876 بحوالہ قانون الاحوال الشخصیہ شام 1953ء' دفعہ 299 مجلۃ الاحوال الشخصیہ تیونس' 1956' دفعہ 147

(108) تنزیل الرحمن' مجموعہ قوانین اسلام 5 / 1889 بحوالہ قانون المواریث مصر نمبر 77 بابت 1943ء دفعہ / 46

باب ششم

امام ابو یوسف اور ممتاز ماہرین معاشیات

ـــــــ ایک تقابلی جائزہ

امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں مالیات عامہ کے بارے میں جو فکر پیش کیا ہے' اس کا موازنہ ہم مسلم اور غیر مسلم مغربی ماہرین معاشیات کے ساتھ کر سکتے ہیں۔

ایک سرسری جائزہ سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ مالیات عامہ کا جو جامع تصور امام ابو یوسف نے پیش کیا ہے۔ وہ صدیوں بعد کسی مغربی ماہر معاشیات کے فکر میں نہیں ملتا۔

امام ابو یوسف نے "معاشی عدل" کا جو بہترین اصول پیش کیا ہے' اس سے ان کے فکر کی اہمیت و افادیت بڑھ گئی ہے۔

مسلم و غیر مسلم مغربی ماہرین معاشیات کی فہرست تو طویل ہے اور ان سب کے فکر کا تقابلی جائزہ پیش کرنا بے جا طوالت کا باعث ہو گا اس لئے راقم نے ابو یوسف کے معاشی فکر کے ساتھ تقابلی جائزہ پیش کرنے کے لئے درج ذیل ماہرین معاشیات کا انتخاب کیا ہے۔ اس باب میں صرف ان ماہرین کے ساتھ ابو یوسف کا تقابلی جائزہ پیش کیا جائے گا۔

یحییٰ بن آدم القرشی (م 203ھ / 818ء)

ابو عبید القاسم بن سلام (م 224ھ / 838ء)

قدامہ بن جعفر (م 337ھ / 948ء)

علی بن احمد' ابن حزم (م 456ھ / 1064ء)

ابو حامد محمد بن محمد' الغزالی (م 505ھ / 1111ء)

عبد الرحمٰن بن محمد' ابن خلدون (م 808ھ / 1406ء)

ایڈم سمتھ (م 1790ء)

یحییٰ بن آدم القرشی

آپ کی ولادت کوفہ میں 140ھ یا اس کے کچھ قبل یا بعد ہوئی۔ آپ کے شاگردوں کی فہرست میں احمد بن حنبل (م 241ھ / 855ء)' اسحاق بن راہویہ (م 238ھ / 852ء) اور یحییٰ بن معین (م 233ھ / 847ء) ایسے ائمہ کے نام بھی شامل ہیں۔ سلیمان بن الاشعث' ابوداود (م 275ھ / 889ء)' احمد بن علی' النسائی (م 303ھ / 916ء) ابو عبداللہ محمد ابن سعد (م 230ھ . 844ء) اور ابو حاتم محمد ابن حبان (م 354ھ / 965ء) ان کی ثقاہت کی شہادت دینے والوں میں شامل ہیں آپ نے 15 ربیع الاول 203ھ کو فم الصلح (1) کے مقام پر وفات پائی۔

حالات زندگی کے لئے دیکھئے۔(2)

کتاب الخراج

معاشیات پر ان کی تالیف کا نام کتاب الخراج ہے۔ جو 185 صفحات پر مشتمل ہے۔ بہت سے مسائل میں وہ اپنے شیوخ سے سوال و جواب کرتے ہیں۔ کتاب چار اجزاء میں منقسم ہے۔ اس کتاب کو سب سے پہلے ایک فرانسیسی مستشرق جوینبول (W Juynboll)' نے اپنی تصحیح و تعلیق سے 1896ء (1314ھ) میں لیڈن سے شائع کیا۔ اس کے بعد مصر کے مشہور محقق استاد ابوالاشبال احمد محمد شاکر نے اس کی تصحیح و تعلیق کی۔ جوینبول کی تحقیق میں جو خامیاں رہ گئی تھیں ان کی تصحیح کی۔ اس نسخہ کو مطبعہ سلفیہ قاہرہ نے 1928ء (1347ھ) میں شائع کیا۔ یہ ایڈیشن بہت ہی مفید حواشی اور آخر میں متعدد انڈکس (اشاریے) پر مشتمل ہے۔ پاکستان میں اسے المکتبۃ العلمیۃ لاہور نے شائع کیا ہے۔

تقابلی جائزہ

خراج کے موضوع پر امام ابو یوسف اور یحییٰ بن آدم القرشی کی کتب کا مطالعہ کرنے کے بعد چند واضح حقائق کی بنیاد پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایک ماہر معاشیات کی حیثیت سے امام ابو یوسف کا مقام بہت بلند ہے۔

(1) یحییٰ بن آدم کا طرز تصنیف یہ ہے کہ انہوں نے خراج کے مختلف مسائل سے متعلق احادیث و آثار کو اپنی سند کے ساتھ جمع کر دیا ہے۔ ان احادیث و آثار پر فقیہانہ غور و فکر کر کے اجتہاد و استنباط کا کام بہت ہی کم کیا ہے۔ وہ بحث و تنقید کے بعد کسی ایک رائے کو ترجیح نہیں دیتے۔ لیکن امام ابو یوسف ہر عنوان کے تحت جزئیات اور بہت سے مجتہدانہ نکات پیش کرتے ہیں۔

(2) یحییٰ بن آدم کی کتاب الخراج' ابو یوسف کی کتاب الخراج کے مقابلے میں بہت مختصر ہے۔ ابو یوسف کی کتب میں 38

ابواب اور یحییٰ بن آدم کی کتاب میں 33 ابواب ہیں۔ یحییٰ کی کتاب صرف ایک علمی تصنیف ہے جس میں زیادہ وسعت نہیں پائی جاتی۔ انہوں نے اپنی کتاب میں زکوٰۃ و عشر' خراج و جزیہ' غنیمت' فے اور زمین کے متعلق چند مسائل بیان کرنے پر ہی اکتفا کیا ہے اور وہ بھی نہایت مختصر انداز میں۔ مثلاً وہ زکوٰۃ پر بحث کرتے ہیں لیکن زکوٰۃ کے مصارف کے بارے میں وہ گفتگو نہیں کرتے۔ اسی طرح دریا سے حاصل کی ہوئی اشیاء کے بارے میں بھی بحث نہیں کرتے۔

لیکن امام ابویوسف نے اپنی کتاب ایک اسلامی مملکت کے سربراہ کے حکم کی تعمیل میں اور ایک اعلیٰ منصب پر فائز ہو کر تحریر کی تھی اس لئے انہوں نے اس میں مذکورہ بالا امور کے علاوہ بہت سے دیگر مالی و انتظامی امور کا بھی تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی لکھتے ہیں۔

> "جن مسائل پر ان دونوں کتابوں میں گفتگو کی گئی ہے ان میں سے اکثر میں ابویوسف کے یہاں زیادہ تفصیل اور وضاحت ملتی ہے۔ چنانچہ معادن پر زکوٰۃ اور اس خراجی زمین کے محصول کے بارے میں جسے کوئی مسلمان خریدے' ابویوسف کی بحث یحییٰ کی بحث سے زیادہ واضح اور جامع ہے۔ یہی حال زکوٰۃ کے لئے پیداوار کی کم سے کم مقدار کے مسئلہ کا ہے۔ چراگاہوں سے متعلق مسائل کے ضمن میں بھی ابویوسف کے یہاں بعض ایسے مسائل سے تعرض کیا گیا ہے جن کا یحییٰ نے کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔"(3)

(3) یحییٰ بن آدم کی کتاب الخراج علماء کے نزدیک وہ مقام حاصل نہیں کر سکی جو امام ابویوسف کی کتاب الخراج کو حاصل ہے۔ مسلم بن حجاج قشیری (م 261ھ / 875ء)' محمد بن یزید' ابن ماجہ (م 273ھ / 886ء)' سلیمان بن الاشعث' ابوداود (م 275ھ / 889ء)' احمد بن یحییٰ البلاذری (م 279ھ / 892ء)' یحییٰ بن شرف' النووی (م 676ھ / 1277ء) اور احمد بن علی' ابن حجر (م 852ھ / 1449ء) وغیرہ نے متعدد جگہ یحییٰ کی روایت اور ان کے اقوال اپنی اپنی کتابوں میں نقل کئے ہیں لیکن ان میں سے کسی نے بھی کتاب الخراج کا ذکر نہیں کیا۔ اور نہ کسی جگہ اس کا حوالہ دیا ہے۔ اس کے مقابلے میں امام ابویوسف کی کتاب الخراج کو تاریخ کے ہر دور میں متقدمین و متاخرین ائمہ کے ہاں ایک خاص درجہ حاصل رہا ہے۔ حدیث' فقہ اور اسلامی معاشیات پر لکھی گئی اکثر کتب میں ابویوسف کی کتاب الخراج کا ذکر کیا گیا ہے۔

(4) یحییٰ بن آدم پر امام ابویوسف کی فوقیت کی ایک بڑی اور اہم وجہ یہ بھی ہے کہ آپ نے کتاب الخراج میں اس دور کے معاشی مسائل کو سامنے رکھتے ہوئے ان کے حل کے لئے عملی تجاویز بھی دی ہیں۔ ان تجاویز کو راقم نے باب "ابویوسف کے معاشی افکار و نظریات" میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ دونوں ماہرین معاشیات کے مابین اس نمایاں فرق کی وجہ ہمیں یہ نظر آتی ہے کہ ابویوسف کا بڑا مقصد یہ تھا کہ اس بارے میں خلیفہ کی راہنمائی کی جائے کہ ایک عظیم سلطنت کے مالیاتی نظام کو کس طرح احسن طریقہ سے چلایا جا سکتا ہے؟ کون سے امور اصلاح طلب ہیں؟ عوام کا معیار زندگی کس

طرح بلند کیا جا سکتا ہے اور ملک کو معاشی لحاظ سے کس طرح مضبوط بنایا جا سکتا ہے۔

یحییٰ بن آدم نے اپنی کتاب الخراج میں ایسی معاشی اصلاحات کا کوئی ذکر نہیں کیا اور نہ ہی ان کے سامنے ایسا کوئی مقصد تھا۔ امام ابو یوسف کے معاشی افکار کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے انسانی زندگی کے انتہائی باریک اور پیچیدہ مسائل پر گفتگو کی ہے اور یہی حقیقت ان کو اعلیٰ معاشی مقام پر فائز کرتی ہے۔

تاہم یحییٰ بن آدم کی کتاب میں کچھ خوبیاں بھی ہیں جن کا ذکر ضروری ہے۔

(1) امام ابو یوسف نے اپنی کتاب میں بعض مباحث کو ضمناً بیان کیا ہے لیکن یحییٰ بن آدم نے ان کے مستقل ابواب قائم کئے ہیں۔ مثلاً تحجیر، شراب کی تجارت پر ذمیوں سے ٹیکس، سبزیوں پر زکوٰۃ وغیرہ۔

(2) امام ابو یوسف کی کتاب میں اگرچہ جزئیات اور متنوع مسائل زیادہ ہیں لیکن پوری کتاب تقریباً تمام تر حنفی مسلک کے مسائل تک محدود ہے۔ اس کے مقابلہ میں یحییٰ بن آدم کا طرز تصنیف چونکہ محدثانہ ہے۔ اس لئے وہ ہر عنوان کے تحت مختلف احادیث و آثار و اقوال نقل کر دیتے ہیں اور اپنی طرف سے بہت کم رائے دیتے ہیں۔ اس کا ایک فائدہ یہ ہوتا ہے کہ قاری خود غور و فکر کر کے کسی امام کی رائے کو راجح قرار دے سکتا ہے۔

(3) یحییٰ بن آدم نے اپنی کتاب میں بعض ایسی نادر باتیں بیان کی ہیں جو ابو یوسف کی کتاب میں نہیں ملتیں۔ مثلاً وہ کتاب الخراج میں زرعی مسائل پر گفتگو کرتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں۔

قال یحیی: وسألت ابا ایاس فقال: البعل والعثری والعذی، هو الذی یسقی بماء السماء قال یحیی: واذا کانت الارض یسقی بعضها فتحا و یسقی بعضها بالغرب فیخرج فیها کلها خمسة اوساق، فانه یزکی بالحصة ما سقی فتحا فالعشر، و ما سقی بالغرب فنصف العشر والعثری ما یزرع بالسحاب والمطر خاصة لیس یسقی الا بما یصیبه من المطر، فذلک العثری، والبعل ما کان من الکروم، قد ذهب عروقه فی الارض الی الماء فلا یحتاج الی السقی الخمس سنین والست، یحتمل ان یترک السقی، فهذا البعل، والسیل ماء الوادی اذا سال، واما الغیل فهو سیل دون السیل الکبیر، اذا سال القلیل بالماء الصافی فهو الغیل، والعذی ماء المطر (4)

"یحییٰ نے کہا میں نے ابو ایاس سے سوال کیا تو انہوں نے بتایا کہ بعل، عثری اور عذی وہ زراعت ہے جس کی سینچائی بارش سے ہو، اور جب مزروعہ زمین کا کچھ نال سے اور کچھ حصہ ڈول سے سینچا جائے اور اس سے کل پانچ وسق پیداوار ہو تو جو حصہ نال سے سینچا جائے اس میں عشر ہے اور جو حصہ ڈول سے سینچا جائے اس میں نصف عشر

ہے اور عشری وہ زراعت ہے جو خاص طور سے بارش کے پانی سے بوئی جائے اس کو عشری کہتے ہیں اور بعل انگور کی وہ بیل ہے جس کی جڑیں زمین میں پانی تک پہنچ جائیں جس کی وجہ سے پانچ چھ سال تک سینچائی کی ضرورت نہ پڑے بلکہ یوں ہی چھوڑ دی جائے۔ اس کو بعل کہتے ہیں' اور سیل (سیلاب) وادی کا پانی ہے جب بہتا ہو اور غیل بڑے سے کم سیل ہے جب کہ اس کا صاف ستھرا پانی تھوڑا تھوڑا بہتا ہو اور عذی بارش کا پانی ہے۔"

اور اس کے بعد اسی باب یعنی "باب ما سقت السماء او سقی بعرب" کے آخر میں ایک نادر تحقیق پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

قال یحییٰ = فیما بین مکة والیمن مواضع یزرعون فی السنة مرتین' قالوا = نزرع حین تسقط الثریا' فیحصدونه و یفرغون منه الی خمسة اشهر ونحوها' ثم یزرعون عند طلوع مرزم الجوزاء و هوالشعری' و یزرعون العلس' و هو حنطة حب صغار فی اکمامه فی کل کمة حبتین' و یزرعون المایة' حب ایضا صغار حنطة' و یزرعون السلت' و هو شعیر الا انه ابیض صغیر و لیس له قشور' و منه اخضر' و یزرعون الذرة و هو حب مثل الحنطة الا انه یوکل کما یوکل الارز' و منهم من یخبزه کما یخبز الارز ایضا(5)

"یحییٰ نے کہا۔ مکہ اور یمن کے درمیان کچھ ایسے مقامات ہیں جہاں کے لوگ سال میں دو مرتبہ کاشت کرتے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ ہم لوگ ایک فصل ثریا کے ڈوب جانے کے بعد بوتے ہیں اور تقریباً پانچ ماہ میں اس کی کٹائی وغیرہ سے فارغ ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد دوسری فصل مرزم جوزاء یعنی شعری کے طلوع پر بوتے ہیں۔ اس میں علس' مایہ' سلت اور ذرہ کی کاشت کرتے ہیں۔ علس چھوٹے دانے کا گیہوں ہے جس کے ہر چھلکے میں دو دانے ہوتے ہیں۔ مایہ بھی چھوٹے دانے کا گیہوں ہے۔ سلت چھوٹے دانے کا سفید جو ہوتا ہے جس میں چھلکا نہیں ہوتا۔ اس کی ایک قسم سبزی ہوتی ہے۔ اور ذرہ (مکئی) گیہوں کے مانند ایک دانہ ہے جو چاول کی طرح پکا کر رکھایا جاتا ہے۔ بعض لوگ چاول کی روٹی کی طرح اس کی بھی روٹی بناتے ہیں۔

دونوں ماہرین معاشیات درج ذیل باتوں میں مشترک ہیں۔

(1) جس طرح امام ابو یوسف نے بہت سے مسائل میں اپنے استاد امام ابو حنیفہ سے اختلاف کیا ہے اسی طرح یحییٰ بن آدم اپنے شیخ حسن بن صالح (م 167ھ / 784ء) اور دیگر شیوخ کے فقہی مسلک پر عمل کرنے کے باوجود ان سے

اختلاف بھی کرتے ہیں۔

(2) دونوں ماہرین معاشیات ایسے راویوں کی روایت قبول کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے جو عام محدثین کی نظر میں مطعون یا ضعیف ہیں مثلاً امام ابویوسف نے محمد بن اسحاق (م 151ھ / 768ء) اور اشعث بن سوار (م 138ھ / 756ء) کی روایات بھی نقل کی ہیں۔ اسی طرح یحیٰ بن آدم کے شیوخ اور سلسلہ سند کے رواۃ میں بہت سے ضعیف اور مجہول اشخاص بھی ہیں۔ مثلاً ابراہیم بن محمد (م 184ھ / 800ء) عبدالرحمن بن معاویہ (م 174ھ / 790ء) وغیرہ کو علماء نے ضعیف کہا ہے۔ (6) اور سنان بن ہارون البرجمی (م 172ھ / 788ء) عمر بن ہارون الخراسانی (م 194ھ / 809ء)' عمرو بن ثابت بن ہرمز (م 172ھ / 788ء)' قیس بن الربیع الاسدی (م 168ھ / 784ء)' مفضل بن صدقہ الکوفی (م 161ھ / 778ء) وغیرہ رواۃ کا تذکرہ رجال کی کسی کتاب میں نہیں ملتا۔ (7)

(3) اسلامی مالیات کے جن شعبوں کے متعلق قرآن پاک کی آیات میں اشارات موجود ہیں۔ یحیٰ بن آدم اور امام ابویوسف نے ان عنوانات کے تحت ان آیات کا تذکرہ کیا ہے۔ بعد ازاں دونوں ماہرین احادیث و آثار سے استدلال کرتے ہیں مثلاً 'فئے' 'غنیمت' صدقات وغیرہ کے مباحث میں اس کی تفصیل ملتی ہے۔

ابو عبید القاسم بن سلام

آپ 150ھ میں ہرات شہر میں پیدا ہوئے۔ اس دور کے مختلف علمی مراکز سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد واپس وطن تشریف لائے اور ہارون الرشید کے ایک نامور سپہ سالار ہرثمہ بن اعین (م 200ھ / 816ء) کی اولاد کے اتالیق مقرر ہوئے۔ آپ کے وسیع مطالعہ' قرآن و حدیث پر گہری نظر اور فقہی بصیرت سے متاثر ہو کر طرسوس کے گورنر ثابت بن نصر بن مالک نے آپ کو قاضی مقرر کیا اور آپ اٹھارہ (18) سال تک اس منصب پر فائز رہے۔

یحیٰ بن معین' ابوداود' ابن حجر اور ابو نصر عبدالوھاب' تاج الدین السبکی (م 771ھ / 1370ء) نے آپ کی ثقاہت اور فضل و کمال کا اعتراف کیا ہے۔ آپ نے 224ھ کو مکہ معظمہ میں انتقال کیا۔ (حالات زندگی کے لئے دیکھئے۔ (8))

کتاب الاموال

مختلف علوم و فنون پر آپ نے تقریباً چونتیس (34) کتب تحریر کیں۔ ان تصانیف میں کتاب الاموال ایک مشہور کتاب ہے۔ اس کا اردو ترجمہ مولانا عبدالرحمن طاہر سورتی نے کیا ہے جو ادارہ تحقیقات اسلامی' اسلام آباد کے زیر اہتمام شائع ہو چکا ہے۔

یہ کتاب اسلامی حکومتوں کے مالیاتی نظام سے متعلق تمام امور و مسائل پر جامع اور حاوی ہے۔ اسلامی مملکت کا مالیاتی نظام جس کی بنیاد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھی اور جو خلفائے راشدین کے دور میں بتدریج ترقی کے مراحل طے کرتا رہا اور پھر اسلامی دور کی ابتدائی دو صدیوں میں اسے جن تغیرات کا سامنا کرنا پڑا' یہی کتاب الاموال کا موضوع ہے۔

تقابلی جائزہ

(1) امام ابو یوسف اور ابو عبید دونوں ماہرین معاشیات نے اسلامی مملکت کے محاصل کو موضوع بحث بنایا ہے۔

(2) دونوں مسلم ماہرین معاشیات نے صحابہ کرام' تابعین اور ائمہ فقہ و حدیث کے اقوال و فتاویٰ اور ان کے دلائل ذکر کر کے ان پر تنقید و محاکمہ کیا ہے اور اپنی ترجیح کو دلائل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

(3) مالیات کے موضوع پر دونوں ماہرین نے گہری بصیرت کا ثبوت مہیا کیا ہے۔

ابو یوسف کی فوقیت

ابو عبید پر ابو یوسف کی فوقیت درج ذیل امور سے ثابت ہوتی ہے۔

(1) ابو یوسف کو مالیات پر گفتگو کرنے میں ابو عبید پر سبقت زمانی حاصل ہے۔

(2) ابوعبید اگرچہ طرز بیان کی سادگی اور احادیث کو جمع کرنے میں ابویوسف پر سبقت لے گئے ہیں لیکن وقت نظر، قوت مشاہدہ اور وسیع معلومات میں ابویوسف کو فوقیت حاصل ہے۔

(3) ابویوسف ٹیکس عائد کرنے کے اصولوں سے بھی بحث کرتے ہیں۔ اس ضمن میں انہوں نے مفاد عامہ کو ترجیح دی ہے۔ جبکہ ابوعبید نے صرف اسلامی محاصل کی تفصیلات بیان کرنے پر اکتفا کیا ہے۔

(4) ابوعبید نے محدود موضوعات پر اگرچہ تفصیل سے بحث کی ہے لیکن ابویوسف معاشیات کے زیادہ مسائل زیر بحث لائے ہیں۔

(5) ابوعبید وہی موضوعات زیر بحث لائے ہیں جن پر ابویوسف پہلے بحث کر چکے تھے جیسا کہ مفتوحہ اراضی کے بارے میں معلومات 'جزیہ' 'خراج' 'زکوٰۃ' 'عشور اور اہل ذمہ کے بعض احکام۔

(6) ابوعبید نے اپنی کتاب میں زیادہ تر لغت سے متعلق معلومات دی ہیں جبکہ ابویوسف کو اس لحاظ سے انفرادی مقام حاصل ہے کہ انہوں نے عراق میں خراج سے متعلق بہت زیادہ معلومات دی ہیں۔

(7) ابویوسف نے اس دور کے معاشی مسائل کی نشاندہی کرتے ہوئے ان کے حل کے لئے تجاویز بھی دی ہیں لیکن ابوعبید کے معاشی فکر میں اصلاحات پر کوئی مواد نہیں ملتا۔

(8) ایک ماہر معاشیات کے لئے ضروری ہے کہ وہ ملکی معاشی ترقی کے لئے جامع لائحہ عمل پیش کرے۔ ابویوسف اس ضمن میں بھی ابوعبید پر فوقیت رکھتے ہیں۔

ابوعبید کی فوقیت

(1) ابوعبید نے زکوٰۃ' عشر' جزیہ اور معدنیات پر خمس کے بارے میں ان کی جزئیات تک بحث کی ہے۔ اس لحاظ سے ان کا معاشی فکر ابویوسف سے بڑھ کر ہے۔

امام ابوعبید فرماتے ہیں اہل عراق دراصل عشور (تجارت کے سامان پر چنگی) کو زکوٰۃ سے مشابہ قرار دیتے ہیں حالانکہ عشور کو زکوٰۃ نہیں کہا جا سکتا کیونکہ زکوٰۃ تو سال گزرنے کے بعد وصول کی جاتی ہے جبکہ عشور نیا سامان درآمد برآمد کرنے پر بغیر سال گزرے وصول کیا جاتا ہے۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک سفیان کا قول سب سے زیادہ مبنی برعدل اور حضرت عمرؓ کے منشاء سے زیادہ مشابہ ہے۔ (9)

(2) ابویوسف اپنے دور میں رائج ناپ تول کے پیمانوں مثلاً صاع رطل وغیرہ کا صرف سرسری ذکر کرتے ہیں لیکن ان کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں دیتے۔ جبکہ ابوعبید نے ان پیمانوں کی مقدار کی تحقیق بھی کی ہے۔ انہوں نے کتاب الاموال کے باب 74 (10) میں اس موضوع پر تفصیل سے گفتگو کی ہے۔

(3) ابو عبید نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے متعدد ایسے خطوط اور خطبے نقل کئے ہیں جن سے معاشی نکات اخذ کئے جا سکتے ہیں۔ ابو یوسف کی کتاب میں معاشیات کا یہ ذخیرہ کم ملتا ہے۔

قدامہ بن جعفر

قدامہ بن جعفر 275ھ یا اس کے کچھ عرصہ بعد بغداد میں پیدا ہوئے۔ آپ آبائی طور پر عیسائی مذہب سے وابستہ تھے۔ عباسی خلیفہ مکتفی باللہ (289-295ھ / 902-908ء) کے ہاتھ پر دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ بغداد میں مختلف سرکاری عہدوں پر فائز رہے۔ آپ کی وفات 337ھ میں ہوئی۔ (حالات زندگی کے لئے دیکھئے) (11)

کتاب الخراج وصناعۃ الکتابۃ

مختلف موضوعات پر آپ نے 18 کتب تحریر کی ہیں لیکن ان میں سب سے زیادہ مشہور اور اہم کتاب الخراج وصناعۃ الکتابۃ ہے۔ انہوں نے یہ کتاب اس وقت تحریر کی جب وہ محکمہ مال کے مختلف عہدوں پر تقریباً بیس سال تک کام کر چکے تھے۔ (12) یہ کتاب سلطنت کی صوبائی تقسیم کے ذکر سے شروع ہوتی ہے۔ اور اس میں محکمہ ڈاک کی تنظیم کا حال اور ہر ضلع سے وصول ہونے والے مالیے کی رقم مذکور ہے۔ اس کے بعد مصنف نے ہمسایہ ممالک خارجہ اور وہاں کے باشندوں کا جائزہ لیا ہے اور پھر مالی نظام' محصول اور انتظامی قانون کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ (13)

قدامہ نے یہ کتاب تحریر کرنے کے بعد خلیفہ مکتفی باللہ کے وزیر علی بن عیسیٰ کی خدمت میں پیش کی۔ یہ کتاب فرانسیسی ترجمہ کے ساتھ 1889ء میں لیڈن میں طبع ہوئی۔ اس کا اردو ترجمہ دار الترجمہ جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن سے 1930ء میں شائع ہوا۔

تقابلی جائزہ

ابو یوسف کی فوقیت

(1) ابو یوسف نے ٹیکسوں کے نفاذ اور ان کی وصولی کے لئے راہنما اصول دیئے ہیں۔ جن کی مدد سے اسلامی ریاست کا مالیاتی نظام بہتر طریقہ سے چل سکتا ہے لیکن قدامہ بن جعفر نے زیادہ تر ٹیکس وصول کرنے کے لئے مختلف شہروں کے راستوں اور ان کے درمیانی فاصلوں کے اندازے مقرر کئے ہیں۔ یعنی انہوں نے زیادہ تر تاریخ اور جغرافیہ کی معلومات دی ہیں۔

(2) قدامہ بن جعفر نے جزیہ' خراج' فئے اور غنیمت وغیرہ مسائل پر جو گفتگو کی ہے اس میں وہ ابو یوسف کے افکار سے متاثر نظر آتے ہیں۔ انہوں نے متعدد احادیث و روایات ابو یوسف کے حوالہ سے نقل کی ہیں۔ عراق کی زمینوں کے بارے میں حضرت عمرؓ کی مشاورت اور آپ کے فیصلہ کو ابو یوسف کی کتاب الخراج سے لیا ہے۔

(3) ابو یوسف کی کتاب پر معاشیات کا موضوع حاوی ہے لیکن قدامہ بن جعفر نے زیادہ تر ان امور پر بحث کی ہے جن کا

معاشیات سے تعلق نہیں۔ ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی کے الفاظ میں "قدامہ کی کتاب اپنے مضامین اور مزاج دونوں کے اعتبار سے ابو یوسف کی کتاب الخراج سے مختلف ہے۔ ابو یوسف کی کتاب قانون کی کتاب ہے جبکہ قدامہ کی کتاب زیادہ تر جغرافیہ اور تاریخ کی معلومات پر مشتمل ہے جو موضوعات دونوں کے درمیان مشترک ہیں ان پر ابو یوسف کی بحث زیادہ جامع اور مفصل ہے۔ (١٥)

(4) معاشی اصلاحات پیش کرنے میں بھی ابو یوسف کو فوقیت حاصل ہے۔

قدامہ بن جعفر کی فوقیت

(1) قدامہ بن جعفر نے اپنی کتاب میں ملکی سکوں کے بارے میں کافی معلومات دی ہیں لیکن ابو یوسف ان سکوں کا صرف سرسری ذکر کرتے ہیں۔

(2) قدامہ کا مقام اس لحاظ سے ابو یوسف سے بڑھ کر ہے کہ انہوں نے سولہ عراق کے مختلف علاقوں سے حاصل ہونے والی آمدنیوں کا مفصل گوشوارہ دے دیا ہے کن کن اشیاء پر ٹیکس لگایا جاتا تھا اور مختلف شہروں سے ٹیکس کے طور پر کتنی رقم اور اشیاء وصول ہوتی تھیں' اس بارے میں قدامہ بن جعفر ابو یوسف سے زیادہ معلومات بہم پہنچاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ قدامہ بن جعفر نے عباسی سلطنت کے ہر علاقہ کی دولت و ثروت کا ایک خوبصورت نقشہ کھینچا ہے۔

قدامہ بن جعفر نے 'عبید اللہ بن احمد' ابن خرداذبہ (م 280ھ / 893ء) کی تصنیف کتاب مسالک والممالک' ابو عبید کی کتاب الاموال اور یحییٰ بن آدم کی کتاب الخراج سے استفادہ کیا ہے۔

امام ابو یوسف کی طرح قدامہ نے بھی بعض فقہاء مثلاً امام ابو حنیفہ' اور امام مالک وغیرہ کی آراء سے بھی استفادہ کیا ہے۔ (١٦)

علی بن احمد ابن حزم

آپ 384ھ میں ماہ رمضان کے آخری روز قرطبہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد وزارت کے عہدہ پر فائز تھے۔ اس لئے ان کی پرورش، تربیت امراء زادوں کی طرح ہوئی۔ اس دور میں امراء کی اولاد کی نگہداشت باندیوں کے سپرد ہوتی تھی۔ آپ نے ابتدائی تعلیم ان باندیوں سے حاصل کی۔ آپ مختلف ادوار میں عہدہ وزارت پر فائز رہے۔ احمد بن محمد ابن خلکان (م 681ھ / 1282ء) ابو عبداللہ محمد بن احمد الذہبی (م 748ھ / 1348ء) عبداللہ بن اسعد الیافعی (م 768ھ / 1367ء) اور عبدالحی ابن العماد (م 1089ھ / 1678ء) نے آپ کے فضل و کمال کا ذکر کیا ہے۔ آپ نے 28 شعبان 456ھ کو وفات پائی۔ (حالات زندگی کے لئے دیکھئے) (16)

المحلیٰ

آپ کے بیٹے ابو رافع فضل بن علی رم 479ھ / 1086ء) کے قول کے مطابق ابن حزم کی تصانیف کی تعداد چار سو (400) تھی۔ (17) جن میں سے اکثر کتب کو مخالفین نے نذر آتش کر دیا۔ آپ کی وہ کتب جو اب دستیاب ہیں ان میں ایک مشہور کتاب المحلیٰ ہے۔ ابن حزم کے معاشی افکار اس کتاب میں ملتے ہیں۔ یہ کتاب مصر میں گیارہ جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔

تقابلی جائزہ

ابو یوسف کی کتاب الخراج اور ابن حزم کی المحلیٰ کی روشنی میں دونوں ماہرین معاشیات کے افکار کا تقابلی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

ابن حزم کی فوقیت

(1) اگرچہ ابو یوسف نے بھی کفالت عامہ کا تصور پیش کیا ہے لیکن ابن حزم کے معاشی افکار میں یہ تصور زیادہ واضح اور جامع ہے۔ بالخصوص ہنگامی حالات میں ابن حزم نے حاکم کو اختیار دیا ہے کہ اگر غریب طبقہ کی بنیادی ضروریات پوری نہ ہو رہی ہوں تو وہ ان محروم المعیشت افراد کی کفالت کے لئے جبراً" لے سکتا ہے۔ (18) وہ کہتے ہیں کہ ہر شخص کو ضروریات زندگی کم سے کم اس معیار کی فراہم ہونی چاہیے۔

(1) غذا: ایسی غذا جو ان کی زندگی اور ضروریات کارکردگی کے لئے ناگزیر ہو۔

(2) لباس: ایسا لباس جو کہ گرمی سردی میں صحت و قوت کو برقرار رکھے۔

(3) مکان' ایسا مکان جو بارش اور گرمی کے برے اثرات سے انہیں محفوظ رکھے اور راستوں پر چلنے والوں کی نظروں سے ان کی خلوت کی پردہ داری ہو سکے۔ (19)

اس طرح کفالت عامہ کا ایک اعلی تصور پیش کرنے میں ابن حزم ابو یوسف سے بڑھ گئے ہیں۔

(2) تقسیم دولت کے بہترین اصول پیش کرنے میں بھی ابن حزم' ابو یوسف پر سبقت لے گئے ہیں۔ گردش دولت جو قرآن کا منشاء ہے اور کسی ملک کی معاشی ترقی کے لئے ناگزیر ہے اس کا واضح اور جامع تصور ابن حزم کے افکار میں ابو یوسف کے افکار سے بدرجہا بہتر ملتا ہے۔ ابن حزم کا نظریہ یہ ہے کہ دولت چند ہاتھوں میں مرتکز نہیں ہونی چاہیے بلکہ معاشرہ کے زیادہ سے زیادہ افراد میں تقسیم ہو۔ مثلاً غیر وارث اقارب کے سلسلے میں ابو یوسف اور دیگر فقہاء وصیت کی فرضیت کو نہیں مانتے لیکن ابن حزم کا موقف یہ ہے کہ وصیت غیر وارث اقارب کے لئے فرض ہے۔ وصیت کنندہ کو چاہیے کہ اتنے مال میں وصیت کرے جس سے اس ثابت شدہ فریضے کی تکمیل ہو جائے۔ چونکہ ان کے نزدیک وصیت واجبہ کا ترک ظلم کے مترادف ہے اس لئے یہ کام حاکم یا قاضی کے سپرد ہو گا کہ وہ وصیت کے نفاذ کی نگرانی کرے یا عدم وصیت کی صورت میں متاثرین کو ان کے حقوق دلائے۔ (20)

مصری حکومت نے ابن حزم کے اس مسلک کی روشنی میں یتیم پوتے کی میراث کا قانون بنایا ہے۔ اس طرح مصری قانون نمبر 71 مجریہ 1946ء کی دفعات نمبر 79-76 ابن حزم کی کتاب المحلی سے ماخوذ نظر آتی ہیں۔

میت کے ترکہ میں سے جتنے حقوق وابستہ ہیں' ابن حزم ان میں حقوق اللہ مثلاً حج اور کفارہ وغیرہ کو ترجیح دیتے ہیں ان کے نزدیک یہ خداوندی حقوق میت کی تجہیز و تکفین سے بھی مقدم ہیں۔ (21) جبکہ ابو یوسف کے نزدیک حقوق اللہ کے بارے میں متوفی کا وصیت کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح ترکہ کی تقسیم کے وقت اگر یتیم و مسکین جمع ہوں تو انہیں کچھ نہ کچھ دے دینا چاہیے۔ ابو یوسف اور اکثر فقہاء یہی رائے رکھتے ہیں لیکن ابن حزم کی رائے میں یہ عطیہ اختیاری نہیں بلکہ وجوبی ہے لہذا اگر ورثاء دینے سے انکار کریں تو حاکم ان سے جبراً" دلائے۔ وہ کہتے ہیں کہ ترکہ کی مالیت اور حصص کے اعتبار سے حاکم یتامی و مساکین کے حصے کا تعین کر سکتا ہے۔ (22)

(3) ابن حزم کے معاشی افکار میں محنت کش طبقہ کے حقوق کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کی چیرہ دستیوں اور مظالم سے مزدور کو محفوظ رکھنے کے لئے ابو یوسف کے افکار کی نسبت ابن حزم کے افکار میں زیادہ کشش موجود ہے مثلاً وہ ابو یوسف اور دیگر فقہاء کی رائے کے برعکس اجیر مشترک اور اجیر خاص میں کوئی فرق نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک دونوں سے نقصان ہونے کی صورت میں کسی قسم کا تاوان نہیں لیا جائے گا۔ ابن حزم المحلی میں لکھتے ہیں۔

ولا ضمان علی اجیر مشترک او غیر مشترک ولا علی صانع اصلا الا ما ثبت انه تعدی فیه او اضاعه والقول فی کل ذلک ما لم تقم علیه بینة قوله مع

بصیغہ (23)

"اور اجیر مشترک ہو یا خاص یا کاریگر ہو اس پر مال میں نقصان ہو جانے یا ہلاک ہو جانے سے کوئی تاوان نہیں آتا تو قتیکہ اس کا ارادی قصور یا ضائع کر دینا ثابت نہ ہو اور ان تمام امور میں جب تک اس کے خلاف گواہ موجود نہ ہوں اس اجیر کا قول معتبر ہے قسم کے ساتھ۔"

ابو یوسف کی فوقیت

(1) امام ابو یوسف اپنے دور کے معاشی مسائل کی نشاندہی اور اقتصادی اصلاحات پیش کرنے میں ابن حزم پر سبقت لے گئے ہیں۔

(2) مالیات عامہ پر ابو یوسف کی بحث ابن حزم کی بحث سے زیادہ جامع ہے۔

(3) دقت نظر، قوت مشاہدہ اور وسیع معلومات میں ابو یوسف کو برتری حاصل ہے۔

(4) معاشی ترقی کا ایک جامع ماڈل پیش کرنے میں بھی ابو یوسف کو سبقت حاصل ہے۔

ابو حامد محمد بن محمد الغزالی

آپ طوس کے مقام پر 450ھ میں پیدا ہوئے۔ آبائی سوت فروشی کی نسبت سے الغزالی کے لقب سے مشہور ہیں۔ آپ بغداد کے مدرسہ نظامیہ میں کچھ عرصہ درس دیتے رہے۔ 488ھ میں دنیوی جاہ و منزلت کو خیرباد کہہ کر فقر و درویشی اختیار کرلی۔ آپ نے 14 جمادی الثانی 505ھ کو پچپن برس کی عمر میں وفات پائی۔ (حالات زندگی کے لئے دیکھئے۔ (24))

آپ نے درج ذیل کتب میں معاشی موضوعات پر بھی بحث کی ہے۔

(1) احیاء علوم الدین ۔۔۔ بیروت' دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر

(2) میزان العمل ۔۔۔ (تحقیق = الدکتور سلیمان بدنیا) القاہرۃ' نشر دار المعارف

(3) شفاء الغلیل ۔۔۔ بغداد' نشر دار الارشاد' الطبعۃ الاولی 1971ء

(4) المستصفی من علم الاصول ۔۔۔ بیروت' نشر دار احیاء التراث العربی

(5) کتاب الاربعین فی اصول الدین ۔۔۔ القاھرۃ نشر المکتبۃ التجاریۃ الکبری

(6) الاقتصاد فی الاعتقاد ۔۔۔ بغداد' نشر دار الارشاد

تقابلی جائزہ

ابو یوسف کی فوقیت

(1) امام ابو یوسف نے خالص معاشی موضوع پر کتاب تحریر کی ہے یہی وجہ ہے کہ اس میں معاشی اصلاحات بھی ملتی ہیں۔ جبکہ امام غزالی کی اکثر کتب کا موضوع فقہ اور اخلاقیات ہے۔ ان کتب میں اس دور کی معاشی اصلاحات کا ذکر نہیں ملتا۔

(2) اگرچہ دونوں مسلم ماہرین معاشیات اس بات پر زور دیتے ہیں کہ عوام سے ناجائز ٹیکس وصول نہ کئے جائیں اور ان کا معاشی استحصال نہ کیا جائے لیکن ابو یوسف زیادہ واضح اور جامع انداز میں اس موضوع پر گفتگو کرتے ہیں۔

(3) اسلامی ریاست کی معاشی ذمہ داریوں کے بارے میں ابو یوسف کا معاشی فکر' امام غزالی کے فکر سے بڑھ کر ہے۔

(4) معاشی ترقی کا واضح اور جامع تصور جو ابو یوسف کے فکر میں ملتا ہے' وہ غزالی کے معاشی افکار میں نہیں۔

(5) ابو یوسف اور امام غزالی' دونوں نے مضاربت' شراکت' ٹھیکہ اور سود کے بارے میں بحث کی ہے لیکن ابو یوسف کا فکر اس ضمن میں جامع ہے۔

امام غزالی کی فوقیت

(1) اگرچہ ابویوسف اور امام غزالی دونوں ماہرین نے زکوٰۃ کے بارے میں بحث کی ہے لیکن امام غزالی زکوٰۃ کی معاشی اہمیت اور اس کی ادائیگی کے آداب پر بھی گفتگو کرتے ہیں۔ ابویوسف نے زکوٰۃ کے اس پہلو پر بحث نہیں کی۔ اس لحاظ سے امام غزالی کا مقام ابویوسف سے بڑھ جاتا ہے۔

(2) امام غزالی رزق حلال کی فضیلت اور رزق حرام کی مذمت بیان کرتے ہیں اکتناز کی خرابیاں اور اس سے بچنے کی تدابیر بتاتے ہیں وہ اکتساب مال اور صرف مال کے مثبت اور منفی اصولوں پر تفصیل سے گفتگو کرتے ہیں۔ جبکہ ابویوسف کے فکر میں یہ بحثیں نہیں ملتیں۔ امام غزالی نے محنت کی عظمت پر بھی بحث کی ہے۔

(3) امام غزالی نے احیاء علوم الدین میں معاشیات کے پانچ اصول دیئے ہیں جو آج بھی ہمارے انفرادی اور اجتماعی معاشی پروگرام کی اصلاح کی بنیاد بن سکتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ

(ا) مال کے اصل مقصود کو پہچانا جائے کہ یہ کس لئے پیدا ہوا اور اس کی حاجت کیوں ہوتی ہے (اس طرح انسان بقدر حاجت کسب معیشت کرے گا اور مال کو جمع کرنے کے لالچ سے محفوظ رہے گا)

(ب) یہ کہ آمدنی کے ذریعہ کا خیال رکھے (اس طرح مال حرام سے بچے گا اور رزق حلال کی کوشش کرے گا۔

(ج) یہ کہ مقدار معیشت کو ملحوظ رکھے (یعنی مقدار حاجت کے مطابق اور حاجت تین چیزوں کی ہوتی ہے روٹی کپڑا اور مکان ہے۔

(د) خرچ کا لحاظ رکھے (یعنی فضول خرچی اور بخل سے پرہیز کرتے ہوئے اعتدال اور میانہ روی اختیار کرے۔

(ر) یہ کہ مال کے لینے اور چھوڑنے میں نیت درست رکھے (یعنی جو مال حاصل کرے اس میں نیت عبادت پر استقامت کی ہو حرص دنیا کی نہ ہو اور جو ترک کرے اس میں زہد اور مال کی حقارت کی ہو نہ کہ افسوس اور ملال کی ہو) (25)

(4) امام غزالی کی ایک خوبی یہ ہے کہ انہوں نے اشیاء اور سکوں کے تبادلہ میں اپنے وقت تک کے مختلف مراحل کا بھی تفصیل سے جائزہ لیا ہے۔

امام ابویوسف اور امام غزالی دونوں ماہرین معاشیات نے اس بات پر زور دیا ہے کہ آمدنی اور خرچ کی مدوں کا الگ الگ حساب رکھا جائے۔ وہ اخراجات میں بچت اور کمی کرنے پر بھی زور دیتے ہیں اور واضح کرتے ہیں کہ خلیفہ عوام سے حاصل کردہ رقم کو ذاتی استعمال میں نہیں لا سکتا۔ بلکہ صرف مفاد عامہ کے کاموں ہی پر خرچ کر سکتا ہے۔

امام غزالی نے اپنی کتاب "التبر المسبوک فی نصائح الملوک" میں لکھا ہے کہ دنیا کی آبادی اور ویرانی زیادہ تر بادشاہوں کی ذات پر منحصر ہوتی ہے۔ (26) امام ابویوسف نے بھی کتاب الخراج میں یہ فکر پیش کیا ہے۔

امام غزالی نے یہ رائے دی ہے کہ حکومت ہنگامی حالات میں ضرورت کے مطابق لوگوں پر نئے ٹیکس عائد کر سکتی ہے۔(27)

عبدالرحمٰن بن محمد ابن خلدون

آپ 732ھ میں تیونس میں پیدا ہوئے۔ اسی سرزمین میں علوم مروجہ قرآن' حدیث' فقہ' صرف و نحو اور شعر و ادب کی تعلیم حاصل کی۔ جب شمالی افریقہ میں بنو مرین کو اقتدار حاصل ہوا تو ابن خلدون کو اپنی غیر معمولی صلاحیتوں کی بناء پر دربار میں اپنا اثر و رسوخ قائم کرنے کا موقع ملا۔ وہ دربار میں اہم مناصب پر فائز رہے۔ اپنی عمر کے آخری دور میں امراء اور بادشاہوں کی دوستی و خدمت سے توبہ کر کے قلعہ ابن سلام میں گوشہ نشین ہو گئے۔ اور اپنا سارا وقت تصنیف و تالیف میں صرف کرنے لگے۔ آپ نے 808ھ میں قاہرہ میں وفات پائی۔ (حالات زندگی کے لئے دیکھئے۔ (28))

مقدمة

آپ کی تصانیف میں "مقدمة" کو ایک نمایاں اور منفرد مقام حاصل ہے۔ یہ تاریخ کی بجائے تاریخ کے فلسفہ پر مشتمل ہے۔ ابن خلدون نے "مقدمة" کے پانچویں باب میں بتیس (32) طویل فصول صرف "المعاش" کے لئے مخصوص کی ہیں۔ یہ مقدمہ تقریباً سوا پانچ سو صفحات پر مشتمل ہے۔ اطالوی' جرمن' لاطینی اور انگریزی زبانوں میں اس کے تراجم ہو چکے ہیں اس کا اردو ترجمہ مولانا محمد داؤد راغب رحمانی نے کیا ہے جو نفیس اکیڈمی کراچی سے شائع ہو چکا ہے۔

تقابلی جائزہ

مقدمہ ابن خلدون اور کتاب الخراج کے مطالعہ کے بعد یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اگرچہ بعض پہلوؤں سے ابو یوسف کا معاشی فکر ابن خلدون سے اعلیٰ ہے لیکن اکثر مسائل میں ابن خلدون کا مقام ابو یوسف سے بڑھ کر ہے۔

ابو یوسف کی فوقیت

(1) ابو یوسف کا مقام اس لحاظ سے بڑھ جاتا ہے کہ انہوں نے ابن خلدون سے تقریباً ساڑھے چھ سو سال قبل معاشی ترقی کے بارے میں ایک واضح اور جامع خاکہ پیش کیا ہے۔ ان بنیادوں کی نشاندہی کی ہے جن پر کسی ملک کی معاشی ترقی استوار ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس موضوع پر وہ تمام مسلم ماہرین معاشیات پر سبقت لے گئے ہیں۔ ابو یوسف پہلے ماہر معاشیات ہیں جنہوں نے راستوں کی تعمیر پر بڑا زور دیا ہے۔ فلاح عامہ کا جو تصور ابو یوسف کے معاشی فکر میں ہے وہ ابن خلدون کے ہاں نہیں ملتا۔

(2) مالی اور اقتصادی اصلاحات پیش کرنے میں بھی ابو یوسف ابن خلدون پر سبقت لے گئے ہیں۔ اگرچہ ابن خلدون

نے بھی ضمناً بعض اصلاحات کی طرف اشارہ کیا ہے لیکن ابو یوسف کی خوبی یہ ہے کہ وہ اپنے دور کے معاشی حالات کا بنظر غائر جائزہ لیتے ہیں اور ساتھ ہی ان کی اصلاح کے لئے عملی تجاویز بھی دیتے ہیں۔

(3) ابو یوسف نے علم معاشیات کو اپنا مستقل موضوع بحث بنایا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ کتاب الخراج میں اگرچہ معاشیات کے علاوہ دیگر مباحث بھی ہیں لیکن معاشیات کا موضوع تمام مضامین پر حاوی ہے اور پوری کتاب پر یہ موضوع حاوی ہے۔ لیکن ابن خلدون نے معاشیات کو مستقل موضوع بحث نہیں بنایا بلکہ ان کا حقیقی مقصد قوموں کے عروج و زوال اور تمدن کے ارتقاء و انحطاط کے اسباب کی تحقیقات کرنا ہے۔

(4) اسلامی ریاست کی معاشی ذمہ داریوں پر اگرچہ ابن خلدون نے بھی بحث کی ہے لیکن ابو یوسف کی بحث زیادہ جامع ہے۔ یہ درست ہے کہ ابن خلدون' ابو یوسف کی طرح معاشی ترقی کو کسی حکومت کا اہم فریضہ سمجھتے ہیں لیکن انہوں نے اس بارے میں زیادہ تفصیل نہیں دی۔

(5) ابو یوسف نے زمین سے متعلق مسائل پر تفصیل سے گفتگو کی ہے لیکن ابن خلدون نے اس موضوع پر بہت کم روشنی ڈالی ہے۔

ابن خلدون کی فوقیت

(1) ابن خلدون کا مقام اس لحاظ سے بڑھ جاتا ہے کہ انہوں نے جدید معاشیات کے اہم موضوعات پر بھی بحث کی ہے۔ معاشیات کے موضوع پر ابن خلدون کی بحثیں اس قدر جامع اور پر مغز ہیں کہ جدید دور کے ماہرین معاشیت ان کے تلامذہ نظر آتے ہیں۔

ابن خلدون نے جدید معاشیت کے جن موضوعات پر بحث کی ہے' ابو یوسف کے معاشی فکر میں وہ نہیں ملتے۔ مثلاً

(1) معاشیت کی تعریف اور نفس مضمون — *Definition and subject matter of economics.*

(2) معاشیات کا دوسرے سائنسی مضامین سے تعلق — *The relation of economics to other sciences.*

(3) آبادی پر اثر انداز ہونے والے معاشی عوامل — *Economic factors affecting the size of population.*

(4) دیہاتی اور شہری معاشی نظام — *Rural and Urban economic systems.*

(5) برآمدات اور درآمدات (29) — *Exports and imports.*

(2) ابو یوسف نے کتاب الخراج میں اگرچہ غلہ کی گرانی اور ارزانی کا ذکر کیا ہے لیکن قیمتوں کو متاثر کرنے والے اسباب

پر روشنی نہیں ڈالی۔ لیکن ابن خلدون قیمتوں کو متاثر کرنے والے اسباب بھی بتاتے ہیں۔ ابن خلدون اس ضمن میں تین باتوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ قیمتوں کو متاثر کرنے والی پہلی چیز حکومت کی پالیسی ہے۔ مثلاً اشیاء پر بھاری ٹیکس عائد ہونے کی وجہ سے قیمتوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ اسی طرح ان کے نزدیک معاشرتی اسباب بھی قیمتوں کو متاثر کرتے ہیں۔ قدرتی اسباب بھی زمین کی قیمت کو متاثر کرتے ہیں زمین کی گھٹی ہوئی زرخیزی کی وجہ سے جو نقصان ہوتا ہے اس کی تلافی کرنا یا زرخیزی کو برقرار رکھنے کے لئے مختلف مصنوعی طریقوں کو اختیار کرنا پڑتا ہے۔ اس سے مصارف میں اضافہ ہو جاتا ہے اور اس کے نتیجہ میں قیمتیں بھی متاثر ہوتی ہیں۔

منگائی کے اسباب بیان کرتے ہوئے ابن خلدون نے ذخیرہ اندوزی (Speculation) پر بھی بحث کی ہے۔ ابن خلدون کے نزدیک اشیاء جو ضروریات زندگی کی حیثیت رکھتی ہیں ان کا ذخیرہ اس نیت سے کرنا کہ بعد ازاں انہیں مہنگے داموں فروخت کیا جائے گا۔ ایک قسم کا استحصال ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ذخیرہ اندوزی کی وجہ سے قیمتوں میں تغیرات پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ (30)

(۲) ابو یوسف ٹیکس عائد کرنے کے اصول بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ٹیکس کی شرح ہلکی ہونی چاہیے۔ لیکن وہ اس ضمن میں زیادہ تفصیل سے بات نہیں کرتے۔ ابن خلدون کی بحث اس ضمن میں جامع ہے۔ ابن خلدون کا ٹیکسوں کے بارے میں فلسفہ اور تجزیہ یہ ہے کہ جب کوئی ملک یا حکومت عروج سے ہمکنار ہوتی ہے تو اس کا خزانہ لبالب بھرا ہوا ہوتا ہے۔ ٹیکس کی شرح کم ہوتی ہے اور خوشحال لوگ شوق کے ساتھ ٹیکس ادا کرتے ہیں اور پوری قوم خوشحالی میں حصہ دار ہوتی ہے لیکن جب حکمران نااہل ہونے لگتے ہیں اور ان کے فضول اخراجات بڑھنے شروع ہوتے ہیں تو خزانے پر بوجھ پڑنا شروع ہوتا ہے اور وہ خالی ہونے لگتا ہے۔ اس صورت حال سے پریشان ہو کر حکمران مشورے کرتے ہیں کہ خزانے کو کس طرح آباد کیا جائے اس کا جواب بالعموم یہ ملتا ہے کہ ٹیکس بڑھا دیے جائیں۔ اس طرح حکومتیں رفتہ رفتہ ٹیکس بڑھانے لگتی ہیں۔ ٹیکسوں میں اضافے سے لوگ پریشان ہو جاتے ہیں' بڑھتے ہوئے ٹیکسوں کی ادائیگی مشکل ہو جاتی ہے چنانچہ ٹیکسوں کی چوری شروع ہوتی ہے۔ لوگ اپنی آمدنی چھپاتے ہیں اور ایسے حیلے بہانے اختیار کرتے ہیں کہ ٹیکس ادا نہ کرنے پڑیں کیونکہ یہ ٹیکس ان کی سکت سے زیادہ ہوتے ہیں۔ جب خزانہ پھر بھی خالی رہتا ہے تو حکمران ٹیکسوں میں اور زیادہ اضافہ کر دیتے ہیں اس طرح ٹیکسوں کی چوری اور محصول وصول کرنے والوں میں رشوت بڑھنی شروع ہو جاتی ہے اور ایک خوشحال سلطنت غریب اور رفتہ رفتہ دیوالیہ ہو جاتی ہے اور حکمران کمزور ہو کر حکومت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ ابن خلدون مثالیں دے کر دلائل کے ساتھ یہ ثابت کرتے ہیں کہ ٹیکس جتنے حقیقت پسندانہ اور عوام کی آمدنی کے مطابق ہوں گے اتنے ہی زیادہ وصول ہوں گے اور خزانہ کبھی خالی نہیں رہے گا لیکن ٹیکس جس قدر غیر حقیقت پسندانہ اور لوگوں کی آمدنی اور استطاعت سے بڑھ جائیں گے ان کی وصولی اتنی ہی کم ہو جائے گی۔ اور ٹیکس چوری ایسی خرابیاں

پیدا کرے گی کہ قوم میں بدعنوانی عام ہو جائے گی۔ لوگ رشوت دیں گے اور حکام وصول کریں گے۔ لیکن ملک کے خزانے میں کچھ نہیں آئے گا۔(31)

ابن خلدون کا ٹیکس کا یہ فلسفہ اس قدر بنیادی انسانی مزاج اور طبیعتوں کے مطابق ہے کہ اس پر وقت کا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ انسانوں کے بنیادی مسائل اور مزاج میں کبھی فرق نہیں پڑتا۔ ان کے علاج اور حل میں ترقی ہوتی رہتی ہے لیکن انسانی فطرت جوں کی توں رہتی ہے۔ یہ بات صدیوں پہلے بھی اتنی ہی سچی تھی جتنی آج ہے اور جتنی کل ہوگی۔ آج پاکستان میں جتنے ٹیکس بڑھتے جا رہے ہیں اتنی ہی چوری بھی بڑھتی جا رہی ہے اور ٹیکس چھپانے کے لئے کرپشن بھی ہر سطح پر بڑھتی جا رہی ہے۔ عام حالات میں آسان شرح کے ساتھ جتنے ٹیکس وصول ہو سکتے ہیں' بہت زیدہ بڑھی ہوئی شرح کے باوجود اتنے بھی وصول نہیں ہو رہے۔

(4) اسلامی حکومت کے ذرائع آمدن پر بحث کرتے وقت ابو یوسف معاشی عدل (Economic Justice) پر زور دیتے ہیں۔ ابن خلدون نے بھی مقدمہ میں معاشی عدل کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے وہ بتاتے ہیں کہ اقتصادی ظلم کس طرح آبادیوں کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔ ان کے فکر کا خلاصہ یہ ہے کہ جب حکومت رعایا پر اقتصادی ظلم کرتی ہے تو ان کی معاشی سرگرمیاں ماند پڑ جاتی ہیں۔ ٹیکسوں سے حاصل کردہ رقم میں کمی آجاتی ہے اور اس کے نتیجہ میں ملک پر تباہی لازم ہو جاتی ہے۔(32) حقیقت یہ ہے کہ اس موضوع پر ابن خلدون کا معاشی فکر ابو یوسف کے معاشی فکر سے بڑھ کر ہے۔

(5) ابن خلدون نے اخلاق اور معاش کے باہمی ربط کو بڑی خوبصورتی سے واضح کیا ہے۔ ان کے فکر کا خلاصہ یہ ہے کہ مادی طاقت اور خوشحالی انسان کی نفسیات اور اخلاق بدل دیتی ہے اور یہ اخلاق کی تبدیلی بالآخر مادی طاقت کے زوال کا سبب بنتی ہے اس لئے جو قوم دنیا میں زندہ رہنا چاہتی ہے اس کا فرض ہے کہ تہذیب و تمدن' صنعت و حرف کی ترقی کے ساتھ ساتھ اخلاق و سیرت پر کڑی نظر رکھے۔(33)

بہرحال کچھ ایسے معاشی مباحث بھی ہیں جن کے بارے میں دونوں مسلم ماہرین کے افکار ملتے ہیں۔ مثلاً زراعت اور تجارت جو معیشت کے دو اہم شعبے ہیں ان کے بارے میں ان کا بلند معاشی فکر موجود ہے۔ اسی طرح دونوں ماہرین نے اکتساب مال کے ان متعدد مسائل سے بحث کی ہے جن سے ایک انسان کو واسطہ پڑتا ہے۔

ایڈم سمتھ

ایڈم سمتھ (Adam Smith) سکاٹ لینڈ کے ایک شہر ایڈنبرا (Edinburgh) کے قریب کرک کیلڈی (Kirk Caldy) میں 5 جون 1723ء کو پیدا ہوا۔ اس نے ابتدائی تعلیم کرک کیلڈی میں حاصل کرنے کے بعد گلاسگو یونیورسٹی اور آکسفورڈ یونیورسٹی میں بھی تعلیم حاصل کی۔ اسے 1751ء میں گلاسگو یونیورسٹی میں منطق کا پروفیسر مقرر کیا گیا۔ اس نے 17 جولائی 1790ء کو وفات پائی۔ (حالات زندگی کے لئے دیکھئے۔ (34))

دولت اقوام

یہ ایڈم سمتھ کی کتاب۔

"An Inquary in to the nature and causes of th wealth of nations"

کا اردو ترجمہ ہے۔

ایڈم سمتھ کی یہ کتاب 9 مارچ 1776ء کو شائع ہوئی۔ یعنی "دولت اقوام کی حقیقت اور اس کے وجوہ میں ایک تحقیق" اس کتاب کو عموماً "دولت اقوام" کے مختصر نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

اس کتاب کا موضوع بحث یہ تھا کہ کسی قوم کی دولت کیونکر بڑھائی جاتی ہے اور اسے کیونکر تقسیم کیا جاتا ہے۔ ایڈم سمتھ نے اپنی کتاب کو چار حصوں میں تقسیم کرتے ہوئے یہ عنوانات قائم کئے ہیں۔

صرف دولت (Consumpiton of wealth)' پیدائش دولت (Production of wealth)' مبادلہ دولت (Exchange of wealth) اور تقسیم دولت (Distribution of wealth)

ایک غلط فہمی اور اس کا ازالہ

راقم کو جدید مورخین معاشیات کے اس نظریے سے اتفاق نہیں ہے کہ ایڈم سمتھ معاشیات کا بانی ہے۔ ایڈم سمتھ سے کئی سو سال قبل مختلف مسلم ماہرین معاشیات مثلاً امام ابو یوسف' امام ابن حزم اور ابن خلدون وغیرہ نے دولت کو موضوع بحث بنایا۔ بالخصوص ابن خلدون نے دولت کے بارے میں بڑی جامع بحثیں کی ہیں۔

اس نے تو علم معاشیات پر اس وقت بحث کی جب یہ ترقی کی منازل طے کر چکا تھا۔ سمتھ سے قبل اس موضوع پر جو کام ہو چکا تھا وہ اس کی راہنمائی کا ذریعہ تھا۔

تقابلی مطالعہ

(1) امام ابو یوسف نے معاشیات کے موضوع پر اس وقت کام کیا جب اس موضوع پر کوئی تحقیقی کام ان کے سامنے

نہیں تھا۔ فلاسفہ یونان' افلاطون اور ارسطو وغیرہ کی تصانیف کے تراجم ابھی نہیں ہوئے تھے۔ جبکہ ایڈم سمتھ کے دور میں جیساکہ پہلے ذکر کیا گیا ہے اس علم کے بارے میں ماہرین کافی بحثیں کر چکے تھے۔ اگر ایڈم سمتھ اپنے سے پہلے کسی گذشتہ زمانے میں پیدا ہوتا تو اس کو وہ شہرت ہرگز نہ ملتی جو کہ اب حاصل ہے۔

(2) ایڈم سمتھ کی کتاب غیر مربوط اور بے ترتیب ہے۔ اس کو ایک مستقل کتاب کہنے کی بجائے ایک سلسلہ مضامین کہنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ لیکن امام ابو یوسف کی کتاب میں یکسانیت اور ہم آہنگی ہے۔

(3) ایڈم سمتھ نے ٹیکس عائد کرنے کے چار اصول بیان کئے ہیں۔ یعنی' اصول مساوات' اصول تیقن' اصول سہولت' اور اصول کفایت۔ اصول مساوات سے مراد یہ ہے کہ ہر شخص اپنی حیثیت کے مطابق ٹیکس ادا کرے۔ جس شخص کی آمدنی زیادہ ہو وہ زیادہ ٹیکس ادا کرے اور جس کی آمدنی کم ہو وہ کم ٹیکس ادا کرے۔ اصول تیقن سے مراد یہ ہے کہ ٹیکس دہندہ کو علم ہونا چاہیے کہ اس نے کتنا ٹیکس ادا کرنا ہے؟ کب کرنا ہے؟ اور کہاں ادا کرنا ہے؟ اصول سہولت سے مراد یہ ہے کہ ٹیکس ادا کرنے والا اسے بوجھ تصور نہ کرے۔ مثلاً زمین دار سے اس وقت ٹیکس وصول کیا جائے جب فصل تیار ہو چکی ہو۔ اصول کفایت سے مراد یہ ہے کہ ٹیکسوں کی وصولی کا نظام اس قسم کا ہونا چاہیے کہ کم سے کم روپیہ خرچ کر کے زیادہ سے زیادہ ٹیکس وصول کیا جائے۔

امام ابو یوسف کی تصنیف کتاب الخراج کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ایڈم سمتھ سے ایک ہزار سال قبل ٹیکس کے یہ اصول پیش کئے تھے۔

حواشی و حوالہ جات

(1) فم الصلح دریائے دجلہ اور شہر واسط کے درمیان ایک شہر تھا۔

(2) ابن سعد' الطبقات الکبریٰ 6 / 402

ابن حجر' تہذیب التہذیب' 11 / 154' 155' 275

الذہبی' تذکرۃ الحفاظ' 1 / 330

ابن العماد' شذرات الذہب' 2 / 8

ابن قتیبہ' المعارف / 225

احمد محمد شاکر' تصحیح و حاشیہ کتاب الخراج / 6-14

ابن ابی حاتم الرازی' ابو محمد عبدالرحمن' کتاب الجرح والتعدیل' حیدر آباد الدکن' مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ' الطبعۃ الاولیٰ 1373ھ' جلد 4' قسم 2' / 128

الذہبی' شمس الدین ابو عبداللہ' العبر فی خبر من غبر (تحقیق صلاح الدین المنجد' الدکتور) کویت' التراث العربی' دائرۃ المطبوعات والنشر' 1960ء-1 / 343

(3) نجات اللہ صدیقی' اسلام کا نظام محاصل' / 88

(4) یحییٰ بن آدم' کتاب الخراج / 146

(5) ایضاً' / 147

(6) دیکھئے' احمد محمد شاکر' تصحیح و حاشیہ کتاب الخراج / 231-235

(7) ایضاً

(8) السبکی' تاج الدین ابو نصر عبدالوہاب' طبقات الشافعیۃ الکبریٰ' مصر' مطبعۃ الحسینیۃ المصریہ' الطبعۃ الاولیٰ 1 / 271

السیوطی' عبدالرحمن جلال الدین' المزہر فی علوم اللغۃ وانواعها' بیروت' دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع 1 / 83

الخطیب' تاریخ' 12 / 404' 415

ابن الندیم' الفہرست / 106

ابن خلکان' وفیات الاعیان 4 / 62

ابن سعد' الطبقات الکبریٰ' 7 / 355

ابن قتیبہ' المعارف / 239

ابن حجر' تہذیب التہذیب 8 / 284

یاقوت الحموی' ابو عبداللہ یاقوت بن عبداللہ' معجم الادباء' بیروت' دار احیاء التراث العربی' 16 / 255-257

الموسوی' محمد باقر' روضات الجنات فی احوال العلماء والسادات' (تصحیح' محمد علی الاسماعیلی) المطبعۃ الثانیۃ 1347ھ-6 / 23

(9) ابو عبید، کتاب الاموال / 536، 537

(10) ایضاً / 514-525

(11) محمد کرد علی، محمد بن عبدالرزاق، کنوز الاجداد، مصر، مطبعۃ المعارف 1357ھ / 150
ابن الندیم، الفہرست / 188
یاقوت الحموی، معجم الادباء 17 / 14
ابن کثیر، البدایہ والنہایہ 11 / 221

(12) طلال حمیل رفاعی، الدکتور، مقدمۃ المنزلۃ الخامسۃ من کتاب الخراج و صنعۃ الکتابۃ
مکۃ المکرمۃ، مکتبۃ الطالب الجامعی، الطبعۃ الاولی 1407ھ / 13

(13) بروکلمان، قدامہ بن جعفر، اردو دائرہ معارف اسلامیہ 16 / 1 ص 293

(14) نجات اللہ صدیقی، اسلام کا نظام محاصل / 90، 91

(15) الزبیدی، محمد حسین، شرح و تحقیق کتاب الخراج و صنعۃ الکتابۃ قدامۃ ابن جعفر،
بغداد، وزارۃ الثقافۃ والاعلام الطبعۃ الاولی / 12، 11
السامرائی، ابراہیم، من کتب التراث، کتاب الخراج و صناعۃ الکتابۃ بقدامۃ بن جعفر، مجلۃ
عالم الکتب (الریاض) شوال 1402ھ، الریاض، دار ثقیف للنشر والتالیف / 200

(16) القفطی، جمال الدین ابوالحسن علی بن یوسف، کتاب اخبار العلماء باخبار الحکماء،
مصر، دار الکتب الخدیویۃ طبع اول 1326ھ / 156
المقری، ابوالعباس احمد بن محمد، نفح الطیب من غصن الاندلس الرطیب و ذکر وزیرہا
لسان الدین بن الخطیب، (تحقیق، محمد محی الدین عبدالحمید) مصر، مطبعۃ عیسیٰ البابی
الحلبی 6 / 203
عبدالکریم، خلیفہ، الدکتور، ابن حزم الاندلسی حیاتہ وادبہ، بیروت، دار العربیۃ للطباعۃ
والنشر والتوزیع / 1-53
ابن خلکان، وفیات، 3 / 325-328
یاقوت الحموی، معجم الادباء، 12 / 237-239
اردو دائرہ معارف اسلامیہ 1 / 491

(17) المقری، نفح الطیب، 6 / 203

(18) ابن حزم، المحلی، 6 / 156

(19) ایضاً

(20) ایضاً، 9 / 316

(21) ایضاً، 253

(22) ایضاً، 310، 311

(23) ایضاً" 201/8

(24) السبکی' طبقات الشافعیة الکبری' 4 / 102 116

المصنف' ابوبکر بن هدایة اللہ' طبقات الشافعیة' بغداد' المکتبة العربیة' 1356ھ / 69-71

محمد احسن صدیقی' مذاق العارفین ترجمہ احیاء العلوم الدین' لاہور مکتبہ رحمانیہ 2 / 5

عادل رعبوب الدکتور' منهاج البحث عند الغزالی' بیروت' موسسة الرسالة الطبعة الاولی 1400ھ / 9-10

(25) الغزالی' احیاء علوم الدین 3 / 225-259

الغزالی' ابو حامد محمد بن محمد' کتاب الاربعین فی اصول الدین' القاهرة' المکتبة التجاریة الکبرٰی' / 32'33

الغزالی' ابو حامد محمد بن محمد' میزان العمل (تحقیق - الدکتور سلیمان دنیا) القاهرة' نشر دار المعارف / 382

(26) الغزالی' ابو حامد محمد بن محمد' التبر المسبوک فی نصائح الملوک' مصر' مطبعه خیریه' 1306ھ / 83

(27) الغزالی' ابو حامد محمد بن محمد' شفاء الغلیل' بغداد' نشر دار الارشاد الطبعة الاولی 1971 / 235-243

الکبیسی' احمد عبید' الدکتور' مباحث التعلیل' (کتاب پر ناشر کا نام تحریر نہیں ہے) / 131-132

(28) لطفی جمعة' محمد' تاریخ فلاسفة الاسلام فی المشرق والمغرب' مصر مطبعة المعارف' 1345ھ / 225

الحصری' ابو خلدون ساطع' دراسات عن مقدمة ابن خلدون' مصر' دار المعارف' 1953ء / 69 93

حنیف ندوی' مولانا محمد' افکار ابن خلدون' لاہور' ادارہ ثقافت اسلامیہ / 3

المرید بل' ابن خلدون' اردو دائرہ معارف اسلامیہ 1 / 504

Sherwani, H.K. Ibn Khaldun and his Politico-Economic thought.
Islamic culture (An English quarterly) April 1970 (Published by the Islamic culture Board Hyderabad (India) / 71-73.

(29) *Ahmad, Rafiq, The origin of economics and the muslims ... A Preliminary Survey" (Jounral, The Punjab University Economist. Lahore, University of the Punjab) / 41, 42.*

ابن خلدون' مقدمة' الباب الخامس من الکتاب الاول' تلخیص صفحات 380-428

البوریدی' علال "نظرات فی الفکر المنهجی عند ابن خلدون" مجلة الامة1404ھ / 49

(30) ابن خلدون' مقدمة' الباب الرابع من الکتاب الاول' الفصل الثانی عشر "فی اسعار المدن' تلخیص صفحات" 364-362

(31) ایضاً" الباب الثالث من الکتاب الاول' الفصل الثامن والثلاثون فی الجبایة و سبب قلتها و کثرتها' 280'279

Boulakia, Jean David, Ibn Khaldun = A Fourteenth century Economist, Journal of Islamic Banking and Finance / 75-76.

(32) ابن خلدون' مقدمة' الباب الثالث من الکتاب الاول' الفصل الثالث والاربعون' "فی ان الظلم موذن بخراب العمران' تلخیص صفحات 290-286

(33) ایضاً" الباب الثانی من الکتاب الاول' الفصل الرابع فی ان اهل البدو اقرب الی الخیر من اهل الحضر' تلخیص صفحات' 124'123

(34) *Hay, Thomas Robson, smith Adam, Collier's Encyclopaedia (Newyork Macmillan Educational company) 21/90,91*

Viner Jacob, Smith Adam, International Encyclopaedia of the Social Sciences, (Newyork, The Macmillan comapny) 14/322,323

Smith Adam, The New Encyclopaedia Britannica 10 / 892

Cropsey, Joseph, Smith Adam, The Encyclopaedia Americana, 25 / 53, 54

Gill, Richard T Smith, Adam, The Macmillan Family Encyclopaedia 17 / 366, 367

باب ہفتم

پاکستان میں ٹیکس کے نظام کا تنقیدی جائزہ اور ابو یوسف کے معاشی افکار کی روشنی میں اصلاح کی تجاویز

امام ابویوسف کی تصنیف "کتاب الخراج" بنیادی طور پر اسلامی نظام مالیات سے متعلق ہے۔ آپ نے اس کتاب میں ٹیکسوں سے متعلق مختلف مباحث مثلاً ٹیکس عائد کرنے کے اصول، وصولی کا طریق کار، ٹیکس وصول کرنے والوں کے اوصاف اور اس ذریعہ سے حاصل ہونے والی رقوم کو خرچ کرنے کے بارے میں تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ اس لئے ایک ماہر معاشیات کے طور پر امام ابویوسف کے مقام کا تعین اور ان کے کام کی قدر و قیمت کا اندازہ اس وقت ہی ہو سکتا ہے جب ہم پاکستان میں موجود ٹیکسوں کے نظام کا تنقیدی جائزہ لیں اور یہ بتائیں کہ اس نظام میں جو خرابیاں موجود ہیں ان کو دور کرنے کے لئے امام ابویوسف کے معاشی افکار سے کہاں تک استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

قوانین محاصل

پاکستان میں مختلف قسم کے محاصل کے بارے میں جو قوانین نافذ ہیں یہاں ان کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

(1) زرعی پیداوار کا ٹیکس ایکٹ 1940ء (The Agricultural Produce cess Act,1940)

وہ زرعی پیداواریں جو بغرض تجارت ملک سے باہر بھیجی جاتی ہیں ان پر ٹیکس عائد کیا جاتا ہے۔ اس ٹیکس کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ زراعت، خوراک، مویشی و ماہی پروری کی ترقی کے لئے سائنسی تحقیق کی جاسکے۔

(2) ریلوے (مقام مقتدرہ جات محصولاتی) ایکٹ 1941ء

(The Railway (Local Authorities Taxation) Act, 1941)

اس ایکٹ کے ذریعے ریلوے کو اس امر کا پابند بنایا گیا ہے کہ وہ مقامی مقتدرہ جات (Local Authorities) کی طرف سے عائد شدہ ٹیکس ادا کرے۔

(3) پیشہ ورانہ ٹیکس کی حدود کا ایکٹ 1941ء

(The Professions Tax Limitation Act, 1941)

مختلف پیشوں پر جو ٹیکس عائد کیا گیا ہے۔ اس ایکٹ کے ذریعے اسے پچاس روپے تک محدود کر دیا گیا ہے اور اس سے زائد ٹیکس ختم کر دیا گیا ہے۔

(4) سنٹرل ایکسائز و سالٹ ایکٹ 1944ء

(The Central Excise and Salt Act, 1944)

اس ایکٹ کے ذریعے شیڈول اول میں شامل تمام اشیاء پر ڈیوٹی نفاذ پذیر ہے۔ یہ ٹیکس بالواسطہ عائد کیا گیا ہے۔

(5) سیلز ٹیکس ایکٹ 1951ء (The Sales Tax , 1951)

یہ ایک بالواسطہ ٹیکس (Indirect Tax) ہے۔ یہ ٹیکس اگرچہ ان تاجروں سے وصول کیا جاتا ہے جو اشیاء

فروخت کرتے ہیں لیکن تاجر ٹیکس کی رقم کو جو انہوں نے حکومت کو ادا کی ہوتی ہے' اس چیز کی قیمت میں شامل کر دیتے ہیں۔ اس طرح اس ٹیکس سے عوام متاثر ہوتے ہیں۔

(6) پٹرولیم کی مصنوعات پر ترقیاتی زائد ٹیکس آرڈیننس' 1961ء

(The Petroleum Product = Development Surcharge ordinance, 1961)

یہ ٹیکس پٹرولیم کی مصنوعات تیار کرنے والی کمپنیوں پر عائد کیا جاتا ہے۔ یہ سیلز ٹیکس یا ایکسائز ڈیوٹی کے علاوہ ہے۔

(7) سیمنٹ (زائد ٹیکس) آرڈیننس 1961ء

(The Cement (Surcharge) Ordinance 1961)

یہ ٹیکس سیمنٹ بنانے والی کمپنیوں پر عائد کیا گیا ہے۔ یہ ایک بالواسطہ ٹیکس ہے اور کمپنی یہ ٹیکس قیمت میں شامل کر کے صارفین سے وصول کرتی ہے۔

(8) ہبہ ٹیکس ایکٹ' 1963ء (The Gift Tax Act, 1963)

اگر ایک شخص دوسرے کو مقررہ مالیت کی کوئی جائیداد منقولہ (Movable Property) یا غیر منقولہ (Immovable) ہبہ کرے تو اس پر ٹیکس عائد ہوتا ہے۔ یہ ٹیکس موہوب الیہ سے بھی وصول کیا جاسکتا ہے۔

(9) دولت ٹیکس ایکٹ' 1963ء (The wealth tax act, 1963)

یہ ایک بلاواسطہ (Direct) ٹیکس ہے جو ایک مقررہ مالیت تک پہنچنے والی جائیداد منقولہ و غیر منقولہ پر عائد کیا گیا ہے۔

(10) خوابیدہ فنڈز (انتظامی) ایکٹ' 1966ء

(The Dormant Funds (Administration) Act, 1966)

اس ایکٹ کے ذریعے بعض ایسے ٹیکس جن کی ضرورت ختم ہو جائے ان کی جمع شدہ رقم کو بعض دوسری اہم ضرورتوں پر صرف کر دیا جاتا ہے۔ اس قانون کے ذریعے قائداعظم بہار ریلیف فنڈ' پاکستان فنڈ اور مسلم لیگ فنڈ (انڈیا) کی غیر استعمال شدہ رقوم کو صدارتی ریلیف فنڈ میں منتقل کر دیا گیا ہے۔

(11) قدرتی گیس (ترقیاتی زائد ٹیکس) آرڈیننس' 1967ء

(The Natural Gas (Development Surcharge) Ordinance, 1967)

یہ ٹیکس گیس کمپنیوں پر عائد کیا گیا ہے۔ کمپنی اس ٹیکس کا بار صارفین کی طرف منتقل کر دیتی ہے۔

(12) درآمد سامان (قیمتوں کو مساوی رکھنے کے لئے زائد ٹیکس) ایکٹ' 1967ء

(The import of Goods (price Equalization surcharge Act, 1967)

بعض اشیاء جو بیرونی ممالک سے درآمد (Import) کی جاتی ہیں ان پر زائد ٹیکس لگایا جاتا ہے تاکہ ان کی قیمتیں اس طرح کی دیگر اشیاء کی قیمتوں کے برابر ہو جائیں۔

(13) کسٹم ایکٹ 1969ء (The Custom Act, 1969)

یہ ایک بالواسطہ ٹیکس ہے جو درآمدی سامان پر لگایا جاتا ہے۔

(14) سوتی ریشہ (ایکسائز ڈیوٹی) آرڈیننس 1978ء

(The staple cotton (Exise Duty) ordinance 1978)

روئی اوٹنے والے کارخانے جب روئی اوٹ کر گانٹھوں کی شکل میں سوتی کپڑا بننے کے کارخانوں کو مہیا کرتے ہیں تو اس وقت ان پر ٹیکس عائد کیا جاتا ہے۔ یہ ایک بالواسطہ ٹیکس ہے جو درحقیقت کپڑا خریدنے والے صارفین ہی ادا کرتے ہیں۔

(15) انکم ٹیکس آرڈیننس 1979ء (Income Tax Ordinance, 1979)

اس آرڈیننس کے ذریعے مختلف افراد کی آمدنیوں پر ٹیکس عائد کیا جاتا ہے۔

(16) چینی پر سنٹرل ایکسائز ڈیوٹی (جواز) آرڈیننس 1979ء

The Central Excise Duty on sugar (validation) ordinance, 1979

اس قانون کے ذریعے 7 جون 1975ء کو عائد ہونے والے ٹیکس کو قانونی جواز مہیا کیا گیا ہے۔

(17) زکوٰۃ و عشر آرڈیننس 1980ء (The Zakat and Ushr Ordinance, 1980)

حکومت نے 20 جون 1980ء کو زکوٰۃ و عشر آرڈیننس کا اعلان کیا۔ اس کی رو سے ہر سال رمضان المبارک کے مہینے میں بینکوں میں جمع شدہ رقوم سے زکوٰۃ لی جاتی ہے۔

(18) درآمد سامان (درآمدی سامان اور اعانہ یافتہ درآمدات کی قیمتوں کو باقاعدہ بنانے کے لئے محصول) آرڈیننس 1983ء

The import of Goods (antidumping and countervailing duties) ordinance, 1983.

اگر کوئی ملک پاکستانی اداروں کو نقصان پہنچانے کی خاطر اپنے تجارتی سامان کی قیمت کم کر کے بھیجے تو حکومت اس آرڈیننس کے ذریعے غیر ملکی سامان کی قیمت کو پاکستانی سامان کی قیمت کے برابر کرنے کے لئے کسٹم کے ساتھ یہ محصول عائد کرتی ہے۔

(19) معدنیات پر ایکسائز ڈیوٹی (بہبودی محنت کاراں) ایکٹ 1967ء

(The Excise Duty on minerals (Labour welfare) Act, 1967.)

مختلف کانوں میں کام کرنے والے مزدوروں کی فلاح و بہبود کے لئے معدنیات پر ایکسائز ڈیوٹی عائد کی گئی ہے۔ اس ایکٹ کی دفعہ 4 کے ذریعے مائنز لیبر ویلفیئر اینڈ جنرل ویلفیئر فنڈ قائم کیا گیا ہے۔ اس میں ایکسائز ڈیوٹی سے حاصل شدہ رقم جمع ہو گی۔(1)

تنقیدی جائزہ

کسی بھی ملک کی معیشت میں ٹیکس کی آمدنی ایک بڑا ذریعہ ہوتی ہے جس سے حکومت اپنے اخراجات پورے کرنے کے ساتھ ساتھ عوام کی فلاح و بہبود پر رقوم خرچ کرتی ہے۔ ٹیکس دراصل حکومت کا کل پیداوار میں ایک حصہ ہوتا ہے جس طرح ایک مزدور محنت کا معاوضہ اور سرمایہ دار اپنا سرمایہ مہیا کر کے منافع لیتا ہے اسی طرح حکومت جو خدمت مہیا کرتی ہے اس کا معاوضہ ٹیکس ہے' ٹیکس نہ دینا ایسے ہے جیسے کسی مزدور کو اس کی اجرت نہ دی جائے۔

ٹیکسوں کا موجودہ اور فرسودہ نظام غیر ملکی آقاؤں کا بنایا ہوا ہے جو برصغیر سے خراج وصول کر کے اپنی اساس مضبوط کرنے اور اپنے وفادار جاگیرداروں اور زمینداروں کو تحفظ دینے کے لئے وضع کیا گیا تھا اس لئے اس میں ٹیکس دہندگان (Tax payers) کے لئے قطعی کسی سہولت یا آسانی کا خیال نہیں رکھا گیا تھا۔

ایک اچھے اور کامیاب ٹیکس سسٹم (نظام محصولات) کے لئے جو اوصاف درکار ہیں ان کا ہمارے ہاں بہت فقدان ہے۔ پاکستانی عوام اور خصوصاً کاروباری طبقے میں سب سے زیادہ پریشانی اور بے چینی ہمارے مروجہ ٹیکس سسٹم کے بارے میں پائی جاتی ہے۔

ہمارے ملک میں عوام اور حکومت کے درمیان ٹیکسوں کا مسئلہ ایک مسلسل محاذ آرائی اور کاروباری عدم تحفظ و عدم استحکام کا سبب بنا ہوا ہے اور کاروبار کرنا اور ذرائع آمدنی کو وسیع کرنا ایک جرم کی سی کیفیت اختیار کر چکا ہے۔

جب ہم پاکستان کے ٹیکسوں کی تشخیص اور وصولی کے نظام و طریق کار پر نظر ڈالتے ہیں تو اس میں متعدد خامیاں نظر آتی ہیں۔

(1) پاکستان میں ٹیکس دہندگان (Tax payers) سے انتہائی ظالمانہ سلوک کیا جاتا ہے۔ دنیا کے ترقی یافتہ اور دیگر ترقی پذیر ممالک میں تو ٹیکس دہندگان کو جو حقوق اور مراعات حاصل ہیں وہ اپنی جگہ' اس کے ساتھ ساتھ جس باوقار طریقے سے حکومتیں ٹیکس وصول کرتی ہیں وہ بھی قابل ستائش ہے لیکن ہمارے ملک میں مختلف ادارے جس بے دردی سے ٹیکس وصول کرتے ہیں وہ انتہائی تکلیف دہ اور افسوسناک ہے۔ ٹیکس کی ادائیگی کرتے وقت جن مشکل اور صبر آزما مراحل سے گزرنا پڑتا ہے ان کی وجہ سے ٹیکس دہندگان یہ محسوس کرتے ہیں کہ کاش ہم اس قابل ہی نہ ہوتے کہ ہمیں

ٹیکس ادا کرنا پڑتا۔ یہاں کسی بھی حکومت نے ٹیکس دہندگان کی اہمیت کا اندازہ نہیں کیا اور نہ ہی ان کے بارے میں کبھی یہ سوچا کہ حکومت کا خزانہ ان ہی کی وجہ سے آباد ہے ہمارے یہاں تو ٹیکس دہندگان کی صورتحال دیکھتے ہوئے یوں محسوس ہوتا ہے گویا یہ مجرم ہیں اور قومی خزانہ بھرنے کی سزا انہیں چلچلاتی دھوپ میں کھڑے رہنے کی صورت میں دی جا رہی ہے۔ بجلی' سوئی گیس' ٹیلی فون' اور پانی کے بل جمع کراتے ہوئے ہر بینک کے باہر ایک لائن دکھائی دیتی ہے۔ بل جمع کرانے والوں کے سر پر نہ تو کوئی سایہ ہوتا ہے اور نہ ہی ان کے لئے بیٹھنے یا پانی پینے کی کوئی سہولت ہوتی ہے۔ ان لوگوں میں ایک بڑی تعداد خواتین اور بچوں کی بھی ہوتی ہے جو "قومی جرمانے" بھرنے کے لئے گھنٹوں انتظار میں گزارتے ہیں۔ متوسط اور سفید پوش طبقے سے لے کر غریب عوام تک سبھی پسینے میں شرابور حکومت کو ٹیکس ادا کرنے کے لئے روزانہ بنکوں کے باہر دھکے کھاتے دیکھے جا سکتے ہیں۔ یہی صورت انکم ٹیکس کے گوشوارے جمع کراتے ہوئے دکھائی دیتی ہے۔ گوشوارے جمع کرانے والے لوگوں کو دیکھ کر یقیناً یہ احساس ہوتا ہے کہ جیسے انہیں بھی کسی جرم کی سزا دی جا رہی ہے۔ تنخواہ دار طبقہ ایک تو ٹیکس ایمانداری اور باقاعدگی سے ادا کرتا ہے۔ دوسرے اسے ٹیکس دفتر کی خاک بھی چھاننی پڑتی ہے۔

یہی صورت ایکسائز اینڈ ٹیکسیشن (Excise and Taxation) ڈیپارٹمنٹ میں پراپرٹی پر ٹیکس ادا کرنے والوں کو پیش آتی ہے۔ بعض اوقات تو زیادہ ٹیکس یا ناجائز ٹیکس لگ جانے کی صورت میں کئی دن تک دفتروں کے چکر بھی کاٹنے پڑتے ہیں۔

(2) پاکستان میں ٹیکسوں کی چوری (Tax Evasion) کا رجحان بہت وسیع اور سنگین ہے۔ حکومت نے چند سال پہلے ٹیکس اصلاحات کے لئے جو کمیشن ایک ممتاز ماہر اقتصادیات کی قیادت میں مقرر کیا تھا اس کا اندازہ یہ تھا کہ واجب الادا (Payable) ٹیکسوں کا اسی فیصد ملکی خزانے میں نہیں آتا ایک اور سروے سے یہ ظاہر ہوا تھا کہ ملک کی بعض مشہور و معروف مارکیٹوں میں جہاں کروڑوں اربوں کا کاروبار سالانہ ہوتا ہے اور جہاں بڑی بڑی معروف فرمیں واقع ہیں وہاں سے حکومت کو سالانہ بمشکل لاکھ دو لاکھ روپے مجموعی ٹیکس وصول ہوتا ہے۔

یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ پہلے سے رائج ٹیکس بھی درست طور پر وصول نہیں کئے جا رہے۔ یہ ٹیکس دہندگان (صنعتکاروں اور سرمایہ داروں) اور متعلقہ افسر شاہی (ٹیکس جمع کرنے کی مشینری) کی غیر مقدس ملی بھگت کا نتیجہ ہے۔ جو سالانہ کروڑوں روپے کما رہے ہیں وہ چند ہزار روپے ٹیکس دے رہے ہیں۔

سابق وزیر خزانہ ڈاکٹر محبوب الحق نے کہا تھا کہ سرکاری اداروں سے وابستہ عمال (workers) ہر سال اس غریب ملک کے عوام کا کم از کم 40 (چالیس) ارب روپیہ ہضم کر جاتے ہیں۔ (2) وہ حیران ہو کر کہا کرتے ہیں کہ جس ملک میں آج تک ایک بھی صنعتکار یا سرمایہ دار ٹیکس ادا نہ کرنے کی وجہ سے جیل نہ بھیجا گیا ہو اس ملک میں واجب الادا سرکاری

واجبات کس طرح وصول کئے جاسکتے ہیں؟

روزنامہ جنگ کی ایک خبر کے مطابق حکومت کی جانب سے ٹیکس دہندگان کے ناموں پر مشتمل ڈائریکٹری کی اشاعت کے فیصلے کے بعد انکم ٹیکس کے تینوں ریجن سنٹرل ریجن' نارتھ ریجن اور کراچی ریجن نے تقریباً 11 لاکھ ٹیکس دہندگان کی فہرستیں سنٹرل بورڈ آف ریونیو کو بھجوادی ہیں ان میں ہر اس شخص کا نام شامل ہے جو ٹیکس ادا کرتا ہے۔ ذرائع نے بتایا ہے کہ ان میں بڑے بڑے صنعت کاروں' فیکٹریوں کے مالکان' سیاست دان اور سرکاری اعلیٰ افسران کے ناموں کے ساتھ روپنگٹے کھڑا کردینے والے اعداد و شمار بھی دیئے گئے ہیں کہ کون کتنا ٹیکس دیتا ہے۔

ذرائع نے بتایا ہے کہ بعض افراد حکومت کی خود تشخیصی سکیم کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے محکمے کے افسران و اہل کاروں کی ملی بھگت سے اپنی جائیدادوں اور کاروبار سے متعلقہ غلط گوشوارے جمع کرا رکھے ہیں اور اس طرح ٹیکس حکومت کے خزانے میں جمع کرانے کی بجائے چوری کرلیا جاتا ہے اربوں روپے کی جائیداد کے مالک سالانہ چند سو روپے ٹیکس جمع کراتے ہیں جبکہ متعدد افراد جنہوں نے فیکٹریاں اس ملک میں لگا رکھی ہیں لیکن ان کے بنک اکاؤنٹ بیرونی ممالک کے بینکوں میں ہیں۔

محکمہ انکم ٹیکس لاہور کے ایک اعلیٰ افسر نے بتایا کہ اصل خرابی نظام کی ہے۔ یہاں ایک افسر کی تنخواہ اتنی ہے کہ وہ بمشکل اپنی گاڑی کا پٹرول ڈلواسکتا ہے۔ لیکن اس کے پاس اختیار اتنے ہیں کہ اس کے قلم کی ایک جنبش سے کروڑ روپے ادھر ادھر ہوسکتے ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ سنٹرل ریجن لاہور جس کے دائرہ اختیار میں لاہور' ملتان' بہاولپور اور ڈی' جی' خاں کے ڈویژن شامل ہیں تقریباً ساڑھے تین لاکھ ٹیکس دہندگان کے ناموں پر مشتمل فہرستیں سی. بی. آر کو بھجوادی ہیں۔ ان میں بعض تاجر صنعتکار اور سیاست دانوں کے نام بھی شامل ہیں جو عام سرکاری ملازم سے بھی کم ٹیکس ادا کرتے ہیں۔ (۲)

(3) ٹیکس عائد کرنے کے لئے تشخیصی نظام میں بھی خرابی پائی جاتی ہے۔ کسی کاروبار کے حجم کو بنیاد بنا کر ٹیکس عائد کرنے کے بجائے "مدنی' اخراجات و اثاثہ جات کی تفصیلات کی جانچ پڑتال کو بنیاد بنایا جاتا ہے۔ یعنی عمال حکومت کو آم کھانے سے زیادہ پیڑ گننے سے دلچسپی ہوتی ہے۔ یہ طریقہ کار رشوت' بلیک میلنگ' سرکاری خزانے کی آمدنی میں کمی اور اپنے بوجھل پن و پیچیدگی میں اضافہ کے سوا اور کسی منفعت کا سبب نہیں بنتا۔ مثلاً ستم ظریفی کی انتہا دیکھئے کہ انکم ٹیکس آرڈیننس کے مطابق کاروباری حضرات کے لئے دفعہ نمبر 80-C کے تحت آمدنی میں سے براہ راست منہا کئے جانے والے ٹیکس یا دفعہ نمبر 80 D کے تحت سالانہ ٹرن اوور کے اعشاریہ پانچ فیصد (5%) میں سے جو رقم بھی زیادہ ہو گی وہ بطور ٹیکس واجب الادا ہوگی لیکن معاملہ یہاں ختم نہیں ہوگا بلکہ اس کے بعد ٹیکس دہندہ کی تشخیص ہوگی اور تمام حسابات کی پڑتال کی جائے گی اور اگر مزید ٹیکس لاگو ہوگا تو وصول کیا جائے گا۔

اسی تشخیصی نظام کی ایک اور بڑی خرابی و یلتھ اسٹیٹمنٹ (منقولہ و غیر منقولہ جائیداد کی تفصیلات) کا تقاضا ہے جو کہ قانون کے مطابق ہر اس شخص کو فراہم کرنا ضروری ہے جس کی سالانہ آمدنی ایک لاکھ روپے یا اس سے زائد ہو۔ اس دستاویز کی تیاری ایک طرف عام آدمی تو در کنار ایک تعلیم یافتہ شخص کے بھی بس کی بات نہیں۔ کیونکہ یہ ایک خالص ٹیکنیکل دستاویز ہوتی ہے لہٰذا اس کے لئے لوگوں کو وکلاء کے پیچھے بھاگنا پڑتا ہے اور دوسری طرف اتنے بڑے پیمانے پر یہ کھوج کرید اس لحاظ سے بھی لاحاصل ہے کہ عوام کے لئے اپنے اثاثہ جات کے ذرائع کی صحیح تفصیلات حکمرانوں کو بتانا ممکن نہیں ہوتا کیونکہ ان میں سے اکثر کے حصول کو ایک مدت گزر چکی ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ بات واضح ہے کہ ہمارے تشخیصی نظام کا موجودہ طریقہ کار نہ تو عوام کے لئے قابل قبول ہے اور نہ ہی سرکاری خزانہ (Public Treasury) کے لئے فائدہ مند۔ البتہ یہ سرکاری عمال کی مستقل اور پکی آمدنی کا ذریعہ ضرور ہے۔ لہٰذا پورے وثوق سے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ہمارے سرکاری افسران کے ناجائز مفاد کو نظرانداز کئے بغیر ٹیکس سسٹم میں کسی بھی اصلاح کی کوئی گنجائش ممکن نہیں۔ انکم ٹیکس آرڈیننس کی دفعہ 13 کے تحت افسران کو جو صوابدیدی اختیارات اس وقت حاصل ہیں وہ ٹیکس سسٹم کی کمزوریوں اور عملے کی نااہلیوں کو قانونی تحفظ فراہم کرنے کا ذریعہ بنے ہوئے ہیں اور عموماً" ان اختیارات کے استعمال کے خلاف، اپیلیں ہوتی رہتی ہیں اور زیادہ تر فیصلے عوام ہی کے حق میں ہوتے ہیں۔

(4) ملک میں زیادہ تر ٹیکس بالواسطہ (Indirect) انداز میں لگائے گئے ہیں۔ اس وقت بالواسطہ ٹیکس 85 فیصد اور براہ راست (Direct) صرف 15 فیصد ہیں۔ یہ تناسب انتہائی غیر متوازن ہے۔ بیشتر ٹیکس ایسے افراد ادا کرتے ہیں جن کو معلوم ہی نہیں کہ ان سے یہ ٹیکس وصول کیا جارہا ہے۔ تمام بالواسطہ ٹیکس مثلاً سیلز ٹیکس 'ایکسائز ڈیوٹی' تفریحی ٹیکس وغیرہ یہی خصوصیت رکھتے ہیں۔ عوام کے علم میں لائے بغیر ان سے ٹیکس وصول کرنا بداعتمادی بدمعاملگی اور دھوکے کی ایک صورت ہے۔

بالواسطہ ٹیکس کا بار غرباء اور متوسط طبقے پر پڑتا ہے۔ عموماً" یہ کہا جاتا ہے کہ تعیشات پر سیلز ٹیکس لگایا جائے تو اس کا اثر امیروں پر پڑتا ہے۔ یہ سوچ عملی معاشیات سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ تقریباً تمام اغنیاء یقیناً معاشرے کے عملی میدان میں ایسی موثر پوزیشن (Dominating Position) میں ہوتے ہیں کہ وہ اپنے تمام اخراجات کا بار غرباء کی طرف منتقل کرسکتے ہیں۔ اور عملاً" وہ یہی کرتے ہیں۔ لہٰذا بالواسطہ ٹیکس کا بار سو فی صد حالات میں غرباء کی طرف منتقل ہو کر رہتا ہے۔(4)

(5) متعدد ٹیکسوں کا بار (Incidence) آخر کار ایک ہی مقام پر ہوتا ہے مثلاً ہر جائیداد سے بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر ہاؤس ٹیکس 'پراپرٹی ٹیکس' دولت ٹیکس' خالی پلاٹوں پر ٹیکس' بہتری ٹیکس (Betterment Tax) انکم ٹیکس اور بعض حالات میں گفٹ ٹیکس وصول کیا جاتا ہے۔(5)

اسی طرح ملازم پیشہ افراد پہلے تنخواہ پر ٹیکس ادا کرتے ہیں۔ پھر جب خرچ کرتے ہیں تو اس پر بھی ٹیکس دینا پڑتا ہے۔

(ا) ہمارے ملک میں ٹیکس دہندگان کی تعداد بہت محدود ہے۔ بارہ کروڑ سے زائد آبادی والے ملک میں کم و بیش دس لاکھ ٹیکس دہندگان ہیں جو ملک کی آبادی کے ایک فی صد سے بھی کم ہیں۔ ان میں سے بھی بمشکل پندرہ ہزار ٹیکس دہندگان اپنی سالانہ آمدنی ایک لاکھ سے زیادہ دکھاتے ہیں۔

بہت سی آمدنیاں ہیں جن پر ٹیکس نہیں لگتا اور وہ دولت ٹیکس سے بھی مستثنیٰ ہوتی ہیں۔ ہمارے ملک میں ٹیکس سے مستثنیٰ جتنی آمدنیوں کی تعداد ہے وہ کسی دوسرے ملک میں بمشکل ہی ملے گی۔ ان رعایتوں اور مستثنیات کی تعداد 285 ہے۔

اگرچہ بعض ٹیکس جو کہ دونوں (وفاقی اور صوبائی) سطحوں پر وصول کئے جاتے ہیں بظاہر وسیع بنیادوں کے حامل ہیں لیکن در حقیقت تمام ہی صورتوں میں ٹیکس کی بنیادیں بہت محدود ہیں۔

مرکزی سطح پر ٹیکسوں کی چار بڑی اقسام ہیں جن میں انکم ٹیکس' کسٹم ڈیوٹیز' ایکسائز ڈیوٹیز اور سیلز ٹیکس ہیں۔ صوبائی سطح پر بڑے ٹیکسوں میں سٹمپ ڈیوٹی' موٹر گاڑی ٹیکس' تفریحی ٹیکس اور بجلی کا ٹیکس شامل ہیں۔

ایک اور بڑا مسئلہ جس کا نظام محصولات کو سامنا ہے یہ ہے کہ ٹیکس وصولیوں میں اضافے کا ٹیکس کی بنیاد میں توسیع کے ساتھ خود کار ربط نہیں ہے۔ لہٰذا محصولات کے نظام کی لچک اور بڑھوتری کا باہمی تعلق بہت محدود ہے جو کہ ٹیکس کی بنیاد میں خودکار تبدیلی اور ٹیکس کی وصولی کو بڑھانے کے لئے دوسرے اختیاری اقدامات کی موجودگی میں ٹیکس کی وصولیوں پر اثر پذیری کو ناپ سکے۔

ٹیکس کی بنیاد کی محدودیت اور لچک اور بڑھوتری کے درمیان محدود باہمی تعلق کی وجوہات کی نشاندہی کے لئے ذیل میں کوشش کی گئی ہے۔

(ا) اگرچہ انکم ٹیکس مختلف ذرائع سے حاصل کی گئی آمدنیوں مثلاً تنخواہوں' ہنڈیوں سے حاصل ہونے والا سود' جائیداد کے کاروبار اور پیشوں سے حاصل ہونے والی آمدنی' سرمایہ پر' منافع وغیرہ پر لگایا جاتا ہے' لیکن دو اہم شعبے اس سے مستثنیٰ ہیں۔

پہلا اور سب سے اہم شعبہ زرعی شعبہ ہے۔ ایک اندازے کے مطابق زرعی شعبہ میں 30 لاکھ گھرانے ایسے ہیں جن کی آمدنی استثنائی حد سے زیادہ ہے۔ اس شعبے کے استثناء کی وجہ سے ملک میں ٹیکس کی بنیاد بہت محدود ہو گئی ہے۔

انکم ٹیکس سے مستثنیٰ دوسرا اہم شعبہ معیشت کا غیر منظم شعبہ ہے۔ منظم شعبہ میں ٹیکس کی بنیاد 380 سٹاک ایکسچینج کمپنیوں' 12000 رجسٹرڈ فرموں' اور تنخواہ دار طبقہ پر مشتمل ہے جبکہ تھوک فروشوں' پرچون فروشوں' چھوٹے صنعتکاروں تاجروں' خرید و فروخت کرنے والوں اور مکانات کے مالکان کی بڑی تعداد انکم ٹیکس سے صرف اس بنا پر بچ جاتی

ہے کہ ان کی نشاندہی اور ان کی آمدنی کی تشخیص میں کچھ انتظامی مشکلات حائل ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ٹیکس کی بنیاد محدود ہونے کی وجہ سے بہت سنگین نتائج سامنے آئے ہیں پہلا یہ کہ ایک پہلے سے طے شدہ ہدف کو پورا کرنے کے لئے ٹیکس کی بنیاد جتنی محدود ہوگی شرح ٹیکس اتنی ہی بلند رکھی جائے گی اور بلند شرح ٹیکس سے ٹیکس کی چوری اور دوسری بدعنوانیاں بڑھتی ہیں۔ دوسرا یہ کہ محدود اساس ٹیکس سے تمام محصولات کا بوجھ آبادی کے ایک چھوٹے حصے پر پڑتا ہے۔ جس سے عدل و انصاف کے تقاضے پورے نہیں ہوپاتے۔ تیسرا یہ کہ ٹیکس ادا کرنے والوں پر ٹیکس کے بھاری بوجھ کی بنا پر ان کے لئے ترقی کی ترغیب ختم ہو جاتی ہے اور ٹیکس کی بنیاد اور بھی محدود ہوتی چلی جاتی ہے۔ چنانچہ اس طرح نظام محصولات مختصر کررہ جاتا ہے۔(6)

(7) ٹیکس کے قانون میں محکمہ کے عملہ کو تشخیص کے سلسلے میں لامحدود اختیارات تیزی دیئے گئے ہیں۔ دا محدود دیا ے پر رشوت وصول کی جاتی ہے جس کے نتیجے میں حکومت کا ٹیکس بہت کم کر دیا جاتا ہے۔ ٹیکس کی تشخیص اور وصولی کسی آسان' سادہ اور عادلانہ فارمولے اور طریقے کے بجائے پیچیدہ اور ظالمانہ طریقوں سے ہوتی ہے اور متعلقہ عملے کو وسیع اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔ سندھ ٹیکسیشن کمیشن نے ایک مثال دی ہے کہ ایک ہی علاقے میں ایک جیسی جائیدادوں کی سالانہ کرایہ داری تشخیص میں خاصا فرق پایا گیا۔(7)

(8) ٹیکس کی تشخیص اور وصولی کے سلسلہ میں حکومت کو اعتراف ہے کہ اس میں لامحالہ ظلم و زیادتی کی جاتی ہے۔ اس وجہ سے ٹیکس کے ہر قانون کو عدالتی محاسبہ سے بالاتر رکھا گیا ہے تاکہ یہ ظلم ظاہر نہ ہو۔

(9) زکوٰۃ و عشر آرڈیننس 1980ء کے تحت وصولی کے لئے جو اصول و ضوابط اور طریقہ کار وضع کیا گیا ہے' اس پر کئی اشکالات وارد ہوتے ہیں۔ جنہیں مختصر طور پر یہاں بیان کیا جاتا ہے۔

(ا) زکوٰۃ کی کٹوتی کے لئے 3200 روپے نصاب کی جو حد مقرر کی گئی ہے' وہ غیر شرعی ہے۔

(ب) زکوٰۃ کا یہ نظام زیادہ تر بنکوں کی سطح تک محدود رکھا گیا ہے۔ لوگ رمضان المبارک سے پہلے اپنی رقوم بنک سے نکال لیتے ہیں اور زکوٰۃ کی ادائیگی سے بچ جاتے ہیں۔

(ج) بنکوں میں نصاب کے لئے ایک سال کی مدت کو بھی مدنظر نہیں رکھا جاتا۔ رمضان المبارک سے چند دن پہلے جمع شدہ رقم پر بھی زکوٰۃ لی جاتی ہے جو کہ غیر شرعی ہے۔

(د) دینی تربیت کے فقدان کی وجہ سے غبن وغیرہ کا سلسلہ عام ہے۔

(ر) زکوٰۃ کی تقسیم سیاسی بنیادوں پر کی جاتی ہے جو اسلام کے مزاج کے خلاف ہے اس طرح اصل مستحقین کی حق تلفی ہوتی ہے۔

(س) زرعی پیداوار پر جو عشر عائد کیا گیا ہے اس کی وصولی عملاً" ختم ہو کر رہ گئی ہے۔

(۹) بعض ٹیکسوں کی وصولی ٹھیکے پر دے دی جاتی ہے۔ ٹھیکے نیلام کرتے وقت نیچے عوام کی سطح سے لے کر اعلیٰ سرکاری عہدیداروں تک رشوت کا بازار گرم ہوتا ہے۔ بدعنوان قسم کے لوگوں کو ٹھیکے دیئے جاتے ہیں اور پھر یہ ٹھیکے دار محض اپنا نفع بڑھانے کے لئے غیر قانونی طور پر عوام سے ان کی خون پسینے کی کمائی پر ڈاکہ ڈالتے ہیں۔

ابو یوسف کے افکار کی روشنی میں اصلاح کی تجاویز

پاکستان کو معرض وجود میں آئے تقریباً نصف صدی کا عرصہ گزر چکا ہے لیکن ہم ہنوز تجرباتی دور سے گزر رہے ہیں۔ ہم حکومتی سطح پر کسی میدان میں منظم طور پر اپنا لائحہ عمل وضع نہیں کر سکے۔ سرکاری محاصل کا نظام جس پر کسی ملک کی تعمیر و ترقی اور معیشت کا جملہ دارومدار ہوتا ہے ہنوز صحیح خطوط پر استوار نہیں ہو سکا۔ اس نظام کی اصلاح کے لئے کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی گئی۔

ایک بہترین ٹیکس سسٹم (Tax system) کی تشکیل کے لئے یوں تو مختلف مسلم ماہرین معاشیات کی کتب میں کافی اشارات مل جاتے ہیں۔ تاہم اگر ہم صرف دوسری صدی ہجری کے عظیم مسلم ماہر معاشیات امام ابو یوسف کے پیش کردہ نظام مالیات و محصولات ہی سے استفادہ کرلیں تو ہم مملکت خداداد پاکستان میں ٹیکس کے نظام میں موجود خرابیوں کو دور کر سکتے ہیں۔

ذیل میں ابو یوسف کے معاشی افکار کی روشنی میں تجاویز پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں مختلف ٹیکسوں کے بارے میں جو بحث کی ہے اس سے واضح طور پر یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ آپ کی رائے یہی ہے کہ عوام سے ان کی حسب استطاعت ٹیکس لیا جانا چاہیے۔ کسی کی قوت برداشت سے زائد نہ ہو یعنی ٹیکس کی شرح ہلکی ہونی چاہیے۔ (۸) تاکہ ہر شخص اس کو خوشدلی اور قومی جذبے کے تحت ادا کرے۔

امام ابو یوسف کے معاشی فکر کی روشنی میں یہ تجویز پیش کی جاتی ہے کہ ٹیکسوں کی تعداد میں کمی کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی شرح میں بھی کمی کی جائے۔ اگرچہ مسلم لیگ کی موجودہ حکومت نے اقتصادی پیکج پیش کر کے عملی قدم اٹھایا ہے۔ لیکن ابھی اس میں عوام کو مزید ریلیف دینے کی گنجائش ہے۔ (۶)

جدید ماہرین معاشیات نے بھی اس حقیقت کو تسلیم کر لیا ہے کہ ٹیکس میں کمی پیداوار (Production) میں اضافے کا باعث بنتی ہے۔ امریکہ کے سابق صدر ریگن کی وجہ شہرت بننے والی منطق "سپلائی سائیڈ اکنامکس" ہی تھی۔ جب پیداوار میں اضافہ ہو گا تو اس کے نتیجے میں اضافی ٹیکس کا رجحان فروغ پانے کے باعث حکومت کی آمدنی میں نمایاں اضافہ ہو گا۔

آمدنی میں اضافے کے لئے یہ ایک معقول بلکہ بہترین منطق ہے۔ کیونکہ ٹیکسز کی اونچی شرح مصنوعات کی لاگت میں اضافے کا سبب بنتی ہے۔ اور مہنگی مصنوعات عام خریداروں کی پہنچ سے باہر ہو جاتی ہیں۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ تیار شدہ مصنوعات فروخت نہ ہونے کے باعث ان کا ڈھیر لگ جاتا ہے اور سرمایہ (Capital) منجمد ہو کر رہ جاتا ہے۔ طلب (Demand) میں کمی کے باعث ہماری بیشتر صنعتیں دم توڑ رہی ہیں۔ انہیں زندہ رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ ایسے

مثبت اقدامات اٹھائے جائیں جو طلب (Demand) میں اضافہ کریں۔ طلب میں اضافہ پیداوار (Production) میں اضافے کی بنیاد ہے اور کسی بھی صنعت کی بقاء اور ترقی کے لئے ضروری ہے کہ اس کی پروڈکشن میں اضافہ ہوتا رہے۔

اسلامی نظریاتی کونسل کی تیرھویں رپورٹ "اسلامی نظام محاصل و قانون محاصل" میں یہ لکھا گیا ہے۔

"عوام پر ٹیکسوں کے بوجھ کو کم کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ ٹیکسوں کی موجودہ بھرمار اور ان کی اونچی شرحیں عوام میں ٹیکس چوری کے رجحانات پیدا کر رہی ہیں۔ ٹیکسوں کی وصولی میں رشوت کا بازار بھی خوب گرم ہے۔ یہ نہایت ضروری ہے کہ حکومت اپنے اخراجات میں حتی الوسع کمی کرے اور تمام مسرفانہ اخراجات کو بیک قلم بند کردے اور اسی تناسب سے عوام پر ٹیکسوں کے بوجھ کو کم کر دے۔(10)

(2) کسی ملک کے ٹیکس دہندگان ہی کسی قوم کا اصل سرمایہ ہوتے ہیں۔ انہی کی وجہ سے قومیں ترقی کرتی ہیں۔ امام ابو یوسف کے معاشی فکر کی روشنی میں ضرورت اس امر کی ہے کہ ٹیکس دہندگان کی عزت نفس کا خیال رکھا جائے۔ امام ابو یوسف لکھتے ہیں۔

و لا یضربن رجل فی دراهم خراج و لا یقام علی رجل، فانه بلغنی انهم یقیمون اهل الخراج فی الشمس و یضربونهم الضرب الشدید و یعلقون علیهم الجرار و یقیدونهم بما یمنعهم من الصلاۃ و هذا عظیم عند الله شنیع فی الاسلام(11)

"خراج کی رقم وصول کرنے کی خاطر کسی آدمی کو مارنا یا ایک ٹانگ پر کھڑا رکھنا بھی سراسر ظلم ہے مجھے معلوم ہوا ہے کہ افسران خراج لوگوں کو دھوپ میں کھڑا رکھتے ہیں، انہیں سخت مار مارتے ہیں ان کی گردنوں میں گھڑے لٹکا دیتے ہیں اور انہیں اس طرح پابہ زنجیر کردیتے ہیں کہ وہ نماز بھی نہیں ادا کر سکتے۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کی نظر میں بہت ہی بری ہے اور اسلام میں ایسی (سزائیں) انتہائی ناپسندیدہ ہیں۔

(3) امام ابو یوسف کتاب الخراج میں لکھتے ہیں کہ غریب طبقہ پر ٹیکس کا بوجھ نہیں پڑنا چاہیے۔(12) جبکہ ہمارے ملک میں جیساکہ پچھلے صفحات پر یہ بتایا گیا ہے کہ بالواسطہ ٹیکسوں کی کثرت کی وجہ سے ٹیکسوں کا زیادہ بوجھ غریب اور متوسط طبقہ پر پڑتا ہے۔ امام ابو یوسف بالواسطہ ٹیکسوں کی حوصلہ افزائی نہیں کرتے۔ کیونکہ یہ ٹیکس قرآنی اصول کے خلاف ہیں۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ بلاواسطہ ٹیکس لگائے جائیں کیونکہ اس طرح معاشرہ کے تمام طبقات پر استطاعت کے مطابق بوجھ پڑتا ہے۔

آمدنی کے ساتھ ساتھ ٹیکس ان اشیاء پر لگایا جائے جنہیں صرف خوشحال طبقہ استعمال کرتا ہے۔ بڑی بڑی ذاتی گاڑیوں' عالی شان مکانوں پر ٹیکس لگایا جائے۔

پاکستان میں مالیاتی پالیسی اور مالیات عامہ کے مختلف پہلوؤں کا تنقیدی جائزہ لینے کے لئے انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز اسلام آباد نے یکم اور 2 مئی 1986ء کو ماہرین معاشیات کے ایک ورکنگ گروپ کا اجلاس منعقد کیا۔ اس اجلاس میں بالواسطہ ٹیکس کے سلسلے میں ورکنگ گروپ نے مندرجہ ذیل سفارشات پیش کی ہیں۔

(1) درآمدی ٹیکس سے استثنائی فہرست کو ممکن حد تک کم کرنا چاہیے اس وقت یہ فہرست بہت طویل ہے اور اس کے مقابلے میں چند چیزوں پر بہت بھاری ٹیکس عائد کیا گیا ہے اور اسی لئے اس ٹیکس کی بنیاد بھی بہت کمزور ہے۔

(2) سرکاری شعبے کی چیزوں پر ٹیکسوں کے استثناء کو کم کرنا چاہیے۔ درحقیقت ٹیکسوں میں موجودہ استثناء سرکاری اداروں کے اپنے نفع جات کو بڑھانے کے لئے ایک مصنوعی حربہ ہے۔

(3) ٹیکس کی شرح کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہوئے ملکی سیلز ٹیکس کی چوری کو جزوی طور پر کنٹرول کیا جا سکتا ہے۔ (الف) پیداواری سطح پر (ب) تھوک بکری کی سطح پر۔

(4) بدعنوانی کو کم کرنے اور پیداوار کے لئے بہتر فضا پیدا کرنے کے لئے ایکسائز ٹیکس کی جگہ گنجائش ٹیکس متعارف کرایا جائے۔ اس ٹیکس کو ایک ایسے طریقے سے ترتیب دیا جائے کہ جس سے زیادہ سے زیادہ پیداواری صلاحیتوں کو استعمال میں رہنا ممکن ہو سکے۔ اس کے لئے ایک طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ بہت زیادہ پیداواری صلاحیت استعمال کرنے پر کم شرح سے یہ ٹیکس نافذ کیا جائے۔

(5) ایسی صنعتیں جن پر ایکسائز ٹیکس کا بہرحال باقی رکھنا مقصود ہو وہاں خود تشخیصی سکیم کو متعارف کرانے کی کوشش کرنی چاہیے اور ایکسائز انسپکٹر کے ادارے کو ختم کر دینا چاہیے۔

ایکسائز ڈیوٹی کی چوری کو کم کرنے کے لئے ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ پیداواری معیار کو بڑھانے کے لئے مزدور طبقہ کے لئے کام اور شرائط کار کو دلکش بنایا جائے۔ مثال کے طور پر مزدوروں کے لئے مکمل طور پر تنخواہ پر مبنی نظام کو تبدیل کر کے تنخواہ میں کچھ حصہ اور نفع میں کچھ حصہ مقرر کر کے ایک نیا نظام رائج کیا جائے۔

(6) موجودہ دور میں ایکسائز ڈیوٹی کا زیادہ تر بوجھ چند اشیاء پر پڑتا ہے۔ مالیات کا تقریباً 85 فیصد حصہ سیمنٹ' تمباکو' پیٹرولیم کی مصنوعات گھی اور قدرتی گیس پر ٹیکس نافذ کر کے حاصل کیا جاتا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ بعض صورتوں میں بہت زیادہ ٹیکس کی شرح کے نفاذ کو سماجی طور پر پسندیدہ نگاہ سے دیکھا جا سکتا ہے لیکن اس کو ایک معقول حد سے آگے نہیں بڑھنے دینا چاہیے۔ اس کے بجائے ایسی اشیاء پر ٹیکسوں کی شرح زیادہ سے زیادہ مقرر کرنے کی کوشش کرنی چاہیے جو ٹیکس کی بنیاد کو وسیع کر سکیں۔ ملک کے اندر پیدا ہونے والی نئی اشیاء مثلاً ریفریجریٹر' ایئر کنڈیشنڈ اور ٹی وی سیٹوں کو ان ٹیکسوں کی

مدوں میں شامل کرنا چاہیے۔(13) اسلامی نظریاتی کونسل کی تیرھویں رپورٹ "اسلامی نظام محاصل و قانون محاصل" میں یہ لکھا گیا ہے۔

"موجودہ بالواسطہ ٹیکس مثلاً سیلز ٹیکس اور ایکسائز ڈیوٹی غیر عادلانہ ہیں چونکہ ان کا بوجھ امیر طبقوں کے مقابلہ میں غریب طبقوں پر زیادہ پڑتا ہے۔ ہمارا نصب العین تو یہ ہونا چاہیے کہ ہمارا محصولاتی نظام صرف بلاواسطہ ٹیکسوں پر مشتمل ہو لیکن ایک درمیانی مدت کے لئے کچھ حد تک بالواسطہ ٹیکسوں کا وجود گوارا کیا جاسکتا ہے' بشرطیکہ اس چیز کا تیقن کرلیا جائے کہ غرباء کی روزانہ استعمال کی اشیاء پر قطعاً" کوئی دوسری قسم کا ٹیکس نہیں ہوگا۔ حکومت ایک پنج سالہ منصوبہ بنائے جس میں ہر سال مرحلہ وار بالواسطہ ٹیکسوں پر انحصار بتدریج کم کیا جائے۔ یہاں تک کہ اس مدت کے اختتام تک صرف وہ بالواسطہ ٹیکس رہ جائیں جو یا تو عشور (Custom Duty) کی تعریف میں آتے ہیں جو اسلام کے ابتدائی دور میں رائج تھے یا ان اشیاء پر عائد کئے جائیں جن کے استعمال کی ہمت شکنی قومی مفاد میں مقصود ہو۔"(14)

درج ذیل محاصل بالواسطہ ہیں اور ان کا بوجھ متوسط یا غریب طبقہ سے تعلق رکھنے والے صارفین (consumers) پر پڑتا ہے۔ اس لئے امام ابویوسف کے معاشی فکر کی رو سے ان کا کوئی جواز نہیں۔

(1) سیلز ٹیکس ایکٹ 1951ء (2) پٹرولیم کی مصنوعات پر ترقیاتی زائد ٹیکس آرڈیننس 1961ء (3) سیمنٹ زائد ٹیکس) آرڈیننس 1961ء (4) قدرتی گیس (ترقیاتی زائد ٹیکس) آرڈیننس 1967ء (5) سوتی ریشہ (ایکسائز ڈیوٹی) آرڈیننس 1978ء

امام ابویوسف نے کتاب الخراج میں "اصول عدل" (Principle of Justice) کو بہت اہمیت دی ہے۔ آپ کے نزدیک ٹیکسوں کا نظام عادلانہ اور منصفانہ ہونا چاہیے ہر طبقہ اور فرد کے ساتھ یکساں سلوک ہونا چاہیے۔ ایک طبقہ کو ملی مراعات دیتے ہوئے دوسرے پر اضافی بوجھ نہیں پڑنا چاہیے۔(15)

امام ابویوسف کے مندرجہ بالا معاشی فکر کی روشنی میں راقم کی طرف سے یہ تجویز پیش کی جاتی ہے کہ ملک میں ٹیکسوں کی بنیاد کو وسیع کیا جائے' یعنی معاشرے کے ان طبقات کو جو ٹیکس ادا نہیں کرتے' ٹیکس کے دائرہ کار میں لایا جائے۔ معاشیت کا سنہری اصول ہے کہ جس کی آمدنی خاص حد سے زیادہ ہو وہ ٹیکس دے چاہے' وہ کوئی بھی ہو اور کسی بھی پیشہ سے تعلق رکھتا ہو۔

اس اصول کی روشنی میں جب ہم اپنے ملک کے ٹیکسوں کے نظام پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ ہمارے ملک میں صرف سرکاری ملازمین اور وہ بھی صرف تنخواہ کی حد تک صحیح ٹیکس ادا کرتے ہیں۔ سیاستدان' سرمایہ

دار' سپیشلسٹ ڈاکٹرز' کاروباری لوگ اپنی اصل آمدنی کو ظاہر نہیں کرتے۔ کروڑوں کی آمدنی رکھنے والوں سے صرف اتنا ٹیکس وصول کیا جاتا ہے جتنا ایک درمیانے درجے کا تنخواہ دار ہر سال ادا کرتا ہے۔

جاگیرداروں اور زمینداروں کا ایک بڑا طبقہ کثیر آمدنی رکھنے کے باوجود ٹیکس سے آزاد ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ٹیکسوں کی ادائیگی کا بھاری بوجھ ملازمین اور متوسط طبقہ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ اور اسی وجہ سے وہ خوش دلی سے ادائیگی نہیں کرتے اور ٹیکس چوری کا رجحان بڑھتا ہے۔ ٹیکسز کے بارے میں یہ رویہ ابو یوسف کے معاشی فکر کے برعکس ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ زمیندار طبقہ کو ٹیکسوں کے نیٹ ورک میں لایا جائے۔

یہاں اس بات کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے کہ حکومت پنجاب کے فیصلہ کے مطابق زرعی انکم ٹیکس کا نفاذ عمل میں آ چکا ہے۔ زرعی ٹیکس کا شیڈول (Schedule) جس کا اطلاق 10 اپریل 1997ء سے ہوا تھا' کچھ اس طرح ہے۔

(ا) قابل کاشت زمین

زمین	ٹیکس
ساڑھے سات ایکڑ سے کم	صفر
ساڑھے سات ایکڑ تا ساڑھے بارہ ایکڑ	75 روپے فی ایکڑ
ساڑھے بارہ ایکڑ تا پچیس ایکڑ	100 روپے فی ایکڑ
پچیس ایکڑ تا پچاس ایکڑ	125 روپے فی ایکڑ
پچاس ایکڑ سے زیادہ	150 روپے فی ایکڑ

(ب) غیر زرعی

زمین	ٹیکس
پندرہ ایکڑ سے کم	صفر
پندرہ ایکڑ سے پچیس ایکڑ	37 روپے پچاس پیسے فی ایکڑ
پچیس ایکڑ تا پچاس ایکڑ	50 روپے فی ایکڑ
پچاس ایکڑ تا سو ایکڑ	62 روپے پچاس پیسے فی ایکڑ
سو ایکڑ سے زیادہ	75 روپے فی ایکڑ (16)

بعد ازاں حکومت پنجاب نے چھوٹے کسانوں کی سہولت کے لئے ٹیکس کی چھوٹ کی حد ساڑھے سات ایکڑ سے

بڑھا کر ساڑھے بارہ ایکڑ کر دی ہے۔ اس طرح زرعی مالکان کا تقریباً 83% حصہ ٹیکس سے مستثنیٰ ہو گیا ہے۔ ٹیکس کی نئی شرح حسب ذیل ہے۔

زمین	ٹیکس
ساڑھے بارہ ایکڑ سے زیادہ پچیس ایکڑ تک	100 روپے فی ایکڑ
پچیس ایکڑ سے زیادہ پچاس ایکڑ تک	300 فی ایکڑ
پچاس ایکڑ سے زیادہ	350 روپے فی ایکڑ
باغات	500 روپے فی ایکڑ

بارانی زمین کی صورت میں ٹیکس کی شرح اس کا نصف ہو گی۔

باغات میں وہ رقبہ شمار ہو گا جس میں کم از کم پچیس پھلدار درخت فی ایکڑ لگے ہوں اور آم کے درخت کم از کم سات سال پرانے اور کینو وغیرہ کم از کم پانچ سال پرانے ہوں۔ (17)

امام ابو یوسف کے معاشی فکر کی روشنی میں بہتر تو یہ تھا کہ فی ایکڑ کے حساب سے فلیٹ ریٹ ٹیکس عائد کرنے کی بجائے زرعی پیداوار پر ٹیکس لگایا جاتا۔ اس ضمن میں زمین کا بندوبست اور پروڈیوس انڈکس یونٹ (PIU) کی تشخیص بڑی اہمیت کی حامل ہے۔

زرعی بندوبست اسی لئے کیا جاتا ہے تاکہ مختلف علاقوں کی زرخیزی کا حساب لگایا جائے اور مختلف علاقوں کی زرخیزی کے مطابق ٹیکس کی شرح عائد کی جائے۔

زرعی ٹیکس پر نظرثانی کی ضرورت ہے۔ راقم الحروف کی تجویز یہ ہے کہ پچاس ایکڑ حد ملکیت مقرر کر کے پیداوار کے مطابق ٹیکس عائد کیا جائے۔ اس سے کاشتکار طبقہ اور حکومت دونوں کو فائدہ ہو گا۔ اس سے کم زرعی رقبے کے مالکان کو فی الحال ٹیکس سے مستثنیٰ رکھا جائے۔

راقم نے پچاس ایکڑ اراضی کی حد اس لئے تجویز کی ہے کہ زراعت خطرات سے پر ایک ایسا پیشہ ہے جس پر قدرتی عوامل بڑی شدت سے اثر انداز ہوتے ہیں۔ حقیقت میں یہ ایک ایسا کاروبار ہے جو کھلے آسمان کے نیچے ہوتا ہے۔ اور اس کی ان عوامل سے حفاظت بہت مشکل کام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر دوسرے تیسرے سال فصلوں کو شدید نقصان پہنچتا ہے۔ علاوہ ازیں زراعت میں ایک سے حالات میں بھی پیداوار مختلف ہو سکتی ہے۔ ان حالات کی وجہ سے ہمارے ملک کا وہ کاشتکار طبقہ جو کم رقبے کا مالک ہے حکومت کی طرف سے زرعی سہولتوں کے فقدان اور مناسب امداد نہ ملنے کی وجہ سے مالی مشکلات سے دوچار ہے۔

زرعی ٹیکس کے سلسلے میں یہ بات بھی بڑی اہم ہے کہ انکم ٹیکس دینے والوں کو ایک خاص آمدنی تک ٹیکس معاف

ہوتا ہے۔ اور انکم کی یہ حد ٹیکس سے مستثنیٰ ہوتی ہے۔ لیکن زرعی ٹیکس کے معاملے میں اس چیز کا خیال نہیں رکھا گیا۔ ساڑھے بارہ ایکڑ سے زائد اراضی کے مالک کو پوری زمین سے ٹیکس دینا پڑے گا یعنی اگر کسی کی زمین 13 ایکڑ ہے تو اسے ساڑھے بارہ ایکڑ کی چھوٹ نہیں ملے گی اور اسے پورے 13 ایکڑ پر ٹیکس دینا پڑے گا۔

امام ابو یوسف کے معاشی فکر کی راہنمائی میں یہ تجویز بھی دی جاتی ہے کہ مختلف آفات یعنی خشک سالی 'سیلاب' اور زیادہ بارشوں یا بیماریوں کے نتیجے میں جب بھی ضروری ہو کاشتکاروں کو زرعی ٹیکس میں رعایت دینے کا انتظام بھی کیا جائے۔

امام ابو یوسف کا نظریہ یہ ہے کہ کاشتکاروں کو سرکاری اہلکاروں کی زیادتیوں سے محفوظ رکھنا چاہیے۔ آپ کے فکر کی روشنی میں یہ تجویز پیش کی جاتی ہے کہ محکمہ مال کے اہلکاروں کا احتساب کیا جائے۔ زرعی ٹیکس کی وصولی کے لئے نظام کو شفاف بنانے کی ضرورت ہے۔ اس مقصد کے لئے ایک علیحدہ سسٹم بھی قائم کیا جاسکتا ہے۔

یہ بھی ضروری ہے کہ زرعی ٹیکس کو زراعت کی بہتری کے لئے ہی خرچ کیا جائے۔ اس کے دو فائدے ہوں گے' اول یہ کہ ہمارے زرعی سیکٹر (Agricultural Sector) کی حالت بہتر ہوگی جس سے کاشتکاروں کا اعتماد بحال ہوگا۔ اور پیداوار میں اضافہ ہوگا۔ دوم یہ کہ جب ہمارے کسانوں کو اس بات کا یقین ہوگا کہ ان کا دیا ہوا ٹیکس ان کی فلاح و بہبود پر خرچ ہو رہا ہے۔ تو پھر وہ ٹیکس ریونیو میں اضافہ کے لئے حکومت سے تعاون کریں گے۔

انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز اسلام آباد کے ایک اجلاس میں ماہرین معاشیات کے ایک ورکنگ گروپ نے یہ سفارش پیش کی کہ:

> "زراعت کے معاملے میں تمام قسم کی اقتصادی اور جائیدادوں پر خالص دولت ٹیکس کو ایک سطحی شرح سے نافذ کیا جاسکتا ہے خالص دولت ٹیکس سے حاصل ہونے والی تمام آمدنی متعلقہ صوبوں کو ملنی چاہیے اور اسے ابتدائی طور دیہات کی ترقی کے لئے اس طرح خرچ کرنا چاہیے کہ اس علاقے کو زیادہ ترجیح دی جائے جہاں سے ٹیکس اکٹھا کیا گیا ہے۔ ٹیکس دہندگان سے حاصل ہونے والی عشر کی ادائیگیوں کو ٹیکس کی مد میں سے منہا کر دینا چاہیے۔ خالص دولت کی ہر تین سال بعد دوبارہ قیمت لگائی جاسکتی ہے۔ زمین کے ریکارڈ کو از سر نو منظم کرنے کے لئے اقدامات کئے جاسکتے ہیں۔ اس سارے عمل کے دوران پٹواری کے ادارے کو ختم کر دینا چاہیے۔" (18)

امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں مختلف ٹیکسوں پر بحث کرتے وقت اصول سہولت پر بہت زور دیا ہے آپ کے اس معاشی فکر سے راہنمائی حاصل کرتے ہوئے ٹیکس دہندگان کی سہولت کا خیال رکھنا چاہیے۔ خود تشخیصی نظام کو وسعت دی جائے۔ (19) اور چھوٹے ٹیکس گزاروں کو بالخصوص گوشوارے کی گرفت سے آزاد کیا جائے۔

ایک سادہ ورق کا گوشوارہ ہونا چاہیے جس پر نام، نیشنل ٹیکس نمبر اور آمدنی قابل ٹیکس، وغیرہ درج ہوں اور اسے ہر شخص خود پر سکے۔

امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں خراج کی بروقت وصولی پر بھی زور دیا ہے۔ ان کا نظریہ یہ ہے کہ فصل کٹنے کے بعد غلہ اتنے ہی عرصہ کھیت میں روکا جائے جتنے عرصہ میں کہ دنوائی کے انتظامات مکمل ہو جائیں۔ وہ کہتے ہیں کہ غلہ کو کھلیانوں میں جلد منتقل کرنا چاہیے۔ اور اس میں ایک دن کی بھی تاخیر نہیں ہونی چاہیے۔(20)

آپ کے اس معاشی فکر سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ ٹیکس کی وصولی کے لیے انتظامی مہارت (Administrative Efficiency) ہونا بہت ضروری ہے۔ وہ اس بات پر بھی زور دیتے ہیں کہ ٹیکسوں کی وصولی کے اخراجات کم از کم ہونے چاہیں۔

آپ کے معاشی افکار کی روشنی میں ٹیکسز کے انتظامی اقدامات کو بہتر بنایا جا سکتا ہے۔ تاکہ محصولات میں اضافہ ہو سکے۔ اور ٹیکس کی چوری، بدعنوانی اور رشوت کے رجحان پر قابو پایا جا سکے۔

پاکستان میں موجود ٹیکس مشنری اتنی زیادہ ہے کہ اس کے اخراجات کے لئے الگ بجٹ کی ضرورت پڑتی ہے۔ ایسے ٹیکس کا کیا فائدہ جس کی وصولی کے لئے خطیر رقم صرف ہو جائے۔

ہر سال ٹیکس لگاتے وقت حکومت یہ بات تسلیم کرتی ہے کہ چوری، غبن اور کرپشن کو روکنا مشکل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انتظامی مہارت نہ ہونے کی وجہ سے کثیر رقم ضائع ہو جاتی ہے۔ اگر یہ اس طرح ضائع نہ ہو تو پھر نئے ٹیکسوں کا جواز کم رہ جاتا ہے۔ گذشتہ کئی برسوں سے نئے ٹیکس اس لئے لگائے جا رہے ہیں کہ حکومت اکثر و بیشتر ان لوگوں کے پاس رہی ہے جن کے مزاج فیوڈل ہونے کی وجہ سے ان کی حکومت میں اہلیت ہی نہ تھی کہ وہ ملک میں ٹیکس چوری کو روک سکیں۔

ٹیکسوں اور معاشیات کے حوالہ سے دیانت داری اور اعتماد کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔

ٹیکس چوری (Tax Evasion) کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب حکومت پر عوام کا اعتماد نہ ہونا ہے۔ وہ ٹیکس اس لئے چوری کرتے ہیں کہ انہیں حکومت پر اعتماد نہیں ہوتا۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ حکومت ان کی معاشی فلاح و بہبود میں دلچسپی نہیں لیتی اور یہ حقیقت بھی ہے کہ حکومت جن لوگوں سے ٹیکس وصول کرتی ہے انہیں وہ سہولتیں مہیا نہیں کرتی جو انہیں ملنی چاہیں۔ علاج معالجہ، ذرائع آمد و رفت، آبپاشی وغیرہ کی جو سہولتیں دی جاتی ہیں وہ ناکافی ہوتی ہیں۔

امام ابو یوسف کتاب الخراج میں لکھتے ہیں کہ حکومت کو اقتصادی کاموں اور معاشی فلاح و بہبود کے منصوبوں میں خصوصی دلچسپی لینی چاہیے۔ ان کے نزدیک تمام اجتماعی کاموں کی بنیاد حکومت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حکومت کو یہ فریضہ عبادت سمجھ کر ادا کرنا چاہیے۔(21)

اگر ہمارے حکمران' امام ابو یوسف کے اس معاشی فکر کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے فرائض دیانتداری سے ادا کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ عوام انہیں خوش دلی سے ٹیکس نہ دیں۔

ٹیکسوں کے معاملہ میں بات صرف اعتماد کی ہے۔ ٹیکس دینے والوں کو اعتماد ہو اور ٹیکس لینے والے اسے صحیح خرچ کریں۔ اگر حکومت اس اصول پر عمل کرے تو ہمارے اکثر معاشی مسائل حل ہو سکتے ہیں۔

امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں صرف ٹیکسوں کے بارے میں ہی بحث نہیں کی بلکہ اس بات پر بھی زور دیا ہے کہ ٹیکسوں کی وصولی کا فریضہ جن لوگوں کو سونپا جائے ان کے انتخاب کے لئے کچھ شرائط ہونی چاہئیں۔ وہ لوگ جو معیار پر پورا نہ اترتے ہوں ان کو یہ ذمہ داری نہیں دینی چاہیے۔ ٹیکسوں کی وصولی کے لئے درج ذیل صفات کے حامل افراد کا ہونا ضروری ہے۔

(1) وہ امین اور دیانت دار ہوں اور ان پر اعتماد کیا جا سکتا ہو۔

(2) دین دار' پاکیزہ اخلاق اور صالح سیرت کے حامل ہوں۔

(3) سچ بولنے کے عادی ہوں اور جھوٹ سے نفرت کرتے ہوں۔

(4) شرعی مسائل سے نہ صرف واقفیت رکھتے ہوں بلکہ اعلیٰ درجہ کی فقہی بصیرت کے بھی مالک ہوں۔

(5) ہر کسی سے خیر خواہی کرنے والے ہوں۔

(6) اپنے فرائض منصبی حلال و حرام کی حدود میں رہتے ہوئے انجام دینے والے ہوں۔

(7) اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کی خاطر کام کرنے والے ہوں اور اپنے فرائض کی ادائیگی میں کسی کی ملامت کی پرواہ نہ کرتے ہوں۔

(8) دوسروں پر اپنی ذاتی رائے کو مسلط کرنے والے نہ ہوں بلکہ اہل الرائے سے مشورہ کرنے والے ہوں۔

(9) رعایا کو ان سے کسی قسم کا نقصان پہنچنے کا احتمال نہ ہو۔(22)

ہمارے ملک میں محکمہ انکم ٹیکس کے ملازمین کی تقرری کرتے وقت صرف تعلیمی قابلیت اور ذہانت ہی کو مد نظر رکھا جاتا ہے۔ خوف خدا سے محروم' اخلاقی و دینی تربیت سے عاری یہ افراد ذاتی مفاد کو قومی و اجتماعی مفادات پر ترجیح دیتے ہیں۔ مختلف ٹیکسوں کی صورت میں عوام سے حاصل کردہ رقوم کا ایک بڑا حصہ قومی خزانے میں جمع ہونے کی بجائے ان افسروں کی جیب میں چلا جاتا ہے۔

اگر امام ابو یوسف کی مقرر کردہ ان شرائط کو مد نظر رکھا جائے تو تھوڑے ٹیکسوں سے کثیر آمدنی قومی خزانے میں جمع ہو۔ ٹیکس چوری کرنے والے خود ٹیکس دینے پر رضامند ہو جائیں۔

امام ابو یوسف کی یہ رائے بہت مناسب ہے کہ خائن اور بددیانت افراد کو سخت سزا دینی چاہیے۔ اور ان کو عوام سے

متعلق کوئی ذمہ داری نہیں سونپنی چاہیے۔(23) ڈاکٹر عابدین احمد سلامہ' (24) امام ابو یوسف کے اس معاشی فکر کے بارے میں لکھتے ہیں۔

> "This stands as a good guide to Mulsim countries of today for keeping a watch on tax administrators Continuous checking of their assessments and their own financial and real holdings should be carried out to prevent corruptions. (25)
>
> "آج کے مسلم ممالک کے لئے یہ ایک اچھی راہنمائی ہے کہ وہ ٹیکس کے منتظمین پر نظر رکھیں۔ ان کی جائیدادوں کی پڑتال کی جائے۔ ان کی ذاتی مال اور حقیقی جائیداد کو منظر عام پر لایا جائے تاکہ بد عنوانی کو روکا جائے۔"

امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں یہ اصول پیش کیا ہے کہ حاکم کو چاہیے کہ وہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ٹیکس کی وصولی پر فائز نہ کرے۔(26) اسی طرح محض سفارش کی بنیاد پر بھرتی ہونے والے افراد بھی اس منصب کے اہل نہیں ہیں۔ آپ لکھتے ہیں۔

> انی قد اراھم لا یحتاطون فیمن یولون الخراج' اذا لزم الرجل منھم باب احدھم ایاما ولاہ رقاب المسلمین و جبایۃ خراجھم و لعلہ ان لا یکون عرفہ بسلامۃ ناحیۃ و لا بعفاف و لا باستقامۃ طریقۃ و لا بغیر ذلک' و قد یجب الاحتیاط فیمن یولی شیئا من امر الخراج والبحث عن مذاھبھم والسؤال عن طرائقھم کما یجب ذلک فیمن ترید للحکم والقضاء (27)
>
> "میرا مشاہدہ ہے کہ لوگ خراج کے والیوں کا تقرر عمل میں لاتے وقت احتیاط سے کام نہیں لیتے۔ جو آدمی بھی ان میں سے کسی کی ڈیوڑھی پر چند دن پڑا رہے اسے وہ مالیہ وصول کرنے کا کام دے کر مسلمانوں کے سر پر مسلط کر دیتا ہے۔ حالانکہ زیادہ امکان اسی کا ہے کہ وہ نہ تو اس شخص کے حسن کردار اور سلامت روی پر مطمئن ہے نہ اس کے طور طریق اور دیگر معاملات کے سلسلہ میں اس کے بارے میں کوئی واقفیت رکھتا ہے۔ جس فرد کو بھی خراج کی تحصیل پر مامور کیا جائے اس کے تقرر میں خاص احتیاط کی ضرورت ہے۔ اس کے مسلک اور اس کے طور طریق وغیرہ کے بارہ میں پوری تحقیق کی جانی چاہیے۔ ان کے سلسلہ میں ایسا کرنا اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ حاکموں اور قاضیوں کے تقرر میں۔"

امام ابو یوسف کی رائے یہ ہے کہ نااہل لوگوں کو اگر ذمہ داری دے دی جائے تو مزید بدعنوانی (Corruption) بڑھتی ہے۔ ہمارے ملک میں ٹیکسوں کے نظام میں جو خرابیاں پائی جاتی ہیں ان کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ سفارشی اور سیاسی اثر و رسوخ رکھنے والے افراد اس منصب پر فائز ہو جاتے ہیں۔ حکمران طبقہ سے اپنے تعلق کی بنیاد پر وہ قومی خزانے کو بے دریغ نقصان پہنچاتے ہیں۔ اگر امام ابو یوسف کے اس مشورے پر عمل کیا جائے تو بدعنوانی کو کافی حد تک کنٹرول کیا جاسکتا ہے۔

امام ابو یوسف کے نزدیک ٹیکسوں کی وصولی کے لئے ٹھیکہ داری کا نظام بدعنوانی کی ایک بدترین شکل ہے۔ اس کے ذریعے ٹھیکہ دار کو ٹیکس کی وصولی کے سرکاری ریٹ (Government rate) سے زائد وصول کرنے کا اختیار مل جاتا ہے۔(28)

امام ابو یوسف کے معاشی فکر کے مطابق یہ تجویز دی جاتی ہے کہ ٹیکس وصول کرنے کے لئے ٹھیکہ داری کے نظام کو ختم کر دیا جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ امام ابو یوسف نے دوسری صدی ہجری کے معاشرہ کی جن خرابیوں کی طرف اشارہ کیا ہے وہ تمام خرابیاں آج ہمارے پاکستانی معاشرہ میں بھی پائی جاتی ہیں۔

ٹھیکہ دار جس مقررہ رقم پر ٹھیکہ لیتا ہے اس سے کئی گنا زائد کمانے کے لئے وہ عوام سے مقررہ ٹیکس سے زائد وصول کرتا ہے۔ اسے صرف ایک ہی فکر دامن گیر ہوتی ہے کہ وہ اپنے منافع کو کئی گنا کیسے بڑھا سکتا ہے۔ اس طرح ابو یوسف کے بقول رعایا پر ظلم و ستم کا دروازہ کھلتا ہے۔ ٹھیکہ داران کا معاشی استحصال (economic extortion) کرتا ہے۔

اسلامی نظریاتی کونسل کی تیرھویں رپورٹ میں یہ لکھا گیا ہے:

> "ٹیکسوں کی وصولی ٹھیکے پر دینے کا فلسفہ اس بنیاد پر قائم ہے کہ حکومت کی پوری مشینری بدعنوان ہے دوسری طرف حکومت کی یہی بدعنوان مشینری ٹیکسوں کو نیلام کرتی اور وصولی کی نگرانی کرتی ہے۔ حکومت کی یہ بدعنوان مشینری اور ٹھیکے دار مل کر جس قدر ظلم اور زیادتی سے اور غیر قانونی طور پر عوام سے اس کے گاڑھے پسینے کی کمائی چھینتے ہیں اس پر خدا کا غضب جس قدر بھی وارد ہو کم ہے۔(29)

ہمارے ملک میں ' ابو یوسف کے معاشی فکر سے استفادہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ ہر نئی حکومت اپنے عہدیداروں اور کارکنوں کو نوازنے کے لئے سیاسی رشوت کے طور پر بلدیاتی اداروں کے ٹھیکے دیتی ہے۔ کسی قسم کا احتساب نہ ہونے کی وجہ سے یہ ٹھیکیدار عوام کے لئے ایک بڑی پریشانی کا سبب بن جاتے ہیں۔

ابو یوسف کے معاشی فکر کی روشنی میں یہ تجویز دی جاتی ہے کہ حکومت کی طرف سے براہ راست ایسے افراد مقرر

کئے جائیں جن کی حیثیت حکومت کے ملازم کی ہو۔ ان افراد کی تقرری کے وقت وہ تمام شرائط اور صفات مد نظر رکھی جائیں جو ابو یوسف کے نزدیک محصلین خراج میں ہونی چاہئیں۔ (30)

امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں افسران کے احتساب پر بھی زور دیا ہے۔ آپ نے ہارون الرشید کو اس ضمن میں جو مشورہ دیا ہے اس سے اس دور کے حکمران بھی استفادہ کر سکتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں۔

و انا ارى ان تبعث قوما من اهل الصلاح والعفاف ممن يوثق بدينه و امانته يسالون عن سيرة العمال و ما عملوا به في البلاد و كيف جبوا الخراج على ما امروا به و على ما وظف على اهل الخراج واستقر' فاذا ثبت ذلك عندك و صح اخذوا بما استفضلوا من ذلك اشد الاخذ حتى يؤدوه بعد العقوبة الموجعة والنكال حتى لا يتعدوا ما امروا به و ما عهد اليهم فيه (31)

"میری رائے ہے کہ آپ چند پاک باز اور صالح افراد کو' جن کی دین داری اور امانت داری پر پورا اعتماد ہو' اپنے افسران کے طرز عمل کی جانچ پڑتال کے لئے روانہ کیجئے۔ یہ لوگ معلوم کریں کہ اپنی اپنی عمل داری میں ان افسران کی پالیسی کیسی رہی ہے۔ انہوں نے تحصیل خراج میں کس حد تک مقررہ اصول و ضوابط کی پابندی کی' اور اس شرح کو برقرار رکھا یا نہیں جو اہل خراج کے لئے مقرر کی گئی ہے۔ جب آپ کو ان افراد سے رپورٹ مل جائے اور اس رپورٹ میں لگائے گئے الزامات کی تحقیق مکمل ہو جائے تو ان افسران نے جو کچھ فاضل وصول کیا ہے اس پر ان سے بہت سخت جواب طلبی کی جائے اور سخت سزائیں دے کر ان سے یہ رقمیں وصول کی جائیں تاکہ آئندہ یہ لوگ مقررہ ضوابط کی خلاف ورزی اور اپنے مقررہ حدود سے تجاوز کی جرات نہ کر سکیں۔"

اس کے بعد لکھتے ہیں۔

فان كل ما عمل به والي الخراج من الظلم والعسف فانما يحمل انه قد امر به' و قد امر بغيره' و ان احللت بواحد منهم العقوبة الموجعة انتهى غيره واتقى وخاف و ان لم تفعل هذا بهم تعدوا على اهل الخراج واجترؤوا على ظلمهم و تعسفهم و اخذهم بما لا يجب عليهم (32)

"والی خراج جو ظلم و زیادتی کرتا ہے اس کے بارے میں رعایا یہ سمجھتی ہے کہ اسے ایسا ہی کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ آپ اگر ان میں سے ایک کو بھی سخت سزا دے دیں تو دوسرے ڈر کر ان حرکتوں سے باز آ جائیں گے لیکن اگر آپ ایسا نہ کریں گے تو یہ لوگ اہل خراج پر دست درازیاں جاری رکھیں گے اور ان پر ظلم ڈھا کر ان سے بے جا وصولیابی کرنے پر اور زیادہ جری ہو جائیں گے۔"

ابویوسف کے اس معاشی فکر کی روشنی میں یہ تجویز دی جاتی ہے کہ حکومت ان افسران کو سخت سزا دے جو اپنے اختیارات کا ناجائز فائدہ اٹھا کر قومی خزانے کو نقصان پہنچاتے ہیں۔

حواشی و حوالہ جات

(1) مختلف قوانین محاصل کو اسلامی نظریاتی کونسل کی تیرھویں رپورٹ کی روشنی میں مرتب کیا گیا ہے۔
دیکھئے۔ اسلامی نظریاتی کونسل کی تیرھویں رپورٹ "اسلامی نظام محاصل و قانون محاصل' اسلام آباد' اسلامی نظریاتی کونسل' اپریل 1984ء/ 21-37

(2) روزنامہ جنگ (لاہور)' 15 جون 1993ء

(3) روزنامہ جنگ (لاہور)' 23 ستمبر 1993ء

(4) اسلامی نظریاتی کونسل کی تیرھویں رپورٹ "اسلامی نظام محاصل و قوانین محاصل / 11

(5) ایضاً"

(6) *Report of a working Group "Tax system in Pakistan. Islamabad institute of policy studies, page 8,9,14.*

(7) اسلامی نظریاتی کونسل کی تیرھویں رپورٹ "اسلامی نظام محاصل و قانون محاصل" / 12

(8) الخراج / 54

(9) وزیر خزانہ سرتاج عزیز نے جمعہ 28 مارچ 1997ء کو قومی اسمبلی کے اجلاس میں اقتصادی بحالی کا پیکج پیش کیا۔ اس پیکج کے تحت انکم ٹیکس' جنرل سیلز ٹیکس' کارپوریٹ ٹیکس اور کسٹم ڈیوٹی کی شرحوں میں کمی کا اعلان کیا گیا ہے۔
ریگولیٹری ڈیوٹی ختم' تنخواہ دار طبقے کے لئے انکم ٹیکس کی شرح نصف کر دی گئی ہے۔ سیلز ٹیکس کا دائرہ پرچون فروشوں تک پھیلا دیا گیا۔ کسٹم ڈیوٹی کی شرح میں بیس فی صد کمی کا فیصلہ کیا گیا ہے۔
ایک لاکھ کی آمدنی پر پانچ فیصد' اگلے ایک لاکھ پر دس فیصد اور اگلے ایک لاکھ پر پندرہ فیصد انکم ٹیکس لگے گا۔ تنخواہ دار طبقے کے لئے بنیادی ٹیکس کی شرح پانچ ہزار سے کم کر کے اڑھائی ہزار کر دی گئی ہے۔
اس اقتصادی پیکج پر عملدرآمد یکم جولائی 1997ء سے ہوگا۔ (روزنامہ جنگ لاہور 29 مارچ 1997ء)

(10) اسلامی نظریاتی کونسل کی تیرھویں رپورٹ "اسلامی نظام محاصل و قانون محاصل" / 15

(11) الخراج / 118

(12) ایضاً" / 53

(13) *Report of a working Gourp "Tax system in Pakistan" / 24 26*

(14) اسلامی نظریاتی کونسل کی تیرھویں رپورٹ "اسلامی نظام محاصل و قانون محاصل" / 15'16

(15) الخراج / 53

(16) روزنامہ جنگ لاہور 4 جون 1997ء

(17) روزنامہ جنگ لاہور 16 جون 1997ء

(18) *Report of a working Group "Tax system in Paksitan" / 23*

(19) حال ہی میں وزیراعظم پاکستان کے اقتصادی پیکج کے ذریعے حکومت نے ٹیکس گزار پر اعتماد کر کے اسے خود اپنی آمدنی کے

مطابق ٹیکس ادا کرنے کا موقع دیا ہے۔ (روزنامہ جنگ لاہور 8 اپریل 97)

اس سے پہلے تاجر، صنعت کار اور عام آدمی محکمہ انکم ٹیکس کے کرپٹ اہل کاروں کے ہاتھوں تنگ تھا۔ قوم کا کروڑوں روپیہ قومی خزانے میں جانے کی بجائے ان اہلکاروں اور افسران کی جیب میں جاتا تھا۔ وزیر اعظم نے تاجروں اور صنعت کاروں کو خود نظام کے تحت آمدنی کے گوشوارے جمع کرانے اور محکمہ کی طرف سے پوچھ گچھ اور پڑتال کی پابندی ختم کر کے ایک انقلابی اقدام کیا ہے۔ اب محکمہ انکم ٹیکس کے افسران اور اہل کاروں کے اختیارات بھی کم ہو گئے ہیں۔ کتاب الخراج کے مطالعہ کے بعد یہ رائے قائم کی جا سکتی ہے کہ امام ابو یوسف بھی ٹیکس افسروں کے صوابدیدی اختیارات میں مناسب کمی کرنے کے حق میں ہیں۔ تاہم یہاں اس حقیقت کو بیان کرنا بھی ضروری ہے کہ یہ اخلاقی انحطاط کا دور ہے۔ ہم قرآن و سنت کی تعلیمات سے دور جا چکے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ٹیکس دہندگان کی دینی و اخلاقی تربیت کا مناسب انتظام کیا جائے۔ ہمارے ملک میں آج تک ٹیکس دہندگان کی تعلیم و تربیت کی طرف توجہ نہیں دی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ عوام کی اکثریت ٹیکس کو ناجائز بوجھ سمجھتی ہے۔

(20) الخراج / 117

(21) ایضاً / 119

(22) ایضاً / 115-143

(23) ایضاً / 120

(24) ڈاکٹر ضیاء الدین احمد سلامہ سعودی عرب کی ریاض یونیورسٹی میں اسسٹنٹ پروفیسر ہیں۔

(25) Ziauddin Ahmed, (Munawar Iqbal - M. Fahim Khan). Fiscal Policy and Resource Allocation in Islam. Islamabad, intitute of policy studies / 109.

(26) الخراج / 123

(27) ایضاً / 115

(28) ایضاً / 114

(29) اسلامی نظریاتی کونسل کی [illegible] رپورٹ "اسلامی نظام محاصل و قانون محاصل" / 13

(30) ان شرائط کے لئے دیکھئے الخراج / 115

(31) ایضاً / 120

(32) ایضاً

باب ہشتم

ابو یوسف کے معاشی افکار کی روشنی میں پاکستان کے معاشی مسائل کا حل

پاکستان کے معاشی مسائل

پاکستان کو آزاد ہوئے نصف صدی ہو چکی ہے لیکن بڑے افسوس سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ آج بھی ہم متعدد معاشی مسائل سے دوچار ہیں۔ اقتصادی لحاظ سے ہمارا ملک اس قدر غیر مستحکم ہو چکا ہے کہ تاریخ کے نازک ترین معاشی بحران سے دوچار ہے۔ چند ایک معاشی مسائل درج ذیل ہیں:

(1) بیرونی قرضوں کا بوجھ۔

بیرونی قرضوں کا دباؤ' پاکستان کے ایک فلاحی اور ترقی یافتہ مملکت بننے میں بہت بڑی رکاوٹ ہے۔ ایک ممتاز پاکستانی ماہر معیشت سید شاہد حسین جو حال ہی میں ورلڈ بنک سے بطور وائس پریذیڈنٹ ریٹائرڈ ہوئے ہیں' انہوں نے پاکستان کو درپیش عمومی چیلنجوں بالخصوص اقتصادی مشکلات کا تذکرہ کرتے ہوئے معیشت کو لاحق امراض کا تفصیلی تجزیہ کیا اور ہمارے ایک اہم قومی مرض کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

"We have become addicted to dependence, growing dependence. We have no self-esteem left. There was a time when we financed our current expenditure and much of our development. No more, we borrow to pay interest, we borrow for imports, we borrow for salaries, we borrow long, we borrow short, borrow from banks, we borrow from countries. And now we beg and borrow from Pakistanis abroad. Yet, we give a masssive tax cut to the wealthiest and can not levy a half-way decent and credible tax on the landed aristocracy." (1)

''ہمیں جو سب سے بڑا مرض اقتصادی دائرے میں لاحق ہے وہ یہ ہے کہ ہم دوسروں پر انحصار اور مزید انحصار کے مرض کی گرفت میں آ چکے ہیں۔ ہمارے اندر عزت نفس ختم ہو چکی ہے۔ ایک زمانہ تھا جب ہم اپنے اخراجات جاریہ اور ترقیاتی اخراجات کا بڑا حصہ اپنے وسائل سے پورا کرتے تھے۔ افسوس کہ یہ کیفیت اب باقی نہیں رہی۔ ہم سود ادا کرنے کے لئے قرض لیتے ہیں' ہم درآمدات کے لئے قرض لیتے ہیں' ہم تنخواہیں ادا کرنے کے لئے قرض لیتے ہیں' ہم طویل المیعاد اور قلیل المیعاد قرض لیتے ہیں ہم بینکوں سے قرض لیتے ہیں' ملکوں سے قرض لیتے ہیں اور اب ہم

بیرون ملک مقیم پاکستانیوں سے قرض اور امداد مانگتے ہیں۔ اس کے باوجود ہم سب سے مالدار طبقوں کو ٹیکسوں میں بہت بڑی چھوٹ دیتے ہیں اور زرعی رقبوں کے بڑے بڑے مالکوں سے ایک مناسب مقدار میں ٹیکس وصول کرنا بھی ممکن نہیں پاتے۔"

قومی معیشت کے لئے قرضوں کا بوجھ ناقابل برداشت ہو چکا ہے۔ ہمارے بیرونی قرضے 17 ارب ڈالر اور اندرونی قرضے 21 ارب ڈالر تک پہنچ چکے ہیں۔ ہم ہر سال صرف سود کی ادائیگی پر 110 ارب روپے خرچ کرتے ہیں۔ بیرونی قرضے 4 سے 6 فیصد شرح سود سالانہ ہے لیکن اندرونی قرضے 18 سے 21 فیصد شرح پر لینے کا سلسلہ جاری ہے۔ 86-1985ء میں قرضوں کی ادائیگی پر اٹھنے والے اخراجات ہمارے بجٹ کا 30.7 فیصد تھے۔ لیکن 97-1996ء تک یہ شرح 41 فیصد ہو چکی ہے۔ یعنی گذشتہ دس سال میں اس مد میں ہونے والے اخراجات کی مد میں 630 فیصد اضافہ ہوا ہے۔ یہ صورت حال قومی اقتصادی ڈھانچے کے لئے ناقابل برداشت ہے۔ قرضوں کے بوجھ میں اگر اسی طرح اضافہ ہوتا رہا تو ہمارے لئے اپنے سالانہ ترقیاتی پروگرام جو پہلے ہی وسائل کی کمی کا شکار ہے کو چلانا تقریباً ناممکن ہو جائے گا۔ (2)

یہ امر کسی وضاحت کا محتاج نہیں کہ عالمی مالیاتی ادارے' سرمایہ دارانہ نظام کے مخصوص طریق کار کے مطابق تجارتی بنیادوں پر چلائے جاتے ہیں اور انہوں نے مہاجنوں کی طرح اپنا سود در سود وصول کرنا ہوتا ہے۔ جب تک ان قرضوں پر انہیں آرام سے سود ملتا جاتا ہے وہ آرام سے بیٹھے رہتے ہیں لیکن جونہی اس میں تاخیر ہوتی ہے وہ مقروض ممالک کی اعانت اور امداد کے نام پر نئے قرضے اور نئی شرائط لے کر سامنے آ جاتے ہیں۔ ان اداروں کی جانب سے مختلف ممالک کو قرض فراہم کرنے کا مقصد ان ممالک کی ترقی میں مدد دینا نہیں ہوتا بلکہ ان کی معیشت کو اپنے شکنجے میں جکڑنا ہوتا ہے۔ ان مالیاتی اداروں اور مقروض ممالک کی تاریخ پر ایک نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ جب کوئی ملک ایک دفعہ ان کے دام میں آ جاتا ہے تو پھر وہ مسلسل پھنستا ہی چلا جاتا ہے۔ اور اسے ہر گام ان کی سیاسی و معاشی شرائط کی پابندی کرنی پڑتی ہے۔ بدقسمتی سے وطن عزیز کی معیشت بھی انہی اداروں کے قرضوں پر چل رہی ہے اور اس بناء پر روز افزوں مہنگائی اور گرانی میں کمی ہونے کے کوئی امکانات نظر نہیں آتے۔

(2) زرعی شعبے کی بدحالی

پاکستان بنیادی طور پر ایک زرعی ملک ہے۔ یہاں کی تقریباً 75% آبادی کا ذریعہ معاش زراعت ہے۔ ملکی دولت کا چالیس فی صد اور مجموعی زرمبادلہ کا نوے فی صد زراعت ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ ملکی صنعتوں کا خام مال بھی اسی ذریعہ سے دستیاب ہے۔

آبپاشی کی سہولتیں ابھی محدود اور ناقص ہیں۔ کئی اور اسباب ہیں جو زرعی پسماندگی کا باعث ہیں مثلاً کسان کی جہالت' تساہل اور قدامت پرستی' فرسودہ آلات کا استعمال' سیلاب کی تباہ کاریاں وغیرہ۔

ہمارے ملک میں غذائی قلت کا مسئلہ ایک تشویشناک صورت اختیار کرتا جا رہا ہے۔ ملک کا نوے فیصد رقبہ کسی نہ کسی طرح زراعت میں مشغول ہے لیکن پھر بھی ہم اس مسئلہ میں خود کفیل نہیں ہو سکے۔

یہی وجہ ہے کہ حکومت کو ہر سال کافی مقدار میں گندم باہر سے درآمد کرنی پڑتی ہے' جس میں کافی زرمبادلہ خرچ ہوتا ہے۔ ہر سال خوراک کی درآمد پر بھاری زرمبادلہ خرچ کرنے کی وجہ سے ہماری معیشت بری طرح متاثر ہوتی ہے کیونکہ اس طرح صنعتی اور زرعی ترقی کے لئے مشینیں اور خام مال درآمد نہیں کیا جا سکتا۔ اور مجموعی طور پر معاشی ترقی کی رفتار سست پڑ جاتی ہے۔

(3) سیاسی قرضوں کی عدم وصولی

ہماری قومی معیشت کا سب سے بڑا المیہ ہی یہ ہے کہ صاحب حیثیت اور بارسوخ افراد اپنی سیاسی وفاداریوں کی قیمت چکانے کے لئے قومی اداروں سے بھاری قرض لیتے ہیں اور پھر ان کو واپس کرنے کا نام نہیں لیتے اور حکومتیں بھی اپنے مخصوص مفادات کے لئے ان سے کوئی باز پرس نہیں کرتیں بلکہ اکثر و بیشتر یہ حضرات ان قرضوں کو معاف کروا لینے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ روزنامہ جنگ کراچی کی ایک خبر کے مطابق بینکوں اور مالیاتی اداروں میں بڑھتی ہوئی سیاسی اور سرکاری مداخلت کی وجہ سے 60 ارب روپے کے قرضوں کی واپسی غیر یقینی ہو گئی ہے۔ زرعی ترقیاتی بینک اور دیگر مالیاتی ادارے قرضوں کی مسلسل عدم وصولی کی وجہ سے دیوالیہ ہونے کے قریب پہنچ گئے ہیں۔(3)

بینکوں کا سرمایہ قومی امانت ہوتا ہے۔ قرضوں کی واپسی کی محفوظ یقین دہانی کے بغیر قرضے جاری کرنا ایک سنگین جرم ہوتا ہے لیکن بالائی دباؤ کے تحت بینک ایسا کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

(4) غیر ترقیاتی اخراجات

غیر ترقیاتی اخراجات کا مسئلہ بھی اہم ہے۔ 87-1986ء میں ہمارے انتظامی اخراجات صرف 4567 ملین روپے تھے۔ جو دس سال کے عرصے میں بڑھ کر آج 22300 ملین روپے ہو گئے ہیں۔ یعنی اس عرصے میں یہ اخراجات 460 فی صد تک بڑھ گئے ہیں۔ وسائل کی کمی کے باعث غیر ترقیاتی اخراجات کا مسئلہ اب بڑی اہمیت اختیار کر گیا ہے لیکن عوامی نمائندوں اور افسر شاہی کے اخراجات ہیں کہ بڑھتے ہی چلے جا رہے ہیں۔ حالانکہ اس مد میں زیادہ سے زیادہ بچت کی ضرورت ہے۔ ڈاکٹر نور محمد غفاری کے الفاظ ہیں۔

> "افسوس آج کروڑوں روپے کا بجٹ محض دفاتر کی جلوہ آرائیوں' سر بفلک عمارات کی تعمیر' نیلی پیلی کاروں کی خریداری اور رنگا رنگ تقاریب کی بھینٹ چڑھ جاتا ہے۔ اور ان کے اخراجات اس غریب کسان پر ٹیکس لگا کر پورے کئے جاتے ہیں جس کا بچہ اس سے تعجب سے پوچھتا ہے کہ ابو!

صدر صاحب تو روزانہ گڑ سے روٹی کھاتے ہوں گے۔"(4)

مہنگائی

طلب اور رسد میں نمایاں فرق کی وجہ سے منہگائی کا مسئلہ بھی نازک صورت اختیار کر چکا ہے۔ مارکیٹ اکانومی اور طلب و رسد کے متوازن نظام کے لئے کبھی کوئی منصوبہ بندی نہیں کی گئی' جس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ہمارے عوام آج پوری طرح تاجر برادری کے رحم و کرم پر ہیں۔ قیمتوں کا تعین کا سرے سے کوئی نظام موجود نہیں ہے۔ پرائس کنٹرول کمیٹیاں بری طرح ناکام ہو چکی ہیں۔ افراط زر میں اضافہ کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ 1947ء میں 20 پیسے فی کلو کا آٹا آج 9 روپے فی کلو ہے یعنی 50 برس میں آٹے کی قیمت میں 4500 فی صد اضافہ ہوا۔ اسی طرح گذشتہ 5 دہائیوں میں چینی کی قیمت میں 3666 فیصد' گھی کی قیمت میں 2133 فی صد' دال چنا کی قیمت میں 4800 فیصد' گوشت کی قیمت میں 7900 فیصد اور پٹرول کی قیمت میں 12366 فیصد اضافہ ریکارڈ کیا گیا ہے۔(5)

(5) بے روزگاری

صنعتی پھیلاؤ کی سست رفتاری کی وجہ سے بے روزگاری کا سرطان روز بروز سنگین سے سنگین تر شکل اختیار کرتا جا رہا ہے۔ اور لاکھوں تعلیم یافتہ' معمولی پڑھے لکھے' ان پڑھ' ہنر یافتہ' غیر تربیت یافتہ نوجوان مرد اور عورتیں روزگار کی تلاش میں در در کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔ سابق صدر پاکستان غلام اسحاق خان نے 8 جنوری 1990ء کو ملکی و غیر ملکی ماہرین اقتصادیات کے ایک اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے بتایا کہ "پاکستان میں تعلیم یافتہ بے روزگاری کی تعداد قومی اوسط سے بہت زیادہ تجاوز کر گئی ہے۔ روزگار کے مواقع فراہم کرنے والا مینوفیکچرنگ سیکٹر ترقی کی بجائے روبہ تنزل ہو چکا ہے۔

روزنامہ جنگ کی ایک خبر کے مطابق ملک میں 34 ملین نوجوان بے روزگار ہیں جو ہماری لیبر فورس کا 15 فیصد ہیں اور بے روزگاروں کی اس فوج میں ہر سال مزید 10 لاکھ افراد کا اضافہ ہو رہا ہے۔ بے روزگاری کی شرح میں اضافہ جہاں شہری علاقوں پر آبادی کے دباؤ میں اضافہ کر رہا ہے وہاں امن عامہ کے مسائل بھی پیدا کر رہا ہے۔

(6) برآمدات میں کمی

برآمدات میں کمی مقامی صنعت کو متاثر کرنے کے ساتھ ساتھ ادائیگیوں کے توازن کو بھی خراب کر رہی ہے۔ 1995-96ء میں ہماری ٹوٹل برآمدات 8.7 بلین ڈالر تھیں جبکہ درآمد 11.8 بلین ڈالر رہیں۔ اس طرح گذشتہ مالی سال کے دوران ہمارا خسارہ 3.1 بلین ڈالر تھا۔ امسال ہماری برآمدات کا ٹارگٹ 9.2 بلین ڈالر ہے لیکن جولائی 1996ء سے اپریل 1997ء تک ہماری برآمدات 6.8 بلین ڈالر تھیں اور اسی دوران ہمارا درآمدی بل 9.7 بلین ڈالر تھا لہذا رواں مالی سال کے پہلے 10 ماہ میں ہی ہمارا تجارتی خسارہ 2.8 بلین ڈالر ہے اور ان حالات میں ممکن ہی نہیں کہ ہم 9.2 بلین ڈالر کا

ٹارگٹ حاصل کر سکیں۔

(7) بدعنوانی

بدعنوانی کے زہر نے پاکستانی معیشت کو سب سے زیادہ نقصان پہنچایا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق ہر سال ہمارے یہاں 2 سو ارب روپے کرپشن کی نذر ہو جاتے ہیں' اور دیکھا جائے تو یہی وسائل قومی ترقی کے لئے بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ بدعنوانیوں اور میرٹ کے اصولوں کی پامالی نے زندگی کے ہر شعبے کو تباہی کے کنارے پر پہنچا دیا ہے۔ بینکوں سے لے کر بلدیاتی اداروں تک اور تعلیم جیسے مقدس پیشے سے لے کر صحت کے نظام تک ہر جگہ کرپشن کا زہر پھیل چکا ہے۔ ایک عالمی سروے کے مطابق ہم دنیا بھر میں کرپشن میں دوسرے نمبر پر ہیں۔ یہ صورت حال قومی اقتصادی ترقی کے لیے بڑی خطرناک ہے ان حالات میں کوئی ترقیاتی پروگرام اپنے اہداف نہیں حاصل کر سکتا۔ اس طرح یہ توقع بھی نہیں رکھی جاسکتی کہ کرپشن کی لعنت ختم کئے بغیر ہم اپنی پسماندگی دور کر سکتے ہیں۔

(8) غیر منصفانہ تقسیم دولت

ایک اہم مسئلہ غیر منصفانہ تقسیم دولت کا ہے۔ جس کے باعث ہمارا معاشرہ اقتصادی اعتبار سے دو مختلف گروہوں میں منقسم ہو چکا ہے۔ ایک نہایت امیر اور دوسرا نہایت غریب۔ ایک طبقہ عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتا ہے جبکہ دوسرا طبقہ بھوک اور افلاس کا شکار رہتا ہے۔

ابو یوسف کے معاشی افکار کی روشنی میں مسائل کا حل

(۱) حقیقی احتساب ...ہماری قومی بقاء کی ایک اہم ضرورت

پاکستان کے معاشی مسائل پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے بیشتر مسائل حقیقی احتساب کے فقدان کی وجہ سے ہیں۔ ہمارے ہاں احتساب نام کی چیز آئینی' قانونی اور انتظامی طور پر کسی نہ کسی صورت میں تو موجود ہے لیکن اس کے اثرات اور نتائج ناپید' غیر موثر اور مکمل طور پر ناکام نظر آتے ہیں اور بہتری کی بجائے ہر آنے والا دن مزید بھیانک نظر آتا ہے اور قوم مکمل طور پر ایسے عدم اعتماد کا شکار نظر آتی ہے کہ ہمارے ہاں کبھی بھی کچھ بھی ٹھیک نہیں ہو سکے گا۔

حقیقی احتساب' ہماری قومی بقاء کی ایک اہم ضرورت ہے۔ جس کے دائرہ کار میں تمام مقتدر طبقات آئیں۔
امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں احتساب پر بہت زور دیا ہے۔ آپ کے نزدیک اکثر معاشی مسائل کا حل صحیح اور

بے لاگ احتساب میں پوشیدہ ہے۔ آپ کتاب الخراج میں لکھتے ہیں۔

فلو تقربت الی اللہ عزوجل یا امیر المومنین بالجلوس لمظالم رعیتک فی الشہر او الشہرین مجلسا واحدا تسمع فیہ من المظلوم و تنکر علی الظالم رجوت ان لا تکون ممن احتجب عن حوائج رعیتہ و لعلک لا تجلس الا مجلسا او مجلسین حتی یسیر ذلک فی الامصار والمدن فیخاف الظالم وقوفک علی ظلمہ فلا یجترئ علی الظلم و یامل الضعیف المقہور جلوسک و نظرک فی امرہ فیقوی قلبہ و یکثر دعاؤہ۔ و کذلک من بعدہ مع انہ متی علم العمال والولاۃ انک تجلس للنظر فی امور الناس یوما فی السنۃ لیس یوما فی الشہر تناہوا باذن اللہ عن الظلم وانصفوا من انفسہم' و انی لارجولک بذلک اعظم الثواب انہ من نفس عن مومن کربۃ من کرب الدنیا نفس اللہ عنہ کربۃ من کرب الاخرۃ(5)

"اے امیر المومنین اگر آپ اللہ تعالیٰ عزوجل کا قرب حاصل کرنے کی خاطر ہر مہینہ یا مہینہ میں دوبار ایک اجلاس خاص اس لئے کریں کہ اپنی رعیت سے مظالم کی فریاد سنیں اور ظالموں کو متنبہ کریں تو مجھے امید ہے کہ آپ کا شمار ان حکمرانوں میں نہ ہو گا جو اپنی رعایا کی ضروریات سے بے نیاز و بے خبر رہتے ہیں۔ مجھے توقع ہے کہ اس طرح کے دو ایک اجلاس کا انعقاد ہوتے ہی یہ خبر اطراف و جوانب میں عام ہو جائے گی۔ ہر ظالم کو اس بات کا ڈر لگنے لگے گا کہ اس کی خبر آپ تک پہنچ جائے گی اور وہ ظلم سے باز آجائے گا کمزور و پامال لوگوں کو یہ آس بندھ جائے گی کہ آپ اجلاس کر کے ان کے معاملہ پر غور فرمائیں گے۔ اس سے ان کی ڈھارس بندھے گی اور وہ آپ کو بہت دعائیں دیں گے۔ ایسا کرنے کا دوسرا فائدہ یہ ہو گا کہ جب عمال اور والیوں کو یہ معلوم ہو گا کہ آپ مہینہ میں یک دن بلکہ سال میں ایک دن عام لوگوں کے معاملات و مقدمات پر غور کرنے کے لئے اجلاس کرتے ہیں تو ان شاء اللہ وہ ظلم سے باز آجائیں گے اور خود بخود انصاف کرنے لگیں گے۔ مجھے توقع ہے کہ ایسا کرنے سے آپ کو بہت بڑا ثواب ملے گا۔ کیونکہ جو کوئی کسی مسلمان پر سے مصائب دنیا میں سے کسی مصیبت کو دور کرتا ہے اللہ اس پر سے مصائب آخرت میں سے ایک مصیبت دور فرمادے گا۔"

امام ابو یوسف کے معاشی فکر کی روشنی میں یہ تجویز دی جاتی ہے کہ وہ لوگ جن کے ذمے قومی بینکوں کے لاکھوں' کروڑوں روپے کے قرضے اور قومی خزانے کا ٹیکس واجب الادا ہے' ان سے سختی کے ساتھ نمٹا جائے۔ اور ان سے سرکاری خزانے کی ایک ایک پائی وصول کی جائے۔ نیز یہ قانون بنادیا جائے کہ سیاستدان کسی قسم کا قرض نہیں لے سکتے۔

(2) امام ابویوسف کے معاشی فکر کی روشنی میں غیر ترقیاتی اخراجات کو بھی کم کرنے کی ضرورت ہے۔ دور حاضر کے حکمران جو عیش و عشرت کی زندگی کے دلدادہ ہو چکے ہیں ان کے لئے ابویوسف کے معاشی فکر میں یہ سبق ملتا ہے کہ سادگی کو اپنایا جائے۔

امام ابویوسف نے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ جب کسی شخص کو عامل مقرر کرتے تو انصار اور دوسرے لوگوں پر مشتمل ایک جماعت کو گواہ بنا کر اس شخص سے چار شرائط کی پابندی کا عہد لیتے تھے۔

(ا) یہ کہ وہ عمدہ خچر پر نہ سوار ہو گا۔

(ب) باریک کپڑے نہ پہنے گا۔

(ج) چھنا ہوا آٹا نہ کھائے گا۔

(د) اپنے دروازے بند کر کے لوگوں کی ضروریات سے بے نیازی نہ برتے گا اور اپنی ڈیوڑھی پر دربان نہ رکھے گا۔ (7)

جدید دور میں زمانہ کے حالات اور ضروریات کے پیش نظر وزراء گورنروں وغیرہ کو ان شرائط سے ملتی جلتی چند شرائط کا پابند بنایا جا سکتا ہے۔

(3) دور حاضر میں سرکاری خزانہ (Public Treasury) کا جس طرح بے دریغ استعمال کیا جاتا ہے اور حکمران جس طرح بدعنوانیوں کے مرتکب ہوتے ہیں وہ بھی ایک المیہ ہے۔

امام ابویوسف نے کتاب الخراج میں بیت المال کے بارے میں اسلامی تصور کو واضح کیا ہے۔ آپ کے نزدیک حاکم کی حیثیت ایک ایسے نگران کی ہے جو قومی دولت کی حفاظت پر مامور ہوتا ہے۔ آپ ہارون الرشید کو نصیحت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

و انی اوصیک یا امیر المومنین بحفظ ما استحفظک اللہ و رعایۃ ما استرعاک اللہ (8)

"اے امیر المومنین میں آپ کو تہ دل سے نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ نے جن چیزوں کی حفاظت و پاسداری آپ کے ذمہ کی ہے ان کا پورا پورا تحفظ کیجئے۔

امام ابویوسف نے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ جب حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو بیت المال کی ذمہ داری سونپی تو فرمایا۔

"میں نے تمہیں اور خود اپنے آپ کو اس مال کے سلسلہ میں وہی مقام دیا ہے جو یتیم کے والی کا ہے۔" (9)

(4) امام ابویوسف کہتے ہیں کہ جب ریاست میں عدل ناپید ہو اور ظلم عام ہو تو لوگوں کو اپنے حقوق خریدنے پڑتے ہیں۔

یعنی رشوت کی وبا پھیل جاتی ہے۔ آپ رقم طراز ہیں۔

و انما هلک من هلک من الامم بحبسهم الحق حتی یشتری منهم و اظهارهم الظلم حتی یفتدی منهم(10)

"ماضی میں جو قومیں تباہ ہو گئیں ان کی تباہی کا سبب یہی تھا کہ انہوں نے عوام کے حقوق دینے سے گریز کیا تاکہ لوگ ان حقوق کو قیمت ادا کر کے ان سے خریدیں اور ظلم ڈھائے تاکہ لوگ ان کے مظالم سے بچنے کی خاطر فدیے ادا کریں۔"

بدقسمتی سے آج پاکستان میں رشوت عام ہو چکی ہے۔ میرٹ پر عمل نہ ہونے کی وجہ سے عوام رشوت دینے پر مجبور ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ امام ابو یوسف کے معاشی فکر سے راہنمائی حاصل کرتے ہوئے معاشرہ میں عدل و انصاف کو رائج کیا جائے' ہر حقدار کو اس کا حق آسانی سے مل جائے۔ میرٹ کی خلاف ورزی نہ کی جائے۔

امام ابو یوسف کے معاشی فکر کی روشنی میں رشوت اور بد عنوانی کو ختم کیا جا سکتا ہے۔ امام ابو یوسف کتاب الخراج میں جگہ جگہ عدل پر زور دیتے ہیں۔ عدل کا مفہوم یہ بھی ہے کہ ملکی معاشی پالیسی (Economic Policy) کو ایسی بنیادوں پر استوار کیا جائے جس میں ہر سرکاری ملازم کو اس کے کام کے مطابق معقول تنخواہ دی جائے۔ اس کے باوجود اگر ایک فرد رشوت اور بد عنوانی کا مرتکب ہوتا ہے تو امام ابو یوسف کے فکر کے مطابق اس کو ایسی سخت ترین سزا دی جائے جو دوسروں کے لئے باعث عبرت ہو۔

(۹) ہمیں بیرونی قرضہ جات کی مدد سے سرمایہ کاری کرنا چاہیے تھی تاکہ ایک جانب ملکی پیداوار بڑھتی (اور اس طرح اشیاء کی رسد بڑھنے سے قیمتوں میں کمی ہوتی) جبکہ دوسری جانب نئے کارخانے لگنے سے لوگوں کو روزگار ملتا۔ اور اس طرح پاکستان کے دونوں سنگین اقتصادی مسائل یعنی مہنگائی اور بے روزگاری پر قابو پانے میں مدد ملتی۔

آج ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم خود انحصاری اور سخت کوشی کی پالیسی اپنائیں اور اپنے قوت بازو کے سہارے آگے بڑھیں۔ عام استعمال کے لئے قرضے لینا فوری طور پر بند کر دیں۔ اور صرف ایک مد میں قرضوں کا حصول جاری رکھیں مثلاً کوئی بہت بڑا ترقیاتی پراجیکٹ ہو' مثلاً اسٹیل مل یا ڈیم وغیرہ جو ملکی وسائل سے بنانا ناممکن ہو۔ صرف اس مد کے لئے قرضہ لیا جائے۔ ڈاکٹر رفیق احمد کے الفاظ میں "اپنی مدد آپ کا اصول ہی ہمیں غیر ملکی قرضوں کے بوجھ سے نجات دلوا سکتا ہے۔" اس ضمن میں جو حکمت عملی صحیح معنوں میں کارگر ثابت ہو سکتی ہے اس کے دو پہلو ہیں اول پیداواری صلاحیت بڑھانے والے قرضوں کو چھوڑ کر باقی کاموں کے لئے قرضے لینے فوراً بند کر دیئے جائیں خاص کر تعلیم' صحت اور بہبود آبادی کے شعبوں میں۔ دوئم پاکستانی ماہرین کو یہ کام سونپا جائے کہ وہ ملکی وسائل کے دائرے میں رہتے ہوئے اپنی مدد آپ کے اصول پر ہر شعبے سے متعلق پراجیکٹس از سر نو ترتیب دیں اور اپنی چادر سے زیادہ پاؤں نہ پھیلائیں۔

اسلامیان ہند پاکستان نے آزادی سے پہلے بے سروسامانی کی حالت میں بھی تعلیم اور رفاہی انجمنوں کی شکل میں خود انحصاری کی بنیاد پر کئی پراجیکٹس پایہ تکمیل تک پہنچائے تھے۔ سوئم جن غیر ملکی قرضوں کا حاصل کرنا ضروری ہو ان کے بارے میں قانونی طور پر رہنما اصول بنائے جائیں تاکہ قرضوں کی رقم کا موثر اور صحیح استعمال ہو۔ چہارم موجودہ قرضوں کا بوجھ اتارنے کے لئے صاحبان اقتدار خلفائے راشدین کی پیروی کرتے ہوئے یہ انقلابی قدم اٹھائیں کہ اپنے دفاتر، رہائش گاہوں اور کاروبار سلطنت کی انجام دہی میں فقیرانہ شان پیدا کریں۔" (11)

(6) امام ابو یوسف نے جو زرعی اصلاحات پیش کی ہیں ان کی روشنی میں پاکستان کے زرعی شعبے کی بدحالی کو دور کیا جا سکتا ہے۔ بنجر اراضی کی آبادکاری کے بارے میں ابو یوسف کے معاشی فکر سے استفادہ کرنے کی بہت ضرورت ہے۔ خوراک کی قلت کو دور کرنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ غیر آباد زمینیں جو ریاست کی ملکیت ہیں ان کو ایسے محنتی افراد کو دیا جائے جو اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ان کی آبادکاری کا انتظام کریں۔ امام ابو یوسف کتاب الخراج میں رقم طراز ہیں۔

> والارض عندی بمنزلة المال فللامام ان یجیز من بیت المال من کان له غناء فی الاسلام و من یقوی به علی العدو و یعمل فی ذلک بالذی یری انه خیر للمسلمین و اصلح لامرهم، و کذلک الارضون یقطع الامام منها من احب من الاصناف التی سمیت و لا اری ان یترک ارضا لا ملک لاحد فیها و لا عمارة حتی یقطعها الامام، فان ذلک اعمر للبلاد و اکثر للخراج (12)
>
> "زمین میرے نزدیک مال کی طرح ہے چنانچہ امام کو یہ اختیار حاصل ہے کہ بیت المال میں سے ان لوگوں کو انعامات دے جنہوں نے اسلام کی کوئی نمایاں خدمت انجام دی ہو یا جو اس مال کے ذریعہ دشمن کے مقابلہ کی تیاری کرنے والے ہوں۔ امام اس باب میں وہ پالیسی اختیار کرے گا جو اس کی رائے میں مسلمانوں کے لئے بہتر اور ان کے حق میں موزوں ہو۔ یہی نوعیت زمینوں کی بھی ہے میں نے جس قسم کے لوگوں کا اوپر ذکر کیا ہے ان میں سے امام جس کو چاہے جاگیر دے سکتا ہے۔ میرے خیال میں غیر مملوکہ اور غیر آباد زمینوں کو بے کار چھوڑ رکھنے کی بجائے امام کو چاہیے کہ انہیں بطور جاگیر مختلف افراد کو دے دے۔ اس طرح ہمارے علاقے زیادہ آباد و خوش حال ہو جائیں گے اور خراج میں بھی اضافہ ہوگا۔"

(7) امام ابو یوسف کا معاشی نظریہ یہ ہے کہ دیہاتی علاقوں سے حاصل ہونے والی آمدنیوں کو انہی علاقوں کی تعمیر و ترقی پر خرچ کیا جائے۔

پاکستان میں چند بڑے شہروں کے علاوہ پینتالیس ہزار (45000) دیہات ہیں جو کل آبادی کا 75 فیصد ہیں۔ اس لئے

جب تک ہم اپنے ملک کی ترقی کے لئے دیہات کو بنیاد بنا کر کام شروع نہیں کریں گے' ہم ترقی یافتہ ممالک کی صف میں نہیں آسکتے۔"

ہمارے ملک میں دیہی آبادی خاص طور پر معاشی مسائل سے دوچار ہے۔ خوراک' لباس' رہائش' علاج معالجہ اور ذرائع آمدورفت ایسے مسائل موجود ہیں۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ امام ابو یوسف کے معاشی فکر کی روشنی میں زرعی آمدنی کو جو زیادہ تر دیہات ہی سے حاصل ہوتی ہے' انہیں کی تعمیر و ترقی میں خرچ کیا جائے۔

حواشی و حوالہ جات

(1) روزنامہ جنگ لاہور 13 ستمبر 1997ء / 6

(2) ایضاً" 31 مئی 1997ء

(3) روزنامہ جنگ (کراچی) 20 فروری 1997ء

(4) نور محمد غفاری' اسلام کا قانون محاصل / 126

(5) روزنامہ جنگ لاہور 31 مئی 1997ء

(6) الخراج / 121

(7) ایضاً" / 125' 126

(8) ایضاً" / 5

(9) ایضاً" / 39

(10) ایضاً" / 114

(11) رفیق احمد' ڈاکٹر' غیر ملکی قرضوں میں تخفیف کا واحد راستہ' آرٹیکل روزنامہ جنگ لاہور

(12) الخراج / 66

مصادر و مراجع

مصادر و مراجع

(1) عربی کتب

(1) **القرآن الکریم**

(2) **الآجری** ابوبکر محمد بن الحسین (م 360ھ / 971ء)

اخبار ابی حفص عمر بن عبدالعزیز و سیرتہ ـ (تحقیق عبداللہ عبدالرحیم) بیروت ـ موسسۃ الرسالۃ 1399ھ / 1979ء

(3) **الآلوسی** ابوالفضل شہاب الدین السید محمود (م 1270ھ / 1854ء)

روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی ملتان = مکتبہ امدادیہ

(4) **الآمدی** سیف الدین ابوالحسن علی بن ابی علی بن محمد (م 631ھ / 1234ء)

الاحکام فی اصول الاحکام القاہرۃ = 1347ھ

(5) **ابراہیم البنا** محمد الدکتور

تحقیق و تعلیق کتاب الخراج لابی یوسف مصر دارالاصلاح للطبع والنشر والتوزیع

(6) **ایضاً**

من عیون التراث وصیۃ ابی یوسف لہارون الرشید دارالاعتصام

(7) **ابراہیم** فاضل

المعادن والرکاز (بحث مقارن فی الاقتصاد الاسلامی بغداد مطبعۃ دار الرسالۃ

(8) **ابراہیم** کبہ

دراسات فی تاریخ الاقتصاد والفکر الاقتصادی بغداد مطبعہ الارشاد الطبعۃ الاولی 1970ء

(9) **الابشیہی** شہاب الدین محمد بن احمد (م 850ھ / 1446ء)

المستطرف فی کل فن مستظرف بیروت = دار احیاء التراث العربی

(10) **ابن ابی اصیبعہ** ابوالعباس احمد بن القاسم (م 668ھ / 1270ء)

عیون الانباء فی طبقات الاطباء مطبعۃ الوہبیۃ الطبعۃ الاولی 1299ھ

(11) **ابن ابی حاتم الرازی** ابو محمد عبدالرحمٰن (م 327ھ / 938ء)

کتاب الجرح والتعدیل حیدر آباد الدکن ـ الہند مطبعۃ مجلس دائرۃ المعارف العثمانیۃ الطبعۃ الاولی 1373ھ

(12) **ابن ابی الحدید** ابوحامد عزالدین عبدالحمید بن ہبۃ اللہ (م 656ھ / 1258ء)

شرح نہج البلاغۃ (تحقیق = الشیخ حسن تمیم) بیروت = دار مکتبۃ الحیاۃ 1964ء

(13) **ابن ابی الدم الحموی** شہاب الدین ابی اسحاق ابراھیم بن عبداللہ (م 642ھ / 1244ء)
کتاب ادب القضاء و ھو الدرر المنظومات فی الاقضیة والحکومات (تحقیق = الدکتور محمد مصطفیٰ الزحیلی) دمشق - دار الفکر، الطبعة الثانیة 1402ھ

(14) **ابن ابی الربیع،** احمد بن محمد، (م 272ھ / 885ء)
سلوک المالک فی تدبیر الممالک (مترجم: مظہر علی کامل) کراچی، شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ کراچی یونیورسٹی طبع اول 1962ء

(15) **ابن ابی شیبة** ابوبکر عبداللہ بن محمد (م 235ھ / 849ء)
المصنف (صححہ عبدالخالق الافغانی) کراتشی - ادرۃ القرآن والعلوم الاسلامیة طبع 1406ھ

(16) **ابن ابی الوفاء** محی الدین ابو محمد عبدالقادر (م 775ھ / 1374ء)
الجواھر المضیئة فی طبقات الحنفیة، حیدر آباد الدکن الھند = مطبعة مجلس دائرة المعارف النظامیة - الطبعة الاولیٰ - 1332ھ

(17) **ابن الاثیر،** عزالدین ابو الحسن علی بن محمد (م 630ھ / 1233ء)
اسد الغابہ فی معرفة الصحابہ طہران = المکتبة الاسلامیة

(18) **ایضاً**
الکامل فی التاریخ بیروت = دار الکتاب العربیہ، الطبعة الثانیة 1387ھ

(19) **ایضاً**
اللباب فی تہذیب الانساب - بغداد - مکتبة المثنی

(20) **ابن الاثیر** مجد الدین ابو السعادات المبارک بن محمد الجزری (م 606ھ / 1210ء)
النھایہ فی غریب الحدیث والاثر (تحقیق = محمود محمد الطناحی طاھر احمد الزاوی) دار احیاء الکتب العربیة، الطبعة الاولیٰ 1383ھ

(21) **ابن الاخوۃ** محمد بن محمد بن احمد القرشی (م 729ھ / 1329ء)
معالم القربة فی احکام الحسبة (تصحیح = روبن لیوی)، کیمبرج = مطبعة دار الفنون 1937ء

(22) **ابن الانباری،** ابوالبرکات کمال الدین عبدالرحمٰن ابن محمد،
نزھة الالباء فی طبقات الادباء (تحقیق الدکتور ابراھیم السامرائی) بغداد، 1959ء

(23) **ابن البزاز الکردری** حافظ الدین محمد بن محمد بن شہاب (م 827ھ / 1424ء)
مناقب الامام الاعظم - حیدر آباد الدکن - الھند = مطبعة مجلس دائرة المعارف النظامیة، الطبعة الاولیٰ، 1321ھ

(24) **ابن بسام،** محمد (م نویں صدی ھجری / پندرھویں صدی عیسوی)

نهایة الرتبة فی طلب الحسبة (تحقیق = حسام الدین السامرائی) بغداد مطبعة المعارف 1968ء

(25) **ابن بصال** ابو عبداللہ محمد بن ابراهیم (م چوتھی صدی هجری / دسویں صدی عیسوی)
کتاب الفلاحة (تحقیق و نشر و ترجمة خوسی ماریه میاس۔ محمد عریمان) المغرب = مطبعة کریمادیس 1955ء

(26) **ابن بطوطه** محمد بن عبداللہ (م 777ھ / 1377ء)
رحلة ابن بطوطة المسماة تحفة النظار فی غرائب الامصار و عجائب الاسفار بیروت = دار الکتاب اللبنانی

(27) **ابن الترکمانی** ابو الحسن علی بن عثمان (م 750ھ / 1349ء)
الجوهر النقی فی الرد علی البیهقی ملتان = نشر السنة

(28) **ابن تغری بردی** ابو المحاسن جمال الدین یوسف (م 874ھ / 1470ء)
النجوم الزاهرة فی ملوک مصر والقاهرة مصر = وزارة الثقافة والارشاد القومی للتالیف والترجمة والطباعة والنشر

(29) **ابن تیمیة** ابو العباس احمد (م 728ھ / 1328ء)
الحسبة فی الاسلام او وظیفة الحکومة الاسلامیة مطبعة المؤید الطبعة الاولی 1318ھ

(30) **ایضاً**
السیاسة الشرعیة فی اصلاح الراعی والرعیة مصر = دار الکتاب العربی 1955ء

(31) **ایضاً**
القواعد النورانیة الفقهیة (تحقیق = محمد حامد الفقی) الریاض = مکتبة المعارف الطبعة الاولی 1402ھ

(32) **ابن الجوزی** ابو الفرج عبدالرحمٰن بن علی (م 597ھ / 1201ء)
تاریخ عمر بن الخطاب (تعلیق = اسامة عبدالکریم الرفاعی) دمشق = دار احیاء علوم الدین للتالیف والطباعة والنشر

(33) **ایضاً**
الحث علی حفظ العلم و ذکر کبار الحفاظ (تحقیق = الدکتور فواد عبدالمنعم احمد) الاسکندریة دار الدعوة للطبع والنشر والتوزیع الطبعة الاولی 1403ھ / 1983ء)

(34) **ایضاً**
سیرة عمر بن عبدالعزیز مصر = مطبعة المؤید 1331ھ

(35) **ایضاً**

الشفاء فی مواعظ الملوک والحکماء (تحقیق = الدکتور فواد عبدالمنعم احمد) الاسکندریۃ دار الدعوۃ للطبع والنشر والتوزیع

(36) ایضاً

مناقب الامام احمد بن حنبل (تصحیح و تعلیق = محمد امین الخانجی الکتبی) القاہرۃ 1349ھ الطبعۃ الاولی

(37) ایضاً

مناقب بغداد (تصحیح و تعلیق محمد بہجۃ الاثری) بغداد = 1342ھ

(38) ایضاً

المنتظم فی تاریخ الامم والملوک (دراسۃ و تحقیق = محمد عبدالقادر عطا۔ مصطفیٰ عبدالقادر عطا) بیروت = دار الکتب العلمیۃ

(39) ابن حبان، ابو حاتم محمد (م 354ھ / 965ء)

کتاب الثقات، حیدر آباد الدکن الہند = مطبعۃ مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ، الطبعۃ الاولی = 1401ھ

(40) ایضاً

مشاہیر علماء الامصار، القاہرۃ = 1962ء

(41) ابن حجاج الاشبیلی احمد بن محمد (م پانچویں صدی ہجری / گیارھویں صدی عیسوی)

المقنع فی الفلاحۃ (تحقیق = صلاح جرار جاسر ابو صفیۃ۔ عبدالعزیز الدوری) عمان = مجمع اللغۃ العربیۃ الاردنی، 1982ء

(42) ابن حجر العسقلانی ابو الفضل شہاب الدین احمد بن علی (م 852ھ / 1448ء)

الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ (مع الاستیعاب) مصر = المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ 1358ھ / 1939ء

(43) ایضاً

تقریب التہذیب (صححہ ارشاد الحق الاثری) لاہور = دار نشر الکتب الاسلامیہ

(44) ایضاً

توالی التاسیس لمعالی محمد بن ادریس (حققہ = ابو الفداء عبداللہ القاضی) بیروت = دار الکتب العلمیۃ الطبعۃ الاولی 1406ھ / 1986ء

(45) ایضاً

تہذیب التہذیب لاہور = نشر السنۃ

(46) ایضاً

الدرایہ فی منتخب تخریج احادیث الھدایۃ لاھور - دار نشر الکتب الاسلامیہ

(47) ایضاً

فتح الباری شرح صحیح البخاری بیروت - دار المعرفۃ

(48) ایضاً

لسان المیزان، حیدر آباد الدکن۔ الھند - مطبعۃ مجلس دائرۃ المعارف النظامیۃ، الطبعۃ الاولی، 1331ھ

(49) ایضاً

ھدی الساری مقدمۃ فتح الباری، کراتشی - قدیمی کتب خانہ

(50) **ابن حجر الہیتمی** شہاب الدین احمد (م 974ھ / 1567ء)

الخیرات الحسان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان۔ (تعلیق - محمد عاشق الٰہی البرنی) کراتشی۔ ایچ۔ ایم سعید کمپنی، الطبعۃ الاولی 1414ھ

(51) ایضاً

الفتاوی الکبری الفقہیۃ، ترکی - المکتبۃ الاسلامیۃ

(52) **ابن حزم،** ابو محمد علی بن احمد بن سعید (م 456ھ / 1064ء)

الاحکام فی اصول الاحکام (تحقیق - احمد محمد شاکر) کراتشی - جامعہ ابی بکر الاسلامیہ، الطبعۃ الاولی 1408ھ

(53) ایضاً

المحلی (تحقیق - لجنۃ احیاء التراث العربی) بیروت۔ منشورات دار الآفاق الجدیدۃ

(54) ایضاً

مراتب الاجماع فی العبادات والمعاملات والاعتقادات۔ مکتبۃ القدسی، 1357ھ

(55) **ابن حنبل،** احمد بن محمد (م 241ھ / 855ء)

المسند (شرحہ و وضع فھارسہ احمد محمد شاکر) مصر - دار المعارف للطباعۃ والنشر، 1367ھ

(56) **ابن حوقل** ابو القاسم محمد بن علی (م بعد 367ھ / بعد 977ء)

کتاب صورۃ الارض۔ بیروت - مکتبۃ دار الحیاۃ

(57) ایضاً

کتاب المسالک والممالک، نشر دی خویہ، لایدن، 1873ء

(58) **ابن خرداذبہ** ابو القاسم عبید اللّٰہ بن احمد (م 280ھ / 893ء)

کتاب المسالک والممالک، لیدن - مطبع بریل 1306ھ

(59) **ابن خلدون** عبد الرحمٰن بن محمد (م 808ھ / 1406ء)

مقدمة کتاب العبر و دیوان المبتدا والخبر فی ایام العرب والعجم والبربر و من عاصرهم من ذوی السلطان الاکبر' مصر = مطبعة مصطفی محمد صاحب المکتبة التجاریة

(60) **ابن خلکان** ابو العباس شمس الدین احمد بن محمد (م681ھ/1282ء)
وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان' بیروت = دار الثقافة

(61) **ابن دقیق** ابو الفتح تقی الدین (م702ھ/1302ء)
احکام الاحکام شرح عمدة الاحکام' بیروت = دار الکتب العلمیة

(62) **ابن رجب** ابو الفرج عبدالرحمٰن بن احمد (م795ھ/1393ء)
الاستخراج لاحکام الخراج' بیروت = دار الکتب العلمیة' الطبعة الاولی 1405ھ

(63) **ابن رستہ'** احمد بن عمر (م290ھ/903ء)
الاعلاق النفیسة (تحقیق = فوستنفلد بریل' لیدن 1892ء

(64) **ابن رشد** ابو الولید محمد بن احمد (م595ھ/1198ء)
بدایة المجتہد و نہایة المقتصد لاہور = المکتبة العلمیة' الطبعة الاولی 1396ھ

(65) **ایضاً**
البیان والتحصیل والشرح والتوجیه والتعلیل فی مسائل المستخرجة (تحقیق = الاستاذ احمد الحبابی) بیروت = دار الغرب الاسلامی' الطبعة الاولی 1404ھ/1984ء)

(66) **ابن زنجویہ'** حمید بن مخلد (م251ھ/865ء)
کتاب الاموال (تحقیق الدکتور شاکر ذیب فیاض) الریاض = المرکز الملک فیصل للبحوث والدراسات الاسلامیة الطبعة الاولی 1406ھ/1986م)

(67) **ابن سعد'** ابو عبداللہ محمد (م230ھ/844ء)
الطبقات الکبریٰ' بیروت = دار صادر للطباعة والنشر' 1377ھ

(68) **ابن الشحنة الحنفی** ابو الولید ابراہیم بن ابی الیمن محمد (م882ھ/1478ء)
لسان الحکام فی معرفة الاحکام' مصر = شرکة مکتبة و مطبعة مصطفی البابی الحلبی' الطبعة الثانیة 1393ھ/1973ء

(69) **ابن الطقطقی'** محمد بن علی بن طباطبا (م709ھ/1309ء)
الفخری فی الآداب السلطانیة والدول الاسلامیة مصر = المطبعة الرحمانیة

(70) **ابن عابدین** محمد امین (م1252ھ/1836ء)
حاشیة رد المحتار علی الدر المختار = شرح تنویر الابصار - مصر = شرکة مکتبة و مطبعة مصطفی البابی الحلبی' الطبعة الثانیة 1386ء

(71) **ایضاً**
مجموعة رسائل ابن عابدین لاہور = سہیل اکیڈمی' الطبعة الثانیة 1400ھ

(72) ایضاً
نشر العرف فی بناء بعض الاحکام علی العرف' دمشق۔ مطبعہ معارف الطبعۃ الاولی 1301ھ
(73) ابن عبدالبر' ابوعمر یوسف بن عبداللہ (م 463ھ / 1071ء)
الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب (مع الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ) بیروت' دار احیاء التراث العربی' طبع 1328ء
(74) ایضاً
الانتقاء فی فضائل الثلاثۃ الائمۃ الفقہاء مالک والشافعی وابی حنیفۃ رضی اللہ عنہم وذکر عیون من اخبارہم واخبار اصحابہم القاہرۃ۔ مکتبۃ القدس' الطبعۃ الاولی 1350ھ
(75) ابن عبدالحکم' ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ (م 257ھ / 871ء)
کتاب فتوح مصر واخبارہا لیدن۔ مطبع بریل' 1920ء
(76) ابن عبدالحکم' ابو محمد عبداللہ (م 214ھ / 829ء)
سیرۃ عمر بن عبدالعزیز' مصر۔ مطبعہ رحمانیہ 1346ھ
(77) ابن عبدربہ' ابوعمر احمد بن محمد (م 328ھ / 940ء)
کتاب العقد الفرید (شرحہ وضبطہ وعنون موضوعاتہ۔ احمد امین' احمد الزین' ابراہیم الابیاری) بیروت۔ دار الاندلس للطباعۃ والنشر والتوزیع' الطبعۃ الاولی 1408ھ
(78) ابن العربی' ابوبکر محمد بن عبداللہ (م 543ھ / 1148ء)
احکام القرآن' تحقیق۔ علی محمد البجاوی مصر۔ عیسٰی البابی الحلبی و شرکاؤ' الطبعۃ الثانیۃ 1387ھ
(79) ایضاً
عارضۃ الاحوذی بشرح صحیح الترمذی' بیروت۔ دار الکتب العلمیہ
(80) ابن عرنوس' محمود بن محمد
تاریخ القضاء فی الاسلام' قاہرۃ۔ المطبعۃ المصریۃ الاہلیۃ الحدیثۃ الطبعۃ الاولی 1352ھ
(81) ابن العماد الحنبلی' ابوالفلاح عبدالحی (م 1089ھ / 1678ء)
شذرات الذہب فی اخبار من ذہب' بیروت۔ دار احیاء التراث العربی
(82) ابن العمرانی' محمد بن علی (م فی حدود سنۃ 580ھ / 1184ء)
الانباء فی تاریخ الخلفاء' (تحقیق و تقدیم و دراسۃ الدکتور قاسم السامرائی) لائیڈن 1973ء
(83) ابن العوام الاشبیلی' ابو زکریا یحیٰی بن محمد (م ساتویں صدی ہجری / تیرھویں صدی عیسوی)
کتاب الفلاحۃ' میڈرڈ۔ 1802ء
(84) ابن فرحون' برہان الدین ابراہیم بن علی (م 799ھ / 1397ء)

تبصرة الحکام فی اصول الاقضیة و مناهج الاحکام مصر = مکتبة و مطبعة مصطفٰی البابی الحلبی 1378ھ / 1958ء

(85) **ابن الفقیہ** احمد بن محمد (340ھ / 951ء)

مختصر کتاب البلدان (تحقیق = دی خویہ) بریل = لیدن 1885ء

(86) **ابن الفوطی** کمال الدین ابو الفضل عبدالرزاق بن احمد (م 723ھ / 1323ء)

مجمع الآداب فی معجم الالقاب (تحقیق الدکتور مصطفٰی جواد) دمشق۔ مطابع وزارة الثقافة والارشاد القومی، الطبعة الاولی 1965ء

(87) **ابن قتیبہ** ابو محمد عبداللہ بن مسلم (م 276ھ / 889ء)

الامامة والسیاسة و ہو المعروف بتاریخ الخلفاء (تحقیق الدکتور طه محمد الزینی) موسسة الحلبی و شرکاہ للنشر والتوزیع

(88) **ایضاً**

المعارف، کراتشی = قدیمی کتب خانہ

(89) **ابن قدامۃ** ابو الفرج عبدالرحمن بن ابی عمر محمد (م 682ھ / 1283ء)

الشرح الکبیر، المدینة المنورة = المکتبة السلفیة

(90) **ابن قدامۃ** ابو محمد عبداللہ بن احمد (م 620ھ / 1223ء)

المغنی، المدینة المنورة = المکتبة السلفیة

(91) **ابن قطلوبغا** ابو العدل زین الدین قاسم (م 879ھ / 1474ء)

تاج التراجم فی طبقات الحنفیة طبع اول، بغداد، مکتبة المثنی، مطبعة العانی 1962 طبع ثانی کراتشی۔ ایچ۔ ایم۔ سعید

(92) **ابن قیم** شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن ابی بکر (م 751ھ / 1350ء)

احکام اہل الذمة (تحقیق = الدکتور صبحی الصالح) بیروت = دار العلم للملایین، الطبعة الاولی 1381ھ

(93) **ایضاً**

اعلام الموقعین عن رب العالمین۔ مصر = دار الحدیث

(94) **ایضاً**

الطرق الحکمیة فی السیاسة الشرعیة بیروت = دار الکتب العلمیہ

(95) **ابن کثیر،** عماد الدین ابو الفداء اسماعیل (م 774ھ / 1373ء)

البدایة والنہایة بیروت۔ مکتبة المعارف، الطبعة الاولی 1966ء

(96) **ایضاً**

عمر بن عبدالعزیز (تقدیم و تعلیق احمد الشرباصی) القاہرة = الدار القومیة للنشر

(97) **ابن ماجہ** ابو عبداللہ محمد بن یزید (م 273ھ / 887ء)

السنن } کراتشی = ایچ ایم سعید کمپنی }
مقالہ میں سنن ابن ماجہ کا ایک ایڈیشن یہ بھی استعمال ہوا ہے۔

سنن ابن ماجہ (مع تحقیق و تعلیق محمد فواد عبدالباقی) دار احیاء التراث العربی

(98) **ابن ماکولا** ابو نصر علی بن هبة الله (م 475ھ)

الاکمال فی رفع الارتیاب عن الموتلف والمختلف من الاسماء والکنی والانساب (تصحیح و تعلیق = عبدالرحمٰن الیمانی) الهند حیدر آباد الدکن۔ الطبعة الاولی 1382ھ / 1963ء

(99) **ابن مسکویہ** ابو علی احمد بن محمد (م 421ھ / 1030ء)

کتاب تجارب الامم۔ مصر = مطبعة النیل

(100) **ابن مماتی** اسعد بن المهذب (م 606ھ / 1209ء)

قوانین الدواوین (تحقیق = عزیز سوریال عطیة) القاهرة = 1943ء

(101) **ابن المنذر** ابوبکر محمد بن ابراهیم (م 318ھ / 930ء)

الاجماع یتضمن المسائل الفقهیة المتفق علیها عند اکثر علماء المسلمین (تحقیق - فواد عبدالمنعم احمد عبدالله بن زید المحمود) الاسکندریة = من ذخائر التراث الاسلامی، الطبعة الثالثة 1402ھ

(102) **ایضاً**

الاشراف علی مذاهب اهل العلم (تحقیق و تخریج = عبدالله عمر البارودی) بیروت۔ دار الفکر للطباعة والنشر والتوزیع الطبعة الاولی، 1414ھ / 1993ء

(103) **ابن منظور** ابو الفضل جمال الدین محمد بن مکرم، (م 711ھ / 1311ء)

لسان العرب } قم ایران = نشر ادب الحوزة، 1405ھ }

(104) **ابن نجیم** زین العابدین بن ابراهیم (م 970ھ / 1562ء)

الاشباه والنظائر (مع شرح الحموی) کراتشی، ادارة القرآن والعلوم الاسلامیة

(105) **ایضاً**

البحر الرائق شرح کنز الدقائق، بیروت = دار المعرفة الطبعة الثانیة
(اس کتب کا ایک ایڈیشن یہ بھی استعمال ہوا ہے۔ کوئٹہ، المکتبة الماجدیة

(106) **ابن الندیم** ابو الفرج محمد بن ابی یعقوب اسحٰق (م 438ھ / 1047ء مطابق الاعلام)

الفهرست فی اخبار العلماء المصنفین من القدماء والمحدثین واسماء کتبهم (تحقیق = رضا تجدد) کتب پر مقام اشاعت اور سن اشاعت تحریر نہیں ہے۔

نوٹ:۔ مقالہ میں "الفہرست" کے اس نسخہ کے علاوہ مصر=المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ کے شائع کردہ ایڈیشن سے بھی حوالہ جات دیئے گئے ہیں۔

(107) **ابن وهب الكاتب** ابوالحسين اسحاق بن ابراهيم
البرهان فی وجوه البيان (تحقيق الدكتور احمد مطلوب والدكتورة حديجة الحديثی)
بغداد = 1387ھ

(108) **ابن هبيره** ابوالمظفر عون الدين يحيى بن محمد (م 560ھ / 1164ء)
كتاب الافصاح عن معانی الصحاح الرياض' الموسسة السعيدية

(109) **ابن الهمام** كمال الدين محمد بن عبدالواحد (م 861ھ / 1457ء)
فتح القدير شرح هداية' كوئٹه = مكتبه رشيديه

(110) **ابوبكر** بن ايوب (م 624ھ / 1227ء)
السهم المصيب فی الرد علی الخطيب' المكتبة الاعزازية

(111) **ابوالخير** الاندلسی
كتاب فی الفلاحة' فاس = المطبعة الجديدة 1357ھ

(112) **ابوداود** سليمان بن الاشعث السجستانی (م 275ھ / 889ء)
سنن ابی داود - ملتان = مكتبه حقانيه
(نوٹ:۔ مقالہ میں سنن ابی داؤد کا ایک ایڈیشن یہ بھی استعمال کیا گیا ہے۔
ابوداود' سليمان بن الاشعث السجستانی' سنن ابی داود' (و معه كتاب معالم السنن خطابی) اعداد و تعليق عزت عبيد الدعاس و عادل السيد' بيروت' دارالحديث للطباعة والنشر والتوزيع)

(113) **ايضاً**
كتاب مسائل الامام احمد (تحقيق و تعليق' السيد محمد رشيد رضا) بيروت' دار المعرفة للطباعة والنشر

(114) **ابوزهره** محمد بن احمد (م 1394ھ / 1974ء)
ابوحنيفة حياته و عصره - آراوه و فقهه - دار الفكر العربی

(115) **ايضاً** احكام التركات والمواريث' دارالفكر العربی

(116) **ايضاً** اصول الفقه - دار الفكر العربی

(117) **ايضاً**
الامام زيد حياته و عصره آراوه و فقهه - دار الفكر العربی الطبعة الاولی

(118) **ايضاً**
محاضرات فی الوقف - دار الفكر العربی

(119) **ابوشامة المقدسی** شہاب الدین عبدالرحمٰن بن اسماعیل (م 665ھ / 1267ء)
کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین بیروت = دار الجیل 1287ھ

(120) **ابوالطیب** شمس الحق محمد (م 1329ھ / 1911ء)
عون المعبود شرح سنن ابی داؤد ملتان نشر السنۃ الطبعۃ الاولی 1399ھ

(121) **ابوعبد اللہ الدمشقی** محمد بن عبدالرحمٰن (م آٹھویں صدی ہجری / چودھویں صدی عیسوی)
رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع

(122) **ابوعبید** القاسم بن سلام (م 224ھ / 838ء)
کتاب الاموال تصحیح و تعلیق = محمد حامد الفقی من علماء الازہر الشریف۔ سانگلہ ہل = المکتبۃ الاثریۃ

(123) **ابوالعلاء المعری** احمد بن عبداللہ بن سلیمان (م 449ھ / 1057ء)
لزوم ما لا یلزم (اللزومیات) بیروت = دار صادر

(124) **ابوالفضل الدمشقی** جعفر بن علی (م چھٹی صدی ہجری / بارھویں صدی عیسوی)
الاشارۃ الی محاسن التجارۃ (تحقیق = البشری الشوربجی) القاہرۃ = مکتبۃ الکلیات الازہریۃ 1977ء

(125) **ابوالمعالی الجوینی** امام الحرمین عبدالملک بن عبداللہ (م 478ھ / 1085ء)
غیاث الامم فی التیاث الظلم (تحقیق و دراسۃ = الدکتور مصطفی حلمی - الدکتور فواد عبدالمنعم احمد) الاسکندریۃ دار الدعوۃ

(126) **ابوالنجا المقدسی** شرف الدین موسیٰ (م 968ھ / 1561ء)
الاقناع فی فقہ الامام احمد بن حنبل (تحقیق و تعلیق = عبداللطیف محمد موسیٰ) بیروت = دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر

(127) **ابوالنصر** عمر
آثار ابن المقفع بیروت = منشورات دار مکتبۃ الحیاۃ الطبعۃ الاولی 1966ء

(128) **ابویعلی** قاضی محمد بن الحسین الفراء (م 458ھ / 1066ء)
الاحکام السلطانیۃ مصر = شرکۃ مکتبۃ و مطبعۃ مصطفی البابی الحلبی الطبعۃ الثانیۃ 1386ھ

(129) **ابویوسف** یعقوب بن ابراہیم (م 182ھ / 798ء)
اختلاف ابی حنیفۃ و ابن ابی لیلیٰ (تصحیح و تعلیق = ابوالوفاء الافغانی) مطبعۃ الوفاء 1357ھ

(130) ایضاً
الرد علی سیر الاوزاعی - (تصحیح و تعلیق = ابوالوفاء الافغانی) حیدر آباد الدکن - الهند = لجنة احیاء المعارف النعمانیة

(131) ایضاً
کتاب الآثار (تصحیح و تعلیق = ابوالوفاء الافغانی) - بیروت = دار الکتب العلمیه

(132) ایضاً
کتاب الخراج - بولاق = 1302ھ

(133) الاتاسی محمد خالد' شرح المجلة' کوئٹه - مکتبة اسلامیة

(134) احمد امین ابن الشیخ ابراهیم (م 1373ھ / 1954ء)
ضحی الاسلام - القاهره = مکتبة النهضة المصریة الطبعة العاشرة

(135) احمد بک ابراهیم (م 1364ھ / 1945ء)
کتاب المعاملات الشرعیة المالیة - کراتشی = ادارة القرآن والعلوم الاسلامیة

(136) احمد شلبی الدکتور الاقتصاد فی الفکر الاسلامی' القاهرة - مکتبة النهضة المصریة الطبعة السادسة' 1987ء

(137) احمد موسیٰ
تاریخ التشریع الاسلامی و تاریخ النظم القضائیة فی الاسلام' القاهرة' مکتبة النهضة المصریة' الطبعة الثانیة 1981ء

(138) ایضاً
الفن الاسلامی - بیروت = دار النفائس

(139) اسماعیل باشا البغدادی ' بن محمد امین (1339ھ / 1920ء)
هدیة العارفین اسماء المولفین وآثار المصنفین بیروت = مکتبة المثنی' 1955ء

(140) الاصطخری ابو اسحاق ابراهیم بن محمد (م 346ھ / 957ء)
کتاب المسالک والممالک نشره دی خویه' لایدن 1870ء

(141) الاصفهانی احمد بن عبداللّٰه (م 430ھ / 1039ء)
حلیة الاولیاء و طبقات الاصفیاء القاهرة = مطبعة السعادة = 1357ھ

(142) الاعظمی عواد مجید الدکتور' الزراعة والاصلاح الزراعی فی عصر صدر الاسلام بغداد' مطبعة الجامعة' طبع 1978ء

(143) الانباری ابوالبرکات کمال الدین عبدالرحمٰن بن محمد'
نزهة الالباء فی طبقات الادباء (تحقیق = الدکتور ابراهیم السامرائی) - بغداد = 1959ء

(144) انطوان قیس

تاریخ الفکر الاقتصادی حسن = کتبۃ العلوم الاقتصادیۃ طبع 1968ء
(145) **انور شاہ الکشمیری السید محمد**
العرف الشذی علی جامع الترمذی سہارنپور = المکتبۃ الاسلامیۃ
(146) **ایضاً**
فیض الباری علی صحیح البخاری القاہرۃ مطبعۃ الحجازی الطبعۃ الاولی 1357ھ
(147) **البابرتی** اکمل الدین محمد بن محمد بن محمود (م 786ھ / 1384ء)
شرح العنایۃ علی الھدایۃ کوئٹہ مکتبہ رشیدیہ
(148) **البجمعوی** علی بن سلیمان (م 1306ھ / 1889ء)
نفع قوت المغتذی علی جامع الترمذی (کتاب پر مقام اشاعت اور سن اشاعت تحریر نہیں ہے۔)
(149) **البحرانی** کمال الدین میثم بن علی (م 679ھ / 1280ء)
شرح نہج البلاغۃ تہران موسسۃ النصر 1384ھ
(150) **البخاری** ابو عبداللہ محمد بن اسمٰعیل (م 255ھ / 870ء)
صحیح البخاری کراتشی = نور محمد اصح المطابع الطبعۃ الثانیۃ 1381ھ
(نوٹ: مقالہ میں صحیح البخاری کا ایک ایڈیشن یہ بھی استعمال کیا گیا ہے)
بیروت = دار ابن کثیر مع فہارس = مصطفیٰ دیب البغا)
(151) **بدران** ابو العینین بدران احکام الترکات والمواریث فی الشریعۃ الاسلامیۃ والقانون مصر = دار المعارف الطبعۃ الاولی 1964ء
(152) **بدوی** عبداللطیف عوض النظام المالی الاسلامی المقارن مصر = المجلس الاعلیٰ للشئون الاسلامیۃ الطبعۃ الاولی 1392ھ / 1972ء
(153) **البراقی** حسین بن احمد (م 1332ھ / 1914ء)
تاریخ الکوفۃ النجف = المکتبۃ المرتضویۃ 1356ھ
(154) **بروکلمان** کارل
تاریخ الادب العربی (نقلہ الی العربیۃ = الدکتور عبدالحلیم النجار) القاہرۃ = دار المعارف طبع 1962ء
(155) **بزرگ الطہرانی** محمد محسن (م 1389ھ / 1969ء)
الذریعۃ الی تصانیف الشیعۃ طہران الطبعۃ الاولی = 1367ھ / 1948ء
(156) **البغوی** ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء (م 510ھ / 1117ء)
معالم التنزیل (تحقیق = خالد عبدالرحمٰن مروان سوار) ملتان = ادارہ تالیفات اشرفیہ
(157) **البلاذری** احمد بن یحییٰ بن جابر (م 279ھ / 892ء)
انساب الاشراف (تحقیق الدکتور عبدالعزیز الدوری) بیروت = النشریات الاسلامیۃ

1398ھ/1978ء

(158) **ایضاً**

کتاب فتوح البلدان (تحقیق = صلاح الدین المنجد' الدکتور) القاهرة = مکتبة النهضة المصریة

(159) **البنوری** محمد یوسف بن السید محمد زکریا

معارف السنن شرح سنن الترمذی' کراتشی = المدرسة العربیة الاسلامیة' الطبعة الاولی 1389ھ

(160) **البوبکانی** المخدوم محمد جعفر ابن عبدالکریم

المنانة فی مرمة الخزانة (فتاوی البوبکانی) (تحقیق و تعلیق = ابو سعید غلام مصطفی السندی) کراتشی = لجنة احیاء الادب السندی

(161) **البیهقی** ابوبکر احمد بن الحسین بن علی (م 458ھ / 1066ء)

السنن الکبری مع الجوهر النقی ملتان = نشر السنة

(162) **ایضاً**

مناقب الشافعی (تحقیق = السید احمد صقر) القاهرة = دار النصر للطباعة۔ مکتبة دار التراث' الطبعة الاولی 1391ھ

(163) **الترمذی** ابو عیسٰی محمد بن عیسٰی (م 279ھ / 892ء)

جامع الترمذی (مع شرح) کراتشی' ایچ ایم سعید کمپنی 1988ء

(نوٹ مقالہ میں جامع الترمذی کا ایک ایڈیشن یہ بھی استعمال ہوا ہے۔) کراچی قدیمی کتب خانہ

(164) **التسولی** ابو الحسن علی بن عبدالسلام

البهجة فی شرح التحفة۔ بیروت = دار المعرفة للطباعة والنشر والتوزیع' الطبعة الثالثة 1397ھ / 1977ء

(165) **التمیمی** تقی الدین بن عبدالقادر (م 1005ھ / 1597ء)

الطبقات السنیه فی تراجم الحنفیة (تحقیق الدکتور عبدالفتاح محمد الحلو) الریاض = دار الرفاعی للنشر والطباعة والتوزیع' الطبعة الاولی 1403ھ

(166) **التنوخی** ابو علی المحسن بن علی (م 384ھ / 994ء)

الفرج بعد الشدة (تحقیق = عبود الشالحی بیروت = دار صادر ' طبع 1398ھ

(167) **ایضاً**

نشوار المحاضرة واخبار المذاکرة (تحقیق = عبود الشالحی) طبع 1393ھ

(168) **التهانوی** محمد اشرف علی

احکام القرآن الملقب به دلائل القرآن علی مسائل النعمان' کراتشی 1387ھ

(169) **الثعالبی** محمد بن الحسن (م 1376ھ / 1957ء)
الفکر السامی فی تاریخ الفقہ الاسلامی بیروت' دار الکتب العلمیۃ 1416ھ / 1995ء
(170) **الجاحظ** ابو عثمان عمرو بن بحر (م 255ھ / 869ء)
کتاب التبصر بالتجارۃ قاہرہ = دار الکتاب الجدید' 1966ء
(171) **ایضاً**
کتاب الحیوان (تحقیق و شرح عبدالسلام محمد ہارون) مصر = مکتبۃ مصطفی البابی الحلبی' الطبعۃ الاولی 1356ھ / 1938ء
(172) **الجبوری** عبداللہ' فہرس المخطوطات العربیۃ فی مکتبۃ الاوقاف العامۃ فی بغداد' الجمہوریۃ العراقیۃ رئاسۃ دیوان الاوقاف۔ الطبعۃ الاولی 1393ھ
(173) **جرجی زیدان** جرجی بن حبیب (م 1332ھ / 1914ء)
تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ بیروت منشورات دار مکتبۃ الحیاۃ' الطبعۃ الثانیۃ 1978ء
(174) **ایضاً**
تاریخ التمدن الاسلامی' بیروت = دار مکتبۃ الحیاۃ
(175) **الجزیری** عبدالرحمٰن بن محمد (م 1360ھ / 1941ء)
کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ۔ مصر = المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ' الطبعۃ الاولی 1970ء
(مقالہ میں اس کتاب کا ایک ایڈیشن یہ بھی استعمال ہوا ہے۔ بیروت' دار الفکر 1969ء)
(176) **الجصاص** ابوبکر احمد بن علی (م 370ھ / 981ء)
احکام القرآن (تحقیق = محمد الصادق قمحاوی) دار احیاء التراث العربی
(177) **الجندی** عبدالحلیم ابوحنیفۃ بطل الحریۃ والتسامح فی الاسلام۔ القاہرہ = دار المعارف
(178) **الجوزجانی**' ابواسحاق ابراہیم بن یعقوب (م 259ھ / 873ء)
احوال الرجال' سانگلہ ہل = المکتبۃ الاثریۃ
(179) **الجوہری**' محمد بن الحسن (م حوالی 350ھ / 961ء)
نوادر الفقہاء (تحقیق = الدکتور محمد فضل عبدالعزیز المراد)' دمشق = دار القلم للطباعۃ والنشر والتوزیع الطبعۃ الاولی 1414ھ / 1993ء
(180) **الجہشیاری** ابو عبداللہ محمد بن عبدوس (م 331ھ / 942ء)
کتاب الوزراء والکتاب (تحقیق = مصطفی السقاء ابراہیم الابیاری' عبدالحفیظ شلبی القاہرۃ = مطبعۃ مصطفی البابی الحلبی' الطبعۃ الاولی 1357ھ / 1938ء
(181) **حاجی خلیفہ** مصطفی بن عبداللہ (م 1067ھ / 1657ء)

كشف الظنون عن اسامی الكتب والفنون' بيروت = مكتبة المثنى

(182) **الخرقى** ابو القاسم عمر بن حسين بن عبدالله
المختصر للخرقى مع المغنى' مصر = مكتبة الجمهورية العربية

(183) **حسن ابراهيم** حسن' الدكتور (م 1388ھ / 1968ء)
تاريخ الاسلام السياسى والدينى والثقافى والاجتماعى بيروت = دار احياء التراث العربى الطبعة السابعة = 1964ء

(184) **ايضاً** **وعلى ابراهيم حسن**
النظم الاسلامية مصر = مكتبة النهضة المصرية' الطبعة الاولى' 1358ھ

(185) **حسن احمد الخطيب**' فقه الاسلام (مترجم: سید رشید احمد ارشد) کراچی' قیر الیڈی' طبع سوم' اگست 1982ء

(186) **الحصرى** ابو خلدون ساطع' دراسات عن مقدمة ابن خلدون' مصر = دار المعارف' 1953ء

(187) **الحصرى** احمد الدكتور' السياسة الاقتصادية والنظم المالية فى الفقه الاسلامى مصر = مكتبة الكليات الازهرية

(188) **الخالصى** عبدالمحسن' احكام الاراضى' بغداد = مطبعة الازهر 1388ھ

(189) **الخربوطلى** على حسنى الدكتور
الاسلام و اهل الذمة القاهرة = المجلس الاعلى للشئون الاسلامية' طبع اول 1389ھ

(190) **الخزاعى** ابو الحسن على بن محمد (م 781ھ) كتاب تخريج الدلالات السمعية على ما كان فى عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم من الحرف والصنائع والعمالات الشرعية (تحقيق احمد محمد ابو سلامه) القاهرة = لجنة احياء التراث الاسلامى وزارة الاوقاف المصرية' 1980ء

(191) **الخزرجى**' صفى الدين احمد بن عبدالله (م بعد 923ھ / بعد 1517ء)
خلاصة تذهيب تهذيب الكمال فى اسماء الرجال (تحقيق محمود عبدالوهاب) سانگله هل - المكتبة الاثرية

(192) **الخصاف**' ابوبكر احمد بن عمر (م 261ھ / 875ء)
احكام الاوقاف - مصر = 1326ھ

(193) **ايضاً**
كتاب النفقات (تحقيق الشيخ ابو الوفا الافغانى) بيروت = دار الكتاب العربى 1984ء

(194) **الخضرى بک** محمد بن عفيفى (م 1345ھ / 1927ء)
تاريخ التشريع الاسلامى' بيروت = دار الكتب العلمية' الطبعة التاسعة' 1390ھ / 1970ء)

(195) ایضاً

محاضرات تاریخ الامم الاسلامیة (الدولة العباسیة) مصر = المکتبة التجاریة الکبری، 1970ء

(196) الخطابی، ابو سلیمان احمد بن محمد (م 388ھ / 998ء)

معالم السنن، القاهرة = مطبعة السعادة، 1357ھ

(197) الخطیب البغدادی ابوبکر احمد بن علی (م 463ھ / 1071ء)

تاریخ بغداد او مدینة السلام، بیروت = دار الکتب العلمیه

(198) الخطیب محب الدین، تحقیق و تعلیق کتاب الخراج لابی یوسف، القاهرة = المطبعة السلفیة، طبع 1392ھ

(199) الخطیب ولی الدین محمد بن عبداللّٰه (م 737ھ / 1337ء)

مشکوة المصابیح کراتشی = قدیمی کتب خانه

(200) خلاف، عبدالوهاب - مصادر التشریع الاسلامی فیما لانص فیه، کویت، دار القلم، الطبعة الخامسة 1402ھ / 1982ء

(201) الخلال ابوبکر احمد بن محمد بن هارون (م 312ھ / 924ء)

کتاب الحث علی التجارة والصناعة والعمل، الریاض = دار العاصمة، طبع 1407ھ

(202) خلیل احمد ابو ابراهیم

بذل المجهود فی حل ابی داود، ملتان = مکتبه قاسمیه

(203) خیری المفتی محمد، علم الفرائض والمواریث فی الشریعة الاسلامیة والقانون السوری، (کتاب پر ناشر کا نام تحریر نہیں) طبع 1403ھ / 1983ء

(204) الدارقطنی ابوالحسن علی بن عمر (385ھ / 995ء)

سنن الدارقطنی (مع التعلیق المغنی) لاهور = دار نشر الکتب الاسلامیه

(205) داماد آفندی عبداللّٰه بن محمد بن سلیمان

مجمع الانهر فی شرح ملتقی الابحر بیروت = دار احیاء التراث العربی

(206) داود العبادی عبدالسلام الدکتور، الملکیة فی الشریعة الاسلامیة طبیعتها و وظیفتها و قیودها دراسة مقارنة بالقوانین والنظم الوضعیة عمان، مکتبه الاقصی، الطبعة الاولی 1977ء / 1397ھ

(207) الدبوسی ابو زید عبیداللّٰه بن عمر بن عیسی (م 430ھ / 1039ء)

کتاب تاسیس النظر (ویلیه رسالة الامام ابی الحسن الکرخی فی الاصول) القاهرة = المطبعة الادبیة، الطبعة الاولی

(208) الدجیلی حولة شاکر بیت المال نشاته و تطوره من القرن الاول حتی القرن

الربع الهجری بغداد=مطبعة وزارة الاوقاف' طبع 1396ھ/ 1976ء

(209) **الدجیلی** عبدالصاحب بن عمران (م 1362ھ / 1943ء)

اعلام العرب فی العلوم والفنون' النجف' مطبعة النعمان 1386ھ

(210) **الدردیر** ابوالبرکات احمد بن محمد (م 1201ھ / 1786ء)

الشرح الصغیر علی اقرب المسالک الی مذهب الامام مالک (تحقیق و تخریج' الدکتور مصطفیٰ کمال وصفی) مصر' دار المعارف 1393ھ

(211) **الدرینی** فتحی الدکتور' نظریة التعسف فی استعمال الحق' بیروت' موسسة الرسالة' الطبعة الثالثة 1401ھ / 1981ء

(212) **الدلجی** شهاب الدین احمد بن علی (م 838ھ / 1435ء)

الفلاکة والمفلوکون' القاهرة=مطبعة الشعب' 1322ھ

(213) **الدوالیبی** محمد معروف

المدخل الی علم اصول الفقه مطابع دار العلم للملایین' الطبعة الخامسة' 1385ھ

(214) **الدوری** عبدالعزیز الدکتور

تاریخ العراق الاقتصادی فی القرن الرابع الهجری-بغداد=مطبعة المعارف

(215) **ایضاً**

نشوء الاصناف والحرف فی الاسلام بغداد=مطبعة المعارف

(216) **الدولابی** محمد بن احمد (م 310ھ / 923ء)

کتاب الکنی والاسماء حیدر آباد الدکن الهند=دائرة المعارف النظامیة' 1322ھ

(217) **الدیاربکری** حسین بن محمد بن الحسن (م 982ھ / 1574ء)

تاریخ الخمیس فی احوال انفس نفیس بیروت' موسسة شعبان

(218) **الدینوری** ابو حنیفة احمد بن داؤد (م 282ھ / 895ء)

کتاب الاخبار الطوال (تحقیق=عبدالمنعم عامر الدکتور جمال الدین الشیال) بیروت= دار المسیرة

(219) **الذهبی** شمس الدین ابو عبدالله محمد بن احمد بن عثمان (م 748ھ / 1348ء)

تاریخ الاسلام و وفیات المشاهیر والاعلام (تحقیق-الدکتور عمر عبدالسلام تدمری) بیروت=دار الکتاب العربی' الطبعة الثانیة 1410ھ / 1990ء

(220) **ایضاً**

تذکرة الحفاظ' حیدر آباد الدکن الهند=مطبعة دائرة المعارف النظامیه

(221) **ایضاً**

العبر فی خبر من عبر (تحقیق=صلاح الدین المنجد الدکتور) الکویت=التراث العربی

الطبعة الاولی 1960ء

(222) ایضاً

مناقب الامام ابی حنیفة و صاحبیه ابی یوسف و محمد بن الحسن (تحقیق = محمد زاهد الکوثری و ابو الوفا الافغانی) کراتشی = ایچ ایم سعید کمپنی

(223) ایضاً

میزان الاعتدال فی نقد الرجال (تحقیق = علی محمد البجاوی) سانگلہ ہل المکتبة الاثریة

(224) **الرازی، فخر الدین ابو عبداللہ محمد بن عمر بن حسین** (م 606ھ / 1210ء)

التفسیر الکبیر مطبعة البهية المصرية 1357ھ

(225) ایضاً

مناقب الشافعی، طبع سنة 1279ھ

(226) **الراغب الاصفهانی** الحسین بن محمد (م 502ھ / 1108ء)

المفردات فی غریب القرآن کراتشی - نور محمد اصح المطابع

(227) زاهد، احمد محمد علی

الحقوق المتعلقة بالترکة بین الفقه والقانون عمان - وزارة الاوقاف طبع 1402ھ

(228) المرتضی، عبدالعزیز بن محمد (م بعد سنة 1184ھ / بعد 1770ء)

تحفة الملوک و مفتاح الرتاج المرصد علی خزانة کتاب الخراج (تحقیق = الدکتور احمد عبید الکبیسی) بغداد = احیاء التراث الاسلامی، الطبعة الاولی 197[illegible]ء

(229) **رشید رضا، محمد** (م 1354ھ / 1935ء)

تفسیر القرآن الحکیم الشهیر بتفسیر المنار، بیروت = دار المعرفة للطباعة والنشر

(230) **رفاعی احمد فرید، الدکتور**

عصر المامون، القاهرة = مطبعة دار الکتب المصریة، 1346ھ / 1927ء

(231) **رفاعی، [illegible] الدکتور، النظم الاسلامیة، دار الفکر**

(232) الرفاعی، طلال جمیل الدکتور

دراسة و تحقیق المنزلة الخامسة من کتاب الخراج و صنعة الکتابة لابی فرج قدامة بن جعفر الکاتب (تقدیم = الدکتور حسام الدین السامرائی) مکة المکرمة = مکتبة الطالب الجامعی، الطبعة الاولی 1407ھ

(233) **الرملی** شمس الدین محمد بن احمد بن حمزة (م 1004ھ / 1596ء)

نهاية المحتاج الی شرح المنهاج فی الفقه علی مذهب الامام الشافعی، دار الفکر للطباعة والنشر والتوزیع

(234) الريس محمد ضياء الدين الدكتور
الخراج والنظم المالية للدولة الاسلامية القاهرة = دار الانصار الطبعة الرابعة 1977ء
(235) الزبيدی محب الدين ابو فيض السيد محمد مرتضی (م 1205ھ / 1790ء)
شرح القاموس المسمی تاج العروس من جواهر القاموس' دار الفکر لطباعة والنشر والتوزيع
(236) ايضاً
عقود الجواهر المنيفة فی ادلة مذهب الامام ابی حنيفه مما وافق فيه الائمة الستة او احدهم (تصحيح = السيد عبدالله هاشم اليمانی) کراتشی = ايچ ايم سعيد
(237) الزبيدی محمد حسين
شرح و تحقيق کتاب الخراج و صناعة الکتابة لقدامة بن جعفر { بغداد = وزارة الثقافة والاعلام الطبعة الاولی 1981ء }
(238) الزحيلی وهبة الدکتور
عمر بن عبدالعزيز { دمشق = دار قتيبة }
(239) ايضاً
الفقه الاسلامی وادلته دمشق = دار الفکر الطبعة الاولی 1404ھ / 1984ء
(240) الزرقانی محمد بن عبدالباقی (م 1122ھ / 1710ء)
شرح الزرقانی علی موطا الامام مالک (صحح هذه الطبعة نخبة من علماء الازهر الشريف) مصر = صندوق بوستة الغورية
(241) الزرکلی خير الدين بن محمود (م 1396ھ / 1976ء)
الاعلام لاشهر الرجال والنساء من العرب والمستعربين والمستشرقين بيروت = دار العلم للملايين الطبعة السابعة 1986ء
(242) الزروبوی' محمد فريد
منهاج السنن شرح جامع السنن للامام الترمذی اکوڑہ خٹک پشاور = موتمر المصنفين دار العلوم حقانيه
(243) الزمخشری جار الله ابو القاسم محمود بن عمر (م 538ھ / 1144ء)
اساس البلاغة کتب پبلشر کارخانہ اور مقام اشاعت تحریر نہیں) 1399ھ
(244) ايضاً
الکشاف عن حقائق غوامض التنزيل و عيون الاقاويل فی وجوه التاويل (تصحيح = مصطفی حسين احمد) القاهرة مطبعة الاستقامة الطبعة الاولی 1365ھ / 1946ء
(245) الزنجانی شهاب الدين محمود بن احمد (م 656ھ / 1258ء)

تخریج الفروع علی الاصول (حققہ و علق حواشیہ = الدکتور محمد ادیب صالح)
بیروت= موسسۃ الرسالۃ الطبعۃ الخامسۃ 1404ھ / 1984ء

(246) **الزہرانی** ضیف اللہ یحییٰ
النفقات و ادارتہا فی الدولۃ العباسیۃ مکۃ المکرمۃ مکتبۃ الطالب الجامعی' الطبعۃ الاولی 1406ھ / 1986ء

(247) **زیدان** عبدالکریم الدکتور
احکام الذمیین والمستامنین فی دار الاسلام بغداد= مکتبۃ القدس طبع 1402ھ / 1982ء

(248) **ایضاً**
الوجیز فی اصول الفقہ لاہور= دار نشر الکتب الاسلامیہ

(249) **زیلعی** جمال الدین ابو محمد عبداللہ بن یوسف (م 762ھ / 1360ء)
نصب الرایۃ لاحادیث الہدایۃ سورت الہند= المجلس العلمی الطبعۃ الاولی 1357ھ

(250) **الزیلعی** فخر الدین عثمان بن علی (م 743ھ / 1343ء)
تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق ملتان= مکتبہ امدادیہ (الطبعۃ الاولی بالمطبعۃ الکبری الامیریۃ ببولاق مصر سنۃ 1315ھ

(251) **الساعاتی** احمد بن عبدالرحمٰن (م بعد 1371ھ / بعد 1951ء)
الفتح الربانی لترتیب مسند الامام احمد بن حنبل الشیبانی (مع شرح بلوغ الامانی من اسرار الفتح الربانی) بیروت= دار احیاء التراث العربی

(252) **السامری** نصیر الدین محمد بن عبداللہ (م 616ھ / 1219ء)
المستوعب (دراسۃ و تحقیق = مساعد بن قاسم الفالح) الریاض= مکتبۃ المعارف للنشر والتوزیع

(253) **السبکی** تاج الدین ابو نصر عبدالوہاب بن علی (م 771ھ / 1370ء)
طبقات الشافعیۃ الکبری' بیروت= دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر والتوزیع الطبعۃ الثانیۃ

(254) **السجاوندی** سراج الدین محمد بن عبدالرشید (م ساتویں صدی ہجری / تیرھویں عیسوی)
السراجی فی المیراث مع حاشیہ' دلیل الوارث) ملتان' مکتبہ شرکت علمیہ

(255) **سحنون** عبدالسلام بن سعید التنوخی (م 240ھ / 854ء)
المدونۃ الکبری (روی المدونۃ فی فروع المالکیۃ عن عبدالرحمٰن بن قاسم عن الامام مالک) دار الباز للطباعۃ والنشر' مطبعۃ السعادۃ 1323ھ

(256) **السخاوی** شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن (م 902ھ / 1497ء)
الضوء اللامع لاہل القرن التاسع بیروت= منشورات دار مکتبۃ الحیاۃ

(257) **السرخسی** ابوبکر محمد بن احمد بن ابی سہل (م483ھ / 1090ء)
اصول السرخسی (تحقیق = ابوالوفاء الافغانی لاہور = دار المعارف النعمانیۃ الجماعۃ المدنیۃ الطبعۃ الاولی 1401ھ

(258) **ایضاً**
شرح کتاب السیر الکبیر لمحمد بن الحسن الشیبانی (تحقیق = صلاح الدین المنجد و عبدالعزیز احمد) المکتب للحرکۃ الثورۃ الاسلامیۃ

(259) **ایضاً**
المبسوط کراتشی = ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ الطبعۃ الاولی 1407ھ

(260) **سرکیس، یوسف الیان**
معجم المطبوعات العربیۃ والمعربۃ مصر = مطبعۃ سرکیس 1346ھ / 1928ء

(261) **سعدی، ابوحبیب**
القاموس الفقہی لغۃ واصطلاحا دمشق = دار الفکر

(262) **ایضاً**
موسوعۃ الاجماع فی الفقہ الاسلامی دمشق = دار الفکر الطبعۃ الثانیۃ 1404ھ

(263) **السقاف علوی** (م 1357ھ / 1938ء) فہارس احادیث الاموال لحمید بن زنجویہ والخراج لیحی بن آدم القرشی والخراج لابی یوسف صاحب ابی حنیفۃ الریاض دار الہجرۃ = 1410ھ

(264) **سلیم باز**، سلیم بن رستم (م1338ھ / 1920ء)
شرح المجلۃ بیروت = دار احیاء التراث العربی۔ طبعۃ ثالثۃ

(265) **السمرقندی** ابو اللیث نصر بن محمد بن احمد (م373ھ / 983ء)
خزانۃ الفقہ و عیون المسائل والنوازل (تحقیق = الدکتور صلاح الدین الناہی) بغداد مطبعۃ اسعد۔ جامعۃ بغداد 1386ھ

(266) **السمرقندی** محمد بن احمد (م540ھ / 1145ء)
تحفۃ الفقہاء (تحقیق و تعلیق الدکتور محمد زکی عبدالبر) قطر ادارۃ احیاء التراث الاسلامی

(267) **السمعانی** عبدالکریم بن محمد (م562ھ / 1166ء)
کتاب الانساب بغداد = مکتبۃ المثنی

(268) **السمنانی**، ابوالقاسم علی بن محمد (م499ھ / 1105ء)
روضۃ القضاۃ مصر = مطبعۃ السعادۃ (بن اشاعت درج نہیں)

(269) **السنہوری**، عبدالرزاق (م1391ھ / 1971ء)، مصادر الحق فی الفقہ الاسلامی۔ بیروت دار احیاء التراث العربی

(270) السمہمی، حمزہ بن یوسف بن ابراہیم

تاریخ جرجان۔ حیدر آباد الدکن۔ الهند 1369ھ / 1950ء

(271) **السهیلی** ابو القاسم عبدالرحمن بن عبداللہ بن احمد (م 581ھ / 1185ء)

الروض الانف۔ (فی تفسیر ما اشتمل علیہ احادیث السیرۃ النبویۃ لابن ہشام) و بہامشہ السیرۃ النبویۃ ابو محمد عبدالملک بن ہشام (م 213ھ) ملتان۔ عبدالتواب اکیڈمی

(272) **السید** سابق (فقہ السنۃ) مکتبۃ الخدمات الحدیثیۃ

(273) **السیوطی** عبدالرحمن جلال الدین (م 911ھ / 1505ء)

تاریخ الخلفاء (تحقیق محمد محی الدین عبدالحمید) کراتشی نور محمد تجارت کتب

(274) **ایضاً**

تبییض الصحیفۃ فی مناقب الامام ابی حنیفۃ (تقدیم۔ عبدالرشید نعمانی) (کتاب پر ناشر کا نام اور مقام اشاعت تحریر نہیں ہے)

(275) **ایضاً**

حسن المحاضرۃ فی اخبار مصر والقاہرۃ۔ القاہرۃ مطبعۃ الموسوعات 1321ھ

(276) **ایضاً**

المزہر فی علوم اللغۃ وانواعہا بیروت۔ دار الجیل۔ دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع

(277) **الشاطبی** ابو اسحق ابراہیم بن موسیٰ (م 790ھ / 1388ء)

الموافقات فی اصول الشریعۃ (تخریج۔ الشیخ عبداللہ دراز) دار الفکر العربی

(278) **الشاطری** احمد بن عمر

الیاقوت النفیس فی مذہب ابن ادریس (کتاب پر ناشر کا نام اور سن اشاعت تحریر نہیں)

(279) **الشافعی** ابو عبداللہ محمد بن ادریس (م 204ھ / 820ء)

الام (تصحیح۔ محمد زہری النجار من علماء الازہر) بیروت۔ دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر۔ الطبعۃ الثانیۃ 1393ھ

(280) **شاہ ولی اللہ** احمد بن عبدالرحیم (م 1176ھ / 1763ء)

حجۃ اللہ البالغۃ لاہور۔ المکتبۃ السلفیۃ

(281) **شبیر احمد العثمانی**

فتح الملہم شرح صحیح مسلم کراتشی۔ المکتبۃ الرشیدیۃ

(282) **الشخیلی** صباح ابراہیم سعید

الاصناف فی العصر العباسی نشاتہا و تطورہا۔ وزارۃ الاعلام الجمہوریۃ العراقیۃ طبع 1976ء

(283) **الشرباصی** احمد

الائمۃ الاربعۃ۔ موسسۃ دار الہلال

(284) ایضاً
المعجم الاقتصادی الاسلامی بیروت = دار الجیل 1401ھ
(285) الشربینی محمد الخطیب، مغنی المحتاج الی معرفة معانی الفاظ المنهاج
بیروت = دار الفکر للطباعة والنشر والتوزیع
(286) شرف بن علی الشریف،
الاجارة الواردة علی عمل الانسان۔ جدہ = دار الشروق للنشر والتوزیع والطباعة الطبعة الاولی 1400ھ / 1980م
(287) الشرقاوی احمد بن عبدالسلام
کتاب التبیان شرح نور البیان فی فقه الامام الاعظم ابی حنیفة النعمان
الازهر الشریف = 1366ھ
(288) الشرقاوی عبداللہ بن حجازی (م 1227ھ / 1812ء)
فتح المبدی شرح مختصر الزبیدی (مع التجرید الصریح لاحادیث الجامع الصحیح)۔ بیروت = دار المعرفة
(289) الشریف الرضی محمد بن الحسین (م 406ھ / 1015ء)
نهج البلاغة (کلام سیدنا امیر المومنین علی بن ابی طالب) (مع شرح الشیخ محمد عبدہ) بیروت = دار المعرفة للطباعة والنشر
(290) الشعرانی، عبدالوهاب بن احمد بن علی
المیزان الکبری، دار الفکر للطباعة والنشر والتوزیع
(291) شفیق العانی،
احکام الاوقاف بغداد = احیاء التراث الاسلامی، 1960ء
(292) الشکعة مصطفی الدکتور،
الائمة الاربعة القاهرة = دار الکتاب المصری الطبعة الثانیة 1403ھ / 1983ء
(293) شلتوت محمود محمد۔ السایس محمد علی
مقارنة المذاهب فی الفقه۔ مصر، مطبعة محمد علی، طبع 1373ھ / 1953ء
(294) شوقی احمد دنیا
الاسلام والتنمیة الاقتصادیة دار الفکر العربی، الطبعة الاولی 1979ء
(295) ایضاً
سلسلة اعلام الاقتصاد الاسلامی، الریاض = مکتبة الخریجی، 1984ء
(296) الشوکانی محمد بن علی، (م 1250ھ / 1834ء)
الدراری المضیة شرح الدرر البهیة بیروت = دار المعرفة للطباعة والنشر

(297) **ایضاً**

نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار من احادیث سید الاخیار صلی اللہ علیہ وسلم لاہور = انصار السنۃ المحمدیۃ

(298) **الشیبانی محمد بن الحسن** (م189ھ/ 805ء)

الاکتساب فی الرزق المستطاب (تقدیم و تحقیق = محمد عربوس عزت العطار)
دمشق = مطبعۃ الانوار 1938ء/ 1357ھ

(299) **ایضاً**

الجامع الصغیر مع شرح النافع الکبیر کراتشی = ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ

(300) **ایضاً**

الجامع الکبیر (تحقیق = ابوالوفاء الافغانی) لاہور = دار المعارف النعمانیۃ طبع 1401ھ

(301) **ایضاً**

زیادات الزیادات مع تحقیق = ابوالوفاء الافغانی) لاہور = دار المعارف النعمانیۃ 1401ء

(302) **ایضاً**

القانون الدولی الاسلامی (کتاب السیر) (حققہ و علق علیہ الدکتور محمد حدوری)
کراتشی = ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ

(303) **ایضاً**

کتاب الآثار کراتشی = ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ

(304) **ایضاً**

کتاب الاصل المعروف بالمبسوط (مع التعلیق ابوالوفا الافغانی) کراتشی = ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ

(305) **ایضاً**

کتاب الحجۃ علی اہل المدینۃ (صححہ و علق علیہ = مفتی مہدی حسن الشاہجہانپوری)
لاہور = دار المعارف النعمانیۃ الجامعۃ المدنیۃ

(306) **ایضاً**

کتاب المخارج فی الحیل (تصحیح جوزف شاخت) ویلیہ روایۃ اخری لہذا الکتاب لشمس الائمۃ ابی بکر محمد بن احمد بن ابی سہل السرخسی
Leipzig, J.C. Hinrich's sche Buchhandlung. 1930

(307) **شیخ الربوہ** شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن ابی طالب (م727ھ / 1327ء)

نخبۃ الدھر فی عجائب البر والبحر (تحقیق ا. ف. مہرن) بغداد = مکتبۃ المثنی 1928ء

(308) **الشیرازی** ابو اسحاق ابراہیم بن علی (م476ھ / 1083ء)

طبقات الفقہا بغداد' المکتبۃ العربیۃ' 1356ھ

(309) **الشیرازی** السید محمد بن المهدی الحسینی'

من النمط الاسلامی' بیروت= دار الصادق' الطبعۃ الاولی 1397ھ / 1977ء

(310) **الشیزری** عبدالرحمٰن بن نصر (م 589ھ / 1192ء)

کتاب نهایۃ الرتبۃ فی طلب الحسبۃ (تحقیق= السید الباز العریبی) بیروت= دار الثقافۃ

(311) **ایضاً**

کتاب المنهج المسلوک فی سیاسۃ الملوک القاهرۃ= مطبعۃ الظاهر' 1326ھ

(312) **الصابی'** ابوالحسن هلال بن المحسن بن ابراهیم (م 448ھ / 1056ء)

کتاب تحفۃ الامراء فی تاریخ الوزراء- بیروت= مطبعۃ الاباء الیسوعیین' 1904ء

(313) **صالح'** احمد العلی' التنظیمات الاجتماعیۃ والاقتصادیۃ فی البصرہ فی القرن الاول الهجری' بیروت= دار الطلیعۃ' الطبعۃ الثانیۃ' 1969ء

(314) **صبحی الصالح** الدکتور

النظم الاسلامیۃ نشأتها و تطورها بیروت' دار العلم للملایین' الطبعۃ الثانیۃ 1388ھ

(315) **صبحی محمصانی** الدکتور'

فلسفۃ التشریع فی الاسلام' بیروت' دار الکشاف للنشر والطباعۃ والتوزیع' الطبعۃ الثانیۃ 1371ھ / 1952ء

(316) **ایضاً**

المجتهدون فی القضاء (مختارات من اقضیۃ السلف بیروت' دار العلم للملایین' الطبعۃ الاولی 1980ء

(317) **صدیق حسن خان'** محمد صدیق خان بن حسن (م 1307ھ / 1890ء)

الروضۃ الندیہ شرح الدرر البهیہ لاهور= دار نشر الکتب الاسلامیۃ

(318) **ایضاً**

عون الباری لحل ادلۃ البخاری' (شرح کتاب التجرید الصریح لاحادیث الجامع الصحیح) حلب سوریا دار الرشید

(319) **الصنعانی** ابوبکر عبدالرزاق بن همام (م 211ھ / 826ء)

المصنف تحقیق= حبیب الرحمٰن الاعظمی) بیروت= المجلس العلمی' طبع 1972ء

(320) **الصولی'** ابوبکر احمد بن یحییٰ (م 335ھ / 947ء)

ادب الکتاب (نشر محمد بهجۃ الاثری القاهرۃ= المطبعۃ السلفیۃ' 1341ھ)

(321) **الصیمری** ابو عبداللہ حسین بن علی (م 436ھ / 1045ء)

اخبار ابی حنیفۃ واصحابہ لاهور= ادارہ ترجمان السنۃ

(322) طاش کبری زادہ ابوالخیر احمد بن مصطفیٰ (م968ھ / 1561ء)
طبقات الفقہاء' الموصل' الطبعۃ الثانیۃ 1961ء

(323) ایضاً
مفتاح السعادۃ و مصباح السیادۃ' حیدر آباد الدکن' الطبعۃ الثانیۃ 1397ھ / 1977ء

(324) الطبری ابوجعفر محمد بن جریر (م310ھ / 923ء)
اختلاف الفقہاء (تصحیح و تعلیق - الدکتور فریدریک کرن) بیروت' دار الکتب العلمیۃ' الطبعۃ الثانیۃ

(325) ایضاً
تاریخ الرسل والملوک (تحقیق محمد ابوالفضل ابراہیم) القاہرۃ - ملتزم الطبع والنشر - دار المعارف

(326) ایضاً
جامع البیان فی تفسیر القرآن { بولاق - مطبعۃ الکبری الامیریہ' الطبعۃ الاولی 1347ھ }
(نوٹ: مقالہ میں جامع البیان کا ایک ایڈیشن یہ بھی استعمال ہوا ہے) مصر' شرکۃ مکتبۃ و مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی' طبع 1373ھ

(327) الطحاوی ابوجعفر احمد بن محمد (م321ھ / 933ء)
اختلاف الفقہاء (تحقیق و تعلیق الدکتور محمد صغیر حسن المعصومی)' اسلام آباد - معہد الابحاث الاسلامیۃ

(328) ایضاً
شرح معانی الآثار' لاہور - قانونی کتب خانہ

(329) ایضاً
مختصر الطحاوی (تحقیق - ابوالوفا الافغانی) القاہرۃ' 1370ھ

(330) الطحطاوی السید احمد بن محمد (م1231ھ / 1816ء)
حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار بیروت - دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر' الطبعۃ الاولی 1395ھ / 1975ء

(331) الطرابلسی ابوالحسن علاء الدین علی بن خلیل (م844ھ / 1440ء)
معین الحکام فیما یتردد بین الخصمین من الاحکام' القاہرۃ - المطبعۃ المیمنیۃ' 1310ھ

(332) الطریحی فخر الدین بن محمد بن علی (م1085ھ / 1674ء)
مجمع البحرین و مطلع النیرین' (تحقیق احمد الحسینی) نجف - دار الکتب' 1961ء

(333) طٰہٰ عبدالباقی سرور' الغزالی

دارالمعارف للطباعة والنشر' 1890ء

(334) **طیفور** احمد بن ابی طاہر (م 280ھ / 893ء)

کتاب بغداد لایبنرح 1904ء

(335) **ظفر احمد العثمانی** (م 1394ھ / 1975ء)

(336) **ایضاً**

اعلاء السنن' کراتشی' الطبعة الاولی 1385ھ

مقدمة اعلاء السنن (ابوحنیفة واصحابه المحدثون) تحقیق وتعلیق = عبدالفتاح ابو غدة کراتشی = ادارة القرآن والعلوم الاسلامیة

(337) **عادل زعبوب الدکتور**

منهاج البحث عند الغزالی' بیروت = موسسة الرسالة' الطبعة الاولی 1400ھ / 1980ء

(338) **عبدالحی** ابوالحسنات محمد (م 1304ھ / 1887ء)

السعایة فی کشف ما فی شرح الوقایة۔ لاہور سہیل اکیڈمی' طبع 1396ھ

(339) **ایضاً**

الفوائد البهیة فی تراجم الحنفیة (تصحیح محمد بدرالدین ابو فراس النعسانی) القاهرة = الطبعة الاولی 1324ھ

(340) **ایضاً** النافع الکبیر لمن یطالع الجامع الصغیر (مقدمة الجامع الصغیر)۔ کراتشی = ادارة القرآن والعلوم الاسلامیة (مقالہ میں النافع الکبیر کا درج ذیل ایڈیشن بھی استعمال کیا گیا ہے۔)

عبدالحی' ابوالحسنات محمد۔ طبقات الفقهاء اعنی النافع الکبیر لمن یطالع الجامع الصغیر۔ پشاور = مکتبة نشر القرآن والحدیث

(341) **عبدالرحمٰن** بن محمد بن قاسم

مجموع فتاوی شیخ الاسلام احمد بن تیمیة (طبع بامر خادم الحرمین الشریفین فهد بن عبدالعزیز آل سعود) (کتاب پر مقام اشاعت تحریر نہیں)

(342) **عبدالرحمٰن المبارکفوری**

تحفة الاحوذی شرح جامع الترمذی۔ دہلی' ادارۃ الحکم ذکی احمد

(343) **عبدالعزیز' علاؤالدین'**

کشف الاسرار علی اصول الامام فخر الاسلام علی بن محمد البزدوی۔ شرکت صحافیہ عثمانیہ' الطبعة الاولی 1308ھ

(344) **عبدالعلی'** محمد بن نظام الدین

فواتح الرحموت بشرح مسلم الثبوت (قم = منشورات الشریف الرضی' الطبعة الثانیة

(345) **عبدالقادر** عودہ (م 1374ھ / 1954ء)

التشريع الجنائي الاسلامي مقارنا بالقانون الوضعي بيروت = دار احياء التراث العربي' الطبعة الرابعة 1405ھ

(346) **عبدالكريم خليفه الدكتور**

ابن حزم الاندلسي حياته وادبه بيروت دار العربية للطباعة والنشر والتوزيع

(347) **عبدالله' عبدالغني الدكتور**

المشكلة الاقتصادية و نظرية الاجور والاسعار في الاسلام اسكندرية = المكتب الجامعي الحديث' 1984ء

(348) **عبدالمنعم الجمال محمد الدكتور**

موسوعة الاقتصاد الاسلامي' القاهرة = دار الكتاب المصري' الطبعة الثانية 1406ھ

(349) **عبدالنبي** بن عبدالرسول جامع العلوم الملقب بدستور العلماء

(تهذيب و تصحيح قطب الدين محمود بن غياث الدين) حيدر آباد الدكن الهند = دائرة المعارف النظامية

(350) **العجلاني منير الدكتور**

عبقرية الاسلام في اصول الحكم-بيروت = دار النفائس الطبعة الاولى' 1405ھ / 1985ء

(351) **العراقي** زين الدين عبدالرحمٰن بن الحسين

شرح الفية العراقي المسماة بالتبصرة والتذكرة (تصحيح و تعليق محمد بن الحسين العراقي) فاس = 1354ھ

(352) **العزاوي المحامي عباس**

تاريخ الضرائب العراقية (من صدر الاسلام الى آخر العهد العثماني) بغداد = شركة التجارة والطباعة' 1958ء

(3) **ايضا"**

تاريخ النقود العراقية بغداد = شركة التجارة والطباعة

(354) **العسكري** ابوهلال الحسن بن عبدالله م 395ھ / 1005ء)

كتاب الصناعتين (تحقيق علي محمد البجاوي و محمد ابوالفضل ابراهيم) القاهرة = الطبعة الاولى 1371ھ

(355) **علاءالدين الحصكفي' محمد بن علي** (م 1088ھ / 1677ء)

الدرالمختار في شرح تنوير الابصار' لكهنؤ = منشي نولكشور' طبع 1294ھ

(356) **علي الخفيف'** اسباب اختلاف الفقهاء القاهرة' مطبعة الرسالة 1375ھ

(357) **ايضا"**

مختصر احكام المعاملات الشرعية = القاهرة = مطبعة السنة المحمدية' الطبعة الرابعة

1371ھ

(358) **علی فکری السید**
المعاملات المادیة والادبیة مصر' مطبعة مصطفی البابی الحلبی' الطبعة الاولی 1357ھ / 1938ء

(359) **علی القرنی** بن حسن بن علی الدکتور
الحسبة فی الماضی والحاضر بین ثبات الاهداف و تطور الاسلوب' مکتبة الرشد للنشر والتوزیع' الطبعة الاولی 1415ھ / 1994ء

(360) **علی المتقی** علاء الدین علی بن عبد الملک (م 975ھ / 1567ء)
کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال' بیروت = موسسة الرسالة' الطبعة الخامسة 1405ھ / 1985ء

(361) **عمر عبداللّٰہ**
احکام المواریث فی الشریعة الاسلامیة مصر' دار المعارف' الطبعة الثانیة 1957ء

(362) **العوضی** رفعت السید الدکتور
منهج الادخار والاستثمار فی الاقتصاد الاسلامی' القاهرة = الاتحاد الدولی للبنوک الاسلامیة' 1400ھ

(363) **العینی** بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد (م 855ھ / 1451ء)
البنایة فی شرح الهدایة المشهور عینی شرح هدایة' مکة المکرمة' المکتبة الامدادیة

(364) **ایضاً**
عمدة القاری شرح صحیح البخاری. بیروت = محمد امین دمج (بن اشاعت تحریر نهیں)

(365) **الغزالی** ابو حامد محمد بن محمد (م 505ھ / 1111ء)
احیاء علوم الدین' بیروت = دار المعرفة للطباعة والنشر

(366) **ایضاً**
الاقتصاد فی الاعتقاد. بغداد = نشر دار الارشاد

(367) **ایضاً**
التبر المسبوک فی نصائح الملوک مصر = مطبعه خیریه' 1306ھ

(368) **ایضاً**
شفاء الغلیل بغداد نشر دار الارشاد' الطبعة الاولی 1971ء

(369) **ایضاً**
کتاب الاربعین فی اصول الدین القاهرة = المکتبة التجاریة الکبری

(370) **ایضاً**

کتاب الوجیز' مطبعۃ الآداب بالموید - مصر - 1317ھ

(371) **ایضاً** المستصفیٰ من علم الاصول قم - منشورات الرضی' الطبعۃ الثانیۃ

(372) **ایضاً**

میزان العمل (تحقیق - الدکتور سلیمان دنیا) القاہرۃ - نشر دار المعارف

(373) **فواد سید**

فہرس المخطوطات المصورۃ القاہرۃ' معہد احیاء المخطوطات العربیۃ' 1957ء

(374) **فواد عبدالباقی محمد'** (م1388ھ / 1968ء)

المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم لاہور - سہیل اکیڈیمی الطبعۃ الاولیٰ 1395ھ

(375) **ایضاً**

مفتاح کنوز السنۃ (وضعہ باللغۃ الانکلیزیۃ' الدکتور ا ی - فنسنک و نقلہ الی اللغۃ العربیۃ مولاد عبدالباقی) لاہور - سہیل اکیڈیمی' الطبعۃ الاولیٰ 1391ھ

(376) **قاضی خان** حسن بن منصور بن محمود الاور جندی (م592ھ / 1196ء)

الفتاویٰ القاضی خان (مع الفتاویٰ السراجیۃ) کوئٹہ - بلوچستان بکڈپو' 1405ھ

(377) **قاضی زادہ** شمس الدین احمد بن محمود (م988ھ / 1580ء)

نتائج الافکار فی کشف الرموز والاسرار' کوئٹہ مکتبہ رشیدیہ

(378) **قحف'** محمد منذر الدکتور

الاقتصاد الاسلامی الکویت - دار القلم الطبعۃ الاولیٰ 1399ھ

(379) **قدامۃ** بن جعفر الکاتب ابو الفرج (م337ھ / 948ء)

نبذ من کتاب الخراج و صنعۃ الکتابۃ' لندن - مطبع بریل' 1306ھ

(380) **قدری افندی'** عبدالقادر بن یوسف (م1083ھ / 1672ء)

مجموعہ فتاویٰ قدری افندی المعروف بہ واقعات المفتین مکران بلوچستان - دائرۃ المعارف الاسلامیۃ

(381) **القرضاوی** یوسف الدکتور

فقہ الزکاۃ دراسۃ مقارنۃ لاحکامہا و فلسفتہا فی ضوء القرآن والسنۃ - دار المعرفۃ

(382) **القرطبی** ابو عبداللہ محمد بن احمد (م671ھ / 1272ء)

الجامع لاحکام القرآن القاہرۃ - دار الکتب للطباعۃ والنشر' 1387ھ

(383) **القرمانی'** ابو العباس احمد بن یوسف

اخبار الدول و آثار الاول فی التاریخ' بیروت - عالم الکتب

(384) **القسطلانی** ابو العباس شہاب الدین احمد بن محمد (923ھ / 1517ء)

ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری۔ بیروت = دار الفکر للطباعة والنشر والتوزیع، الطبعة السادسة

(385) **القفال الشاشی** سیف الدین ابوبکر محمد بن احمد (م507ھ / 1113ء)
حلیة العلماء فی معرفة مذاهب الفقهاء (حققه = الدکتور یاسین احمد ابراهیم درادکه) عمان = دار الباز مکتبة الرسالة الحدیثة الطبعة الاولی 1988ء

(386) **القفطی** جمال الدین ابوالحسن علی بن یوسف (م646ھ / 1248ء)
اخبار العلماء باخبار الحکماء المشهور تاریخ الحکماء مصر = دار الکتب الخدیویة مطبعة السعادة طبع الاول 1326ھ

(387) **قلعہ جی** محمد رواس۔ حامد صادق قنیبی
معجم لغة الفقهاء (عربی انگلیزی) کراتشی = ادارة القرآن والعلوم الاسلامیة

(388) **قلعہ جی** محمد رواس الدکتور
موسوعة فقه عمر بن الخطاب عصره و حیاته بیروت = دار النفائس الطبعة الرابعة 1409ھ / 1989ء

(389) **القلقشندی** ابو العباس شہاب الدین احمد بن علی (م821ھ / 1419ء)
صبح الاعشیٰ فی صناعة الانشاء القاهرة = مطبعة الامیریة 1332ھ

(390) **ایضاً**
نهایة الارب فی معرفة انساب العرب (تحقیق ابراهیم الابیاری) الطبعة الاولی، القاهرة 1959ء

(391) **الکاسانی** علاء الدین ابوبکر بن مسعود (م587ھ / 1191ء)
بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع۔ کراتشی ایچ ایم سعید الطبعة الاولی 1328ھ

(392) **الکاندھلوی** محمد زکریا
اوجز المسالک فی موطا مالک ملتان ادارة تالیفات اشرفیه

(393) **الکبیسی** احمد عبید الدکتور
مباحث التعلیل (کتاب پر تاریخ طبع تحریر نہیں ہے)

(394) **الکتبی** محمد بن شاکر (م764ھ / 1363ء)
فوات الوفیات والذیل علیها (تحقیق = احسان عباس) بیروت = دار صادر، طبع 1973ء

(395) **کحالہ** عمر رضا
مباحث اجتماعیة فی عالمی العرب و الاسلام دمشق = مطبعة الحجاز، 1394ھ / 1974ء

(396) **ایضاً**
معجم المولفین (تراجم مصنفی الکتب العربیة) دمشق = مطبعة الترقی 1380ھ (مقدمہ

معجم المولفین کے اس ایڈیشن کے علاوہ بیروت = مکتبہ المثنی کے شائع کردہ ایڈیشن سے بھی حوالہ جات دیئے گئے ہیں)

(397) **الکرمانی** محمد ابن یوسف (م 786ھ / 1384ء)

الکواکب الدراری فی شرح صحیح البخاری - القاهرة = موسسة المصبوعات الاسلامیة

(398) **الکنانی** بدر الدین بن الشیخ العارف'

تذکرة السامع والمتکلم فی ادب العالم والمتعلم حیدر آباد الدکن - الهند' 1353ھ

(399) **الکنانی** یحیٰی بن عمر (م 289ھ / 902ء)

کتاب النظر والاحکام فی جمیع احول السوق (روایة ابو جعفر احمد المصری القیروانی) (تحقیق = حسن حسنی عبدالوهاب) تونس = الشرکة التونسیة للتوزیع' طبع 1975ء

(400) **الکندی** ابو عمر محمد بن یوسف (م 350ھ / 961ء)

الولاة و کتاب القضاة - بیروت = 1908ء

(401) **ایضاً**

ولاة مصر (تحقیق = دکتور حسین نصار) بیروت = دار بیروت، دار صادر' للطباعة والنشر 1379ھ / 1959ء

(402) **الکوثری** محمد زاهد بن الحسن (م 1371ھ / 1952ء)

الامتاع بسیرة الامامین الحسن بن زیاد و صاحبه محمد بن شجاع کراتشی - ایچ' ایم' سعید ادارة نشر الکتب 1401ھ

(403) **ایضاً**

بلوغ الامانی فی سیرة الامام محمد بن الحسن الشیبانی' کراتشی = ایچ ایم سعید کمپنی' الطبعة الاولیٰ 1355ھ

(404) **ایضاً**

الحاوی فی سیرة الامام ابی جعفر الطحاوی کراتشی 'ایچ' ایم' سعید

(405) **ایضاً**

حسن التقاضی فی سیرة الامام ابی یوسف القاضی' کراتشی' شرکة ایچ ایم - سعید (ادارة نشر الکتب) طبع ثانی 1403ھ

(406) **ایضاً**

فقه اهل العراق و حدیثهم (حققه = عبدالفتاح ابوغدة) کراتشی = شرکة ایچ - ایم - سعید کمپنی' الطبعة الاولیٰ' 1401ھ

(407) **ایضاً**

لمحات النظر فی سیرۃ الامام زفر{ کراتشی' شرکۃ ایچ ایم سعید (ادارۃ نشر الکتب) طبع ثانی 1397ھ }

(408) **ایضاً**

النکت الطریفۃ فی التحدث عن ردود ابن ابی شیبۃ علی ابی حنیفۃ۔ القاہرۃ = مطبعۃ الانوار' الطبعۃ الاولی 1365ھ

(409) **الکیرانوی** محمد نظام الدین

النظامی شرح الحسامی۔ کراتشی' ایچ' ایم' سعید

(410) **لجنۃ** احیاء التراث العربی

کتاب الاحکام الشرعیۃ فی الاحوال الشخصیۃ علی مذہب الامام ابی حنیفۃ' بیروت = منشورات دار الآفاق الجدیدۃ' الطبعۃ الثانیۃ 1400ھ

(411) **لجنۃ** من علماء الہند' فتاوی عالمگیری' لکھنو = منشی نولکشور

(412) **لجنۃ** مولفۃ من العلماء المحققین

مجلۃ الاحکام العدلیۃ کراتشی = قدیمی کتب خانہ

(413) **لطفی جمعۃ** محمد (م 1372ھ / 1953ء)

تاریخ فلاسفۃ الاسلام فی المشرق والمغرب۔ مصر = مطبعۃ المعارف 1345ھ

(414) **المازندرانی** السید موسی الحسینی العقد المنیر فی تحقیق ما یتعلق بالدراہم والدنانیر طہران = مکتبۃ الصدوق' 1382ھ

(415) **مالک'** بن انس الامام (م 179ھ / 795ء)

الموطا کراتشی = نور محمد' اصح المطابع

(416) **الماوردی** ابو الحسن علی بن محمد بن حبیب البصری (م 450ھ / 1058ء)

الاحکام السلطانیۃ والولایات الدینیۃ۔ مصر = دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع' الطبعۃ الاولی 1404ھ

(417) **ایضاً**

ادب الدنیا والدین۔ مصر = دار الکتب العربیہ (بن طبع درج نہیں)

(418) **ایضاً**

تسہیل النظر و تعجیل الظفر فی اخلاق الملک و سیاسۃ الملک (تحقیق ہلال السرحان) بیروت' دار النہضۃ الطبعۃ الاولی 1981ء

(419) **ایضاً**

قوانین الوزارۃ (تحقیق و دراسۃ = الدکتور فواد عبدالمنعم احمد۔ الدکتور محمد سلیمان داؤد) موسسۃ الجامعۃ الاسکندریۃ' طبعۃ ثانیۃ 1398ھ / 1978ء

(420) **المجلس الاعلى للشؤن الاسلامية بمصر**
موسوعة الفقه الاسلامي المعروفة بموسوعة جمال عبدالناصر الفقهية القاهرة = 1390

(421) **المجمع الملكي لبحوث الحضارة الاسلامية**
التنمية من منظور الاسلامي -عمان = آل البيت

(422) **ايضاً**
الفهارس التحليليه للاقتصاد الاسلاميه وفقا للموضوعات عمان = آل البيت

(423) **محمد سلام** مدكور المدخل للفقه الاسلامي القاهرة = الطبعة الاولى 1380ھ / 1960ء

(424) **محمد شهير** ارسلان
القضاء والقضاة بيروت = دار الارشاد الطبعه الاولى 1389ھ / 1969 م

(425) **محمد عثمان** شبير'
احكام الجراح فى الفقه الاسلامي الكويت' دار الارقم الطبعة الاولى 1406ھ / 1986ء

(426) **محمد كرد** علي' محمد بن الرزاق (م 1372ھ / 1953ء)
كتاب خطط الشام دمشق = مطبعة الترقى ' 1346ھ / 1927ء

(427) **ايضاً**
كنوز الاجداد' مصر = مطبعة المعارف 1357ھ

(428) **محمد يحيىٰ** ابوزكريا (م 1334ھ / 1916ء)
لامع الدرارى على جامع البخارى مكة المكرمه = المكتبة الامدادية سنة الطبع 1396ھ

(429) **محي الدين** عطيةؔ
الكشاف الاقتصادى لآيات القرآن الكريم المعهد العالمي للفكر الاسلامي' الطبعة الاولى 1412ھ / 1991ء

(430) **المرداوى** علاء الدين ابوالحسن على بن سليمان (م 885ھ / 1480ء)
الانصاف (تحقيق = محمد حامد الفقى) دار احياء التراث العربى' الطبعة الثانية 1400

(431) **المرغيناني** برهان الدين ابوالحسن على بن ابى بكر (م 593ھ / 1197ء)
الهداية (مع الدراية فى منتخب تخريج احاديث الهداية) ملتان = مكتبه شركة علمية
(نوٹ مقالہ میں ایک ایڈیشن یہ بھی استعمال ہوا ہے' کراچی محمد علی کارخانہ اسلامی کتب)

(432) **المركز العالمي لابحاث الاقتصاد الاسلامي**
الاقتصاد الاسلامي مكة المكرمة = جامعة الملك عبدالعزيز' الطبعة الاولى 1400ھ

(433) **المسعودى** ابوالحسن على بن الحسين بن على (م 346ھ / 957ء)
التنبيه والاشراف (تصحيح عبدالله اسماعيل الصاوى)' بغداد ' 1357ھ

(434) **ایضاً**

مروج الذهب و معادن الجوهر (تحقیق - محمد محی الدین عبدالحمید)' مصر - المکتبۃ التجاریۃ الکبری الطبعۃ الثانیۃ' 1367ھ

(مقالہ میں اس کتاب کا ایک ایڈیشن یہ بھی استعمال کیا گیا ہے۔)

مروج الذهب (تحقیق و تعلیق - یوسف اسعد داغر) بیروت - دار الاندلس للطباعۃ والنشر' الطبعۃ الاولی 1965ء

(435) **مسلم**' بن حجاج قشیری (م 261ھ / 875ء)

الصحیح لمسلم (مع شرح اکمال الاکمال للسنوسی) اسلام آباد - ادارۃ البحوث الاسلامیہ بوزارۃ التعلیم الوفاقیۃ' سنۃ الطبع 1405ھ

نوٹ مقالہ میں الصحیح لمسلم کا ایک ایڈیشن یہ بھی استعمال ہوا ہے۔ کراچی' قدیمی کتب خانہ

(436) **مصطفیٰ الزرقاء**' احمد

الفقہ الاسلامی فی ثوبہ الجدید' دمشق - مطبعۃ الحیاۃ۔ 1383ھ

(437) **المصنف** ابوبکر بن هدایۃ اللہ (م 1014ھ / 1605ء)

طبقات الشافعیۃ۔ بغداد - المکتبۃ العربیۃ' 1356ھ

(438) **مصنف مجہول**'

معجم المصنفین (طبع فی ظل دولۃ السلطان ملک الدکن) بیروت' مطبعۃ و ربکو غراف طبارۃ' 1344ھ

(439) **المظہری**' محمد ثناء اللہ قاضی (م 1225ھ / 1811ء)

التفسیر المظہری حیدر آباد الہند - مجلس اشاعت العلوم

(440) **المقدسی** شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن احمد (م 375ھ / 985ء)

احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم بیروت - مکتبۃ خیاط

(441) **المقری** احمد بن محمد (م 1041ھ / 1631ء)

نفح الطیب من غصن الاندلس الرطیب و ذکر وزیرھا لسان الدین بن الخطیب (تحقیق - محمد محی الدین عبدالحمید) القاھرۃ - مصر - مطبعۃ عیسیٰ البابی الحلبی

(442) **المقریزی** تقی الدین احمد بن علی بن عبدالقادر (م 845ھ / 1441ء)

المواعظ والاعتبار بذکر الخطط والآثار لبنان - مکتبۃ احیاء العلوم

(443) **ایضاً**

کتاب النقود الاسلامیۃ المسمی "بشذور العقود فی ذکر النقود (تحقیق - محمد السید علی بحر العلوم) قم - منشورات الشریف الرضی' الطبعۃ الخامسۃ 1387ھ /

1967ء

(444) **الملا علی** القاری علی بن (سلطان) محمد (م1014ھ / 1606ء)
ذیل الجواہر المضیئۃ-حیدر آباد الدکن-الہند-1332ھ

(445) **ایضاً**
شرح النقایۃ (وبہامشہ شرح للمولوی الیاس) کراتشی-ایچ ایم سعید

(446) **ایضاً**
مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح ملتان-مکتبہ امدادیہ

(447) **المنذری** عبدالعظیم بن عبدالقوی (م656ھ / 1258ء)
مختصر سنن ابی داود-(تحقیق احمد محمد شاکر و محمد حامد الفقی)-سانگلہ ہل-المکتبۃ الاثریۃ الطبعۃ الاولی 1368ھ

(448) **الموسوی** محمد باقر
روضات الجنات فی احوال العلماء و السادات (تصحیح محمد علی الاصبہانی) الطبعۃ الثانیۃ 1347ھ

(449) **الموفق** المکی بن احمد (م568ھ / 1172ء)
مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ حیدر آباد الدکن-الہند-مطبعۃ مجلس دائرۃ المعارف النظامیۃ 1321ھ

(450) **النابلسی** عبدالغنی (م935ھ / 1529ء)
علم الملاحۃ فی علم الفلاحۃ بیروت-دار الآفاق الجدیدۃ طبع 1979ء

(451) **النسائی** احمد بن علی بن شعیب (م303ھ / 915ء)
سنن النسائی کراچی قدیمی کتب خانہ

(452) **النسفی** ابو البرکات عبداللہ بن احمد بن محمود (م710ھ / 1310ء)
مدارک التنزیل و حقائق التاویل دار احیاء الکتب العربیۃ عیسیٰ البابی الحلبی و شرکاؤ

(453) **ایضاً**
کشف الاسرار فی شرح المنار بولاق-المطبعۃ الامیریۃ الکبریٰ الطبعۃ الاولی 1316ھ

(454) **النسفی** عمر بن محمد بن احمد بن اسماعیل (م537ھ / 1142ء)
الخلافیات بغداد-مکتبۃ الاوقاف الطبعۃ الاولی 1983ء

(455) **ایضاً**
طلبۃ الطلبۃ فی الاصطلاحات الفقہیۃ (تحقیق-الشیخ خلیل) بیروت-دار القلم الطبعۃ الاولی 1406ھ

(456) **النفراوی** احمد بن غنیم بن مہنا (م1126ھ / 1714ء)

الفواكه الدوانی علی رسالة ابن ابی زید القیروانی۔ خرطوم = المکتبة الاھلیة مطبعة السعادة 1331ھ

(457) النقشبندی السید ناصر محمود
الدرھم الاسلامی المضروب علی الطراز الساسانی بغداد = المجمع العلمی العراقی 1389ھ / 1969ء

(458) ایضاً
الدینار الاسلامی فی المتحف العراقی بغداد = 1953ء

(459) النمنکانی حامد مرز الفرغانی
الفتح الرحمانی فی فتاوی السید ثابت ابی المعانی (تصحیح = نعمان محمد طاشکندی) القاھرة = مطبعة دار الجھاد الطبعة الثانیة 1396ھ

(460) النووی ابو زکریا محی الدین یحییٰ بن شرف (م 676ھ / 1277ء)
تھذیب الاسماء واللغات بیروت = دار الکتب العلمیة

(461) ایضاً
المجموع شرح المھذب {المدینة المنورة = المکتبة السلفیة}

(462) ایضاً
منھاج الطالبین و عمدة المفتین۔ مصر = دار الاحیاء الکتب العربی 1343ھ

(463) النویری احمد بن عبدالوھاب بن محمد (م 733ھ / 1333ء)
نھایة الارب فی فنون الادب القاھرة = وزارة الثقافة والارشاد القومی الموسسة المصریة طبع 1955ء

(464) الوصابی ابو عبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن (م 782ھ / 1380ء)
البرکة فی فضل السعی والحرکة القاھرة = المکتبة التجاریة

(465) وکیع محمد بن خلف بن حیان (م 306ھ / 919ء)
اخبار القضاة (تصحیح = عبدالعزیز مصطفیٰ المراغی) بیروت = عالم الکتب الطبعة الاولیٰ 1366ھ

(466) ھلال الرای بن یحییٰ بن مسلم (م 245ھ / 859ء)
کتاب احکام الوقف حیدر آباد دکن الھند = مجلس دائرة المعارف العثمانیة الطبعة الاولیٰ 1355ھ

(467) الھیثمی نور الدین علی بن ابی بکر (م 807ھ / 1405ء)
مجمع الزوائد و منبع الفوائد بیروت = موسسة المعارف 1406ھ

(468) الیافعی ابو محمد عبداللہ بن اسعد (م 768ھ / 1366ء)

مرآۃ الجنان و عبرۃ الیقظان فی معرفۃ ما یعتبر من حوادث الزمان بیروت = موسسۃ الاعلمی للمطبوعات الطبعۃ الثانیۃ 1390ھ

(469) **یاقوت** الحموی ابو عبداللہ یاقوت بن عبداللہ (م 626ھ / 1229ء)

معجم الادباء بیروت = دار احیاء التراث العربی

(470) **ایضاً**

معجم البلدان بیروت = دار صادر للطباعۃ و النشر 1376ھ

(471) **یحییٰ** بن آدم القرشی (م 203ھ / 818ء)

کتاب الخراج (صححہ و شرحہ و وضع فہارسہ ابو الاشبال احمد محمد شاکر) لاہور = المکتبۃ العلمیۃ الطبعۃ الاولی 1395ھ

(472) **الیعقوبی** احمد بن اسحاق (ابی یعقوب) بن جعفر (م بعد 292ھ / 905ء)

تاریخ الیعقوبی بیروت = دار صادر للطباعۃ و النشر 1379ھ

(473) **یوسف** ابراہیم یوسف الدکتور

المنہج الاسلامی فی التنمیۃ الاقتصادیۃ مطابع الاتحاد الدولی للبنوک الاسلامیۃ 1401ھ

عربی مخطوطات

(474) **ابن مازہ** برہان الدین ابوالمعالی محمود بن الصدر السعید تاج الدین حمد (م 616ھ / 1219ء)

المحیط البرہانی نمبر ب II-256 م لاہور 'قائد اعظم لائبریری

(475) **الزرنوجی** برہان الدین' تعلیم المتعلم آداب التعلم فی جمیع العلوم الاخرویۃ والدنیویۃ

کراچی 'کتب خانہ ہمدرد دواخانہ نمبر 1492

(476) **السمعانی'** حسین بن محمد (م آٹھویں صدی ہجری)

خزانۃ المفتین نمبر II9 2922 پنجاب یونیورسٹی لائبریری

(477) **الشریف الجرجانی'** علی بن محمد (م 816ھ)

السریفیہ نمبر II82 1001 لاہور 'پنجاب یونیورسٹی لائبریری

(478) **الصیمری'** ابوعبداللہ حسین بن علی'

مناقب حسان من اخبار الامام ابی حنیفۃ الحبر البحر النعمان لاہور 'قائد اعظم لائبریری' ص 19'256 م 391

(479) **الغزنوی** ابو حفص سراج الدین عمر بن اسحاق (م 797ھ) الغرۃ المنیفۃ فی ترجیح مذہب الامام ابی حنیفۃ کراچی 'کتب خانہ ہمدرد دواخانہ نمبر 1188

(480) **قاضی نظام الدین** شہاب الدین احمد بن محمد (م 875ھ / 1471ء) فتاوی ابراہیم شاہی۔ نمبر II98 1837۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری

(481) **مصنف مجہول** الالفاظ الحسان فیما اختلف فیہ الامامان الشافعی والنعمان نمبر II94 1007۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری

(482) **مصنف مجہول** رسالۃ فی بیان السلف من العلماء الراسخین

مخطوطہ' کتب خانہ پیر محمد اعظم' خانقاہ فاضلیہ گڑھی افغاناں (راولپنڈی)

(483) **مصنف مجہول** مناقب الامام ابی یوسف و مناقب الامام محمد بن الحسن الشیبانی

مخطوطہ کتب خانہ پیر محمد اعظم' خانقاہ فاضلیہ گڑھی افغاناں (راولپنڈی)

(484) **الناگوری** ابوالفتح رکن بن حسام

فتاوی حمادیہ (ایک ضخیم مخطوطہ) (پنجاب یونیورسٹی لائبریری شیرانی کلیکشن نمبر 3909 = ورق /211

(485) **النسفی** ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود (م 710ھ)

کنز الدقائق نمبر II-A-8588 - پنجاب یونیورسٹی لائبریری

اردو کتب

(486) **ابوالکلام آزاد** احمد بن خیر الدین (م 1377ھ/1958ء) تذکرہ (مرتبہ مالک رام) نئی دلی = ساہتیہ اکاڈمی 'طبع اول 1968ء

(487) **احمد رضا** مولانا (م 1340ھ) فتاویٰ رضویہ 'فیصل آباد' سنی دار الاشاعت 1394ھ

(488) **تنزیل الرحمٰن** ڈاکٹر' مجموعہ قوانین اسلام 'اسلام آباد = ادارہ تحقیقات اسلامی 'طبع دوم 1985ء

(489) **حمیداللہ** محمد ڈاکٹر'

خطبات بہاولپور - بہاولپور = اسلامیہ یونیورسٹی 'اشاعت اول 1401ھ

(490) **حنیف ندوی** محمد مولانا

افکار ابن خلدون - لاہور = ادارہ ثقافت اسلامیہ 'پانچواں ایڈیشن 1984ء

(491) **سعیداللہ** قاضی' ڈاکٹر

اصول تحقیق' پشاور شیخ زاید اسلامک سنٹر 'طبع 1992ء

(492) **سیوہاروی** محمد حفظ الرحمٰن'

قصص القرآن - کراچی = دار الاشاعت

(493) **شبلی نعمانی** محمد (م 1332ھ / 1914ء)

سیرۃ النعمان 'لاہور = اسلامی اکادمی

(494) **شہزاد** اقبال شام

اسلام کا نظام مصارف 'اسلام آباد - شریعہ اکیڈمی' بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی 'طبع اول 1414ھ

(495) **عزیر محمد** دولت عثمانیہ 'اعظم گڑھ = معارف پریس '1362ھ

(496) **غفاری** نور محمد ڈاکٹر' اسلام کا قانون محاصل 'لاہور = مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری

(497) **ایضاً**

اسلام کا نظام مالیات - ڈیرہ اسماعیل خان 'مکتبہ نعمانیہ

(498) **فقیر محمد** جہلمی

حدائق الحنفیہ (مرتبہ مع حواشی و تکملہ خورشید احمد خان) لاہور = مکتبہ حسن سہیل طبع سوم 1906ء

(499) **محمد احسن** صدیقی' مذاق العارفین ترجمہ احیاء علوم الدین 'لاہور' مکتبہ رحمانیہ

(500) **محمد شفیع** مفتی

اسلام کا نظام اراضی 'کراچی = دار الاشاعت - ایڈیشن سوم '1979ء

(501) **محمد طاسین** مولانا'

مروجہ نظام زمینداری اور اسلام - لاہور مرکزی انجمن خدام القرآن

(501/2) **نجات اللہ صدیقی**

محمد ڈاکٹر' اسلام کا نظام محاصل (ترجمہ کتاب الخراج) کراچی' مکتبہ چراغ راہ' طبع اول 1966ء

(502) ایضاً'

اسلام کا نظریہ ملکیت۔ لاہور۔ اسلامک پبلی کیشنز' اشاعت سوم 1980ء

(503) ایضاً'

شرکت و مضاربت کے شرعی اصول' لاہور' اسلامک پبلی کیشنز' طبع سوم 1981ء

(504) **یوسف گورایہ** ڈاکٹر' کیا اسلام میں کرایہ داری جائز ہے؟ لاہور۔ فیروز سنز

(505) اسلامی نظریاتی کونسل کی تیرھویں رپورٹ' اسلام نظام محاصل و قانون محاصل' اسلام آباد' اسلامی نظریاتی کونسل' اپریل 1984ء

فارسی کتب

(506) **بدایونی** عبدالقادر بن ملوک شاہ منتخب التواریخ (تصحیح=ولیم ناسولیس و منشی احمد علی) کلکتہ' 1865ء

(507) **برنی'** ضیاء الدین تاریخ فیروز شاہی۔ کلکتہ=1862ء

(508) **السیهرندی** یحییٰ بن احمد بن عبداللہ (م 838ھ)
تاریخ مبارک شاہی (تصحیح محمد ہدایت حسین) کلکتہ۔ایشیاٹک سوسائٹی' 1931ء

(509) **شمس سراج** عفیف۔ تاریخ فیروز شاہی (تصحیح مولوی ولایت حسین) کلکتہ=ایشیاٹک سوسائٹی' 1891ء

(510) **العمری** شہاب الدین
مسالک الابصار' علی گڑھ=1943ء

(511) **فخر'** مدبر
تاریخ فخر الدین مبارک شاہ (تصحیح سرڈینی سن راس) لندن=1927ء

(512) **فیروز شاہ'** سلطان
فتوحات فیروز شاہی (تصحیح=شیخ عبدالرشید) علی گڑھ مسلم یونیورسٹی' 1954ء

(513) **الکوفی** علی بن حامد بن ابی بکر (م 613ھ)
فتح نامہ سندھ المعروف بہ چچ نامہ (تصحیح عمر بن محمد داؤد پوتہ) حیدر آباد دکن الہند= مجلس مخطوطات فارسیہ' 1358ھ

(514) **ماهرو** عین الدین
انشاء ماہرو (تصحیح پروفیسر عبدالرشید) لاہور 1965ء

(515) **محمد حسن** مرزا
مرات احمدی (تصحیح و تحشی=سید نواب علی) کلکتہ' 1928ء

ENGLISH BOOKS

(516) Ahmed, Ziauddin , (Munawar Iqbal - M. Fahim Khan).
Fiscal Policy and Resource Allocation in Islam. Islamabad, institute of policy studies.
(517) Arnold, Thomas, W.Caliphate - London, 1965
(518) Bach, George Leland, Economics An intoduction to analysis and policy. New Jersey, Prentice Hall inc.
(519) Gide, Charles — Rist, charles.
A History of Economic Doctrines. London, George G. Harrap Company, 1950
(520) Haney, Lewish.
History of Economic thought. New york, The Macmillan Compnay, 1965
(521) Lambton, Ann K.S. = Landlord and Peasant in Persia, Oxford, 1953.
(522) Lokke gaard, Frede,
Islamic Taxation in the classic period Lahore, sind sagar academy.
(523) Report of a working group
"Tax System in Pakistan" Islamabad, Institute of policy studies
(524) Schacht, J The origins of Muhammadan Juris Prudence London, 1965.
(525) Schumpeter, Joseph, A
History of Economic Analysis London, George Allen Unwin Ltd
(526) Ibid
The Great Economists, London, George Allen Unwint Ltd
(527) Shemesh, A. Ben.
Taxation in Islam. Leiden E.J. Brill, 1969 .
(528) Taylor, Overton H.
A History of Economic Thought. Tokyo, Kogakusha Company Ltd
(529) Weber, Max,
General Economic History. (Translated by Frank H Knight) London George Allen-Unwin Ltd.
(530) Wilson, E.M. Carus.
Essays in Economicc History. London, Edward Arnold (Publishers) Ltd., 1962.
(531) Ziaul Haque Landlord and peasant in early Islam. Islamabad, Islamic Research institute, 1984.

تراجم

(532) ایس ایم اختر، ڈاکٹر/ غلام رسول مہر، مولانا، "علماء کے معاشی نظریات (جارج سول (George Soule) کی کتاب "Ideas of the great Economists" کا اردو ترجمہ، لاہور، مجلس ترقی ادب، طبع اول 1960ء

(533) رشید احمد، مولوی، "تاریخ معاشیات" (ڈاکٹر انگرم کی کتاب "History of Economics" کا اردو ترجمہ، حیدر آباد دکن

(534) غلام رسول مہر، مولانا، "جزیہ اور اسلام" (ڈینٹ، ڈینیل سی کی کتاب "Conversion and the poll tax in early Islam" کا اردو ترجمہ، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، طبع اول 1962ء

عربی مضامین

(۵۳۵) **البوزیدی،** علال، نظرات فی الفکر المنہجی عند ابن خلدون، مجلة = الامة (قطر) صفر، 1404ھ

(۵۳۶) **الحمر** عبدالملک،
من تاریخ الفکر الاقتصادی فی الاسلام، مجلة = الاقتصاد الاسلامی (الامارات العربیہ) العدد 48 ذوالقعدة 1405ھ

(۵۳۷) **الرفاعی** عبدالجبار،
فہرست الاقتصاد الاسلامی باللغة العربیة مجلة التوحید

(۵۳۸) **رمضان علی السید** الدکتور
التعزیر بالمال فی الشریعة الاسلامیة (العقوبة بالمال) مجلة = الشریعة والقانون العدد الاول 1978ء، جامعة صنعاء کلیة الشریعة والقانون،

(۵۳۹) **السامرائی** ابراھیم،
من کتب التراث کتاب الخراج و صناعة الکتابة بقدامة بن جعفر مجلة = عالم الکتب (الریاض) شوال 1402ھ الریاض = دار ثقیف للنشر والتالیف

(۵۴۰) **السامرائی** حسام الدین، الدکتور
السیاسة الزراعیة للدولة العباسیة (خلال القرن الثالث الھجری) مجلة = کلیة الامام الاعظم (بغداد) مطبعة العانی، العدد الثانی 1394ھ

(۵۴۱) **السامرائی** حسام الدین، الدکتور
دراسات فی الاقتصاد الزراعی للدولة العباسیة مجلة = البحث العلمی والتراث الاسلامی (مکة مکرمة) 1402ھ

(۵۴۲) **السائح** علی حسین
زکاة الزروع والثمار بین واقع النصوص واختلاف الفقہاء واقتصاد العصر، مجلة کلیة الدعوة الاسلامیة (طرابلس) العدد الرابع 1397ھ

(۵۴۳) **السقاف** عبدالعزیز الدکتور
مبادی السیاسة المالیة فی الدولة الاسلامیة مجلة الشریعة والقانون جامعة صنعاء کلیة الشریعة والقانون

(۵۴۴) **الطہطاوی** محمد عزت
من اعلام القضاء فی دولة الاسلام = ابویوسف یعقوب بن ابراھیم مجلة الازھر صفر 1406ھ

(۵۴۵) **عبدالرحمٰن،** فقیہ عصرہ، مجلة = لواء الاسلام صفر 1388ھ

(٩٤٦) **عبدالواحد ذنون طه**

صور سياسة الحجاج الثقفي المالية في العراق مجلة «المورد» (تصدرها وزارة الاعلام- الجمهورية العراقية) العدد الثالث 1396هـ

(٩٤٧) **العريني**، الباز السيد، الاقطاع في الشرق الاوسط (منذ القرن السابع حتى القرن الثالث عشر الميلادي) حوليات كلية الآداب، المجلد الرابع يناير ١٩٥٧م، جامعة عين شمس

(٩٤٨) **العوضي** رفعت السيد الدكتور

رويتقي منهج الاقتصاد الوضعي

كلية الشريعة والدراسات الاسلامية الدوحة- جامعة قطر العدد الثاني 1984م

(٩٤٩) **القراز** وداد علي،

الدراهم الاسلامية المضروبة على الطراز الساساني للخلفاء الراشدين في المتحف العراقي، مجلة «المسكوكات» العدد السادس 1969م

(٩٥٠) **الكفراوي** عوف محمود

الانفاق الاستثماري في الدولة الاسلامية - في فكر القاضي ابي يوسف. مجلة «الاقتصاد الاسلامي» (الامارات العربية) رمضان المبارك 1405هـ

(٩٥١) **محمد ابو الخير**

ابو يوسف بين الهادي والرشيد مجلة «الحديد» (مصر) أكتوبر 1978م

(٩٥٢) **المرسي** محمود الدكتور

دراسة محسمة للنظام المحاسبي في الدواوين في عصر الخلافة العباسية بمصر 659هـ - ٩٢٣هـ مجلة جامعة ام القرى (جامعة ام القرى / مكة المكرمة) العدد الثاني العام 1410هـ

(٩٥٣) **مليحة**، الدكتورة

بناء المجتمع العراقي في العصر العباسي، مجلة «حولية كلية البنات» جامعة عين شمس، العدد السادس

(٩٥٤) **نزيه كمال حماد** الدكتور

... النقود واثره على الديون في الفقه الاسلامي مجلة البحث العلمي والتراث الاسلامي (طبع دار مكة) العدد الثالث 1400هـ

(٩٥٥) **الوليلي**، ابراهيم،

من رواد الاقتصاد الاسلامي، حميد بن زنجويه (180 - 251هـ) مجلة «الاقتصاد الاسلامي» (الامارات العربية)

(٩٥٦) **اليوزبكي** توفيق سلطان الدكتور

نظرات فی مواقف الاسلام والدولة الاسلامیة من اهل الذمة خلال القرنین الاول والثانی للهجرة مجلة الدراسات الاسلامیة بجامعة ام درمان الاسلامیة ربیع الاول 1398ھ

اردو مضامین

(557) اشتیاق حسین،

ضریبہ ہندوستان (سلطنت دہلی) اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد 12 لاہور = دانش گاہ پنجاب

(558) ساجد الرحمٰن صدیقی ڈاکٹر

حدیث صحابہ اور فقہی اجتہادات سہ ماہی منہاج لاہور جولائی اکتوبر 1988ء لاہور = مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری

(559) عبد الواحد، ڈاکٹر

"مروجہ نظام زمینداری اور اسلام" پر تبصرہ۔ سہ ماہی منہاج لاہور جولائی 1987ء لاہور = مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری

(560) غفاری، نور محمد ڈاکٹر

اسلام میں جاگیرداری اور زراعت۔ سہ ماہی منہاج لاہور اپریل 1990ء لاہور = مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری

(561) نجات اللہ صدیقی، ڈاکٹر

امام ابو یوسف کا معاشی فکر ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور اگست، ستمبر 1964ء لاہور = دفتر ترجمان القرآن

ENGLISH ARTICLES

(562) Ahmad, Rafiq, The origin of Economics and the Mulsims —
A Preliminary survey (Journal, The Punjab University Economist
Lahore, University of the Punjab).
(563) Beg, Muhammad Abdul Jabbar, Dr.
"Agricultural and Irrigation Labourers in social and Economic life
of IRAQ during the Umayyad and Abbasid Caliphates (An Examination
of contracts (UQUd)" Journal "Islamic Culture" January 1973.
Published by the Islamic Culture Board Hyderabad - INDIA.
(564) Boulakia, Jean David,
Ibn Khaldun =
A Fourteenth century Economist, Journal of Islamic Banking and Finance.
(565) Cahen, CL. "Baytal - Mal" The Encyclopaedia of Islam.
(New edition)
(566) Ibid
Kharadj. The Encyclopaedia of Islam. (New Edition) Leiden. E.J. Brill 1978.
(567) Cropsey, Joseph,
Smith Adam,
The Ecyclopaedia Americana,
(568) Gill, Richard T.
Smith Adam,
The Macmillan Family Encyclopaedia.
(569) Hay, Thomas Robson
Smith Adam,
Collier's Encyclopaedia (New York Macmillan Educational Company).
(570) Khaled Abou EL Fadl
"Tax Farming in Islamic law (Qibalah and daman of Kharaj)
A search for a concept. (Journal, Islamic Studies 1992.
(571) Mirakhor, Abbas Dr,
The Muslim scholars and the history of economics = a Need
for consideration. The American jounral of Islamic social
sciences. vol. 4, No.2, 1987.
(572) Schacht, J. Abu Yusuf
Encyclopaedia of Islam. (New edition) Leiden, E.J. Brill.
(573) Sherwani, H.K. Ibn Khaldun and his politico - economic thought.
Islamic culture (An English quarterly) April 1970 (Published by the
Islamic culture board Hyderabad (India).

(574) Viner, Jacob,
Smith Adam,
International Encyclopaedia of the social sciences (Newyork, The Macmillan company).

(575) Ziauddin Ahmed
"USHR AND USHR LAND" (Journal, Islamic Studies, Summer 1980, Printd at Islamic research institute press.

(576) Ziaul Haque
"Metayage and Tax-Farming in the medieval Muslim Society" Journal "Islamic Studies" Islamabad, Islamic Research Institute, Autumn 1975.

قومی اخبار

(577) روزنامہ جنگ لاہور

اشاعت 15 جون 1993ء، 25 ستمبر 1993ء، 20 فروری 1997، 29 مارچ 1997ء، 31 مئی 1997ء، 4 جون 1997ء، 16 جو 1997ء، 13 ستمبر 1997ء

کُتب خانے

مصادر و مراجع کے حصول کے لیے درج ذیل لائبریریوں سے استفادہ کیا گیا راقم ان کے منتظمین کا شکر گزار ہے

شہر	لائبریری
اسلام آباد	لائبریری ادارہ تحقیقات اسلامی
	" اسلامی نظریاتی کونسل
	" انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈی
	" بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی
	" " " " " شعبہ معاشیات
	" قائد اعظم یونیورسٹی
	" وفاقی شرعی عدالت
بہاولپور	" اسلامیہ یونیورسٹی
	" سنٹرل
پشاور	" اسلامیہ کالج
جامشورو	" سندھ یونیورسٹی
حیدر آباد	" شاہ ولی اللہ اکیڈمی
رحیم یار خاں	" شیخ زاید
فیصل آباد	" زرعی یونیورسٹی
کراچی	" جامعہ الدراسات الاسلامیہ
	" خالد اسحاق ایڈووکیٹ
	" کراچی یونیورسٹی
	" مجلس علمی
	" ہمدرد دواخانہ (بیت الحکمت)
گرمی افغاناں ضلع (راولپنڈی)	پیر محمد اعظم (خانقاہ فاضلیہ)
گوجرانوالہ	" جناح (فرسٹ پلازہ)
	" گورنمنٹ کالج
	" مدرسہ نصرۃ العلوم
لاہور	" ادارہ علوم اسلامیہ (جامعہ پنجاب)
	" پنجاب پبلک
	" دیال سنگھ
	" قائد اعظم
ملتان	" یونیورسٹی